تصنیف سنہ ۱۹۲۱ء

ہل

جلد ۱ • باتصویر ماہوار رسالہ دسمبر سنہ ۱۹۳۸ء

فہرست مضامین

اُردو مطبوعات انڈین پریس لمیٹڈ - الہ آباد

ضروری ہدایات (۱) صاحب فرمائش کو اپنا نام اور پتہ خوش خط اور مفصل لکھنا چاہئے (۲) جو کتابیں کسی فرمائش کی بنا پر روانہ ہوں گی وہ کسی صورت میں واپس نہ ہو سکیں گی۔ (۳) بعض کتابیں بہت کم تعداد میں باقی رہ گئی ہیں۔ اسلئے اگر فرمائش میں دیر کی گئی اور وہ کتابیں ختم ہو گئیں تو انکا مہیا کرنا مشکل ہوگا۔ (۴) کتابیں منگا کر ان کو بعد انکاری واپس کر دینا ایک قسم کا دھوکا دہی کا جرم ہے۔ اگر کسی وجہ سے مجبوراً ایسا کرنا پڑے تو صرفہ روانگی بھیجدینا چاہئے۔ (۵) چھوٹی قیمت کی فرمائشوں کی تعمیل کرنے میں ہمیں کچھ عذر نہیں مگر مناسب یہ ہے کہ اگر فرمائش ایک روپیہ سے کم کی ہے تو قیمت نقد بھیجدی جائے (۶) اگر آٹھ روز تک آپ کی فرمائش کا جواب نہ ملے تو خیال کر لینا چاہئے کہ ہمیں آپ کا آرڈر نہیں ملا۔ (۷) صرفہ روانگی (پیکنگ و محصول ڈاک وغیرہ) ذمہ خریداران ہوگا (۸) جملہ فرمائشات پتہ ذیل پر روانہ کی جائیں

منیجر صاحب بکڈپو انڈین پریس لمیٹڈ - الہ آباد

رُوح انیس مرحوم

فردوسی ہند میر انیس اعلی اللہ مقامہ کے بہترین مرثیوں، سلاموں اور رباعیوں کا مجموعہ - ملک کو سیّد مسعود حسن صاحب رضوی ادیب ایم اے (صدر شعبۂ فارسی و اُردو، لکھنؤ یونیورسٹی) کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ انھوں نے متعدد قلمی نسخوں کے مقابلہ کے بعد اس مجموعہ کو مرتب فرمایا ہے - شروع میں ۸۰ صفحات کا مقدمہ ہے جس میں میر انیس مرحوم کے حالات زندگی اور کلام پر مختصر تبصرہ کے علاوہ حضرت امام حسین علیہ الصلاۃ والسلام کی شہادت کا مختصر بیان، مرثیہ اور اختصاص مرثیہ کے تحت میں نہایت ضروری اور قابل قدر معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں۔ آخر میں ۷۰ صفحات میں ضروری فرہنگ اور توضیحی حواشی ہیں۔ کتاب کا یہ حصہ اور بھی زیادہ ضروری ہے شروع میں میر انیس مرحوم کی سہ رنگی تصویر ہے علاوہ ازیں جناب انیس مرحوم کی تحریر، مکان، مدفن اور ایک مجلس کی تصویر دی گئی ہے - جلد پر کربلائے معلی کا سبز النقشہ ہے - دیدہ زیب طباعت، خوبصورت جلد ۴۶۸ صفحات تقطیع کلاں قیمت تین روپئے -

جذبات بسمل

منشی سکھ دیو پرشاد صاحب سنہا بسمل (الہ آبادی) کا مجموعہ کلام "کتاب کا نام جذبات بسمل بہت موزوں ہے کیونکہ جذبات ہی مصنف کے کلام کا بہترین امتیاز ہیں۔ زبان کی سادگی اور سلاست ان کے کلام کی دوسری خصوصیت ہے اور کیوں نہ ہو فن شاعری میں آپ ناخدائے سخن حضرت نوح ناروی مدظلہ کے شاگرد ہیں جو فصیح الملک حضرت داغ دہلوی مرحوم کے بلند پایہ تلامذہ میں ہیں"

جناب بسمل زمانہ حال کے مقبول شعرا میں شمار کئے جاتے ہیں۔ زبان کی سادگی کیوجہ سے اُن کا کلام بہت پسند کیا جاتا ہے - آجکل جتنے اچھے اُردو رسالے چھپتے ہیں وقتاً فوقتاً بسمل صاحب کے کلام سے مزین ہوتے ہیں۔ شروع کتاب میں آنریبل جسٹس سر عبدالقادر جج ہائی کورٹ لاہور نے مقدمہ تحریر فرمایا ہے - ۲۱ تصویروں سے "جذبات بسمل" مزین ہے جس میں زیادہ سہ رنگی تصاویر ہیں اور بعض ہندوستانی فن تصویر کا بہترین نمونہ ہیں - لکھائی چھپائی کے متعلق صرف اتنا بتا دینا کافی ہے کہ ایسی نفاست و خوشنمائی سے کوئی کتاب اُردو زبان کی آج تک شایع نہیں ہوئی کوئی کتب خانہ اس کتاب سے خالی نہ ہونا چاہئے - قیمت ساڑھے چار روپیہ -

پیام رُوح

یعنی مجموعہ کلام مسٹر حامد اللہ افسر - بی اے "مع تقریب"

از آنریبل سر شاہ محمد سلیمان صاحب ایم۔ اے ایل ایل۔ ڈی
چیف جسٹس الہ آباد ہائی کورٹ و مقدمہ از میاں بشیر احمد صاحب
بی۔ اے (آکسن) بیرسٹر ایڈیٹر رسالہ "ہمایوں" لاہور۔

میرے خیال میں ظاہری صورت اور باطنی خوبیوں کے
لحاظ سے یہ مجموعہ اس قابل ہے کہ اُسے زبان اُردو کی بہترین
اور پائدار تصنیفات کے ساتھ جگہ دی جائے اس ظاہری و
معنوی محاسن پر میں لائق شاعر کو یہ تبریک پیش کرتا ہوں۔
اور اُمید کرتا ہوں کہ پبلک انھیں وہ داد دے گی' جس کے
وہ مستحق ہیں"۔ (میاں بشیر احمد بی۔ اے (آکسن) بیرسٹر'
ایڈیٹر ہمایوں" لاہور۔)

"افسر کا نام اور کلام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔
اُن کی شہرت خود ان کی مقبولیت کا ثبوت ہے۔ پیام رُوح
ان کی تمام نظموں اور غزلوں کا مجموعہ ہے اس کی اشاعت سے
شاعری میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوگا"۔
(آنریبل سر شاہ محمد سلیمان صاحب ایم۔ اے ایل ایل ڈی۔
چیف جسٹس ہائی کورٹ الہ آباد۔)

کاغذ دبیز لکھائی چھپائی دیدہ زیب۔ چھ ہاف ٹون تصویریں
جن میں تین سہ رنگی ہیں۔ اس مجموعہ سے کتب خانہ خالی نہ رہنا
چاہیئے۔ قیمت صرف تین روپیہ۔

صبح وطن و مضامین چک بست

صبح وطن۔ یعنی مجموعۂ نظم پنڈت برج نرائن چکبست
لکھنوی (مرحوم) "چک بست کی شاعری کی تحریک کا باعث
کبھی تو حب وطن کا جوش ہوتا ہے۔ اور کبھی کوئی گزشتہ یا حال
کا تاریخی واقعہ اُن کے طائر خیال کو پرواز میں لاتا ہے۔ کبھی
قدرت کے نظاروں یا مذہبی رازوں کے انکشاف سے وہ اپنی
نظموں کو آراستہ کرنے میں مدد لیتے ہیں اور کبھی انسانی جذبات
اور احساس کی سچی تصویریں کھینچ کر عبرت کا سبق دیتے ہیں۔
قومیت کا خیال ان کی شاعری کی ساخت کا جزو اعظم ہے۔
برج نرائن چکبست دور جدید کے صرف ترجمان ہی نہیں بلکہ اس
دور کے نمائندوں میں ان کا پایا بہت بلند ہے جس قدر زمانہ
گذرتا جائے گا اور اُردو شاعری مصنوعی قیود سے آزاد ہوتی جائیگی
نیز آزادی کی ہوا میں اس کو نشوونما پانے کا موقع ملے گا اسی
قدر برج نرائن چکبست کی شہرت بتدریج بڑھتی جائے گی اور
آیندہ نسلیں اس امر کو تسلیم کریں گی کہ وہ دور جدید کے
رہنماؤں میں سے ہیں۔
(سر تیج بہادر سپرو)

مضامین چکبست۔ پنڈت برج نرائن چکبست مرحوم
بلند پایہ شاعر ہونے کے علاوہ بہترین مضمون نگار بھی تھے۔
انکی وفات کے بعد ان کے مضامین نثر کا مجموعہ بھی شائع کیا
گیا ہے۔ اس مجموعہ میں سوانحی' تنقیدی' تاریخی' قومی وغیرہ
مضامین ہیں' اور بہت خوب ہیں۔

صبح وطن۔ مجلد۔ قیمت دو روپے۔
مضامین چکبست۔ حجم ۳۵۰ صفحات قیمت صرف عہ

یادگار نسیم

یعنی منشی دیاشنکر نسیم کی مشہور و معروف مثنوی گلزار نسیم و
انتخاب "دیوان نسیم" مع حواشی و تبصرہ کلام مرتبہ مولوی
اصغر حسین صاحب اصغر گونڈوی۔ آنریبل ڈاکٹر سر شاہ
محمد سلیمان ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ ڈی' چیف جسٹس الہ آباد
ہائی کورٹ تحریر فرماتے ہیں:۔

"یادگار نسیم جو مولوی اصغر صاحب نے تصحیح کے بعد
شائع کی ہے مشہور و معروف شاعر نسیم کی مثنوی جسے انھوں نے
مصلحتاً نامناسب اشعار کو حذف کرنے کے بعد شائع کیا ہے۔
غزلیات میں سے جن غزلوں کا انتخاب کیا ہے وہ شاعر موصوف
کی بہترین غزلیں ہیں۔۔۔۔ حواشی کا بھی اضافہ کیا گیا ہے
۔۔۔۔ اس کتاب کا مقدمہ بجائے خود ایک عالمانہ تصنیف
ہے مجھے یقین کامل ہے کہ اس کتاب کی قدر کما حقہ ہوگی جو کہ

"شایانِ شان ہے" طباعت دیدہ زیب، خوشنما جلد۔ قیمت دو روپیہ

کلام الملوک

یعنی شہزادگان دہلی کے کلام کا مجموعہ۔ ایک زمانہ میں قلعہ دہلی زبان اُردو کا مرکز تھا۔ یہاں وہ لوگ جمع تھے جو الفاظ کو بہت ہی صحت کے ساتھ بولتے اور بہت ہی اچھے اور زور دار معنی میں استعمال کرتے تھے اور اُنھیں کی زبان آج صحیح اور مستند سمجھی جاتی ہے۔ شہزادگان دہلی کا کلام بھی اس لحاظ سے قابل قدر ہے۔ محاورات و اصطلاحات، روانی صحت وزن، سلسلۂ خیالات، بلند آوازی، نازک خیالی، جوشِ بیان، نشستِ الفاظ، اور عمدہ بندش کے علاوہ زبان صاف اور فصیح تکلف اور ابتذال نام کو نہیں۔ اگر زبان کا خاص رنگ اور شاعری کی اصل حقیقت معلوم کرنا چاہتے ہیں تو اس مجموعہ کو ضرور ملاحظہ فرمائیے قیمت دس آنہ

معراج سخن

جناب سید خورشید حسن صاحب عروج مرحوم المتخلص بہ "دولھا صاحب" نبیرۂ ناخدائے سخن میر انیس اعلی اللہ مقامہ کے تین مرثیوں کا نادر مجموعہ ہیں حسب ذیل مراثی ہیں:-

۱- ہے زیور عروس فصاحت سخن مرا - ۱۱۹ بند
۲- خلق میں خلقت آدم کا سبب کون ہوا - ۱۴۰ بند
۳- صبح عاشور ہجوم ہے قیامت کی سحر ۹۵ بند

اس کتاب پر ہندوستانی اکیڈیمی صوبجات متحدہ قابل مصنف کو پانسو روپیہ انعام عطا فرمایا ہے۔ زبان کے فدائیوں کے لئے نادر تحفہ ہے۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ۔

کہانی کیسے لکھنا چاہیئے؟

(مرتبہ و مؤلفہ منشی کنھیا لال صاحب ایم اے، ار، ایل، ایس)

"کہانی کیسے لکھنا چاہیئے" اس کتاب کا موضوع اس کے نام ہی سے ظاہر ہے۔ مختصر افسانوں کے باب میں ساری باتیں بہت اچھی طرح سمجھائی گئی ہیں۔ مختصر ہونے کے باوجود جامع ہے۔ ایڈیٹروں، مضمون نگاروں، اور مبتدیوں کو ضرور مطالعہ کرنا چاہئے۔ قیمت آٹھ آنہ۔

بہترین ناول و افسانے

فردوس خیال

منشی پریم چند کے گیارہ افسانوں کا مجموعہ۔ منشی پریم چند کے افسانے ہمیشہ اصلاح اخلاق و معاشرت پر مبنی ہوتے ہیں، اور ان کا مقصد شریفانہ جذبات مثلاً غیرت، حیا، خوف خدا، شجاعت اور آزادی ضمیر وغیرہ کا برانگیختہ کرنا ہوتا ہے۔ غیر ممکن ہے کہ کوئی سمجھدار منشی صاحب موصوف کی تصنیف پڑھے اور آپ کی جادو بیانی اور سحرنگاری کا قائل نہ ہو جائے۔ اگر آپ نے اب تک اس مجموعہ کو ملاحظہ نہیں فرمایا تو آج ہی طلب فرمائیے۔ سرورق پر تین رنگ کی نہایت خوبصورت تصویر ہے۔ ۲۰۳ صفحہ کی کتاب ہے اور قیمت صرف ایک روپیہ۔

جلوۂ ایثار

بالاجی کے قومی کارناموں سے ہندوستان کا بچہ بچہ واقف ہے۔ "جلوۂ ایثار" میں اُن حالات اور واقعات کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جو اس کارنامے کے محرک ہوئے تھے۔ حالات اور واقعات دلچسپ و دلکش ہونے کے علاوہ حب قومی وجودت روحانی سے معمور ہیں۔ اس پر منشی پریم چند صاحب کی جادو نگاری سونے پر سہاگا ہے واقعی قابل مطالعہ ناول ہے۔ ۲۳۲ صفحات کی کتاب اور قیمت صرف بارہ آنہ۔

ڈالی کا جوگ

(اردو دوسرے افسانے) مسٹر حامد اللہ افسر (میرٹھی) کے گیارہ افسانوں کا مجموعہ۔ یہ تمام افسانے مختلف اوقات میں بعض اُردو جرائد میں شایع ہو کر خلعت قبولیت حاصل کر چکے ہیں۔ ان میں سے بعض اس قدر مقبول ہو گئے ہیں کہ انگریزی، ہندی، اور گجراتی میں بھی ترجمے ہوئے فوٹو بلاک کی چند تصویریں بھی شامل ہیں۔ قیمت ایک روپیہ۔

شاما

مصنفہ پنڈت کشن پرشاد صاحب کول، ممبر سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی لکھنؤ)
یہ ایک دکھیاری کی درد بھری داستان ہے۔ اقبال کا یہ شعر اس پر صادق ہے۔

محبت کے شرر سے دل سراپا نور ہوتا ہے
ذرا سے بیج سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے

سرورق پر سہ رنگی تصویر اور کتاب کے شروع میں بھی ایک تصویر (فوٹو بلاک) لگائی گئی ہے۔
قیمت ڈیڑھ روپیہ

سادھو اور بیسوا

یعنی دو حرماں نصیبوں کی کایا پلٹ۔ ایک جگ بیتی کہانی مصنفہ پنڈت کشن پرشاد صاحب کول، ممبر سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی لکھنؤ۔ فرانسیسی اناطول فرانس کے ایک تاریخی ناول "تائیس" کو پڑھنے کے بعد اس کی تصنیف کا خیال پیدا ہوا۔ "سادھو اور بیسوا" میں اُسی خیال کی پیروی اور اسی تصور کے تائید کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو "تائیس" کا امتیازی جوہر ہے۔ اس کے باوجود نہ یہ اُس کا ترجمہ ہے نہ خلاصہ۔ نہایت دلچسپ ناول ہے۔ سرورق پر سہ رنگی تصویر ہے۔ قیمت بارہ آنے۔

"انور"

"شمیم" کے مشہور و معروف مصنف مسٹر [illegible] ایڈوکیٹ فیض آباد کا دوسرا بے نظیر، دلپذیر، انقلاب انگیز شاہکار۔ اور .... زبان اُردو کا بہترین ناول ... ۵۰۷ صفحے۔ کاغذ۔ کتابت۔ طباعت نہایت عمدہ جلد بجد نفیس۔ ۶ عدد تصویریں بہت ہی دلکش اور خوبصورت ...... قیمت [illegible]

گھر بیٹھے دنیا کی سیر

کرنے والوں کو "تحفہ سیریز" کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیئے! اس سلسلہ کی ایک ایک کتاب ایک ایک ملک کے متعلق ہے۔ ملک کی مفید اور کارآمد معلومات ہر کتاب میں بہم پہنچائی گئی ہیں۔ کوئی ضروری بات نظر انداز نہیں کی گئی۔ کتابوں کو زیادہ مفید اور دلچسپ بنانے کے لئے مکالمہ کا طرز اختیار کیا گیا ہے جسکے باعث نوعمر لڑکوں اور لڑکیوں کو ان کے مضامین پر بہت جلد عبور ہو جاتا ہے۔

مندرجہ ذیل کتابیں تیار ہیں۔

(۱) تحفہ جاپان	(۲) تحفہ چین
(۳) تحفہ مصر و حبش	(۴) تحفہ لندن
(۵) تحفہ فرانس	(۶) تحفہ جرمنی
(۷) تحفہ آسٹریلیا	(۸) تحفہ [illegible]
(۹) تحفہ امریکہ	(۱۰) تحفہ روس

ہر کتاب میں متعدد تصاویر ہیں اور [illegible] نہایت خوبصورت۔ قیمت ہر کتاب کی چھ آنے۔

آئی۔ سی۔ ایس

اُردو کے بہترین افسانہ نگار پروفیسر علی عباس حسینی [illegible] مصنف رفیق تنہائی، سرتیہ احمد پاشا، [illegible] چودہ انقلاب انگیز افسانوں کا [illegible] مجلد [illegible]
[illegible]

خدمتِ خلق

(مرتبہ مولوی نیاز محمد خاں صاحب معلم نارمل اسکول [illegible]) اس کتاب میں خدمتِ خلق کے عملی طریقے بتائے گئے [illegible] سے دل پر بڑا اثر ہوتا ہے۔ کتاب بہت اچھی، اور عجیب و غریب اخلاقی نکات و روحانی لطائف پر مشتمل ہے۔ حکومت صوبجات متحدہ نے اس کتاب پر مؤلف کو انعام بھی عطا فرمایا تھا۔ قیمت صرف بارہ آنہ

بچوں کی دلچسپی

کا لوگ بہت کم خیال کرتے ہیں، اور شاید یہی وجہ ہے کہ اُردو زبان میں ایسی کتابیں بھی بہت کم ہیں جنھیں بچے دلچسپی اور شوق سے پڑھیں تاہم انڈین پریس لمیٹڈ الٰہ آباد نے چند کتب خاص طور پر بچوں کے لئے چھاپی ہیں۔ جن کو بچوں کی دلچسپی کا سامان کہا جا سکتا ہے۔

الف بے کا کھلونا

یہ پیاری کتاب ننھے منے بھائی بہنوں کے لئے ہے۔ کھیل ہی کھیل میں وہ حروف تہجی سے آشنا ہو جاتے ہیں۔ ہر حرف کے لئے ایک رنگین تصویر اور ایک شعر ہے۔ زیر، زبر، اور پیش وغیرہ کا بھی خیال رکھا گیا ہے چھپائی رنگین اور بہت عمدہ۔ ۴۴ عکسی تصویریں۔ اگر آپ کے یہاں کئی بچے ہوں تو متعدد نسخے طلب فرمائیے ورنہ بچے آپس میں لڑیں جھگڑیں گے۔
قیمت صرف تین آنے

انوکھی کہانیاں

یہ کتاب بہت پسند کی گئی ہے گیارہ نصیحت آموز کہانیاں [illegible] میں۔ زبان بہت آسان۔ ممکن نہیں کہ کوئی بچہ [illegible] چھوڑ دے۔ ہر کہانی کے ساتھ ایک تصویر [illegible] ہے۔ بچے اس کو دیکھتے ہی مچل جاتے [illegible] پر تین رنگ کی تصویر ہے۔ قیمت ۴ر آنہ

مفید ایجادات کی کہانی

"یہ منشی پیارے لال صاحب شاکر میرٹھی کی قابلِ قدر تصنیف ہے۔ یہ کتاب اُردو میں اپنی وضع کی بالکل انوکھی تصنیف ہے اور مفید معلومات کے لحاظ سے اس قابل ہے کہ ہر شخص کے مطالعہ میں آئے۔ کاغذ، کتابت، طباعت اور سرورق بے انتہا نفیس ہے۔ اس قدر اچھے اہتمام سے بہت کم کتابیں اُردو میں چھپی ہیں۔ تشریح مطالب کے لئے جا بجا بے شمار تصاویر دی گئی ہیں"

قیمت علاوہ محصول ڈاک ۱۲ر

ایسپ کی کہانیاں

ایسپ ایک مشہور حکیم گزرا ہے جو مورخین کے بیان کے مطابق حضرت مسیح سے ۲۷۰ برس قبل پیدا ہوا تھا۔ حکیم ایسپ انسان کی پند و نصیحت کے لئے مختلف قسم کی فرضی حکایات اور کہانیاں بیان کیا کرتا تھا۔ انھیں کہانیوں کی وجہ سے دُنیا میں اس کا نام اب تک زندہ ہے۔ اس مجموعہ میں ایسپ کی تین سو کہانیاں یکجا شائع کی گئی ہیں۔ پچاسی تصویریں بھی شاملِ کتاب ہیں جن کے باعث یہ مفید کتاب اور زیادہ دلچسپ ہو گئی ہے۔ لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے یہ ایک اچھا تحفہ ہے۔ کتاب مجلّد ہے۔ قیمت دو روپے۔

میرے وطن کی کہانی

تاریخ ہند کے کئی خاص اور روشن ابواب طلباء کو اسکولوں میں نہیں پڑھائے جاتے، حالانکہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے ان کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ اس کتاب میں بعض اسی قسم کے واقعات نوعمر لڑکوں اور لڑکیوں کے تفریحی مطالعہ کے لئے بیان کئے گئے ہیں بیس ہاف ٹون عکسی تصویریں قیمت ۱ر

شیخ چلی کی کہانیاں

شیخ چلی کا نام آپ نے ضرور سُنا ہوگا۔ یہ وہ جاودبیتی

ہے جو ہر ملک اور ہر زمانہ میں ہمیشہ موجود رہی ہے۔ اس کتاب میں آپ ہی کے کارنامے درج ہیں جو گیارہ کہانیوں میں بیان کئے گئے ہیں۔ ہر کہانی اس قدر پرلطف ہے کہ انسان بھوک پیاس بھول جاتا ہے۔ پڑھتے جائیے اور ہنستے جائیے۔ لکھائی چھپائی ایسی عمدہ ہے کہ بچوں کو بطور انعام دی جا سکتی ہے۔ دو سو صفحات کی کتاب کی قیمت صرف دس آنے۔

داستان عجم

بچے بادشاہوں کے قصے بہت شوق سے پڑھتے ہیں لیکن جھوٹے بے اصل قصوں سے یہ بہتر ہے کہ انھیں بادشاہوں کے تاریخی قصے پڑھنے کو دئے جائیں۔ اس مقصد کے لئے داستان عجم بہت اچھی کتاب ہے خلاق سخن فردوسی کے "شاہ نامہ" میں جن بادشاہوں اور بہادروں کے کارنامے بیان کئے گئے ہیں انھیں کو اس کتاب میں بچوں کے لئے بہت سلیس اور عام فہم عبارت میں لکھا گیا ہے۔ ضرور منگائیے۔ قیمت حصہ اول دس آنے حصہ دوم دس آنے۔

رابنسن کروسو

ایک نوعمر لڑکا گھر سے فرار ہو کر بحری سفر اختیار کرتا اور طرح طرح کی مصائب اٹھاتا ایک غیر آباد جزیرہ میں پہنچتا ہے اور بیس پچیس برس تک مجبوراً وہیں رہتا ہے اتنی مدت اس نے کیونکر بسر کی؟ اور پھر یہاں سے کیسے نکلا؟ وغیرہ واقعات نہایت دلچسپ ہیں۔ اس کتاب کو نوعمر بچے بہت شوق اور دلچسپی سے پڑھتے ہیں۔ ہاف ٹون بلاک کی چھ تصویریں شامل کتاب ہیں جن میں ایک سہ رنگی ہے حجم ڈھائی سو صفحات سے زیادہ اور قیمت صرف بارہ آنے۔

لال کنٹھور

اس کتاب میں "بہرام" کو بالکل نئے لباس میں پیش کیا گیا ہے۔ اس کے جدید کارنامے اس قدر دلچسپ ہیں کہ کتاب شروع کر کے ختم کئے بغیر ہاتھ سے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے۔

کھیل تماشا

یہ کتاب کچھ نظم میں ہے اور کچھ نثر میں۔ اس میں چھوٹی چھوٹی نصیحت آموز حکایتیں اور چٹکلے ہیں۔ بچے اس کو بہت شوق سے پڑھتے ہیں، کیونکہ یہ انھیں کی زبان میں اور ان کے مذاق کے موافق لکھی گئی ہے۔ مضمون کی وضاحت کے لئے تصویریں بھی دی گئی ہیں۔ چھپائی رنگین اور صاف۔ قیمت ۳ آنے۔

ہونہار لڑکا

(مؤلفہ شاکر میرٹھی)

یہ کتاب ایک غریب لڑکے کی سچی داستان پر مشتمل ہے جس نے اپنی بلند ہمتی اور نیک طبعی کے باعث بڑی عزت وشہرت حاصل کی۔ عبارت سلیس اور عام فہم۔ قصہ اتنا دلچسپ کہ بچے نہایت شوق سے پڑھتے ہیں۔ بچوں کی دلچسپی کے لئے کتاب کو تصاویر سے مزین کیا گیا ہے، اور سرورق پر تین رنگ کی تصویر ہے۔ قیمت صرف پانچ آنے۔

تالیفات مولوی ظفر عمر

بہرام کی گرفتاری

"نیلی چھتری" کے نامور مؤلف ظفر عمر صاحب بی اے نے اس کتاب کے ہیرو "بہرام" کو اس عمدگی سے اردو پبلک سے روشناس کرایا ہے کہ لوگوں نے اپنے فسانوں میں اس کا چربہ اتارنے کی خوب خوب کوشش کی۔ مگر وہ بات کہاں اصل ہے "بہرام کی گرفتاری" نہایت دلچسپ اور پیچیدہ ناول ہے۔ ضرور منگائیے۔ قیمت ایک روپیہ

چوروں کا کلب

اس کلب کے ممبر دنیا بھر کے لہو ولعب سے سیر ہو گئے ہیں اور معمولی مشاغل میں چنداں تفریح حاصل نہیں ہوتی اور محض دل بہلانے اور چوری کے خطرات سے لطف اٹھانے کے لئے یہ کلب قائم کیا گیا ہے۔ یہ کتاب اس قدر دلچسپ ہے کہ تیسری بار شائع ہوئی ہے۔ قیمت ۹ آنے۔

ہل

جلد (۱) **باتصویر ماہوار رسالہ** نمبر (۱)

بورڈ آف ایڈیٹرس

ایڈیٹر
شری ناتھ سنگھ

پبلشر

انڈین پریس لمیٹڈ - الہ آباد

۱۹۴۰ء

سالانہ قیمت للعہ — ایک پرچہ ۶ر

संत कबीर

سنت کبیر

باتصویر ماہوار رسالہ

دسمبر ۱۹۳۸ء نمبر ۱ جلد ۱

ہل

(جناب سید اعظم حسین اعظم)

[illegible] جب اترچھا وہ لکڑی کا ہل
لے کے گھر سے [illegible] گھر سے جاتا ہے کسان
دہقان [illegible] ہل کی ضرورت پر اگر تیار ہے
[illegible] تو بازار میں ہوتی [illegible] نہیں
[illegible] ہے آپس میں جھکا ہے اتنا اثر
کھیت [illegible] پانی کی نکالیں نالیاں
[illegible] بھی جو کی پوری بالی ہوئی
کھیت [illegible] موسم آگئی پھر سے بہار

اک طرف جسمیں لگا ہے تیز پھالا ہے کا ہل
کھیت میں پھر ہل سے اُسکو چلاتا ہے کسان
ہل نہ ہو تو کھیت کا سامان سب بیکار ہے
ہل نہ جب تک کھیت میں چل جائے بو سکتا نہیں
نرم دم بھر میں ہوئی پتھر سی مٹی ٹوٹ کر
پاکے پانی پھوٹ نکلیں ڈالیاں پھلیاں
دیکھتے ہی دیکھتے سب میں ہریالی ہوئی
اس سماں کو دیکھ کے نکلا وہ مفلس کاشتکار

روکھے سوکھے منہ پہ تازہ رنگ سا آنے لگا
آنکھ میں کھلنے لگا وہ تیز ہریالی کا رنگ
پیٹ سب کا بھر گیا روٹی ہر اک کو مل گئی
دین ہے ساری یہ ہل کی بیل کی مزدور کی
روشنی گھر میں امیروں کے اسی سے آج ہے
ہل نہ کہئے روشنی کا ایک مینار ہے یہ
جو سمجھدار آدمی ہے وہ اسے ہل کیوں کہے
گر نہ ہو اسکا سہارا ڈھ پڑیں سب تخت و تاج

دیکھا پودوں کو جو لہلہے جی بھی لہرانے لگا
بڑھتے پودے دیکھ کر بڑھنے لگی جی کی اُمنگ
زندگی کی جو کلی تھی بند تھی وہ کھل گئی
سوجھتی ہے آج جس سے دوسروں کو دور کی
سوچتا ہے کہیں پر اور کہیں پر راج ہے
ہل نہ کہئے زندگی کا ایک فوارہ ہے یہ
یہ ہے کنجی اُس خزانے کی جو ہے مٹی تلے
ہل وہ کھمبا ہے کہ جس کے بل پہ ٹھہرا ہے سماج

وہ جلا دیپک اندھیرے سے اُجالا ہو گیا
آج ہل کا دیس میں پھر بول بالا ہو گیا

ہل ہی سے تو حل ہوں گی سب مشکلیں ہماری -

جناب پنڈت صابر تیاگی ایم - اے

ہل ہماری زندگی کی تصویر ہے جو زمانہ گذر گیا ہے وہ اسی کی وجہ سے اتنا اچھا تھا کہ آج بھی ہم اس پر فخر کرتے ہیں - موجودہ زمانہ بھی ہزار مصیبتوں کے ہوتے ہوئے اسی کی وجہ سے ہمارے لئے آرام دہ ہے اور جو زمانہ آنے والا ہے اس کو ہم اسی کے بل پر اور بھی خوبصورت بنانے کا خواب دیکھ رہے ہیں -

ہل کو آپ کھیتی کا معمولی اوزار ہی نہ سمجھئے ہماری ساری تہذیب اسی کے چاروں طرف بنی اور بگڑی ہے اس کا تعلق صرف کسان سے ہے ایسا ہرگز مت سمجھئے - گانوں میں جو بھی رہتے ہیں وے سب اسی کے بل پر زندہ ہیں - بڑھئی اس کا ڈھانچہ تیار کرتا ہے، لوہار اس میں پھل جوڑتا ہے - ہرواہا اس میں بیل جوت کر چلاتا ہے - چرواہا ان بیلوں کو چراتا ہے - کسان اس کے گرد گھومتا ہے اور کھیتی کی اس طرح دیکھ بھال کرتا ہے جیسے ماں اپنے بچہ کی دیکھ بھال کرتی ہے - اس طرح کھیتی کا جو لوگ پیشہ کرتے ہیں ان کے کپڑے سینے کے لئے درزی اس گانوں میں آباد ہوتا ہے ان کی حجامت بنانے کے لئے نائی وہاں جا کر بستا ہے ان کے کپڑے دھونے کے لئے دھوبی وہاں اپنا گھر بناتا ہے - ان کے کپڑے بننے کے لئے جولاہا وہاں اپنا ڈیرہ ڈالتا ہے - کمہار، ٹھٹھیرا، سنار، تیلی، بھجوا وغیرہ بھی وہاں پہنچتے ہیں اور اسی طرح گانوں بس جاتے ہیں - گانوں والوں کی ضرورت پوری کرنے کے لئے بڑی بستیاں اور شہر بنتے ہیں اس طرح آپ آسانی سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ تمام ہندوستان صرف اسی ہل پر قایم ہے -

مہاتما گاندھی نے چرخہ پر بہت زور دیا ہے یہاں تک کہ کانگریس کے ترنگے جھنڈے پر اسے بنا دیکھکر لوگ بہت خوش ہوتے ہیں - چرخہ بھی ہماری زندگی کی دوسری بڑی بنیاد ہے جو بہت کمزور ہوگئی ہے - مہاتما گاندھی نے اس پر اتنا زور اسی لئے دیا کہ سارا ہندوستانی سماج برباد ہو رہا تھا - اگر چرخہ کی طرح ہل کا بھی تعلق ہماری زندگی سے نہ رہتا تو آج کہیں ہمارا نام و نشان بھی نہ ہوتا -

دنیا نے اس طوفان کو چلتے ہوئے جو ہم زندہ بچ کر نکلے آرہے ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم ابھی تک ہل کو پکڑے ہوئے ہیں۔ ہندوستانی سماج کو بگڑنے اور برباد ہونے سے اسی ہل نے بچایا ہے۔ توپ تلواریں ہماری وہ حفاظت نہیں کرسکتی تھیں جو ہل نے کی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ایسے زمانے آئے جب کسان کو بہت ہی خراب دن دیکھنا پڑے۔ پچھم کے تاجروں نے شیطان کی طرح کام کرنے والی بڑی بڑی مشین کھڑی کرکے طرح طرح کی چیزوں سے ہندوستان کے بازاروں کو اس طرح سے پاٹ دیا کہ ملک کے سارے گھریلو کاروبار اور دھندے چوپٹ ہوگئے۔ اس حملہ سے بچنے کے لئے کسان نے جتنی بھی کوشش کی سب بیکار ہوئی۔ گانوں اُجڑ گئے اور ان میں کوئی بھی کشش باقی نہ رہ گئی۔ جن کے پاس ذرا بھی پونجی رہ گئی یا جمع ہوسکی وہ شہروں میں جا بسے۔ جن کے پاس کچھ نہ رہ گیا وے بچارے کیا کرتے؟ جان بچانے کی اور کوئی اُمید نہ دیکھکر وے ہل پکڑ کر بیٹھ گئے۔ آمدنی کے سب ذریعے بند ہو جانے سے وے لگان ادا کرنے سے مجبور ہوگئے۔ لگان وصول کرنے میں ان پر جو سختیاں کی گئیں وہ دوسری ہی کہانی ہے۔ ان سختیوں سے بچنے کے لئے انھوں نے قرض لئے لیکن کچھ ایسی حالت ہوگئی کہ قرضہ پر قرضہ لدتا چلا گیا اور وے ہر طرح سے لاچار ہوگئے۔ ان مصیبتوں کی آگ سے وہ جھلس گئے اُن کی ساری اُمنگیں خاک میں مل گئیں۔ اُن کے جسم پر کپڑے کا تو کہنا ہی کیا چمڑا تک باقی نہ رہ گیا۔ اُن کا خون چوس لیا گیا۔ پھر بھی وہ ہل پکڑے رہے اور ساری مصیبتوں کا مقابلہ کرتے ہوئے زندہ بنے ہیں۔

ایسی حالت میں اُن کی ساری اُمنگوں کا مٹ جانا قدرتی تھا۔ صرف دو چار ہل رکھنے اور بھر پیٹ کھانا مل جانے کو ہی وے آرام کی زندگی سمجھنے لگے۔ گھاگھ نے غریب ہندوستان کی اس خراب حالت کی ایک پُر اثر خیالی تصویر

کھینچی ہے۔ وہ کہتا ہے :-

بھوئیاں کھیڑے ہل ہوئے چار
گھر ہوئے گیہتھن گائے دودھار
ارہر کی دال جڑھن کا بھات
گاگل نیوا اور گھی تات
کھانڈ دہی جو گھر میں ہوئے
بانکے نین پروسے جو ئے
کہیں گھاگھ تب سب ہی جھوٹا
ہواں چھوڑ ییویں بیکنٹھا

گاؤں کے پاس کھیت ہوں، کم سے کم چار ہل ہوں، گھر کے کام میں مدد دینے والی سمجھدار عورت ہو اور دودھ دینے والی گائے ہو۔ کھانے کے لئے ارہر کی دال اور جڑھن چاول کا بھات ملے اور اس میں نیبو نچوڑا ہوا اور گرم گھی پڑا ہوا ہو۔ اوپر سے کھانڈ اور دہی بھی ہو اور اچھی آنکھوں والی بیوی محبت سے کھلانے کے لئے پاس بیٹھی ہو تو ساری مصیبتیں جھوٹی معلوم ہونے لگیں اور یہی دنیا بہشت بن جائے۔

ہندوستان کا کسان ایسے ہی بہشت کے لئے گراں ساری جوانی، اپنی ساری طاقت اور تمام زندگی کھپا کر بھی وہ اسے نہ پاسکا۔ مگر یہ غنیمت ہوئی کہ وہ ہل پکڑے رہا۔ مہاتما گاندھی نے کسان کے اس درد کو محسوس کیا، اس کی تکلیف کو پہچانا اور اس کی ضرورتوں کو سمجھا۔ انھوں نے اس کے لئے تپسیا کی اور اُن کی تپسیا پھلی۔ آج یہی وجہ ہے کہ ایسے طریقے سوچے جا رہے ہیں اور چاروں طرف ایسے کام شروع ہو رہے ہیں جن سے کسان کی حالت بہتر ہو سکتی ہے۔ گاندھی جی خود ایک گاؤں میں جا کر بس گئے ہیں اس طرح اُنھوں نے زندگی کا رُخ پھر گاؤں کی طرف کر دیا ہے۔ وہ وقت دُور نہیں ہے جب ہل ایک بار پھر ہندوستان کے سارے مسئلوں کو حل کر دے گا۔

گاؤں سدھار کی اسکیم

(آنریبل پنڈت گووند بلبھ پنت)

میرے خیال میں مجھے اپنے صوبہ میں گاؤں سدھار کے بارے میں بہت کچھ کہنا ضروری نہیں ہے۔ ہم لوگ گاؤں کے معاملے خوب سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ہمارے صوبے میں کسان ہی ہماری قوم کی اصلی طاقت ہے۔ ہمارے نوّے فی صدی لوگ گاؤں میں رہتے ہیں اور پچھتر فی صدی لوگ کھیتی کا کام کرتے ہیں۔

اصلیت میں ہر آدمی چاہے وہ کوئی کام کرتا ہو اپنی خوراک اور رہنے سہنے کی چیزیں زمین سے ہی پاتا ہے۔ ایسی صورت میں میں سمجھتا ہوں کہ یہ کسی آدمی کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ بورڈ کے ممبروں کو اس کام کی اہمیت جو اُن کو کرنا ہے سمجھائے۔ ان کو اس صوبہ کی کل آبادی کے لئے کیونکہ نوّے فیصدی کا مطلب قریب قریب کل آبادی سے ہوتا ہے وہ طریقے نکالنا ہیں جن کے ذریعہ سب لوگ روپیہ پیسہ کمانے میں عقل و تہذیب میں اور چال چلن میں خوب ترقی کریں۔ اور اگر یہ کام اُمید و بھروسہ کے ساتھ کرنا ہے تو سب سے پہلے ہم کو یہ خوبیاں گاؤں والوں ہی میں پیدا کرنے کا ہنر سیکھنا چاہئے۔ یہی ساری تجویز کی کنجی ہے اور اگر اس میں ہم کامیاب ہوگئے تو باقی کام اپنے آپ ہوتا چلا جائیگا۔ اس تجویز کی بنیاد تین باتوں پر ہے (۱) اپنی مدد آپ کرنا۔ (۲) خود ترقی کرنے کی خواہش ہونا اور (۳) گاؤں والوں کا آزاد خیال ہونا۔

کہاں تک ہم گاؤں والوں کو یہ سکھا سکتے ہیں کہ وہ خود اپنے اوپر، اپنی تقدیر پر، اپنے کام پر اور اپنے کو اوپر اُٹھانے کی طاقت پر بھروسہ رکھیں اسی پر ہماری کامیابی اور ناکامیابی کا دارومدار ہے۔ اگر ہم ان میں اپنی مدد آپ کرنے اور اپنے پر بھروسہ رکھنے کا خیال پیدا کردیں تو کل کام آسان ہوجائے گا۔ اسی کے لئے ہم سب کو کوشش کرنا چاہئے۔ ہماری بات گاؤں والے مانیں اور ہم اس کام میں کامیاب ہوں۔ اسکے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ لوگ جو سرکاری ملازم نہیں ہیں۔ اس کام کو اپنا ہی کام سمجھیں اور اس نیک کام میں جو حرف جاں نثاری کے خیال سے کیا جا سکتا ہے۔ دل سے ہماری مدد کریں۔ وہی لوگ گاؤں سدھار کے زبردست کام کو کر سکتے ہیں جن میں ایسا جوش ہو جو کبھی ٹھنڈا نہ ہو اور جن کو اپنے اوپر پورا پورا بھروسہ ہو۔ اس کام کے لئے ہم کو ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے جن میں

یو۔ پی کا ایک کھیت

آنریبل پنڈت گووند بلّب پنتھ

۶

وفاداری اور بے انتہا طاقت، سچا جوش اور کام کرنے
کی لیاقت ہو اور اپنے آپ کو قربان کر دینے کی ہمت
ہو۔ اس اُمید پر ہم کو بہت سے نوجوان آدمی کام کرنے
کے لئے مل گئے ہیں بلکہ عورتیں بھی کافی تعداد میں اس
کام میں شریک ہو رہی ہیں۔ یہ عورتیں اور مرد انھیں پاک
خیالات کو لے کر آئے ہیں او ہم لوگوں کی طرح دل سے
چاہتے ہیں کہ کسان بھائیوں کی دماغی اور مالی ترقی کے لئے
جان توڑ کر کوشش کریں۔ اسی اُمید پر کہ ہم کو بہت سے سچے
اور ایماندار کام کرنے والے مل جائینگے ہم نے اس کام کو شروع
کیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ اس بورڈ کے ممبروں کی سچی ہمت
اور مدد سے یہ کام بہت آسان ہو جائیگا اور جو اس بورڈ کا
منشا ہے وہ پورا ہو جائیگا اور ہم سب لوگوں کی اُمیدیں بھی
ساتھ ہی ساتھ پوری ہو جائینگی۔

میں یہ ضروری خیال نہیں کرتا کہ اس مسئلہ کی کل باتوں
پر غور کیا جائے۔ آپ جانتے ہیں کہ میرے لائق دوست سری پنت
پالیوال نے جو میرے دائیں طرف بیٹھے ہیں اسکی بنیاد ڈالی تھی
اور جن کا میں شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے ایسی مشکل اور مُردہ
چیز میں جان ڈال دی۔ ہم چترویدی جی کے بھی اتنے ہی مشکور
ہیں جتنا پالیوال صاحب کے۔ ہماری تجویز آپ کے سامنے پورا
نقشہ پیش کرنے کی کوشش کریگی لیکن اب بھی وہ ایک مکمل پختہ
شکل میں نہیں ہے۔ آپ کو پوری پوری آزادی اس بات کی
ہے کہ آپ اسکو بدل سکتے ہیں یا کسی ضلع یا خاص جگہ کی حالت
کے مطابق اسکو ٹھیک کر سکتے ہیں۔ بلکہ آپ کو یہاں تک اختیار
ہے کہ اگر آپ چاہیں تو اسکو بالکل نامنظور کر دیں اور اپنے خیالات
کے مطابق کوئی دوسری تجویز بنائیں۔

ہر ضلع کی انجمن کو اختیار ہے کہ وہ اپنی ایک تجویز بنا کر
سرکار کی یا گاؤں سدھار افسر کی منظوری کے لئے پیش کرے
بشرطیکہ اس کا اُصول ٹھیک ہو اور پھر اسکے مطابق کام کرے۔
حالانکہ اس تجویز کے بنانے میں ہر بات کا خیال رکھا گیا ہے پھر
بھی آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ اس مسئلہ پر آخری تجویز ہونے
کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ یہی نہیں بلکہ جیسا آپ نے تمہیدی باب کے
دوسرے پیرے میں پڑھا ہوگا کہ یہ تجویز ضلع کی کمیٹیوں کو اور
دوسری مقامی انجمنوں کو کافی موقع دیتی ہے کہ وہ اس میں ردو
بدل کریں۔ پس اگر کسی جگہ کسی انجمن کے ممبر یا وہاں کے لوگ
چاہتے ہیں کہ انکی اپنی تجویز الگ ہو تو وہ ایسا کر سکتے ہیں
اور اگر اس تجویز میں کچھ بدلنے کی ضرورت معلوم ہو تو وہ خوشی
سے بدل سکتے ہیں۔

ہم کسی خاص بات کے کرنے کے لئے مجبور نہیں ہیں ہم اپنا
کام پورا کرنے کے لئے سب کچھ کرنے کو تیار ہیں۔ ہم اس تجویز میں
ردو بدل کر سکتے ہیں۔ جب تک کہ ہم لوگوں کا مقصد ایک ہی ہے
اور ہم اس کو کام کی کسوٹی پر کسنے کی اہمیت، فائدے اور ضرورت
خوب سمجھتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں میں جو تبدیلی کی جائیگی
وہ فوراً منظور کر لی جائیگی۔ میں نے اس تجویز کی کچھ معمولی باتوں
کی بابت لوگوں کی نکتہ چینی سنی ہے۔ جنتا کو یا کسی آدمی کو کوئی
غلط فہمی نہ ہو اسی خیال سے میں نے یہ سب باتیں کہنا ضروری
سمجھا۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ کوئی بھی یہ خیال نہ کریگا کہ اس
تجویز سے جو سرکار نے نکالی ہے اسکے ہاتھ پیر بندھے ہوئے
ہیں۔ اگر کوئی ممبر یا ضلع بورڈ کوئی رائے اس تجویز میں کچھ گھٹانے
بڑھانے کی دیگا تو میں خیال کرتا ہوں کہ وزیر گاؤں سدھار بڑی
خوشی سے اس مسئلہ پر غور رکھیں گے۔ ہم ایسی تجویز چاہتے ہیں جس
کے مطابق کام ہو سکے انھیں کا کچھ نتیجہ نکل سکے، جس کے لئے ہم کو
کام کرنے والے مل سکیں اور جو ہر آدمی میں ایک نئی روح پھونک
دے۔ اگر یہ سب باتیں پوری ہو جائیں تو پھر اور کوئی دقت نہ ہوگی۔

اس تجویز میں جیسا کہ میں نے شروع میں کہا تھا کئی خاص
باتیں ہیں۔ گاؤں میں روپیہ پیسہ پیدا کرنے کے معاملے میں کاشتکاری
سب بڑھ کر ہے اور اسی لئے ہماری تجویز میں ان طریقوں کو پہلا
درجہ ملتا ہے جن کے ذریعہ ہمارے صوبہ کے اس قومی پیشے میں
جلد ترقی ہو۔ ہمارا ارادہ بیجوں کی ۵۰۰ دوکانیں کھولنے کا ہے

اور کچھ مہینوں میں ہزاروں کھیت مثال کے طور پر لوگوں کے تجربہ حاصل کرنیکے لئے بنادیئے گئے ہے اور ہماری یہ بھی خواہش ہے کہ ہم اچھے اچھے کھیتی کے اوزار اور زمین کو اوپجاؤ بنانے والی چیزیں اپنے کسان بھائیوں کو پہنچا دیں۔ ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ سب لوگوں میں میل جول پیدا ہو اور آپس کے جھگڑے نہ ہوں۔ ہم گاؤں والوں میں آپس میں مل جل کر رہنے کا خیال پیدا کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ ایک دوسرے کو کام میں مدد دیں اور اسی لئے ہم امداد باہمی کے اصول کو ہر طریقہ سے لوگوں میں پھیلانا چاہتے ہیں تاکہ تھوڑے دنوں میں ہر شخص اس کو سمجھنے لگے اور آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہے۔ ہماری تجویز کی کامیابی تبھی ہوسکتی ہے جب کہ امداد باہمی کا اصول لوگوں کے دلوں میں گھر کرلے۔ اگر یہ اصول خوب ترقی کر جائے اور گاؤں والے اس کا فائدہ سمجھنے لگیں اور اس پر عمل کرنے لگیں تو باقی کام بہت آسان ہو جائیگا۔ جیسا کہ آپ دیکھیں گے اس تجویز کے مطابق ایک انجمن بنائی جائیگی جو امداد باہمی کے اصول پر کام کریگی۔ پس امداد باہمی کا اصول ہی اصلی بنیاد ہے جس پر گاؤں سدھار کے کام کی عالیشان عمارت کھڑی ہوسکتی ہے۔

ترقی کے واسطے یہ ضروری ہے کہ ہم گاؤں والوں کے دل و دماغ کو روشن کریں۔ امداد باہمی کا اصول آدمی کے دماغ سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ جادوگر کا تماشہ نہیں ہے۔ ہم کو یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ یہ بات دل سے پیدا ہوتی ہے اس تجویز کی کامیابی کے لئے گاؤں والوں میں ہم کو باہر سے زبردستی کوئی بات نہیں ٹھونسنا چاہیئے بلکہ ہم کو ان کے جذبات کو ابھارنا ہے اور ان کے کام میں سہولت پیدا کرنا ہے تاکہ ان کا جو کام ابھی تک روکھا پھیکا اور کٹھن تھا وہ دلچسپ اور آسان ہوجائے ہم کو گاؤں والوں کو جگا دینا ہے اور ان میں وہ روح پھونک دینا ہے کہ وہ کھیتی کے کام میں غلہ وغیرہ بیچنے میں اور قرض لینے دینے میں آپس میں مل جل کر امداد باہمی کے اصول پر کام کریں تاکہ وہ مل کر اتنا روپیہ پیدا کریں جتنا الگ الگ کبھی نہیں کر سکتے۔ اسی لئے ہماری تجویز سدھار سوسائٹی پر اور امداد باہمی کے اصول پر بہت زور دیتی ہے۔ اور اگر ساتھ ہی ساتھ ہمارے گاؤں والوں میں اپنی حالت ٹھیک کرنے اور اپنے پیروں کھڑے ہونے کی خواہش بھی پیدا ہو جائے تو ہماری تجویز خوب کامیاب ہوسکتی ہے۔ اس تجویز کی اور خاص باتوں کو جن کا ذکر اسکے شروع میں ہے میں اس وقت چھوڑے دیتا ہوں لیکن اس کی ایک خاص بات پر آپ کو توجہ دینا ہوگی میرے لئے وہ ایک پاک خیال ہے اور میں محسوس کرتا ہوں کہ جب تک ہم اس تجویز کا اصلی منشا نہ سمجھیں گے ہم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک ہم میں سے ہر شخص گاؤں والوں میں اخلاقی طاقت پیدا کرنا اپنا فرض نہ سمجھے گا وہ کبھی اس تجویز کی کامیابی کے لئے مدد نہیں دے سکتا۔ باقی سب تفصیل کی باتیں ہے اور مجھے یقین ہے کہ آپ اس کو دیکھ لیں گے۔

پچھلے کچھ ہفتوں میں میں صوبہ کے کئی حصوں میں گھوما ہوں اور لوگوں پر اس معاملہ کے متعلق اپنا خیال ظاہر کیا ہے اور ان سے درخواست کی کہ وہ اس نیک کام میں ہماری مدد کریں۔ مجھکو یقین ہے کہ سب دل سے اس معاملہ میں ہماری مدد کرنے کو تیار ہیں۔ وہ لوگ جانتے ہیں کہ ان کی ترقی، انکی بھلائی اور ان کا آرام اس میں ہے کہ ہمارے گاؤں والے ترقی کریں۔ پس اپنی بھلائی کے لئے سب کو اس کام میں جٹ جانا چاہیئے اور اس کام کو پورا کرنے کیلئے کوشش کرنا چاہیئے جس کے لئے آج یہ بورڈ بیٹھا ہے اور جس کی دیکھ بھال اس بورڈ کو کبھی کبھی کرنا ہوگی جب تک کہ کام پورا نہ ہوجائے۔ اس بورڈ کی اور اسکے ممبروں کی بہت بڑی ذمہ داری ہے کیونکہ اس گاؤں سدھار کی تجویز میں بہت سے کام ہیں اور اس میں بہت سی باتیں ممکن ہیں جو کام ہم کو کرنا ہے وہ بے انتہا ہے اور چاہے جتنی بھی طاقت اس میں لگائی جائے وہ تھوڑی ہے اور اگر کوئی کام کرنا پسند کرتا ہے تو اسکو ذرا بھی مہلت نہ ملے گی۔ میں صرف امید کرسکتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ آپ لوگوں کی محنت سے جلد وہ نتیجہ نکلے جس کی ہم سب لوگوں کو خواہش ہے۔*

* ہز ایکسلنسی گورنر صاحب بہادر کی تقریر گاؤں سدھار کے بورڈ کی بیٹھک میں جو لکھنؤ میں ۳۰ جولائی ۱۹۳۷ء کو ہوئی تھی۔

دیہات سدھار کا ہفتہ

ار نومبر سے ۷ر نومبر ۱۹۳۸ء تک

ہندوستان اپنے شہروں میں نہیں بلکہ وہ اپنے گاؤں میں بسا ہوا ہے۔ کسانوں کی حالت کس طرح سدھاری جائے؟
ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم ہر منٹ، ہر گھڑی اس پر غور کریں۔

مہاتما گاندھی

ہزایکسیلینسی سر ہیری ہیگ

کے۔ سی۔ ایس۔ آئی، سی۔ آئی۔ ای، آئی۔ سی۔ ایس

گورنر۔ یو۔ پی

مجھے اُمید ہے کہ یہ دیہات سدھار کا ہفتہ بہت کامیاب ہوگا۔ گانوں کو زیادہ تندرست اور آرام دہ بنانے کے کام میں ہم ہر ایک کی ہمدردی اور مدد چاہتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم نئے جوش سے اس کام میں لگیں اور ہمیں اس بات کا بھروسہ ہو کہ آپس میں ملکر کام کرنے سے ہم مشکلوں کو جیت سکتے ہیں۔ کوشش کے لئے میدان خالی پڑا ہے۔ کام کا زیادہ حصہ دیہات کے مردوں اور عورتوں کو خود کرنا چاہئے لیکن اُنھیں ہمت اور رہنمائی کی ضرورت ہے۔ کیا اچھا ہو کہ اس ہفتہ میں ہر ایک شخص خاص طور سے یہ کوشش کرے کہ اُس کا پاس پڑوس پہلے کے مقابلے میں ذرا اچھا معلوم ہونے لگے۔ مَیں چاہتا ہوں کہ اپنی مدد آپ کرنے اور آپس میں میل جول رکھنے کی آپ کے پاس جادو کی وہ تعویذیں ہوں جن سے آپ اس گندگی۔ بیماری۔ غریبی اور جہالت کو جو ہمارے گاؤں کو جکڑے ہوئے ہے اور اُن میں رہنے والوں کے جسم کو کمزور اور دماغوں کو کُند بنا رہی ہے لڑکر دور کردیں۔

۱۷ اکتوبر ۱۹۳۸ء

ہیری ہیگ
گورنر۔ یو۔ پی

آنریبل پنڈت گووند بلبھ پنت - بی - اے - ایل - ایل - بی - پریمیر اینڈ منسٹر آف ہوم افیرس اینڈ فنانس

ہمارے لاکھوں بھائی گاؤں میں رہتے ہیں اور ہماری زندگی کو آرام دہ اور مکمل بنانے کے لئے انھوں نے نحوست کے بیچ میں لمبی مصیبتیں جھیلی ہیں اور سخت محنت کی ہے۔ خوش قسمتی سے اب ایسا وقت آگیا ہے جب ہم گاؤں والوں کے واسطے اپنے بڑے فرض کا کم سے کم ایک حصہ ادا کر سکتے ہیں۔ گاؤں سدھار کے ہفتہ میں وہ موقع مل سکتا ہے۔ آئے۔ یہ ہفتہ ہم منائیں۔ تھوڑی مضبوطی پیدا کرنے اور انھیں تھوڑا خوش بنانے میں صرف کریں اور اس کام میں اپنی طاقت اور جہاں تک ہو سکے کچھ باقی نہ اٹھا رکھیں۔ گاؤں کے بھولے بھالے بھائیوں کو یہ سمجھنا چاہئے کہ اپنی مدد آپ کرنے کے کیا معنی ہیں تاکہ ان میں ہر ایک آزادی سے اپنے پیروں پر کھڑا ہو سکے اور اپنی قسمت اپنے ہاتھوں بنا سکے۔ گاؤں سدھار کا کام اسلئے شروع کیا گیا ہے کہ گاؤں والوں کی زندگی جسم سے ہی نہیں دل اور دماغ سے بھی بھری پوری صاف اور تندرست بن سکے۔ مجھے دلی امید ہے کہ اس پاک کام میں ہم سب حصہ لیں گے کیونکہ اس میں مخالفت کی کہیں گنجائش نہیں ہے اور دیری اسے برداشت نہ ہوگی۔ ہم سبھی یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے دیہات زندگی اور خوشی سے بھر جائیں اور اس میں کسان بہادر، تیز، مالدار اور اپنی مدد آپ کرنے والے ہوں۔ سوراج پانے کے ہی لئے نہیں آزادی کے پھلوں کا رس لینے کے لئے بھی اس کی ضرورت ہے۔ کیا یہ امید کرنا بہت بڑی بات ہے کہ اس ہفتے میں سب بھائی گاؤں والوں کو ایک نئی زندگی دینے، ان کی ضرورتوں کو سمجھنے اور انھیں غریبی، ناسمجھی اور بے جا اعتقاد اور مایوسی کی دلدل سے باہر نکالنے کی ایک ساتھ مل کر کوشش کریں گے؟

لکھنؤ ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۸ء

گووند بلبھ پنت - پریمیر

آنریبل ڈاکٹر کیلاش ناتھ کاٹجو۔ ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ ڈی۔ منسٹر آف جسٹس اینڈ اگریکلچر و ڈیولپمنٹ

ہمارے دیہات اب اپنے کو سمجھنے لگے ہیں اور ہم سب اچھی طرح سے محسوس کرتے ہیں کہ ہندوستان اپنے گاؤں ہی میں بسا ہے اور گاؤں سدھار کے بغیر ٹھوس ترقی غیر ممکن ہے۔ دیہاتوں میں پھر سے نئی جان ڈالنی ہے اور دیہاتیوں کی غفلت کی نیند دور کرنی ہے۔ دیہاتیوں کو سماجک، اخلاقی اور معاشرتی ترقی دینا ہی ہمارا مقصد ہے۔ اور اس کو حاصل کرنے ہی میں ہماری مضبوطی ہے۔ میں اُمید کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ گاؤں سدھار کا ہفتہ اس مقصد کو حاصل کرنے میں پورا کامیاب رہے گا۔

کیلاش ناتھ کاٹجو

آنریبل مسٹر رفیع احمد قدوائی منسٹر آف ریونیو اور جیلس۔ یو۔ پی

نومبر کے پہلے ہفتے میں تمام صوبے میں گاؤں سدھار کا ہفتہ منایا جائیگا گاؤں سدھار کی اصلی اور مضبوط تحریک کے لئے ملک کی سب سے بڑی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ ہفتہ اپنی بڑی خصوصیت رکھتا ہے اگر گاؤں سدھار کے بارے میں ہماری کوششیں کامیاب ہوں اور صوبہ کے لوگ ہمارا ہاتھ بٹائیں تو دیہات کی حالت بہت کچھ سدھر جائے۔ بیماری، گندگی، جہالت جھوٹے عقیدے، غریبی اور پریشانی بہت دور تک ہٹائی جا سکتی ہے۔ اگر ہمارے سب دیہاتی بھائی ہر طریقے سے جوش کے ساتھ ترقی کرنے کا ارادہ کر لیں یہ ہفتہ اس خیال سے منایا جا رہا ہے کہ اس سے دیہات کی ترقی کی اصلی تحریک کی باقاعدہ شروعات ہو جائے۔ کامل یقین ہے کہ سب سرکاری و غیر سرکاری افسران جنھیں کہ دیہات میں رہنے والوں سے ہمدردی ہے آگے آویںگے اور اس اعلیٰ تحریک کو آگے بڑھانے کا پختہ ارادہ کر لیں گے۔

آر۔ اے۔ قدوائی

آنریبل شری سمپورنانند - بی - ایس سی
منسٹر آف ایجوکیشن - (یو - پی)

کوئی بھی ملک ہو اس کی ترقی بہت کچھ اس کے گاؤں والوں کی ترقی پر منحصر ہے ۔ بڑے بڑے تجارتی ملک بھی دیہاتوں کی طرف سے آنکھ بند نہیں کر سکتے ۔ پھر ہندوستان تو خاص طور سے کسانوں کا ملک ہے ، جیسی انکی حالت ہوگی ویسی حالت ملک کی ہوگی ۔ انکی حالت ، ان کے رہن سہن کو سدھارنے کے لئے جو کچھ بھی کیا جائے تھوڑا ہے ۔ گاؤں میں سڑکیں بنوانا ، انکی صفائی اور مرمت کرانا ، بچے اور بڑھوں کو پڑھانا ۔ ان کو باہر کی دُنیا کا حال بتانا ، ان کے پاس اچھے بیج پہنچانا ، ان کے گائے بیل کی نسل ٹھیک کرانا ، دیہات کے کاروباریوں کو بڑھانا اور گاؤں کی بنی چیزوں کو بکوانے کا انتظام کرنا ، پنچائتیں قائم کرانا اور گاؤں والوں میں یہ خیال پیدا کرنا کہ وہ بھی ہندوستان کے رہنے والے ہیں اور دیش کے بھلے برے میں ، دیش کو اوپر اُٹھانے میں ان کا بھی ہاتھ ہے ۔ یہ سب بہت ضروری کام ہیں ۔ اس کام کو پورا کرنے کے لئے ، گاؤں کو ترقی دینے کے لئے جو کوشش اب تک ہوئی ہے اور جو اب ہونے جا رہی ہے وہ ہر طرح سے تعریف کے قابل ہے ۔ سبھی لوگوں کو اس کام میں اپنی پوری پوری مدد دینی چاہیئے ۔

سمپورنانند

۳۸ - ۱۰ - ۲۰

مسٹر ڈیسمنڈ ینگ - ایم - سی - ایم - ایل - اے

گاؤں سدھار کا مقصد ہمارے صوبہ میں ہر ایک کو پسند آنا چاہیئے اُس کے سیاسی خیالات چاہے جو ہوں ۔ سچ تو یہ ہے کہ کسانوں کی حالت سدھارنے سے بڑھکر قیمتی اور تعریف کا کام کوئی ہو ہی نہیں سکتا ۔ اس محکمہ کی مخالفت اور اسکی نکتہ چینی اس لئے ہوتی تھی کہ اس کے بارے میں شک کیا جاتا تھا کہ یہ پارٹی کے خیال سے چلایا جا رہا ہے نہ کہ کہے ہوئے مقصد کے خیال سے اب چونکہ بڑی جگہیں پبلک سروس کمیشن کیطرف سے بھری جائینگی اور جو رعائتیں ہو چکی ہیں انکی یہ جانچ کریگی اس لئے ایسے شک کی اب کوئی جگہ نہیں رہی دل بند سے اوپر اُٹھے ہوئے سرکاری محکمہ کی صورت میں گاؤں سدھار کے محکمہ کے ساتھ سب کی ہمدردی ہونی چاہیئے اور سب کو اسکی مدد کرنی چاہیئے ۔

ڈیسمنڈ ینگ - ایم - سی - ایم - ایل - اے

آنریبل مسٹر حافظ محمد ابراہیم منسٹر آف کمیونیکیشن

مجھے بڑی خوشی ہے کہ گاؤں سدھار محکمہ کی طرف سے
گاؤں سدھار ہفتہ منایا جا رہا ہے سب جانتے ہیں کہ ہندوستان
کی سب سے بڑی آبادی شہروں میں نہیں بلکہ گاؤں میں بستی
ہے لیکن یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہماری ساری توجہ شہروں
کی چہل پہل پر ختم ہے اور وہ گاؤں جن میں قوم کا سب سے
بڑا حصہ آباد ہے بالکل نظر انداز ہو گئے ہیں کوئی قوم اس وقت
تک ترقی نہیں کر سکتی اور کوئی ملک اُس وقت تک آزاد
نہیں ہو سکتا جب تک اس کا ایک بڑا حصہ بیدار نہ ہو۔
اس لئے ہمارے وطن کی آزادی کے لئے ضروری ہے کہ ہم
گاؤں سدھار اور اُن گاؤں میں رہنے والوں کی بھلائی
کی فکر کریں جو ہماری قوم کا سب سے بڑا حصہ ہیں۔
ہماری موجودہ سیاست میں آج صرف گاؤں ہی ایک
ایسا پاک حصہ ہے جہاں ہندو مسلمان کے جھگڑے نہیں
ہوتے۔ مجھے امید ہے کہ ہمارے مسلمان بھائی اس بات
کا خیال کرتے ہوئے گاؤں سدھار میں پوری پوری مدد
کریں گے اس لئے کہ اس سدھار کی برکتیں ہر ایک کے لئے
یکساں ہیں۔

حافظ محمد ابراہیم منسٹر کمیونیکیشن
۲۰ر اکتوبر ۱۹۳۶ء

نواب ڈاکٹر سر محمد احمد سعید خاں کے۔ سی۔ ایس آئی، کے۔ سی۔ آئی۔ ای، ایم۔ بی۔ ای، ایل ایل۔ ڈی، آف چھتاری۔ ایم۔ ایل۔ اے

یو۔پی کے گاؤں سدھار کا محکمہ ارتسے ۱۰ر نومبر تک گاؤں سدھار
کا ہفتہ منانے کے سنہرے خیال کے لئے ہماری مبارکباد کا مستحق ہے اور
مجھے یقین ہے کہ وہ سب لوگ جنھیں صوبے کی گاؤں کی زندگی سے دلچسپی ہے آگے
آئیں گے اور صوبے کے ہر سینٹر میں یہ ہفتہ منانے والوں کا ساتھ دیں گے
اور ان کی مدد کریں گے۔ اس ہفتے کے پروگرام کا خیال بہت اونچا
ہے۔ اور اس کی کامیابی اس میں ہے کہ ہر خیال کے لوگ اس میں
حصہ لیں۔ یہ کام جنتا کی بھلائی کا ہے اور مجھے امید ہے کہ دل
بندی کا خیال چھوڑ کر لوگ اسے خدمت اور قربانی سمجھ کر کریں گے۔
میں اس ہفتے کے آرگنائزروں کی پوری کامیابی چاہتا ہوں۔

نواب چھتاری
احمد سعید

۲۲۔ اوٹ ریم روڈ
لکھنؤ

آنریبل شری پرشوتم داس ٹنڈن۔ ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ اسپیکر لیجسلیٹو اسمبلی۔ یو۔ پی

گورنمنٹ کے گاؤں سدھار کی طرف سے "ہل" نام کا ایک ماہواری رسالہ نکلنے والا ہے۔ یہ نام شاید اس لئے رکھا گیا ہے کہ کھیتی گاؤں کا خاص پیشہ ہے۔ کھیتی کے کام میں کس طرح سدھار ہو یہ اس محکمہ کا اور اسکے رسالہ کا ایک خاص جز ہونا ہی چاہیئے۔ لیکن گاؤں سدھار کے لئے اور دوسری باتیں بھی بہت ضروری ہیں۔ سب سے بڑا سوال گاؤں والوں کی آمدنی کا ہے۔ انکے پاس کافی وقت ہے لیکن وقت کا استعمال نہیں جانتے جس سے وہ اپنی ضروریات کو پوری کرسکیں۔ اس سوال کا مطلب یہ ہوگا کہ گاؤں والوں کے لئے کار آمد کام نکالے جائیں اور جو مال وہ بنا دیں انکے بیچنے کا انتظام ہو۔

گاؤں سے تعلق رکھنے والے سوال کئی طرح کے ہیں۔ ان کا سنگٹھن اور ان کی آزاد پنچایتیں، ان کی بستیوں کا ڈھنگ اور انکی صفائی، نئے گاؤں کا سائنٹفک اصولوں سے بنانا، چراگاہوں کا انتظام، تعلیم کا پرچار، زمین کے متعلق قانون وغیرہ سب ایسے ہی اہم سوالات ہیں۔ گورنمنٹ کے کئی الگ الگ محکموں سے ان سوالوں کا تعلق ہے گاؤں سدھار کے محکمہ کا فرض ہے کہ ان سب ضروریات پر دھیان رکھتا ہوا خود گورنمنٹ کے الگ الگ محکموں کو ملانے کی ایک کڑی بن جائے۔ ان دوسرے محکموں سے حکم لیکر خود آپ کام کرے یا جو کام وہ سیدھا نہ کرسکتا ہو اس کے لئے دوسرے محکموں کو دھیان دلا کر ادا کرا دے۔

گاؤں کو ترقی دینے کے لئے اپنی اپنی جگہ پر یہ سب کام اہمیت رکھتے ہیں۔ لیکن جیسا میں نے اوپر کہا ہے سب سے بڑی اس وقت ضرورت یہ ہے کہ گاؤں کی بیکاری کے سوال پر دھیان دیا جائے۔ اس سوال کا خاص مطلب یہ ہے کہ بنی ہوئی چیزوں کے بکوانے کا انتظام کیا جائے۔ آج بھی گاؤں کے لوگ بہت طرح کی چیزیں بنا سکتے ہیں۔ اگر گاؤں سدھار کا محکمہ ان بنی ہوئی چیزوں کو فوراً بکوانے اور گاؤں والوں کے ہاتھ میں کچھ پیسے رکھنے کا انتظام کر سکے تو گاؤں کو اوپر اٹھانے کے کام میں کچھ اونچی سیڑھیاں طے ہو جائینگی۔

"ہل" کا اصلی کام یہ ہے کہ ایسے سوالوں پر خیالات اکٹھا کرے اور انکا پرچار کرے۔ گورنمنٹ کے دوسرے محکموں کا بھی دھیان اپنے محکمہ کی مدد کی طرف دلائے۔

جناب شری ناتھ سنگھ جی "ہل" کی ایڈیٹری کرینگے یہ ہندی کے وہ قابل اور مشہور لکھنے والے ایڈیٹر ہیں۔ اس سے بھی زیادہ میں ان کی اس لئے قدر کرتا ہوں کہ انکے دل میں وطن کی خدمت کرنے کا سچا خیال ہے۔ اس کا مجھے تجربہ ہے۔ مجھے یہ بھروسہ ہے کہ جہاں تک کوئی اخبار گاؤں سدھار کے کام کو بڑھا سکتا ہے۔ وہاں تک شری ناتھ سنگھ جی کچھ اٹھا نہ رکھیں گے۔

پرشوتم داس ٹنڈن

لکھنؤ

۲۰-۱۰-۳۸

شری آر۔ایس پنڈت، بارایٹ لا۔ ایم۔ ایل۔اے

حالت سے چھٹکارا پاسکیں۔

اب تک ہندوستان کا کچا مال یہاں کے رہنے والوں کے اتنا کام نہیں آتا تھا۔ جتنا ولایت والوں کے۔ اور ہندوستان کی آبادی کی طاقت انگریزی سرکار کے لئے صرف مشینری کی طرح کام دیتی رہی لیکن یورپ کی اس گھبراہٹ کو نظر رکھتے ہوئے ہر ایک سمجھدار ہندوستانی کو یہ پوچھنا چاہیئے کہ آخر ہم کیا کریں؟ اور اسکے جواب کے بارے میں کسی کو یہ شک نہیں کہ پہلے ہمیں اپنے گھر کا معقول انتظام کرنا چاہیئے۔

آر۔ایس۔پنڈت

الہ آباد
۲۷ اکتوبر ۱۹۳۸ء

رائٹ آنریبل ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو

ان صوبوں میں گاؤں سدھار کے لئے جو کچھ اصلی اور ٹھوس کام کیا گیا ہے اس کے لئے مجھے پوری ہمدردی ہے اور مجھے یقین اور امید ہے کہ گاؤں سدھار کا کام سیاسی معاملات سے کبھی نہ ملایا جائے گا اور سیاسی دل بندی سے تو یہ ہمیشہ الگ ہی رہے گا۔

تی۔بی۔سپرو

عام چناؤ میں کانگریس کو جو کامیابی حاصل ہوئی ہے اسکا نتیجہ یہ ہے کہ ہم اپنے صوبہ میں گاؤں سدھار کا کام دیکھ رہے ہیں۔ ملک کے کسی خاص سیاسی طبقہ کو خوش کرنا یا کسی موجودہ سیاسی نقطہ نگاہ کی مخالفت کرنا اس پروگرام کا مقصد نہیں ہے اسکی بابت کوئی کامل سکھ چین کا خواب دیکھنا بھی ٹھیک نہیں۔

کفایت شعاری کے اصولوں کے موافق ہمیں اپنی آل اولاد کو بڑھانے کی کوشش کرنا چاہیئے اور اسی طریقہ سے اپنے لوگوں کو ماغی آزادی اور سماج میں برابری دلانا اور اپنے کو نیچا سمجھنے کے خیالات کو دور کرنا چاہیئے۔ لوگوں کے دل کی گہرائی ہی سے ملک کی بڑائی کا خاص خیال پیدا ہوتا ہے اور جو لوگ ہندوستان کی بھلائی چاہنے والے ہیں انھیں چاہیئے کہ اس خیال کو لوگوں میں پیدا کریں جس سے کہ ہم اپنی موجودہ تنزلی اور غلامی کی

محترمہ اعزاز رسول ڈپٹی پریسیڈنٹ لیجسلیٹو کونسل

اے میرے دیہاتوں میں رہنے والے بھولے بھالے بھائیو
بھارت ورش ہمیشہ تمہاری ہی کوششوں اور انتھک محنتوں
سے مالا مال رہا ہے۔ تم نے ملک کے خزانے بھرنے اور بھارت
باشیوں کا پیٹ پالنے میں ہمیشہ سہائتا اور مدد کی۔ سوچو
اور غور کرو تمہاری بھلائی میں ملک کی بھلائی اور تمہارے
بناؤ میں ملک کا سدھار ہے۔ ہر کام اسی وقت اچھا ہو سکتا ہے
جب اس کام کے کرنیوالے کام کی تمام باریکیوں سے واقف ہوں۔
بھلے چنگے اور تندرست ہوں۔ اپنا کام کرنے اور جھگڑے بکھیڑے
آپس میں چکانے کی اہلیت رکھتے ہوں۔ اپنے بیماروں اور مصیبت
کے ماروں کی مدد کرنا جانتے ہوں۔ اپنی کسانی کے لئے عمدہ
بیج، اچھے بہاسے، کسانی کے جدید اوزاروں اور عمدہ
مویشیوں کے استعمال کی قدر اور خوبی جانتے ہوں۔ کھاد کو
ٹھیک طور پر جمع کرنا اور اسے صحیح طور پر استعمال کرنا جانتے
ہوں۔ گرام سدھار اسی غرض سے قائم کیا گیا ہے کہ کسانوں کی بگڑی
بنائے، تمہاری خرابیوں کو دور کرے، تمہاری حالتوں کو درست
کرے، تم کو باعزت اور خوشحال زندگی بسر کرنے کے لئے تیار
کرے کیونکہ تمہاری عزت سے ملک کی عزت ہے، تمہارے
سدھار اور بناؤ میں ملک کی ترقی اور بہتری ہے۔ ہندوستان
کی تاریخ اس سچائی کو پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ ہندوستان
ایک زراعتی ملک ہے یہ اسی وقت دنیا کا سردار اور سرتاج
ہو سکتا ہے جب اس دیس کے کسان تندرست اور طاقتور
ہوں میل ملاپ اور سوسائٹی کی دولت سے مالا مال ہوں۔
اس لئے اے دیہات کے رہنے والے نوجوانو۔ اٹھو اور کمر ہمت
باندھ کر اٹھو۔ اپنے ان مصیبت اور بپتا میں پڑے ہوئے
بھائیوں کی سہائتا اور مدد کے لئے اٹھو۔ آج بھارت ورش
کو تمہاری خدمت کی ضرورت ہے، بڑھو اور اپنی بلا اُجرت
خدمت گرام سدھار کے محکمہ کو پیش کرو اور والنٹیر بنکر خدا
کی گری ہوئی مخلوق کو ابھارنے کی کوشش کرو۔ ملک اور وطن
کی آج سب سے بڑی خدمت یہی ہے۔ سرکار کی طرف سے
تمہارے لئے خاص ہفتہ منایا جائے گا جو یکم نومبر سے شروع
ہوگا تم اس کو اچھی طرح مناؤ اور اس میں خوشی سے حصہ لو۔

بیگم اعزاز رسول

شری موہن لال سکسینہ، پریسیڈنٹ صوبہ کانگریس کمیٹی۔ یو۔ پی

گاؤں سدھار ہفتہ منانے کا خیال مجھے بہت پسند آیا۔ مجھے امید
ہے کہ اس ہفتے میں گاؤں سدھار کا اصلی مقصد کیا ہے یہ صوبے
کے تمام کسانوں کو معلوم ہو جائے گا اور اس ہفتے میں جو کام شروع
ہونگے وہ اور بھی جوش کے ساتھ ہوتے رہیں گے۔ اس ہفتے کی کامیابی
اسی بات میں ہے کہ کسانوں میں اپنی حالت سدھارنے کا شوق پیدا
ہو جائے۔ میں ہفتے کی پوری کامیابی چاہتا ہوں اور امید کرتا
ہوں کہ اس میں سب لوگ ہاتھ بٹائیں گے۔

موہن لال سکسینہ

ڈاکٹر سر جوالا پرشاد شری واستو۔ کے۔ ٹی،
ایم۔ ایس۔ سی، ڈی۔ لٹ، اے۔ ایم۔
ایس۔ ٹی، ایم۔ ایل۔ اے

بہت جلد منائے جانے والے "گاؤں سدھار کے ہفتہ" کے بارے میں رورل ڈیوپمنٹ افیسر نے مجھ سے جو پیغام مانگا ہے اُس کے لئے ان کا شکر گذار ہوں۔ مجھے یہ دیکھ کر بہت اطمینان ہے کہ اتنی نکتہ چینی ہونے پر بھی آپ ملک کے اس بہترین کام کو آگے بڑھاتے چلے جا رہے ہیں (میں بہت دنوں سے گاؤں سنگٹھن کی تحریک کی وکالت کرتا آیا ہوں) کیونکہ میں نے یہ بات اچھی طرح محسوس کی ہے کہ سرکار کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ وہ اپنی تمام طاقت لگا کر کروڑوں کی تعداد میں رہنے والے گاؤں کے لوگوں کی سماجک، سیاسی اور مالی حالتوں کو سدھارے ۱۹۳۲ء میں مجھے یہ خیال آیا کہ امنیت ظاہرہ طریقے پر اُس کام کو اپنے ہاتھ میں لے لے اور اس وقت ہمارے پاس جو کچھ ذریعے موجود تھے اُن کی مدد سے میں اس کام کے لئے کوشش کرتا رہا ۱۹۳۷ء میں جب ہند کی سرکار نے گاؤں سدھار کے لئے خاص طور پر گرانٹ یو۔پی۔ سرکار کو دی اس وقت مقررہ طریقے اور اچھے ڈھنگ سے شروعات کرنے کا موقع ملا۔ جیسی اُمید کی تھی کانگریس سرکار نے اس کام کو بہت زیادہ خصوصیت دی ہے اور اُسے اپنے کام کرنے کے لئے کافی رقم بھی ملی ہے۔ میں پچھلا طریقہ پر اسکا خیر مقدم کرتا ہوں کیونکہ میں اس بات کو محسوس کرتا ہوں کہ ہندوستان جیسے ملک میں جو کوئی بھی سرکار رہے اُس کا پہلا فرض یہ ہے کہ دیہاتی رعیت کی بڑی بڑی ضرورتوں کی طرف وہ دھیان دے کیا ہم لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو کسانوں کے بارے میں نہ سوچتا ہو۔ کسانوں کی تمام زندگی غریبی تکلیف اور گندگی کی ایک دردناک کہانی ہے ان سب حالتوں میں بیچارہ کسان کس طرح سوکھے طریقہ پر گذر کرتا ہے اور تمام تکلیفوں کو بہادری سے جھیلتا ہے۔ یہ بات ہمارے اندر یہ خیال پیدا کرتی ہے کہ ظالم موقع کے دُکھ دینے والے بوجھ سے دب کر بھی ہندوستان کی پوری بربادی کبھی بھی نہیں ہو سکتی کسانوں کو مدد دینا اُنکی مالی حالتوں کا سدھار کرنا جس سے وہ زندگی کو آرام دہ بنانے والی موٹی موٹی ضرورتیں پوری کر سکیں اور اُنکی زندگی خوشی سے بسر ہو سکے، اُن کو بیماریوں سے بچانا وغیرہ ایسی باتیں ہیں کہ میرے خیال سے اُن پر بحث مباحثے نہیں ہو سکتے۔ سرکاری اور غیر سرکاری افسر کا یہ پہلا فرض ہے کہ اگر ان کے اندر اپنے وطن کے لئے کچھ بھی محبت ہے تو وہ اپنی تمام طاقت سے اپنے اس کام میں مدد دیں جسے آپ گاؤں کے لوگوں کے لئے بہت دلیری سے کر رہے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ میرے دوست آنریبل ڈاکٹر کیلاش ناتھ کاٹجو جو گاؤں سدھار۔ محکمہ کے منسٹر انچارج ہیں اس تحریک کو مضبوط کرنے میں نہ تو روپیے پیسے کی کمی کریں گے اور نہ کوششوں کی۔ مجھے اس بارے میں پوری اُمید ہے کہ گاؤں سدھار۔ ہفتہ پوری کامیابی کے ساتھ منایا جائے گا۔ اور ہر ایک آدمی اُسے کامیاب بنانے میں ہاتھ بٹائیگا۔

پنڈت وینکٹیش نرائن تیواری - ایم - اے - ایل ایل - بی، ایم - ایل - اے پارلیامنٹری سکریٹری

لوڈی پریمیر یو - پی -

دیہات سدھار کے ہفتے میں جو کئی نئے کام شروع ہونگے اُن میں ہل کی اشاعت بھی ایک ہے۔ "ہل" کا میں دل سے خیر مقدم کرتا ہوں کیونکہ مجھے پوری امید ہے کہ اس کے ذریعہ ہمارے دیہاتوں کے کئی مسئلے حل کرنے میں بہت مدد ملیگی - آج کل کی دنیا میں جو ہل چل مچی ہوئی ہے اور جیسے جلدی جلدی پُرانے نشان مٹے جاتے ہیں اور ان کی جگہ نئی باتیں آتی جا رہی ہیں - ان سب باتوں کو دھیان میں رکھتے ہوئے یہ ضروری ہے کہ ہمارے گاؤں — وہی ہمارے ملک ہیں برسوں کی نیند کو چھوڑ کر اب موجودہ زمانے کی ذمے داریوں کو پورا کرنے کے لئے کمر کس لیں - اس صوبہ میں گاؤں سدھار کا جو کام ہو رہا ہے وہ اسی لئے ضروری کاموں میں سب سے بڑھا چڑھا ہوا ہے۔ وہی قوم زندہ رہیگی - جی سکتی ہے اور زندہ رہنے کے قابل ہے جس کا بچہ بچہ کیل کانٹے سے تیار ہو۔ گاؤں سدھار تب ہی کامیاب ہو سکتا ہے جب دیہاتوں کی مالی حالت کے سدھاروں سے بھی کہیں زیادہ زور سے وہ دیہاتیوں میں مل کر کام کرنے کے لئے جوش پیدا کریں - سماجی سدھار جب تک ہماری قوم کا نہ ہوگا تب تک نہ ہمیں سوراج ملے گا اور نہ ہم دنیا میں اُس کام ہی کو پورا کر سکیں گے جس کو پورا کرنے کے لئے بھگوان نے ہمیں بنایا ہے۔ گذرے ہوئے زمانہ کے ہم مالک تھے - آنے والے زمانے کے ہم حق دار ہیں۔ پچھلے اور آئندہ زمانے کے قابل ہمیں بنانے کی کوشش کا نام گاؤں سدھار ہے۔ اسی پیغام کو گاؤں کے گھر گھر، کھلیان اور کھیت تک پہنچانے کا بیڑا اگرام سدھار ہفتہ نے اٹھایا ہے۔

بھائی شری ناتھ سنگھ کی لکھائی کا مجھے پورا بھروسہ ہے اور گاؤں سدھار کے رہنما پنڈت منوہر داس چترویدی کی سچی ہمدردی میں مجھے یقین ہے۔ اُس لکھائی اور اس ہمدردی کو پاکر "ہل" ہماری زندگی کی بنجر زمین کو تھوڑے ہی دنوں میں ہرا بھرا کر دے۔ یہ میری ایشور سے دلی دعا ہے۔

وینکٹیش نرائن تیواری۔

شری مہابیر تیاگی

ایم - ایل - اے -

گاؤں سدھار کے ہفتے کی میں دل سے کامیابی چاہتا ہوں - اگر اس ہفتے میں گاؤں سدھار کا مقصد کسانوں کے گھر گھر پہنچا دیا گیا تو سمجھئے کہ بہت بڑا کام ہو گیا میں اُمید کرتا ہوں کہ گاؤں سدھار کی اسکیم کے مطابق ہمارے صوبے کے گاؤں کو ہمارے وطن کے جان نثار کو دے کر گاؤں والوں کی ہمت بڑھائیگے -

مہابیر تیاگی

نواب محمد اسمٰعیل خاں بی۔اے (کینٹب) بیرسٹرایٹ لا۔ایم۔ایل۔اے۔پریسیڈنٹ مسلم لیگ

مجھے اس بات سے بہت خوشی ہے کہ گاؤں سدھار کا پروگرام سچائی کے ساتھ آگے بڑھایا جا رہا ہے۔ آگے اس بات کی کافی اُمید کی جا رہی ہے کہ اس صوبے کے تمام رہنے والوں کو اسکی کامیابی میں دلچسپی ہوگی یعنی ہر فرقے اور ہر مذہب کے لوگوں سے اُمید کرتا ہوں کہ وہ آگے آئیں اور اس کام میں مدد دیں۔ جو کچھ وہ کریں گے اُس سے اُنھیں کو اور اُن کے پڑوسیوں کو فائدہ پہنچے گا سچ بات تو یہ ہے کہ یہ کام ہمارا ہی ہے نہ کہ سرکار کا۔ مجھے یقین ہے کہ یہ محکمہ آنریبل پریمیر اور آنریبل منسٹر۔ان چارج کے دکھائے ہوئے راستے پر چلے گا اور پارٹی پروپگنڈا کسی گاؤں سدھار افسر کے فرض کا ایک حصّہ نہ سمجھا جائے گا۔ مجھے اس بات میں شک نہیں ہے کہ ہر شخص اس محکمہ کی مدد کرے گا۔ ہماری یکجائی محنت سے گاؤں سدھار کے کام میں کامیابی ہوگی۔

میں چاہتا ہوں کہ شری چتر ویدی جی کو اپنی کوششوں میں کامیابی حاصل ہو۔

محمد اسمٰعیل خاں

سلیم پور ہاؤس
قیصر باغ
لکھنؤ
۲۰-۱۰-۳۸

کنور سر مہاراج سنگھ۔کے۔ٹی۔سی۔آئی ای، بار ایٹ لا، ایم۔ایل۔اے

گاؤں سدھار ہفتہ منانے کے خیال کا میں دل سے خیر مقدم کرتا ہوں ہمارے گاؤں میں رہنے والے بھائی بہنوں کی ترقی کے لئے جو کچھ بھی کیا جائے اُس میں ہندوستان کے تمام سمجھدار مرد اور عورتوں کی مدد ہونی چاہئے کچھ بھی ہو کوشش جاری رہنی چاہئے اور ان میں ہر مرد اور ہر عورت کو ہاتھ بٹانا چاہئے۔ گاؤں سدھار کے افسر کی چٹھی میں بہت سی کام کی باتیں ہیں اگر ان میں سے کچھ بھی پوری کی گئیں تو گاؤں والوں کی بہت بھلائی ہو جائے گی۔ میں اس ہفتے کی اور اس میں حصّہ لینے والوں کی پوری کامیابی چاہتا ہوں۔

مہاراج سنگھ۔ایم۔ایل۔اے
لکھنؤ
۱۵-۱۰-۳۸

شری دُرگا داس۔ چیرمین، یو۔پی گورنمنٹ پریس کنسلٹیٹو کمیٹی

سیاسی خیالوں میں مخالفت ہوتے ہوئے بھی اوسط طریقہ پر ہندوستان کے اخباروں نے گاؤں سدھار اسکیم کی دلی تائید کی ہے اُن کے اس خیال کی وجہ وطن کی خدمت اور پیشہ دونوں ہیں۔ پریس نے جہاں پڑھے لکھے لوگوں کے خیال کا پرچار کیا ہے وہاں اُس نے جنتا کی مالی اور سماجک ترقی کی وکالت کرنا بھی اپنا ایک بڑا فرض مانا ہے کیونکہ جنتا ہی اصل میں نیشن ہے۔ پیشے کے خیال سے بھی یہ ہی راستہ مناسب جان پڑتا ہے۔ گاؤں سدھار کی کامیابی اس بات میں ہے کہ لوگ پڑھنا لکھنا اور سوچنا سمجھنا سیکھیں۔ یہ باتیں پوری ہو جانے پہ پریس کی دھاک بڑھ جائیگی اور اس کی بِکری اور بھی بڑھ جائیگی گاؤں سدھار کے پروگرام کی کامیابی کے معنی ہی یہ ہیں کہ اخبار نویسی کا میدان چوڑا ہو جائے گا۔ ہندوستان میں اخباروں کے پرچار کا اوسط سیکڑوں میں گنا جاتا ہے لیکن یہ ہی جاپان میں لاکھوں پہنچتا ہے ایشیا کا ایک نیشن جس چوٹی تک پہنچا ہے ہم بھی وہاں تک پہنچنے کی خواہش کیوں نہ کریں؟ یو۔پی سرکار کی اسکیم کا اخباروں میں خاص طور سے اچھا پرچار ہوا ہے۔ صوبے کے اخباروں میں بھی اور صوبے کے باہر بھی مجھے بھروسہ ہے ہر ایک اخبار نویس گاؤں سدھار کے ہفتے کی کامیابی چاہنے میں میرا ساتھ دیگا کیونکہ اس سے یہ تحریک جو کہ دیہات کو بہت چمکدار بنا سکتی ہے اور جس سے حکومت کی مالی حالت مضبوط ہو سکتی ہے بہت زور پکڑ جائیگی۔

دُرگا داس۔

جنابِ شیخ محمد حبیب اللہ۔ بی۔ اے، اُو۔ بی۔ ای ایم۔ ایل۔ اے۔ وائس چانسلر لکھنؤ یونیورسٹی

میں گاؤں سدھار کے ہفتہ کی پوری کامیابی چاہتا ہوں۔ یہ کام بہت اچھا اور اُونچے درجے کا ہے کیونکہ دیہات میں رہنے والوں کی تندرستی، سماجک زندگی اور مالی حالت میں فرق پیدا کر سکتا ہے۔ ان میں بہت سے بیچارے اَن پڑھ ہیں اور ان کی اُتنی خبرگیری نہیں کی گئی جتنی کہ چاہئے تھی۔ کام کرنے والوں کی کامیابی چاہے وہ تنخواہ پاتے ہوں یا یوں ہی کام کرتے ہوں اس جوش پر منحصر ہے جس سے وہ کام کرتے ہیں۔ کام مشکل ہے لیکن ایسا نہیں کہ کیا نہ جا سکے۔ یہ کام تب ہی پورا ہو سکتا ہے جب کام کرنے والے اس میں جوش اور سچے پرچارک کے جوش سے لگیں کام کرنے والوں میں ان خوبیوں کی کمی نہ ہوگی۔ گاؤں والوں کی ضرورتوں کو سمجھتے ہوئے محبت اور ہمدردی سے جو بات کہی جائے گی اُسے سننے کو وہ فوراً تیار ہو جائیں گے۔

شیخ حبیب اللہ

وائس چانسلر لکھنؤ یونیورسٹی

۲۸-۱۰-۲۰

اوسر کو زرخیز بنانا

از جناب سی۔ مایا داسس ۔ آئی ۔ اے ۔ ایس

اوسر کا نام آپ نے سنا ہوگا کچھ لوگ اسے بنجر یا پرتی بھی کہتے ہیں یہ سب ایسی زمینوں کے جدا جدا نام ہیں جو بیکار پڑی ہیں ان میں بھی فائدے کے ساتھ کھیتی ہو سکتی ہے۔ اس آرٹکل میں یہی بتاؤں گا۔ اوسر زمین کو سدھارنے کا طریقہ دو سال پہلے کسی کو معلوم نہ تھا۔

ریل میں سفر کرتے وقت ہم اکثر دور تک پھیلی ہوئی بیکار زمین کے حصے کو دیکھتے ہیں۔ ہمیں یہ بات بہت کم سوجھتی ہے کہ اس طرح کی زمین ہندوستان میں ۱۵،۴۰،۰۰،۰۰۰ ایکڑ ہے۔ ہمارے صوبے میں جہاں کھیتی کے لائق ۹۱،۸۰،۰۰،۰۰۰ ایکڑ ہے وہیں پچاسی لاکھ ایکڑ بیکار زمین بھی ہے۔ اس زمین کے بہت تھوڑے حصے پر کسی وقت کھیتی ہوتی تھی۔ اور اب تو یہ کسی نہ کسی وجہ سے بالکل ہی چھوڑ دی گئی ہے۔ کچھ بھی ہو زیادہ حصہ ایسی زمین کا ہے جسے کسان اپنے محدود علم اور اپنے طریقوں کے باعث یہ سمجھتا ہے کہ اس میں کھیتی کرنے سے فائدہ نہ ہوگا۔ اس کا یہ خیال ٹھیک بھی ہے اور اس سے پہلے دوسروں کا بھی یہی خیال تھا۔ کسان کے طریقے میں تھوڑی سی اصلاح کرنے سے یہ دیکھا گیا ہے کہ برائے نام پونجی لگانے سے ایسی زمین میں بھی فائدے کے ساتھ کھیتی ہو سکتی ہے۔ یہ بات ہمیں دو سال پہلے اتفاقاً تب معلوم ہوئی جب کہ ہم سار داکینال میں اصلاح زراعت کے واسطے لگے ہوئے تھے اس وقت مجھے یہ بات سوجھی کہ دیہاتوں میں جہاں آبادی اتنے زوروں سے بڑھ رہی ہے آنیوالے زمانہ میں کھانے کی کمی کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور کرنا چاہئے۔ ہمارے صوبے کی آبادی ۴،۹۰،۰۰،۰۰۰ ہے آدمیوں کی ایک بڑی تعداد ۳،۸۰،۰۰،۰۰۰ ایکڑ زمین کی کھیتی پر

ضلع اوناؤ میں اوسر میں کھیتی شروع کرنے کے دو سال کے اندر برسیم کی فصل

گذر کرتی ہے۔ اس طرح اگر اوپر بتائی ہوئی پچاسی لاکھ ایکڑ زمین میں بھی کھیتی ہونے لگے تو اس کی بنا پر ۶۵ لاکھ آدمیوں کا اور گذارا ہو سکتا ہے۔

۱۹۳۶ء خریف میں ہم نے سب قسم کی بیکار زمین پر تجربے کئے (اس زمین پر بھی جو اوسر کے نام سے مشہور رہے اور جس میں کھیتی کا ہونا غیر ممکن بتایا جاتا ہے)۔ یہ سوچ کر کہ غریب دیہاتی کی [illegible] سستے طریقے سے ہی ہو سکتی ہے' آسان سے آسان طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ اب اسی طریقے سے بہت سے زمیندار اور کسان کھیتی
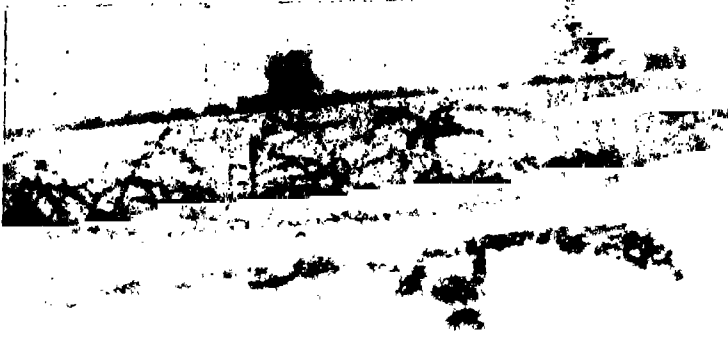
گرنے لگے ہیں۔ اور ایک مثال تو ایک ایسے تعلیم یافتہ پر بیکار نوجوان کی دیکھنے میں آئی ہے جس کے پاس شروع کرنے کے لئے بھی کچھ پونجی نہ تھی۔ برسات میں اور اس کے بعد جو کامیابی ایسی زمین پر کھیتی کرنے میں ہوئی ہے وہ حوصلہ بڑھانے والی ہے۔ یہ بالکل ویسا ہی معلوم پڑتا ہے جیسے نہر کی سنچائی سے ہم نے وہ مرغی پالی ہے جو سونے کے انڈے دیتی ہے۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہی ہے کہ سارداکینالس میں ادسر زمین پر زمینداروں کے حقوق آئے دن بڑھنے لگے ہیں۔ اس کام میں جو لگتے ہیں اُنھیں نہر کے افسر مفت پانی دیتے ہیں۔ اور سارداگری کلچر کے مرکز کے اہلکار انھیں صلاح دینے کے لئے ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔ ادسر کو کھیتی کے لائق بنانے کا طریقہ آسان ہے۔ پہلے ہم چھ انچ، نو انچ تک گہرے برہوں سے اس زمین تک پانی لے جاتے ہیں اور وہاں زمین کے ایسے ایسے ٹکڑے بنا دیتے ہیں جن میں آسانی سے کھیتی ہو سکے۔ کچھ دن بعد ہم اُن کھیتوں میں فالتو پانی دوڑا دیتے ہیں۔ اور جب زمین ہل چلانے کے لائق ہو جاتی ہے ہم اُس میں مسٹن۔ گرزن یا دیگر ہلوں سے جُتائی کرتے ہیں۔ جتنا ہی گہرا جوتئے اتنا ہی اچھا۔ اپریل اور مئی میں اس طرح کئی بار زمین سینچی اور جوتی جاتی ہے۔ تین بار جوتنے کے بعد ہم اس میں سنائی کے بیج بو دیتے ہیں اور اُسے بڑھنے اور پھولنے دیتے ہیں۔ پھولتے ہی زمین کو پھر جوتتے ہیں۔ اس طرح اس میں سنئی کی کھاد مل جاتی ہے۔ اگر زمین میں اتنی کھاد ہو کہ یہ فصل چکنی دار اوگے تو ان چکنیوں میں جو بھی کھاد شلاً گاؤں کا کوڑا اور گوبر مل سکے ڈال دیتے ہیں۔ جتائی جاری رہتی ہے لیکن سینچائی کا کام تب تک ملتوی رہتا ہے جب تک دھان کے بونے کا وقت نہیں آتا۔ یہ دھان بونا ادسر میں کھیتی کرنے کا دوسرا درجہ ہے۔ ہم نے معلوم کیا ہے کہ دھان کی اکیس اور تیئیس والی قسمیں کھیتی ہو سکنے والی ادسر زمین میں ضائع نہیں جاتیں اور اچھا نتیجہ دکھلاتی ہیں۔ جہاں کھاد بہت زیادہ ہوتی ہے وہاں بھی تیئیس والی قسم اچھی اوگتی ہے اس طریقے سے ہم نے پہلے ہی سال چاول کی خاصی فصلیں دیکھیں اور بہت سی صورتوں میں اُسی سال اس کے بعد ہی جَو کی اچھی فصلیں دیکھیں شاید پہلے سال جو منافع ہوتا ہے کم ہی ہوتا ہے لیکن دوسرے سال سے کافی منافع ہونے لگتا ہے۔ آٹھ ایکڑ زمین میں کھیتی کرنے کے لئے بیلوں کی ایک سستی جوڑی اور ایک ہل قریب سو روپیہ میں آجائے گا اور ایسی زمین کچھ آنے فی ایکڑ کے برائے نام لگان پر مل جائے گی۔ قریب تیس ایکڑ زمین میں ایک بیکار خاندان کا آرام سے گذر ہو سکتا ہے۔

زرخیز بنائے ہوئے ادسر میں لونے کی فصل

باری باری سے گہری جُتائی اور سینچائی اور فالتو پانی

تند دھان کے ساتھ بوئے ہوئے دوسرے کھیت میں دوسرے سال بویا گیا گیہوں کی فصل

سے اُس زمین کی کھدائی کرنا چاہئے۔ یہی کھیتی کرنے کا خاص راز ہے۔ اس سے کئی نقصان پہنچانے والے نمک جو ہمارے صوبے کی اوسر والی زمین میں بہت بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں بہ جاتے ہیں۔ بار بار سینچنے، جوتنے اور کھاد ڈالنے سے کھیت دھان کی پہلی فصل کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔

دھان بونے کے پہلے جو ہری کھاد بوئی جاتی ہے اس سے پتہ چل جاتا ہے کہ زمین میں کیسی فصل ہوگی۔ ستمبر میں دھان کی کٹائی ہو جانے کے بعد زمین کو پھر سے سینچتے اور جوتتے ہیں اور اسے جاڑے کی فصل کے لئے تیار کرتے ہیں۔

پہلے سال جاڑے میں جو کی فصل اچھی ہوتی ہے لیکن چنا، مٹر اور Aerseem میں بھی کامیابی ہوئی ہے۔ دوسرے سال اگر زمین موافق معلوم پڑی تو چاول کے بعد گیہوں بویا جا سکتا ہے۔ کئی حالتوں میں اس سے زیادہ فائدہ بھی پہنچا ہے کسانوں کے ایسے کھیتوں میں ہم نے پہلے ہی سال فی ایکڑ تیئیس من تک دھان ہوتے دیکھا ہے اور دوسری فصل میں دس سے پندرہ من تک گیہوں ہوتے دیکھا ہے۔ کسان جو اِن زمینوں کو بالکل بیکار سمجھتے تھے، ایسے نتیجے دیکھکر بڑا تعجب کرتے ہیں۔ خیر آپ یقین کریں یا نہ کریں ان نتیجوں پر پہنچنا بہت آسان ہے۔

آجکل جب کہ روزی کمانے کا سوال ٹیڑھا ہے اور بیکاروں کی فوج بڑھ رہی ہے یہ سوال مدبران ملک و معاشیات کے جاننے والوں کے لئے قابل غور ہے کہ پچاسی لاکھ ایکڑ زمین کی کھیتی کا بندوبست کرکے ۵۰ لاکھ لوگوں کی روزی کا سوال حل کیا جا سکتا ہے۔

مجھے کسی کو بھی جو قابل زراعت اوسر زمین پر کھیتی کرکے روزی کمانا چاہتا ہے صلاح دینے میں بڑی خوشی ہوگی۔ اگر آپ کے پاس پونجی نہیں ہے تو آپ پانسو قرض لیکر یہ کام شروع کر سکتے ہیں۔ آپ کو بیابان میں جھونپڑی بنا کر رہنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ اس سے آپ کی نہ صرف آمدنی ہی بڑھیگی بلکہ صحت بخش اور مزے دار کھلی ہوا ملے گا۔ اگر آپ زیادہ پونجی سے شروع کر سکیں تو کامیابی اور فائدے کی کافی امید ہے اگر آپ معلوم کرنا چاہیں یہ کیونکر ہوتا ہے تو اناؤ کے اگری کلچرل انسپکٹر سے ملیں وہ آپ کو دکھائیں گے کہ دوسرے لوگ اناؤ کے پاس اور دور کے گاؤں میں کیا کر رہے ہیں۔ یہ اہم زندگی ہے ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے تعلیم یافتہ نوجوان کوٹ اُتار کر رکھ دیں اور آستین چڑھا کر کام میں لگ جائیں اور اوسروں کے سرسبز بنانے کی بڑائی لیں۔ اس طرح دیہاتوں کے پچھڑے لوگوں کا شہروں کے تعلیم یافتہ لوگوں سے لگاؤ ہو جاویگا اور ان تعلیم یافتہ آدمیوں کو بھی اپنے دیہاتوں کا گیان ہو جاوے گا۔ یہ نہ سمجھئے کہ میں نے مختصراً ایک "بابی" کا بیان کیا ہے۔ یہ ایک روزگار ہے جو بہت قلیل پونجی سے کیا جا سکتا ہے اور جس سے کافی فائدہ ہو سکتا ہے۔ ہاں! کامیابی کے لئے صبر اور سخت محنت کرنے کے شوق کی بہت ضرورت ہے۔

مویشیوں کا سوال

(ازجناب برج گوپال بھٹناگر)

یہ عام شکایت ہے کہ ہندوستان میں ڈھوروں کی حالت خراب ہوتی جارہی ہے اور بیل کی اچھی جوڑ پانے کی دقتیں تھوڑے ہی عرصہ سے ہونے لگی ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کھیتی کا کام بڑھتا جارہا ہے اور بیلوں کی مانگ بھی بڑھتی جارہی ہے لیکن اس کی خاص وجہ تو یہ ہے کہ بیلوں کو کافی چارہ نہیں ملتا اور نسل بھی اچھی نہیں ہوتی۔ ہندوستان میں ایسے بہت سے اچھی نسل کے بیل ہیں جن کی پیدائش اور چارے کی اگر خاص پرواکی جائے تو اب بھی یہاں اچھے بیل ہونے لگیں۔

ایک ہندوستانی کسان کے پاس زیادہ تر ایک جوڑ بیل یا ایک جوڑ بھینسے ہوتے ہیں۔ اگر ان سے وہ زیادہ رکھے تو یہ اس کی مرضی ہے ایک جوڑ بیل سے زیادہ تر دس سے پندرہ ایکڑ تک زمین پر کھیتی ہوسکتی ہے۔ ایک معمولی بیل چالیس سے ساٹھ روپیہ تک اور اچھا بیل سو سوا سو تک بیل مل سکتا ہے۔ ایک معمولی بھینسا پچیس تیس روپیہ میں۔ ایک اچھا بھینسا چالیس پچاس روپیہ میں آسکتا ہے کسان لوگ اس سے زیادہ کام لینا پسند نہیں کرتے کیونکہ بھینسے سے کام بیل کے مقابلہ میں دھیرے ہوتا ہے۔ غریب کسان ہی اکثر بھینسے سے کھیتی کرتے ہیں جن کے پاس چار چھ بیگہ سے زیادہ زمین نہیں ہوتی ہمارے ہندوستان میں کھیتی کا کل رقبہ قریب قریب ۳۵،۲۶۰۰،۸۰،۰۰۰ ایکڑ ہے۔ بیل اور بھینسوں کی تعداد قریب قریب ۵،۱۱،۲۰،۷۰،۰۰۰ اور ۶،۲۳،۱۰،۴۰،۰۰۰ ہے اس سے ہم یہ اندازہ کرسکتے ہیں کہ ایک جوڑ بیل یا بھینسے سے قریب قریب ۱۴ ایکڑ زمین پر کھیتی ہوتی ہے۔ ہمارے صوبہ میں کھیتی کا کل رقبہ ۳،۴۸،۰۰،۰۰۰ ایکڑ ہے۔ بیلوں کی تعداد ۱،۰۱،۹۸،۰۰۰ اور بھینسوں کی ۷،۸۴،۰۰۰ ہے۔

ہندوستان کی مویشیوں کی حالت بہت خراب ہے۔ چونکہ ڈھوروں کی پرورش سے جتنی زیادہ خراب ہوتی ہے اتنی ہی زیادہ تعداد میں وہاں ڈھور پالے جاتے ہیں اس سے گائیں کمزور ہو جاتی ہیں اور انکے بچھڑے بھی ٹھنگنے و کمزور پیدا ہوتے ہیں جن سے کسانوں کی تسلی نہیں ہوتی۔ اور وہ اچھے بیل پیدا کرنے کی فکر میں برابر بچہ پیدا کراتے جاتے ہیں اور بیلوں کی تعداد کو بڑھاتے جاتے ہیں جیسے جیسے ان کی تعداد بڑھنے لگتی ہے یا جیسے جیسے چراگاہوں میں بھی کھیتی ہونے لگتی ہے ویسے ویسے چارے کی کمی کی وجہ سے گایوں میں کمزوری آنے لگتی ہے۔ پھر تو یہ حالت ہو جاتی ہے کہ اچھے بچھڑے پیدا کرنے کی امید بہت کم ہو جاتی ہے۔ یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ جتنے چارے کی ضرورت ایک سال میں سو چھوٹے چھوٹے ڈھوروں کے لئے ہوتی ہے اتنی ہی ان ڈھوروں کے دوگنے ڈیل ڈول والے پچاس ڈھوروں کے لئے ہوتی ہے۔ بلکہ یہ سمجھنا چاہئے کہ چارے کی ایک خاص مقدار جو چھوٹے جسم والے سو مویشیوں کو سال بھر کے لئے کافی ہوگی وہ ان سے دوگنے جسم والے سو مویشیوں کو آٹھ نو مہینے کے لئے کافی ہوگی۔ اسلئے ٹھنگنے ڈھوروں کی زیادہ تعداد ہندوستان جیسے ملک کے لئے جہاں کہ کھیتی بھی پیداوار بہت مشکل سے ملتا ہے ایک غیرضروری اور بڑا بھاری بوجھ ہے۔ ہندوستان کے ڈھوروں کی تعداد بڑھ گئی ہے اور یہاں کے ڈھور اتنے چھوٹے ہونے لگے ہیں کہ انکے جسم و نسل کو ترقی دینا اس ملک کے لئے ایک اہم مسئلہ ہو گیا ہے۔ پھر ڈھوروں کی ترقی سے ہی کاشتکاری کی ترقی ہو سکتی ہے اور اس مسئلہ کو حل کرنا بہت ہی ضروری ہے۔ اس معاملہ کو ترقی دینے کے لئے بہت سی رائیں پیش

ہسار کی گائے

کی گئی ہیں اور ہر صوبہ کے ماہر اس پر دھیان دے رہے ہیں۔ ہم یہاں ڈھوروں کی ترقی کے بارے میں دو ضروری باتیں کہنا چاہتے ہیں۔ پہلی تو یہ کہ جس طرح سے ہو یہاں کے ڈھوروں کی ضرورت کھیتی کے لئے کم ہو جائے اس مقصد کو پورا کرنے کا ایک یہ علاج ہے کہ جہاں تک ہو کسانوں کے کھیت چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں پھیلے ہوئے نہ ہوں۔ جوتنے کے اوزاروں میں بھی ترقی کرنی چاہئے۔ سڑکیں اور راستے اچھے بنانے چاہئیں۔ دوسرے مویشیوں کی طاقت بڑھانی چاہئے۔ مویشیوں کی طاقت بڑھانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ جب گائیں دودھ نہ دیتی ہیں جب ان کے پیٹ میں بچے ہوں یا جب انکے بچھڑے چھوٹے ہوں تو ان کے چارے کے لئے مناسب انتظام ہونا چاہئے تاکہ وہ خوب دودھ دینے کے لائق ہو جائیں۔ لیکن ہندوستانی کسانوں کی کام کرنے کی طاقت انکی کم علمی اور غریبی کی وجہ سے محدود ہے۔ ان میں دوراندیشی اور قابلیت کی کمی ہوتی ہے۔ وہ ڈھوروں کی پرورش اپنے پرانے طریقوں کے ہی مطابق کرتے ہیں۔ جن دنوں میں وہ ان سے کام لیتے ہیں ان دنوں میں انہیں

خوب کھلاتے پلاتے ہیں۔ پر خالی وقت میں وہ ان کی طرف سے بے پروا ہو جاتے ہیں۔ ہندوستان کے سیکڑوں ہزاروں کسانوں میں سے بہت کم ایسے ہوں گے جو اپنے کام میں آنے والے ڈھوروں کو اچھی طرح سے رکھتے ہونگے۔

ڈھوروں کے چارے کو بہتر بنانے کے لئے تین باتوں کی ضرورت ہے۔ ایک تو یہ کہ جتنا چارہ ابھی ہوتا ہے اس سے پورا پورا فائدہ اُٹھایا جائے دوسری یہ کہ چراگاہ کا رقبہ بڑھایا جائے اور تیسری یہ کہ کسانوں کو یہ سمجھایا جائے کہ انھیں اپنے کھیتوں کے ایک حصے میں چارہ بھی بونا چاہئے۔ ان میں سے کام پہلی بات پر غور کرتے ہیں۔ یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ جب برسات کے دنوں میں یا اس کے بعد بھی طرح طرح کی گھاس یا دوسرے قسم کے چارے پیدا ہوتے ہیں ان دنوں میں کسان ان سب سے پورا فائدہ نہیں اٹھاتا۔ وہ انھیں برباد ہو جانے دیتا ہے۔ ہندوستان میں جو پیال سکھائے جاتے ہیں وہ اتنے فائدہ مند نہیں ہوتے جیسے کہ مغربی ملکوں میں ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ برسات کے آخری دنوں میں جب گھاس کاٹ کر پیال بنانے کے لائق ہوتی ہے تو موسم اتنا نم رہتا ہے کہ ان دنوں میں پیال بنایا نہیں جا سکتا۔ اور برسات کے بالکل آخر میں بھی جب گھاس ایکدم پک نہیں جاتی پیال بنانے کا موقع رہتا ہے۔ تب کسان خود ہی اپنی کھیتی کی فصلوں کے کام میں لگے رہتے ہیں صرف انھیں جگہوں میں پیال بنانے میں زیادہ دقت نہیں ہوتی جہاں کہ بارش ہلکی ہوتی ہے وہاں پیال کے لائق گھاس ہی کم ہوتی ہے انھیں وجہوں سے ہندوستانی کسان پیال بنانے سے مایوس ہو جاتا ہے۔ پر اس کی مایوسی اس وقت سے شروع ہوئی جب کہ کھیتی کے پرانے قاعدے بنے تھے اب تو اس مایوسی کی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ سکھائی ہوئی گھاس بھی ڈھوروں کے لئے بڑے کام کی چیز ہے اور اسکو کچھ دنوں تک قائم رکھنے سے وہ گھاس اور بھی مفید ہو جائیگی۔ پھر کسانوں کے لئے اب پیال بنا لینا ناممکن نہیں ہے۔ ان ضلعوں میں جہاں گھاس خوب ہوتی ہے وہاں اگر پیال نہ ہو سکے تو کم سے کم کسانوں کے پاس سوکھی گھاس تو خوب ہونی چاہئے۔

لیکن اکثر یہی سننے میں آتا ہے کہ اس ملک کا کسان گھاس کاٹنے کے دنوں میں بہت کم فائدہ اُٹھاتا ہے یہ نہیں کہ وہ ایکدم پکی ہوئی گھاس کی کمزوری کو نہ سمجھتا ہو۔ اچھے پیال بنانے میں اصلی دقتیں نہ تو دھوپ کی کمی ہے اور نہ بارش کی زیادتی۔ اصلی دقت ہے کسانوں کے پرانے طریقے ہندوستانی کسان کو گھاس کاٹنے ہی کی عادت پڑی ہے پیال بنانے کی نہیں۔

یہ بڑی خوش قسمتی ہے کہ اچھا چارہ جمع کر رکھنے کے لئے دھوپ کوئی ضروری چیز نہیں ہے۔ پچھلے کچھ برسوں سے کئی قسم کے سائلو (silo) یعنی چارہ جمع رکھنے کی کھتیاں بنانے کی کوششیں کی گئی ہیں اور یہ جانچنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ان سائلوں میں کون سی فصلیں سب سے زیادہ اچھی طرح سے رکھی جا سکتی ہیں۔ سائلوں میں جو چارے رکھے جاتے ہیں انھیں سائلج کہتے ہیں سائلج بنانا ہندوستان میں کوئی مشکل بات نہیں ہے یہ کام حصار میں ۱۹۰۵ء سے ہوتا چلا آ رہا ہے یورپ میں بھی سائلج بہت دنوں سے جانوروں کی خاص غذا رہی ہے۔ لیکن عام لوگوں کی توجہ اس معاملہ میں ہم ادھر ہی دس بارہ برس سے دیکھتے ہیں۔ سائلج کے فائدوں کو دیکھ کر لوگ اس کے لئے بہت کوشش کر رہے ہیں ملک کے بہت سرکاری زراعتی محکموں میں آج سوکھے دنوں میں ڈھوروں کے لئے سائلج بنایا جاتا ہے اور اس سے ڈھوروں کو بہت فائدہ پہنچا ہے لیکن ملک کے اب بھی بہت سے کسان اس سے فائدہ نہیں اٹھا رہے ہیں۔ پوسا میں حالانکہ بہت برسوں سے سائلج بنتا چلا آ رہا ہے اور ڈھور خریدتے وقت کسان لوگ اس کے فائدوں کو اچھی طرح سے جانتے ہیں لیکن پھر بھی خود اس پر ہاتھ نہیں لگاتے۔ دوسری جگہوں میں اس کا استعمال دھیرے دھیرے بڑھتا جا رہا ہے۔

سائلو (silo) یا چارہ جمع کرنے کی جگہ کو حسب ذیل

طریقہ سے بناتے ہیں۔
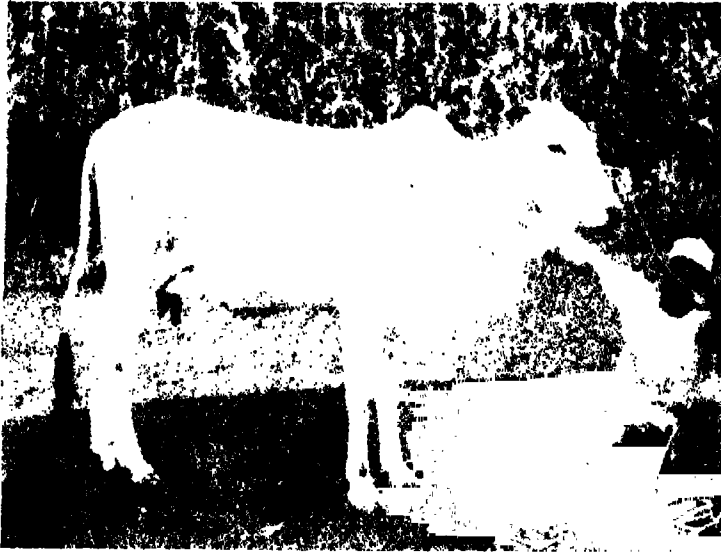
زمین میں گڈھا کھودتے ہیں پھر اینٹ، پتھر اور چونا اٹھانے سے پکا سائلو بنتا ہے۔ اگر خالی زمین رہی تو کچا سائلو کہلاتا ہے اگر سائلو کچا رہا تو اس میں پہلے بھوسہ یا پیال کا چھپن دیدیتے ہیں۔ چارہ جب پکنے کے قریب آجاتا ہے یعنی جب وہ نہ تو کچا ہی رہتا ہے اور نہ بالکل پک ہی جاتا ہے تو اسے باریک کاٹ کاٹ کر سائلو میں بھر دیتے ہیں۔ اوپر سے اسے اس طرح ڈھک دیتے ہیں کہ اس میں ہوا یا پانی ذرا بھی نہ جا سکے۔ ایسے رکھے ہوئے چارے کو سائلیج کہتے ہیں سوکھے دنوں میں جب چارہ نہیں ملتا ہے ہی ڈھور خوشی سے کھاتے ہیں۔ سائلیج انکے لئے بہت فائدہ مند ہوتا ہے۔ مکا، جوار جیسی کئی قسم کی گھاس اور پیڑ کی پتیوں کے بھی سائلیج بنائے جا سکتے ہیں جو گھاس پک جانے پر ڈھوروں کو کوئی خاص فائدہ نہیں پہنچاتی وہ سائلیج بن جانے پر ان کے لئے بہت ذائقہ دار اور فائدہ مند بن جاتی ہے۔ ڈھوروں کو سائلیج کھلاتے وقت اس میں ذائقہ پیدا کرنے کے لئے اوپر سے نمک بھی ملا دینا چاہئے۔ یہ عام شکایت سننے میں آتی ہے کہ سائلیج گایوں سے زیادہ دودھ نکالنے کے لئے ہیں اور دوسرے بیکار ڈھوروں کے لئے ہی فائدہ مند ہے پر سخت محنت کرنے والے بیلوں کو ان سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ اسی سے کسان زیادہ تر سائلیج بنانے کے لئے تیار نہیں ہوتے پر یہ سچ نہیں ہے۔ انھیں یہ خیال رکھنا چاہئے کہ جن دنوں میں گائے بیل یا کسی بھی جانور کے لئے تازہ چارہ ملنا مشکل ہوجاتا ہے ان دنوں کے لئے تو سبھی ڈھوروں کے لئے سائلیج سب سے زیادہ مفید اور بآسانی ملنے والی غذا ہے۔

جو چارے ابھی آسانی سے مل سکتے ہیں ان سے پورا فائدہ اٹھا لینے پر بھی ملک کی کئی جگہوں میں چارے کی کمی

ناگوری گائے

رہ جاتی ہے اس حالت میں اس کمی کو پورا کرنے کا صرف یہی علاج ہے کہ ہر کسان اپنی زمین کے ایک حصہ میں ڈھوروں کے لئے چارہ بویا کریں۔ ہندوستان میں چارے کے لائق بہت سے پودے پائے جاتے ہیں دیشی پودے جیسے جوار، مکا اور سینجی چارے کے لئے بہت اچھے ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ کئی طرح کے بدیشی پودے بھی یہاں پیدا کئے جا سکتے ہیں جو جانوروں کے لئے بہت عمدہ چارے کا کام دینگے۔

ضرورت سے زیادہ جانوروں کی تعداد بڑھانے سے ہی جانوروں کی حالت یہاں خراب نہیں ہوتی بلکہ ساتھ ہی انسانوں کی تعداد بڑھنے سے بھی چارہ اور چراگاہ کا مسئلہ ٹیڑھا ہوجاتا ہے۔ جیسے جیسے انسانوں کی آبادی بڑھتی جاتی ہے ویسے ویسے کھیتوں سے باہر پڑی ہوئی زمین ان آدمیوں کے قبضہ میں آتی جاتی ہے۔ چراگاہوں کی تعداد بڑھا دینے سے یقینی ڈھوروں کو فائدہ ہوگا۔ اگر ڈھوروں کی تعداد نہ بڑھے اور چراگاہ کافی ہوں اگر سوکھے دنوں کے لئے چارے کا انتظام ہوجائے تو یقیناً اچھے اچھے بیل بھینسے ملنے لگیں گے۔

اب یہاں ہم ہندوستان کی کچھ خاص خاص جگہوں کے

ڈھوروں کی پیدائش کے بارے میں لکھتے ہیں۔ تاکہ عام لوگوں
کو اس معاملہ کی کچھ زیادہ واقفیت ہو جائے۔ پنجاب سرکار
کے ڈھوروں کی پیدائش کا محکمہ حصار میں ہے اور برٹش
ہندوستان میں حصار اس کام کی سب سے پرانی جگہ ہے۔ یہ
۱۸۰۹ء میں وہاں قائم ہوا تھا۔ پہلے یہاں اونٹوں کی اچھی
نسلیں پیدا کرانے کا کام کیا جاتا تھا۔ اس کے بعد ڈھوروں
اور گھوڑوں کی پیدائش کا کام شروع ہوا لیکن ۱۸۹۹ء سے
صرف ڈھوروں کے ہی پیدا کرنے میں یہ انجمن زیادہ توجہ
دے رہی ہے۔ کچھ گھوڑے، گدھے، خچر اور بھیڑوں کے
علاوہ حصار میں ڈھوروں کی تعداد ۵۵۰۰ سے ۶۰۰۰ تک
ہے۔ قریب تین تین سال کے تین چار سو جوان بچھڑے
ہر سال بیچے یا نیلام کر دیئے جاتے ہیں۔ انھیں اکثر ڈسٹرکٹ بورڈ
لے کر کسانوں تک پہنچاتے ہیں حصار کے اس محکمہ سے پنجاب
کے لوگوں کو ڈھوروں کی نسل میں ترقی کرانے میں بہت مدد
ملتی ہے۔

صوبہ آگرہ و اودھ میں ڈھوروں کی اچھی نسلیں پیدا
کرنے کے لئے اس وقت دو جگہیں ہیں ایک تو متھرا کے پاس
مادھری کنڈ نام کی جگہ ہے یہاں حصار کے سانڈ یا مُرّا بھینسے
کی نسلیں پیدا کی جاتی ہیں۔ دوسرا لکھیری ضلع میں منجھرا نام
کی جگہ ہے یہاں سیوال دکھیڑا گڈھ سانڈ اور مُرّا بھینسے کی
نسلیں پیدا کی جاتی ہیں۔ آس پاس کے کسان ان دونوں
جگہوں سے پورا پورا فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ سرکار کے ذریعہ
ساڑھے سات روپیہ سیکڑہ سالانہ درت انھیں تقاوی ملتی
ہے تاکہ وہ لوگ ان دونوں جگہوں کے سانڈوں سے فائدہ اٹھائیں۔

اچھی نسل کی گائیں

حالانکہ ہندوستان میں اب ڈھوروں کی اچھی اور
مضبوط نسلیں تیار کرنے کا کام جاری ہے پر ہندوستان
جیسے بڑے ملک کا کام اتنے سے نہیں چل سکتا۔ بڑے بڑے
زمینداروں اور مہاجنوں کو اس طرف بھی توجہ کرنا چاہیئے۔
صرف کاشتکاری ہی کے لئے ڈھوروں کی نسلیں بڑھانے کی
ضرورت نہیں ہے بلکہ لوگوں کی تندرستی بڑھانے کے لئے بھی
دودھ گھی کی مقدار بڑھانا بہت ضروری ہے آدمی جتنا زیادہ
تندرست ہوگا وہ اتنا ہی زیادہ پیسہ پیدا کر سکے گا۔ اور دودھ
گھی کی مقدار بڑھانے کے لئے گایوں کی نسلیں بھی
بڑھانا بہت ضروری ہے۔ آج کل گایوں کے کمزور
اور ٹھنگنے ہونے کی وجہ سے دودھ کم ہوتا ہے۔ یہاں
دودھ کی مانگ فی آدمی بمقابلہ امریکہ، ڈنمارک، سویڈن
اور سوئٹزرلینڈ وغیرہ ملکوں کے جہاں لوگ عام طور پر
گوشت کھاتے ہیں کم ہو گئی ہے۔

ہم بیمار کیوں پڑتے ہیں

(جناب نصیرالدین خاں)

اس میں شک نہیں کہ بلا بھرپیٹ اچھی خوراک کے کوئی آدمی اپنا کام ٹھیک ٹھیک نہیں کر سکتا اور تندرست نہیں رہ سکتا۔ لیکن جن کو اچھی خوراک نصیب ہے وہ بھی بیمار پڑتے رہتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ بیماری کی اور بھی بہت سی وجہیں ہیں۔ اس مضمون میں ہم مختصر ان ہی کا ذکر کریں گے۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ہمیں اپنے بدن کی صفائی کی بھی بڑی سخت ضرورت ہے۔ بدن کی صفائی کے لئے ہمیں کھال کی بناوٹ پر غور کرنا ہوگا۔ کھال میں رویں کی جڑوں کے پاس بہت سے چھوٹے چھوٹے سوراخ ہوتے ہیں۔

یہ سوراخ کتنے چھوٹے ہوتے ہیں، اس کا اندازہ آپ اسی بات سے لگا سکتے ہیں کہ صرف ایک انگلی کے سرے پر ان کی تعداد پانچ ہزار سے زائد ہوتی ہے۔ تصویر نمبر ا میں یہ سوراخ بڑھا کر دکھائے گئے ہیں۔ تصویر میں دیکھنے سے آپ کو یہ بات بھی معلوم ہوگی کہ ہماری کھال کی بناوٹ کھپریل کی سی ہے یہ اوپر نیچے بہت سے پرتوں سے بنی ہوتی ہے۔ پرانے پرت ہمیشہ ادھڑتے رہتے ہیں اور انکی جگہ پر نئے پرت پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ ان ادھڑے ہوئے ننھے ننھے پرتوں کو بھی ایک قسم کا میل ہی سمجھنا چاہئے۔ سانپ اپنی کھال، سال میں ایک بار بدلتا ہے لیکن انسان کی مردہ کھال میل کی شکل میں ہمیشہ چھٹتی رہتی ہے۔ اگر یہ میل دور نہ کیا جائے اور سوراخ کو کھلا نہ رکھا جائے تو بدن کے اندر کی گندگی باہر نہ نکل سکے گی۔ جب یہ گندگی باہر نہیں نکلتی تو زہر بن کر بہت خرابی پہنچاتی ہے اسی سے بدن پر پھوڑے پھنسیاں نکل آتی ہیں، کھاج ہوجاتی ہے اور بدن دبلا پتلا رہتا ہے۔ چمڑے کو صاف رکھنے کے لئے روز نہانا چاہئے۔

یہ خوشی کی بات ہے کہ ہمارے ملک میں نہانے کا عام رواج ہے۔ اور لوگ خوب مل مل کر بھی نہاتے ہیں لیکن نہانے کے بعد میلا کپڑا پہن لینے سے نہانے کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔ کیونکہ میلے کپڑوں سے میل کے پسینے کے سوراخ پھر بند ہوجاتے ہیں۔ یہ افسوس کی بات ہے کہ ہمارے بہت سے کسان بھائی کپڑوں کی صفائی کا اتنا خیال نہیں کرتے جتنا کہ وہ کر سکتے ہیں۔
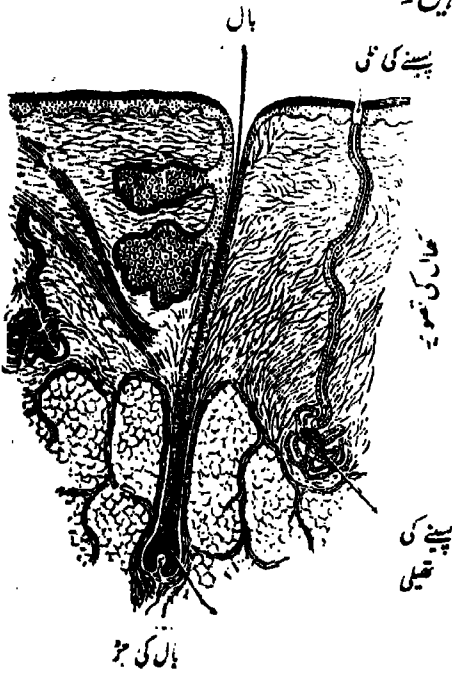
بدن اور کپڑوں کی صفائی سے بھی زیادہ ضروری، پانی، کھانا اور ہوا کی صفائی ہے۔ اب ایسے آلات بن گئے ہیں جن کے ذریعہ

پانی اور ہوا میں اُڑنے والے گرد کے ذرہ لگے ہوئے
جراثیم دیکھے جا سکتے ہیں۔ تصویر نمبر ۲ پر غور کیجئے یہ ایک
گندی نالی میں سے لی ہوئی پانی کی چار بوندیں ہیں
خوردبین سے دیکھنے سے یہ بوندیں اتنی گندی دکھائی
پڑتی ہیں۔ اکثر ہمارے پینے کے پانی میں بھی اس طرح
کا زہر پہنچ جاتا ہے اور ہم بیمار پڑ جاتے ہیں۔
منہ سے سانس لینا بھی بہت مضر ہے اس سے
بھی بیماریوں کے جراثیم بدن کے اندر چلے جاتے
ہیں۔ اسلئے سانس ہمیشہ ناک سے لینی چاہئے اور
ایسی کوشش کرنی چاہئے کہ تازہ ہوا برابر ملتی رہے
رات میں کمرہ بند کر کے یا کپڑوں سے مُنہ ڈھک کر
سونے والے اکثر بیمار ہو جاتے ہیں۔ ناک میں جس
طرح بالوں پر دھول وغیرہ کے ذرات رک جاتے ہیں
اس طرح کا مُنہ میں کوئی انتظام نہیں ہے منہ سے
سانس لینے میں بہت سی چھوٹی چھوٹی خراب چیزیں
اندر چلی جاتی ہیں جیسا کہ نیچے تصویر میں دکھایا گیا ہے
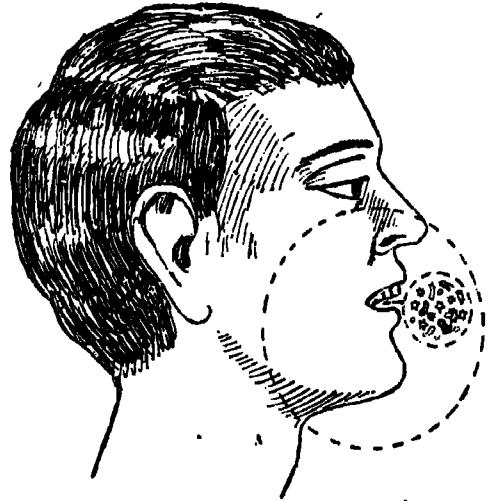
سانس کے ساتھ مُنہ میں جانیوالا گرد کا ایک ذرّہ

مُنہ میں موجودہ ٹھنڈی ہوا کے گرم ہونے کا بھی کوئی انتظام نہیں
ہے۔ ٹھنڈی ہوا سیدھی گلے سے جا کر ٹکراتی ہے اور گلے میں مرض
پیدا کر دیتی ہے۔

خوردبین سے دیکھی ہوئی پانی کی چار بوندیں

ہوا اور پانی کی صفائی کے ساتھ ساتھ کھانے کی صفائی بھی
ضروری ہے۔ سڑا یا باسی کھانا کبھی نہ کھانا چاہئے۔ کھانے پر مکھی کو
نہ بیٹھنے دینا چاہئے۔ دیکھا گیا ہے کہ صرف ایک مکھی کے بیٹھ جانے سے
اتنا زہر پیدا ہو گیا کہ کھانے والوں کی موت تک آ گئی سب
ہیضہ کی بیماری مکھیوں کے ذریعہ بڑی جلد پھیلتی ہے۔ اسلئے ہیضے
کے دنوں میں ان سے اور بھی ہوشیار رہنا چاہئے۔ جیسے گرد سے بچانے
کے لئے کھانا کو ڈھک کر رکھنا چاہئے ویسے ہی مکھیوں سے بھی بچانے
کے لئے اسے ڈھک کر رکھنا چاہئے۔ ہیضہ کے علاوہ مکھیاں اور بیماریاں
بھی پیدا کرتی ہیں اس بخار کو انگریزی میں ٹائیفائڈ بخار کہتے ہیں
اس بخار کے جراثیم پیشاب میں پیدا ہوتے ہیں۔ جن جگہوں پر
لوگ پیشاب کرتے ہیں وہ جگہیں صاف نہ رکھی گئیں تو مکھیاں
وہاں بیٹھکر ٹائیفائڈ بخار پھیلا سکتی ہیں۔
خوردبین کے ذریعہ اس گندگی کی تصویریں لی گئی ہیں جو
کھانے پر مکھی کے بیٹھنے سے پیدا ہوتی ہے۔ یہاں جو تصویریں
دیگئی ہیں ان سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ مکھی کے پیروں

رام بخش نے رام پال کو ٹیکہ سینے نہیں دیا

کیلاش اور رام پال کو دیکھو

بہت سے بچے مرجاتے اور بہت سے بدصورت ہو جاتے ہیں

لگے ہوئے جراثیم کھانے میں کس تیزی سے پھیلتے ہیں۔
اگر آپ گرم کھانا کھائیں تو پہلے مکھی اس پر بیٹھے گی نہیں اور اتفاق سے اگر بیٹھ بھی گئی تو اس کا زہر اتنی تیزی سے نہیں پھیلے گا۔

مکھی ہی کی طرح مچھر بھی خطرناک ہوتے ہیں۔ ایک طرح کا جوڑی بخار، جسے ملیریا کہتے ہیں، مچھر ہی کے کاٹنے سے ہوتا ہے۔ مچھر کئی طرح کے ہوتے ہیں۔ جن مچھروں کے کاٹنے سے ملیریا ہوتا ہے انھیں انگریزی میں اناف لیس کہتے ہیں اور اس کے بازوؤں میں دھبّے پڑے رہتے ہیں جہاں یہ مچھر نہیں ہوتا وہاں لوگوں کو ملیریا بھی نہیں ہوتا ہے۔ اگر بند پانی کے گڑھے نہ ہوں تو مچھر انڈے نہیں

ایسے سوؤ

دے سکتا۔ برسات کے بعد ایسے گڑھوں کی تعداد بڑھنے سے مچھروں کی بھی تعداد بہت بڑھ جاتی ہے۔
اب اگر ہم چاہتے ہیں کہ مچھر پیدا نہ ہوں تو ہمیں چاہئے کہ بستی کے آس پاس بالکل بند پانی نہ رہنے دیں۔ ایک چلّو کھلے پانی میں بھی، مچھر انڈے دے دیتے ہیں۔
اسلئے ذرا بھی پانی اپنے رہنے کی جگہ کے آس پاس نہ رہنے دینا چاہئے۔ ایسے ہی کسی برتن کا منھ رات کو کھلا نہ رہنے دینا چاہئے۔ جس برتن میں کئی کئی دن تک پانی پڑا رہتا ہے۔ جن گڑھوں کا پانی نکالا نہ جاسکے یا بستی کے پاس جو بڑے تالاب ہوں انکی سطح پر مٹی کا تیل ڈالدینا چاہئے۔ یہ تیل پانی کے اوپر ایک باریک جھلی سی بنا لیتا ہے جس سے مچھر کے بچے سانس

ایسے مت سوؤ

رام پال کے چیچک نکلی ہوئی ہے۔

ڈاکٹر نے اسکے گندے اور خراب کپڑے کو جلوا دیا

ڈاکٹر نے ان کو الگ رہنے کے لئے کہا ہے

نہیں لے سکتے اور مرجاتے ہیں اور جو مچھر انڈے دینے آتے ہیں وہ بھی پھنس کر مرجاتے ہیں۔ مچھلیاں، مچھر کے انڈوں، بچوں کو کھا جاتی ہیں، اسلئے اگر ہم تالابوں میں مچھلیاں پال لیں تو بھی مچھروں کی کثرت روکنے میں بڑی مدد مل سکتی ہے۔

اس طرح مچھروں کی پیدائش اور کثرت ہم روک سکتے ہیں۔ رہ گیا مچھروں کے کاٹنے سے روکنے کی تدبیر۔ مچھر اکثر رات کو کاٹتے ہیں۔ اسلئے اگر ہم مچھر دانی لگاکر سوئیں تو مچھر ہم تک نہیں پہنچ سکتے۔ مٹی کے تیل اور کڑوے تیل کے میل سے ایک قسم کا تیل بنتا ہے جسے لگاکر سونے سے مچھر نہیں کاٹتے۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ خالی کڑوا تیل لگاکر سونے سے بھی مچھر نہیں کاٹتے۔ ملیریا کے دنوں میں ہم کونین کا استعمال کریں تو بھی ہم اس بخار سے بچ سکتے ہیں۔ کیونکہ کونین میں یہ طاقت ہوتی ہے کہ وہ ہمارے خون میں مل کر جراثیم کو مار ڈالے۔ ایک ہفتہ میں دو بار کونین کھانا کافی ہوگا۔ بہت سے ماں باپ اپنے لڑکوں کو گہنے پہناتے ہیں۔ لیکن اگر گہنے کے بجائے اس سے کم ہی دام کی مچھر دانی میں انھیں سلائیں تو ان کے بچے جوڑی بخار سے بچ جائیں۔

یہ غنیمت ہے کہ گاؤں میں ابھی شہروں کی طرح یوروپین پوشاک کا زور نہیں ہے، ڈھیلی ڈھالی اور ہلکی پوشاک بدن کے لئے مفید ہوتی ہے۔ چست کپڑے پہننے سے، بدن ہی نہیں

خوردبین سے دیکھنے سے مکھی کے پاؤں کے نشان

مکھی کے بیٹھنے کے تھوڑی ہی دیر بعد اسکے پاؤں کے ایک نشان کا بڑھایا ہوا نقشہ

بھدا ہوتا بلکہ بہت سی بیماریاں بھی ہو جاتی ہیں۔ ہمارے کسان چست پوشاک نہیں پہنتے لیکن یہ دیکھا گیا ہے کہ اکثر وہ چست جوتے پہن کر اپنا پیر بگاڑ لیتے ہیں۔ چست جوتے پیر میں کاٹ لیتے ہیں جس سے بخار تک آجاتا ہے۔

۵

مکان کے اندر دھوپ آنے دو

اپنے کپڑے دھوپ میں سکھاؤ
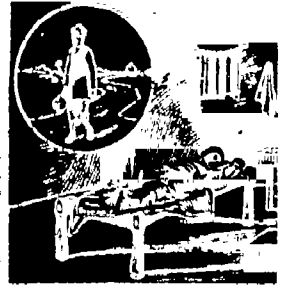
زمین سے اوپر سوؤ اور خالی پاؤں نہ رہو

مچھر
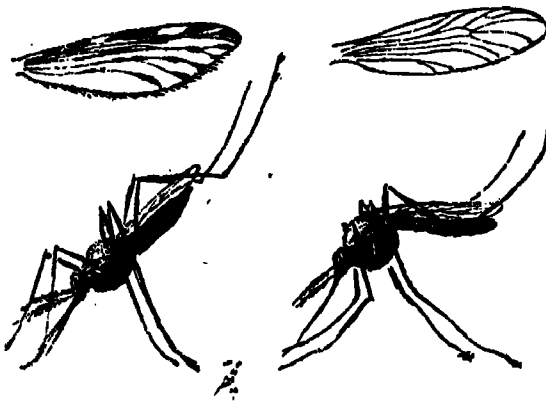
گھروں کے پاس پانی اکٹھا ہونے دینا، کوڑا کرکٹ پڑا رہنے دینا، اپنے آپ بیماری بلانا ہے۔ تندرستی کے لئے صاف ہوادار گھر بہت ضروری ہے۔ ایسا گھر کم خرچ میں بھی بنوایا جا سکتا ہے۔ گھر میں چوہوں کا رہنے دینا بھی ٹھیک نہیں ہوتا کیونکہ پلیگ ان ہی کی وجہ سے پھیلتا ہے۔ گھر میں دھوپ کا پہنچنا ضروری ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ اس میں سیل نہ پھیلے۔

لڑکے کو گہنے پہنانا اتنا ضروری نہیں ہے جتنا مچھروں سے بچانا

کسا جوتا پہننے سے پیر کی حالت

ٹھیک جوتا پہننے سے پیر کی حالت

یہ موٹی موٹی باتیں ہیں جن کا خیال رکھنے سے ہم بیماریوں سے بچ سکتے ہیں اور تندرست رہ سکتے ہیں۔ اگلی قسطوں میں، ہم تندرستی قائم رکھنے کے اور بھی بہت سے طریقے بتائیں گے۔

چھوٹے ہوئے قیدیوں کی مدد کرو

اور

نئے نئے جرموں کو روکو

گاؤں سدھار کے آرگینائزر کس طرح مدد کر سکتے ہیں

(جناب گوپی ناتھ سریواستو پارلیمنٹری سکریٹری محکمہ اطلاعات عامہ حکومت صوبجات متحدہ)

اگر کوئی عورت یا مرد جرم کرتا ہے اور پکڑا جاتا ہے تو وہ جیل بھیجدیا جاتا ہے اور سماج اس مرد یا عورت کو بھول جاتا ہے اور سارے کاروبار اسی طرح خوشی خوشی ہوتے رہتے ہیں لوگوں کی اس بیرحم خواہش نے کہ سماج سے پھر جانے والے آدمیوں کا پیچھا کیا جائے اور ان کو سزا دیجائے ہمارے رہنے سہنے کے سارے ڈھنگ کو ایک خاص رنگ میں رنگ دیا ہے۔ بیرحمی بہت پرانے زمانے کی بات نہیں ابھی کل تک ہمارے جیلخانوں کی یہی ایک خاص بات رہی ہے بلکہ سچ تو یہ ہے آج بھی بڑی حد تک ہمارے جیلخانوں میں یہ بات پائی جاتی ہے۔ جہاں تک سزا کا لگاؤ بدلہ لینے سے ہے وہ اُس پرانے جنگلی پن کے زمانے کی یادگار ہے جس سے ہماری آج کل کی تہذیب پیدا ہوئی ہے۔

لیکن اب سماج کا یہ خیال بہت زیادہ بدل گیا ہے۔ یہ بات کہ سزا خود ایک مقصد ہے اب ٹھیک نہیں مانی جاتی اور ان تمام اچھے دماغ والے لوگوں کے خیال میں جو اس بات پر غور کرتے ہیں یہ تبدیلی پیدا ہو رہی ہے کہ سماج کے مجرم کو سدھارنے کی کوشش کی جائے۔

لوگ بُرے تھے اس لئے وہ جیل گئے کل اتنی ہی بات سمجھی جاتی تھی۔ جیل کی کالی دیواروں کے پیچھے ان پر کیا گذری جیل سے چھوٹنے کے بعد وہ کیسے لوگ ثابت ہوئے۔ یہ ایسی باتیں تھیں جو دو ہی ایک دلوں کو بے چین کرتی تھیں۔

اتنے دنوں میں گھاؤ سڑتا گیا اور زہر سارے سماج میں پھیل گیا۔ اس لئے کہ جن زخموں کی فکر نہ کیجائے ان کا یہی حال ہوتا ہے لیکن اب اس خرابی کا ہوش سب کو آگیا ہے۔

جناب گوپی ناتھ سریواستو

پرانا ڈھنگ نہیں رہ گیا اب تو ہمارے مجرم سدھار پروگرام میں چھوٹے ہوئے قیدیوں کی دیکھ بھال ایک مانی ہوئی بات ہے۔ اور میں اس چھوٹے سے مضمون میں یہی بات بتلاؤں گا۔

صوبہ آگرہ و اودھ کے جیلوں سے ہر سال ٢٨٠٠٠ سے لیکر ٣٠٠٠٠ تک قیدی چھوڑے جاتے ہیں۔ ٹھیک ٹھیک گنتی تو نہیں مل سکتی لیکن اس میں ذرا بھی شک نہیں ہے کہ ان قیدیوں میں قریب قریب ہر سو قیدیوں میں ٩٠ قیدی دیہاتی اور ١٠ شہری ہوتے ہیں ان دیہاتی قیدیوں میں زیادہ تعداد ان لوگوں کی ہے جو بات کے دھنی اور بیچ کے درجے کے ہیں۔ یہ لوگ کسی اچانک جوش یا غصے کی وجہ سے جیل جاتے ہیں۔ ایسے بھی لوگ ہیں جو پڑھنے لکھنے کی کمی بھوک اور غریبی۔ یا کسی اور سماجی اور مالی مشکل سے مجبور ہو کر جرم کرتے ہیں اور جیل سے چھوٹنے کے بعد اپنے آپ کو اور زیادہ مجبور پاتے ہیں۔ ان میں ہر سو میں ٢٠ آدمی جرم کرنا اپنا پیشہ کر لیتے ہیں اور پھر جیل واپس جاتے ہیں۔ ان مجرموں کو سماج میں واپس بلانے اور ان کو سچائی اور ایمانداری کی زندگی سکھانے کے لئے یو، پی کے چھوٹے ہوئے قیدیوں کی

مدد کرنے والی سوسائٹی کی ضلع کمیٹیاں ہر ضلع میں قائم کر دی گئی ہیں۔ ان کمیٹیوں کی ابھی کچھ ہی دنوں سے پہل ہوئی ہے۔ اس لئے چھوٹے ہوئے قیدیوں کی دیکھ بھال کے سلسلہ میں ابھی ان سے زیادہ کام نہیں ہوا ہے انھوں نے ابھی اتنا ہی کیا ہے کہ جن لوگوں کو ضرورت ہو ان کی مالی مدد کر دی جائے۔ اتنا ہی کافی نہیں ہے۔ یہ بہت ضروری ہے کہ یہ کمیٹیاں بہت دنوں تک چھوٹے ہوئے قیدیوں سے میل جول رکھیں۔ خاصکر ان لوگوں کے ساتھ جن کو مدد دیجاتی ہے۔ یہ کمیٹیاں اس کی دیکھ بھال کرتی ہیں کہ یہ چھوٹے ہوئے قیدی مدد پانے کے بعد پھر جرم کی طرف نہ جھکنے پائیں اور سچائی اور ایمانداری کی زندگی بسر کرنے کی کوشش کریں۔ اس کے لئے دلچسپی کے ساتھ کام کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد ضروری ہے۔ جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے چھوٹے ہوئے قیدیوں میں ہر سو میں ۹۰ آدمی دیہاتی ہوتے ہیں اس لئے سب سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ اس سوسائٹی کی شاخیں ہر تحصیل اور ہر تھانے میں قائم کر دیجائیں جن کے آدمی اور کام کرنے والے ہر موضع اور ہر قصبہ میں موجود ہوں تاکہ وہ چھوٹے ہوئے قیدیوں کی ٹھیک ٹھیک دیکھ بھال کرتے رہیں اور دوستانہ طریقہ پر یہ دیکھتے رہیں کہ ان کو سیدھے راستہ پر چلنے کی کل آسانیاں ملتی رہتی ہیں اور وہ جرم کی طرف بھٹکنے نہیں پاتے۔ چھوٹے ہوئے قیدیوں کی سب سے بڑی ضرورت مالی مدد نہیں بلکہ ایک ایسے دوست کی تلاش ہے جو برابر ان سے ہمدردی کرتا رہے ان کو اچھی رائے دیتا رہے اور ان کی باتوں میں بیچ بچاؤ کرتا رہے۔ گاؤں سدھار اپنے انسپکٹروں اور آرگینائزروں کے ذریعہ ان ضلع کمیٹیوں کی بڑی مدد کر سکتا ہے۔ ابھی تک ان امدادی کمیٹیوں کے متعلق لوگ دیہاتی حلقوں میں بہت کم جانتے ہیں اور ان کی فائدہ پہنچانے والی تجویزوں کو تو لوگ اس سے بھی کم جانتے ہیں۔ رورل ڈویلپمنٹ کے افسران کئی طریقوں سے لوگوں کی بے سمجھی اور بے خبری دور کر سکتے ہیں اور یہ سکھا سکتے ہیں کہ سوسائٹی کی خرابیوں کو دور کرنے کے لئے لوگوں کو کیا کیا کرنا ضروری ہے۔

وہ لوگ اس نیک کام کے ساتھ ساتھ پبلک کی ہمدردی لینے کے لئے بھی بہت اچھا پروپیگنڈا کر سکتے ہیں۔ بد قسمت مجرموں کی طرف سے لوگوں کے دلوں میں کافی درد پیدا کرنے کے بعد ان سے درخواست کر سکتے ہیں کہ وہ امدادی سوسائٹی میں دل کھول کر چندہ دیں، وہ لوگ اپنے پروپیگنڈے اور پرچار سے پبلک کی مدد حاصل کریں اور ضلع میں اس سوسائٹی کی شاخوں کا ایک جال پھیلا دیں۔ شاخوں کے قائم ہونے تک چھوٹے ہوئے قیدیوں کی دوستانہ دیکھ بھال کرنے کے لئے وہ ایجنٹ اور مددگار کی طرح کام کر سکتے ہیں۔ اس دیکھ بھال کا منشا یہ نہیں ہوگا کہ ان کو کسی دوسرے جرم میں پکڑنے کی فکر کیجائے بلکہ یہ کہ ان کی اس طرح مدد کیجائے کہ آئندہ قانون کے خلاف کام کرنے کی کبھی ان کو خواہش نہ ہو۔ وہ لوگ ان کے سماجی جھگڑوں میں مدد کر سکتے ہیں اور ان کے لئے روزگار بھی تلاش کر سکتے ہیں۔ یہ آخری کام ان کے لئے بہت مشکل کام ہے۔
لیکن یہ سب سے زیادہ ضروری ہے۔ جس کو کوئی کام نہیں ملتا وہ سمجھتا ہے کہ وہ ایک ایسا آدمی ہے جس کی دنیا میں ضرورت نہیں ہے وہ سمجھتا ہے کہ سماج میں اس کی کوئی جگہ نہیں ہے بیروزگاری اس کا چلن خراب کر دیتی ہے۔ جو آدمی بیکار رہتا ہے وہ برائی میں پھنس جاتا ہے۔ اس لئے اس بات کی برابر کوشش ہونا چاہئے کہ یہ لوگ کام میں لگے رہیں۔ رورل ڈویلپمنٹ کے افسران کام کرنے والوں کے جتھے تیار کرنے میں بھی مدد دے سکتے ہیں جن کی ضرورت سارے صوبے میں اس لئے ہوگی کہ وہ ان چھوٹے ہوئے قیدیوں کی دیکھ بھال کریں جو آزمائش کے طور پر "فرسٹ آفنڈرس پروبیشن ایکٹ" کے مطابق چھوڑے جائیں گے۔ یا ان بارسٹل کے رہنے والوں کی دیکھ بھال کریں جو لائسنس پر "یو، پی بارسٹل ایکٹ" کے مطابق چھوڑے جائیں گے یا جو آزمائش کے طور پر "پرزنرس ریلیز آن پروبیشن ایکٹ" کے مطابق چھوڑے جائیں گے جب یہ ایکٹ جاری ہو جائیں گے۔ مختصر یہ ہے کہ اس وقت رورل ڈویلپمنٹ پارٹمنٹ کو اس بات کا بڑا موقع ہے کہ وہ ان مجرموں کو جو

آج سماج کے سامنے سزا کے قابل ہیں ایسا بنا دے کہ وہ سماج کی دولت بن جائیں۔

اس وقت قریب قریب ایک ہزار آرگینائزر، رورل ڈیولپمنٹ میں ہیں اگر ان میں سے ہر ایک یہ ذمہ داری لے لے کہ وہ کم سے کم ایک چھوٹے ہوئے قیدی کے ساتھ جو اس کے حلقے میں ہے اچھی رائے دینے والے اور بھلا چاہنے والے دوست کا برتاؤ کرے گا تو یقین ہے کہ وہ اس چھوٹے ہوئے قیدی کی زندگی سدھار دے گا۔ اس طرح ایک ہزار انسان پیشہ ور مجرم بننے سے رُک جائیں تو یہ ایک بڑی سیوا، دیکھ بھال کا کام ایک بڑا اچھا سماجی اور مذہبی کام ہے اس لئے میں ہر ایک آرگینائزر سے یہ اپیل کرونگا کہ وہ کم سے کم ایک چھوٹے ہوئے قیدی کو "رہائی پائے ہوئے قیدیوں کی ضلع کمیٹی" کی رائے سے اپنی دیکھ بھال میں لے لے اور اس کی ایسی مدد کرے کہ وہ اپنی کھوئی ہوئی آتما کو دوبارہ پالے یہ ایک بہت بڑا کام ہے۔

کسان

(جناب سیّد حسین اعظم اعظم گڑھی)

اے محبت کے پجاری پریم کے پتلے کسان — بھوک سے مارے ہوئے جسموں کو تو دیتا ہے جان
منہ اندھیرے کھیت کو جاتا ہے یوں گھر سے نکل — آگے آگے بیل پیچھے پیچھے تو کندھے پہ ہل
دوپہر کو گوڑتا ہے کھیت گرمی دھوپ میں — دیوتا محنت کا ہے تو آدمی کے روپ میں
رُت وہ گرمی کی ہو یا جاڑا ہو یا برسات ہو — کام سے ہے کام دن کا وقت ہو یا رات ہو
خون پانی ایک کرکے وہ کیا پیدا اناج — جس سے شاہوں کی ہے شاہی اور راجاؤں کا راج
دوسروں کے کام تو تیری کمائی آگئی — اور خود تجھ پہ زمانے کی غریبی چھا گئی
اک طرف تو رہ گیا ہے اک طرف سارا سماج — کس قدر افسوس کے قابل ہے تیرا حال آج
ہاں مگر اے دُکھ کے مارے دھیان رکھ اس بات کا — صبح کا پیغام ہے حد سے گزرنا رات کا
رنج و غم کی انتہا ہونا تھی جو کچھ ہو چُکی — سو رہی تھی آج تک قسمت جو تیری سو چُکی
اُٹھ کہ دنیا اب تیری ہمدرد آتی ہے نظر — دیکھ باندھی ملک نے تیری حمایت پر نظر
دھن کے پکے ہیں جو پریمی پریم کے بندھن میں ہیں — کس طرح سدھرے تیری حالت اسی الجھن میں ہیں

اپنی پھلواری بچے پھر فکر یہ مالی کی ہے
یہ نشانی اے کسان اب تیرے خوشحالی کی ہے

ہمسایہ (پڑوسی)

دیہاتی سماج کی ایک دردناک کہانی

(از شری ناتھ سنگھ)

"بھوک! بھوک!! جب دیکھو تب بھوک! انسان نہیں شاید شیطان نے ہمارے گھر میں اوتار لیا ہے!" کہتے ہوئے گنیش کی ماں نے اسکے منہ پر ایک طمانچہ کس کر رسید کر دیا۔ اتنے ہی سے اس عورت کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوا۔ قریب ہی میں پڑے چارپائی کے ایک ٹوٹے پاوے کو اٹھا کر وہ اس کو مارنے دوڑی اور بولی۔ جا! میری آنکھوں کے سامنے سے دور ہو ورنہ ابھی تجھے ہمیشہ کے لئے جھگڑا ختم کر دونگی۔

بیچارہ لڑکا گھبرا اٹھا۔ اس میں شک نہیں کہ ماں نے اسے پہلے بھی نہ صرف ڈانٹا ڈپٹا تھا بلکہ مارا بھی تھا لیکن اس طرح اس پر اچانک حملہ کبھی نہیں کیا تھا۔ اس سے پہلے جب ماں ناراض ہوتی تو وہ زمین پر لوٹنے لگتا یا زور زور سے رونے لگتا تھا لیکن آج وہ اپنی پرانی چال بھول گیا۔ جس طرح پہلی بار گردن پر چھری چلنے سے کوئی بکرا چلاتا ہے اسی طرح اس کے منہ سے بھی ایک چیخ نکل گئی۔ وہ گھر سے باہر نکل گیا اور پچھواڑے کی طرف دیوار سے چپک کر کھڑا ہو گیا۔

یہ وہ جگہ تھی جہاں لڑکوں کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلتے وقت وہ آ کر کھڑا ہو جاتا تھا اور لڑکے اسے تلاش کرنے پر بھی نہیں پاتے تھے۔ آج اس میں وہ اگلی امنگ نہ تھی۔ شاید اس قدر غمگین اور افسردہ وہ پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔

گنیش کے چلے جانے کے بعد ماں اپنے روزمرہ کے کام میں مصروف ہو گئی۔ سویرے پانچ بجے ہی اٹھ کر وہ اس دن کے کھانے کے لئے چنا پیس چکی تھی۔ چولھا چوکا کر لیا تھا۔ برتن بھی اس نے صاف کر لئے تھے۔ ایک بیل تھا اس کو تھوڑا سا سوکھا بھوسا کھلا کر ہل میں جوتنے کے لئے بھیج چکی تھی اور اب گھر کا کوڑا اٹھا کر کھیت میں ڈالنے کیلئے لیجا رہی تھی۔ لیکن اسی بیچ میں اس واردات کے ہو جانے سے تھوڑا سا کوڑا آنگن میں گر گیا تھا۔ وہ بیٹھ کر اسے اٹھانے لگی مگر اس کام میں اسکی طبیعت نہ لگی۔ وہیں بیٹھی بیٹھی وہ اس بات کا انتظار کرنے لگی کہ گنیش کے رونے کی آواز کان میں آئے تو پھر وہ اسے دلاسہ

مارے۔ سارے گاؤں میں یہ چرچا ہے کہ گنیش بہت کھاتا ہے۔ اسکے سامنے کھانا رکھ دو تو وہ تب تک کھاتا جائیگا جب تک اسکا پیٹ نہ پھٹ جائے یہی وجہ ہے کہ وہ تندرست نہیں ہوتا اور ہمیشہ بیمار ہی رہتا ہے۔ کوئی نہ کوئی مرض ضرور اس کے پیچھے پڑا رہتا ہے۔ اب وہ ضرور سختی سے پیش آ ویگی اور اسکی یہ خراب عادت چھوڑا دیگی۔

اس طرح سوچتے سوچتے جب کچھ دیر ہوگئی اور گنیش کے رونے

کی ماں نے اسکے ماتھے پر ہلدی کا ٹیکا لگا دیا تھا۔ اس کا نشان اب بھی کسی قدر باقی تھا۔ اس نے اس بچھیا کا نام رکھا تھا۔ "لکشمی" اسکا خیال تھا کہ جب یہ بچھیا بڑی ہوگی اور دودھ دینے لگے گی تب گھر کی حالت بہت کچھ درست ہو جائیگی۔ گھی بیچ کرکے لگان وغیرہ ادا کیا جائیگا اور گھر والوں کو شکم سیر مٹھا پینے کو ملے گا۔ گنیش کو کبھی کبھی دودھ یا گھی بھی مل جائے گا۔ اس طرح اس کے بھی دن پھریں گے۔

اس نے ترازو کے ایک پلڑے میں تھوڑا سا اناج نکال کر گنیش کی ماں کے سامنے رکھ دیا۔

کی آواز نہ سنائی دی تب تو اسکے سارے منصوبے ہوا ہو گئے۔ وہ سوچنے لگی کہ کہیں اسے زیادہ چوٹ نہ آگئی ہو یا کہیں وہ بھاگ نہ گیا ہو۔ چنانچہ وہ گھر کے باہر نکلی۔ دروازے پر ایک بچھیا بندھی تھی جسے گنیش کا باپ دوسرے گاؤں سے چودہ آنہ میں خرید کر لایا تھا۔ جس دن وہ بچھیا آئی تھی اس دن گنیش

اپنی مالکن کو دیکھ کر بچھیا سر ہلانے لگی اور جب وہ اس کے قریب آگئی تو وہ اسکا ہاتھ چاٹنے لگی۔ وہ بچھیا بھی عجیب تھی اس کے جسم میں پیٹ ہی پیٹ تھا۔ اور وہ جو بھی پا جاتی کھانا شروع کردیتی۔ جب اُسے کچھ بھی کھانے کو نہ ملتا تو مٹی ہی کھانے لگتی تھی ہاتھ چاٹتے چاٹتے اُس نے مالکن کی دھوتی منہ میں بھرلی

گنیش کی ماں کا دھیان اس طرف بالکل نہ تھا۔ سامنے کے پڑوسی کی لڑکی اپنی چوپال سے یہ تماشا دیکھ رہی تھی وہ چلاتی ہوئی دوڑی۔ "چاچی! چاچی! لکشمی تمہاری دھوتی کھا رہی ہے۔ یہ بھی گنیش کی طرح ہے۔ کل یہ چھوٹ گئی تھی۔ اس نے ہمارے دادا کی پگڑی ایسی بُری طرح چبائی کہ اس کا "پوتنا" بھی نہیں بنایا جا سکتا۔ اس طرح ہم لوگ کب تک برداشت کریں گے۔ یہ بچھیا ہمارے تمہارے خاندان میں پھوٹ پیدا کرا دیگی"

لڑکی صرف چھ سال کی تھی۔ اس کے منہ سے بڑے بوڑھوں کی سی باتیں سن کر گنیش کی ماں بہت خوش ہوئی۔ اس نے سوچا کہ اگر بچھیا نے کوئی نقصان کیا ہوتا تو پڑوسی نے شکایت کی ہوتی۔ ممکن ہے کہ اس کے گھر میں اس طرح کی باتیں ہوئی ہوں۔ بہرحال چھ سالہ لڑکی کتنی ہوشیار ہے۔ گنیش تو پندرہ سال کا ہوگیا مگر اتنی بھی عقل نہیں رکھتا۔ اف! یہ کیا کھائیگا۔ کیسے کی زندگی بسر ہوگی سب کے ماں باپ ہمیشہ زندہ نہیں رہتے ہماری زندگی کا اور بھی اعتبار نہیں۔ وہ نہایت فکرمند ہوگئی۔

لڑکی نے دوبارہ کہا۔ چاچی! چپ کیوں ہو۔ کیا میری باتیں آپ کو ناگوار معلوم ہوئیں۔

گنیش کی ماں نے اسکو سینے سے لگا لیا اور کہا نہیں بیٹی! بُرا کیوں مانونگی بچھیا کسی کا نقصان کریگی تو سخت بات تو سننا ہی پڑیگا۔ "اسے اچھی طرح باندھ کر رکھو تاکہ کہیں جا نہ سکے یا گنیش سے کھونٹی کر دیکھ بھال کیا کرے کیا وہ اتنا بھی نہیں کر سکتا؟"

لڑکی نے گنیش کی ماں کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اسکی آنکھوں سے آنسو کا تار جاری تھا۔

ارے! چاچی تم رو رہی کیوں ہو؟ میں نے تو کچھ نہیں کہا۔

"کچھ نہیں بیٹی۔"

"تب کیوں روتی ہو؟"

"بیٹی! میں نے آج گنیش کو مارا ہے۔ اس نے ناک میں دم کر دیا ہے۔"

"مارنے سے وہ سیدھے راستے پر تھوڑے ہی آئیگا۔"

گنیش کی ماں نے کوئی جواب نہ دیا۔

"چاچی! تم بولتی کیوں نہیں ہو۔ میں جاتی ہوں۔"

"اچھا بیٹی جاؤ۔ اس وقت میرے ہوش ٹھکانے نہیں ہیں۔"

لڑکی اچھلتی کودتی اپنے گھر چلی گئی۔ گنیش کی ماں وہیں زمین پر بیٹھ گئی۔ وہ سوچنے لگی کہ گاؤں کے سب لڑکے کتنے خوش ہیں۔ کس طرح کھیلتے کودتے ہیں صرف گنیش منحوس بنا بیٹھا رہتا ہے اور بھوک چلاتا ہے۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے۔ اسوقت اُسے اپنے کئے پر افسوس بھی ہو رہا تھا۔ صبح سویرے لڑکے کو اتنا مارنے کی ضرورت نہیں تھی۔ روٹی کا ایک ٹکڑا اور نمک روز سویرے اُسے ملتا ہے۔ آج بھی وہ وہی مانگ رہا تھا۔ پندرہ سال کے لڑکے کے لئے یہ زیادہ نہیں ہے۔ دوپہر میں بھی اُسے سوکھی روٹی پر گزر کرنا پڑتا ہے۔ دال کبھی بنی کبھی نہ بنی۔ پانی کے سہارے کھاتا ہے۔ وہ کبھی شکم سیر نہیں ہوتا۔ ایسی حالت میں وہ بھوک بھوک نہ چلائے تو کیا کرے۔ تھوڑا کھانا ملنے سے یا کبھی کبھی فاقہ کشی کرنے سے ممکن ہے کہ بڑے بوڑھے نہ گھبرائیں اور شاید بیمار نہ پڑیں لیکن لڑکے کب تک برداشت کر سکتے ہیں۔ وہ زیادہ عرصہ تک خاموش نہیں رہ سکتے۔ وہ تو بیکار ہو جائیں گے۔ ایسی حالت میں گنیش کا کیا قصور ہے۔ قصور انکا ہے جنھوں نے اسکو پیدا کیا اور اب پیٹ بھر کھانے کا بھی بندوبست نہیں کر سکتے۔

ماں اپنی تنگدستی اور غریبی اور لڑکے کی قابل رحم حالت پر جتنا ہی غور کرتی تھی اس کی پریشانی بڑھتی جاتی تھی۔ ہائے! کون ایسی ماں ہوگی جو لڑکے کے روٹی مانگنے پر اس کو ماریگی۔ اس وقت اسکی حالت بہت افسوسناک تھی۔ وہ بار بار یہی سوچتی "کاش زمین پھٹ جاتی اور میں اسکے اندر چلی جاتی۔"

اس نے گنیش کو ادھر اُدھر تلاش کرنا شروع کیا۔ اسکا نام لیکر زور سے پکارا گنیش! گنیش!

اس وقت اسکی آواز سے وہی محبت ظاہر ہو رہی تھی جو اس گائے کی آواز میں موجود ہوتی ہے جو اپنے بچھڑے سے علیحدہ ہو کر اس سے دوبارہ ملنے کے لئے چلاتی ہے۔ درد اور محبت سے بھری ہوئی اس پکار کو گنیش ٹال نہ سکا۔ وہ ماں کے سامنے آیا اور تھوڑے فاصلہ پر چپ چاپ چور کی طرح کھڑا ہوگیا۔

ماں اسکے قریب گئی۔ اور اسکے سر پر اپنی محبت کا ہاتھ رکھکر کہنے لگی۔ میرے لال! میرے حواس ٹھیک نہیں ہیں۔ ایک تو میں خالی پیٹ سوئی تھی۔ دوسرے کام کرتے کرتے تھک گئی تھی۔ رات کو تو روٹی بنی نہیں۔ دوپہر کی روٹی میں سے تیرے کھانے سے جو بچی تیرے لئے رکھ دی تھی۔ مگر آدھی رات کو تیرے باپ آئے۔ کہنے لگے کہ اگر مجھے اسوقت کچھ کھانے کو نہیں دوگی تو میں کل کام نہیں کر سکوں گا۔ میں نے وہ روٹی انکو دیدی۔ انھوں نے مشکل سے دو لقمہ کھایا ہوگا کہ پوچھا: "گنیش کیلئے کچھ رکھدیا ہے نا" میں نے کہا "ہاں" اگر میں ایسا نہ کہتی تو وہ شاید نہ کھاتے۔ بیٹا! یہی وجہ ہے کہ آج تمھارے لئے کھانا نہیں بچا۔ مجھے غصہ صرف اسلئے آیا کہ تو گھر کی حالت جانتے ہوئے بھی صبر سے کام نہیں لیتا۔ دیکھو! پڑوسی کی لڑکی کتنی چھوٹی ہے لیکن کیسی سمجھ کی باتیں کرتی ہے۔ خیر جو ہوا سو ہوا۔ چل! اب تازی تازی روٹی بناؤں۔ کھا!

گنیش ضبط نہ کر سکا۔ اسکے آنسو گرنے لگے۔ مگر وہ بول نہ سکا۔ لڑکے کو خوش کرنے کے لئے جب کچھ ترکیب نہ چلی تو آخر ماں کہنے لگی۔ اچھا بیٹا! چل۔ اس بار جب فصل کٹے گی اور جس دن گھر میں نیا اناج آئیگا اسی دن میں تجھکو پیٹ بھر کر میٹھا چاول کھلاؤنگی۔

ماں کی اس بات کا لڑکے پر اثر ہوا۔ اسکے آنسو سے تر چہرے پر ایک ہلکی مسکراہٹ نظر آئی۔ وہ بولا "پھر پیٹ بھر میٹھا چاول کھلاؤگی"

"ہاں میرے لال! جتنا کھائیگا اتنا کھلاؤنگی"

اس بات کے بعد ماں کو کچھ اطمینان ہوا۔

(۲)

گنیش کے ماں باپ نے اچھے دن دیکھے تھے یعنی بچپن میں انھیں شکم سیر کھانے کو ملتا تھا اور کبھی کبھی کچھ دودھ بھی مل جاتا تھا۔ وہ اکثر ان دنوں کا تذکرہ کرتے جب انکی شادی ہوئی تھی لیکن وہ زمانہ اور تھا۔ تب غلہ مہنگا تھا جس سے لگان کی ادائیگی اور ضرورت کی چیزیں خریدنے کے بعد بھی کسان کے پاس کچھ بچ جاتا تھا جب سے سستا ہوا ان کا بجٹ کبھی پورا نہیں ہوتا۔ گنیش کی دو بڑی بہنیں تھیں۔ انکی شادی میں نہ صرف بچی ہوئی رقم خرچ ہوئی بلکہ قرض بھی لینا پڑا۔ اگر مہنگی اسی طرح قائم رہتی تو ممکن تھا کہ وہ اس قرض سے چھٹکارا پا سکتے۔ پر اب سود کی رقم بھی ادا کرنا ایک ناممکن کام۔ حالت اسقدر ابتر ہوگئی کہ انھیں ایک بیل بھی بیچ دینا پڑا اور مرمت نہ ہو سکنے سے مکان کا ایک حصہ بھی گر گیا۔ ماں نے کئی بار کہا کہ لڑکیوں کو کم از کم ایک بار تو بلا لو مگر ایسے موقعوں کیلئے جو ضروری خرچ ہوتے ہیں اسکا بندوبست نہ کر سکنے سے ماں کے ارادے ماں کے دل ہی میں رہ گئے۔ اپنے دل کو تسکین دینے کیلئے وہ اکثر کہا کرتی کہ گنیش کی شادی میں لڑکیوں کو ضرور بلاؤنگی لیکن کس کے پاس فالتو لڑکی تھی جو اس نکمے لڑکے کے متھے مڑھ جاتا۔ اپنے ہم عمر لڑکوں میں صرف گنیش ایسا تھا جسکی شادی نہیں ہوئی تھی۔ حالانکہ اسکے ماں باپ کو اسکی شادی کی اب کوئی امید نہیں تھی لیکن وہ کبھی کبھی دیوتاؤں سے اسکے لئے دعائیں مانگا کرتے۔

گنیش کو انھوں نے کئی بار پاس کے گاؤں کے اسکول میں پڑھنے کیلئے بھیجا مگر وہ بھاگ آیا کرتا۔ ایک تو اسکے پاس اور لوگوں کی طرح تختی کتاب نہیں تھی دوسرے ماسٹروں نے اسکے ساتھ کوئی ہمدردی کا سلوک نہیں کیا۔ بہر حال اسکی پڑھائی ہمیشہ کیلئے بند ہو جانیکے لئے ان میں سے کوئی ضرور ذمہ دار ہے۔ گاؤں کے لڑکے اکثر اوقات اسکو "بیشو" کہتے اور پریشان کرتے۔ اسی وجہ سے وہ انکے ساتھ کھیلنے کی ہمت بہت کم کرتا تھا۔ جیوں جیوں وہ بڑھتا گیا اسکی مصیبتوں میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ اگر کوئی بات اسکے ذاتی فائدہ کیلئے ہوئی تو صرف یہ کہ وہ سوچنے لگا تھا کہ والدین کی کمائی پر کب تک زندگی بسر ہو سکتی ہے۔ زندہ رہنے کیلئے مجھے بھی کچھ نہ کچھ کرنا چاہئے۔

جن دنوں اسکے دل میں اس طرح کے خیالات کا ہجوم تھا وہ بھیا آئی تھی گنیش ماں سے اجازت لیکر اُسے چرانے کیلئے لیجانے لگا۔ اسے پکڑے پکڑے وہ کھیتوں کی مینڈوں پر اور کٹیلی جھاڑیوں کے ارد گرد گھومتا اور جب تک گھر سے باہر رہتا بھوک پیاس کو پھٹکنے نہ دیتا۔ گھر آنے پر پھر وہ بھوک بھوک چلاتا۔ کبھی روکھی سوکھی روٹی کھانے کو پاتا اور کبھی ماں کے ہاتھ سے پٹ جاتا۔ اور جب وہ بہت غمگین ہوتا تو ماں اس سے کہتی "بس اب فصل کٹنے ہی والی ہے۔ جس دن نیا اناج گھر میں آئیگا۔ اسی دن میٹھا چاول بناؤں گی۔

ماں کی ان تسکین کی باتوں سے اسکے بھوک سے منحوس بنے ہوئے چہرے پر خوشی کی جھلک نظر آئی اور اس نے کہا "پیٹ بھر کھاؤں گا"۔

"ہاں! میرے لال! پیٹ بھر"۔

اس طرح دن گذرتے گئے۔ لیکن کسان کے گھر میں نیا اناج بہت مشکل سے پہنچتا تھا۔ بہیا، قحط، جنگلی جانور، کیڑے وغیرہ چور اور چڑیوں سے بچکر جب اناج کھلیان میں پہنچتا ہے اور کسان اس کو بھوسے سے علیحدہ کرتا ہے تو مہاجن کی منحوس نظر اس پر لگ جاتی ہے اور اس سے بچانا کسان کے لئے بالکل غیر ممکن ہو جاتا ہے۔

گنیش کے باپ نے بھی جس دن کھلیان میں اپنی محنت کو دانوں کی شکل میں اکٹھا کیا مہاجن جا پہنچا اور کہا "ہمیں جو دینا ہے یہیں دیدو"۔

اس وقت اتفاق سے گنیش کی ماں بھی وہیں تھی اور گنیش تھوڑے فاصلہ پر ایک جھاڑی میں اکٹھا کئے ہوئے آم کے سوکھے پتے اس بچھیا کو کھلا رہا تھا۔ وہ خوش تھا کہ آج میٹھا چاول کھانے کو ملے گا۔ سویرے ہی اس نے ماں کو اسکی یاد دلائی تھی۔ چیت آدھا بیت چکا تھا۔ ارہر کے پودے بھی کٹ کر کھلیان میں آگئے تھے۔ کھیتوں میں گائے بیل آزادانہ طور سے چر رہے تھے۔ صرف گنیش اپنی بچھیا کو باندھے ہوئے تھا۔ لیکن وہ محبت کی وجہ سے پاس کے مہوہ کے پیڑ سے تازہ مہووں کی مہک آرہی تھی۔ کچھ دور پر آم کے درخت تھے جہاں کوئل بول رہی تھی۔ کسان کھلیانوں میں خوش نظر آتے تھے۔ نیچر کی ہر ایک چیز خوشی کا اظہار کر رہی تھی۔ اس دن گنیش بھی خوش تھا۔ اسے امید تھی کہ میٹھا چاول کھانے کو ملے گا۔

غلہ کی تول شروع ہوگئی۔ مہاجن کا حساب بھی ڈیڑھی اور سوائی سب جوڑ کر یہ ثابت ہوا کہ ابھی مہاجن کا حساب چکانے کے لئے تین من غلہ کی کمی ہے۔ گنیش کے ماں باپ، اپنی گذر بسر کے لئے اس میں سے کچھ نکالنا چاہتے تھے لیکن مہاجن ایک دانہ بھی چھوڑنے کو تیار نہ تھا۔ آخر کار یہ طے پایا کہ یہ لوگ یہ غلہ مہاجن کو لیجانے دیں اور اگر انھیں ضرورت ہو تو اسکے گھر سے لادیں۔

گنیش کے ماں باپ ہاتھ ملتے رہ گئے۔ غلہ اٹھکر مہاجن کے گھر جانے لگا۔ غلہ کو جاتا دیکھ کر گنیش کھلیان کی طرف آیا۔ بچھیا کو اس نے بھوسے کے ڈھیر میں لگا دیا۔ اور ماں کے پاس جاکر کھڑا ہوگیا۔

اس وقت کی باتیں سُن کر گنیش کو معاملہ کی تہہ تک پہنچنے میں دیر نہ لگی۔ وہ فوراً تاڑ گیا کہ ایک ایک دانہ مہاجن کے گھر میں جارہا ہے۔ اب میٹھا چاول تو دور رہا سوکھی روٹی کا بھی شاید ہی انتظام ہوسکے گا۔ اس نے دردناک لہجہ میں کہا۔ "اماں!"

"ہاں بیٹا"۔

"میں میٹھا چاول نہیں کھاؤں گا"۔

ماں وہیں بیٹھ گئی اور لڑکے کو اپنے سینے سے لگا کر سسک سسک کر رونے لگی۔ مہاجن کو رحم آگیا۔ اس نے ترازو کے ایک پلڑے میں تھوڑا سا اناج نکال کر گنیش کی ماں کے سامنے رکھ دیا اور کہا "یہ گنیش کے لئے ہے"۔

وہ خوددار کسان کی عورت تھی۔ اسے کسی کی مہربانی کا نہیں بلکہ اپنی محنت کا بھروسہ تھا۔ اس نے اس اناج کو مہاجن کے ڈھیر میں ڈالدیا اور کہا "ساہوجی! گنیش کے ماں باپ ابھی زندہ ہیں۔ اسے بھیک نہ چاہئے"۔

وہ کھلیان سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اور بیٹے کو لئے ہوئے گاؤں کی طرف چلی گئی۔ گھر آنے پر اس نے ٹین کا اپنا چھوٹا سا صندوق کھولا جو شادی میں وہ میکے سے لائی تھی۔ اس میں ایک پتلی سی سونے کی نتھنی رکھی ہوئی تھی۔ لاکھ مصیبت پڑنے پر بھی اس نے اس کو بیچنے کا ارادہ تک نہ کیا تھا اور نہ کبھی گروی رکھا۔ اسے وہ گنیش کی بہو کو دینا چاہتی تھی۔ اسی وجہ وہ بڑی احتیاط سے چھپا کر رکھے ہوئے تھی۔ آج اس سے نہ رہا گیا۔ اور ایک بنیے کے یہاں ایک روپیہ میں گروی رکھی چنانچہ چاول اور گڑ لیکر گھر واپس آئی۔

(۳)

سورج ڈوبنے تک میٹھا چاول تیار ہوگیا گنیش کھانے بیٹھا

کئی دنوں سے اُسے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ ماں اسے خوب کھانا کھلا دیتی ہے اور خود بھوکی رہ جاتی ہے۔ اس سے اس کا جی کڑھتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جس میٹھے چاول کی وہ مہینوں سے راہ دیکھ رہا تھا اسے سامنے پاکر گنیش خوش نہ ہوا۔ اس نے کہا "اماں! اتنا ہی بنایا ہے یا اور رہے؟"

"بہت کافی بنایا ہے بیٹا! تم کھاؤ۔ کم ہوگا تو اور دوں گی۔"

"نہیں۔ پہلے مجھے بٹلوہی دکھادو۔"

سچ مچ بٹلوہی میں کچھ نہیں تھا۔ ماں بڑی الجھن میں پڑ گئی مگر اپنا ہی لڑکا تو تھا۔ اسے سمجھانے میں کتنی دیر لگتی ہے۔ ماں نے بٹلوہی کو اس کی طرف ذرا ٹیڑھی کرکے کہا "دیکھتا نہیں۔ ابھی تو تجھے آدھا بھی نہیں دیا۔" مگر گنیش اب ان باتوں میں آنے والا نہیں تھا۔ اس نے ماں کے ہاتھ سے بٹلوہی چھین لی اور اس میں ہاتھ ڈال کر ٹٹولا۔ اس کا اندازہ ٹھیک نکلا۔

اس نے کہا۔ "اماں! اگر تم بھوکی رہ سکتی ہو تو میں بھی بھوکا رہ سکتا ہوں میرا قصور یہی ہے کہ میں تم سے جلدی جلدی کھانا نگلتا رہتا ہوں بھوک سے رہا نہیں جاتا تب ایسا کرتا ہوں۔ پر اس سے یہ ہرگز نہ سمجھو کہ میں کھاؤں اور تم بھوکی رہو۔ اب تک جو ہوا سو ہوا۔ اب میں اکیلا نہیں کھاؤں گا۔"

ٹھیک اسی وقت دن بھر کی تکان اور آنے والی مصیبتوں کی فکر سے چُور گنیش کے والد نے گھر کے اندر قدم رکھا۔ آنگن کے ایک کونہ میں انھوں نے لکشمی کو باندھ دیا اور ایک چارپائی بچھا کر اس پہ وہ جا پڑے۔

پگلی رانی کو زبردستی زنجیر پہنانے لگی

"بیل نہیں لائے" بیوی نے اندر سے پکار کر کہا۔

"نہیں۔ اب کھیتی نہ کروں گا۔ اگر اس کو کوئی خریدنے کیلئے تیار ہو تو بیچ ڈالوں گا۔ اسے اب پرماتما کے بھروسے چھوڑ دیا ہے۔ گھر میں کچھ کھانے کو نہیں ہے۔ اب میں چاہتا ہوں کہ اسے جو کچھ بھی ہو ہماری آنکھ کے سامنے نہ ہو۔"

"اور بھوسہ؟"

"اسے چار روپیہ میں بیچ ڈالا۔ یہ لو۔"

مصیبت زدہ کسان نے چاروں روپئے بیوی کے پاس پھینک دئے۔ اور آنگن میں پڑی چارپائی پر لیٹے لیٹے کہنا شروع کیا۔ اب میں کانپور جا رہا ہوں۔ وہاں شاید کسی کارخانے میں ملازمت مل جاوے۔ تم یہاں کسی طرح کوٹائی پسائی کرکے اپنا اور گنیش کا پیٹ پالنا۔ اس گھر میں صرف کھیتی سے اب مین کا گذر نہیں ہو سکتا۔

گنیش کی ماں کے سمجھ میں آیا کہ اس کا شوہر کیا کہہ رہا ہے۔ اس نے سمجھا شاید بخار آگیا ہے اور اس کی بیہوشی مین وہ ایسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں۔ چنانچہ اور کچھ نہ پوچھ کر اس نے کہا۔ آؤ! تم بھی آج تھوڑا میٹھا چاول کھالو۔ گنیش کہتا ہے بغیر دادا کے کھلائے آج نہ کھاؤنگا۔

"اچھا گنیش میں اتنی سمجھ آگئی۔"

"پندرہ برس کا ہوا۔ اب نہیں سمجھے گا تو کب سمجھے گا۔"

باپ اور بیٹے نے مل کر تھوڑا سا چاول بٹلوہی میں گھر کی مالکن کے لئے رکھ کر باقی چاول لڑکے سے لیکر کھاکے اور پھر ٹھنڈا پانی پیا۔

کھانے سے فارغ ہو کر لیٹے ہی تھے کہ دروازے پر کسی آدمی کے آنے کی آہٹ معلوم ہوئی۔ گنیش نے جاکر دروازہ کھولا۔ ایک بڈھا مسلمان کھڑا تھا۔ اس نے محبت آمیز طریقہ سے گنیش کے سر پر ہاتھ رکھا اور پوچھا۔ "بیٹا تمہارے باپ گھر میں ہیں؟"

"ہاں۔"

"ذرا بلاؤ گے؟"

"گنیش نے وہیں سے آواز دی 'دادا!'"

"کیا ہے؟"

"مہمان آئے ہیں۔"

مہمان کا نام سنتے ہی میاں، بیوی نے گھبرا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ بیوی نے کہا "جاکر دیکھو! کون ہیں۔ تھوڑا سا چاول بچا ہوا ہے۔ کھلا دوں گی اور پانی پلا دوں گی۔"

کسان گھر کے باہر نکل آیا۔ اس کی بیوی بھی آکر دروازے پر کھڑی ہو گئی۔ بوڑھے نے مسکرا کر کہا۔ "رام دھن! تم نے مجھے پہچانا۔ شاید نہیں۔ تمہارے باپ کی اور میری ملاقات تھی۔ تمھیں میں نے اپنی گود میں کھلایا تھا۔ تمہاری شادی کرانے والوں میں میں بھی ایک تھا۔ لیکن یہ مدت کی بات ہے۔ آج میں ایک ضروری کام سے تمہارے پاس آیا ہوں بڑی امیدیں لیکر آیا ہوں۔ کیا میری ایک بات مانوگے؟"

"ضرور مانوں گا۔ بابا!"

"اچھا تو سنو۔ ہاں۔ ایک چارپائی نکلواؤ۔ دیر لگے گی۔"

چارپائی نکالی گئی۔ اس پر رام دھن، گنیش اور وہ بوڑھا تینوں بیٹھے۔

بوڑھے نے کہنا شروع کیا۔ تمہارے پندرہ سولہ سال کا ایک لڑکا ہے۔

"ہاں! یہی ہے۔" رام دھن نے گنیش کی طرف اشارہ کیا۔ بوڑھے نے گنیش کو غور سے دیکھا اور پھر پیار کیا۔ اور کہا اب دکھائی نہیں پڑتا۔ جوان لڑکا مر گیا۔ اس کی بہو مر گئی۔ صرف ایک نواسی بچی ہے۔ ڈیڑھ سال کی ہوگی۔ شاید اسی کے لئے ابتک زندہ ہوں نہیں تو مر جاتا۔ اللہ! اسکی خیر کرے۔ تنہا چھوڑ کر آیا ہوں۔ اُف! کیا کہہ گیا۔ یہ تو اپنا رونا ہے تم سے دوسری بات کہنے آیا ہوں۔ تم نے ہیرو کے بڑے میاں کا نام سنا ہے؟

"ہاں! ہاں!"

"میں ہی ہوں۔ تمھارے باپ سے میرا بڑا یارانہ تھا۔ ان کے انتقال کے بعد میں اس گاؤں میں آیا ہی نہیں۔ سب راہ رسم ترک ہو گئی۔ اُف! کیا بکتا چلا جا رہا ہوں۔ ہاں تو سنو۔ میں کس لئے آیا ہوں؟"

"تمھارا یہ لڑکا کچھ پڑھا بھی ہے؟"

"کچھ نہیں۔"

"کوئی ہرج نہیں۔ کسانی کے کام میں ہوشیار ہے۔ دیہات میں یہی سب سے بڑا پڑھنا ہے۔"

"کسی کام کا نہیں ہے۔ میاں جی!"

"ایسا نہ کہو۔ ابھی لڑکا ہے۔ اس کی عمر میں ہم لوگ کیا تھے۔ مجھے تو پیجامہ بھی پہنتا نہیں آتا تھا۔ ارے۔ پھر بہک گیا۔ اچھا تو سنو۔ اس لڑکے کی شادی ہو گئی؟"

"ابھی نہیں۔"

گنیش کی ماں دروازے کے اور قریب آ گئی۔ بوڑھے کسان نے اپنی جیب سے ایک روپیہ نکال کر رام دھن کے ہاتھ پر رکھ دیا اور کہا۔ "لو بات پکی ہو گئی۔ اب یہ لڑکا میرا ہوا۔ اسی ماہ کے اندر شادی کر دینی ہو گی۔ کون جانے ہم لوگ زندہ رہیں یا نہ رہیں۔"

"پر بابا! اس سال تو کچھ پیدا ابھی نہیں ہوا!"

نہیں ہوا نہ سہی۔ اس سے شادی بیاہ تھوڑے ہی رُکتے ہیں۔ پھر اب پیدا پیدائش کا نام نہ لو۔ زندہ رہو یہی غنیمت ہے۔ بڑا خراب زمانہ آ گیا ہے۔ میں نے اسی کسانی سے سیکڑوں روپیہ پیدا کیا۔ مگر اب تو سونا بوؤ تو وہ بھی مٹی ہو جاتا ہے خیر!"

"بابا! میرے گھر میں ایک کوڑی بھی نہیں ہے۔ چڑھاوے میں زیورات وغیرہ کچھ بھی نہ لا سکوں گا۔"

"چار چوڑیاں تو لاؤ گے؟"

اندر سے کیواڑے پر کھٹ کھٹ کی آواز ہوئی۔ رام دھن دوڑ کر اندر گئے۔ بیوی نے کہا۔ پوچھو! لڑکی کس گھر کی ہے۔ لڑکی کے کون کون ہیں وغیرہ وغیرہ۔

بوڑھے مسلمان نے سب باتیں بتلائیں جن کا خلاصہ رام دھن نے بیوی سے جا کر اس طرح کہا۔ "لڑکی کے کوئی نہیں ہے۔ عمر قریب اتنی ہی ہو گی جتنی گنیش کی ہے۔ صرف ماں ہے۔ وہ بھی بیمار رہتی ہے۔ لڑکی کے باپ بڑے میاں کے پڑوسی اور بڑے دوست تھے۔ اس لئے شادی کا سارا خرچ وہی برداشت کریں گے۔"

کچھ تامل کے بعد گنیش کی ماں نے رضامندی ظاہر کی اور شادی کی بات پکی ہو گئی۔ بچا کھچا میٹھا چاول میاں جی کو کھلایا گیا۔ گنیش کی ماں نے صرف پانی پی کر وہ رات کاٹی۔

(۴)

حالانکہ دونوں طرف سے شادی کے لئے کافی کوشش کی گئی لیکن اس سال شادی نہ ہو سکی۔ اسکا موقع دو سال بعد ہاتھ آیا۔

بڑے میاں کے خاندان میں اور کوئی نہیں تھا۔ وہی لڑکی ان کے لئے کھانا پکاتی تھی۔ ان کی نواسی کی دیکھ بھال بھی اسی کے ذمہ تھی۔ اسکے علاوہ وہ اپنی ماں کی تیمارداری کرتی اور اپنے گھر کا سارا کام کاج کرتی تھی۔ چنانچہ جب اسکی رخصتی کا وقت آیا تب میاں جی بہت رنجیدہ ہوئے اور سوچنے لگے کہ اب آئندہ گرہستی کا کام کیسے چل سکے گا۔ ان کی نواسی کو کون کھلائے گی۔ ٹھیک اسی وقت نئی دولہن دعا کے لئے ان کے سامنے لائی گئی۔ اس وقت گاؤں کی تمام عورتیں موجود تھیں۔ جتنے منہ تھے اتنی ہی باتیں نکل رہی تھیں۔ کوئی کہہ رہی تھی کہ میاں جی نے لڑکی کا جنم اکارت کر دیا۔ لڑکا اتنا کمزور اور سدا کا روگی ہے کہ اس کی زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔ کوئی کہہ رہی تھی کہ لڑکے کے گھر میں بھونانے کو ٹکا بھی نہیں ہے لڑکی کیا کھا کر رہے گی؟ اپنا کلیجہ۔ کوئی کہہ رہی تھی۔ ہائے! یہ لڑکی رخصت ہو رہی ہے کہ کوئی بیوہ۔ اس کے جسم پر ایک بھی گہنا نہیں ہے۔ میاں جی چپ چاپ بیٹھے ہوئے سب باتیں سن رہے تھے۔ لڑکی کی بیمار ماں کہہ رہی تھی۔ میاں جی نے تو اتنا بھی کیا۔ لڑکی کو ہلدی سے رنگی ہوئی دھوتی

تو پہنوادی۔ اب آئندہ جو اسکی قسمت میں ہوگا ہوگا۔ میں تو اطمینان سے مرونگی۔

میاں جی کی نواسی اس وقت بھی دولہن کے پاس تھی۔ وہ اس سے بہت ہل مل گئی تھی۔ اسے ایک منٹ کے لیئے بھی چھوڑنا گوارا نہ کرتی تھی۔ پہلے انکے دل میں آیا کہ اسکو بھی رام دین کے یہاں بھجوادیں لیکن وہ اسکے گھر کی حالت سے واقف تھے۔ انھوں نے کسی طرح سمجھا بجھا کر اپنی نواسی کو اپنے پاس بلایا اور نئی دولہن سے کہا۔ رانی (یہی اسکا نام تھا)! اللہ تجھے خوش رکھے۔ رانی نے اسکے قدم کو بوسہ دیا اور چلنے لگی۔

میاں جی نے سوچا کہ اس وقت اسکو کچھ ضرور دینا چاہیئے۔ لیکن پاس کی نقدی ختم ہو چکی تھی۔ یکایک اُن کو خیال آیا کہ انکی بہو مرتے وقت اپنے سونے کی زنجیر اسکے ہاتھ میں دے گئی تھی اور تاکید کی تھی کہ جب میری لڑکی کی شادی ہو اُسے یہ پہنا کر رخصت کرنا۔

میاں جی لپک کر اس کوٹھری میں گئے جہاں وہ زنجیر رکھی ہوئی تھی۔ اسے لاکر اپنی نواسی کے گلے میں ڈال کر بولے۔ بیٹی! یہ تیری ہے۔ تیری ماں اسے تیرے لئے چھوڑ گئی ہے لیکن تو ابھی چھوٹی ہے اور رانی یوں ہی رخصت ہو رہی ہے۔ اسے یہ زنجیر نہ پہنائے گی۔

"جلول (ضرور) پہناؤنگی"۔

میاں نے اس چھوٹی لڑکی کو اپنی گود میں اُٹھالیا اور اس نے رانی کو وہ زنجیر پہنانے کی کوشش کی۔ رانی نے اپنا سر ہٹالیا۔ اس لڑکی کی چیز کو وہ لینا نہیں چاہتی تھی۔ وہ آپ ہی سوچ میں تھی کہ چلتے وقت لڑکی کو دینے کے لئے اسکے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ اُلٹے اسکی چیز لینا تو اسکے لئے اور بھی بُری بات معلوم ہوئی۔ لیکن لڑکی رونے لگی اور رانی کو زبردستی زنجیر پہنانے کی کوشش کرنے لگی۔

میاں جی نے کہا۔ بیٹی پہن لو۔ ایسا ہی ہے تو جب کبھی خدا اُسے بڑا کرے اور اسکی شادی ہو تب تم آکر اسکے گلے میں پہنا جانا۔

یہ بات رانی کی سمجھ میں آگئی۔ اس نے اپنا سر جھکا دیا۔ لڑکی اُسے زنجیر پہنا کر ہنسنے لگی۔

بوڑھے مسلمان کی اس قربانی کو دیکھکر گاؤں والے دنگ ہوگئے اسی دن شام کو رانی اپنے نئے گھر میں پہنچ گئی۔ اس گھر میں جسمیں بہت تین بھوکا فاقہ کشی کرتی رہی تھی۔

ہل کے لئے پیغام

(آنریبل بابو سمپورنانند جی منسٹر آف ایجوکیشن لکھتے ہیں)

مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ انڈین پریس گاؤں والوں کے لئے ایک ماہواری رسالہ نکالنے جا رہا ہے۔ ایسے رسالے کے لئے ایک کیا ایک سے زیادہ کے لئے جگہ کی ضرورت ہے جس میں سیدھی سادی زبان میں ان سب باتوں کا ذکر ہو جو دیہاتوں کی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہاں تین باتوں کا خیال رکھنا چاہیئے، اگر انہیں بھول ہوئی تو رسالہ روکھا ہو جائیگا اور لوگ اسے پسند نہ کرینگے۔ ایک طرف تو اسمیں کوری پنڈتائی نہ ہو، بہت سنجیدگی بھی ہضم نہیں ہوتی۔ دوسری طرف مضمونوں میں یہ نہ مان لیا جائے کہ دیہاتی بیوقوف ہوتا ہے۔ تیسرے جو مضمون ہوں انکے لکھنے والے ایسے ہوں جنکا تجربہ صرف کتابی نہ ہو بلکہ یہاں کی حالتوں پر منحصر ہو۔ مجھے اُمید ہے کہ ہل ان سب نظروں سے ٹھیک نکلے گا۔

سمپورنانند ۔ ۱۹ راکتوبر ۱۹۳۸ء

گاؤں میں نئی زندگی پیدا ہو رہی ہے

گاؤں سدھار کی اسکیم پورے صوبے میں پھیلائی جا رہی ہے

(جناب شری منوہر داس چترویدی)

ہندوستان کی نوے فیصدی آبادی گاؤں میں رہتی ہے۔ اس لئے گاؤں سدھار کی ضرورت بالکل ظاہر ہے جب تک گاؤں والوں کی سماجی زندگی نہیں سدھاری جائے گی ان کا آپس کا میل جول اور ان کی کاروباری اور مالی حالت نہیں ٹھیک کی جائیگی اس وقت تک دیس ترقی نہیں کر سکتا۔ اسی ضرورت کو دھیان میں رکھکر یو۔ پی۔ گورنمنٹ نے گاؤں سدھار کا محکمہ کھولا ہے۔

گاؤں سدھار کے حلقے

صوبے میں گاؤں سدھار کے کام کو قاعدے کے ساتھ چلانے اور اس کو صوبے بھر میں پھیلا کر ایک کڑی میں جوڑ دینے کے لئے گورنمنٹ نے ہر ضلع کو کئی حلقوں میں بانٹ دیا ہے۔ ہر حلقے کے اندر بیس سے تیس گاؤں تک رکھے ہیں جن کی آبادی دس ہزار سے پندرہ ہزار تک ہے۔ اس طرح ہر ضلع میں ایسے بیس حلقے بنائے گئے ہیں۔

اسکیم یہ ہے کہ ہر گاؤں میں "بہتر زندگی بسر کرنے کی سبھا" ہو جو رجسٹرڈ ہو اور جس میں کم از کم ۵۰ فیصدی گاؤں کے بسنے والے شریک ہوں۔ ایسی چھوٹی چھوٹی سبھاؤں کے اوپر ایک بڑی سبھا (یونین) ہو جو ہر حلقے میں ہو اور ان حلقوں کی بڑی سبھاؤں کے اوپر ہر ضلع میں ایک ضلع گاؤں سدھار سبھا (ڈسٹرکٹ رورل ڈیولپمنٹ اسوسیئشن) اور ضلع کی سدھار سبھاؤں کے اوپر ایک صوبہ گاؤں سدھار سبھا (پراونشل رورل ڈیولپمنٹ بورڈ) ہو جو پورے صوبے کے کام کی دیکھ بھال رکھے۔ ہر گاؤں میں ایک گاؤں کا اگوا (ولیج گائڈ) ہر حلقے میں ایک کام کو چلانے والا (آرگنائزر) ہر ضلع میں ایک انسپکٹر ہر ڈویژن کیلئے ایک سپرنٹنڈنٹ اور پورے صوبے کے لئے ایک رورل ڈیولپمنٹ افسر اور اس کے سہایک اسسٹنٹ ہوں گے۔

دیہات سدھار کی اس اسکیم میں یہ چاہا جاتا ہے کہ ہر ہر جگہ کے لوگ اپنی ضرورتوں کو دیکھ کر اپنے آپ کام کریں۔ ضلع سبھاؤں کو کچھ خاص کاموں کے لئے روپئے دیئے گئے ہیں۔ ان کی انتظامی کمیٹی ایک ایسے سہایتی کے ساتھ جو سرکاری ملازم نہیں ہوگا ان کاموں کو پورا کرے گی۔ خاص کاموں کے لئے ان رقموں کی منظوری کے ساتھ ساتھ ہر ضلع سبھا کو دو ہزار روپیہ کی ایک ایسی رقم اور دی گئی ہے جو ضلع کی انتظامی کمیٹی اپنی رائے اور تجویز سے پبلک کے فائدے کے کاموں میں لگائیگی۔ ان ضلع سبھاؤں کو یہ بھی اختیار دیا گیا ہے کہ دیہات سدھار کی ایسی نئی اسکیمیں بھی پیش کر سکتی ہیں جن کے لئے گورنمنٹ نے کوئی رقم پہلے سے نہ رکھی ہوگی اگر کوئی ایسی نئی اسکیم لائی جائے گی تو اس کو رورل ڈیولپمنٹ افسر دوسرے ماہر لوگوں کے ساتھ جانچیں گے اور اگر اسکیم ٹھیک ٹھہرے گی تو ایک خاص رقم اس کے لئے منظور کی جائے گی۔

اوپر جو کچھ کہا گیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رورل ڈیولپمنٹ افسر کا کام یہ ہے کہ وہ سب ضلعوں کے کاموں کو بڑھنے میں مدد دے اور ان میں یکسانیت رکھے لیکن اصل کام ضلع سبھائیں ہی اپنی جگہوں پر اپنی سمجھ سے کریں گی۔ جتنی سچائی محنت اور ہوشیاری سے یہ ضلع سبھائیں اپنے یہاں کام کریں گی اتنی ہی اس اسکیم کو کامیابی ہوگی۔ سارا کام ایسے ہاتھوں میں اور ایسے لوگوں کی دیکھ بھال میں ہوگا جو سرکاری ملازم نہیں ہیں اس لئے اس اسکیم کو پبلک جتنی بھی پسند کرے گی اور اس کی طرف سے کسی کو کوئی شک نہ ہوگا۔ اس کے

ساتھ گورنمنٹ کے افسر اور باہر لوگ اپنے تجربے سے مدد پہنچائیں گے جس سے کام چلانے میں سہولت اور کامیابی ہوگی۔

کام کرنے والوں کو سکھایا گیا ہے

ہمارے صوبہ میں نئی حکومت نے گاؤں سدھار کا کام ڈویژنل سپرنٹنڈنٹ، ڈسٹرکٹ انسپکٹر اور آرگنائزروں کی بھرتی سے شروع کیا۔ قریب قریب ایک ہزار آرگنائزر چنے گئے اور گاؤں کے کاموں کے لئے سکھائے گئے۔ جو مالی سال بیت گیا اس میں یہ آرگنائزر گاؤں کھیتی ہی ہے۔

محکمے نے ۴۸۴ جگہیں چنی ہیں جہاں بیج کا گودام کھولا جائیگا۔ ان سے صوبہ بھر میں اچھے سے اچھے بیج کسانوں کو ملیں گے۔ ایگریکلچرل سپروائزروں اور کامداروں کی بھرتی ہو رہی ہے۔ یہ لوگ ان گوداموں میں کام کریں گے اور ان کی دیکھ بھال رکھیں گے۔ محکمۂ زراعت ان گوداموں کو اچھے بیج پہنچانے کا انتظام کر رہا ہے۔ بیج اکتوبر کے پہلے ہفتے سے کسانوں کو دیا جانے لگے گا جو آنے والی

ضلع بریلی میں کسانوں کو چرخا بنانا سکھایا جا رہا ہے۔

سدھار کا کام پھیلانے کے لئے ضلعوں کو بھیج دئے گئے۔ بعد میں ان کو کچھ فن کی باتیں سکھانے کی ضرورت پائی گئی اسلئے اس مالی سال کے اندر ان کو سکھانے کا انتظام کیا گیا ہے۔ اس کام کے لئے چھ شہر مقرر کئے گئے ہیں گورکھ پور، اٹاوہ، مین پوری، میرٹھ، فیض آباد اور کانپور۔ چالیس چالیس کے جتھے میں آرگنائزر ان شہروں میں جاکر ٹریننگ ملیں گے پہلا جتھا ٹریننگ لے رہا ہے۔

اچھے بیج کا انتظام

گاؤں سدھار کے سلسلے میں سب سے پہلے کھیتی کی طرف دھیان دیا جا رہا ہے اس لئے کہ گاؤں والوں کا سب سے بڑا سہارا

ربیع میں بویا جاسکے گا۔ امید کی جاتی ہے کہ آنے والی فصل میں اچھے بیج کے بوئے کا رقبہ ڈھائی لاکھ ایکڑ اور بڑھ جائے گا۔

اچھے ہل پھیلانے کی کوشش

کھیتی کو ترقی دینے کے لئے دوسری کوشش یہ ہو رہی ہے کہ کسانوں کو زیادہ اچھے کھیتی کے سامان دئے جائیں۔ پچھلی "خریف" کی فصل میں ہر ضلع میں مسٹن ہل سے بہت سے کھیت جوت کر دکھائے گئے۔ انتظام کیا جارہا ہے کہ ان ۴۸۴ بیج کے گوداموں میں سے ہر گودام میں سوا سو روپیہ کے اچھے ہل

بلند شہر کا ایک کسان چیک بنا رہا ہے

اور گرہستی کے دوسرے اچھے سامان رکھے جائیں جنھیں کسانوں کو دکھا کر ان کا استعمال اور فائدہ بتایا جائے۔

اچھی کھاد تیار کیجا رہی ہے

اچھی کھاد تیار کرنے کی بھی پوری کوشش کی جا رہی ہے۔ گرام سدھار کے بہت سے گاؤں میں اب سائنٹفک طریقے پر کھاد کے گڑھے تیار کرائے گئے ہیں۔ سبزی کی کھاد بنائی جا رہی ہے اور برسات کا پانی اکٹھا کرنے کی جگہیں تیار کیجا رہی ہیں۔ ان کے گوداموں میں ایسی کھادیں بھی رکھی جائیں گی جو دواؤں سے تیار کیجاتی ہیں۔ کسانوں کو برابر ابھارا جائے کہ وہ ایسی کھاد اپنے کھیتوں میں استعمال کریں۔

سینچائی کا اچھا سامان

کھیتوں میں سینچائی کی سہولت پیدا کرنے کے لئے پوربی ضلعوں میں کنوؤں کو بورنگ کرنے کا کام بڑی مستعدی سے شروع کردیا گیا ہے۔ پانچ سال کا پروگرام بنایا جا رہا ہے جس میں سینچائی کا کام پورا کردیا جائے گا۔ آنے والے جاڑے کے موسم میں ۲۰ ہم کنوؤں میں بورنگ ہو جائے گی۔

جوتنا بونا سکھایا جائے گا

کھیتی کے اچھے طریقے کا پرچار کرنے کے لئے بیج گودام کی طرف سے اُن کسانوں کے کھیتوں میں جو اس پر راضی ہوں گے کام کرکے دکھایا جائے گا۔ ہر بیج گودام کو اس کام کے لئے ڈیڑھ سو روپئے دئے جائینگے۔

اچھے بیل بڑھائے جا رہے ہیں

مویشیوں کی اچھی نسل بڑھانے کی بھی پوری کوشش کیجا رہی ہے چھوٹی اور بُری ذات کے بیلوں کو بدھیا کرکے بیلوں کی نسل کو بچایا جا رہا ہے اور ان کی جگہ پر بڑی اور اچھی ذات کے بیل لاکر رکھے جا رہے ہیں۔ اس کام کے لئے ایک لاکھ روپیہ الگ کردیا گیا ہے۔

بلند شہر کا ایک کسان سوجھ کی چٹائیاں بنا رہا ہے

اچھی نسل کے مویشی بڑی تعداد میں رکھنے کا انتظام ضلع آگرہ میں کیا گیا ہے۔ یہاں سے اچھی نسل کے مویشی تمام پچھمی ضلعوں میں پہنچائے جائینگے۔ پوربی ضلعوں کے لئے پرتاب گڈھ، بلیا اور مرزاپور میں ایسا ہی انتظام کیا جا رہا ہے۔

پورے صوبے میں ۲۵۰ سینٹر ایسے کھولے جا رہے ہیں جہاں اچھی نسل کے مویشی بڑھانے کی پوری کوشش کی جائے گی اور ایسی باتیں کی جائینگی جس سے اس کام میں سہولت پیدا ہو۔ مویشیوں کی بیماری دور کرنے اور ان کو اچھا چارہ دینے پر دھیان رکھا جائے گا۔ ان جگہوں پر سکھائے ہوئے لوگ رکھے جائیں گے جن کو اسٹاف مین کہا جائے گا۔ ان لوگوں کا چناؤ ہو گیا ہے اور اب انکو مویشیوں کے متعلق سب ضروری باتیں بتائی جا رہی ہیں۔

مویشیوں کے لئے چارہ کا انتظام

کے لئے محکمہ جنگلات سے مدد لی جا رہی ہے۔ سہارنپور، گونڈا اور بہرائچ کے جنگلوں میں گاؤں سدھار کے آدمی بھیجے گئے ہیں جو وہاں کے افسروں کی مدد سے ٹریننگ حاصل کریں گے۔ وہ دو مہینے کی ٹریننگ کے بعد گاؤں میں واپس آئیں گے۔ اسکیم یہ ہے کہ ہر گاؤں میں ایندھن اور چارہ کے لئے پودے لگائے جائیں۔ اس اسکیم سے گاؤنکی وہ اوسر زمینیں بھی کام میں آجائیں گی جو بے کار پڑی رہتی ہیں۔

ہردوئی، بریلی، پیلی بھیت، بجنور، بلند شہر، میرٹھ اور مظفر نگر کے ضلعوں میں یہ پودے لگانا شروع کر دئے گئے ہیں اب تک ۱۶۰ ایکڑ اس کام میں آچکے ہیں۔ بلند شہر، میرٹھ اور بدایوں میں چراگاہیں تیار کی گئی ہیں اور پرتاب گڈھ، بریلی اور میرٹھ میں پودوں کو اگانے اور بڑھانے کا کام پورے طور پر کھول دیا گیا ہے۔

اچھے پھل پیدا کرنے کا پروپگنڈا

مویشیوں کے چارے کے ساتھ ساتھ آدمی کے کھانے کی چیزوں کو

برمی میں گاؤں کو چھوٹی گری کی تعلیم دی جا رہی ہے

بھی سدھارنے اور زیادہ اچھی بنانے کی کوشش گاؤں سدھار کی طرف سے ہو رہی ہے۔ پھلوں کا کاروبار بڑھانے اور اچھے اچھے پھل پیدا کرنے کا پروپگنڈا کسانوں میں کیا جا رہا ہے۔ اس کام کے لئے بھی کئی ضلعوں میں سنٹر بنا دئے گئے ہیں۔ جولائی ۱۹۳۰ء میں فیض آباد میں پھلوں کے بڑھانے کا ہفتہ منایا گیا اور صوبے کے دوسرے حصوں نے بھی اگست کے پچھلے ہفتے میں ایسا ہی ہفتہ منایا۔ گاؤں والوں کو اچھے اچھے پھلوں کے پودے بہت کم دام پر پہنچائے جاتے ہیں۔

اَن پڑھ لوگوں کو پڑھایا جا رہا ہے

گاؤں والوں کی مالی حالت کو سدھارنے کے ساتھ ساتھ ان کے دماغ میں بھی اُجالا پیدا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ پنچایت۔ پنچایت گھر اور دوسرے سنٹروں وغیرہ کے ذریعے سے ان کی سماجی زندگی اچھی کرنے کی کوشش تو ہو ہی رہی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ بالغ لوگوں کو تھوڑا بہت پڑھانے کے لئے رات کے اسکول کھولے جا رہے ہیں اور بچوں بچیوں کے لئے دوسرے اسکول لائبریری کتاب گھر کھولے جا رہے ہیں۔ گاؤں سدھار کا محکمہ اس وقت ۱۵۰۰ اسکول چلا رہا ہے جن میں گاؤں کے بالغ لوگ پڑھتے ہیں۔

گاؤں میں لائبریریاں

اب تک ڈھائی سو سنٹر ایسے چنے گئے ہیں جہاں لائبریریاں کھول جائیں گی ہر لائبریری کو ڈھائی سو روپیہ کی کتابیں اور رسالے منگا کر دئے جائیں گے قریب قریب دو ہزار ریڈنگ روم بھی گاؤں سدھار کے سنٹروں میں کھولے گئے ہیں جہاں گاؤں والے بیٹھکر اخبار پڑھتے ہیں۔ گاؤں والوں کی دلچسپی کے اخبار اور رسالے ان جگہوں پر منگائے جاتے ہیں۔

گاؤں میں ریڈیو

دیہاتوں میں ان چیزوں کے ساتھ ساتھ گراموفون میجک لالٹین اور ریڈیو سٹ بھی دئے جا رہے ہیں۔ اس سے گاؤں والے دنیا کی باتیں جانتے ہیں۔ اس سے ان کا جی بھی بہلتا ہے۔

نمائشیں بھی ہونگی

گاؤں میں کبھی کبھی نمائشیں بھی ہوتی رہیں گی جس سے گاؤں والے صنعت و حرفت میں بھی ترقی کریں گے اور ان کا بہت اچھا جی بہلاؤ بھی ہوگا۔ محکمہ گاؤں سدھار کی موٹر لاریاں بھی (جنھیں پبلسٹی وان کہتے ہیں) گاؤں میں برسات جاتے ہی پہنچنے لگیں گی۔ وہ صوبے کے بہیتری حصّوں میں جائیں گی اور اس طرح گاؤں والوں کا جی بہلاؤ ہوتا رہے گا۔

اچانک دکھوں میں مدد

محکمہ گاؤں سدھار کے کام کرنے والوں کو ان کاموں کے ساتھ ساتھ جو ان کو ہر حالت میں کرنا ہیں اچانک مصیبتوں کے وقت بھی گاؤں والوں کی مدد کرنا پڑتی ہے جو وہ خوشی سے کرتے ہیں جیسے پچھلے کالرے کی بیماری میں اور اس کے بعد بھیا میں ان لوگوں نے اپنے دیہاتی بھائیوں کے دکھ کم کرنے کی کوششیں کی ہیں۔

گاؤں سدھار کا کام بہت ٹیڑھا ہے لیکن یہ دیکھکر آس بندھتی ہے کہ اتنے ہی دنوں میں گاؤں والے اس کام کا فائدہ سمجھنے لگے ہیں اور وہ اس سے دلچسپی لینے لگے ہیں۔ سچ پوچھئے تو یہی سب سے بڑا کام ہے کہ گاؤں والوں میں ایک جاگ پیدا ہو جائے۔

کتائی کے آشرم

گاؤں والوں میں گھریلو صنعت کو بڑھانے کا پرچار کیا جا رہا ہے۔ کوئی نہ کوئی گھریلو صنعت صوبے کے ہر حصّے میں سکھائی جا رہی ہے۔ چرخہ اور سوت بہت سے چھپروں کے نیچے دکھائی دینے لگے ہیں۔ دو آشرم پرتاب گڑھ اور گورکھپور میں خاص طرح سے کھولے جا رہے ہیں جن میں کام کرنے والے سکھائے جائیں گے اور اس کی ٹوہ اور کھوج کی جائے گی کہ کتائی میں کیسے آسانی پیدا کیجائے اور کیسے اس کو ترقی دی جائے۔

مدھ مکھی گھر

بریلی کے گھریلو صنعت کا کام کرنے والے ٹوکریاں بنانے میں جاپانیوں کو مات کردینے پر ابھی سے تلے ہوئے ہیں۔ فتح پور میں گاؤں سدھار کے آرگنائزروں کو شہد کی مکھیاں پالنا اور شہد نکالنا سکھایا گیا جہاں سے پلٹ کر وہ لوگ دوسرے دوسرے ضلعوں میں اس کام کو شروع کرنے کے لئے گئے۔ جیولیکوٹ کمایوں میں ایک خاص مدھ مکھی گھر تیار کیا جا رہا ہے۔

صنعتی آشرم

فیض آباد کے گاؤں ریٹوا اور اناؤ کے گاؤں گنگا گھاٹ میں دو خاص صنعتی آشرم کھولے جا رہے ہیں جن میں لڑکوں کو کتائی، رنگائی، چھپائی، بنائی، بڑھئی گیری، کمہار کی پکائی، چمڑے کا کام، کاغذ بنانا، ٹوکری بنانا اور لوہاری کے کام سکھائے جائینگے۔ یہاں سے یہ لڑکے سیکھ کر پورے صوبے کے گاؤں میں پھیل جائینگے وہ ہر ضلع کے گاؤں سدھار کے سنٹر پر پہنچکر گاؤں میں صنعت و حرفت بڑھائیں گے۔ ان کے ساتھ ساتھ ستر ماہر اور اُستاد اور ۹۰ سکھائے ہوئے بننے والے لڑکیوں کے کاموں کی دیکھ بھال اور لوگوں کو اپنے کام دکھا کر کام سکھانے کے لئے نئی نئی جگہوں پر جہاں ضرورت ہے صنعتی سنٹر کھولنے کے لئے گاؤں میں جائیں گے۔

صوبے میں ۴۰ گودام ایسے کھولے جا رہے ہیں جہاں ان صنعتی لوگوں کے لئے کچا مال اور دوسرے سامان رکھے جائیں گے۔ ان گوداموں میں سے ہر ایک کو تین سو روپیہ اس کام کے لئے دیا جائیگا۔ پچیس ہزار روپیہ اس لئے دیا گیا ہے کہ اس سے سامان رکھے جائیں اور وہ کم داموں پر لوگوں کو دے جائیں۔ لکھنؤ میں ان مال کے گوداموں کا سب سے بڑا ہیڈ کوارٹر ہوگا۔ ان کاموں میں گاؤں والوں کو مالی مدد دینے کے لئے کوآپریٹو کریڈٹ سوسائٹیاں کوآپریٹو ڈپارٹمنٹ کے ساتھ ہو کر بنائی جا رہی ہیں۔

تندرستی کا خیال

گاؤں سدھار کے کام کرنے والوں کو ایک اور بڑا کام کرنا پڑتا ہے اور وہ گاؤں والوں میں صحت اور تندرستی رکھنے کا پرچار ہے۔ گاؤں والے صفائی کا کافی خیال نہیں رکھتے۔ وہ اپنے گھروں اور گاؤں کو صاف ستھرا گندگی سے دور رکھنے پر دھیان نہیں دیتے۔ پانی کے نکاس کے لئے نالیوں کا بنانا کنوؤں کی صفائی، گھر کے بیچ صاف اور تازہ ہوا آنے کا انتظام، گھروں کو ایک دوسرے سے ہٹ کر بنانا، گڑھے پاٹنا، راستہ نکالنا اور ایسی ہی بہت سی باتوں کو گاؤں سدھار کے لوگ گاؤں والوں سے پورا کراتے ہیں جس سے گاؤں کی حالت اب پہلے سے بہت اچھی ہوتی جا رہی ہے۔

دوائی کی مدد

گاؤں والوں کو بیماریوں سے بچانے اور ان کے بیماروں کو اچھا کرنے کے لئے اس بات پر خاص طور سے دھیان دیا گیا ہے کہ جتنے زیادہ ڈاکٹر، حکیم اور وید جتنا ممکن ہو سکیں گاؤں میں رکھے جائیں دو ایلوپیتھک کے دوا خانے اور چار یونانی اور ایک ویدک دواخانے ہر ضلع میں کھولے جا رہے ہیں۔ ان میں سارٹیفکٹ پائے ہوئے ڈاکٹر حکیم اور وید ہوں گے جو ہسپتالوں میں دوائیاں دینے کے بعد اپنے اپنے حلقے میں دیکھ بھال اور تندرستی کا ڈھنگ بتانے کے لئے گھومتے رہیں گے۔ اُمید ہے کہ اس اسکیم سے پرچا میل کے اندر ڈاکٹر، حکیم یا وید کی مدد دیہاتوں میں مل جائے گی۔ اسکے ساتھ ساتھ پچاس ہزار روپیہ ڈسٹرکٹ بورڈوں کو دیا جا رہا ہے کہ وہ اپنے گاؤں کے دواخانوں کو ضروری دوائیں منگا کر دیں اور اس طرح گاؤں والے اس سے فائدہ اُٹھائیں۔

کسان

از جناب مولوی محمد اسمٰعیل

کبھی مینہ برستے میں کچھ بو رہا ہے
کبھی دھوپ میں کھیت پر سو رہا ہے
کبھی دیکھ کر کھیت خوش ہو رہا ہے
کبھی کال کے خوف سے رو رہا ہے
غرض ہر گھڑی فکر رہتی ہے اس کی
کہ اس سال کی فصل اٹھتی ہے کیسی
مہاجن کے قرضے کا ہے بوجھ سر پر
پٹیل اور مقدم ستاتے ہیں اکثر
ہوا کرتے ہیں ظلم اس پر سراسر
کہ ہو جاتا ہے جن سے جینا بھی دوبھر
مگر کھیت ہے زندگی کا سہارا
بھلاتا ہے جو اُس کا دکھ درد سارا
اُسے اپنی کھیتی سے ہے وہ محبت
کہ بچے سے ماں جیسی رکھتی ہے چاہت
اسی شغل میں اُس کو ملتی ہے راحت
یہی دھن ہے اس کا یہی اسکی دولت

تمام اپنی طاقت اسی میں کھپائی
یہی عمر بھر کی ہے اس کی کمائی
وہ دن رات ہے کھیت میں اپنے حاضر
وہ جیتا ہے گویا کہ کھیتی کی خاطر
مواشی سے ہے روح تک شاد اسکی
کہ کھیتی میں کرتے ہیں امداد اُس کی
ملی ہے جو نازوں سے اولاد اس کی
یہ رکھے گی کھیتی کو آباد اُس کی
نہ ہوگا وہ دنیا میں پر کھیت اُس کا
ہزاروں برس لہلہاتا رہے گا
اگرچہ بہت اُس کی حالت ہے ابتر
نہ جڑتا ہے کپڑا نہ کھانا میسر
وطن میں ہے وہ سب سے بے زر و بے پر
مگر اس کا احسان ہے ملک بھر پر
اسی کے پسینے کی ہے یہ کمائی
کہ پیٹ اپنا بھرتی ہے ساری خدائی

گاؤں کا سدھار گاؤں سنگٹھن میں ہے

از جناب آر. وی. دھولیکر، ایم۔ اے،
ایل ایل بی، ایم۔ ایل۔ اے،
گورنمنٹ وہپ

جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ گرام سدھار کا پورا کام سرکاری گرام سدھار تحریک کے ذریعہ ہونا چاہئے یا ہو سکتا ہے۔ میری سمجھ میں وہ بھول میں ہیں۔ سرکار کے ذریعہ صرف یہ ہو سکتا ہے کہ گرام سدھار کے طریقے زیادہ سے زیادہ تعداد میں گاؤں والوں کو بتا دئے جائیں۔ لیکن ان طریقوں کا استعمال گاؤں والوں پر ہی منحصر ہے۔ اگر گاؤں والے ان طریقوں کا استعمال کرلیں اور فائدہ اٹھائیں تو وہ ترقی کر سکتے ہیں اور پھر کہا جا سکتا ہے کہ گاؤں سدھار یا گاؤں کا اور گاؤں کے باشندوں کا سدھار ہوا اور اگر سامان اور ذریعے ہوتے ہوئے بھی گاؤں والے توجہ نہ دیں اور اسی بات کی راہ دیکھتے رہیں کہ گاؤں سدھار کا محکمہ ان کے گاؤں کا سدھار کر دے گا تو کچھ بھی نہیں ہونے کا اور آخر میں سوائے ناامیدی کے کچھ ہاتھ نہ لگے گا۔

اوپر کہی ہوئی باتیں مجھے اس وجہ سے ظاہر کرنا پڑتی ہیں کہ آجکل چاروں طرف سے یو۔ پی۔ سرکار کے ذریعہ چلائے ہوئے گاؤں سدھار کے کاموں کی نکتہ چینی کی جا رہی ہے اور بے اطمینانی ظاہر کی جا رہی ہے۔ میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس محکمہ کی تعریف کروں یا اُسکے چلانے کے طریقہ کو بالکل درست کہوں لیکن میں یہ ضرور بتلانا چاہتا ہوں کہ سرکاری محکمہ گاؤں سدھار کے بھروسہ رہنا بہت بڑی بھول ہے۔

گاؤں سدھار صرف گاؤں سنگٹھن کے ذریعہ ہی ہو سکتا ہے۔ علاوہ اس کے نہیں۔ ساتھ ساتھ یہ بھی کہہ دینا ضروری ہے کہ گاؤں سنگٹھن کا کام سرکار کے ذریعہ نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ سرکار کے ذریعہ کرانے کی کوشش ہی کرنی چاہئے چاہے وہ سرکار کانگریسی ہی کیوں نہ ہو۔ بڑے بڑے معزز لوگوں نے جو بے اطمینانی ظاہر کی ہے وہ اسی اصلیت کو نہ جاننے کا نتیجہ ہے۔

بہتیرے بڑے آدمیوں نے مجھ سے کہا کہ سرکاری گاؤں سدھار محکمہ گاؤں میں ایکا (سنگٹھن) کرانے میں ناکامیاب رہا ہے۔ گاؤں میں جو ایکا کرانے والے Organisers رکھے گئے ہیں وہ اتحاد کا کام نہیں کر رہے ہیں۔ جو کانگریسی

آرگنائزر مقرر ہوئے ہیں انھیں یہ بے اطمینانی ہے کہ وہ اتحاد کا کام نہیں کر سکتے۔ سرکاری افسر رکاوٹ ڈالتے ہیں۔ کام نہیں کرنے دیتے وغیرہ وغیرہ لیکن ان سب لوگوں سے میرا یہی کہنا ہے کہ سرکار کے ذریعہ گاؤں سنگٹھن نہیں ہو سکتا۔ گاؤں کے سدھار کے لئے جو سامان چاہئے یا جو سہولتیں چاہئیں وہ سرکار سے حاصل کیجا سکتی ہیں۔ لیکن اسکے بعد آپس میں ایکا کر کے گاؤں کا سدھار کر لینا یہ کام گاؤں والوں ہی کا ہے۔

گاؤں سدھار کا مطلب

گاؤں سدھار کا مطلب کیا ہے اس پر غور کرنا ضروری ہے۔ گاؤں میں جن اچھی چیزوں کی یا باتوں کی کمی ہے انکو پورا کرنا یا جو اچھی چیزیں یا باتیں موجود ہیں انکو بڑھانا یہی گاؤں سدھار ہے۔ معمولی طور پر گاؤں میں (۱) اچھی سڑکیں۔ (۲) اچھے مکان۔ (۳) اسپتال (۴) تالاب (پانی پینے کے اور نہانے کے) (۵) سینچائی کے لئے نہریں تالاب اور کنوئیں (۶) مکتب (۷) لائبریری۔ (۸) چراگاہ (۹) اچھے مویشی (۱۰) عمدہ سستا بیج اور کھاد (۱۱) بینک اور مہاجن جن سے گاؤں والے اچھی شرح پر روپیہ لے سکیں (۱۲) کھیتی اور مکانوں کی حفاظت کے ذریعے (۱۳) کھیل کود کی جگہ (۱۴) بااعتبار پنچائتیں۔ (۱۵) گھریلو دھندے وغیرہ چیزوں کی کمی ہے یا کافی تعداد میں حاصل نہیں ہوتی ہیں انکے حاصل ہونے سے گاؤں کا سدھار ہو سکتا ہے اور انکے وسیلے اور سامان گاؤں والوں تک پہنچا دینا سرکاری کام ہے جس حد تک سرکار ان ذریعوں اور سامانوں کو کافی تعداد میں مہیا کرنے میں کوتاہی کرتی ہے اس حد تک سرکار قصوروار ہے۔

لیکن جس طرح کنوئیں کے پاس صرف کھڑے رہنے سے آدمی کی پیاس نہیں بجھ سکتی اسی طرح گاؤں سدھار کا سامان صرف مل جانے ہی سے گاؤں والوں کی حالت نہیں سدھر سکتی۔ انھیں ہاتھ پیر چلانے پڑیں گے یا گاؤں سنگٹھن کرنا پڑیگا۔

گاؤں سنگٹھن کا مطلب

گاؤں سنگٹھن کا مطلب اوپر کے بیان سے اب ظاہر ہو گیا ہوگا۔ گاؤں والوں کو سرکاری گاؤں سدھار محکمہ سے علیحدہ ایسی ایک جماعت سبھا یا پنچایت بنانی چاہئے جس سے سرکار کے ذریعہ اکٹھا کئے ہوئے گاؤں سدھار کے سامان کا فائدہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں گاؤں والوں کو مل سکے۔ گاؤں کے باشندوں کی اصلی ضرورتیں وہ ہی جان سکتے ہیں کہ کونسا سامان انھیں کس تعداد میں چاہئے اور کس طرح اسکی تقسیم کی جائے۔ اگر ان باتوں کا فیصلہ وہ خود نہیں کریں گے تو ان کو اصلی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ سرکاری نوکروں میں بھلائی برائی ہوتی ہی ہے اور وہ لالچ میں پڑ کر بیجا فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں اور کام چوری کی عادت کی وجہ سے پورا کام بھی نہیں کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں سرکار کے اچھے خیالات ہوتے ہوئے بھی گاؤں والوں کو پورا پورا فائدہ یا مدد جو سرکار دینا چاہتی ہے نہیں پہنچ سکتی۔ ایسا فائدہ پورے طور پر حاصل کر لینا گاؤں سنگٹھن کا کام ہے۔ اسی طرح گاؤں والوں کی اصلی ضرورتوں کو سرکار کو جتا دینا بھی گاؤں سنگٹھن ہی کا کام ہے۔ سرکاری نوکروں کو اپنے کام پر مستعد رکھنا اور ان میں بری عادتیں نہ آنے دینا یہ بھی گاؤں سنگٹھن ہی کا کام ہے۔

گاؤں سنگٹھن کا انتظام

گاؤں سنگٹھن کا کام گاؤں کی پنچائتوں کو کرنا چاہئے۔ سرکاری گاؤں سدھار محکمہ کے ذریعہ بنائی ہوئی یا خود بنی ہوئی پنچائتوں کو چاہئے کہ جلد سے جلد اپنے پیروں پر کھڑی ہو جائیں اور کسی بھی حالت میں خود کو سرکاری محکمہ کے ماتحت نہ سمجھیں۔ پنچائتیں بنا دینے یا بننے میں مدد دینے کا کام "آرگنائزرز" سے لینا چاہئے۔ اسکے بعد انہی پر منحصر رہنا یا سرکاری گاؤں سدھار محکمہ کے ہاتھوں کی کٹھپتلی بنے رہنا نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔ اس وجہ سے گاؤں کی پنچائتوں کو چاہئے

کہ بہت سے گاؤں کی پنچائیتوں کا ایک گروہ بنائیں اور ایک مجموعی گاؤں پنچایت قائم کریں۔ اس کام میں گاؤں کی کانگریس کمیٹیوں کو اور منڈل کانگریس کمیٹیوں کو مدد دینی چاہئے سوراجیہ کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک گاؤں کے باشندے اکٹھے ہوکر ایک ایسی پنچایت قائم کریں جو خود اس بات کا فیصلہ کرے کہ گاؤں کو کس طرح ترقی دی جائے۔

گاؤں کی پنچایت میں دس مرد و عورت کا ایک نمائندہ ہونا چاہئے۔ گاؤں کی پنچایت ایسی جگہ پر ہو جس میں ہر گاؤں درمیانی گاؤں سے ۵ میل سے زیادہ دور نہ ہو۔ کئی گاؤں کی پنچایت میں زیادہ سے زیادہ ۵۰ نمائندے ہونے چاہئیں جو اپنے عہدہ داروں کو چنیں۔ اس مجموعی گاؤں پنچایت کی بیٹھک سال میں چار مرتبہ ہونی چاہئے یعنی فصلیں بونے کے پہلے ایک مرتبہ اور فصلیں کٹنے کے بعد ایک مرتبہ۔ اس سے فائدہ یہ ہے کہ فصلیں بونے کے پہلے کئی گاؤں کی پنچایت اپنے گاؤں میں آگے بوئی جانیوالی فصلوں کے متعلق غور کرکے گاؤں والوں کو صلاح دے سکے کہ کونسی چیز کتنی تعداد میں بوئی جائے، بیج کیسا ہو اور کہاں سے لیا جائے۔ موسم کو دیکھتے ہوئے کن باتوں کو خیال میں رکھنے کی ضرورت ہے، کس سرکاری محکمہ سے کیا مدد مل سکتی ہے اور کتنی ملنی چاہئے وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح فصل کٹنے کے بعد پچھلی فصل کے تجربہ پر غور کرنے کے لئے مجموعی گاؤں پنچایت کی بیٹھک ہونی چاہئے۔ اسکے علاوہ مجموعی گاؤں پنچایت مندرجہ ذیل مضمونوں پر غور کرے اور انکے بارے میں معقول انتظام کرنے اور کرانے کا انتظام کرے:۔

(۱) گاؤں کے راستے سدھارنا۔
(۲) پانی والے مقاموں (تالاب و کنوئیں) کی مرمت۔
(۳) میلوں و دنگلوں کا قائم کرنا اور انکا انتظام کرنا۔
(۴) مدرسے، لائبریریاں، شفاخانے یعنی عام لوگوں کے فائدے کیلئے جماعتیں قائم کرنا اور ان کا انتظام کرنا۔
(۵) مکانوں کی، گاؤں کی صفائی اور روشنی کے لئے گاؤں والوں میں پرچار۔
(۶) کانفرنس وغیرہ کرانا۔
(۷) سرکاری نوکروں کے برے برتاؤ سے گاؤں والوں کی حفاظت کا انتظام کرنا۔
(۸) سرکاری گاؤں سدھار محکمہ اور دوسرے سرکاری محکموں سے گاؤں والوں کو مدد دلانا۔
(۹) گاؤں والوں کو اپنے پیروں کھڑا ہونے کی تعلیم دینا امداد باہمی جماعتیں قائم کرنا، گاؤں کی حفاظت کیلئے والنٹیروں کا گروہ وغیرہ بنانا۔
(۱۰) گاؤں کی پنچائتوں کا اچھا سنگٹھن۔ انکے ممبروں کے آپسی جھگڑے نپٹانا وغیرہ۔
(۱۱) گاؤں کی پنچائیتوں کو قاعدوں کے بموجب خاص ڈھنگ سے کام کراتے رہنا۔

گاؤں کی پنچائیتوں کا فرض ہے کہ گاؤں کے اندر سماج سنگٹھن کرنا اور مجموعی گاؤں پنچایت کے حکموں کا بجا لانا۔
گرام سنگٹھن میں ہی سوراجیہ ہے۔

دُنیا کی حالت

(جناب رائے بہادر سکھ دیو بہاری مصر)

لڑائی کے بعد کا یورپ

رائے بہادر شری سکھ دیو بہاری مصر

۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک جو بڑی لڑائی ہوئی تھی اس کے بعد دنیا میں ایک نیا دور شروع ہو گیا۔ ایک طرف برٹین روس فرانس امریکہ اور اٹلی خاص تھے اور دوسری طرف جرمنی آسٹریا اور ٹرکی۔ لڑائی کے بعد آسٹریا کی سلطنت ٹوٹ کر ایک چھوٹی سی سلطنت رہ گئی۔ جرمنی کے بہت سے حصے نکل گئے اور ٹرکی کا بھی ایک بڑا حصہ اس کے ہاتھ سے چلا گیا لیکن جو کچھ باقی رہ گیا کمال اتاترک کی بہادری سے، اسی کی بدولت ٹرکی ایک بڑی طاقت بنا ہوا ہے۔ روس کے کئی حصے نکل گئے اور جرمنی کے کچھ حصے ملا کر پولینڈ کی نئی سلطنت قائم کی گئی۔ امریکہ نے لڑائی جیتنے کے بعد کوئی ملک نہ لیا صرف دنیا کی سب قوموں کو ملا کر لیگ آف نیشن قائم کی لیکن بعد میں اس نے یورپ کے جھگڑوں سے بچنے کے لئے بھی لیگ میں حصہ لینا پسند نہ کیا۔ لیگ کچھ دن تک تو اچھی طرح چلتی رہی لیکن رفتہ رفتہ اٹلی جرمنی اور جاپان کے نکل جانے سے اب اس کی طاقت بہت کم ہو گئی۔ روس کے بادشاہوں کا خاندان ختم ہو گیا اور وہاں

بزم حکومت قائم ہوگئی۔ پہلے تو وہ بہت مضبوط سمجھا جاتا تھا
ن اب تین چار سال سے اس میں اتنی تبدیلیاں ہوئیں کہ ایسا
یم ہوتا ہے کہ دنیا کی بڑی قوتوں کو اس وقت اس کی طاقت
یک اندازہ نہیں۔ اس ملک کا دستور یہ ہے کہ سارے ملک کے
ندوں کی کمائی ملکر سب میں بٹ جائے۔ اپنی اپنی کمائی کی کمی
ں سے کسی کو نفع نقصان نہ ہو۔ ادھر فرانس اور جرمنی کی
ن دشمنی چلی آتی تھی۔ فرانس نے بڑی لڑائی کے بعد
ں ترکیب کی کہ جرمنی چاروں طرف سے اس کے دوستوں سے
ر ہمیشہ کے لئے کمزور ہو جائے۔ کچھ سال تک فرانس بہت
متور رہا اور اس کی طاقت دنیا بھر میں سب سے زیادہ
ئی لیکن برٹین نے سوچا کہ فرانس کی طاقت بڑھنے سے
یچھ اس کی طاقت کم ہوتی جا رہی ہے اس لئے اس نے
نی کو بہت نہ گرنے دیا اور وقت آنے پر اس نے پھر طاقت
ل کرلی۔ لڑائی کے بعد ملکوں میں جو تقسیم ہوئی اس سے برٹین
۔ فرانس تو خوش رہے لیکن اٹلی کو اطمینان نہ ہوا کیونکہ اسکے
یب اُسے بہت کم حصہ ملا۔ سرویہ کے ملک کی وجہ سے بڑی لڑائی
روع ہوئی تھی۔ اخیر میں جب اس میں تھوڑا سا جرمنی کا اور ایک
بہت بڑا حصہ آسٹریا کا مل گیا تو وہ بہت بڑا ملک ہوگیا۔
یگوسلیویا کو بھی فائدہ ہوا۔ اس میں اور اٹلی میں اتنی
دشمنی ہے کہ دونوں پائیں تو ایک دوسرے کو کھا جائیں۔

جرمنی اٹلی اور جاپان

موقع پاکر جرمنی اور اٹلی میں ڈکٹیٹرشپ قائم ہوگئی اور
دونوں کی طاقت بہت بڑھ گئی۔ اٹلی نے حال ہی میں افریقہ
کے ملک حبش کو جیت کر اپنی سلطنت میں ملا لیا۔ یہ لیگ کا
ممبر تو تھا ہی اس لئے اس کی اس حرکت سے لیگ کی طاقت
کو بہت دھکا لگا۔ ادھر جاپان نے منچوریا کو جیت کر پہلے ہی
سے اس طاقت کی بے عزتی کی تھی آخرکار حبش کی پکار پر
برٹین نے بھی بہت چیخ پکار مچائی اس لئے کہ بحر روم میں
اٹلی کی طاقت بڑھنے سے برٹین کا ہندوستان جانے کا راستہ
کمزور ہوتا تھا۔ فرانس کا کوئی نقصان نہ تھا اسلئے وہ لڑنے کے
لئے تیار نہ ہوا اور بغیر اس کے برٹین کسی دوسرے کے لئے لڑائی
پر نہ گیا۔ پہلے اٹلی فرانس اور برٹین کا دوست تھا لیکن اس
معاملہ کے بعد سے وہ ان دونوں سے الگ ہوکر جرمنی
مل گیا۔ ادھر جاپان نے چین سے کچھ نئے صوبے لینے کے لئے
لڑائی شروع کردی۔ اصل بات یہ ہے کہ بڑی طاقتوں
میں روس اور امریکہ کے اپنے اپنے ملک ہی کافی بڑے
ہیں اور برٹین اور فرانس کے پاس پرانے جیتے ہوئے ملک
اور نوآبادیاں کافی سے زیادہ ہیں۔ لیکن جرمنی، اٹلی اور
جاپان کے پاس ملک بہت کم ہیں۔ لیگ آف نیشنس کا مقصد
یہ ہے کہ کوئی سلطنت کسی سے نہ لڑے اور سارے جھگڑے
امن سے طے ہو جائیں۔ اس اصول پر بڑے بڑے ملکوں او
دنیا کی ترقی اور بھلائی نظر آتی ہے لیکن جو ملک زمین کے
بھوکے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ یہ بڑے ملکوں کی ایک چال ہے جاپان
کو یہ بھی ڈر ہے کہ روس چین میں بھی اپنا اثر بڑھا رہا ہے۔ اس
لئے چین سے نئے صوبے چھیننے میں اس کا مقصد یہ ہے کہ روس
اور چین کے بیچ میں اس کی حکومت آجائے اور روس کے خیالات
کا اثر چین پر نہ پڑسکے امریکہ اور برٹین کا چین سے تجارتی تعلق
چلا آرہا ہے اس لئے وہاں جاپانی حکومت ہو جانے سے ان دونوں
کا بھی نقصان ہے۔ اس میں اٹلی اور جرمنی کی تجارت کا بھی نقصان
ہے لیکن وہ جاپان کی دوستی کی وجہ سے کچھ نہیں بولتے۔

اسپین کی خانہ جنگی

آجکل یورپ کے دکھن اور پچھم کے ملک اسپین میں شاہی سلطنت
ٹوٹ کر رعایا کی حکومت ہوگئی۔ راجہ کا اثر تو چلا گیا لیکن رعایا
میں لڑائی باقی رہی کبھی ایک کی طاقت بڑھی اور کبھی دوسرے کی۔
آخیر میں سرکار کی جیت ہوئی اور انھیں کا راج قائم ہوگیا۔ امن
پر امن پسند رعایا کے دوستوں نے بغاوت شروع کردی۔
جنرل فرینکو ان کا سردار ہوا اور اب ڈیڑھ دوسال سے
لڑائی چل رہی ہے۔ اسپین مراکو بھی انھیں کی طرف ہوا اور

ان لوگوں نے اسپین کے باہر کی ملکوں کے علاوہ اپنے ملک میں بھی سولہ میں سے تیرہ آنے حصہ جیت لیا ہے۔ لڑائی اب تک چل رہی ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ جرمنی اور اٹلی چھپ کر فرانکو کی مدد کر رہے ہیں اور روس اور فرانس سرکار کی۔ خاص طور پر اس میں روس اور اٹلی کا ہاتھ معلوم ہوتا ہے۔ لڑائی آہستہ آہستہ چل رہی ہے اور جیت فرانکو ہی کی معلوم ہوتی ہے۔ برٹین اور ہندوستان کی ہمدردی سرکار ہی کے ساتھ ہے اگر اٹلی اسپین میں بھی جیت جاوے تو بحر روم میں ہوکر جہازوں کے ہندوستان جانے کا راستہ بالکل اٹلی کے ہاتھ میں آجائے۔

کیا لڑائی ٹل گئی؟

فرانس، روس اور چکوسلوکیا نے جرمنی کی طرف اپنے اپنے ملکوں میں ایک طرح کے بجلی کے قلعے تیار کئے تھے جنہیں میگنٹ رکھا کہتے ہیں۔ اسے پار کرکے دشمنوں کی کوئی فوج ملک میں نہیں داخل ہو سکتی۔ یہ دیکھکر حال ہی میں جرمنی نے بھی ایسے ہی قلعے فرانس کی طرف بنائے ہیں جرمنی کی روس سے بڑی سخت دشمنی ہے اور اس کا منشا ہے کہ فرانس اور برطانیہ سے کسی طرح ایسی دوستی کی جائے کہ جب وہ روس سے لڑے تو وہ دونوں طاقتیں الگ رہیں۔ بعد میں وہ فرانس کو بھی توڑکر خود برطانیہ کو دبانا چاہتا ہے۔ لیکن یہ دور کی باتیں ہیں انھیں خیالات کی بنا پر فرانس اور روس میں دوستی ہے۔ چکوسلوکیا جرمنی کے اندر گھسا ہوا تھا اور اگر روسی ہوائی جہاز وہاں پہنچ جاتے تو لڑائی کے وقت جرمنی کا بڑا نقصان ہو سکتا تھا۔ اسی لئے جرمنی یہ خطرہ دور کرنا چاہتا تھا۔

بڑے ملکوں کی جنگی قوت

برطانیہ کی بحری طاقت امریکہ کو چھوڑ کر اور سب سے زیادہ ہے لیکن اس کی برّی طاقت بہت کم ہے۔ اور ہوائی جہاز بھی بہت کم ہیں۔ اور اس کمی کو تیزی سے پورا کیا جا رہا ہے۔ امید ہے کہ ۱۹۴۱ میں یہ کمی پوری ہو جائے گی۔ فرانس کی بحری اور برّی اور ہوائی سب طاقتیں مضبوط ہیں۔ لیکن ہوائی طاقت جرمنی اٹلی اور روس کے مقابلہ میں اس کی بھی کمزور ہے۔ جو حالت اسپین کی غریب اور امیر رعایا میں تھی کچھ کچھ وہی حالت فرانس میں بھی ہے جس سے خوف ہے کہ جھگڑے کے موقعے پر شاید اس کی طاقت زیادہ کام نہ دے۔ وہاں مزدوروں اور سرمایہ داروں کا کافی جھگڑا ہے اُدھر روس کی ہوائی طاقت دنیا بھر میں سب سے زیادہ ہے۔ اور بحری قوت بھی کافی زبردست ہے۔ لیکن بری قوت کم ہے اور رعایا کے آپس کے جھگڑے کی وجہ سے اس کی قوت اور بھی کم ہو گئی ہے جرمنی کی تینوں طاقتیں زبردست ہیں۔ اس کے یہاں یہودیوں کی وجہ سے اندرونی کمزوری بہت تھی اور خیال کیا جاتا ہے کہ یہودیوں ہی کی وجہ سے جرمنی نے پچھلی لڑائی میں ہار اُٹھائی لیکن جرمنی کے ڈکٹیٹر ہٹلر نے حال ہی میں یہودیوں کی طاقت بالکل توڑ دی ہے۔ اور اس زمانہ میں جرمنی کی طاقت ہر طرح مضبوط اور ٹھوس سمجھی جاتی ہے۔ لیکن ملک میں روپئے کی کمی بہت ہے۔ اس کے باوجود بھی ہٹلر کہتا ہے کہ ہمارے یہاں بیکاری کا سوال ہے ہی نہیں۔ اور روپیہ کی بھی کمی نہیں۔ اُدھر فرانس اور برطانیہ میں بیکاری تھوڑی بہت ہے ہی۔ خاصکر فرانس میں جرمن لوگ اپنے دیس کی بڑی سیوا کرنیوالے اور ہر طرح کی تکلیف اٹھا کر بھی پچھلی لڑائی میں ہار کا جو کلنگ ان کے ماتھے پر لگ گیا ہے، اُسے دھونا چاہتے ہیں۔ اٹلی میں بھی دولت کی کمی ہے۔ لیکن اسکی بھی تینوں طاقتیں کافی مضبوط ہیں۔ روس کی آبادی ۱۳ کروڑ ہے جرمنی کی ۸ کروڑ، فرانس کی ۴ کروڑ اور برطانیہ کی ۴ ۳/۴ کروڑ۔ آبادی کے لحاظ سے بھی جرمنی اپنے آپ کو مضبوط سمجھتا ہے۔ دولت میں برطانیہ بڑھا ہوا ہے۔ پچھلی جنگ میں جرمنی کے سب علاقے نکل گئے تھے۔

انھیں سب وجہوں سے جرمنی چکوسلوواکیا کا سوڈٹین صوبہ لے لینا چاہتا تھا اس کے مل جانے سے ایک نئی جنگ کا ڈر جاتا رہا۔

ادھر فرانس چاہتا تھا جرمنی کا بے اثر برابر قائم رہتا۔ روس کا بھی یہی خیال تھا۔ تاہم برطانیہ اس معاملہ میں الجھنے کو تیار نہ ہوا۔ شاید روسی طاقت کی کمی کے خیال سے وہ اس پر بھروسہ نہ کر سکا ادھر جرمنی کا خیال تھا کہ اس کے میگنٹ ویو کی وجہ سے فرانس اس پر حملہ تو کر ہی نہ سکے گا۔ اس لئے وہ کر ہی کیا سکے گا۔ جرمنی کو امید تھی کہ دو دن ہی میں وہ چکوسلوواکیا کو ہرا دے گا اور پھر میگنٹ ویو پر سال چھ مہینے تک لڑائی کر کے آخر میں فرانس اور برطانیہ تھک کر بیٹھ جائیں گے اور ادھر جرمنی کا مقصد حاصل ہو جائے گا۔ فرانس کے سپہ سالار کا خیال تھا کہ دس دن میں وہ جرمن میگنٹ ویو کو توڑ کر رکھ دے گا۔ لیکن شاید اس بات پر یقین نہ ہوا۔ یہ بھی ایک بات تھی کہ اس دفعہ میگنٹ ویو کی وجہ سے فرانس میں تو دشمنوں کی فوج جا نہ سکتی اور نہ جرمنی میں اس لئے زیادہ لڑائی برطانیہ کی زمین پر ہوتی۔ اس کے گنجان شہروں کا ہوائی جہازوں سے بڑا نقصان ہوتا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ برطانیہ نے صرف انھیں خیالات کی وجہ سے روس سے صلح نہ کی۔ اور اس طرح جرمن نازی اور اٹلی کے فاشی لوگوں کا کام بن گیا۔ اور پچھلی لڑائی میں پورا ساتھ دینے والے چکوسلوواکیا کی بالکل مدد نہ کی۔ لیکن اس نقصان کے باوجود بھی جو لڑائی رکی ہے وہ صرف تھوڑے ہی دن کے لئے ہے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ برطانیہ کو نازیوں اور فاشیوں سے کوئی محبت نہ تھی۔ اور نہ روس سے دشمنی۔ برطانیہ کا لڑائی میں نہ آنا کئی وجہوں سے ہوا ہے۔ یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ لڑائی کم از کم ۶ مہینے کے لئے ٹل گئی۔

جرمنی اپنی نوآبادیات چاہتا ہے

جرمنی اپنی نوآبادیات تو واپس چاہتا ہی ہے وہ ادھر بیچ کے اور دکھن کے یورپ میں بھی اپنا اثر پھیلانے کے خیال میں ہے۔ اگرچہ پولینڈ کو جرمنی کا بہت سا حصہ پچھلی لڑائی میں مل چکا ہے لیکن جرمنی نے اس سے برابر دوستی رکھی ہے اور اس وقت وہ جرمنی اور اٹلی کا دوست ہے۔ چکوسلوواکیا کا سوڈیٹین صوبہ لے کر جرمنی کہتا ہے کہ وہ یورپ میں مطمئن ہے۔ اگرچہ یہ بات کہنے کی ہے۔ برطانیہ نے ترکی سے تجارتی عہد نامہ کر کے اس طرف جرمن کا اثر کم کرنے کی ترکیب کی ہے۔ لیکن سوڈیٹین صوبہ ملتے ہی جرمنی نے بھی ترکی اور یوگوسلاویا سے تجارتی عہد نامہ کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس طرف اپنا اثر پھیلانا چاہتا ہے۔ ادھر برطانیہ، فرانس اور روس کی مدد چکوسلوواکیا جرمنی کے ہاتھ سے نہ بچ سکا اور اب وہ اس کے ہاتھ میں چلا گیا ہے۔ اس لئے اور بھی بیچ کے اور دکھنی یورپ میں جرمنی کے اثر پھیلانے کا خیال عمل میں ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ جرمنی کو گیہوں اور تیل کی کمی تھی سوڈیٹین صوبہ کے ملنے سے یہ فکر جاتی رہی گیہوں کی کمی کو پورا کرنے کے لئے اس نے ہنگری سے دوستی کی اور اب روس کا یوکرین صوبہ چھیننا چاہتا ہے۔ ان دونوں ملکوں میں غلہ کافی پیدا ہوتا ہے۔ تیل اسے رومانیہ سے مل سکتا ہے یہ ملک حال ہی میں چکوسلوواکیا والے جھگڑے میں روس سے مل کر جرمنی کی دشمنی کا وعدہ کر چکا تھا۔ اس لئے جرمنی اس سے ضرور بدلہ لینا چاہے گا۔ تاکہ بدلہ بھی اتر جائے اور تیل بھی مل جائے۔

برطانیہ اور ہندستان

اگر جنرل فرانکو نے اٹلی یا جرمنی یا ان دونوں کی مدد سے پورا اسپین حاصل کیا تو فرانس دکھن کی طرف سے بھی دشمنوں سے گھر جائے گا اس لئے برطانیہ کو جنگی جہازوں کے لئے ہندوستان، آسٹریلیا اور یورپ کے اس کنارے کے لئے راستہ تلاش کرنا پڑے گا۔ اس خیال سے دکھنی افریقہ میں کیپ آف گڈ ہوپ کے قریب سمندری بیڑا رکھنے کا خیال کر رہا ہے۔ ادھر اسی کے پچھم اور دکھن میں جو دو نوآبادیاں ہیں انھیں جرمنی مانگ رہا ہے۔ اگر برطانیہ انھیں دینا چاہے گا تو اس کی دکھنی افریقہ سے دشمنی ہو جائیگی اور اگر نہ دے گا تو جرمنی سے جنگ دکھی ہے۔ برطانیہ کی خاص نوآبادیاں جنوبی افریقہ، کناڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ ہیں۔

جن سب کو وہ ایسی آزادی دے چکا ہے جسے ڈومینین اسٹیٹس کہتے ہیں ۔ اس کے علاوہ مصر اور ہندوستان بھی اس کے زیر حکومت تھے ۔ ان میں سے پہلے کو وہ آزادی دے چکا ہے لیکن دوسرے (ہندوستان) کو ابھی آزاد نہیں کرتا ۔ اور اس سے بہت ہندوستانیوں کے قومی جذبہ کو ٹھیس لگتی ہے ۔ اس مسئلہ کو سال دو سال میں اسے طے کرنا ہی پڑے گا ۔ اگر ہندوستان بھی خوش ہو جائے تو اس کا دکھنی افریقہ اور آسٹریلیا سے بھی پورا میل ہو کر برطانیہ کا ادھر والا حصہ مضبوط ہو کر رہ سکتا ہے بلکہ ترقی بھی کر سکتا ہے ۔ ابھی ہندوستان کی کمزوری کی وجہ سے برطانیہ کو اس طرف سے بڑی فکر رہتی ہے ۔ اگر وہ چاہے تو تین چار برس میں اسے طاقتور بنا سکتا ہے ۔ لیکن ایسا کرنے سے پہلے، اسے خوش کرنا ضروری ہے ۔

چین جاپان کی لڑائی

چین اور جاپان کی جو لڑائی ہو رہی ہے، اس کے بارے میں چین کا خیال ہے کہ اگر وہ دو تین سال تک نہ ہارا تو تجارتی اور مالی نقصان کی وجہ سے جاپان خود بخود گر جائے گا ۔ لیکن جاپان کا یہ خیال نہیں ۔ نقصان اس کا ضرور ہے لیکن حبش کی لڑائی میں، اٹلی کے متعلق بھی اسی طرح کی باتیں سوچی جاتی تھیں وہ سب کچھ نبھا لے گیا ۔ اور اب یورپ میں بھی آرام رہا ہے ۔ ہندوستان کی ہمدردی ہر ابی سینیا، چیکوسلوواکیا اور چین کی طرف رہی ہے ۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جب کبھی بڑی لڑائی ہوگی تو ثروت کے اثر سے آخر میں برطانیہ ہی کا پلہ بھاری رہے گا ۔ پھر بھی آج کل دنیا میں اس کا مقابلہ کرنے والی کئی طاقتیں کھڑی ہو گئی ہیں ۔ وہ تھوڑا بہت دے کر بھی ہندوستان کو خوش رکھنا چاہتا ہے ۔ لیکن کانگریس کو اس سے اطمینان کب ہونے والا ہے ۔ آج کل دنیا میں بڑی ہلچل مچی ہوئی ہے ۔ جو جو انقلاب ہم آج کل اس دس برس میں دیکھتے ہیں، ویسے پہلے صدیوں میں بھی نہیں ہوا کرتے تھے ۔ ہنکاو اور کینٹن جیت کر جاپان نے اب کچھ خاموش ہو گیا ہے اور جیتے ہوئے صوبوں کو نظام قائم کرنا چاہتا ہے ۔ شرطیں اس نے ایسی رکھی ہیں جن سے چینیوں کی یورپ والوں سے اپنے ملک میں ان کی عزت زیادہ ہو جس سے وہ جاپان کی حکومت خوشی سے مان لیں ۔ دیکھنا ہے کیا بنتا ہے ۔ اس سے امریکہ اور برطانیہ کو تجارتی نقصان ہے اور تھوڑا ہندوستان کو بھی ۔

ہل کے لئے پیغام

آنریبل رفیع احمد قدوائی منسٹر آف ریونیو اور جیل لکھتے ہیں

ہل کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اس صوبہ کے گاؤں والوں کی خدمت کرے گا ۔ ہم امید کرتے ہیں کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگا اور دیہات کی سوشل اور مالی حالت میں ہل چل پیدا کر دے گا ۔ ہندوستان کی ایک تندرست نیشن تیار کرنے میں یہ اپنا پورا حصہ دے گا ۔

(رفیع احمد قدوائی)

گاؤں سدھار اور ستیہ گرہ آشرم

(جناب سیتلا سہائے صاحب ڈپٹی ڈائرکٹر انفارمیشن)

تمہیدی - ستیہ گرہ کا نام آپ نے سنا ہوگا۔ سابرمتی ندی کے کنارہ مہاتما گاندھی کا یہ آشرم اپنے ڈھنگ کی انوکھی چیز تھی یہاں پر لوگ کہتے تھے کہ لوگوں کو روحانی تعلیم دی جاتی تھی لیکن واقعہ یہ تھا کہ لوگوں کو ملک کی خدمت کے لئے تیار کیا جاتا تھا اور ایسے لوگ تیار کیے جاتے تھے جو گاؤں سدھار کا کام کر سکیں۔ سنہ ۱۹۲۰ء کی تحریک نان کوآپریشن جب سنہ ۲۳ء میں ٹھنڈی پڑ گئی مہاتما گاندھی اس آشرم میں رہنے لگے اور ان کے خاص ماننے والے اور ایسے لوگ جو اس وقت کی سیاسی دنیا میں نہیں رہنا چاہتے تھے اُن کے چاروں طرف اس آشرم میں اکٹھا ہو گئے - ان لوگوں کو مہاتما گاندھی اپنی زندگی، اپنے عمل اور اپنے اپدیشوں سے دیش کی سچی سیوا کے لئے تعلیم دیتے رہتے تھے۔

ستیہ گرہ آشرم کو ایک مشین سمجھئے جس میں گاؤں سیوک ڈھلے جاتے تھے۔ اس گھر میں ایسے کام کرنے والے تیار کئے جاتے تھے جو گاؤں میں رہنے والوں کو اوپر اٹھا سکیں اور ان میں رہ کر خوشی خوشی ان کی سیوا کر سکیں - ہندوستان کے گاؤں میں کام کرنے کے لئے جس طرح کے لوگ مفید ہو سکتے ہیں، اُس طرح کے آدمی یہاں تیار کیے جاتے تھے۔ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اس تعلیم کی اسکیم مہاتما جی کی بنائی ہوئی تھی انھوں نے جو اصول بنائے تھے انھیں کی بنیاد پر گاؤں سیوک تیار کرتے تھے۔ اس مضمون میں میں ستیا گرہ آشرم کا صرف وہ پہلو بیان کرنا چاہتا ہوں جس سے گرام سدھار میں کام کرنے والے کارکن فائدہ اُٹھا سکتے ہیں اسکیم یہ تھی کہ دل و دماغ دونوں پر اثر ڈالا جائے ہر کارکن کے دل میں ایک ایسے جذبہ کا سوتہ کھول دیا جائے جو اُسے ساری زندگی دیش سیوا اور گرام سدھار کے کام میں لگائے رہے اور آگے بڑھاتا رہے اور اس میں ایک ایسا ذوق و شوق پیدا ہو جائے جو اُس کو سردی گرمی تکلیف و آرام پستی و بلندی غرض ہر حالت میں سیدھے راستہ پر ہی قائم رکھ سکے جسم اور دل کو سیوا کرنے کے قابل بنایا جاتا تھا۔ دنیاوی خواہشوں پر پابندیاں لگا دی جاتی تھیں۔ جسمانی عیش کو تیاگ دینے کی عادت ڈالی جاتی ہے تاکہ کارکن، ہندوستانی گاؤں کی ایسی بے رس اور کٹھن جگہوں میں ساری زندگی خوشی سے گزار دیں مگر کبھی کوئی تکلیف نہ محسوس کریں سابرمتی آشرم کا میں نے سب سے پہلے سنہ ۲۳ء میں درشن کیا تھا مگر اس میں مستقل طور سے رہنے کا موقع مجھے سنہ ۲۸ء میں ہوا یہی وجہ ہے کہ میں اس سلسلے میں یہ مضمون لکھ رہا ہوں۔ میں اُس وقت الہ آباد میں رہتا تھا چرخا سنگھ کا سکریٹری تھا اور اس حیثیت سے گرام سدھار کے کام میں دلچسپی رکھنا مجھے بہت ضروری تھا۔ میری خواہش تھی کہ کبھی موقع ملے تو کچھ دن مہاتما جی کے نزدیک رہ کر ان کے خیالات، ان کے اُصول، ان کی تعلیم اور ان کے کام کرنے کا ڈھنگ دیکھوں - سنہ ۲۸ء میں مجھے یہ موقع ملا اور جب میں نے مہاتما گاندھی سے ان کے آشرم میں رہنے کی درخواست کی تو انھوں نے مجھے لکھا کہ "You are welcome if you can bear the vigours of the Ashram life"

(اگر آپ آشرم کی سختیاں برداشت کر سکتے ہیں تو آپ ضرور تشریف لائیں) اکتوبر کی شروعات تھی اور جب گاڑی سابرمتی کے اسٹیشن پر پہنچی تو صبح کا وقت تھا، کوئی ساڑھے پانچ بجے ہونگے۔ میرے ساتھ ایک بستر ایک بکس اور دو ایک دوسری چیزیں تھیں اسٹیشن پر اُتر کر میں نے کسی سواری کی تلاش کی مگر وہاں اس قسم کی کوئی چیز نہ تھی - میں نے چاہا کہ قلیوں کے سر پر سامان رکھا کر آشرم تک

پہنچوں گمران سے جب بات کی تو پتہ چلا کہ نہ وہ میری بولی سمجھ سکتے ہیں
اور نہ میں اُن کی۔ میں اسی سوچ میں کھڑا تھا کہ دو آدمی اور جو اسی
گاڑی سے اُترے تھے میرے پاس آئے اور مجھ سے پوچھا کہ آپ
کہاں جانا چاہتے ہیں۔ کھدر کی پوشاک میں تھے۔ میں نے جواب
دیا کہ میں آشرم جانا چاہتا تھا مگر یہاں پر کوئی سواری نہیں

مہاتما گاندھی

مل رہی ہے۔ ان لوگوں نے کہا ہم بھی وہیں کے رہنے والے
ہیں اور وہیں جا رہے ہیں"۔ یہ کہکر دونوں آدمیوں نے بکس
کا ایک ایک کندھا پکڑ کر میرا بکس اُٹھا لیا اور ایک نے بستر
اپنی پیٹھ پر رکھکر آشرم کی طرف قدم بڑھایا میں نے ان سے
بہت کہا کہ میں ان کو تکلیف نہیں دینا چاہتا اور خاص کر اس
قسم کی تکلیف کہ وہ ہمارا اسباب لادیں لیکن اُنھوں نے نہ مانا
اور پیشانی پر شکن لائے بغیر ۵ فرلانگ کا فاصلہ طے کرکے آشرم
پہنچ گئے اور اُن کے ساتھ میں بھی اپنی دو چار چیزیں لاد کر بعد
کو معلوم ہوا کہ اس میں ایک صاحب گجرات کے ایک متمول سوداگر
کے صاحبزادے تھے اور ایک صاحب لاہور یونیورسٹی کے گریجویٹ۔
اُس وقت ساڑھے چھ بجے ہوں گے اور اکتوبر کے مہینہ میں

ساڑھے چھ بجے سورج نہیں نکلتا۔ اس لئے میں نے یہ خیال کیا
کہ غالباً آشرم کے سکریٹری صاحب سے گھنٹہ آدھ گھنٹہ کے بعد
ملاقات ہوگی لیکن آشرم کے اندر پہنچکر میں نے یہ دیکھا کہ
سب لوگ اپنے کام سے لگے ہوئے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے
بچے پڑھ رہے تھے۔ آشرم کی صفائی ہو رہی تھی سکریٹری صاحب
اپنی چوکی پر بیٹھے کام کر رہے تھے۔ تذکرۃً میں یہ بتا دینا چاہتا
ہوں کہ آشرم میں کرسی میز کا رواج نہیں۔ سارا کام بغیر کرسی
میز کے چلایا جاتا ہے۔ صرف چند لوگ ہیں جن کو ڈیڑھ فٹ
لمبی چوڑی اور ۹ انچ کی اونچی چوکی ملتی ہے۔ مہاتما گاندھی
خود زیادہ تر اپنے زانو پر کاغذ رکھکر لکھتے ہیں۔ بہرحال سکریٹری
صاحب کو میں نے "نمسکار" کیا اور انھوں نے میری بہت
خاطر کرتے ہوئے اپنے پاس رکھی ہوئی ایک فٹ مربع "آسن"
ننگے فرش پر بچھا دی۔ میں اس پر بیٹھ گیا اور اُنھیں اتنی صبح
کام کرتے ہوئے دیکھکر کچھ تعجب کا اظہار کیا۔ انھوں نے مسکراتے
ہوئے جواب دیا "آشرم میں سورج ٹھیک چار بجے نکل آتا ہے"
بعد کو مجھے معلوم ہوا کہ "آسن" جو مجھے دی گئی تھی اُس کے
معنی یہ تھے کہ میری بہت عزت کی گئی ہے کیونکہ وہاں کے کام
کرنے والے لوگ جو میرے بعد سکریٹری صاحب سے ملنے آتے
زمین پر ہی بیٹھ گئے۔

سکریٹری صاحب نے کہا کہ ۸ بجے تک تیار ہو کر گاندھی
جی سے مل لو اور اُس کے بعد تمھیں کام سپرد کر دیا جائے گا۔
مجھے اُمید ہے کہ آپ کو سن کر گھن نہ محسوس ہوگی اگر
میں آپ کو یہ بتلاؤں کہ پہلا کام جو مجھے سپرد کیا گیا پاخانہ کی صفائی
تھی۔ آشرم میں قاعدہ ہے کہ وہاں کوئی بھنگی نہیں آتا۔ سب
لوگ پاخانہ کی صفائی خود کرتے ہیں اور خود مہاتما جی نے اکثر
فخریہ بیان کیا ہے کہ میں اپنے کو سب سے بڑا بھنگی سمجھتا ہوں۔
یہاں کا انتظام یہ تھا کہ تین تین آدمیوں کا ایک گروہ
بنایا جاتا تھا اور گروہ تین یا چار پاخانوں کی صفائی کرتا تھا۔
آشرم میں چھ یا سات مستقل پاخانے تھے اُن کے علاوہ دو تین
پیشاب خانے اور دو ایک (چلتے پھرتے) پاخانے تھے دو گروہ

ان کی صفائی دو گھنٹہ میں کر لیتا تھا یہ چلتے پھرتے پاخانے لکڑی کی دھنیوں کے بنے ہوئے تھے کہ چار لکڑیاں کھڑی کھڑی ہوتی تھیں اور ان میں لکڑیاں آڑی آڑی ٹھوک دی جاتی تھیں اور ایک ڈھانچہ بن جاتا تھا ان کھڑی کھڑی لکڑیوں میں دو لکڑیاں اس طریقے برابر برابر ٹھونک دی جاتی ہیں کہ ان کے سرے داہنے بائیں نکلے ہوتے ہیں تاکہ اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ اُٹھا کر لے جا سکیں پھر تین طرف ٹاٹ کے موٹے پردے کیلوں سے لکڑی میں ٹھونک دئے جاتے ہیں جو کھل نہیں سکتے۔ اب ایک طرف کھلا رہ جاتا ہے اس رُخ پر داہنے بائیں تھوڑا تھوڑا پردہ تو لکڑی میں اسی طرح ٹھونک دیا جاتا تھا اور بیچ میں ایسا پردہ لگا دیا جاتا تھا جسے ہٹا کر آدمی اندر داخل ہو سکے۔ اس کے بعد اندر کی طرف دو پیڑے بڑے بڑے نیچے دو طرف کی لکڑیوں میں ٹھونک دئے جاتے تھے اور ان کے نیچے گڈھا کھود دیا جاتا تھا۔ اور اس گڈھے کی مٹی اسی کے قریب ڈال دی جاتی تھی جس کے پاس ایک پھاوڑا بھی رکھا ہوتا تھا اور ایک بالٹی پانی یہ چلتا پھرتا پاخانہ ہوتا تھا اور جو آدمی اس کو استعمال کرتا تھا وہ پاخانہ سے فارغ ہونے کے بعد پھاوڑے سے مٹی اُس گڈھے میں ڈال دیتا تھا اور اس طرح سے اُس مٹی سے بدبو کبھی نہیں پیدا ہوتی تھی۔ اس مٹی میں پاخانہ کی صفائی کرنے والوں کو صرف یہ کام رہتا تھا کہ اگر کوئی شخص پاخانہ استعمال کرنے کے بعد گڈھے میں مٹی ڈالنا بھول جائے یا چوکی پر پانی وغیرہ گر پڑے تو انہیں مٹی ڈال دے یا چوکی کو دھو دے اس مٹی میں اگر صرف ایک آدمی روزانہ جاتا تو پندرہ بیس روز تک یہ گڈھا استعمال ہو سکتا تھا۔ جب یہ گڈھا بھر جانے کے بالکل قریب ہو جاتا تھا تو لکڑی کی اس ٹٹی کو اُٹھا کر دوسری جگہ رکھ دیا جاتا تھا جہاں گڈھا پہلے سے تیار ہوتا تھا اور جب یہ گڈھا بھی بھر جاتا تو تیسری جگہ غرضکہ اسی طرح ٹٹی اُٹھا اُٹھا کر دوسری جگہ رکھی جا سکتی تھی اور جب گڈھا بھر جاتا تو اُسے اچھی طرح سے پاٹ دیا جاتا تھا۔

میں نے اُن چلتے پھرتے پاخانوں کو خاص طور سے یہاں اس لئے بیان کیا ہے کہ میں نے اپنی گاؤں کی زندگی میں ان پاخانوں کو بہت کار آمد پایا ہے۔ جن لوگوں کو گاؤں میں رہ کر گاؤں سدھار کے کام کا موقع ملا ہے وہ جانتے ہیں کہ گاؤں والوں کی سب سے بُری عادت یہ ہے کہ یہ اپنے مکانوں میں پاخانہ کا کوئی انتظام نہیں کرتے۔ لوگ صبح اُٹھ کر زیادہ تر میدان یا جنگل میں چلے جاتے ہیں۔ حیادار عورتیں چار بجے صبح اُٹھ کر جاتی ہیں اگر دن میں جب کسی عورت کو ضرورت پڑ جاتی ہے تو اس کو بہت سخت پریشانی ہوتی ہے۔ اُس کے علاوہ گاؤں کے چاروں طرف کا حصہ فرلانگ دو فرلانگ کی دوری تک بالکل گندہ ہو جاتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ پاخانہ کا ایک حلقہ بن جاتا ہے جو گاؤں کے چاروں طرف ہونے کی وجہ سے مستقل طور سے گاؤں کی ہوا کو خراب کرتا رہتا ہے گرمیوں میں ہیضہ اور برسات میں میعادی بخار پیدا کرتا ہے یہ عادت صرف بے پڑھے لکھوں ہی میں نہیں بلکہ میں نے بڑے بڑے تعلیم یافتہ طبقوں میں بھی پائی ہے سنہ ۱۹۲۷ء یا شاید سنہ ۲۸ء میں ہردوار میں کمبھ کا میلہ تھا۔ اس موقع پر گوروکل کانگڑی کا سالانہ جلسہ بھی تھا۔ لاکھوں آدمی پنجاب یوپی اور ہندوستان کے مختلف حصّوں سے اس جلسہ میں شرکت کے لئے آئے تھے۔ میں بھی ایک روز دس بجے دن کے قریب ہردوار سے کانگڑی اس جلسہ میں شریک ہونے کے لئے گیا اور آپ یقین نہ کریں گے مگر یہ واقعہ ہے کہ جب جلسہ کا پنڈال ایک میل کے قریب رہ گیا تو ایک بے حد بدبودار پاخانہ کا حلقہ ملا جو کم سے کم ایک فرلانگ تک ضرور رہا ہوگا اس حلقہ سے میرا قدم نہیں اُٹھتا تھا مگر جلسہ میں شریک ہونے کی لالچ نے ہی مجھے اس نرک کو پار کرنے کے لئے مجبور کیا۔ لیکن اس وقت ہندوستان کا ہر گاؤں اس قسم کے نرکوں سے گھرا ہوا ہے اور اس کی صفائی اور اس طریقہ کا سدھار گرام سدھار کے محکمہ کا ایک سب سے زیادہ ضروری مسئلہ ہے

میرا خیال ہے کہ گاؤں میں اگر اس قسم کے چلتے پھرتے پاخانے بنائے جا سکیں تو کم سے کم عورتوں کے لئے بہت مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔ میں نے اس کا تجربہ ایک مرتبہ اپنی گاؤں

کی زندگی میں کیا اور مجھے ایک حد تک کامیابی بھی ہوئی لیکن میں
اُسے جاری نہ رکھ سکا پھر بھی میرا خیال ہے کہ اگر گرام سدھار کے
لوگ اس مسئلہ کو حل کرتے وقت میرے تجربہ کو بھی مدنظر رکھیں
تو شاید انھیں کچھ آسانی ہو۔

میں نے اپنا ایک کھیت جو قریب دس بسوہ کے رہا ہوگا
پرتی چھوڑ دیا۔ اور ڈھاک کے پتوں کی ٹٹیاں ایک قطار
میں بنوا دیں اور اس میں ۲ فٹ گہرا اور ایک فٹ چوڑا گڑھا
کھدوا دیا۔ اور گاؤں والوں سے کہدیا کہ تم ان کو استعمال
کرسکتے ہو۔ عورتوں نے اس انتظام کو خاص طور سے پسند کیا۔
کچھ مردوں نے بھی۔ مگر اس میں دقت یہ ہوتی تھی کہ دن بھر
میں کم سے کم ایک مرتبہ ان ٹٹیوں کے اندر جاکر مٹی وغیرہ ڈالکر انھیں
درست کرنا ضروری تھا۔ دس پانچ روز تک میں نے خود اس
کام کو کیا اور مجھے یہ تجربہ ہوا کہ اگر ایک آدمی ایک گاؤں میں اس
کام کے لئے مقرر کر دیا جائے تو یہ گڈھے کھود کر پاخانہ دبانے کا
طریقہ یعنی ٹٹیوں والا پاخانہ بہت کامیاب ہوسکتا ہے۔ زمین کی دقت
بالکل نہ ہوگی کیونکہ ہر کسان اپنی زمین کو پرتی کے لئے چھوڑ دیتا ہے
اور سب ہی اس بات کے لئے تیار ہو جائیں گے کہ ان کے کھیتوں
میں اس قسم کے گڈھے کھودے جائیں کیونکہ چار مہینہ کے بعد اس
طرح سے ان کا کھیت کہیں زیادہ طاقتور بن جاتا ہے۔

لیکن میں بہک گیا۔ میں یہاں کہہ رہا تھا کہ جب میں آشرم
پہنچا تو مجھے جو پہلا کام سپرد ہوا پاخانہ کی صفائی تھی۔ چنانچہ میرے
دوسرے ساتھی اپنے ساتھ مجھے لے گئے۔ گڈھے کھدے تیار تھے۔
مجھے یہ کام بتایا گیا کہ میں بالٹیاں اُٹھا کر گڈھوں تک پہنچاؤں۔
میں یہاں پر یہ بتا دوں کہ آشرم میں مستقل قسم کے پاخانے
چھوٹے چھوٹے کمروں کے اندر بنے ہوئے تھے جیسے بنگلوں میں ہوتے
ہیں یہاں پتھر کا فرش ہوتا تھا دو چھوٹی چھوٹی دیواریں دو فٹ اونچی
دو اینٹوں کی اُٹھا دی جاتی تھیں اور ان پر لکڑی کے دو تختے
بڑے بڑے رکھ دے جاتے تھے ان کے نیچے اوپر دو بالٹیاں رکھدی
جاتی تھیں، ایک پیشاب کے لئے اور دوسری پاخانہ کے لئے۔ ایک
طرف کونے میں مٹی رکھی ہوئی تھی پانی اور تالوٹ کا بھی وہیں انتظام ہوتا
تھا۔ جو آدمی ان پاخانوں کو استعمال کرتا تھا اس کا یہی فرض
ہوتا تھا کہ وہ بالٹی میں مٹی ڈالدے۔

جسمانی حیثیت سے یو۔پی کے آدمی گجرات کے باشندوں
سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں اس لئے میرے لئے یہ مشکل بات
نہ تھی کہ دو بالٹیاں ایک وقت میں ایک جگہ سے دوسری جگہ
پہنچا دوں۔ آدھ گھنٹہ کے اندر میں نے چھ بالٹیاں اس گڈھے
کے قریب لاکر رکھ دیں جس میں پاخانہ پاٹا جانے والا تھا۔
میرے دوسرے ساتھی اس درمیان میں پانی کی دو بالٹیاں
اس جگہ لا چکے تھے۔ مجھے آج کا دن اس کام سے مانوس ہونے
کے لئے ملا تھا اس لئے کراہت کا کام نہیں دیا گیا۔ اور تیسرے
ساتھی جو کچھ کرتے تھے اس کو سمجھاتے جاتے تھے۔ ان کے ہاتھ میں
ایک چھوٹی سی جھاڑو تھی۔ اُنھوں نے پاخانہ کی بھری بالٹی
اُٹھائی اور اُسے گڈھے میں اُنڈیل دیا۔ اس طرح سے اُنھوں نے
تمام بالٹیوں کا پاخانہ گڈھے میں ڈالدیا۔ ظاہر ہے کہ یہ بالٹیاں
صاف نہیں ہو سکی تھیں اس لئے پیشاب کی بالٹیوں کا پیشاب ان
میں ڈال دیا گیا پھر میرے تیسرے ساتھی نے چھوٹی جھاڑو سے پاخانہ
کی بالٹیوں کو کھنگھول کھنگھول کر صاف کرنا شروع کیا اور سارا
مواد اسی گڈھے میں ڈال دیا۔ اس کے بعد جو دو بالٹی صاف
پانی آیا تھا اُن میں سے میں ایک ایک تالوٹ پانی اُن بالٹیوں میں
ڈالنے لگا۔ پانی کی دھار اُوپر سے پڑتی تھی اور میرے ایک
ساتھی جھاڑو سے پاخانہ کی بالٹی اچھی طرح صاف کرتے جاتے تھے
دو منٹ کے اندر پاخانہ کی یہ بالٹی اتنی صاف ہو گئی کہ پانی
پینے والی بالٹیاں بھی اتنی صاف نہ ہوں گی۔ آدھ گھنٹہ کے
اندر تمام بالٹیاں صاف کرکے ایک قطار میں لگا دی گئیں۔
گڈھے پر مٹی ڈال دی گئی، جھاڑو سے آس پاس صفائی کردی
گئی اور ہم سب پچھلے دن کی رکھی ہوئی ساری بالٹیاں لے کر
پاخانوں میں پہنچ گئے۔ فرش پانی سے اچھی طرح صاف کیا گیا
تختوں پر، دیوار پر، ادھر اُدھر، جو کچھ چھینٹیں وغیرہ پڑی تھیں
پانی سے دھو دی گئیں جہاں مٹی کم تھی وہاں مٹی رکھ دی گئی۔
پانی کی بالٹی بھر دی گئی۔ اور یہ نیا سٹ باقاعدہ پھر لگا دیا

گیا۔ ڈیڑھ گھنٹہ کے اندر آشرم کے تمام پاخانوں کی صفائی ہوگئی۔ سابرمتی ندی بالکل پاس ہی بہتی ہے۔ سب کے سب جاکر وہاں نہائے اور آدھ گھنٹہ کے بعد پاک صاف باہر نکل آئے۔

آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ میری طبیعت کو یہ کام پہلے کتنا ناگوار گزرا ہوگا اور میرے دل میں کراہت کے جذبات کس قدر پیدا ہوئے ہوں گے لیکن یہ ساری کراہت اور الجھن صرف چار روز تک رہی اس کے بعد میں اس کام کا عادی ہی نہیں ہوگیا بلکہ مجھے اُس کے کرنے میں ایک خاص قسم کی روحانی مسرت معلوم ہونے لگی۔

میرے آشرم پہنچنے کے چودہ پندرہ روز کے بعد پنجاب سے ایک صاحب تشریف لائے۔ ایم اے پاس تھے۔ شیروانی، کرتہ، چوڑی دار پائجامہ پہنے ہوئے۔ بغیر کمانی کی عینک لگی ہوئی اور بال بنے ہوئے۔ اُن کو بھی پہلے وہی کام سپرد ہوا جو مجھے دیا گیا تھا۔ اتفاق سے اُس دن اُن کا ساتھ میں ہی تھا۔ چنانچہ وہ میرے ساتھ کام کرنے چلے۔ شیروانی تو انھوں نے اتار دی مگر کرتہ اور پائجامہ پہنے رہے۔ اُس دن زیادہ تر کام تو میں نے کرلیا مگر پیشاب کی بالٹیاں ان کو بھی لانی پڑیں لیکن اُن کا کرتہ ان کے کام میں حائل ہوا اور جب وہ بالٹیاں لے کر گڑھے کے پاس پہنچے تو کرتہ کا دامن تر تھا۔ انھوں نے یہ دیکھ کر کرتہ اُتار دیا مگر پائجامہ پہنے رہے۔ اور دو چار روز تک اسی طرح کام کیا۔ لیکن ننگے پیٹ اور پائجامہ پہنے ہوئے وہ عجب طرح کے معلوم ہوتے تھے دوسرے پائجامہ پہن کر چلنے پھرنے میں بھی کچھ دقت ہوتی تھی چنانچہ اُنھیں یہ پائجامہ بھی اُتارنا پڑا اور اب ان کا لباس ایک اونچا کرتہ اور ایک جانگھیا ہوگیا اس لباس میں وہ صفائی کا کام نہایت آسانی سے کرسکتے تھے، نہ کپڑا خراب ہوتا تھا اور نہ کسی کام کے کرنے میں خود انھیں کوئی دقت محسوس ہوتی تھی لیکن ان کی بے کمانی کی عینک اب بھی لگی تھی ایک روز جب وہ بالٹی صاف کر رہے تھے ان کی عینک جھک کر بالٹی کے اندر گر پڑی۔ بیچارے نے اُسے نکالا سابرمتی میں خوب صفائی کی اس کے بعد وہ جب بالٹی صاف کرتے تو عینک اُتار کر قریب ہی رکھ دیتے۔ ایک روز اتفاق سے انکا پاؤں عینک پر پڑگیا اور عینک ٹوٹ گئی۔ بے کمانی کی عینک کو اس دن سے اُنھوں نے خیرباد کہا اور معمولی ۱۲ روالی فریم کی عینک لے آئے گاؤں کے کام میں فیشن کی بہت کم گنجائش ہے۔

(باقی آئندہ)

گھریلو سستی دوائیاں

۱- کھانسی

(۱) املیس کا چورن اور شہد ملا کر کھانے سے کھانسی مٹتی ہے۔

(۲) آدی کا ایک تولہ رس اور شہد ملا کر چاٹنے سے کھانسی دور ہوتی ہے۔

(۳) مصری اور آنولے کا چورن ملا کر کھانے سے پرانی کھانسی چھوٹتی ہے۔

۲- چوٹ لگنا۔

(۱) ہلدی، چونا، شہد، چوٹ سبھی ایک میں پیس کر گرم گرم کرکے لیپ کرے۔

۳- موچ پڑ جانا۔

(۱) نمک ملے ہوئے گھی کو گرم کرکے لگاؤ۔

۴- جوں یا لیکھ پڑنا۔

(۱) ناگربیل کے پتوں کے رس میں پارہ کھرل کرکے لگا دے۔

۵- بیوائی

(۱) بکری کے دودھ اور کتھے میں پیس کر لگا دے۔

(۲) نیم کی چھال کی راکھ پانی سے دھوئے ہوئے گھی میں ملا کر لگا دے۔
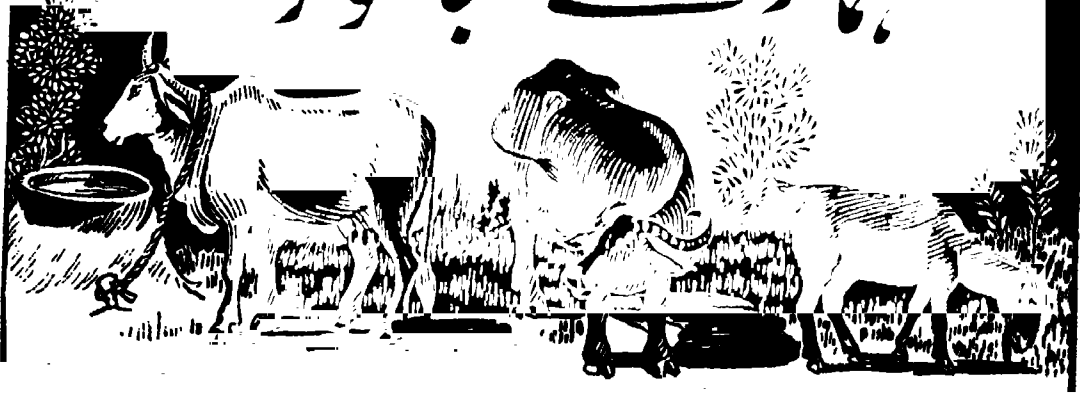
مویشیوں کی سب سے بُری بیماری

رنڈرپسٹ (ماتا)

(جناب طفیل احمد صدیقی، وٹینریری انسپکٹر، سول وٹینریری ڈپارٹمنٹ یو۔پی لکھنو)

ہندوستان میں مویشیوں کو بہت طرح کی بیماریاں ہوتی ہیں ان میں سے وہ بیماریاں سب سے زیادہ جان لیوا ہوتی ہیں جو چھوت سے پھیلتی ہیں۔ چھوت سے پھیلنے والی بیماریوں میں ماتا (رنڈرپسٹ) (انتھریکس) زہرباد (بلیک کوارٹر) ہانھ منہ کی بیماری (کھُرپکا) اور گلا گھونٹ (ہیمورجک سپٹی سیمیا) بہت بُری بیماریاں ہیں۔

لیکن ان بیماریوں میں بھی رنڈرپسٹ کی بیماری سب سے زیادہ خراب ہے اور اس کا اثر ہمارے دیس کی گھر گرہستی اور مالی حالت پر خاص طرح سے پڑتا ہے۔ یہ چھوت والی بیماری مویشیوں کی آبادی اور انکے پالنے والوں کے لئے بہت بُری تباہی کا کارن ہے۔ اس سے کسان بہت زیادہ غریب ہوجاتے ہیں۔ یہ بیماری اس صوبہ میں اور ہندوستان کے دوسرے حصّوں میں برسات کے موسم میں بہت زیادہ پھیلتی ہے۔ سال کے اور دنوں میں کمی کے ساتھ رہتی ہے۔ گاؤں والوں کو یہ جان لینا بہت ضروری ہے کہ یہ بیماری کیا ہے کیسے ہوتی ہے اور اس سے مویشیوں کی کتنی زیادہ جانیں جاتی ہیں تاکہ اس بیماری کو روکنے کا اپائے فوراً کیا جاسکے اور اس بیماری میں مرے ہوئے جانور سے دوسرے تندرست جانوروں میں اسکو پھیلنے نہ دیا جاسکے۔

بیماری کی پہچان

مویشی خاص کر وہ جو ابھی بڑے نہیں ہوئے ہیں اس بیماری میں پھنس جایا کرتے ہیں ان کی کچھ نسلیں آسانی سے اس میں پھنس جاتی ہیں اور کچھ ذرا مشکل سے پھنستی ہیں اور پہاڑی جانور اور وہ جانور جن میں دوسرے ملکوں کا خون ملاہے اکثر اس بیماری میں زیادہ آسانی سے پھنس جاتے ہیں۔ اس بیماری کے شروع ہونے کی پہچان یہ ہے سب سے پہلے تیز بخار آتا ہے کھال سخت ہوجاتی ہے اور بہت زیادہ سستی اور کمزوری پیدا ہوجاتی ہے جگالی رُک جاتی ہے اور بھوک مرجاتی ہے۔ چراگاہوں میں وہ سر اور کان گرائے اور پیٹھ ٹیڑھی کئے ہوئے دوسرے مویشیوں سے الگ کھڑے رہتے ہیں۔ پیاس

بڑھ جاتی ہے۔ پہلے سے زیادہ دیر کرکے پاخانہ ہوتا ہے۔ اور جو گوبر نکلتا ہے وہ سوکھا اور کالے رنگ کا ہوتا ہے۔ پیشاب کم ہوتا ہے اور وہ بھی زیادہ کالے رنگ کا ہوتا ہے۔ دودھ پتلا اور پانی کا سا ہو جاتا ہے اس کا رنگ پیلا پڑ جاتا ہے دودھ شروع ہی سے بہت کم ہو جاتا ہے۔ جانور رہ رہ کر اپنے دانت پیستے ہیں اور ان کے پورے جسم میں تھوڑی تھوڑی دیر بعد کپکپی پیدا ہوتی ہے۔ آنکھوں کی بھیتری رگیں تیز لال رنگ کی ہو جاتی ہیں اور پپوٹے سوج جاتے ہیں۔ آنسو بہت نکلتے ہیں جو کہ بعد میں گاڑھے ہو جاتے ہیں اور دیکھنے میں گندے معلوم ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی ایک یا دونوں آنکھیں بادل کے رنگ کی سی دکھائی دینے لگتی ہیں۔ نتھنوں سے پہلے بہت صاف چمکیلی جھاگ سی گرتی ہے جو بڑھ کر موٹی اور گندی ہو جاتی ہے نتھنوں،

ہونٹ اور مسوڑھے پر پیپ پڑے ہوئے داغوں کو دیکھو

ہونٹوں، مسوڑھوں اور زبان کی بھیتری رگیں کس جاتی ہیں اور منہ سے برابر پانی نکلتا رہتا ہے۔ بیماری کے پانچویں یا چھٹے دن سوئی کی نوک برابر بہت چھوٹے چھوٹے چھالے ہونٹوں اور مسوڑھوں کے اوپر اور زبان کے نیچے دکھائی دینے لگتے ہیں جو جلدی ہی چھوٹے چھوٹے گھاؤ یا ایسے ناسور ہو جاتے ہیں جن سے پیپ رسنے لگتی ہے۔

بیماری کے یہاں تک پہنچ جانے پر بہت تیزی

کے ساتھ دست
ہونے لگتا ہے جس
میں خون بھی ملا
رہتا ہے اور جس
کی بو بہت زیادہ
خراب ہوتی ہے۔
پیچھے کے پاؤں
اور پونچھ دست میں
لت پت ہو جاتے
ہیں اور جانور بالکل
کمزور ہو جاتا ہے۔
دست شروع
ہوتے ہی بخار اکدم
گھٹ جاتا ہے اور
جانور میں کھڑے رہنے
کی سکت نہیں
رہ جاتی۔ وہ لیٹ
جاتا ہے اور اپنے
آس پاس کی چیزوں
سے بالکل بے خبر
ہو جاتا ہے۔ اس
کے بعد جانور مر جاتا
ہے۔ جانور کی موت
بیماری شروع ہونے
سے دس بارہ دن کے
اندر ہی آ جاتی ہے۔

دست کو دیکھو

یہ بیماری کیسے پھیلتی ہے؟

بیمار جانور کے جسم سے بیماری کے دنوں میں جتنی چیزیں نکلتی ہیں جیسے پھین، جھاگ، آنسو، رال، پیشاب، پاخانہ، خون، یہ سب کی سب چیزیں بیماری کو پھیلانے والی ہیں۔ اگر تندرست جانوروں کا چارہ یا پانی ان میں سے کسی چیز سے چھو جاتا ہے یا بیمار جانور کا چھوڑا ہوا چارہ یا پانی ان کو دے دیا جاتا ہے تو تندرست جانور بیمار پڑ جاتے ہیں۔

دست اور کمزوری کو دیکھو۔

مویشیوں کے میلے، کھالوں کی تجارت ریل گاڑی یا ٹرک سے جانوروں کی کھیپ پنجاب کے صوبے سے بڑے بڑے میلوں میں آنا، اور وہ تمام باتیں جن سے بیمار جانور اچھے جانوروں کے ساتھ ملتے ہیں اس بیماری کو پھیلانے کا خاص سبب ہیں۔ انھیں باتوں سے یہ بیماری ایک جگہ سے دوسری جگہ پہونچتی اور تندرست جانوروں کو بھی اپنا شکار بناتی ہے۔ یہ بیماری ایسے لوگوں کے ساتھ بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتی ہے جو بیمار جانور کے جسم یا اس کی کسی چیز سے چھو گئے ہوں۔

یہ بیماری کیسے روکی جاسکتی ہے

اگر اس پھیلنے والی بیماری کو روکنے کی تدبیر فوراً کی جائے تو مویشیوں کی جانوں کا کوئی خاص نقصان نہ ہونے پائے گا۔ گاؤں میں جیسے ہی یہ بیماری شروع ہو جب پہلا جانور بیمار ہو اور اُس میں اس بیماری کی کچھ بھی پہچان دکھائی دے تو اُسی وقت اس کی اطلاع یا تو اپنے آپ یا گاؤں کے پٹواری یا چوکیدار یا کسی اور ذریعے سے اُس ویٹنری ہاسپٹل (مویشیوں کے اسپتال) کو بھیجی جائے جو گاؤں سے قریب ہو۔ ہر گاؤں میں وہاں کے پٹواری کو ٹکٹ لگے ہوئے کارڈ دے دیے گئے ہیں اور اس کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ایسی کوئی اطلاع پاتے ہی فوراً کارروائی کرے اور ذرا دیر نہ ہونے دے۔ کُل بیمار جانور یا وہ جانور جن پر اس بیماری کا شک ہو بالکل الگ رکھے جائیں اور جو چارہ یا پانی یہ جانور چھوڑ دیں اُسے تندرست جانوروں کو نہ دیا جائے۔ بیمار جانوروں

دیکھو تندرست بچھوا اپنی بیمار ماں سے چھو جانے کے
بعد بیمار پڑنے ہی والا ہے اس عورت کے ہاتھوں کو بھی دیکھو
جن میں بیماری پھیلانے والا گوبر بھرا ہوا ہے۔
یہ بھی دیکھو کہ آنکھ سے کیسا پانی بہہ رہا ہے۔

کو راستے چراگاہوں اور دوسری
جگہوں سے دور رکھا جائے اور
تندرست جانوروں کو بیمار جانور
کے پاس نہ جانے دیا جائے۔ جو
لوگ بیمار جانور کی دیکھ بھال یا
دوا کرتے ہیں۔ اُن کو بیمار جانور
کو دوا وغیرہ دینے کے بعد اپنے ہاتھ
پاؤں اچھی طرح دھو لینا چاہئے۔
جو برتن یا ٹوکری بیمار جانور کے
کام میں لائی جائے۔ وہ الگ ہی
رکھی جائے۔

تندرست جانوروں کو اس
بیماری سے بچنے کے لئے ٹیکے لگائے
جاتے ہیں۔ ٹیکے لگ جانے کے
بعد کافی دنوں تک وہ اس بیماری
سے بچ جاتے ہیں۔ ٹیکہ بہت معمولی
طرح اور بہت آسانی سے لگایا جاتا
ہے اور اس سے جانوروں کو کوئی
پریشانی نہیں ہوتی ہے۔

سول ویٹیری محکمے کی
طرف سے جانوروں کو بالکل
مفت ٹیکہ لگایا جاتا ہے گاؤں
والوں کو اپنے ہی فائدے
کے لئے یہ مفت کام اس
محکمے سے لینا چاہئے۔ اس بیماری
میں جو جانور مر جاتے ہیں۔
ان کو یا جلا ڈالا جائے۔ یا
گہرے گڈھے میں گاڑ دیا جائے اس لئے کہ اگر انھیں جنگلی
جانوروں کے لئے کھلے میدان میں چھوڑ دیا گیا تو اس
سے بیماری پھیل سکتی ہے۔

اگر ہو سکے تو مرے ہوئے جانور کے جسم کی ان جگہوں
کو جہاں سے کچھ چیزیں نکل رہی ہیں فنائل میں ڈبوئے
ہوئے چیتھڑوں سے بند کر دینا چاہئے تاکہ اس جسم کو سے

دیکھو تندرست جانوروں کو ٹیکہ لگایا جا رہا ہے۔ کتنی آسانی سے ٹیکہ لگ جاتا ہے!

جلانے کی تیاری ہو رہی ہے۔

جلایا جا رہا ہے۔

گاڑا جا رہا ہے۔

گڑھا کھودا جا رہا ہے۔

جاتے وقت زمین پر اُس سے کوئی چیز نہ ٹپکے۔ ایسے جانور کی کھال کسی طرح بھی نہ نکالی جائے۔ اُسے بھُس کے ساتھ جلا ڈالا جائے یا زمین میں توپ دیا جائے۔ ہر گاؤں میں ایک ایسی جگہ بنانا چاہیئے جہاں ایسے جانوروں کی لاشیں جلائی جائیں۔ یہ بہت اچھی بات ہے اور بہت کم خرچ میں ہوسکتی ہے۔ اُس کی چھیچھڑیں۔ فنائل لوشن سے دھو کر اچھی طرح صاف کرلی جایا کریں اور مرے ہوئے جانوروں کے کام میں جو چیزیں لائی گئی ہوں انھیں اُنکی لاشوں کے ساتھ یا جلا ڈالا جائے یا زمین میں گاڑ دیا جائے

صفحہ ۶۷ پر چھپے ہوئے سوال کا جواب

(۱) تیر چلا رہا ہے۔ (۲) سائکل چلا رہا ہے۔ (۳) کرکیٹ کا بال پھینک رہا ہے۔ (۴) اونچی کود۔ (۵) تیر رہا ہے۔ (۶) گھٹنوں چل رہا ہے۔ (۷) اسکپنگ۔ (۸) بندوق چلا رہا ہے۔ (۹) پولیس مین راستہ بتا رہا ہے۔ (۱۰) گولف کھیل رہا ہے۔

ہماری گاؤں میں رہنے والی بہنیں

(شریمتی تارا پانڈے)

دیہاتی زندگی میں عورتوں کی حالت کسی سے چھپی نہیں ہے۔ ان کی زندگی بالکل اندھیرے میں ہے حالانکہ ان کا کام ضرور بڑا ہے۔ یہ ماننے میں بھی کسی کو اعتراض نہیں کہ ان کو اپنی طاقت سے زیادہ محنت کرنا پڑتی ہے لیکن اس سے کیا۔ جانوروں کی طرح صرف جسمانی محنت کرنے سے ہی آج کا مسئلہ حل نہیں ہو جاتا۔ روحانی تاریکی کو دور کرنے کے لئے اور دماغی اصلاح کے لئے کچھ اور چیزوں کی ضرورت ہے جن کے بغیر ہم جاہل ہیں۔

زمانہ حال میں گاؤں سدھار کے کام میں جہاں تک مجھے معلوم ہے صرف مردوں کا ہی ہاتھ رہا ہے اور انھیں کے نقطۂ نظر سے کام ہو رہا ہے۔ سُدھار اسکیم میں بھی مجھے تو معلوم ہوتا ہے عورتوں کی تعلیم پر کوئی خاص دھیان نہیں دیا گیا۔ جو تعلیم ہماری ہر قسم کی ترقی میں مدد نہیں دے سکتی وہ مکمل نہیں کہی جا سکتی۔

جس طرح عیسائی مذہب والے اپنی عورتوں کو آگے رکھ کر دھرم کا پرچار کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں اسی طرح گاؤں سدھار کے کام میں عورتوں کی جگہ پہلے ہونا چاہئے میرا خیال ہے کہ عورتیں بڑی قابلیت سے جلدی اور لگن کے ساتھ یہ کام کریں گی۔

شہروں کی خراب فضا کا اثر گاؤں پر بھی پڑتا ہے خا عورتوں پر۔ شہر اور گاؤں کی رہن سہن علٰحدہ علٰحدہ ہیں سیدھی سادی گاؤں میں رہنے والی بہنوں کے لئے شہ زندگی صرف دیکھنے ہی میں بھلا معلوم ہوتا ہے وہ اسی طر کی زندگی بسر کرنے کی خواہش کرتی ہیں۔ نقل کرنے میں پ رہنا نہیں چاہتیں اس کا نتیجہ بہت خراب ہوتا ہے۔ لیکن اسک بھی تعلیم کی ضرورت ہے جس سے کہ برائیوں کو چھوڑ کر اچ کی نقل کریں۔ کسی دیس یا کسی قوم کی ترقی اور تنزلی وہا عورتوں ہی پر منحصر ہے۔ یہ ایک معمولی سی بات ہے۔ ہما دیش کے انقلاب کا زمانہ ہے۔ دیش کے لیڈر آج یہاں کی میں سدھار یا تبدیلی کر کے اس کا کایا پلٹ کرنے کی دھن لگے ہوئے ہیں بھارت درش میں گاؤں ہی خاص چیز ی یہاں کے مرد عورت زیادہ تر گاؤں میں رہتے ہیں لہٰذا گر میں ہی اس دیش کی ترقی کا دارومدار ہے۔ دیکھنا ہے کہ کام میں عورتوں کا کیا فرض ہے اور وہ کہاں تک اس دے سکتی ہیں۔

گاؤں سُدھار کی اسکیم میں سب سے ضروری کام

پرچار پر ہے۔ تعلیم کے پرچار میں عورتوں کو کافی تعداد میں آگے بڑھنا ہی ہوگا۔ بالغ عورتوں میں تعلیم دینے کا کام عورتیں بخوبی کر سکیں گی۔ کیونکہ یہ کام مردوں سے اتنا اچھا نہ ہو سکے گا۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کو مردوں کی بہ نسبت عورتیں زیادہ اچھی طرح تعلیم دے سکتی ہیں۔ یہ بات تمام ماہرین تعلیم مان چکے ہیں۔ اس لئے تعلیم کے پرچار میں اگر عورتیں آگے نہ بڑھینگی تو ان بدیسی عورتوں کے سامنے شرمندہ ہونا پڑیگا۔ جنھوں نے اپنے اپنے دیس کے لئے سب کچھ قربان کر دیا۔ یہاں ہمیں انکی نقل کرنے میں پیچھے نہ رہنا چاہیے۔

اپنے وقت کو گاؤں میں جاکر بتانا ضروری ہے جو استریاں اس کے لئے تیار ہیں انھیں گاؤں کی استریوں میں اس طرح ہل مل جانا ہوگا کہ ان کی روزانہ ضرورتوں اور کمزوریوں کا ٹھیک ٹھیک پتہ لگا سکیں۔ کیونکہ بغیر ان باتوں کا پتہ لگائے اُن کے سدھار کے لئے کوشش نہیں کی جاسکتی۔ اس سلسلہ میں ایک اور بات دھیان میں رکھنے کے قابل ہے۔ وہ یہ کہ کچھ استریوں کو خاص کر تھوڑی بہت ڈاکٹری سکھانا چاہئے فرسٹ ایڈ اور نرسنگ کی ضروری باتیں سیکھ لینا چاہئے تاکہ ان میں جو اچھے اور سہل طریقے ہوں ان کو کام میں لائیں۔ گاؤں میں اکثر نعل کاٹنا۔ زچہ کی دیکھ بھال اور زچہ خانہ کا سارا انتظام ان چماریوں کے ہاتھ میں رہتا ہے جنہیں کچھ بھی واقفیت نہیں ہوتی۔ اکثر ایسا ہو جاتا ہے۔ کہ بچہ اور ماں دونوں کی ساری زندگی خراب ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس طرف دھیان دینا بہت ضروری ہے۔

دھیرے دھیرے ہم لوگوں میں ہاتھ سے کام کرنا برا سمجھا جانے لگا ہے۔ کام کرنا صرف غریبوں کا کام ہے۔ یہ غلط فہمی پھیلتی جارہی ہے لیکن ایسا سوچنے والوں کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ کوئی بھی کام اپنے آپ اچھا یا برا نہیں ہوتا۔ ہاں اس کو کرنے کا طریقہ اچھا یا برا ہو سکتا ہے۔ کھانا پکانا۔ سلائی کرنا پھول پتی لگا کر باغیچہ لگانا۔ گاؤں میں رہنے والوں سے کھیتی کا کام کرانا گھر کو صاف رکھنا اور بچوں کی دیکھ بھال خاص کر عورتوں کی۔ یہ بہت ضروری کام ہیں۔

عورتوں کی ضرورتوں کو سمجھ کر کتابیں تیار کرانی چاہیئے۔ اس کے لئے کچھ خاص آدمیوں کا مقرر کیا جانا ضروری ہے۔ جو گاؤں میں جائیں اُن کی حالت کو دیکھیں اور سمجھیں۔ اُن سے واقف ہوں اور ہمدردی کے ساتھ اُن کو تعلیم دینے کا کام کریں۔ اُستانیاں عورتوں سے ملیں۔ پڑھنے کی طرف اُن کو رغبت دلائیں۔ کتابیں لا کر دیں۔ آدرش ناری اور اچھی اور قابل ماں بننے کے لئے تعلیم کی ضرورت ہے۔ کسی بھی کام میں عورتوں کو پیچھے رکھ کر ترقی کی اُمید کرنا بیکار ہے کیوں کہ آنے والی نسل تب ہی تندرست اور ترقی یافتہ ہو سکے گی جب مائیں پڑھی لکھی ہوں۔ گاؤں میں لائبریریاں کھولی جائیں ہمیں اندرونی روشنی اتنی ہی ضروری ہے۔ جتنی کہ باہری روشنی۔ دماغی غذا کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی جسمانی غذا کی۔ اصلی تعلیم سے ہم میں سوچنے کی طاقت ہوگی ہم آج سے کہیں زیادہ اور اچھے ڈھنگ سے کام کرینگے۔ اپنی ضرورتوں کے لئے دوسروں کا منہ نہ تکیں گے۔

ہاں۔ ہم ترقی چاہتے ہیں۔ گاؤں میں جو پنچایتیں سرکار قایم کرتی جارہی ہے۔ ان میں عورتوں کو بھی جگہ ملنا چاہئے جس سے کہ وہ گاؤں کی پنچایت کے سامنے عورتوں کی ضرورتوں کو رکھ سکیں۔ کتنی ہی ایسی باتیں ہیں جنھیں اس وقت میں مضمون بڑھ جانے کی وجہ سے نہیں لکھ رہی ہوں۔ اگر وقت ملا تو کبھی پھر لکھنے کی کوشش کروں گی۔ اس وقت تو صرف اتنا ہی لکھ کر مضمون کو ختم کرتی ہوں کہ گرام سنگھٹن کے نیک کام میں عورتوں کو حصہ لینا چاہئے اور اس کے لئے انکو ہر طرح کی سہولت دی جانا چاہیے تاکہ عورتیں بہت بڑی تعداد میں گاؤں کی طرف واپس جائیں وہاں اس جوش سے کام کریں کہ بھارت کے یہ سوکھے گاؤں پھر ہرے بھرے ہوں۔

دلچسپ لطیفے

(جناب پیارے لال گرگ)

(۱)

حاکم۔ قیدی تم پر سونے کی گھڑی چرانے کا الزام لگایا جاتا ہے۔

قیدی۔ یہ سراسر جھوٹ ہے۔ ایک تو میں نے گھڑی چرائی نہیں دوسرے وہ سونے کی تھی کب؟

(۲)

"پتاجی، اگر تمھیں راستہ میں سانڈ مل جائے تو ڈر وگے نہیں؟"

"نہیں"

"اگر بڑا بھاری مکڑا دکھلائی پڑے تو؟"

"تو بھی نہیں"

"جب بادل گرجے اور بجلی چمکے تو؟"

"تب بھی نہیں"

بچے نے سنجیدگی کے ساتھ کہا تو پتاجی دنیا میں آپ کسی چیز سے نہیں ڈرتے صرف ماں سے ہی ڈرتے ہیں۔

(۳)

شیام نے راموسے کہا کہ یہ چمکنے والی پالش بہت اچھی ہے۔ رات کو اسے للو کی ناک پر لگا دیں گے جب وہ دودھ پینے کے لئے اندھیرے میں روے گا تو فوراً پتہ چل جائے گا کہ منہ کہاں ہے اور بتی نہ جلانی پڑے گی۔

(۴)

پردیس سے آٹھ برس کے بعد لوٹنے پر بابو کو کوئی گھر کا آدمی اسٹیشن پر نہیں ملا۔ اسے ایک قلی دکھلائی پڑا جو کہ اس کے بچپن کا ساتھی تھا۔ جب وہ ہاتھ میں بیگ لئے اس کی طرف بڑھا تو وہ کہنے لگا۔ "ارے یار کیا پردیس جانے کی تیاری کر دی؟"

(۵)

جج۔ "چوری کے جرم میں رہائی پانے کے بعد تم نے دوبارہ چوری کیوں کی؟"

قیدی۔ "مجھے اپنے وکیل کا محنتانہ چکانا تھا۔"

چڑیا کہاں ہے؟

شاید آپ کہیں کہ پنجرے کے باہر! غلط ذرا تصویر کو اپنی ناک کے قریب لا کر پھر سے دیکھئے! چڑیا پنجرے کے اندر ہے۔

کیا کر رہے ہیں؟

اوپر جو تصویریں ہیں انھیں دیکھ کر بتاؤ کہ وہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ اگر نہ بتا سکو تو دیکھو صفحہ ۷۳۔

جناب ڈاکٹر ظہور رشید صاحب نائب گرام سدھار افیسر)

ہم اس مضمون میں گاؤں سدھار کی کوئی اسکیم بیان نہیں کرینگے۔ اور نہ تو یہی بتلانا چاہتے ہیں کہ آگے ہم کیا کریں گے۔ اس مضمون میں تو ہم "ہل" کے پڑھنے والوں کو صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ گاؤں سدھار کا کام کس تیزی سے ہو رہا ہے اور ہمارے دیہاتی بھائی عملی طور پر کہاں تک اور کیونکر اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ مثال کے طور پر لکھنؤ، فیض آباد، الہ آباد، جھانسی، آگرہ، بنارس اور کمایوں کو لیجئے۔ اِن حلقوں میں ستمبر میں جتنا کام ہوا ہے اس کا حال نیچے دیا جاتا ہے۔

لکھنؤ ڈویژن

ہیضہ کی چھوت روکنے کے لئے گاؤں والوں کو کئی ترکیبیں بتلائی گئیں۔ اور بہت زیادہ لوگوں کو ٹیکا دیا گیا۔ تقریباً ۲۳۱۰ کنوؤں میں پرمیگنیٹ آف پوٹاس چھوڑا گیا۔ صرف اُناؤ ضلع میں ہی ۰۰۰ ۶ ٹیکے دئے گئے۔ آرگنائزروں نے اس بارے میں کافی خدمت کی۔

پھل لگائے جانیوالے ہفتہ کے سلسلہ میں آنریبل منسٹر آف ڈیولپمنٹ، ڈپٹی ڈائرکٹر آف انفرمیشن اور لکھنؤ کے ڈپٹی کمشنر نے مؤ۔ دھنوارہ اور لکھنؤ کے پاس اُترتھیا میں پودے لگائے۔ یہیں پر مقامی زمیندار لالہ رادھے لال کے ۵۰۰ روپیہ کے دان سے گوری گاؤں میں دسہرہ کے دن بیج گودام بنوانا شروع کیا گیا۔

کھیری میں ۱۶ سے ۳۰ ستمبر تک بہت سے مریضوں کا علاج بجلی سے کیا گیا۔

۸ ماڈل ہاؤس اور ۴۹ پنچایت گھر بنوائے گئے۔

فیض آباد ڈویژن

کمشنری کے سبھی کارکنوں نے ربیع کی فصل کیلئے کام کی باتیں بتائیں بیج کی دیکھ بھال کرنے والوں نے ربیع کے بیج بانٹنے میں مدد کی گونڈا اور بہرائچ کا وہ حصہ جو بہیا کی وجہ سے تباہ و برباد ہوگیا ہے وہاں پر کارکنوں نے لوگوں کو بچانے اور مدد دینے میں کافی حصہ لیا۔ مہینہ کے آخری ہفتہ میں اُنھوں نے محکمہ کی ہدایت کے مطابق ماڈل گاؤں بسانے کے لئے آنکڑے اکٹھے کئے۔ ان حلقوں میں ہیضہ اور ملیریا کا زور رہا۔ اسلئے سنگٹھن کرنیوالوں نے دوائیاں بانٹیں سلطانپور میں ۱۰ دن کے لئے سنگٹھن کرنیوالوں کا ایک کلاس کھولا گیا۔ فیض آباد ضلع میں ۲۴ پنچایت گھروں کے بنانے کا کام ہاتھ میں لے لیا گیا ہے۔

پرتاپگڑھ اور بارہ بنکی میں چرخہ کاتنے کے حلقے کھولے گئے ہیں گاؤں والوں نے اس خیال کو بہت پسند کیا ہے اور بہت سے لوگ چرخہ کلاس میں آنے لگے ہیں۔

دورے میں ڈویزنل سپرنٹنڈنٹ اور گاؤں سدھار کے اور کام کرنیوالوں نے ٹیننسی ایکٹ کے بارے میں کسانوں ،،

اور زمینداروں کے بیچ میں جو کچھ غلط فہمی تھی اُسے دور کرانے کی اور میل کرانے کی کوشش کی جن گاؤں میں گاؤں سدھار کا کام ہو رہا ہے وہاں صفائی خاص طور سے رہی۔

آگرہ کمشنری

ہیضہ کے دنوں میں پوٹاش آف پرمیگنیٹ کام میں لایا گیا اور چیچک کا ٹیکا لگایا گیا۔ ۷۰ گاؤں صاف کئے گئے اور تیوہاروں کے خاص موقعوں پر کمشنری بھر میں گاؤں اور گھروں کی معمولی صفائی کی گئی۔ آگرہ اور دوسرے ضلعوں میں کچھ دایوں کو جو گاؤں سدھار کا کام کرتی ہیں دائی صندوقیں دی گئی ہیں۔ ۳۰ دائیوں کو تعلیم دی گئی اور انکی خدمتوں سے گاؤں والوں کو بہت فائدہ پہنچا۔ آگرہ ضلع میں کئی جگہوں پر ناٹک کھیلا گیا اور ایک بڑا مشاعرہ ہوا۔

آگرہ ضلع کے تقریباً ان گاؤں میں جہاں کام ہو رہا ہے پنچائتیں قائم ہو گئی ہیں۔ جنھوں نے بہت اچھے فیصلے کئے ہیں۔

کھدر کا پرچار بڑے زوروں سے کیا جا رہا ہے اور گاؤں والے اسمیں دلچسپی لے رہے ہیں۔

جھانسی کمشنری

جالون ضلع میں ۹ بیج یونینیوں کے کھولنے کا انتظام کیا گیا ہے۔ ۴ بند بنوائے گئے اور ۳۳ اچھی نسل کے جانور خریدے گئے۔

۱۱۰ بیل جو بڑے قدآور تھے بدھیا کئے گئے (جھانسی میں ۲۰ باندہ میں ۱۷ اور ہمیر پور میں ۷۳) ۴۲۹۱ جانوروں کا علاج کیا گیا (جالون میں ۴۰۰ اور ہمیر پور میں ۱۰۲۹)

جالون میں ۳۰۰ ایکڑ زمین میں ایندھن کی لکڑی بوئی گئی ہے اور ۶۰۰ پودے بانٹے گئے ہیں۔

۳۵ دائیوں کو تعلیم دی گئی ہمیر پور میں ۲۵ جھانسی میں ۴ باندہ میں ۴ اور جالون میں ۲۔ ۲۶ ناٹک کھیلے گئے۔ تعلیم کے پھیلانے کے لئے اتنی تحریک کی گئی کہ باندہ اور جالون میں ۳۵ فیصدی لڑکے اسکول گئے باندہ میں ایک اور لڑکیوں کا اسکول قائم ہوا۔

جو بہت اچھی طرح سے چل رہا ہے۔ ہمیر پور میں ۳ ماڈل گھر بنوائے گئے ہیں اور پنچائیتوں میں بیٹھک کے لئے پنچایت گھر حاصل کئے گئے ہیں۔

• اس مہینہ زیادہ تر کارکنان بیج بانٹنے میں لگے رہے۔

کمایوں کمشنری

الموڑہ اور گڑھوال ضلعوں میں کھیتی کے متعلق ۶ نمائشیں ہوئیں۔ جن میں گاؤں والے بڑی تعداد میں پہنچے۔ اس موقع پر گاؤں سدھار کے کارکنوں نے انھیں اپنا پروگرام سمجھایا۔

سن اور انکا کاتنا۔ بننا۔ دری بنانا اور چمڑے کے کام دکھائے گئے۔

اس کمشنری کے تین ضلعوں کے ہریجنوں کو پینے لائق پانی دینے کے لئے تین ہزار روپیہ خاص طور سے منظور کیا گیا ہے۔ سبھی گاؤں سدھار کے حلقوں میں سیوا دل کی بھرتی کی گئی ہے۔

ستمبر میں جیولی کوٹ میں ایک شہد کی مکھیوں کو پالنے کا طریقہ سکھانے کا کلاس کھولا گیا۔ اس میں دو تعلیم دینے والے اور ۷ تعلیم پانے والے ہیں۔ اس انجمن کے لئے سرکار نے ۲۰۰ روپیہ منظور کیا ہے۔

گاؤں والوں کی کوشش سے ۵۰ نمونہ کے گھر (ماڈل گھر) اور ۱۴ پنچایت گھر بھی بنوائے گئے ہیں۔

بنارس کمشنری

رپورٹ کے وقت ۷ پنچایت گھر بنوائے گئے ہیں۔ گھریلو دستکاری کی ۸ نمائشیں ہوئیں۔ بنارس اور غازی پور کے ضلعوں میں کھدر۔ گاڑھا۔ اور ریشمی سوت تیار کرنے کا کام شروع کیا گیا ہے۔ جونپور میں صابن اور کاغذ بنانے اور مرزا پور میں چمڑا کمانے اور مٹی کے برتن بنانے کا کام شروع کیا گیا ہے۔

کل کمشنری بھر میں پھلوں کے پیڑ لگانے کا ہفتہ بڑے جوش کے ساتھ منایا گیا۔ اس مہینہ میں کئی ضلعوں میں ۲۵۰۰۰ پیڑ لگائے گئے جونپور ضلع کے گاؤں سدھار کے پراگند گاؤں میں ایک نمونہ کا باغ لگایا گیا۔

کمشنری بھر میں بلیا ہی میں سب سے زیادہ باڑھ (دہتیا) کا زور

رہا۔ گاؤں سدھار کے سب کام کرنیوالے باڑھ سے دکھی لوگوں کو مدد دینے میں لگے رہے اور انھوں نے اس کام کو بہت اچھی طرح سے کیا۔ صوبہ کے گاؤں سدھار کے افسر کے حکم کے بموجب مقامی سوسائٹیوں نے ماڈل ہاؤس کے لئے ایک اسکیم تیار کی۔ اور اس پر بحث مباحثہ بھی ہوا۔ بلیا میں دو حلقے ایسے ہیں جہاں کھدر بننے کا کام بہت ہوتا ہے۔ اور باڑھ سے تباہ حلقوں میں ۹۰۰ چرخے دینے کا انتظام کیا گیا ہے۔

مہینہ کے آخری ہفتہ میں اوڑیسہ کے معزز اسپیکر آئے تھے۔ اور انھوں نے گاؤں سدھار کے بہت سے گاؤں کو دیکھا تھا۔ وہ بہت خوش اور مطمئن رہے اور انھوں نے کئی تجویزیں بتلائیں۔

الہ آباد کمشنری

کانپور میں ضلع کی کئی تحصیلوں میں گاؤں سدھار سبھائیں ہوئیں۔ جن میں ضلع سوسائٹی کے صدر ہی پریسیڈنٹ تھے ان میں گاؤں والوں کو گاؤں سدھار پروگرام کی خاص خاص باتیں بتلائی گئیں۔ ان لوگوں نے درخواست کی کہ یہ کام انکے گاؤں میں بھی کیا جائے۔

فرخ آباد میں پھل لگانے کا ہفتہ بڑی کامیابی کے ساتھ منایا گیا۔ سرکاری اور غیر سرکاری افسروں نے گاؤں سدھار کے گاؤں میں پیڑ لگائے۔

فتحپور میں سیوادل ٹھیک طریقہ سے بنالیا گیا ہے۔ ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا ان والنٹیروں نے میلوں میں بڑی اچھی طرح سے کام کیا۔

ایٹہ میں بالغوں کو پڑھانے کے لئے ۳ اسکول قائم کئے گئے ہیں۔ ان میں بلا تنخواہ لوگ بڑی اچھی طرح کام کر رہے ہیں گاؤں سدھار کے حلقوں میں کئی گھریلو دھندے (دستکاری) چلائے گئے ہیں فرخ آباد میں نواڑ۔ کمبل اور دری بنانا شروع کردیا گیا ہے۔ فتحپور کے گاؤں سدھار سینٹر میں ۵ دری۔ ۱۰ کمبل۔ اور ۴۴ گز سوت اکھدر رکھا گیا تھا۔

ایٹہ میں لڑکیوں کے اسکول کھولے گئے ہیں۔ عورتوں میں خاص بیداری پیدا ہو رہی ہے پنچائتیں بنانے کی کوششیں کیجا رہی ہیں۔

تمام صوبہ میں کام کی رفتار کا خلاصہ یہ ہے:۔

	لکھنؤ	فیض آباد	الہ آباد	آگرہ	جھانسی	بنارس	کمایوں	ٹوٹل
۱۔ سنگٹھن								
(۱) رہن سہن کو اچھا بنانیوالی سوسائٹیوں کی تعداد	۱۲	۶	۱۴	۲	۰	۵	—	۴۱
(۲) پیداوار اور بکری سوسائٹیوں کی تعداد	۵	۲	۲	—	۱	۳	—	۱۳
(۳) کھیتی سے تعلق رکھنے والی سوسائٹیوں کی تعداد	۱	۵	—	—	۸	—	—	۱۴
۲۔ کھیتی								
(۱) کھودے گئے گڈھوں کی تعداد	۵۷۲	۴۳۷	۹۱۴	۶۹۰	۲۱۵	۵۲۹	۱۴۶	۳۴۷۳
(۲) پیشاب جمع کرنیکے لئے بنائی گئی کیاریاں	۵۴	۱۱۲	۲۷۰	۱۴۱	۲۶	۱۸۶	۱۵۰	۹۴۱
(۳) دئے گئے اچھے اوزاروں کی تعداد	۱۱۳	۶۳	۹۶	۱۳	۱۱	۴۹	—	۳۴۵
۳۔ تندرستی								
(۱) بنائے گئے سوکھنے والے گڈھوں کی تعداد	۱۷۱	۱۰۵	۱۷۸	۲۳۹	۲۱۲	۲۷	۶۷	۹۹۹
(۲) لگائے گئے روشندانوں کی تعداد	۸۴	۱۳۸	۱۰۱	۱۸۹	۱۸۴	۲۸۹	۳۳	۱۰۱۷
(۳) بنائی گئی نالیوں کی لمبائی	۱۳۹۵ (فٹ)	۵۰۳	۳۷۰	۵۱۷	—	۹۲۰	۳۳	۳۷۳۸
(۴) دی گئی دوا کی صندوقیں	۱۴۵	—	۷۸	۶۲	—	۶	۵	۲۹۶
(۵) دوا دئے گئے بیماروں کی تعداد	۱۴۴۷۵	۵۱۸۶	۳۹۷۷	۳۰۰۱	۴۸۵۶	۹۶۲۴	۲۱۶۹	۴۲۲۳۸
(۶) ٹیکا دئے گئے لوگوں کی تعداد	۴۵۹	۸۳۸	—	۵۱	۲۵	۱۲۵	۸۶	۱۵۸۴
(۷) ٹھیک کئے گئے کنوؤں کی تعداد	۵	۱۷	۵۵	۱۷	۸	۳۶	۱۹	۱۵۷
(۸) اٹھائے گئے گھروں کی تعداد	۱۵۰۰	۸۹۴	۱۷۸۶	۱۵۵۳	۱۶۹	۱۴۰۳	۱۹۱	۸۴۸۶
(۹) فرسٹ ایڈ کی ٹریننگ پائے ہوئے لوگوں کی تعداد	۲۱۵	۹۹	۷۳	۷۹	۳۸	۱۱۷	۳	۶۲۴
۴۔ پرچار اور پڑھائی								
(۱) بالغوں کے لئے کھولے گئے اسکولوں کی تعداد	۳	۳۳	۲۸	۲۳	۱	—	۱۲	۱۰۰
(۲) ٹرینڈ اسکاؤٹوں کی تعداد	۳۱۳	۵۹۹	۴۸	۱۸۱	۱۴۹	۱۴۸	۶۵	۱۴۹۸
(۳) کی گئی میٹنگوں کی تعداد	۹۳۲	—	۴۴۲	۲۸۰	۱۲۳	۶۵۴	۴۲	۲۴۷۳
(۴) لائبریری اور کلب	۴	—	۳	۱۰	—	۲۱	—	۱۰۰
۵۔ دستکاری								
(۱) لوگوں کی تعداد جنھیں گھریلو دستکاری کی تعلیم دی گئی ہے۔	۱۲۳	۱۰۷	۶۶	۱۳۷	۱۲	۴۹	۹۱	۵۸۵
(۲) استعمال کی گئی نئی نئی مشینوں کی تعداد	۲۱	۵۲	۱۷	۶۵	—	۳۴۲	—	۴۹۷

یو۔پی کے گاؤں میں صرف مٹی کے برتنوں کا پیشہ ایسا ہے جو دھندہ کما جا سکتا ہے۔ لیکن اس کام میں لگے ہوئے لوگوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ وہ اپنی چیزوں کو بیچ نہیں سکتے۔ جب گاؤں میں اور پیشوں کا بھی رواج ہو جائے گا تب کمہار بھی مزے میں ہو جائینگے۔

کسی بھی زیارت گاہ میں جائیے بھکنگوں کی بھیڑ دیکھکر آپکا جی گھبرا اُٹھیگا۔ ان لوگوں نے یہ پیشہ اسلئے نہیں اختیار کیا کہ یہ کاہل ہیں اور محنت سے بچنا چاہتے ہیں بلکہ اسلئے کہ انھیں روزگار کا کوئی راستہ ہی نہیں ملا اور بیچارگی نے انھیں یہاں تک پہنچایا۔ گاؤں میں گھریلو دھندوں کا رواج بڑھنے سے بھکنگوں کی تعداد اپنے آپ گھٹ جائے گی۔

گاؤں سُدھار کے آرگنائزروں کا ٹریننگ کیمپ، گورکھپور - ۱۹۳۸ - بائیں طرف سے - (کرسی پر بیٹھے ہوئے) غوری ایچ - آر - گپتا انسپکٹر کوآپریٹو سوسائٹی، آر - ڈی - سنگھ سب انسپکٹر و لیجے - ایم سنگھ اگریکلچر انسپکٹر، پی - ڈی - گپتا، اے - این مہروترا انسپکٹر کوآپریٹو انچارج، اے - ایچ - عباسی ڈیویژنل سپرنٹنڈنٹ گاؤں سُدھار شری ولاس سکریٹری رورل ڈیولپمنٹ اسوسی ایشن سنگھاں سنگھ ایم - ایل - سی - ٹی - آر - سے گوڑا انسپکٹر کوآپریٹو سوسائٹی، پنڈو - آر - این - سانیال، آئی - پی - سنہا، بی - این - ایس - سری واستو آرگنائزر اسکاؤٹ۔

چرخہ کاتو تو بیڑا پار ہے

دن بھر کے کام کے بعد جب کسان حُقّہ لیکر بیٹھتا ہے تب اُسے تھوڑا آرام ملتا ہے۔ اسکے علاوہ اس کے پاس جی بہلانیکا اور کوئی ذریعہ باقی نہیں رہا۔ کسان کو اس گری ہوئی حالت سے اُبھارنے کا بیڑا کانگریس سرکار نے اُٹھایا ہے۔
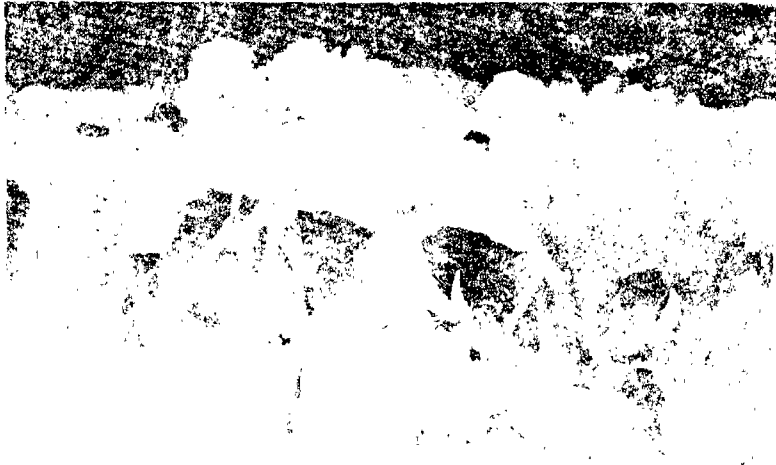
ایک انعامی مقابلہ کا اعلان

دیہات سُدھار کے کام کے سلسلے میں یہ چاہا جا رہا ہے کہ دیہاتیوں کے لئے نئے نئے گیت تیار کئے جائیں، ان گیتوں سے گاؤں والوں کو محنت اور کام کے بعد تھوڑی دیر کے لئے جی بہلانے کا سامان ہو جاتا ہے۔ ان گیتوں سے اور بھی سماجی فائدے ہیں۔

۲۔ رورل ڈوِلپمنٹ افسر ایسے اور اچھوتے گیت نیچے لکھی ہوئی شرطوں پر بھیجنے کی خواہش کرتے ہیں۔

(ا) گیت ایسے ہونا چاہیئے جو گاؤں اور اس کے آس پاس کی چیزوں سے قریبی لگاؤ رکھتے ہوں اور جنھیں گاؤں والے آسانی سے سمجھ لیں۔

(ب) گیتوں کی زبان ایسی ہندوستانی ہو جسے وہ سب لوگ سمجھ لیں جو چاہے ہندی جانتے ہوں چاہے اُردو۔

(ج) نظموں کا مضمون دیس کا پریم ہو یا کوئی اور سماجی بات ہو۔ یا ایسی بات ہو جس سے سب لوگ دلچسپی رکھتے ہوں۔ مذہبی سوال، ذات پات کے جھگڑے اور طرفداری سے وہ بالکل الگ ہو۔

(د) نظمیں ایسی ہوں جو فوراً قومی گیت بن جائیں اور جنھیں دیہاتی آسانی سے گانے لگیں۔

۳۔ کل نظمیں ججوں کی ایک پنچ کے سامنے رکھی جائیں گی جس میں رورل ڈوِلپمنٹ افسر یا ان کا بھیجا ہوا آدمی اور دو ایسے باہری آدمی ہوں گے جو پبلک میں مشہور ہوں۔ ایک اُردو زبان کی طرف سے ہوگا اور دوسرا ہندی زبان کی طرف سے ان ججوں کی رپورٹ پر سو روپیہ کا ایک نقد انعام سب سے اچھے گیت کے لئے دیا جائیگا یہ انعام کنور کرشن چند آف پیلی بھیت کی طرف سے پیش کیا گیا ہے۔ کنور صاحب دیہات سدھار کے کاموں میں بہت زیادہ دلچسپی لیتے ہیں اور انکی یہ رائے ہے کہ جنتا کو جگانے کے لئے ایسے گانے سب سے زیادہ کامیاب ہوتے۔

۴۔ اس مقابلے کے لئے تمام نظمیں رورل ڈوِلپمنٹ افسر کے پاس ۱۵ دسمبر ۱۹۳۸ء تک ضرور پہنچ جانا چاہئے۔ لفافہ پر دیہاتی گاؤں کا مقابلہ لکھا (Folk Songs Competition) ہونا چاہئے۔

ان لوگوں کی نظمیں بھی خوشی سے لیجائینگی جو اس مقابلہ میں شریک ہونا نہیں چاہتے جتنی ہو سکے نظمیں رورل ڈوِلپمنٹ ڈپارٹمنٹ کی طرف سے چھاپی جائینگی اور گاؤں گاؤں میں پھیلائی جائیں گی۔

کچھ اِدھر اُدھر کی

ربیع کی فصل بونے کے لئے ہدایتیں

کھیتی میں فصل بونے کا ٹھیک وقت جاننا بہت لازمی ہے۔ کیونکہ پیداوار کی مقدار اور قسم دونوں پر اس کا بڑا اثر پڑتا ہے۔ فصل بونے کا وقت انگریزی مہینوں کی تاریخوں یا ہندی نکشتروں یا ستاروں کے موافق ہونا چاہئے۔ عام طور پر ہندی مہینوں کی تاریخوں کی ہی بنیاد نہ ماننی چاہئے کیونکہ ہندی مہینے چاند کی چال کے مطابق چلتے ہیں۔ اور درجہ حرارت کا اسی لئے ٹھیک ٹھیک اندازہ نہیں دیتے چونکہ انگریزی مہینوں کی بنیاد سورج کی چال پر رہتی ہے اس لئے درجہ حرارت کا ٹھیک ٹھیک پتہ دیتے ہیں۔ مثلاً دیوالی پر گیہوں بونے کا وقت مقرر کرنا ایک بہت بڑی غلطی ہے۔ یہ دیکھا گیا ہے کسی سال تو دیوالی ۱۳ نومبر کو پڑتی ہے اور کسی سال ۱۸ اکتوبر کو۔ اس سے ۴ ہفتہ کا فرق ہو جاتا ہے۔ کسان لوگ زیادہ تر دیوالی سے ایک ہفتہ پہلے گیہوں بونا شروع کر دیتے ہیں۔ اس سے کبھی تو فصل وقت سے پہلے بو دی جاتی ہے اور کبھی اتنی ہی دیر سے بوئی جاتی ہے۔ اس لئے انگریزی مہینوں کی تاریخوں یا ہندی ستاروں کے مطابق بونے کا قاعدہ بنانا چاہئے۔

تجربہ سے یہ ثابت ہوا ہے۔ کہ ربیع کی فصل بونے کے لئے نیچے لکھا ہوا وقت بہت ہی موزوں ہے۔

فصل	بونے کا ٹھیک وقت	کیفیت
چنا مٹر اور تلمن	اکتوبر ۱ سے ۱۵ تک	چونکہ اکثر اس وقت بارش ختم پر ہوتی ہے اس لئے یہ پہلا ٹھیک موقع ہے جبکہ فصل باحفاظت ٹھیک وقت میں پکنے کے لئے بوئی جا سکتی ہے۔
جَو اور باجرہ	۱۵ اکتوبر سے ۲۰ تک	یہ سب سے پہلا اور ٹھیک وقت ہے جب جَو اور باجرہ اچھی طرح سے اُگانے کے لئے بویا جا سکتا ہے۔
گیہوں	اکتوبر ۲۰ سے ۳۰ تک	یہ سب سے پہلا وقت ہے جب ٹھنڈک پڑنے لگتی ہے اور گیہوں کے بیج میں اچھی طرح سے انکھوے نکلنے لگتے ہیں۔

اگر اس چارٹ کے مطابق ربیع کے بونے کا انتظام کر دیا جائے تو کسان کو چنا تلہن اور باجرہ بونے سے اکتوبر کے تیسرے ہفتے میں ہی چھٹی ملجائے گی۔ اور اس کے بعد اُسے گیہوں بونے کے لئے کافی وقت مل جائے گا۔ اس صوبہ میں گیہوں کی فصل تیار ہونے میں عام طور پر ۵ مہینے لگتے ہیں۔ اور اگر وہ فصل اکتوبر کے چوتھے ہفتے میں بوئی جائے تو وہ کہیں مارچ کے چوتھے ہفتے تک کاٹ لی جائے۔ اور فروری کے آخر تک گرم پچھوا ہوا چلنے کے پہلے ہی اس سے اناج بھی نکال لیا جائے گا۔ اگر فصل دیر میں بوئی جائے اور مارچ تک اناج نہ نکالا جائے تو فصل کے لئے گرم ہوا کا بھی ڈر لگا رہے گا۔ کھیتی کی فصل کے سدھار میں یہ ایک آزمائی ہوئی بات ہے اس لئے دیہاتوں میں اس کا پرچار زیادہ سے زیادہ ہونا چاہئے۔

بونے کا طریقہ۔ ہل سے کھودی گئی لائنوں میں بیج بونے کی بہ نسبت کونڈے بنا کر بیج بونا زیادہ فائدہ مند ثابت ہوا ہے۔ بہت ہی نم زمین میں یہ بات لاگو نہیں ہوتی۔ ایسی زمین پوربی ضلعوں کے حصّوں میں زیادہ پائی جاتی ہے۔ ہل سے بنائی ہوئی کھُلی لائنوں میں بیج بونا زیادہ ٹھیک نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے بیج بہت سے سوکھی زمین پر ہی گرتے ہیں۔ جس سے ان میں ٹھیک طرح سے انکھوے نہیں نکلتے۔ جہاں سینچائی کا انتظام نہیں ہے وہاں پر کونڈے بنا کر ہی بیج بونے پر زور دیا جانا چاہئے۔ کیونکہ اس سے انکھوا اچھی طرح نکلے گا۔ اس طرح بونے سے بیج ٹھیک اور برابر گہرائی سے پڑتے ہیں۔ اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آگے چلکر پودے زمین کی نمی کا فائدہ اُٹھا سکیں گے اور بنا سینچے ہوئے ہی اچھی فصل کاٹی جا سکتی ہے۔

ٹھیک زمین۔ زیادہ تعداد میں گاؤں میں اچھا اور صاف بیج بونے کا یہ ہمارا ۳ سال کا پروگرام اسی ربیع کی فصل سے ہی شروع ہو رہا ہے۔ اسی لئے اور بھی زیادہ ضروری ہے کہ اچھا بیج بونے کے لئے صرف اچھی طرح تیار کی ہوئی زمین ہی چنی جائے یعنی اگر ہمارا اچھا بیج اُس زمین میں بو دیا گیا جو گیہوں کی فصل کے لئے اچھی طرح سے تیار نہیں کی گئی ہے تو اس کا نتیجہ کسانوں کے حق میں بڑا ہی ناامیدی کا باعث ہوگا۔ اور ساتھ ہی ساتھ اگلے سال بونے کے لئے زیادہ تعداد میں بیج بڑھانے کی ہماری تجویز میں بھی رکاوٹیں پیش ہو جائینگی۔

زمین کی کافی نمی۔ عام طور پر ربیع کی سب فصلوں کو اور خاص طور پر گیہوں کی فصل کو اچھی طرح اُگنے اور بڑھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ بیج کی تہ کی زمین میں کافی نمی ہو۔ کم نمی میں بونا ٹھیک نہیں کیونکہ ایسا کرنے سے انکھوے اچھی طرح سے نہ نکل سکیں گے۔ اور بونے ہی پہلے سینچائی کی ضرورت پڑے گی۔ اور اس حالت میں پودے سینچائی برداشت نہ کر سکیں گے۔ جن علاقوں میں اس سال بارش کی کمی رہی ہے کسانوں کو سمجھا دینا چاہئے کہ بونے سے پہلے وہ سینچائی کر دیں جس سے انکھوے اچھی طرح سے نکلیں اور فصل بھی اچھی ہو۔

بیج بھنڈار

پڑھنے والوں کو معلوم ہو کہ صوبہ کی سرکار کے بیج بھنڈار کی فہرست ہم ذیل میں درج کرتے ہیں ان جگہوں سے ہر فصل کے بیج مل ہیں اور بیجوں کے متعلق ضروری باتیں معلوم ہو سکتی ہیں۔

میرٹھ ڈویژن

میرٹھ

۱. کرشن کمال پور	(سبانا)
۲. کمال پور سوپل	(میرٹھ)
۳. اٹا	
۴. ویکھر بیگم آباد	(غازی آباد)
۵. بڑا گاؤں	(باگھپت)
۶. علی پور	(ہاپڑ)
۷. اکری	(سردھنا)

دہرہ دون

۱. ونی والا	(دہرہ دون)
۲. کسان پور	(" ")

٣۔ شمس پور (دہرہ دون)
٤۔ چوہر پور (")
٥۔ جھاجرا (")
٦۔ شولاکل (")

مظفرنگر

١۔ اسپالی (کیرانا)
٢۔ جسال (بڈھانا)
٣۔ قاضی پور (جنسٹھ)
٤۔ جیبروڈا (مظفرنگر)
٥۔ ہبڑی (کرانا)
٦۔ بھبڑسی (بڈھانا)
٧۔ جگاہڑی (مظفرنگر)

سہارنپور

٨
١۔ نگلا (دیوبند)
٢۔ ابھا (")
٣۔ بھگوان پور (روڑکی)
٤۔ بہاری گڑھ (سہارنپور)
٥۔ منداولی (روڑکی)
٦۔ گھنا (سہارنپور)
٧۔ شیورانا (نکڑ)
٨۔ سڑک ڈودلی (سہارنپور)

بلندشہر

١۔ لکھاولی (بلندشہر)
٢۔ ارنیا (خرجہ)
٣۔ دھوم (سکندرآباد)
٤۔ شکارپور (بلندشہر)
٥۔ بیورا (خرجہ)
٦۔ چیتی (سکندرآباد)
٧۔ دولت پور (انوپ شہر)
٨۔ جہانگیر آباد (")

آگرہ ڈویژن

علیگڈھ

١۔ مدرک (کیپل)
٢۔ کناؤ (سکندرآباد)
٣۔ کمل سرا باغ مرسان (ہاتھرس)
٤۔ لکھناؤ (ہاتھرس)
٥۔ ہرینا (اترولی)

٦۔ گونڈا (اگلاس)
٧۔ نیابنس (")
٨۔ پیپاوا (کھیر)

آگرہ

١۔ سنیاا (کھیراگڈھ)
٢۔ دورا (کراولی)
٣۔ حسن پور (اعتمادپور)
٤۔ باہ (باہ)
٥۔ اعتمادپور (اعتمادپور)
٦۔ کوٹلا (فیروزآباد)
٧۔ نانانیجات (آگرہ)

مین پوری

١۔ سرساگنج (شکوہ آباد)
٢۔ چنڈی کرا (کرہل)
٣۔ یکا (جسرانہ)
٤۔ جیونتی (مین پوری)
٥۔ علی پورپٹی (بھوگاؤں)
٦۔ چراور (مین پوری)
٧۔ رام پورہ (کرہل)
٨۔ دیبی گنج (بھوگاؤں)

ایٹہ

پونڈری (جلیسر)
٢۔ ندھولی ڈھول سیتو (ایٹہ)
٣۔ سہ پورہ (کاسگنج)
٤۔ نواب گنج (")
٥۔ باغ بالا (ایٹہ)
٦۔ جیتھرہ (علی گنج)
٧۔ علی گنج (")

متھرا

١۔ بجنا (مات)
٢۔ جرارا (")
٣۔ جبرا (")
٤۔ سہی (")
٥۔ رس سی (سعدآباد)
٦۔ چٹی کھارا (")
٧۔ ورول (چھاتہ)
٨۔ پرکھن (متھرا)

بندیلکھنڈ ڈویژن

بریلی

۱ - فتیرگڈھ (بہیری)
۲ - فتح گنج (پوربی) (فرید پور)
۳ - قیبلا پور (نواب گنج)
۴ - ممیرا (آنولا)
۵ - سیدولیا (بریلی)
۶ - بھگونت پور چکنیا (نواب گنج)
۷ - اگرس (بریلی)

مراد آباد

۱ - مونڈا پانڈے (مراد آباد)
۲ - دلاری (ٹھاکردوارا)
۳ - ست پورا (سنبھل)
۴ - رہ جوال (حسن پور)
۵ - گن رولا (")
۶ - نوگاؤں (امروہا)
۷ - اپرولا (حسن پور)

بجنور

۱ - بجنور (بجنور)
۲ - نگینہ (نگینہ)
۳ - نجیب آباد (نجیب آباد)
۴ - کیرہ پور (")
۵ - سیہرہ (دھامپور)
۶ - بل دور (بجنور)
۷ - نہتور (دھامپور)

بدایوں

۱ - سکندر آباد (بدایوں)
۲ - قاسم پور (")
۳ - اویا پور (سہسوان)
۴ - فیض گنج (بہٹہ) (بسولی)
۵ - سقولی (")
۶ - چبوترہ (داتاگنج)
۷ - سلہری (سہسوان)

پیلی بھیت

۱ - امریا (پیلی بھیت)
۲ - جہان آباد (")
۳ - گھنگ چاہے (پورنپور)
۴ - نوریا (پیلی بھیت)
۵ - برکھیرا (بیسالپور)
۶ - گھوریا (")
۷ - ابنت گاؤں (")

شاہجہانپور

۱ - دس کل (دیوکلی)
۲ - پوویاں (پوویاں)
۳ - خدا گنج (")
۴ - مدناپور (شاہجہانپور)
۵ - مرزاپور (جلال آباد)
۶ - پرور (")
۷ - بھاول کھیرا (")

الہ آباد ڈویژن

الہ آباد

۱ - منوری (چائل)
۲ - مانڈاروڈ (میجا)
۳ - سرائقو (سرائقو)
۴ - ہنومان گنج (پھولپور)
۵ - کرچھنا (کرچھنا)
۶ - ہنڈیا (ہنڈیا)
۷ - سوراؤں (سوراؤں)
۸ - سرساواں (سو ")
۹ - سرائے مامریز (ہنڈیا)
۱۰ - جاری (کرچھنا)
۱۱ - نواب گنج (سورام)

فروخ آباد

۱ - گرسہائے گنج (چھبرامؤ)
۲ - سوریخ (")
۳ - ترو ا (قنوج)
۴ - منجھنا (قائم گنج)
۵ - محمود آباد (فرخ آباد)
۶ - سرائے میرا (قنوج)
۷ - راج پور (فرخ آباد)
۸ - پکھنا (")

کانپور

۱ - گجنیر (اکبرپور)

۲ - ویرانؤ (بلہور)
۳ - موسانگر (پوکھرایاں)
۴ - بدھون (کانپور)
۵ - جھینجھک (ڈیراپور)
۶ - پتارا (گھاٹم پور)
۷ - میتالال پور (اکبرپور)

فتح پور

۱ - کھوکھرلی (کھاگا)
۲ - ہاتھ گاؤں (")
۳ - رسول آباد (فتح پور)
۴ - حسین گنج (")
۵ - ماوا (کھجوہا)
۶ - جہان آباد (")
۷ - ہتوا (فتح پور)

اٹاوہ

۱ - بسراہر (اٹاوہ)
۲ - ککبیر (بھرتنا)
۳ - بھرتنا (")
۴ - بچولی (اوریا)
۵ - سہر (بدھونا)
۶ - کایستھ جسونت نگر (اٹاوہ)
۷ - مامن (بھرتنا)
۸ - قاسم پور پھپھوند (اوریا)
۹ - سامؤ (بدھونا)

بنارس ڈویژن

بنارس

۱ - بلوا (چندولی)
۲ - منگری (بنارس)
۳ - چھیلے پور (")
۴ - نیامو آباد (")
۵ - بسنت پور (چوکھنڈی) (بنارس)
۶ - چندولی (چندولی)
۷ - راجہ تالاب (")
۸ - سیدراجا (")

غازیپور

۱ - محمد آباد (محمد آباد)
۲ - میرگھ (غازیپور)
۳ - دلدار نگر (")
۴ - کرنڈا (")
۵ - سروات (سعیدپور)
۶ - کریم الدین پور (محمد آباد)
۷ - نندگنج (غازیپور)

مرزاپور

۱ - پرورا (چنار)
۲ - راسے پوری (")
۳ - رابرٹ گنج (رابرٹ گنج)
۴ - اموہی (مرزاپور)
۵ - گھائے پورہ (")
۶ - تلٹھی (")
۷ - گھراول (رابرٹ گنج)

جونپور

۱ - سکرارا (جونپور)
۲ - شجاع گنج (مچھلی شہر)
۳ - مڑیہاوں (مڑیہاوں)
۴ - جلال گنج (کیراکت)
۵ - براون (مچھلی شہر)
۶ - کھتیاسرائے (شاہ گنج)
۷ - بدلی پور (")
۸ - کیراکت (کیراکت)

بلیا

۱ - بوریا (بلیا)
۲ - بنس ڈیہہ (بنس ڈیہہ)
۳ - روڈر پور (بلیا)
۴ - رت سار (")
۵ - اجیار (")
۶ - چل کھر (رسرا)
۷ - نگرا (")
۸ - بلتھرا روڈ (")
۹ - سکندرپور (بنس ڈیہہ)
۱۰ - رتن پور (رسرا)

جھانسی ڈویژن

جالون

۱۔ جیراری تالوں (اورئی)
۲۔ ایئر (〃)
۳۔ ستوہ (کونچ)
۴۔ پونیہ (〃)
۵۔ چھانک (کالپی)
۶۔ بیاؤ (چرخی تقریباً ۸ میل) (کالپی)
۷۔ اکری (جالون)
۸۔ سرساکلار (〃)

باندہ

۱۔ نرینی (نرینی)
۲۔ ببیرو (ببیرو)
۳۔ کروی (کروی)
۴۔ مئو (مئو)
۵۔ مرول (ببیرو)
۶۔ کالنجر (نرینی)
۷۔ کماسن (ببیرو)
۸۔ راجاپور (مئو)

جھانسی

۱۔ بروا ساگر (جھانسی)
۲۔ چرگاؤں (موٹھ)
۳۔ گڑھ سرائے (گروٹھی)
۴۔ بایسے ہٹ (للت پور)
۵۔ مہرونی (مہرونی)
۶۔ ببینا (جھانسی)
۷۔ وار (مہرونی)

ہمیر پور

۱۔ اندھوتا (ہمیرپور)
۲۔ ممتا (راٹھ)
۳۔ کھیری شلاجیت (〃)
۴۔ کبرائی (مہوبا)
۵۔ جراکھر (راٹھ)
۶۔ سجری (مہوبا)
۷۔ کلہدہ (راٹھ)

گورکھپور ڈویژن

گورکھپور

۱۔ نگوا (بس گاؤں)
۲۔ گاگھا (〃)
۳۔ پالی (گورکھپور)
۴۔ رودرپور (ہاتا)
۵۔ چھناتن (پڈرونا)
۶۔ میناگڑوا (دھوریا)
۷۔ اہرولی (پڈرونا)
۸۔ کوریا (گورکھپور)
۹۔ دھوسی بسنت پور (ہاتا)
۱۰۔ مہاراج گنج (مہاراج گنج)

بستی

۱۔ باگھ مالا (بستی)
۲۔ گوشی (بانسی)
۳۔ باگھ نگر (خلیل آباد)
۴۔ گائے گھاٹ (بستی)
۵۔ ردھولی (〃)
۶۔ مہداول (خلیل آباد)
۷۔ پنیری (بستی)
۸۔ بانسی (بانسی)

اعظم گڈھ

۱۔ مہاراج گنج (سگری)
۲۔ جہانا گنج (محمد آباد)
۳۔ ٹھیکمان (دیوگاؤں)
۴۔ حافظ پور (نظام آباد)
۵۔ بلریا گنج (سگری)
۶۔ کیلسا (اہرولا)
۷۔ پھریا (نظام آباد)

٨- بھینہ نگر (لال گنج)
٩- بڑاگاؤں (سگری)
١٠- مدھوبن (گھوسی)
١١- ابھائی (اہرولا)

گنے کی ترقی سے

١- گھگل
٢- کیوہرا (لار روڈ)
٣- پیرائچ
٤- کیپٹن گنج
٥- بیتال پور
٦- لکشمی گنج
٧- رام قلع
٨- بھٹ پاررانی
٩- بھٹنی
١٠- برہج
١١- بھٹولی
١٢- سسوا
١٣- برج مان گنج

کین ڈیولپمنٹ

١- بھنوٗ
٢- مہاراج گنج
٣- بیلی
٤- سریّہ
٥- مونڈیروا
٦- برہنی

لکھنؤ ڈویژن

لکھنؤ

١- بربہولی (لکھنؤ)
٢- اتردھارا (〃)
٣- گوری (〃)
٤- اُترٹھیا (〃)
٥- سرساون (موہن لال گنج)
٦- ہراون کلاں (لکھنؤ)
٧- اپڑنا (ملیح آباد)
٨- این (لکھنؤ)

ہردوئی

١- سانڈی (بلگرام)
٢- کیونی (سندیلہ)
٣- گلھونا (〃)
٤- ملاواں (بلگرام)
٥- پالی (شاہ آباد)
٦- تدیوین (ہردوئی)
٧- قاسم پور (سندیلہ)

اُناؤ

١- سکندر پور سروسی (اُناؤ)
٢- وچیا (اُناؤ)
٣- اوراس (حسن گنج)
٤- اسیون (〃)
٥- کتھا (پروا)
٦- شیر پور (صفی پور)
٧- فتح پور چوراسی (〃)

لکھیم پور کھیری

١- علی گنج (لکھیم پور)
٢- پھول بہار (〃)
٣- سدھاسن (سدھاسن)
٤- عیسیٰ نگر (〃)
٥- محمدی (محمدی)
٦- اورنگ آباد (〃)
٧- اوچولیا (〃)

رائے بریلی

١- ہرچند پور (رائے بریلی)
٢- تلوئی (مہاراج گنج)
٣- ننگوہاں (سلون)
٤- جگت پور (ڈل مئو)
٥- مالک مئو چوبارہ (رائے بریلی)
٦- گھروارا (ڈل مئو)
٧- مصطفےٰ آباد (سلون)

سیتا پور

۱۔ سیلو موؤ (سیتا پور)
۲۔ جہانگیر آباد (بسواں)
۳۔ بڑا گاؤں (مصرکھ)
۴۔ نیری (")
۵۔ بھیس بہیم (")
۶۔ پرتال (")
۷۔ فرید پور (سدھولی)

فیض آباد ڈویژن

فیض آباد

۱۔ بڑا گاؤں (فیض آباد)
۲۔ ملکی پور (بیکا پور)
۳۔ حیدر گنج (بیکا پور)
۴۔ جلال پور (اکبر پور)
۵۔ کٹھیری (")
۶۔ رام نگر (ٹانڈہ)
۷۔ التفات گنج (ٹانڈہ)

گونڈا

۱۔ مہاراج گنج (اترولا)
۲۔ کھرگوپور بازار (گونڈا)
۳۔ رہرا بازار (اترولا)
۴۔ کوریا (گونڈا)
۵۔ بلسر (طرب گنج)

سلطان پور

۱۔ کورے بھر (سلطانپور)
۲۔ مسافر خانہ (مسافر خانہ)
۳۔ گوری گنج (آمیٹھی)
۴۔ جگدیش پور (مسافر خانہ)
۵۔ لمبوا (کادی پور)
۶۔ کوروار (سلطانپور)
۷۔ درگا پور (امیٹھی)

کین ڈیولپمنٹ

۱۔ وزیر گنج

پرتاب گڈھ

۱۔ شیتلا گنج (پٹی)
۲۔ نوریا (")
۳۔ سگرا سند پور (پرتاب گڈھ)
۴۔ راجا پور (کنڈا)
۵۔ بدھنی (پرتاب گڈھ)
۶۔ کنڈھور (پٹی)
۷۔ گوپال گنج (گونڈا)

بہرائچ

۱۔ قیصر گنج (قیصر گنج)
۲۔ پیاگ پور (بہرائچ)
۳۔ گھولر (")
۴۔ باباگنج (نان پارا)
۵۔ مہر پور (")
۶۔ اکلونہ (بہرائچ)
۷۔ سونوا (")
۸۔ رسیا (نان پارا)

بارہ بنکی

۱۔ فتحپور (فتحپور)
۲۔ رام نگر (فتحپور)
۳۔ ہرہا (سانچی گھاٹ)
۴۔ بڑا گاؤں (نواب گنج)
۵۔ متھرا نگر (سانچی گھاٹ)
۶۔ محمد پور (اوپادھیائے) (سانچی گھاٹ)
۷۔ بسیرہی (")

اپنے خیالات

ہل میدان میں

مہاتما گاندھی نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ اصلی ہندوستان گاؤں میں رہتا ہے۔ اور اگر ہم سچ مچ ہندوستان کی حالت سدھارنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے ہمیں گاؤں کی طرف دھیان دینا ہوگا۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ آج سارے ہندوستان میں یہ چرچا ہے کہ جیسے ہو گاؤں والوں کی حالت سدھاری جائے۔ جن صوبوں میں کانگریسی سرکاریں قائم ہوئی ہیں ان میں یہ چرچا اور بھی زیادہ گرم ہے۔ ہمارا صوبہ بھی اس بات میں پیچھے نہیں ہے۔ کانگریسی اور غیر کانگریسی سبھی طرح کے لوگوں میں گاؤں والوں کی حالت سدھارنے کی چاہ ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ پچھلے چناؤ میں اسی سوال کو لیکر لڑا گیا تھا۔ کانگریس اور دوسری پارٹیوں نے جنھوں نے اپنے امیدوار کھڑے کئے تھے گاؤں والوں سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ جیتے تو اُن کا سب سے پہلا کام گاؤں والوں کی حالت سدھارنا ہوگا۔ گاؤں والوں کو کانگریس سے بڑی اُمیدیں تھیں اسی لئے اُنھوں نے کانگریس کا ہی ساتھ دیا اور اُس کی جیت ہوئی۔

کانگریس اپنا وعدہ بھولی نہیں ہے۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہی ہے کہ حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لینے کے ساتھ ہی کانگریس سرکار نے گاؤں والوں کی بھلائی کے کام شروع کردئے ہیں تاکہ یہ کام تیزی سے ہو اس کے لئے سرکار نے رورل ڈولپمنٹ بورڈ یعنی گاؤں سدھار نام کا ایک نیا محکمہ ہی کھول دیا ہے۔ اس محکمہ نے گاؤں کی حالت سدھارنے کے لئے ایک کافی بڑی اسکیم بنائی ہے اگر اس اسکیم کے مطابق کام ہوا (اور کوئی وجہ نہیں کہ نہ ہو کیونکہ اس محکمہ کا انتظام اس طرح پر کیا گیا ہے کہ اس کے کام کرنے والے دور دراز کے معمولی معمولی گاؤں میں پہونچیں) تو وہ دن بہت نزدیک ہے جب ہمارے صوبہ کے گاؤں کی بالکل کایا پلٹ ہو جائے گی۔

ایسے وقت میں جب سرکار صرف موافق ہی نہیں بلکہ ہر طرح سے سدھار کے کام میں مدد دینے کو تیار ہے اور رعایا میں سدھرنے کی زبردست خواہش پیدا ہو گئی ہے "ہل" کا اس شکل میں میدان میں آنا بالکل قدرتی ہے۔ ہمارے صوبہ میں اخباروں کی کمی نہیں ہے۔ آج کل یہاں سے ایک سے ایک اچھے روزانہ۔ ہفتہ وار۔ اور ماہوار رسالے اور اخبار نکل رہے ہیں۔ صوبہ کی زندگی میں جو نئی لہر پیدا ہوئی ہے اس میں ان سب کا کافی ہاتھ ہے۔ اس بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ سب ہوتے ہوئے بھی ایک ایسے رسالے کی ضرورت سمجھی گئی جس کے سامنے صرف گاؤں کا ہی سوال ہو۔ اگر "ہل" سے یہ سوال حل ہو سکا تو ہم اپنی محنت کو سپھل سمجھینگے۔

اس نئے رسالے کا نام "ہل" اسی وجہ سے رکھا گیا ہے کہ ہل ہی پر دیہات کی زندگی قائم ہے۔ دیہات کے رہنے والوں کی ضرورتوں اور ارمانوں کی یہی تصویر ہے۔ دیہات کی زندگی کو ظاہر کرنیکے لئے اس سے اچھا کوئی نشان نہیں مل سکتا۔ پھر اس رسالے کے ذریعہ ہم ان باتوں پر بھی روشنی ڈالنا چاہتے ہیں جو ہمارے موجودہ مسئلوں کو حل کرنے میں مدد دے سکتی ہیں اس خیال سے بھی ہم کو یہ نام مناسب جان پڑا۔ "ہل" کا تعلق کسی خاص پارٹی سے نہ ہو گا۔ "ہل" ان سب لوگوں کا خیر مقدم کرے گا۔ جو گاؤں والوں کی بھلائی سوچتے ہیں۔ "ہل" کے صفحے ان سب کے لئے کھلے رہنگے جو گاؤں کی بھلائی اور ترقی چاہتے ہیں اس صوبہ کے وزیر اعظم آنریبل پنڈت گووند ولبھ پنت کے یہ الفاظ "ہل" کے لئے ہمیشہ رہنمائی کریں گے"۔ یہ ایک ایسا کام ہے جس میں کسی طرح کے اختلاف کی گنجائش نہیں ہے اور جس میں ہر خیال کے لوگ ایک ہی مقصد کو سامنے رکھ کر

... [illegible] ... جا سکے
... [illegible] ... کے وہاں
... [illegible] ... کچھ کر سکتے ہوں
... دیہات ... [illegible] ...

ایک ہی دھرم ایک برت دیوا
کائے بچن من گاؤں کی سیوا

گاؤں کسے کہیں؟

گاؤں کسے کہیں؛ یہ بھی ایک سوال ہے جس کا جواب دینے کی ضرورت ہے۔ ممالک متحدہ کا رقبہ ریاستوں کو چھوڑ کر ۱۰۶۲۴۸ مربع میل ہے۔ ۱۹۳۱ء کی مردم شماری مطابق اس صوبہ کی آبادی تقریباً ۴۸۰۰۰۰۰۰ چار کروڑ اسی لاکھ ہے یعنی ایک مربع میل میں ۴۵۶ آدمیوں کا اوسط ہے۔ زیادہ لوگ گھنی بستیوں میں اس قدر تکلیف کے ساتھ رہتے ہیں کہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ یہ رواج اس وقت سے ہے جب لوگوں کو اپنی حفاظت کرنے کے لئے ایک دوسرے کے نزدیک رہنے کی ضرورت تھی۔ لیکن ایسا ڈر نہ ہونے سے اب کھیتوں کے بیچ میں بھی جھونپڑے دکھائی پڑنے لگے ہیں۔ اس طرح کسی کسی موضع کی بہت بڑی آبادی ہوتے ہوئے بھی اس میں شہر جیسی کوئی بات نہیں ہو سکتی۔ آبادی کے ۸۸٫۸ فیصدی لوگوں کا شمار دیہات میں کیا جاتا ہے۔ اور ۱۱٫۲ فیصدی کا شمار شہر میں۔ لیکن یہ فرق صرف سرکاری کاغذوں میں ہے۔ کسی گاؤں کی آبادی اتنی بڑھ جائے کہ اس میں ٹاؤن ایریا ایکٹ لاگو ہو جائے تو صرف اسی ایک بات سے وہ گاؤں شہر نہیں ہو جاتا۔ کیونکہ اس سے اکثر اس گاؤں کے گاؤں پن میں فرق نہیں پڑتا۔ اس لئے ایسے گاؤں کا شمار گاؤں میں ہی ہونا چاہئے۔ اور گاؤں سدھار کا کام ایسی جگہوں میں بھی ہونا چاہئے۔

گاؤں کی گرتی حالت

گاؤں والوں کی مالی حالت اتنی گری ہوئی کیوں ہے؟ اسکی وجہ ڈھونڈھنے کے لئے بہت دور جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ زیادہ تر لوگ کھیتی کرتے ہیں اور پیشے جانتے ہی نہیں۔ ۱۹۳۱ء کی مردم شماری میں ۷۱٫۱ فیصدی لوگوں نے کھیتی کو اپنا خاص پیشہ بتلایا تھا۔ تقریباً ۸۰٫۲ فیصدی لوگ اور بھی ایسے نکلیں گے۔ جن کا پیشہ کھیتی تو نہیں ہے لیکن جن کو اس سے آمدنی ہوتی ہے جیسے زمیندار وغیرہ۔ باقی لوگوں میں سے ایک بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو کسی نہ کسی طرح کھیتی سے ہی آمدنی حاصل کرتے ہیں۔ جیسے کھیتی کے لئے اوزار یا روپیہ وغیرہ لگا کر۔ پھر چونکہ یہ پیشہ زیادہ تر آسمان پر منحصر رہتا ہے۔ اس لئے اس میں ایک طرح کا خطرہ بھی بنا رہتا ہے جیسے اور کسی کلاس میں نہیں۔

حال میں سینچائی کے انتظام میں جو تھوڑی بہت ترقی ہوئی ہے۔ اس سے کسانوں کو بارش سے کچھ چھٹکارا ملا ہے۔ لیکن اس کا خرچ بھی بڑھ گیا ہے۔ ۱۹۳۶ء۔ ۱۹۳۷ء میں کل تین کروڑ ۶۰ ساٹھ لاکھ ایکڑ زمین پر کھیتی ہوئی۔ اس میں خالی ایکڑ زمین کی سینچائی کا بندوبست ہو سکا۔ اس طرح تقریباً ۷۰ فیصدی کھیتی بارش کے ہی سہارے ہوتی ہے۔ جس کی کمی ہونے سے دیہات والوں کے سب کام دھندے بگڑ جاتے ہیں اور ان کی مالی حالت خراب ہو جاتی ہے۔ پالا۔ ٹڈی اور دوسری طرح کے کیڑوں سے کبھی کبھی کافی نقصان پہونچ جاتا ہے۔ یہ سب ہوتے ہوئے بھی ان میں سے کسی ایک بات سے کسانوں کو اتنا نقصان نہیں پہونچا جتنا ۱۹۳۰ء میں پیداوار کی قیمت گر جانے سے پہونچا ہے اور ابھی خاص سرکاری امداد کے ہوتے ہوئے بھی ابھی تک وے اس سے سنبھل نہیں سکے ہیں۔

خیر یہ تو باتیں ہوئیں جن پر آدمی کا قابو نہیں ہے اور بھی کئی باتیں ہیں جو کھیتی کو نقصان کا پیشہ بنا دیتی ہیں۔ ان صوبوں میں زمین کے بٹوارے کا قانون کچھ ایسا ہے کہ اسکے پشت در پشت ٹکڑے ہوتے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ وے کسان کیلئے بیکار ہو جاتے ہیں ۱۹۲۹ء میں جب کھیت کی پیداوار مہنگی تھی تو ایسے ٹکڑوں سے بھی کسان فائدہ اٹھا لیتے تھے لیکن ۱۹۳۰ء میں نرخ گر جانے سے یہ بات ختم ہو گئی اور ایسی تکلیفیں اتنی بڑھ گئیں کہ دیہاتی آبادی کی ریڑھ ہی ٹوٹ گئی۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ کسان قرض کے بوجھ سے دب گئے۔ اور گاؤں بنیوں کے شکار ہو گئے۔ یہ قرض تین قسم کا ہے۔

۱۔ کھیتی کے کام کے لئے لیا گیا قرض ۳۰ فیصدی۔
۲۔ شادی غمی دعوتوں اور مقدمہ بازی کے لئے لیا گیا قرض ۳۶ فیصدی۔

۳۔ لگان ادا کرنے اور پیٹ بھرنے کے لیے لیا گیا قرض ۴۴ فیصدی۔

سنہ ۱۹۳۰ء کے ان مالی مشکلات نے کسانوں کو کھیتی کے علاوہ اور طریقوں سے بھی آمدنی بڑھانے کے لئے مجبور کیا گنا اور کپاس کی کھیتی سے بہت سے لوگوں نے کچھ آمدنی کی بہت سے لوگوں نے بھوسہ وغیرہ بیچ کر گزر کی چرخہ جو ایک موقع پر خلافت کا نشان تھا اب بہت سے لوگوں کی گزر کا ذریعہ بن گیا ہے۔ بڑھئی گیری۔ کمہاری۔ رسّی بنانا۔ ٹوکری اور چٹائی بننا۔ گلیچہ بننا اور کاغذ وغیرہ بنانے کا کام بھی دکھلائی پڑنے لگا ہے۔ لیکن پرانے زمانے کے یہ دھندے روزگار آجکل کی بدلی ہوئی حالت میں اتنے مفید ثابت نہیں ہوتے ہیں۔ کیونکہ مشین کی بنی چیزوں سے یہ مقابلہ نہیں کر سکتے۔ بہت سے کسان مجبور ہو کر کام اور روزی کی تلاش میں شہروں کی طرف دوڑ رہے ہیں تب کہیں پیٹوں کا پورا پڑتا ہے۔ جن کے گھر میں ایسے کمانے والے نہیں ہیں انکی تکلیفیں قابل بیان نہیں ہیں۔ ایک طرف جہاں مالی حالت اتنی گری ہوئی ہے۔ دوسری طرف وہاں ناخواندگی۔ بیماریاں جیسے ہیضہ۔ طاعون وغیرہ بھی رعایا کی ترقی میں حائل ہیں۔ آنے جانے کے راستے اتنے اچھے نہیں ہیں جتنے کہ ہونے چاہئیں۔ اس طرح جن لوگوں نے گاؤں سدھار کا کام اپنے ذمہ لیا ہے ان کا راستہ آسان نہیں ہے پھر جس جوش اور مستعدی سے کام شروع ہوا ہے۔ اسکو دیکھتے ہوئے کافی اُمید کیجا سکتی ہے کہ گاؤں کی یہ سب باتیں گاؤں سدھار کے محکمہ کے افسروں کے سامنے ہیں اور سب شکائتیں دور کرنے کے لئے انھوں نے بڑی مفید تجویز تیار کی ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ اس تجویز کے مطابق کام کرنے میں کامیابی حاصل ہوگی۔ اور کسانوں کی حالت سدھر جائیگی۔

سرکاری تجویز کے مخالفوں سے

صوبہ کی سرکار نے گاؤں سدھار کی جو تجویز تیار کی ہے اسکی نکتہ چینی بھی کی گئی ہے۔ ایک نکتہ چین نے کہا ہے کہ اس تجویز کے ذریعہ کانگریس سرکار اپنا پروپگنڈا کرنا چاہتی ہے اور اپنی طاقت بڑھانا چاہتی ہے۔ دوسرے نکتہ چین نے یہ کہا ہے کہ یہ تجویز انقلابی نہیں ہے۔ یہ ویسی ہے جیسی پرانی سرکار کی تھی۔ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ تجویز کے ذریعہ سے کانگریس سرکار اپنا پروپگنڈا نہ کرکے گاؤں کی سچی خدمت کرنا چاہتی ہے۔ اسکا ثبوت یہ ہے کہ تجویز میں ہر خیال کے لوگوں سے مدد کرنے کی اپیل کی گئی ہے۔ خود وزیر اعظم نے سب سے اپیل کی ہے کہ اس کام کو سب کو بلا کسی اختلاف رائے کے مل کر کرنا چاہیئے۔ ہر ایک کو موقع ہے کہ وہ اس میں حصّہ لے اور گاؤں والوں کی مدد کرے۔ جو اس تجویز کو بیکار اور بچھڑی ہوئی بتلاتے ہیں وہ اصل میں جو کچھ ہو رہا ہے اسکی طرف سے آنکھیں بند کئے ہوئے معلوم ہوتے ہیں ہر ضلع میں ہر تحصیل میں ہر گاؤں میں کچھ نہ کچھ کام شروع ہے۔ بالغوں کی تعلیم کے لئے اسکول کھل رہے ہیں۔ جگہ جگہ کتبخانہ قائم کئے جا رہے ہیں۔ پنچایتوں کے ذریعہ گاؤں کو منظم کرنے کی ترکیبیں ہو رہی ہیں۔ مویشیوں کے پالنے کے طریقے بتائے جا رہے ہیں۔ انکی اچھی نسل کے لئے اچھے سانڈوں کا انتظام کیا جا رہا ہے۔ بیماریوں کو روکنے کے طریقے سوچے جا رہے ہیں۔ گاؤں والوں کی زندگی کو اچھا بنانے والی سوسائٹیاں قائم کیجا رہی ہیں گھریلو دستکاری کی ترقی کے لئے کوششیں کیجا رہی ہیں۔ اس کام کیلئے سرکاری اور غیر سرکاری جو کچھ بھی مدد ممکن ہو سکتی ہے حاصل کرنیکی کوشش کیجا رہی ہے۔ ایسی حالت میں جو کام ہوگا وہ اگر نکتہ چین کو پسند نہیں ہے تو ہم یہی کہیں گے کہ انکی نکتہ چینی کرنیکی محض ایک عادت ہے۔ ایک مرتبہ ہم پھر عرض کریں گے کہ گاؤں کی خدمت کرنیکا یہ بڑا اچھا موقع ہمارے ہاتھ آیا ہے اسے ہم ہاتھ سے نہ جانے دیں اسی میں ہمارے وطن کی بھلائی ہے۔

"ہل" کی زبان

ہل کی زبان کے بارے میں بھی ہمکو تھوڑا سا عرض کرنا ہے ہماری کوشش یہ ہوگی کہ ہم ایسی زبان لکھیں جو گاؤں کے اَن پڑھ لوگ بھی سنکر سمجھ لیں۔ زبان کے بارے میں ہماری رہنمائی کبیر کی زبان کریگی۔ جو نہ ہندی ہے نہ اُردو۔ بلکہ سیدھی سادی ہندوستانیوں کی زبان ہے۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ اس نمبر میں کہیں کہیں اس بات کو پورے طور سے انجام نہیں دیسکے ہیں کیونکہ جلدی کیوجہ سے اس طرف ہیں جتنی توجہ دینی چاہیئے تھی اتنی نہیں دیجاسکی لیکن آئندہ ہم اس بات کا خاص طور سے خیال رکھیں گے۔ کبیر نے کیا ہی اچھی بات کہی ہے۔

کبیرا کھڑا بازار میں سب کی مانگے خیر
نہ کا ہوسے دوستی نہ کا ہوسے بیر

کبیر کی یہی زبان ہماری زبان ہوگی اور ہماری پالسی کبیر کے اسی اُصول پر منحصر رہیگی۔

بڑھئی گیری کی تعلیم

گاؤں والوں کو بڑھئی گیری کی تعلیم دی جائے تو انکی مالی حالت کیسے سُدھر سکتی ہے اسکی ایک مثال لیجیے۔ گاؤں سدھار کے افسر نے فرنیچر کے لئے ضلع کے دفتر کو ساٹھ روپیہ اور ہر ڈویژن کو ایکسو بائیس روپیہ کی امداد دی تھی اور ان سے درخواست

ہاروٹنگلا (بریلی) میں گاؤں والے فرنیچر بنا رہے ہیں

کی تھی کہ وہ اپنی ضرورت کے فرنیچر گاؤں کے بڑھئیوں سے ہی خریدیں، اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ گاؤں کے بڑھئیوں کو ۲۰۰۰۰ روپیہ کی لاگت کا کام ملا۔ یہ کام بریلی ضلع میں گاؤں والوں کو بڑھئی گیری کی تعلیم کے لئے یو۔پی کے "ڈڈ ٹیکنو لوجسٹ" کی نگرانی میں جو کام کھلا ہے اُسی کی معرفت ہوا۔ اور اس کام سے سب کو پوری تسلی ہوئی یہاں ہم بریلی ضلع کے ہاسن ڈالا سینٹر کی ایک تصویر چھاپ رہے ہیں۔ اس میں اب گاؤں کے بڑھئیوں کو فرنیچر بناتے ہوئے دیکھ سکتے ہیں اگر اور اور دفتروں کے لوگ بھی بریلی ضلع کے گاؤں سے فرنیچر خریدنے لگیں تو یہ آسانی سے کیا جا سکتا کہ اس ضلع کے گاؤں کی کتنی جلدی کایا پلٹ ہو جائیگی

گاؤں سدھار کے آگنائزروں کی ٹریننگ

محکمہ گاؤں سدھار کی طرف سے نیچے لکھا ہوا نوٹس شائع ہوا ہے۔

پچھلے ۵ ستمبر کو آگنائزروں کی پہلی ٹکڑی کی ٹریننگ اچھی طرح سے ختم ہوئی۔ اس ٹکڑی میں ۲۴۰ آگنائزر تعینات کئے گئے تھے۔ ان کی ٹریننگ کے لئے کانپور۔ فیض آباد۔ اٹاوہ۔ میرٹھ۔ گورکھپور اور مین پوری میں سنٹر کھولے گئے تھے۔ ۲۴۰ آرگنائزروں کی دوسری ٹکڑی مختلف حلقوں میں ٹریننگ پا رہی ہیں۔ یہ کام ۱ اکتوبر سے شروع کیا گیا ہے۔ آگنائزروں کی ٹریننگ کے لئے ڈاکٹر ہگن باٹم کا اگریکلچرل انسٹیٹیوٹ الہ آباد زیادہ موزوں سمجھا گیا۔ اسی سے مین پوری میں ٹریننگ نہ دیکر الہ آباد میں ہی ٹریننگ دیجا رہی ہے۔ ۲۴۰ آرگنائزروں کو نوکریاں دیگئی ہیں اور قریب ۵۰ امیدوار اپنے خرچ سے ہی ٹریننگ پا رہے ہیں۔

باہمی امداد۔ کھیتی۔ تندرستی۔ فرسٹ ایڈ۔ کفایت شعاری اسکاوٹنگ اور جانوروں کے بارہ میں تعلیم دینے کے علاوہ کالج کے پروفیسروں اور دوسرے مشہور آدمیوں کے لکچروں کا بھی انتظام کیا جا رہا ہے۔ گھریلو دستکاری کی تعلیم کی مد میں کاتنا۔ دھننا۔ بننا اور موزے کے کام بھی شامل کر دئے گئے ہیں۔ ٹریننگ کے حلقوں کی دیکھ بھال کوآپریٹو سوسائٹیوں کے انسپکٹروں کے ذمہ ہے انکی سیوا اور مدد یوپی کے کوآپریٹو سوسائٹیوں کے رجسٹرار کی مہربانی سے مل گئی ہے۔ اور دوسرے محکموں کے افسروں نے بھی آرگنائزروں کی ٹریننگ میں کافی مدد دی ہے۔

گاؤں سدھار ہفتہ

پہلی نومبر سے ۸ نومبر تک ہمارے صوبے میں گاؤں سدھار ہفتہ بڑی دھوم دھام سے منایا گیا۔ اس ہفتے کے سلسلے میں ہر جماعت اور خیال کے لیڈروں نے جو پیغام بھیجے ہیں ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے صوبے میں ہر طرح کے آدمیوں میں گاؤں سدھار سے دلچسپی ہے اور سب یہ چاہتے ہیں کہ گاؤں کی حالت اچھی ہو۔ یہ سب پیغام ہم کسی دوسری جگہ چھاپ رہے ہیں۔

اس ہفتے میں صوبے کے ہر حصے سے جو خبریں آئی ہیں وہ بہت اُمید افزا ہیں اور جس جوش کے ساتھ گاؤں والوں نے اس ہفتے کے منانے میں حصہ لیا ہے اس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ گاؤں میں خوب بیداری پیدا ہوگئی ہے۔ اور گاؤں والوں میں اپنا سدھار خود کرنے اور اپنے پیروں پر کھڑے ہونیکا خیال پیدا ہوگیا ہے۔ ہر گاؤں والے کو صفائی اور آپس کے میل ملاپ کا بہت خیال ہے اور اُسے یہ یقین ہے کہ گاؤں ہی کی بھلائی میں سارے ملک کی بھلائی ہے۔

اس ہفتے میں جو کام ہوا ہے اور جس جوش کے ساتھ ہوا ہے اگر اسی طرح جاری رہا اور کوئی وجہ نہیں کہ جاری نہ رہے تو وہ دن بہت ہی قریب ہے جب ہمارے گاؤں کی حالت بالکل بدل جائے گی اور ایک بار پھر وہ دیوتاؤں کے رہنے کے قابل ہو جائے گا۔ صوبے بھر میں گاؤں سدھار کا ہفتہ جس کامیابی کے ساتھ منایا ہے اسکا اندازہ نیچے لکھی ہوئی باتوں سے لگایا جا سکتا ہے۔

گاؤں سدھار ہفتہ پہلی نومبر کو شروع ہوا۔ ہر ایک نے ذات، مذہب اور گروہ کا خیال چھوڑ کر اس ہفتے میں مدد دی۔ اس صوبے کے ہر خیال کے لوگوں نے لیڈروں نے اس ہفتے کے لئے کامیابی کی دعائیں بھیجیں۔ ان خیالوں کو اردو اور ہندی میں چھپوا کر دیہاتوں میں بانٹ دیا گیا ہے ہم آل انڈیا ریڈیو کے شکر گزار ہیں کہ انھوں نے عین موقع پر ان کامیابی کی دعاؤں کو اپنے پروگرام میں شامل کر لیا۔ دیہاتوں میں اس ہفتے میں خاص طور پر جلسے کئے گئے جس میں ہر ایک نے حصہ لیا یہاں تک کہ بڑے بڑے افسر صاحبان بھی گاؤں سدھار کے لئے بہت سی جگہوں پر والنیٹیر بھرتی کئے گئے اور بہت سے لوگوں کے گاؤں کو گود لینے کی خبریں بھی ملی ہیں۔ آخر دنوں میں بہت سی رورل ڈولپمنٹ ایسوسی ایشنوں نے لگنا کے میلوں سے فائدہ اٹھایا اور میلوں میں گاؤں سدھار سے تعلق رکھنے والی چیزوں کی نمائش گاؤں والوں کے لئے بہت کام کی ثابت ہوئی۔

(سرساباگاؤں (لکھنؤ) میں گاؤں سدھار ہفتہ کا ایک منظر۔ گاؤں کی صفائی میں پارلیمنٹری سکریٹری
جناب گوپی ناتھ شریواستو اور دوسرے لیڈروں نے حصّہ لیا)

(سرساباگاؤں (لکھنؤ) میں گاؤں سدھار ہفتہ کا دوسرا منظر)

(لیڈروں اور ماتحتوں کے ذریعہ گاؤں کی صفائی کا منظر)

اس ہفتے میں گاؤں سدھار سے تعلق رکھنے والے دوسرے محکموں نے بھی پوری مدد دی۔ گاؤں والوں کی دلچسپی کی بہت سی باتوں پر لکچر ہوئے اور ہر ایک رورل ڈولپمنٹ سنٹر میں گاؤں سدھار کے سلسلے میں کچھ نہ کچھ ضرور کیا گیا۔ ایسے سنٹروں کی تعداد اس صوبے میں اس وقت ایک ہزار ہے۔ الموڑے میں اس سلسلے میں ایک فارسٹ ڈے بھی منایا گیا۔ اور اس دن لوگوں کو بتایا گیا کہ گاؤں کی مالی حالت کو اچھا بنانے کے سلسلے میں جنگلوں سے کہاں تک فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ لکھنؤ میں اس ہفتے میں چنے ہوئے سنٹروں میں بڑے بڑے جلسے کئے گئے۔ ایک سنٹر میں آنریبل پریمیر نے ایک پنچایت گھر کی بنیاد ڈالی بے گڑھ مکتیشر میں گنگا کے دونوں کناروں پر نمائش کھولی گئی اور مراد آباد اور میرٹھ میں رورل ڈولپمنٹ ایسوسی ایشنوں کی طرف سے جلسے کئے گئے۔ مظفر نگر ایسوسی ایشن نے دوسرے کاموں کے ساتھ ساتھ ایک آنکھ کا اسپتال بھی کھولا۔ پرتاب گڈھ کے دیہاتوں میں بڑے زور شور سے منایا گیا۔ اور باتوں کے علاوہ، پھلوں کے پودے بھی لگائے گئے۔ کھیل کود، کسرتیں اور دنگل قریب قریب ہر ضلعے میں ہوئے۔ ان دنگلوں میں جن لوگوں نے حصہ لیا ان کو انعام بھی دیا گیا اور نمائش میں جن گاؤں کے لوگوں نے اپنی چیزیں بھیجیں اور جن کو اچھا سمجھا گیا ان کو بھی انعام دیا گیا۔

ڈولپمنٹ کے منسٹر آنریبل ڈاکٹر کیلاش ناتھ کاٹجو نے طوفانی دورہ کیا۔ کئی ضلعوں میں انھوں نے رورل ڈولپمنٹ کے سنٹروں کو دیکھا۔ گورنمنٹ کے وزیر، پارلیمنٹری سکریٹری اور دوسرے لوگ جنھیں گاؤں سدھار سے کوئی تعلق ہے، اس ہفتے میں بہت مشغول رہے۔ اس ہفتے کے منانے والوں میں صرف شہر ہی کے لوگ حیرت میں ڈالنے والی تعداد شامل نہیں ہوئے، بلکہ اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ اس ہفتے کو منانے کے لئے دیہات کے لوگ بھی ہزاروں کی تعداد میں شامل ہوئے۔ تمام دیہاتوں میں بیداری پیدا ہوگئی ہے۔ اور لوگ ایک دوسرے کو مدد دینے اور اپنی آپ پر بھروسہ کرنے کا صحیح مطلب سمجھ گئے ہیں۔ ہمارے سامنے ایک بہت بڑا کام ہے اور ہمیں امید ہے کہ اس ہفتے میں لوگوں کو گاؤں سدھار سے دلچسپی پیدا ہوگئی ہے وہ برابر جاری رہے گی۔

Regd. No. A-3285

کیسی تھی مصیبت میں کسان کہوں نہ ہو جب وہ کھیتوں میں دانے دو دیا تھا ہے تب اس کی خوشی کا ٹھکانا نہیں رہتا - آج میں ایسی جنتی جا گئی اور خوبصورت تصویریں آپ کو برابر دیکھنے کو ملیں گی -

ہندوستان اپنے شہروں میں نہیں ہے - وہ اپنے گاؤں میں بسا ہوا ہے - کسانوں کی حالت کس طرح سدھاری جائے ؟ ہمارے لیے بہت ضروری ہے کہ ہم ہر منٹ ہر لمحہ اس کا خیال رکھیں -

— مہاتما گاندھی

باہتمام کے - مترا پرنٹرز اینڈ پبلشرز لمیٹڈ الہ آباد نے چھپوا کر شائع کیا

ہل

جلد ۱ نمبر ۲ | باتصویر ماہوار رسالہ | جنوری سنہ ۱۹۳۶ء

فہرست مضامین

ہَل

یو۔پی گورنمنٹ کے محکمہ گاؤں سدھار سے منظور شدہ

جنوری سنہ ۱۹۳۹ء　　باتصویر ماہوار رسالہ　　نمبر ۲

بورڈ آف ایڈیٹرس

جناب ونکٹیش نارائن تواری　　جناب سکھ دیو بہاری مسر
جناب ڈاکٹر ذاکر حسین　　جناب مہابیر تیاگی
جناب سمترانندن پنت　　شریمتی تارا پانڈے

جناب منوہر داس چترویدی

ایڈیٹر
شری ناتھ سنگھ

پبلشر

انڈین پریس لمیٹڈ الہ آباد

سنہ ۱۹۳۹ء

سالانہ قیمت ۱۲؍　　ایک پرچہ ۶؍

बाँसुरीवाला　　بانسری والا

باتصویر ماہوار رسالہ
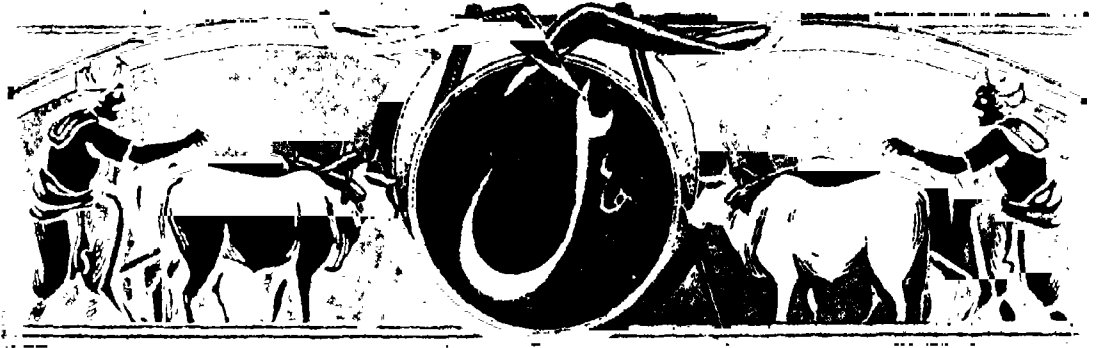
جنوری ۱۹۳۹ء نمبر ۲ جلد ۱

ہمارا دیس

(سیّد اعظم حسین صاحب اعظمؔ)

ہم دیس کے چاہنے والے ہیں، ہم دیس کو چھوڑ نہیں سکتے ۔۔۔ دُکھ سُکھ ہی کٹے گی ایک طرح، مُنہ اس سے مُوڑ نہیں سکتے

ہم پوت ہیں بھارت ماتا کے، آنند ہے اس کی سیوا میں ۔۔۔ اِک جُگ سے یہ ناتا قائم ہے ، یہ ناتا توڑ نہیں سکتے

ہم پریم نگر میں بستے ہیں، اس بات کو خوب سمجھتے ہیں ۔۔۔ جو شیشہ دل کا ٹوٹ گیا، وہ شیشہ جوڑ نہیں سکتے

ڈالی کی ڈالی خالی ہے، یہ ڈاکو ہے یا مالی ہے ۔۔۔ جو چاہنے والے ہیں سچے، وہ پھول کو توڑ نہیں سکتے

دھوکے کی ٹٹّی ٹوٹ گئی، لاگو بیری کو جان گئے ۔۔۔ اب جتنا بچا ہے تن میں لہو اس کو تو نچوڑ نہیں سکتے

سُندر مُکھڑے پہ بھارت کے، ہندو مسلم دو آنکھیں ہیں ۔۔۔ ان دو آنکھوں میں ایک کو بھی بھولے سے پھوڑ نہیں سکتے

جو بوتا ہے وہ کاٹتا ہے ، جو سوتا ہے وہ کھوتا ہے
اعظمؔ یہ کام کی دُنیا ہے ، مُنہ کام سے موڑ نہیں سکتے

کبیر صاحب

(جناب پنڈت ۔ وینکٹیش نارائن تیواری صاحب)

۴۰۰ سال سے کچھ زیادہ عرصہ ہوا جب ہمارے ملک کے ایک بہت بڑے مہاتما اس دُنیا کو چھوڑ کر دوسری دُنیا کو سُدھارے تھے۔ ان کا نام مہاتما کبیر داس تھا۔ اور آج تک لاکھوں کی تعداد میں اُن کے ماننے والے موجود ہیں۔ ان ماننے والوں کی جماعت کو کبیر پنتھی جماعت کہتے ہیں۔ کبیر پنتھیوں کا سب سے بڑا مقام بنارس کے پاس مگہر ہے۔ آج سے تین سو سال پہلے اسی جگہ کبیر داس جی اس دُنیا سے سدھارے تھے۔ اُن کی سمادھی یہاں اب تک بنی ہوئی ہے۔ ہندو کہتے ہیں کہ کاشی میں مرنے سے جنت ملتی ہے۔ لیکن مگہر میں مرنے سے سب نیکیاں اور ثواب برباد ہوجاتے ہیں۔ لیکن کبیر داس اس خیال کے نہ تھے۔ اُنھوں نے کہا ہے۔

"جو کبیرا کاسی مرے رامہیں کون نہور"

اس لئے کہتے ہیں کہ کبیر داس مرتے وقت کاشی چھوڑ کر مگہر چلے گئے تھے۔

کچھ دن ہوئے، میں کاشی سے کبیر داس جی کی سمادھی دیکھنے کی غرض سے مگہر* گیا۔ دھوپ تھی اس لئے سمادھی کے درشن کرنے کے بعد دور ایک پیڑ کے سایہ میں جا کر بیٹھ گیا۔ اور گرمی اور تھکاوٹ کی وجہ سے آنکھ جھپک گئی۔ تھوڑی دیر میں میں نے دیکھا کہ ایک بہت ضعیف فقیر ایک تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں اس تخت کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ میں نے پوچھا کہ مہاتما کیا آپ ہی کبیر داس جی ہیں؟ انھوں نے کہا "ہاں" میں نے کہا اگر بے ادبی نہ ہو تو آپ مجھے بتائیں کہ آپ کے ہندوستان اور آج کل کے ہندوستان میں کیا فرق ہے؟

"تم کون ہو۔ یہاں کیا کرنے آئے ہو؟"

میں نے کہا "میں ایک یاتری ہوں"

"ہندو ہو یا مسلمان؟"

میں نے جواب دیا "میں نہ ہندو ہوں نہ مسلمان۔ میں تو ہندوستان کی خاک کا بنا ہوا ایک ہندوستانی پتلا ہوں۔"

"جب میں تھا تب گرو نہیں، اب گرو ہیں میں نہیں
پریم گلی ات سانکری، یا میں دو نہ سمانہیں"

یہ آپ ہی کا تو قول ہے

کبیر داس جی نے فرمایا۔ ٹھیک ہے۔ میری پیدائش ایک ہندو گھرانے میں ہوئی تھی لیکن پرورش میری ایک جولاہے کے گھر میں ہوئی۔ میں نے رامانند جی سے وشنو دھرم کی تعلیم حاصل کی اور مانک پور کے صوفی فقیر شیخ تقی کی بھی تعلیم سُنی میرے لئے رام اور رحیم میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دل کی صفائی، خدا سے لگن، اور اس کے بندوں کی خدمت۔ انھیں تین کا سہارا لیکر جو زندگی کے سمندر کو پار کرنے کی ہمت کریں گے، وہ ضرور پار ہو جائیں گے، چاہے وہ بیچ ہی میں ڈوب جائیں یا کنارے سے جا لگیں۔ "ڈوب گئے تو پار ہیں، پار بیٹھے تو پار۔"

میں نے پھر بڑے ادب سے پوچھا۔ آپ کو یہ دُنیا چھوڑے تین سو سال ہو گئے اور چھوڑنے سے پہلے آپ نے اس ملک میں ۱۲۰ برس سال تک دن رات کا الٹ پھیر ہوتے دیکھا۔ مہربانی کرکے بتائیے، جب کے اور اب کے ہندوستان میں کیا فرق ہے۔ مہاتما نے فرمایا۔ میں جب ۱۳ سال کا تھا تو پانی پت کی

---

* یہ مقام بستی اور گورکھپور کے بیچ میں ہے۔

لڑائی میں دلّی کے سلطان ابراہیم لودی نے شکست کھائی اور وہیں اس کی موت ہوئی۔ اس کے بعد بابر ہندوستان کے بادشاہ ہوئے۔ میرے زمانہ میں ابراہیم لودی، بابر، ہمایوں، شیر شاہ، اسلام شاہ، محمد عادل شاہ پھر ہمایوں اور اس کے بعد اکبر اور اکبر کے بعد جہانگیر۔ یعنی ۱۲۰ سال کے عرصہ میں میں نے دس بادشاہوں کو گدّی پر بیٹھتے دیکھا۔ ان میں سے بابر، شیر شاہ اور اکبر نے ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں اپنا نام ایسے قلم اور سیاہی سے لکھا ہے کہ زمانہ کی رفتار نہ اُن کے ناموں کو مٹا سکے گی اور نہ دھندلا کر سکے گی۔ لیکن مجھے سیاسی معاملات سے نہ تب کچھ سروکار تھا اور نہ اب کچھ ہے۔ میں اس دنیا میں تھا ضرور لیکن اس دنیا کا نہ تھا۔ میری دنیا تو نرالی دنیا تھی۔ میرے کانوں میں تو رات دن دوسری دنیا کے ڈنکے کی چوٹ گونجا کرتی تھی۔ مجھے شاہی دربار کی تمنا نہ تھی۔ میں تو سائیں کے دربار تک پہنچنے کے لئے بگلا ہو رہا تھا۔ اس کے باوجود بھی معمولی طور پر پچھلے ۵۰۰ سال میں ہندوستان میں یا دنیا کے اور حصّوں میں جو تبدیلیاں ہوئی ہیں ان پر [illegible] کرنا فضول ہے۔ کیونکہ راہ چلتا ہوا آدمی بھی ان موٹے موٹے فرقوں کو آسانی سے دیکھ سکتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اُس وقت نہ ریل تھی، نہ ہوائی جہاز تھے، نہ موٹریں تھیں اور نہ ٹیلیفون۔ مجھے تمہارے کپڑے کے کارخانوں کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ لیکن ان کے ہوتے ہوئے بھی چرخے اور کرگھے کی طرف ہندوستان کا رجحان دیکھ کر کچھ تسلی ہوتی ہے۔ اپنے کرگھے پر اپنی بیوی کے ساتھ میں نے "جھینی جھینی" جو بنی چادریا" وہ باوجود جھینی ہونے کے آج بھی ہندوستان میں برقرار ہے۔ کیونکہ اس کا تانا "پریم" کا تانا ہے اور بانا پرایا درد ہے۔

کبیر صاحب

میرے زمانہ میں پنڈتوں اور ملّاؤں کی بے حد پوجا ہوتی تھی۔ چھوٹی چھوٹی عمر کی لڑکیوں کی شادیاں ہوتی تھیں۔ چھوت چھات کا [illegible] تھا۔ سب [illegible] ہوتی تھیں۔ ہندو مسلمانو کے [illegible] مٹانے کی جو کوشش شہنشاہ اکبر نے کی اس سے مجھے یہ امید ہو چلی تھی کہ ہندوستان کے باشندے مذہب کو [illegible] کا [illegible] سمجھے تھے [illegible] کے ہندوؤں میں [illegible] قوم [illegible] لیکن تمہارے ہندوستان کو دیکھ کر مجھے افسوس ہوتا ہے۔ کیا آج کل کے ہندوستانی اُس اکبر کے ہم وطن ہیں جس

نے ہندو اور مسلمان میں کبھی کوئی فرق نہیں سمجھا۔ خدا کے
کچھ بندے آج بھی اس ملک میں موجود ہیں جو اس مذہبی
آگ کو بجھانے کی ہر طرح کوشش کر رہے ہیں۔

مہاتما یہاں پر رک گئے۔ تھوڑی دیر چپ رہنے کے
بعد بولے: ہندوستان کا کوڑھ جیسا میرے زمانے میں تھا،
ویسا ہی اب بھی ہے۔ اس میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔

میں نے پوچھا: کون سا کوڑھ؟

جواب ملا: اونچ نیچ ذاتوں کا۔ ذات پات پر مجھے کبھی
یقین نہ تھا۔ میں نے اس کے خلاف جہاد کیا ہر طرح اُسے
مٹانے کی کوشش کی۔ لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے
کہ وہ کوڑھ آج بھی، ویسا ہی نظر آتا ہے۔ میں نے کہا تھا۔
جات پات جانے نا کوئے۔ ہری کا بھجے سو ہری کا ہوئے؛
ہری سے ہری جن بڑا ہے؛ کیونکہ ایک کی پوجا سے مکتی (نجات)
ملتی ہے اور دوسرے کی سیوا کرنے سے ہری (خدا) ملتے ہیں۔
ہندوستان میں جب تک اُونچ نیچ موجود رہیں گے
اس وقت تک اُس کی بھلائی کے دن دُور ہیں۔ صرف
اسی ملک میں یہ روگ پھیلا ہوا نہیں ہے۔ دُنیا اس
کا شکار ہے۔ سب آدمی برابر ہیں۔ نہ کوئی چھوٹا ہے
نہ بڑا۔

آج کل کے ہندوستان پر مغربی خیالات کا کافی
اثر دکھائی دیتا ہے۔ پچھلے تین سو سال میں سیاسی
معاملات میں بہت کچھ تبدیلی ہو چکی ہے۔ لیکن دُنیا آج
کل ایک سمندر کے کگار پر کھڑی ہے۔ موت کے باجے بج
رہے ہیں۔ معلوم نہیں کس وقت زلزلہ آئے اور یہ کگار
دُنیا کے بہت بڑے حصّے کے ساتھ گھسٹتا ہوا، اندھیرے
غار میں گر کر نیست نابود ہو جائے۔ ایسے زمانہ میں مردوں
کی ضرورت ہے۔ اور مرد وہی ہے جو لیک چھوڑ کر نئے
راستے پر چلنے کے لئے تیار ہو۔ "سایر، سنگھ، سپوت،
تو لیک پر نہیں چلا کرتے۔ اور بہادر تو وہ ہے جو تیر تلوار سے نہیں لوٹتا۔
تیر تپک سے جو لڑے، سو تو ویر نہ ہوئے۔

سورا نام کہائے کے، کادر پت ہے ویر
مر رہنا میدان میں سن مُکھ سہنا تیر

ابھی میں نے تمھیں بتایا تھا کہ موجودہ زمانے میں جب
ہر وقت موت کے ڈنکے کے بجنے کا خطرہ ہے، ہندوستان
کو اور دُنیا کو ضرورت ہے۔ اُن لوگوں کی جو جان کو ہتھیلی پر
رکھ کر دوسروں کی خدمت میں اپنے کو قربان کرنے کے
لئے تیار ہوں۔

بیرا سوئی کہاوئی جو جانے پر پیر
جو پر پیر نہ جانئی سو کافر بے پیر

نہیں سچا ویر (بہادر) کاتر (بزدل) نہیں ہوتا۔ اُسے
اپنی جان کی پرواہ نہیں ہوتی۔ اُسے تو میرے اس قول
کو نہ بھولنا چاہئے۔

مرنا ہے تو مرجائیے چھوٹ پرے جنجال
ایسا مرنا کو مرے دن میں سو سو بار

ضرورت ہے اس وقت دُنیا کو اُن لوگوں کی جو اس دُنیا
کو بچانے کے لئے ہر طرح کی قربانی کے لئے تیار ہوں۔ میں
نے ایک بار کہا تھا۔

سولی اوپر گھر کرے وِش کرے آہار
کال تاہی کا، کا کرے آٹھ پہر تیار

میں نے پوچھا: آپ کی رائے میں ہم کیا کریں کہ ہماری
بڑھتی ہوئی دقتیں رفع ہو جائیں؟

جواب ملا: تمھاری دُنیا اپنے زمانے کی غلام ہے۔
آج کل روزگاریوں کا بول بالا ہے۔ چاروں طرف بھلائی
اور بُرائی کا سودا زوروں پر نظر آتا ہے۔ نفع اور نقصان
کی دُھن میں امیر اور غریب، چھوٹے اور بڑے پاگل
ہو رہے ہیں۔ سودا کرنے والے سودائی ہو رہے ہیں اور
تمھارے زمانہ کو سودے کی بیماری ہے لوگ یہ بھول جاتے
ہیں کہ دُنیا خالہ جی کا گھر نہیں۔ یہ تو پریم کا گھر ہے اور اس
میں قدم رکھنے کا وہی حقدار ہے جو اپنی ہستی کو مٹانے کے
لئے تیار ہو۔

یہ تو گھر ہے پریم کا خالہ کا گھر نا ہیں
سیس کاٹ مُنہ ماں دھرے تب پیٹھے اس ماہیں
سیس کاٹ مُنہ میں دھرنا پر رکھے پاؤں
داس کبیرا یوں کہے ایسا ہوئے تو آؤ

لیکن پریم اور غرور ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔ جو لوگ

چاکھا چاہیں پریم رس راکھا چاہیں مان

وہ نہ خدا کے بندوں کی سچی خدمت کر سکتے ہیں اور نہ دین دُنیا کو سنبھال سکتے ہیں۔ محبت میں ادلے بدلے کی گنجائش نہیں۔ پریم کی تختی پر "للالا" آج تک کوئی نہ لکھ سکا۔ اس میں تو صرف "دادادا" لکھا جاتا ہے۔

تن دے، من دے، دیہ دے، نیہہ نہ دیجئے جان

مہاتما خاموش ہوگئے۔ دھیان کرنے لگے۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے مہاتما اور تخت دونوں بادلوں سے گھر گئے اور تھوڑی دیر میں ہوا کا ایک جھونکا آیا اور بادلوں کو اُڑا لے گیا۔ جہاں مہاتما بیٹھے تھے وہاں ایک ٹوکری میں پھول دکھائی دئے۔ ان کی خوشبو اس دُنیا کی نہ تھی۔ وہ دوسری دُنیا کی یاد دلاتی تھی۔ کبیر کا ایک دوہا دور سے رہ رہ کر میرے کانوں میں گونج رہا تھا۔

لالی میرے لال کی جت دیکھوں تت لال
لالی دیکھن میں گئی میں بھی ہوگئی لال

کاشتکاری

گنج زر خاک سے اگلوایا — کیمیا ہے تو کاشتکاری ہے
کر چکا جب کسان اپنا کام — پھر خدا سے امیدواری ہے
آفتِ ارضی و سمادی سے — ہے نگہباں تو فضل باری ہے
نہیں حاصل یہ دسترس نہ سہی — بیج بونا تو اختیاری ہے
جوت، بو، سینچ، پھر توکل کر — نہ کیا کچھ تو شرمساری ہے
سرسری ساگ پات کو مت جان — اس پہ تو زندگی ہماری ہے
بَیل سے پڑھ جفاکشی کا سبق — کچھ اگر تجھ میں ہوشیاری ہے
کام میں کھپ رہا ہے بیچارا — ناشتہ ہے نہ کچھ نہاری ہے
رات کاٹی جہاں سمائے سینگ — عیش و عشرت پہ لات ماری ہے
تھک گیا تو زمیں پہ بیٹھ رہا — کس قدر مشق خاکساری ہے
بَیل ہے پر نہیں کسی کا بَیل — کرتا اوروں کی غمگساری ہے
صبر و محنت کی یہ کڑی منزل — اس کو ہلکی ہے تجھ کو بھاری ہے
دیکھ چوپائے سے نہ بازی ہار — تیری ہمت اگر کراری ہے

کچھ نہ کچھ کام کر، اگر تجھ کو
آدمیت کی پاسداری ہے

(اسمٰعیل)
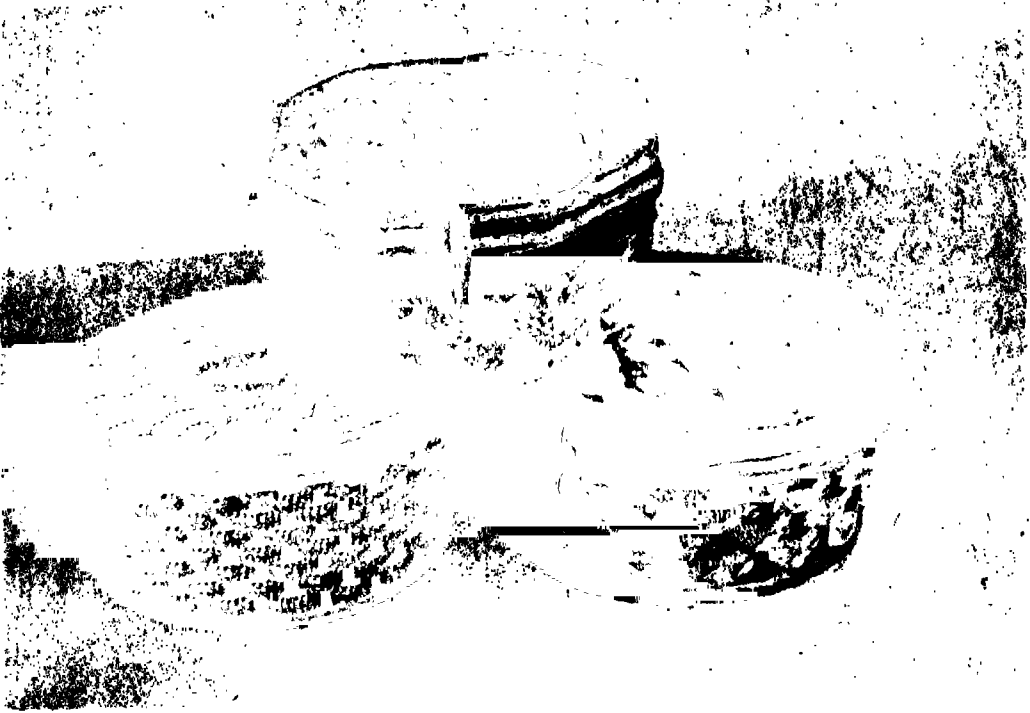
ٹوکری بنانا

جناب ایس - بی - ناڈو صاحب - بی - ای - اے - ایم - آئی - ای - بریلی

ہندوستان کی دیہاتی صنعتوں میں ٹوکری بنانے کو ایک خاص جگہ حاصل ہے - اور شاید بہت کم گاؤں ایسے ہونگے جہاں کسی نہ کسی طرح کی ٹوکریاں نہ بنتی ہوں - صرف ٹوکری بنانے ہی کا کام ایسا ہے جس میں آج تک مشین کی مدد نہیں لی گئی اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں جو مال لگتا ہے وہ بہت سستا ہوتا ہے اور اس کا کام بہت سیدھا سادہ ہوتا ہے ۔ سرپت کاٹنے کے لئے ایک قینچی، ایک ہنسیا، ایک چاقو ایک فٹ صرف یہی تھوڑے سے اوزار ہیں جن کی اس کام میں ضرورت پڑتی ہے۔

بینت اور بانس کے علاوہ اور بیسوں طرح کی چیزیں ہیں جن سے ٹوکری بن سکتی ہے - چنے کا پودا، چاول کا پودا مونج کی گھاس، جھاؤ، ببول کی ٹہنیاں اور اس طرح کے بہت سے لچکدار اور نرم پودے قریب قریب ہر جگہ مل سکتے ہیں اور ان سے ٹوکریاں بن سکتی ہیں۔

گاؤں میں ٹوکریوں کا جو کام ہوتا ہے اُسے اچھا بنانے کی کافی گنجائش ہے اس لئے کہ آج کل کے فیشن کے زمانہ میں بھی اگر بانس اور بینت کو اچھی طرح رنگ لیا جائے تو اس کا فرنیچر ہر جگہ کام میں آتا ہے - عام طور پر گھروں کے باہر رکھنے یا گرمی کے موسم میں کمروں کے اندر استعمال کرنے کے لئے اس طرح کا ہلکا فرنیچر کثرت سے کام میں آتا ہے۔

اگر کوئی آدمی ٹوکری بنانے اور بینت
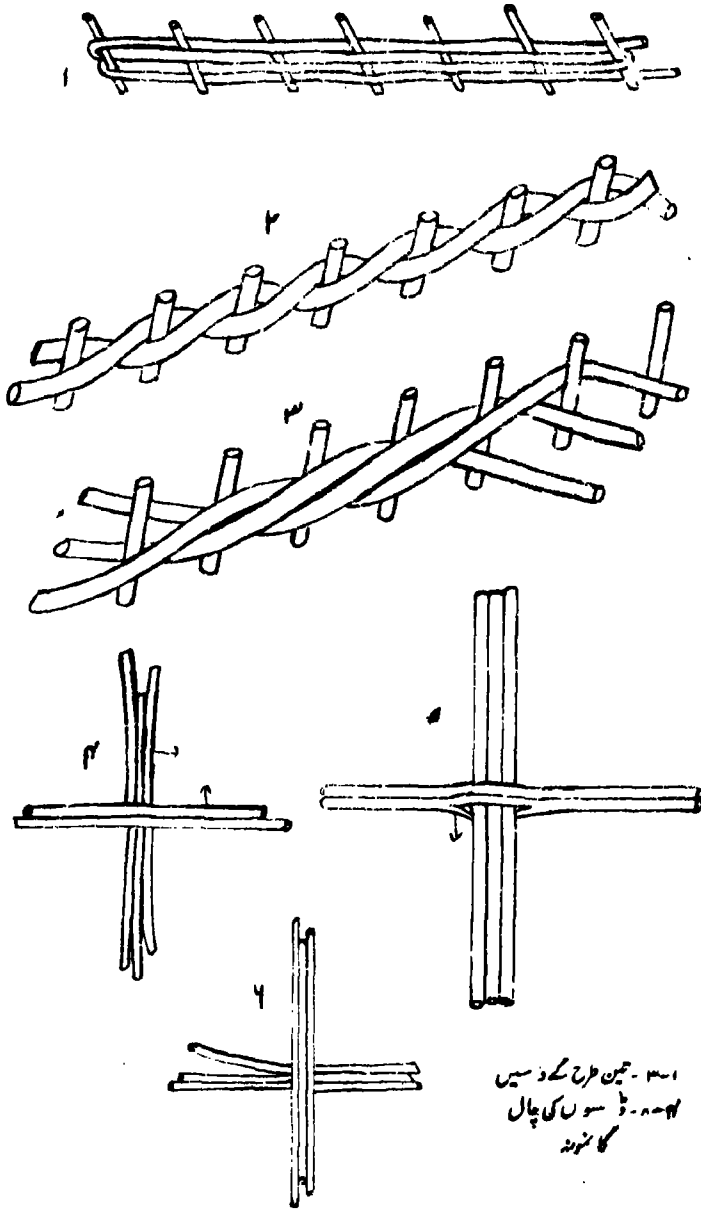
سے دوسری خوبصورت چیزیں بنانے کو اپنی دلچسپی کا کام سمجھے تو اس لحاظ سے بھی یہ بہت اچھی چیز ہے۔ اسکول کے چھوٹے درجوں میں یہ کام بچوں کو سکھایا جاسکتا ہے تاکہ وہ اپنی فرصت کے وقت کو اس دلچسپ کام میں گذار سکیں۔

× × × × × × ×

سوکھے سرپت کام میں نہیں آسکتے۔ اس لئے انھیں ۵ سے لے کر ۱۰ منٹ تک گرم پانی میں بھگو کر نرم کرلینا چاہئے۔ اس سے زیادہ بھگونے سے ان کا رنگ خراب ہو جائے گا۔

جن لکڑیوں پر ٹوکری بنی جاتی ہے انھیں "اسٹیکس" یا پاٹے کہتے ہیں اور جو پتوار ان پاٹوں میں تانے بانے کی طرح ڈالی جاتی ہے اُسے ڈسی کہتے ہیں۔

پہلی، دوسری اور تیسری شکلوں میں ڈسیں دکھائی گئی ہیں جو عام طور پر استعمال ہوتی ہیں۔ ٹوکری کے ڈھانچے میں دو ٹکڑے تانے بانے کی طرح کام میں لائے جاتے ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کے اُوپر سے گذرتے ہیں۔ تصویر سے معلوم ہوگا کہ تیسرا ٹکڑا کس طرح ان میں سے گذرتا ہے۔

۱ ۲ ۳

۴ ۵ ۶

۱-۳ - تین طرح کی ڈسیں
۴-۶ - ڈسوں کی چال کا نمونہ

۴ سے لے کر ۶ تک کی شکلوں سے پتہ چلے گا کہ ٹوکری کا پیندا بنتے وقت بانا کس طرح شروع کیا جاتا ہے۔
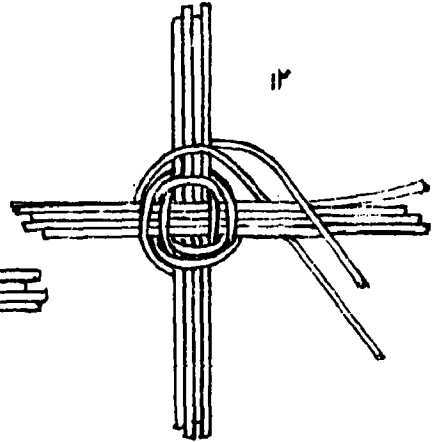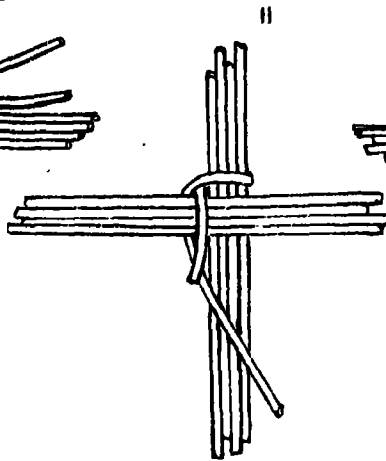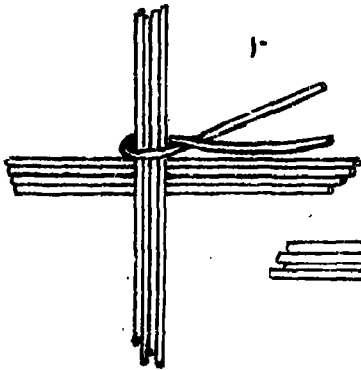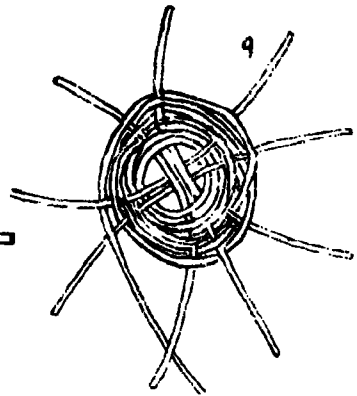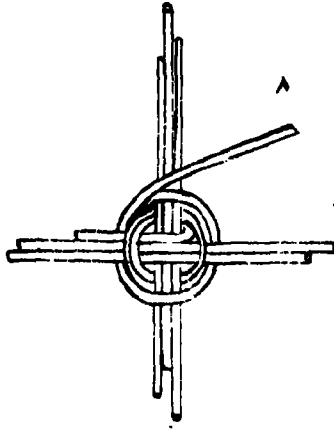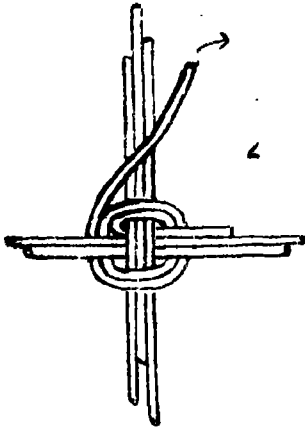
۹ - ۱۵ - ٹوکریوں کے شروعات
کے نمونے
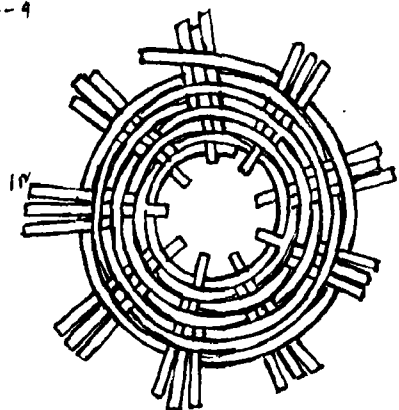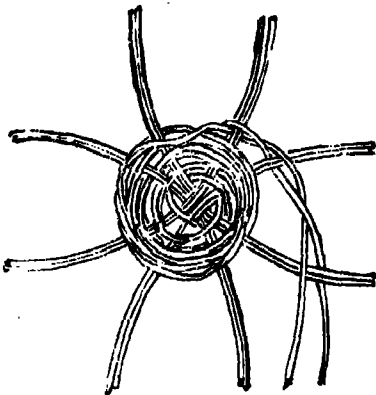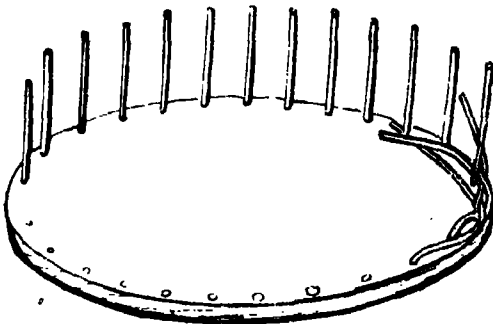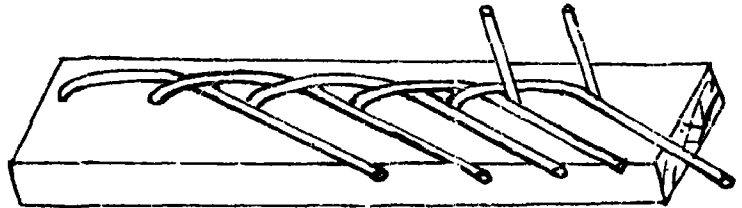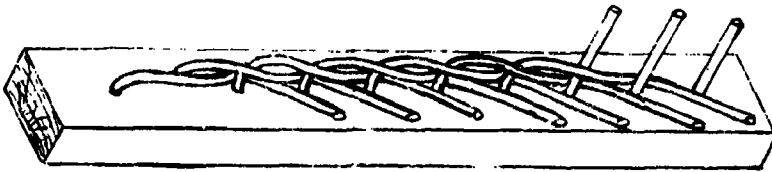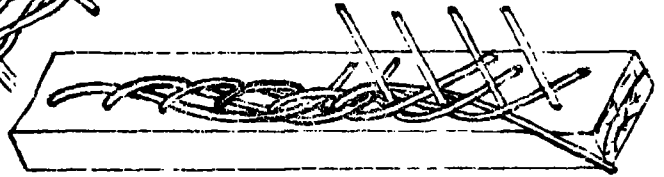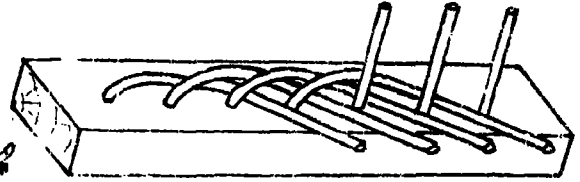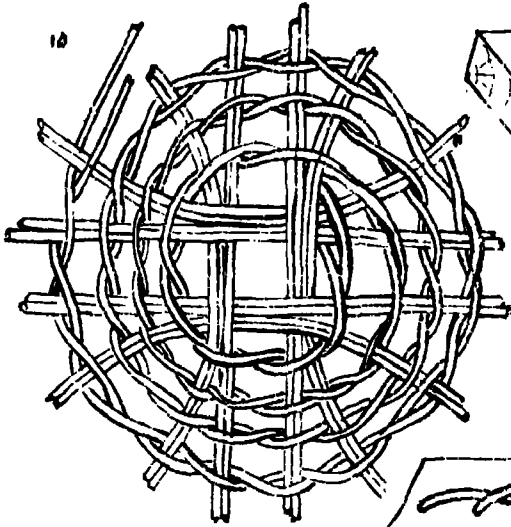
۱۶ - ۱۹ - کناروں کے نمونے

پیچیدہ کنارے ۔ ۲۰ - ۲۱ اور ۲۲ نمبر کی شکلوں میں دکھائے گئے ہیں ۔

۲۳-۲۶ - موٹھوں کے بنانے کا طریقہ دیکھئے

۲۷-۲۸ - گھاؤ کے نمونے
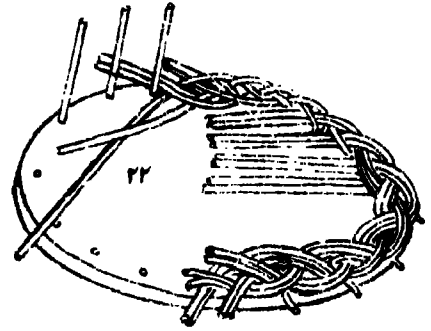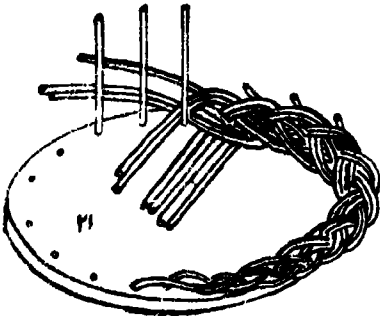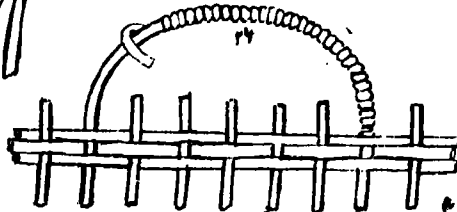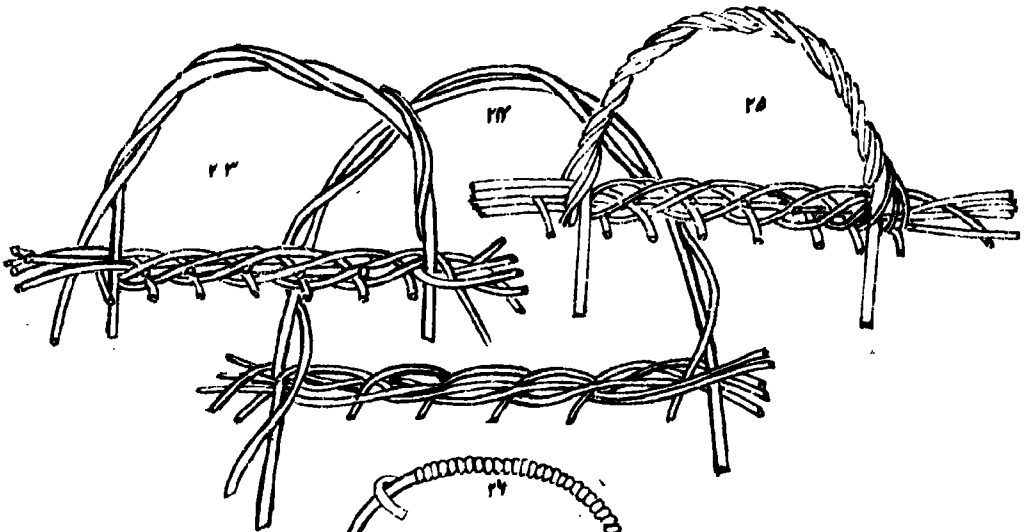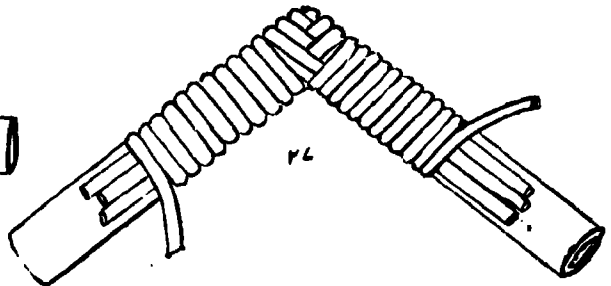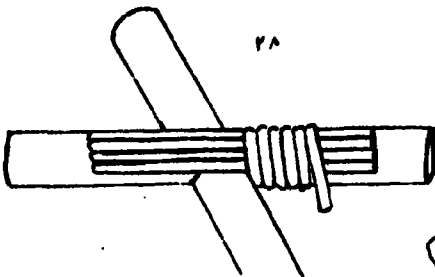
پھل کی ٹوکری

چوتھی شکل میں دو لمبے ٹکڑے ایک ساتھ رکھے گئے ہیں اور دو لمبے ٹکڑے ایک دوسرے کو کاٹتے ہوئے رکھے گئے ہیں۔ شکل نمبر ۵ میں دو ٹکڑوں کے بیچ میں جگہ کر دی جاتی ہے کہ اس میں تینوں ایک دوسرے کو کاٹتے ہوئے ٹکڑے نکال لئے جائیں۔ چوتھی شکل میں جو کام شروع ہوتا ہوا دکھایا گیا ہے، یہ اُس کی دوسری صورت ہے۔ شکل نمبر ۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ بانا کس طرح شروع ہوتا ہے۔ ساتویں شکل میں دکھایا گیا ہے کہ یہ بانا کس طرح ختم ہوتا ہے اور آٹھویں شکل سے معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح بانا پھر اُلٹا لوٹایا جاتا ہے۔ اس جگہ آکر بانے کے مختلف حصے الگ ہو جاتے ہیں۔ اور جیسا کہ شکل نمبر ۹ میں بتایا گیا ہے دوسرے بانے جوڑ کر پھر آگے کی بنائی شروع ہوتی ہے۔

شکل ۱۰ - ۱۱ اور ۱۲ میں دکھایا گیا ہے کہ اگر ٹوکری یا چنائی کو "ہیرنگ ویو" کے طریقے سے بننا چاہیں تو اُسے کس طرح شروع کرنا چاہئے اور آگے چل کر اس کی شکل ایسی ہوگی جیسی شکل نمبر ۱۳ میں۔ نمبر ۱۴ اور نمبر ۱۵ شکلوں میں چھوٹی بنی ہوئی ڈلیاں دکھائی گئی ہیں۔

ٹوکری ختم ہوتے وقت، کنارے بنانے کے لئے، تانے اور بانے کی لکڑیوں کو اپنی آگے والی لوٹ سے لکڑی کے ساتھ باندھ کر گرہ دینی پڑتی ہے معمولی قسم کے کنارے بنانے کی شکلیں شکل نمبر ۱۶ سے ۱۹ تک دکھائی گئی ہیں۔ شکل نمبر ۲۰، ۲۱ اور ۲۲

پھول کی ٹوکری

زرا پیچدار قسم کے کناروں کی بناوٹ دکھائی گئی ہے۔
شکل ۲۳ سے ۲۶ تک میں ٹوکریوں اور مڑے وغیرہ کے ہنڈل بنانے کے طریقے بتائے گئے ہیں۔

شکل ۲۷ اور ۲۸ میں دکھایا گیا ہے کہ فرنیچر کے فریموں میں گھماؤ دینے سے پہلے ان میں کونے اور گانٹھیں کس طرح بنائی جاتی ہیں۔

نوٹ۔ اس مضمون کے شروع میں جو فوٹو چھاپی گئی ہے اور پھل کی ٹوکریوں کے فوٹو جو آخیر میں چھپے ہیں وہ سب بریلی ضلع کے انگوری گاؤں میں ٹوکریاں بنانے سکھلانے والے کلاس میں تیار ہوئے ہیں۔ یہ سب ٹوکریاں پوال، ارہر کے ڈنٹھل اور بنیت سے بنی ہیں۔

کچّی کھالوں کی حفاظت

جناب سید مصطفےٰ حسین رضوی ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ٹریننگ اسکول فتحپور

ہندوستان میں کچی کھال کی تجارت بہت بڑی تجارت ہے اور زیادہ تعداد میں غیر ممالک کو کچی کھالیں یہاں سے روانہ کیجاتی ہیں۔ لیکن باوجود یہاں کی خاص تجارت ہونے کے اکثر دیہات میں کچی کھال کو لاپروائی سے زمین پر ڈال کر دھوپ میں خشک کرتے ہیں جس کے باعث کھال خراب ہو جاتی ہے اور کم قیمت پر فروخت ہوتی ہے۔ اگر تھوڑی سی محنت برداشت کر کے کھالوں کو باقاعدہ و صحیح طریقہ سے خشک کریں تو خراب نہ ہونے پاویں اور یقیناً اُن کی قیمت بڑھ جائے گی اور اس طرح دیہات کے لوگ بہت فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔

جانوران خواہ غذا کے لئے ذبح کئے جاتے ہیں یا اپنی موت سے مرتے ہیں ہر حالت میں اُن کی کھال کسی نہ کسی طریقہ پر ایسا تیار کر لینا چاہئے تاکہ سڑنے سے محفوظ رہیں۔ کھالیں جانوروں کے جسم سے نکالنے کے بعد اُسی حالت میں عرصہ تک نہیں رہ سکتیں۔ موسم گرما یعنی گرمیوں میں کچھ گھنٹہ تک اور موسم سرما یعنی جاڑے کے دنوں میں کچھ زیادہ عرصہ کے بعد سڑنے لگتی ہیں۔ لہٰذا سڑنے سے محفوظ رکھنے کے لئے کھال میں نمک لگاتے ہیں۔ نمک لگا کر جو گیلی حالت میں رکھی جاتی ہے اُسکو نمکی گیلا اور جس میں نمک لگا کر خشک کر لیتے ہیں اُس کو نمکی خشک کہتے ہیں۔ نمک حسب ذیل طریقہ سے لگایا جاتا ہے:۔ پیشتر کھال کو برابر زمین پر گوشت والا حصّہ اُوپر رکھکر پھیلا دینا چاہئے بعد ازاں خوب باریک نمک پیس کر تھوڑا تھوڑا ہاتھ میں لیکر وہ ہر جگہ چھڑک کر ہتھیلی سے بخوبی ملنا چاہئے اور تہ لگا کر رکھنا چاہئے۔

تہ لگانے میں اس بات کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ نمک باہر گرنے نہ پاوے۔ تہ لگاتے وقت دو آدمیوں کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ اگلی و پچھلی گوڑی ہر ایک اپنے ہاتھ میں لے کر تہ لگائیں اور ہر تہ کے اندر بھی تھوڑا تھوڑا نمک چھڑکنا چاہئے۔ حسب طریق مندرجہ بالا تین یوم تک روزانہ نمک لگانا چاہئے۔ نمک عموماً پچیس فیصدی یعنی گیلی کھال کے وزن کا چوتھائی نمک پوری تیاری میں صرف کرنا چاہئے۔ اس طریقہ سے گیلا نمکی تیار کی ہوئی کھالیں عرصہ تک خراب نہیں ہو سکتیں۔ نمک کے بجائے کفایت کے خیال سے اکثر بیس فیصدی کھاری نمک بھی استعمال ہوتا ہے یعنی کھال کے وزن کا پانچواں حصّہ خرچ کیا جاتا ہے۔ علاوہ اسکے اگر کھالوں میں حسب طریق مندرجہ بالا نمک لگا کر سایہ میں بانس یا رسی پر ڈالکر گوشت والا حصّہ اُوپر کر کے ان کو خشک کر لیا جائے اور جب قریب قریب خشک ہو جائیں تو تہ لگا کر بالکل خشک کر لی جائیں کیونکہ جس وقت بہت سی کھالیں ڈھیر میں رکھی جاتی ہیں اس وقت گرمی پیدا ہو کر کھالیں سڑ جاتی ہیں۔ اس قسم کی تیاری کو نمکی خشک کہتے ہیں۔ اور موسم گرما اور بارش میں زیادہ تر نمکی کھال تیار ہوتی ہیں۔ مندرجہ بالا ترکیب سے کھال تیار کر کے فروخت کرنے سے اچھی قیمت مل سکتی ہے۔

صوبہ متحدہ میں کسانوں کے

جناب ایم۔ ایس پنڈت صاحب۔ ایم

ہمارے ملک میں آج کل گاؤں سدھار کا بڑا چرچا ہے۔ صوبہ کی سرکار کی طرف سے گاؤں سُدھار کے لئے جو کچھ ہو رہا ہے اُس کے بارے میں بہت سی شکایت سُننے میں آتی ہے۔ شکایت سُن کر خوشی ہوتی ہے کہ وہ لوگ جو صدیوں سے ستائے اور دبے ہوئے تھے اب ذرا گُون گا کرنے لگے ہیں۔ ایسے مسئلوں پہ جب سب لوگ مل کر غور کرتے ہیں تب ہی یہ امید ہو سکتی ہے آخر میں ایسا سُدھار ہو سکے گا جس سے سب کی بھلائی اور ترقی ہو سکے۔ جب تک کسی کام میں لوگوں کی طرف سے دلچسپی ہوتی ہے وہ کام اچھی طرح نہیں ہو سکتا۔ اصل میں مدد کی ضرورت ہے لیکن اکثر مخالفت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غلطیاں ٹھیک کی جا سکتی ہیں اور سب کی مدد سے وہ بات ہو سکتی ہے جو ہر ایک کے دل میں ہے۔

صوبہ کی سرکار کے سامنے سوال

اس وقت صوبہ کی سرکار کے سامنے بڑے بڑے سوال ہیں مثلاً شراب بندی، تعلیم کی اصلاح، کسانوں کی حالت کو ٹھیک کرنے کے لئے قانون وغیرہ۔ آخری سوال سب سے زیادہ ضروری ہے اس لئے کہ کسانوں کی بھلائی میں ہی ہمارے ملک کی بھلائی ہے۔ کچھ لوگ کسان سبھائیں بنا کر ان میں لیڈر بنتے ہیں۔ اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ ان میں سے بعض بہت اچھے آدمی ہوتے ہیں۔ لیکن کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو کسان سبھاؤں کو ذریعہ بناتے ہیں تاکہ وہ خود کوئی سیاسی مرتبہ حاصل کریں۔ کچھ ایسے ہوتے ہیں جو کانگریس کی کارروائی سے الگ ہوتے ہیں۔ کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو آج کل کی حالت سے اثر لے کر سماج کے سُدھار کی طرف جُھک جاتے ہیں۔ لیکن جو کسانوں کا بھلا چاہتا ہے اُسے اس بات کی طرف دھیان دینا چاہئے کہ آج کل کا زمانہ علیحدگی کا نہیں ہے۔ بلکہ ساتھ مل کر کام کرنے کا ہے۔ دُنیا میں آج کل بڑے بڑے گروہ بن رہے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے گروہوں کا گذر نہیں۔ اپنے مُلک کی سب سے بڑی سیاسی جماعت کا ساتھ دے کر ہمیں اپنے کام کرنے چاہئیں۔ اس جماعت کی سچی طاقت کسانوں کی بدولت ہے۔ کوئی بات ایسی نہیں ہونی چاہئے جس سے کسانوں کا بھروسہ کانگریس کی طرف سے کم ہو جائے یا وہ کانگریس سے الگ ہو جائیں۔ مگر کانگریس کی کمزوری سے ہم سب کمزور ہو جائیں گے، چاہے ہم کوئی سا بھی کام کرتے ہوں۔

گاؤں سُدھار کے لئے خرچ

صوبہ کی سرکار نے گاؤں سُدھار کے لئے جو روپیہ رکھا ہے

ــلئے کیا ہو رہا ہے؟

یل ۔ اے سکریٹری صوبہ کانگریس کمیٹی

اُس سے ہمارے صوبہ کی آبادی کی کوئی خاص مدد نہیں ہوسکتی اِس معنی میں کہ وہ رقم سب کو مدد نہیں پہنچا سکتی۔ لیکن اِس گاؤں سُدھار کی سکیم کا مقصد خیرات نہیں ہے۔ اسکا اصل مقصد تو یہ ہے کہ ہم اپنے پیروں پر کھڑا ہونا سیکھیں اور ہمارا طریقہ خود اعتمادی کا ہو جس سے ہم اپنی تکلیفیں خود دُور کر سکیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ لوگوں میں ایکا ہو اور کندھے سے کندھا بھڑا کر وہ اپنے اپنے گاؤں کے کام سمجھ کر کرنے لگیں۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ گھریلو کاروبار کے ذریعہ سے ایسے کام ہوں کہ اُن سے لوگوں کی آمدنی بڑھے۔ لکھنا پڑھنا۔ تندرستی، جانوروں کی تندرستی، اچھی سڑکیں، صاف پینے کا پانی۔ بیج کا انتظام وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو ہم مختصر رقم سے، لیکن زیادہ تر محنت سے نہایت آسانی سے کر سکتے ہیں۔ سب کی بھلائی کے لئے ضروری ہے کہ ہر طبقے کا آدمی، اُس کا مذہب اور دھرم کچھ بھی ہو، سیاسی خیالات کیسے ہی ہوں بغیر فرق کے اُن کاموں میں ہاتھ بٹائے جو سب کی ترقی کے لئے ہوں۔

صبر سے کام لینا چاہئے

جو لوگ شکایت کرتے ہیں کہ گاؤں سُدھار میں ابھی کچھ کام نہیں ہو رہا ہے اُن سے میں کہنا چاہتا ہوں کہ اُنھیں گھبرانا نہیں چاہئے۔ ایسے بڑے کاموں میں کافی وقت لگتا ہے۔ اور خاص طور پر سب سے زیادہ وقت اُس کے شروع میں لگتا ہے۔ ایک دفعہ ابتدا ہو جاتی ہے تو کام چلنے لگتا ہے اور آگے بڑھتا ہے۔ جیسے ایک بچے کو دیکھ کر کوئی یہ امید نہیں کر سکتا کہ وہ فوراً ہی اتنا بڑا ہو جائے کہ شادی کر سکے اور اُس کا گھرانا فوراً تیار ہو جائے۔ دوسرے مُلکوں میں جہاں اِس قسم کی کوششیں کی گئی ہیں، اُن کے لئے ۵ سال کا وقت مقرر کیا گیا ہے۔ ۵ سال کے بعد یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ کتنا کام ہوا اور کتنا رہ گیا۔ اسی طرح ہمارے یہاں بھی ہوگا۔

روپئے کے خرچ کی تقسیم

جو رقم صوبہ کی سرکار نے گاؤں سُدھار کے لئے رکھی ہے، اُس میں سے ایک بہت بڑی رقم اچھے اور نئے بیجوں کے انتظام کے لئے ہے۔ اس کے علاوہ حفظانِ صحت کے اور سڑکوں کے کام میں بھی کئی لاکھ روپئے خرچ ہونے والے ہیں۔ صوبے بھر کے کُل ضلعوں کے لئے صرف ۳۲ لاکھ روپیہ رکھا ہے۔ باقی مدد گورنمنٹ کے محکموں کے ذریعہ سے گاؤں سدھار کے کام میں لائی جائے گی۔ لیکن اگر ۳۲ لاکھ کی رقم ہم اپنے ضلعوں میں سمجھداری سے خرچ کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم بہت سے ایسے کام نہ کر سکیں جن سے ہمارے مظلوم کسان بے حد فائدہ اُٹھا سکیں اور اپنا سر اونچا کر کے اور کمر کس کے اپنے کام کر سکیں۔ جب تک ہم اپنے مظلوم بھائیوں کو یہ اطمینان نہ دلا سکیں کہ اُن کے ساتھ انصاف برتا جائے گا اور غریب امیر میں فرق نہ کیا جائے گا اور وہ اپنی محنت کے پھل کا

گاؤں سُدھار ہفتہ کے موقعہ پر کوہڑور نامی گاؤں (ضلع پرتاپگڈھ) میں اکٹھے ہوئے گاؤں والے، آنریبل ڈاکٹر کاٹجو کا لکچر دھیان سے سُن رہے ہیں۔

۴

استعمال آزادی سے کر سکیں گے، اُس وقت تک ہمیں کوئی کامیابی نہیں حاصل ہوگی۔

ہمارے مُلک میں اوسط درجے کے لوگ جو شہروں میں رہتے ہیں، اُن میں اور دیہات کے لوگوں میں بڑا فرق ہوگیا ہے۔ شہر تھوڑے سے ہیں اور گاؤں لاکھوں کی تعداد میں۔ شہریوں کا یہ فرض ہے کہ وہ گاؤں کے رہنے والوں کی مدد کریں۔ اس میں خاصکر روپئے ہی کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ سب سے بڑی مدد تو ہمدردی سے ہوتی ہے اور لکھنے پڑھنے کے معاملے میں شہری لوگ کافی مدد پہنچا سکتے ہیں۔ خاصکر موجودہ اخباروں کے ذریعہ سے۔ کتابوں، رسالوں اور جلسوں کے ذریعہ سے وہ کافی پرچار کر سکتے ہیں۔ تھوڑے ہی عرصہ میں ہمارے صوبہ میں ودّیا مندر کی اسکیم شروع ہوگی۔ لڑکے لڑکیوں کی پڑھائی بہت زور کے ساتھ شروع ہوگی۔ اور پڑھانے والوں اور پڑھانے والیوں کی بہت ضرورت محسوس ہوگی۔ اس کام میں بھی شہر والے شامل ہو سکتے ہیں۔

شری وشن سہائے آئی۔ سی۔ ایس رجسٹرار کوآپریٹو سوسائٹی نے گاؤں سدھار ہفتہ کے موقعہ پر مٹیاری نامے سنٹر (لکھنؤ) پر لوگوں کو انعام بانٹ رہے ہیں۔ یہ تصویر اُسی وقت کی ہے۔

مسز بخشی اسکول لڑکیوں کے ساتھ گوری گاؤں (لکھنؤ) میں۔ یہ تصویر گاؤں سدھار ہفتہ کے وقت کی ہے۔

کانگریس پر بھروسہ کرو

لگان اور مالگذاری کے قانون کے بارے میں ہمارا سب کا یہ فرض ہے کہ ہم کسانوں کو سمجھائیں کہ جو کچھ

کانگریس کر سکتی تھی اُس نے کرنے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ اس قانون سے کل مانگیں پوری نہیں ہوگئیں تاہم غیر اطمینانی اور بے اعتباری کی شکایت ہرگز نہیں ہونی چاہئے۔ کانگریس کے وزیر رعایا کے پنچ ہیں اور اُن کی تو یہی کوشش ہے کہ رعایا کی مانگ پوری کی جائے۔ اس میں رعایا کو کبھی
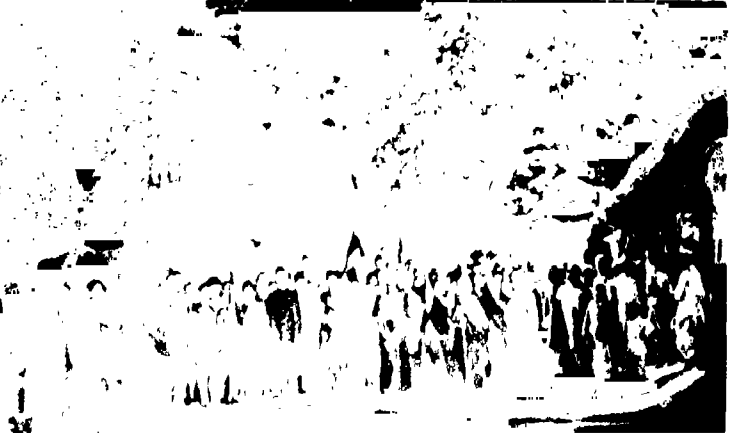
قانون میں بہت کچھ نئے اختیارات حاصل ہوئے ہیں پھر بھی وہ آزادی تو نہیں جو ہم چاہتے ہیں۔ لکھنؤ کے بنارسی باغ میں جو شیر ببر رکھے جاتے ہیں چوبیسوں گھنٹے کٹھرے میں نہیں بند رہتے۔ وہ کٹھرے سے باہر نکل کر احاطے میں گھوم پھر سکتے ہیں۔ اور باغ کے اندر گھومنے والوں کو دیکھ سکتے

بابو گوپی ناتھ سری واستو، چیرمین گاؤں سدھار، گوری ناسے گاؤں (لکھنؤ)
میں گاؤں سدھار ہفتہ کے موقع پر گاؤں والوں کی سبھا میں
تقریر کر رہے ہیں۔

شبہ نہیں کرنا چاہئے۔ جتنا بھروسہ رعایا کو وزیروں پر ہوگا اُتنا ہی اچھا کام ہوگا۔ ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ ہمارے وزیر اعظم پنڈت گوبند بلبھ پنت کو سب کام گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے اندر ہی رہ کر کرنے پڑتے ہیں۔ اس نئے

ہیں۔ لیکن خود باہر نہیں جا سکتے، اس لئے کہ احاطے کے آس پاس گہری کھائی ہے۔ جیسے اُس کھائی میں بنارسی باغ کے شیر ببر محدود ہیں اُسی طرح ہمارا وزیر بھی نئے قانون میں گھرا ہوا ہے۔

ببول

(جناب ایس۔ایس، نیگی صاحب پی۔ایف۔ایس، ڈوپلمنٹ آفیسر فارسٹس)

(۱) درخت کا بیان

میدان کے درختوں میں، ببول شاید سب سے زیادہ کام کا درخت ہے۔ یہ درخت چھوٹا ہی ہوتا ہے۔ اس کی شاخیں بہت گھنی اور پھیلی ہوئی ہوتی ہیں اور ان کے مقابلہ میں تنا ذرا چھوٹا ہوتا ہے۔ اس کی چھال گہرے بھورے رنگ کی ہوتی ہے۔ اس کی پتّیاں دونوں طرف سے پَردار ہوتی ہیں۔ اور پھول زرد رنگ کے اور خوشبودار۔ یہ پھول برسات کے زمانہ میں لگتے ہیں۔ اس درخت کی خاص پہچان یہ ہے کہ اس میں سفید رنگ کے بڑے اور نوکدار کانٹے ہوتے ہیں جو عموماً آدھے انچ لمبے ہوتے ہیں، اور کبھی کبھی اس سے کچھ زیادہ لمبے۔ ببول کی جڑیں، عموماً، زمین میں دُور تک نہیں جاتیں۔ اس لئے تیز ہَوا میں ہمیشہ اس درخت کے اُکھڑ جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس کی اُونچائی ہر جگہ ایک سی نہیں ہوتی۔ اچھی زمینوں پر، ببول کے درخت ۵۰ فٹ سے ۶۰ فٹ تک یا اس سے بھی اونچے ہوتے ہیں اور تنے کا گھیرا ۸ فٹ سے ۱۰ فٹ تک ہوتا ہے۔ پتھریلی زمین میں، اس کی اُپج ماری جاتی ہے اور یہاں کے درخت چھوٹے اور بے ڈھنگے سے ہوتے ہیں۔

ببول کی تین قسمیں ہوتی ہیں:۔ تیلیا یا گوڈی۔ کوریا یا دیدی اور کابلی کیکر یا کیکری۔ ان میں سے تیلیا قسم کا ببول زیادہ کام کا ہوتا ہے، اور یہی کھلے ہوئے میدانوں اور جنگلوں میں کثرت سے ملتا ہے۔ اس کی لکڑی جلانے اور گھر بنانے کے کام میں آتی ہے۔

(۲) کہاں کہاں ملتا ہے؟

ببول کے درخت سندھ، راجپوتانہ، برار، صوبۂ متوسط، گجرات اور شمالی دکن میں ملتے ہیں۔ ہندوستان کے اکثر خشک حصّوں میں بھی ببول یا تو بوئے جاتے ہیں اور یا خود بخود اُگتے ہیں۔ لیکن یہ پنجاب کے شمالی مغربی حصّوں میں نہیں ہوتا اس لئے کہ وہاں جاڑا بہت پڑتا ہے۔

ممالک متحدہ میں، ببول کی سب سے اچھی زمینیں جنوب کے خشک ضلعوں میں ہیں۔ اس صوبہ میں مغربی ضلعوں کی ہموار زمین پر، نالوں یا ندیوں کے کنارے یا نشیب کی جگہوں پر بھی ببول کے درخت ہوتے ہیں۔ جہاں کی زمین برابر کٹتی رہتی ہے۔ ہمالیہ کی ترائی میں بھی کہیں کہیں ویران جگہوں پر ببول کے تھوڑے بہت درخت ملتے ہیں۔

(۳) زمین کی مناسبت

ببول کی پیداوار کے لئے ندیوں کے کچھار کی زمین سب سے زیادہ اچھی ہوتی ہے؛ جو ہر سال برابر دریا کے پانی سے کٹتی رہتی ہے۔ کچھار کے بعد اس کی پیداوار کی سب سے اچھی مٹی، کپاس کی کالی مٹی ہوتی ہے اور سچ پوچھئے تو ببول کے پودے کا اصلی گھر اسی مٹی والی زمین ہے۔ ببول عام طور پر تالابوں کے کنارے، جوتی ہوئی زمین پر، ندیوں کے کچھاروں میں اور اوسر زمینوں کے اُن حصّوں میں، جہاں کی مٹی ذرا اچھی ہوتی ہے، پیدا ہوتا ہے۔

چونکہ ببول کی جڑیں زمین میں بہت گہری نہیں جاتیں اس لئے اس کے لئے ایسی زمین زیادہ اچھی ہوتی ہے جسکی سطح کے بالکل قریب نمی ہو۔ ببول کا درخت ایسے درختوں میں سے ہے جو جھنڈ کے جھنڈ آس پاس اُگتے اور پھیلتے ہیں۔ ببول خاص طور پر، میدان کا درخت ہے جو کچھاروں میں، ہموار زمینوں میں، یہ کچھ کچھ ڈھالو زمینوں میں پیدا ہوتا ہے۔ یہ پہاڑی زمین میں نہیں ہوتا۔

(۴) پیداوار اور اس کا انتظام

ایسی جگہوں میں؛ جہاں ببول کے لئے ٹھیک زمین مل سکے، ببول کے درختوں کی پیداوار بڑھانے میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جو بیج مویشیوں کے گوبر یا بھیڑ، بکری کی مینگنیوں میں مل کر نکلتے ہیں اُن سے بڑی اچھی پیداوار ہوتی ہے۔ (یہ جانور ببول کی پھلیوں کو بڑے شوق سے کھاتے ہیں)۔

جو زمینیں اس کی پیداوار کے لئے ٹھیک ہیں، وہاں تو صرف بیج چھٹک یا پھیلا دینا ہی کافی ہے۔ لیکن جہاں کی زمین موافق نہ ہو، وہاں گڑھے بنا کر اُن میں بیج لگانے اور اونچی نا ہموار زمینوں پر بیج بونے سے بھی اچھی پیداوار ہوتی ہے۔ اُن جگہوں میں، جہاں صرف بیجوں کا چھٹکنا ہی درخت اُگانے کے لئے کافی نہیں، وہاں بیج ڈالنے سے پہلے زمین کو جوت لینا زیادہ اچھا ہے۔ زمین کو پہلے اچھی طرح جوت لینا چاہئے۔ چاہے ایک ہی بار سیدھی ہلائیوں میں یا دوسری بار انھیں کاٹتی ہوئی ہلائیوں میں۔ اس کے بعد یا تو بیج چھٹک دیا جائے اور یا ہلائیوں میں بو دیا جائے۔ اکثر ضلعوں میں اور خاص طور پر برار میں، ببول پیدا کرنے کا ایک طریقہ بہت کام کا ثابت ہوا ہے، جسے ٹانگیا یا "بن کھیت" طریقہ کہتے ہیں؛ اس طریقہ میں کھیت میں بوئی ہوئی فصلوں کے ساتھ ساتھ ۲۰ فٹ سے لیکر ۳۰ فٹ تک کے فاصلے پر، ببول کے بیج لگا دئے جاتے ہیں۔

ببول کی چھوٹی چھوٹی جڑیں بہت سخت ہوتی ہیں اور اس لئے انھیں نرسری میں پیدا کرنا ضروری نہیں۔ پالے کا اس پر بہت اثر پڑتا ہے، پھر بھی اُن میں اکثر نئی جڑیں پھوٹتی رہتی ہیں۔

چونکہ ببول کے پیدا کرنے کا طریقہ بہت آسان ہے اس لئے اسکی نسل کا انتظام بھی بہت آسان ہے۔ عام طور پر اس کے اُگانے اور پیدا کرنے کا جو طریقہ کام میں لایا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ ۳۰ - ۴۰ سال بعد انھیں گرا کر، پھر اُس جگہ دوسرے بیج بو دئے جاتے ہیں۔ لیکن جہاں درخت صرف اس لئے اُگائے جاتے ہیں کہ اُن کی لکڑی سے ایندھن اور اُنکی چھال سے رنگ کا کام لیا جائے، وہاں درختوں کو ۱۵ برس سے پہلے ہی گرا لینا چاہئے۔

(۵) فائدے

(الف) لکڑی:- ببول کی لکڑی خاص طور پر جلانے کے کام میں آتی ہے۔ اس لئے کہ اس کا ایندھن بہت اچھا ہوتا ہے۔ اسکا کوئلہ بھی بہت زیادہ بنایا جاتا ہے۔ گھریلو اور کھیت کے کاموں

کے لئے بھی اس لکڑی کی بہت سی چیزیں بنتی ہیں۔ جیسے مکان، گاڑیاں، جوئے، کھونٹے، نادیں، پتوار، دُھرے، ٹھوس اور چھڑدار پہیے، کولھو، چرخے وغیرہ۔

(ب) پتیاں:- یہ مویشیوں کے لئے بہت اچھے چارے کا کام دیتی ہیں اور اسی لئے لوگ اکثر ببول بوتے ہیں پتیوں سے رنگ بھی بنتا ہے۔

(ج) پھلیاں:- بکریوں اور بھیڑوں کو ببول کی پھلیاں بہت کھلائی جاتی ہیں۔ پھلیاں جانوروں کی کھالیں صاف کرنے اور رنگائی کے بھی کام میں آتی ہیں۔ لیکن ان سے کھالیں زیادہ اچھی صاف نہیں ہوتیں۔ اس کام کے لئے چھال زیادہ اچھی ہوتی ہے۔

(د) چھال:- شمالی ہندوستان میں جن چھالوں سے کھالیں صاف کی جاتی ہیں، اُن میں سے ببول کی چھال سب سے زیادہ مشہور اور کام کی ہے۔ صرف کانپور ہی میں ہر سال ۵ لاکھ من سے زیادہ ببول کی چھال استعمال ہوتی ہے۔ تھوڑی سی چھال رنگائی اور دوا کے کام میں بھی آتی ہے۔

(ہ) گوند:- ببول کا گوند دواؤں اور مٹھائیوں میں بہت زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ ببول کا گوند، سوتی کپڑوں پر بیل دار چھپائی اور کاغذوں پر سائزنگ کرنے کے بھی کام میں آتا ہے۔ اس سے رنگ، گارہ، سفیدی وغیرہ چیزیں بھی بنائی جاتی ہیں۔ یہ گوند عام طور پر عربی گوند کہلاتا ہے۔

(و) لاکھ:- لاکھ کے کیڑوں کے لئے ببول بہت اچھا درخت ہے۔ اور ہندوستان میں سندھ کے ببول کے جنگلوں میں زیادہ تر لاکھ ہی پیدا ہوتا ہے۔

(۶) مالی پہلو

ببول لگانے سے جو فائدہ ہو سکتا ہے اُس کا اندازہ لگانا آسان نہیں۔ اس لئے کہ ببول سے مختلف جگہوں پر جو آمدنی ہوگی، وہ وہاں کی مزدوری، ضرورت اور وہاں کے ریلوے سے فاصلے پر منحصر ہے۔ اسٹیشن کے پاس والی جگہوں پر ۱۵ سال کے بعد، ہر پیڑ سے اوسطاً پانچ روپئے کی آمدنی ہوتی ہے۔ اسی طرح بڑے بڑے شہروں سے دور کے مقامات پر، ایک پیڑ کی قیمت اندازاً ایک روپیہ لگائی جاسکتی ہے۔ اس لئے اس طرح اندازہ لگانا ٹھیک نہیں۔ اگر ہم یہ مان لیں کہ ایک ایکڑ زمین میں ببول لگانے کا خرچ ۲۵ روپئے ہوتا ہے اور اس میں پچاس پیڑ لگتے ہیں، تو پندرہ سال کے بعد، خرچ نکال کر اُن پیڑوں سے فی ایکڑ پچیس روپیہ فائدہ ہوگا جو ۵ فی صدی سود مرکب کے برابر ہوگا۔ (حالانکہ اسٹیشن سے قریب کی جگہوں پر خرچ اس سے بھی کم ہوگا)۔

اس طرح ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ اگر ببول لگانے کا انتظام اچھی طرح کیا جائے تو گاؤں والوں کو صرف لکڑی اور ایندھن کی سہولت نہ ہو بلکہ اُن کی آمدنی بھی بڑھ جائے۔

(۷) خاتمہ

جیسا کہ اس سے پہلے کہا جا چکا ہے، ببول میدان کا ایک بہت ضروری اور کام کا درخت ہے۔ سچ پوچھئے تو اسے "غریبوں کا درخت" کہا جا سکتا ہے۔ گنگا کے میدان میں، جہاں سے اب پرانے زمانے کے گھنے جنگلوں کے نشان اب بالکل مٹ چکے ہیں، گاؤں کے رہنے والے خاص طور پر اسی لکڑی سے مکان، گاڑیاں اور کھیتی باڑی کے اوزار بناتے ہیں۔

صوبۂ متحدہ میں، ۵ لاکھ ایکڑ سے زیادہ زمین بیکار پڑی ہے، جس میں اکثر اوسر، نیچی اور بھور زمینیں ہیں۔ اس زمین میں معمولی گھاس، اور تھوڑے بہت ببول، ڈھاک اور کھجور وغیرہ کے درختوں کے علاوہ، شاید ہی کچھ اُگتا ہو۔ اچھے اوسروں میں جہاں شروع سے آخر تک کنکر ہی کنکر نہیں ہوتے اور بیچ بیچ میں اچھی زمین کے ٹکڑے ہوتے ہیں، وہاں ببول اور ڈھاک کی پیداوار میں کافی کامیابی ہوسکتی ہے۔ ببول کے پیڑ لگا کر ایسی زمین کو اچھے طریقے سے استعمال میں لایا جا سکتا ہے، جو نالوں اور ندیوں کے کنارے ہو یا ڈھالو ہو اور وہاں نہ زیادہ پالا پڑتا ہو نہ زیادہ بارش کا پانی رُکتا ہو۔ ان بڑے حصوں میں ببول کے درخت آسانی سے لگائے جاسکتے ہیں۔ اور اس بات کی انتہائی کوشش کرنی چاہئے کہ یہ ویران زمینیں، لکڑی، ایندھن اور چارے کی کانیں بن جائیں۔

کہانی

کھلاوَن چمار

(جناب علی عباس حسینی)

(۱)

کھلاوَن چمار اپنی بیوی سُکھیا کے پاس اپنے گھر میں بیٹھا تھا۔ یہ گھر کیسا تھا اس کو شہر والے نہیں سمجھ سکتے۔ وہ بہت ایک ایسا مکان سمجھتے ہوں گے جس کی پکی پکی دیواریں، جس میں اونچی اونچی چھتیں ہوں، جس میں بڑے بڑے کمرے ہوں اور جس میں اچھے اچھے کواڑ لگے ہوں۔ لیکن کھلاوَن چمار کا گھر تھا، دس گز لمبا، چار گز چوڑا۔ اس کی دیواریں مٹی کی کچی تھیں۔ انھیں اس نے اپنے ہاتھوں سے اُٹھایا تھا۔ یہ ایک طرف تو چھ فٹ اُونچی تھیں، اور دوسری طرف نو فٹ۔ بغلی دیواروں کی اُونچائی بھی اسی سے سمجھ لیجئے۔ کچی دیواروں کے اس گھروندے کی چھت کا کام ایک چھپر دیتا تھا۔ یہ چھپر پھوس کا تھا اور اس میں جو بانس لگے ہوئے تھے وہ بالکل کالے ہو گئے تھے۔ اسلئے کہ اس دس گز لمبے اور چار گز چوڑے مکان میں الگ الگ کمرے نہ تھے۔ اسی گھر میں سُکھیا اور کھلاوَن سوتے تھے، اسی میں کھیتی کا سامان رکھا تھا۔ اسی میں ان کے کپڑے لتے رکھے تھے اور اسی میں ان کا کھانا بھی پکتا تھا۔ چولھے میں جلنے والے اُپلوں اور مٹی کے دیا میں جلائے جانے والے ننکوں کے تیل کے دھوئیں نے چھت اور دیواروں کو کالا کر رکھا تھا۔ یہی رنگ ان پیتھڑوں کا بھی تھا جن سے سُکھیا نے ان درازوں کو بند کیا تھا جو دیواروں میں پڑ گئے تھے یا جو بغلی دیواروں پر چھپر کے ٹھیک نہ بیٹھنے سے ہو گئے تھے۔ کھلاوَن کی اس کوٹھی میں بس ایک دروازہ تھا۔ وہ بھی اتنا بڑا اور اتنا اُونچا کہ کھلاوَن کو آنے جانے میں سدا سر جھکانا پڑتا تھا۔ چوڑا بھی وہ اتنا تھا کہ کھلاوَن کا بانس والا وہ کھاٹ جس پر دو آدمی بڑی مشکل سے لیٹ سکتے تھے کبھی اس دروازے سے سیدھا سیدھا نہیں نکالا جا سکتا تھا۔

کھلاوَن کے اسی گھر میں ایک کونے میں یہ کھٹ بچھا تھا۔ اسکے سرہانے اس کا وہ کالا کمل تہ کیا ہوا رکھا تھا جسے اس نے آج سے چار برس پہلے ڈیڑھ روپے میں گاؤں کے گڈریے سے مول لیا تھا۔ وہ اسی کمل پر کہنی رکھے بائیں کروٹ لیٹا سُکھیا کو دیکھ رہا تھا۔ وہ کھٹ کے پاس زمین پر بیٹھی تھی۔ کھلاوَن کی آنکھیں بیوی کے چہرے سے ہٹتیں تو گھر کے دوسرے کونے میں رکھی ہوئی چیزوں پر جم جاتیں۔ وہاں تین ٹوٹے ہوئے گھڑے اور دو پرانے مٹکے رکھے ہوئے تھے۔ ان گھڑوں اور مٹکوں میں کچھ سرسوں تھی، کچھ ارہر تھی، کچھ جَو تھا۔ ایک میں تھوڑا سا گڑ رکھا تھا۔ سب سے اچھے مٹکے میں کھلاوَن کا وہ کُرتا رکھا تھا جو سال بھر میں اس وقت پہنا جاتا تھا جب کھلاوَن کو کسی شادی بیاہ میں جانا ہوتا تھا۔ اسی میں سُکھیا کی وہ لال اوڑھنی بھی رکھی تھی جو اسے میکے سے سُسرال چلتے وقت اُڑھائی گئی تھی۔ ان مٹکوں سے ملا ہوا مٹی کا چولھا تھا۔ اس کے پاس ایک پھول کی تھالی، ایک بٹلوئی اور ایک لوٹا رکھا تھا۔ پاس ہی پانی سے بھرا ہوا ایک لوہے کا گگرا بھی تھا۔ چولھا اس وقت بجھا ہوا تھا۔ نہیں تو کھلاوَن کھٹ پر نہ لیٹا ہوتا۔ جب آگ جلتی تھی تو اس گھر میں اس طرح دھواں گھٹتا تھا کہ سوائے سُکھیا کے سارے جاندار اس گھر سے نکل بھاگتے تھے۔ وہی اکیلی ایسی تھی کہ آنکھوں میں مرچیں لگنے اور آنسوؤں سے منہ دھونے پر بھی آدھ آدھ گھنٹہ ایک طرح سے بیٹھی روٹی ٹھونکتی اور دال اُبالتی رہتی تھی۔

آج ایسے ہی اس کام سے چھٹی ملی تھی کہ سوامی نے اپنے کانپور جانے کی خبر سُنادی تھی۔ سُکھیا کا دل بلّیوں اچھلنے لگا تھا۔ وہ کھلاوَن سے بہت پریم کرتی تھی۔ اسلئے نہیں کہ وہ بڑا بانکا جوان تھا۔ چماروں میں کوئی بانکا جوان ہوتا ہی نہیں۔ بچپن ہی سے ننگے بھوکے

رہتے ہیں۔ نیچ ذات کے سمجھے جاتے ہیں۔ نہ گاؤں کے پاٹ شالا میں ان کے پڑھنے کا ٹھکانا ہوتا ہے اور نہ گاؤں کے اکھاڑوں میں ان کو کسرت کے لئے جگہ ملتی ہے بچپن سے بڑھاپے تک کھیت گوڑنا، بیگار کرنا اور جوتے کھانا یہی ان کا کام ہے۔ ایسے میں چہرا اُبھرا کیا ٹھیک ہو سکتا ہے! اس کے لئے تو آرام چاہئے، روپیہ چاہئے، بے فکری چاہئے، پڑھائی چاہئے اور آزادی چاہئے۔ بھلا چمار کو یہ باتیں کہاں نصیب؟

سو کھلاوَن سُکھیا کا سُوامی کوئی البیلا، بانکا جوان نہ تھا۔ یہی عام چماروں کا سا، کالا، چھریرے بدن کا، چھوٹا سا ماتھا، چھوٹی چھوٹی دھنسی ہوئی آنکھیں اور پھیلی ہوئی ناک۔ سینہ کدال چلانے اور کھیت گوڑنے کی وجہ سے ضرور چوڑا ہو گیا تھا۔ کمر پتلی تھی۔ ران میانی۔ پنڈلیاں سُوکھی ہوئی اور پاؤں بڑے بڑے۔ اس پاؤں میں آجتک جوتا نہ پڑنے کی وجہ سے تلووں کی کھال گینڈے کی کھال کی طرح سخت ہو گئی تھی اور اس کا رنگ پیلا ہو گیا تھا۔ اُنگلیاں چھوٹی چھوٹی تھیں، انگوٹھا بڑا تھا یہ انگوٹھا چاروں انگلیوں سے بالکل الگ ایک طرف کو جُھکا ہوا تھا۔ اس بات نے پاؤں کی چوڑان کو اتنا بڑھا دیا تھا کہ اگر کھلاوَن کے پاؤں کا جوتا لیا جاتا تو اس کا نمبر دس پانچ نہ ہوتا بلکہ دس سات یا دس آٹھ ہوتا۔

سُکھیا اِسی کھلاوَن سے پریم کرتی تھی۔ کیوں؟ اسلئے کہ وہ اس کا پتی تھا۔ ماں، باپ نے سارے پنچوں کے سامنے اِسی کھلاوَن کے ہاتھ میں اس کا ہاتھ پکڑا دیا تھا۔

سُکھیا آپ بھی کوئی پری یا اپسرا نہ تھی۔ بس آدمی کا بچہ تھی، سانولا رنگ، گول بدن، بوٹی بوٹی کسی ہوئی، موٹے کالے کمر تک لمبے بال۔ آنکھیں بھوری اور بڑی لیکن اس سانولے رنگ، اس معمولی صورت پر بھی جوانی کا ایک روپ تھا جس نے کھلاوَن کی بیوی میں وہ رس بھر دیا تھا کہ گاؤں کا جو جوان اسے دیکھتا "بھوجی" کہہ کے چھیڑتا ضرور تھا۔ وہ دو چار دن تو لجاتی، شرماتی رہی، پر جب حیا کا ٹوٹا، پھر تو اس نے سب کو ایسی ایسی سنائی کہ لوگوں کے دانت کھٹے ہو گئے اور بڑے پھکڑ لڑنے والے بھی اسے چھیڑتے ڈرنے لگے۔
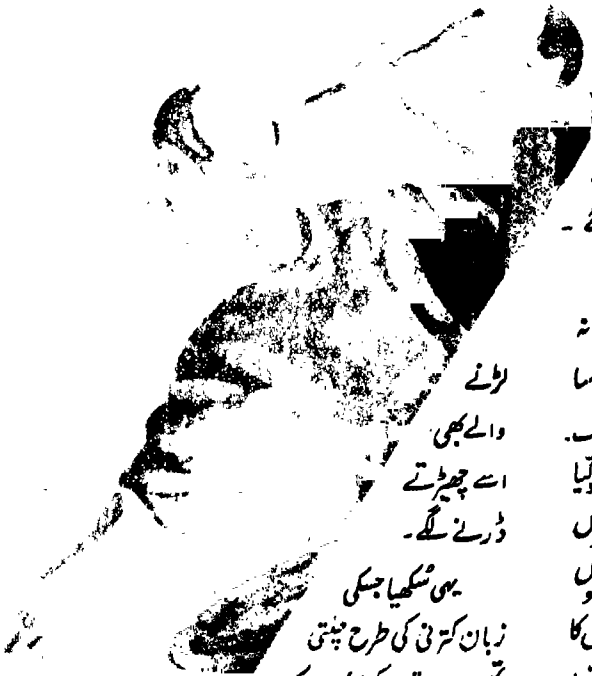
یہی سُکھیا جسکی زبان کترنی کی طرح چلتی تھی اس وقت کھلاوَن کے بسکھٹ کے پاس بیٹھی بسُور رہی تھی۔ اور کھلاوَن اُسے گھبرا گھبرا کے دیکھ رہا تھا۔ کھلاوَن کے گھبرانے کی بات ہی تھی، چار مہینے اسکے بیاہ کو ہوئے تھے لیکن اتنے ہی دنوں میں اس پر طرح طرح کی مصیبتیں پڑ چکی تھیں۔ اِس کا جَو کا ہرا بھرا کھیت رات ہی رات میں دشمنوں نے اُکھاڑ کر پھینک دیا تھا۔ تھانے چوکی پر آنے جانے، رپٹ لکھوانے، وکیل مختار کرنے میں اس نے اپنی وہ پونجی بھی کھو ڈالی تھی جو اس نے ایکھ پیل کے اور گڑ بیچ کے پیدا کی تھی۔ اسی زمانے میں اس کا وہ اکیلا بیل جسکی مدد سے وہ دُکھت کے ساجھے میں کھیتی کرتا تھا، اچانک بیمار پڑ کے دو دن میں مر گیا۔ لگان ٹھیک وقت پر نہ ادا کرنے پر ضلعدار نے اسے پکڑوا کے اتنا ٹھکوایا کہ سُکھیا کو رات بھر جاگ کے چوٹیں سینکنا اور ہلدی لگانا پڑی تھی۔ لیکن سُکھیا ان باتوں سے نہ تو گھبرائی

تھی اور نہ روئی تھی۔ آج وہی سکھیا تھی کہ اتنی سی بات میں اس کی آنکھوں میں آنسو جھلک رہے تھے کہ اس کا سوامی کانپور جانا چاہتا ہے۔

بھلاؤن نے جھک کے بیوی کی ساری کے آنچل سے اسکے آنسو پونچھ ڈالے۔ پھر بولا "ارے اس میں رونے کی کون سی بات ہے۔ کانپور یہاں سے کتنی دور ہے۔ یہی دو گھنٹے کا راستہ۔ کارخانہ ہر اتوار کو بند ہوتا ہے۔ ہم ہر سنیچر کو آئیں گے اور پھر رات بھر ہم دونوں ....." سکھیا لجا کے مسکرائی۔ جان پڑا جیسے اندھیرے میں کسی نے دیا جلا دیا۔ سارا چہرا چمک اٹھا۔ وہ شوہر کا بڑھتا ہوا ہاتھ جھٹک کے بولی "چلو ہٹو تم کو اس سمے بھی چھیڑ سوجھتی ہے۔ یہیں تو رونا آتا ہے اور تمھیں ہنسی۔"

بھلاؤن نے کہا "بات ہی ہنسی کی ہے۔ ہم تو جا رہے ہیں کمانے اور تم بیٹھی ہو رونے۔"

سکھیا نے ٹھنڈی سانس بھر کے کہا "تم کیا جانو تم مرد ہو نا! بھلا کون استری ہوگی جس کو اکیلے رہنا بھاتا ہوگا۔ پھر جب میری طرح اسکے ...." بھلاؤن جلدی سے کھاٹ پر اٹھ بیٹھا۔ اس نے جھک کے بیوی کی ٹھوڑی میں ہاتھ دیکے اسکا سر اونچا کیا۔ پھر آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس نے پوچھا "کیا تمھارے پیٹ میں بالک ہے؟"

سکھیا نے میاں کا ہاتھ نرمی سے ہٹایا اور گھونگھٹ نکال کے سر ہلا کر ہامی بھری۔ بھلاؤن خوشی سے اچھل پڑا۔ پہلے لڑکے کی وہ خوشی جو امیر غریب، چھوٹے بڑے، سب کو ہوتی ہے وہی اسکو بھی تھی۔ اس نے لپک کے دیوار پر اس زور کا گھونسا مارا کہ چھپر کے اس طرف کے کونے میں لگی ہوئی دیمک کا بڑا سا ٹکڑا زمین پر گر پڑا۔ اور ہاتھ میں اتنی چوٹ آئی کہ اس نے "ارے!" کہہ کے اپنی بند مٹھی دوسرے ہاتھ سے پکڑ لی۔

سکھیا مسکرا دی۔ پھر جان پڑا کسی نے لال دیپک جلا دی۔

بھلاؤن ہنسنے لگا۔ پھر تھوڑی ہی دیر میں رک کے بولا "اب تو میرا جانا اور ضروری ہو گیا۔ بن پیسہ کمائے بالک کا بوجھ کیسے سنبھلے گا؟"

سکھیا نے ٹھنڈی سانس لیکر کہا "ہاں، پر اگر یہیں کھیتی باڑی کا سامان ہو جاتا تو اچھا تھا۔"

بھلاؤن نے کہا "ہاں، اچھا تو تھا، پر ہو کیسے۔ رام جی مصر سے ادھار روپیہ لیکر دو برس ادھر بیل مول لیا تھا لیکن انھوں نے اتنے ہی دنوں میں بہتر کرم کر ڈالے اور تیس کے پورے ساٹھ لئے اور پھر بھی سیدھے منہ بات نہ کی۔ اب ان سے مانگنے کا جی نہیں چاہتا۔"

سکھیا بولی "تو زمیندار سے ...."

بھلاؤن بڑے زور سے ہنسا۔ پھر بولا "ارے پگلی! ان کے کبھی درشن بھی ہوتے ہیں۔ وہ تو شہر میں موٹر دوڑاتے پھرتے ہیں یہاں تو ضلعدار صاحب کا راج ہے۔ ان کی مار بھی یاد ہے!"

سکھیا بولی "تو ان سے کہو تو ...."

بھلاؤن منہ بنا کے بولا "ہونہ، ان سے کہو۔ وہ کہیں گے اپنے کھیتوں سے فارغ خطی لکھ دو۔ سو کہو تو باپ دادا کے سمے سے

وہ تیورا کر وہاں گر گیا

جو دو چار کھیت جوت میں چلے آتے ہیں وہ بھی چھوڑ دیں!"

سُکھیا نے کہا "ارے رام رے رام۔ ایسا کام بھی نہ کرنا۔ ان کی آتما ہم کو سراپ دیگی!"

کھلاون نے کہا "اسی لئے تو کہتا ہوں کہ تُلسی بھیا کے ساتھ کانپور جانے دو۔ دیکھو نا انھوں نے چار ہی دن میں کیسی بانکی حویلی بنوا لی ہے۔ اور انکی استری کیسی موٹی سونے کی ہنسلی پہنے پھرتی ہے۔ سچ پوچھو تو اب کھیتی ویتی میں کچھ رس نہیں ہے۔ بس اب شہر کی نوکری ہی میں دھن ملتا ہے!"

سُکھیا کچھ کہنے والی تھی کہ کسی نے باہر سے پکارا "ارے او کھلاون!"

کھلاون کھاٹ سے جلدی سے اُٹھ کے بولا "تو تُلسی بھیا آپ ہی آگئے۔" وہ یہ کہتا چھپّر سے باہر آگیا۔ یہاں جو آدمی کھڑا تھا اس کا سن کوئی چالیس برس کا ہوگا۔ قد میانہ تھا، گٹھا ہوا بدن تھا اور آنکھیں بڑی تیز چمکتی ہوئی۔ شہروالوں کے کپڑے پہنے تھا۔ سر پہ پگڑی۔ لمبا دو دو جیبوں والا ریشم کا کُرتا۔ مہین دھوتی اور پاؤں میں بُوٹ۔ یہی تُلسی تھا۔ کانپور کی ایک مل میں مزدوروں کا میٹ تھا۔ پانچ روپیہ ہفتہ کارخانے والے دیتے تھے اور مزدوروں سے اوپر سے اینٹھتا تھا۔ چال ڈھال سے شان سے بڑا پا ٹپکتا تھا اور آواز میں بھی بھاری بھرکم پن پایا جاتا تھا۔

کھلاون کو دیکھتے ہی بولا "تیار رہنا؟ پھر بھر رات رہے چلنا ہوگا۔ آٹھ بجے سے کارخانہ کھل جاتا ہے۔"

کھلاون نے چھوٹوں کی طرح دانت نکال کے کہا "ہاں بھیا، تیار ہیں"۔

تُلسی نے کہا "اچھا تو رام! رام"۔

کھلاون بولا "ارے تو بھیا چلم تو پی لو، کھٹیا باہر لا دیں بیٹھو ایسی جلدی کاہے کی ہے؟

تُلسی نے کہا "نہیں بیٹھوں گا نہیں۔ میکو۔ چھّن۔ نوبت مُرلی۔ مٹھو اور پانچ چار جوانوں سے بھی تو کہنا ہے"!

کھلاون نے گھبرا کے پوچھا "تو کیا یہ سب چل رہے ہیں؟"

"... زمین پہ تیتر کی طرح پاؤں رکھتا، اکڑتا، بر رتا، چلتا ہوا بولا "ہاں ہاں سب جا رہے ہیں، تم تیار رہنا!"

کھلاون نے دونوں ہاتھ جوڑ کے سلام کیا اور اپنے چھپّر میں چلا گیا۔

(۲)

تین بجے رات کو سُکھیا نے دو موٹی موٹی روٹیاں پکائیں اور تھوڑا سا گُڑ گھڑے سے نکال کے انھیں ایک کپڑے میں باندھ دیا۔ کھونٹے پر سے میاں کا کُرتا نکال کے اسے دیدیا اور چلم بھر دی۔ کھلاون چلم ہی پی رہا تھا کہ ساتھیوں نے پکارا۔ وہ بیوی سے یہ کہہ کے کہ "گھبرانا نہیں ہم ہر ہفتے ضرور آئیں گے"۔ کانپور کے لئے روانہ ہوگیا۔

یہ وہی زمانہ تھا جب کہ کانپور میں مل کے مزدوروں اور مالکوں میں جھگڑا ہو رہا تھا۔ اسٹرائک پورے زور پر تھی۔ تُلسی کو اسکے مالک نے اسی لئے بھیجا تھا کہ وہ نئے مزدور لاکے مل کا کام

چالو کر دے۔ بیچارے بھولے بھالے دیہاتیوں کو تلسی نے اسکی خبر بھی نہیں دی تھی۔ یہ سب چھوٹے چھوٹے کسان تھے۔ لیکن آپس کے جھگڑوں، ضلعدار کی سختیوں اور مہاجن کے سود نے ان کو بھوکا اور ننگا بنا رکھا تھا۔ اسی لئے وہ ہر مزدوری کے لئے تیار رہتے تھے جس میں چار پیسہ ملنے کی اُمید تھی۔ تلسی نے اپنی چکنی چپڑی باتوں میں لگا کر انھیں سوچنے بھی نہ دیا تھا۔ وہ راستہ بھر ایک دوسرے کو چھیڑتے ہنستے بولتے "ناچتے" گاتے چلے آئے۔

کانپور پہنچتے ہی تلسی انھیں سیدھا سیٹھ جی کی کوٹھی لیکر پہنچا۔ پھونس کے چھپروں میں رہنے والے دیہاتی بڑی کوٹھی دیکھ کے ڈر گئے۔ دروازے پر دو دو سنتری بندوق لئے پہرا دے رہے تھے تلسی نے ان سب کو وہیں روکا اور آپ لوہے کے پھاٹک میں سے ہو کر بھیتر چلا گیا۔ کھلاؤن اور اسکے ساتھی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے اِدھر اُدھر دیکھتے رہے، وہ کبھی ان سنتریوں کو دیکھتے جو ان کا راستہ روکے کھڑے تھے۔ کبھی سڑک کی طرف دیکھتے جس پر موٹر دھول اُڑاتے بھوں بھوں کرتے برابر آ جا رہے تھے۔ اور کبھی اس کوٹھی میں جھانک لیتے جس میں تلسی گیا تھا اور جہاں بیسیوں نوکر چاکر پگڑی باندھے، چپراس لگائے کام کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ ان کی اتنی بھی ہمت نہ پڑتی کہ وہ ایک دوسرے سے کچھ باتیں کریں۔ مگر اتنے میں تلسی پلٹا اور اس نے ہاتھ کے اشارے سے سب کو بھیتر بُلایا۔ یہ ڈرتے ڈرتے بھیتر گئے۔ سنتریوں نے بھی انھیں اب جانے دیا۔ پھاٹک کے اندر بڑا سا دوب سے ڈھکا ہوا میدان تھا۔ اس میدان کے کنارے کنارے پکّی سڑک بنی تھی۔ اس سڑک کے دونوں طرف طرح طرح کے پھول کے پیڑ لگے تھے۔ بیلا، جوہی، موتیا، گیندا اور نہ جانے کتنے ہندوستانی اور انگریزی پھول، میدان کے بیچوں بیچ میں ایک فوّارہ تھا اس میں ایک پتھر کی ننگی جل پری کھڑی تھی۔ اسکے سر سے پانی نکل کے بہت اُونچا اُچھلتا اور نکلتے ہوئے سورج کی روشنی میں چمک کے نیچے گرتا۔

غریب کسانوں کا یہ جتھا ڈرتا، گھبراتا، سہمتا، تھمتا، جھجھکتا، رُکتا، پلٹ پلٹ کے ایک دوسرے کو دیکھتا آگے بڑھا۔ زمین پاؤں پکڑتی تھی، دِل بَلّیوں اُچھلتا تھا۔ ہر ایک دوسرے کے پیچھے ہی رہنے کی کوشش کرتا تھا۔ دو ایک تو سبز دُوب سے ڈھکے ہوئے میدان کے کنارے پھولوں کی بہار دیکھنے کے بہانے رُک گئے۔ دو چار فوّارے کی جل پری سے آنکھ لڑانے لگے۔ پانچ ہی چار تلسی کے ساتھ دھڑکتے دل اور سوکھے ہونٹ لئے برآمدے تک پہنچے۔ وہاں سیٹھ جی کُرسی پر بیٹھے تھے۔ سب نے جُھک جُھک کے پرنام کیا۔ انھوں نے سر ہلا کر سلام لیا۔ پھر وہ بولے "تم لوگ کام کرنے کے لئے تیار ہو۔"

کھلاوَن نے ڈرتے ڈرتے کہا "جی ہاں سرکار!"

انھوں نے کہا "تو اچھا جاؤ آج سے تم لوگ نوکر ہو گئے۔ ایک روپیہ روز ملے گا۔ تلسی تمھیں کام بتائے گا۔"

دیہاتیوں نے پھر سلام کیا اور پلٹے۔ سیٹھ جی نے ایسی بات کہہ دی تھی کہ ہر ایک خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا۔ ایک روپیہ

روزمزدوری تیس روپیہ مہینہ، ایک مہینے میں ایک بیل کے دام سال بھر میں نہ جانے کتنے بیل، کتنی گائیں اور بھینسیں مول لی جا سکتی ہیں۔ پھر تُرت کے پیٹ بھر بھوجن ملے گا۔ بالک مٹھائی پر مٹھائی اُڑائیں گے اور استریاں چکتی پھڑکتی چاندی کے جھابے کی ساریاں پہنیں گی۔ ایسی جگ مگ کرتی ہوئی کہ دیکھو تو آنکھ نہ ٹھہرے!

ہر ایک کچھ ایسا ہی سوچ رہا تھا۔ تُلسی نے کہا "رُکو! سب تھم گئے۔ تُلسی ان کی رائے میں کوئی اوتار تھا۔ وہ ان کو گھر سے رلوا آیا تھا۔ اسی نے ان کو کام سے لگایا تھا۔ پھر کیسا کام؟ ایسا جس میں ایک روپیہ روزمزدوری ملنے والی تھی۔ تُلسی کی ہر بات وہ سر آنکھوں سے پوری کرنے کے لئے تیار تھے۔

تُلسی نے کہا "تم لوگوں نے دیکھا، سیٹھ جی کیسے دیالو ہیں، ایسا مالک ہر کسی کو نہیں ملتا۔ تم لوگوں کو جو کام انھوں نے دیا ہے اسکے لئے ہزاروں آدمی باہر سے آئے لیکن انھوں نے تُمھیں لوگوں کو چُنا..."

کھلاون نے کہا "تُلسی بھیا اس میں تُمھارا ہاتھ بھی ضرور ہے۔"

تُلسی نے اکڑ کر کہا "ہاں، ہے کیوں نہیں۔ میں نے اُن سے پہلے ہی سے کہہ رکھا تھا کہ اب کی میرے ہی گاؤں والے بھرتی ہونگے!"

مَیکو بولا "تُلسی بھیا تم نے ہم لوگوں پر بڑی کرپا کی۔"

تُلسی کچھ جھینپ سا گیا۔ لیکن بات بنا کر بولا "اجی کرپا ورپا کچھ نہیں۔ لیکن کام کی بات تو سنو۔ یہ لوگ جو باہر سے آئے ہیں، وہ سب ہم لوگوں سے بہت جل گئے ہیں۔ وہ مِل کے سامنے دھرنا دیکے بیٹھے ہیں کہ ہم تُلسی کے گاؤں والوں کو تو بھیتر نہ جانے دیں گے۔"

کھلاون نے کہا "واہ اچھے آئے دھرنا دینے والے۔ کارخانہ کیا ان کے باپ کا ہے۔ سیٹھ جی جسکو چاہیں جگہ دیں جسکو چاہیں نہ دیں!"

تُلسی نے مُسکرا کے کہا "یہی تو بھیا میں بھی کہتا ہوں، لیکن وہ کہتے ہیں چاہے جو کچھ ہو جائے ہم تُلسی کے ساتھیوں کو کام نہ کرنے دینگے۔"

کھلاون نے کہا "واہ جانے کیسے نہ دینگے۔ دیکھیں تو ہمیں کوئی کیسے روک لیتا ہے۔"

سب نے کہا "ہاں ہاں چلو تو دیکھیں تو کیسے جانے نہیں دیتے۔"

تُلسی نے اپنی باتوں سے ان بھولے دیہاتیوں میں بڑا جوش پیدا کر دیا۔ وہ لمبے لمبے قدم رکھتے کارخانے کی طرف چلے۔ وہاں پھاٹک پر سیکڑوں آدمی کھڑے تھے۔ ان لوگوں کو آتے دیکھ کر کچھ لوگ آگے بڑھے۔ ان میں سے سب تُلسی کو پہچانتے تھے۔ وہ راستہ روک کے بولے "آگئے میٹ جی، تم اپنے پاجیوں کو لیکے!"

تُلسی نے پلٹ کے ساتھیوں کو دیکھا اور کہا "سُنتے ہو ان لوگوں کی باتیں! تم لوگ پاجی ہو!"

کھلاون جھپٹ کے آگے آگیا۔ ڈپٹ کے بولا "اے زبان سنبھال کے بات چیت کرو۔ تم ہوتے کون ہو ہم کو روکنے والے!"

وہ لوگ بولے "ہم! ہم ہیں کارخانے کے مالک!"

اس پر تُلسی بڑے زور سے ہنسا۔ پھر کھلاون سے بولا "دیکھتے ہو زبردستی۔ سیٹھ جی کے کارخانے کے یہ لوگ مالک بن بیٹھے۔ اب اُنکی جگہ تمھاری مزدوری بھی یہی دیں گے!"

مَیکو بولا "یہ کیا دیں گے۔ یہ آپ ہی بھوکے ننگے ہیں!"

بس بات بڑھی۔ ایک دوسرے سے لپٹ پڑے۔ اسٹرائک والوں میں سے ایک نے کھلاون کے ایک ایسا گھونسا دیا کہ وہ تیورا کے وہیں پر گر پڑا۔ پھر اسے خبر نہ ہوئی کہ کیا ہوا۔

(۳)

جب اس نے آنکھیں کھولیں تو اپنے کو اسپتال میں پایا۔ اس کے پاس ہی ڈاکٹر کھڑا تھا۔ تھوڑی دور پر سُکھیا دکھائی دی اور اس کے ساتھ ایک بابو جی جو کھدر کا کُرتا اور کھدر کی ٹوپی پہنے تھے۔ کھلاون کا سر بہت دُکھ رہا تھا۔ اس کو ایسا جان پڑتا تھا کہ جیسے کوئی اس کا سر دبائے اس طرح بیٹھا ہے کہ وہ اُٹھ نہیں سکتا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کے سر ٹٹولا۔ سر بھر میں پٹیاں بندھی تھیں۔ ڈاکٹر نے کہا "تمھارے سر میں چوٹ لگ گئی تھی۔ اسلئے پٹی بندھی ہے۔ دو تین دن میں تم اچھے ہو جاؤ گے۔ گھبراؤ نہیں!"

کھلاون نے سُکھیا کی طرف دیکھا۔ بولنے کی کوشش کی۔ زبان ہلائی نہیں جاتی تھی۔ سُکھیا اس کے کھاٹ کے پاس زمین پر بیٹھ کے بولی "رام نے دیا کی تمھاری جان بچ گئی۔ تم کل سے اسی طرح پڑے ہو!"

بِھلاوَن نے گھبرا کر ڈاکٹر کو پھر بابو جی کو دیکھا۔ سُکھیا نے کہا "یہی بابو جی تمھیں کارخانے سے یہاں لے آئے تھے، اور مجھے گاؤں سے بلوا بھیجا!"

بِھلاوَن نے کانپتے ہاتھوں سے انھیں سلام کیا۔ ڈاکٹر نے بِھلاوَن کو سہارا دیکے ایک دوا پلائی۔ دوا پیتے ہی اس کی آنکھ بند ہو گئی اور وہ سو گیا۔

پندرہ دن بعد وہ اسپتال سے نکلا۔ سُکھیا اور بابو جی ساتھ تھے۔ وہ اسے منڈل میں لے گئے۔ انھوں نے اس سے کاغذ پر انگوٹھے کا نشان بنوا کر پچاس روپے اُدھار دئے۔ چلتے وقت یوں سمجھایا۔ "دیکھو اس روپئے سے بیل مول لے لینا اور کھیتی کا کام شروع کر دینا۔ کسی نے تم لوگوں کو دھوکا دیا تھا۔ کارخانوں میں نوکری شہر والوں کا کام ہے یا ان لوگوں کا جو کھیتی نہ کرتے ہوں۔ کسانوں کو تو کھیتی کسی حال میں چھوڑنا ہی نہ چاہئے۔ اسی میں دیس کی بھلائی ہے۔ ہم لوگ اب گاؤں گاؤں آدمی بھیج رہے ہیں کہ وہ تمھارے ایسے کسانوں کی ہر طرح مدد کریں۔ تمھیں اچھے ہل اچھی کھاد اور اچھے بیل دیں گے۔ ہر گاؤں میں ایسی سبھائیں بھی بنائی جا رہی ہیں جن سے تم کو روپیہ بہت کم سود پر ہر وقت مل جائے گا اور ایسا قانون بھی بن رہا ہے جس سے تمھارا لگان کم ہو جائے گا۔ اب تم کو کھیتی میں بھی ویسی ہی آمدنی ہوگی جیسی کسی کارخانے کی نوکری میں! کارخانوں میں تم پھر بھی نوکر ہی رہوگے۔ ہر کھیتی میں اپنے آپ مالک! ۔ جاؤ اب کسی سے لڑنا نہیں۔ بس اپنے کام سے مطلب رکھنا!"

بِھلاوَن اور سُکھیا نے جھک کے پا لگی کی۔ پھر دونوں وہاں سے چل کھڑے ہوئے۔ آگے آگے بِھلاوَن اور پیچھے پیچھے سُکھیا۔ ایک کا چہرا پیلا اور دوسرے کا سانولا۔ پر دونوں کے چہروں پر وہ ہلکی سی لالی تھی جو سورج کی پہلی کرن کے ساتھ ہر چیز کو چمکا دیتی ہے۔ شاید ان کسانوں کی قسمت کا ڈوبا ہوا سورج اب پھر سے نکل رہا تھا!۔

غریب کسان

(جناب بسمل الہ آبادی)

رو کے کل کہہ رہا تھا ایک کسان	سخت آفت میں پھنس گئی مری جان
تیسرے چوتھے روز پٹواری	زور سے کھینچتا ہے دونوں کان
اور ہے گاؤں میں جو چوکیدار	وہ ستاتا ہے ہر گھڑی ہر آن
آکے تحصیلدار دورے پر	کرتے ہیں بے طرح مجھے ہلکان
گاؤں کے چودھری کا کیا کہنا	چھیڑتا وہ الگ ہے اپنی تان
ہے زمیندار بھی لئے ڈنڈا	نذر کے ساتھ مانگتا ہے لگان
کیا کہوں حال میں زراعت کا	نہ چنا گھر میں ہے نہ کھیت میں دھان
جب منی آرڈر کوئی آیا	ڈاکیہ سر پہ دھر گیا احسان

الغرض سب ہمیں ستاتے ہیں
یہ خطا ہے کہ ہیں غریب کسان

ڈاکٹری امداد اور لوگوں کی تندرستی

(۱) خلاصہ

کوشش کی جا رہی ہے کہ ڈاکٹری امداد زیادہ سے زیادہ حصوں میں پہنچائی جا سکے۔ عام طور پر ہر ضلع میں ۴ وید او حکیم اور ایک یا دو الوپیتھک ڈاکٹر رکھے جائیں گے۔ اس کے علاوہ پچاس ہزار روپیہ ڈسٹرکٹ بورڈوں کو دے دیا جائے گا کہ وہ اس روپیہ سے اپنے دیہاتی ہسپتالوں میں اتنی کافی تعداد میں دوائیں رکھیں کہ وہ دیہات والوں کی ضرورتوں کے لئے کافی ہو سکیں۔ یہ تجویز ہے کہ ڈسٹرکٹ بورڈوں میں یہ روپیہ برابر برابر بانٹا جائے یعنی ہر ڈسٹرکٹ بورڈ کو، اس روپیہ کے علاوہ، جو اُسے عام طور پر دواؤں کے لئے ملتا ہے، روپئے کا برابر حصہ ملے۔

(۲) اس تجویز کے بناتے وقت اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا گیا ہے کہ ڈاکٹری امداد ہر گاؤں کے ۵ میل کے اندر ہی اندر ہو۔ سر ایو وا ایلیٹ نے ۱۹۲۹ عیسوی میں اس مسئلہ کو بہت اچھی طرح سوچا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں اتنے شفاخانے تھے :-

(۱) ٹاؤن ایریا میں ۱۵۸
(۲) گاؤں میں ۱۱۲
(۳) میونسپلٹیوں میں ۸۴
۳۵۴

اُنھوں نے حساب لگایا تھا کہ میونسپلٹیوں میں ایک اور دیہاتوں میں ۹۶۴ شفاخانے بڑھا دینے سے یہ ہوگا کہ ہر گاؤں والے کو پانچ میل کے اندر ہی اندر ڈاکٹری امداد مل سکے گی۔ اُس وقت سے اب تک ۴۴۳ شفاخانے بڑھائے جا چکے ہیں۔ ان میں سے صرف ۱۱۳ دیہاتی شفاخانے ہیں۔ اس لئے اب صرف یہ ضرورت ہے کہ ۵۶۳ شفاخانے دیہاتوں میں اور بنا دئے جائیں۔

(۳) اس مقصد کو سامنے رکھکر، اب یہ تجویز ہے دیہاتوں میں نیچے لکھے ہوئے حساب سے شفاخانے بڑھا دئے جائیں۔

(۱) الوپیتھک ۴۸ قیامی شفاخانے
۱۶ سفری شفاخانے
(۲) دوسری طرح کے ۱۹۲ - یعنی ہر ضلع میں ۴-
کل ۲۵۶

اس لئے صرف ۲۵۶ دیہاتی شفاخانے کھول دینے کے بعد آنریبل وزیر اعظم کا یہ مقصد پورا ہو جائے گا کہ ڈاکٹری امداد ہر گاؤں کے کم سے کم پانچ میل کے اندر ہو۔ ۱۰۰ شفاخانوں کی کمی اس طرح پوری ہو جائے گی کہ ان نئے شفاخانوں میں سے کچھ سفری ہوں گے۔

(۴) اس کے علاوہ زچہ اور بچہ کی دیکھ بھال کے لئے بھی کچھ مرکز بنانے پڑیں گے۔ ان مرکزوں کا خاص کام یہ ہوگا کہ وہ دیہات کی دائیوں کو بچے کی پیدائش کے بارے میں سب ضروری باتیں سکھا دیں۔ ڈاکٹر ٹی۔ ایس۔ ایرّ جو انڈین رڈ کراس سوسائٹی کی طرف صوبہ متحدہ کے "زچہ اور بچہ گھروں" کے ڈائرکٹر ہیں، انھوں نے اس طرح ۱۴۷ مرکز دیہاتوں میں اور ۲۴۱ شہروں میں کھول رکھے ہیں۔ بدقسمتی سے اس طرح کی زیادہ عورتیں نہیں ملتیں جو دائی کا کام سیکھنا چاہتی ہوں اس لئے نئے گھر نہیں کھولے جا سکتے۔ اس لئے اس وقت صرف یہ تجویز ہے کہ اگر کافی تعداد میں سیکھے ہوئے کام کرنے والے مل جائیں تو دیہات سدھار کے ۲۴ مرکزوں پر "زچہ اور بچہ گھر" کھول دئے جائیں۔ ان "گھروں" کا کام یہ ہوگا کہ وہ دیہات کی دائیوں کو کام سکھائیں اور جب وہ کام سیکھ چکیں تو اُنھیں مفت ایک بکس دیا جائے۔ جب ایک جگہ کی سب دائیاں کام سیکھ چکیں تو اس مرکز کو اٹھا کر دوسری جگہ لے جا سکتے ہیں۔ اس طرح کے مرکز یا تو "سٹرنٹی اور چائلڈ ول فیر" کے ڈائرکٹر

کی نگرانی میں کھولے جائیں گے اور یا ضلعے کے ہیلتھ آفیسروں کی نگرانی میں جو انڈین ریڈکراس سوسائٹی کی ضلع کی شاخ کے سکرٹری ہوتے ہیں۔ ان کوششوں سے بھی فائدہ اٹھانے کی کوشش کیجا رہی ہے جو سویت ضلع الہ آباد کے مٹرا پالٹن چرچ ایسوسی ایشن کے مشن اسپتال نے دائیوں کو سکھانے کے لئے کی ہیں۔ اس اسپتال میں دائیوں کو سکھانے کے لئے ۱۲۷ روپیہ کی رقم الگ کر دی گئی ہے۔

(۵) شفا خانے صرف ان جگہوں پر بنائے جائیں گے جہاں کے لئے ضلع کی دیہات سدھار ایسوسی ایشن رائے دے۔

(۶) یہ بات بتانے کی کچھ زیادہ ضرورت نہیں کہ ڈاکٹروں کا کام صرف دیہاتیوں کی دوا دارو کرنا ہی نہیں ہے، بلکہ اُن کا خاص کام یہ بھی ہے کہ اُن میں صفائی کی عادت پیدا کریں اور اُنھیں تندرستی کے طریقے اختیار کرنے کی عادت ڈالیں۔ سمجھدار دیہاتیوں کو "فرسٹ ایڈ" کی تعلیم دینی چاہئے۔ اور اُن کی مدد سے ملیریا، ہیضہ، چیچک اور کھجلی جیسی بیماریوں کے بارے میں زیادہ سے زیادہ کام کی باتیں، دیہاتیوں میں پھیلانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اس کام کے لئے میجک لینٹرن کی مدد سے لکچر دینے اور اشتہار لگانے بھی ضروری ہیں۔ دیہاتیوں میں اپنی اور دوسروں کی مدد کرنے کی سچی عادت اور جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے تاکہ وہ ایسے گڈھوں، کھائیوں اور تالابوں کو مٹی سے پاٹتے رہیں، جہاں مچھر پیدا ہو کر ملیریا پھیلاتے ہیں۔ پینے کے پانی میں تھوڑے تھوڑے دن میں لال دوا ڈالنی چاہئے۔ بہت سمجھداری کے ساتھ لوگوں کو نشے کی چیزیں استعمال کرنے سے روکنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ مختصر یہ کہ زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ بیماریوں کو اچھا کرنے سے زیادہ انھیں روکنے کی کوشش پہلے کی جائے۔

(۷) ڈاکٹری بکسوں کے متعلق بھی خاص تجویزیں ہیں۔ یہ بکس پبلک ہیلتھ کے محکمہ کی طرف سے بلا کریں گے۔ آج کل اس محکمہ کی طرف سے صوبہ متحدہ میں ۳۲۱۴ بکس دئے جا چکے ہیں۔ تجویز ہے کہ ان کی تعداد چار ہزار کر دی جائے۔ ان بکسوں کو حفاظت سے رکھنا چاہئے اور جب وہ خالی ہو جائیں تو ضلع کے ہیلتھ آفیسر کے یہاں سے اُنھیں پھر بھروا لینا چاہئے۔

(۳) نگرانی

(۸) ایلوپیتھک، مقامی اور سفری شفا خانے اور دوسرے دواخانے عام طور پر ضلع کے سول سرجن کی نگرانی میں رہیں گے۔ اور جہاں تندرستی کی نئی تجویزیں شروع کر دی گئی ہیں وہاں عام طور پر ضلع کے میڈیکل آفیسر ان کی نگرانی کریں گے۔ زچہ اور بچہ خانوں کے ڈائرکٹر، ان گھروں کی نگرانی ضلع کے میڈیکل آفسروں کی مدد سے کرینگے، جو ریڈکراس سوسائٹی کی طرف سے ضلع کے سکرٹیری ہوتے ہیں۔

(۹) عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ دواؤں کے بکس حفاظت سے نہیں رکھے جاتے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دوائیں بالکل خراب ہو جاتی ہیں۔ بکسوں کو اُٹھانے اور رکھنے میں بڑی بد احتیاطی سے کام لیا جاتا ہے اور بکسوں میں دواؤں کی شیشیوں پر یا کاگ ہی نہیں دکھائی دیتے اور یا وہ بالکل ٹوٹی ہوئی ہوتی ہیں۔ اس لئے اس بات کی نگرانی بے حد ضروری ہے کہ ان دوا کے بکسوں کو اچھی طرح رکھا جائے۔ دیہات سدھار کے محکمے کی طرف سے جو ڈاکٹر مقرر کیا جائے گا اس کا کام یہ ہوگا کہ وہ اپنے حلقے کے سب بکسوں کی دیکھ بھال کرتا رہے۔ دیہات سدھار ایسوسی ایشن کے سکرٹری کا کام ہوگا کہ وہ ان بکسوں کو برابر بھروانے کا انتظام کرتا رہے اور ڈائرکٹر پبلک ہیلتھ۔ یو۔ پی ان بکسوں کے لئے دوائیں دے گا۔

(۱۰) ضلع کی دیہات سدھار ایسوسی ایشن کے صدر، اور سکرٹری اور دیہات سدھار انسپکٹر کا یہ کام ہوگا کہ وہ ہر ڈاکٹر کے لئے ایک حلقہ بنا دیں۔ اور ڈاکٹروں کا فرض ہوگا کہ وہ اپنے دورے اور کام کا روزنامچہ بنا کر ضلع کے سکرٹری کو بھیجیں۔

(۴) دواؤں کی فراہمی

ایلوپیتھک دواؤں کا انتظام ڈائرکٹر آف پبلک ہیلتھ کے ذریعہ سے ہوگا جس کی طرف سے دواؤں کے بکس بانٹے جاتے ہیں۔ دوسری دوائیں اچھے دواخانوں یا ایسے مدرسوں وغیرہ کے ذریعہ سے آئینگی جہاں طب اور وید کی تعلیم دی جاتی ہے،

مفصل بجٹ

	یکم اکتوبر سنہ ۱۹۳۹ء سے ۳۱ مارچ سنہ ۱۹۴۰ء تک (۶ مہینے)	سنہ ۴۰-۱۹۳۹ء (۱۲ مہینے)
(و) ایلوپیتھک سکشن		
(۱) ۱۶ سفری شفاخانے		
(الف) ہر ایک کو ایک بار ۴۰۰ روپیہ	۶۴۰۰ روپیہ	...
(ب) ۲۵۰۰ روپیہ سالانہ برابر دیا جائے گا	۲۰۰۰۰ روپیہ	۴۰۰۰۰ روپیہ
ج) تین پہاڑی شفاخانوں کے لئے خاص طور سے ۳۰۰ روپیہ سالانہ	۴۵۰ روپیہ	۹۰۰ روپیہ
(۲) ۴۸ مستقل شفاخانے		
(الف) ہر ایک کو ایک بار ۸۰۰ روپیہ	۳۸۴۰۰ روپیہ	...
(ب) ۲۰۰۰ روپیہ سالانہ برابر دیا جائے گا	۴۸۰۰۰ روپیہ	۹۶۰۰۰ روپیہ
(۳) ان دواؤں کے لئے جو ڈسٹرکٹ بورڈوں کے ذریعے بانٹی جائینگی	۵۰۰۰۰ روپیہ	...
(۴) ۲۴ زچہ بچہ کے سنٹر		
(الف) ہر ایک کو ایک بار ۱۰۰ روپیہ	۲۴۰۰ روپیہ	...
(ب) ۴۰۰ روپیہ سالانہ دیا جائیگا	۹۶۰۰ روپیہ	۱۹۲۰۰ روپیہ
(۵) دواؤں کے بکس	۲۰۰۰۰ روپیہ	۴۰۰۰۰ روپیہ
(۶) دوائی کے بکس	۵۰۰۰ روپیہ	۵۰۰۰ روپیہ
(۷) میٹروپولیٹن چرچ ایسوسی ایشن کو گرانٹ		
(الف) ایک بار (تھائیوں کے لئے)	۴۲۴ روپیہ	...
(ب) ۶ دائیوں کو ۸ روپیہ فی دائی کے حساب سے برابر دیا جائیگا	۲۸۸ روپیہ	۵۷۶ روپیہ
(۸) ۱۹۲ یونانی اور ویدک شفاخانے		
(الف) ایک بار فی شفاخانہ ۸۰ روپیہ	۱۵۳۶۰ روپیہ	...
(ب) ۵۱۴ روپیہ برابر دیا جائے گا	۹۸۶۸۸ روپیہ	۱۹۷۳۷۶ روپیہ
(۹) کسی مد کے لئے معین نہیں	...	...
میزان کل	۳۱۵۰۱۰ روپیہ	۳۹۹۰۵۲ روپیہ

(۴) سفری دواخانے

(۱) یہ دواخانے ایسے ہونگے جو برابر ایک خاص حلقے کے گاؤں گاؤں میں جاتے رہینگے اور وہاں جاکر لوگوں کو معمولی بیماریوں کی دوا دیں گے اور سخت بیماریوں کے لئے اُنھیں کسی پاس کے اسپتال میں جانے کی رائے دیں گے۔ ایسے دواخانے کا حلقہ اُن دواخانوں سے بہت زیادہ بڑا ہوگا، جو کسی ایک ہی جگہ پر بنے ہوئے ہیں۔

(۲) ہر دواخانے کے ساتھ اسی پاؤنڈ کا ایک چھوٹا سا خیمہ، ایک نوکرسی چھولداری، کچھ ضروری فرنیچر، اوزار، ٹیکا لگانے اور چھوت کو صاف کرنے کے آلے، اور کافی تعداد میں ضروری دوائیں ہونگی یہ دواخانے کچی سڑکوں پر، عام طور پر بیل گاڑیوں میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جائینگے۔ ہر سفری دواخانے کے ساتھ ایک قلی بھی ہوگا جس کا کام یہ ہوگا کہ وہ دوائیں ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے اور دیہات کے کنوؤں اور گاؤں کے گھروں کی گندگی اور چھوت دور کرنے میں ڈاکٹر کی مدد کرے۔ اس کے علاوہ، وبائی بیماریوں کے زمانہ میں یہ سفری دواخانے جلدی جلدی مختلف جگھوں پر جاکر بیماریوں کو دور کرنے یا کم کرنے کی کوشش کرینگے۔ اور اپنے دورے کے زمانہ میں انکا یہ بھی کام ہوگا کہ دیہاتیوں کو تندرستی کے متعلق اچھی اور کام کی باتیں بتائیں اور جہاں کہیں مدرسے ہوں وہاں کے بچوں کا ڈاکٹری معائنہ کریں۔

دیہات کی راہ

جناب مارکنڈے باجپئی ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی

میری بہن شہر کے ایک کالج میں پڑھتی ہے۔ اس کالج کے سنسکرت کے پنڈت جی اُسے ہمیشہ طعنے دیا کرتے تھے کہ تمہیں "دیش کے نواسیوں کے جیون کا حال ہی نہیں معلوم، اس لئے کہ تم نے فلموں کو چھوڑ کر اور کبھی دیہاتی زندگی دیکھی ہی نہیں" سنسکرت کو دیہات سے کیا واسطہ۔ یہ ہم معمولی آدمیوں کے دماغ سے اونچی بات ہے۔ لیکن سنسکرت کا جاننے والا ہی کیا جو اصل مطلب سے بہکے نہ، مگر طعنہ وہ بیچارے صحیح دیتے تھے۔ ہم لوگ رہنے والے تو اصل میں گاؤں کے ہی ہیں لیکن جیسے بندر سے آدمی ہو جانے کے بعد آدمی اب ڈالیاں چھوڑ کر زمین پر رہنے لگا ہے۔ اسی طرح بہت سے گاؤں والے شہری بن گئے ہیں۔ اگر بہت سے رشتے داروں کی شادیاں گاؤں میں نہ ہوئی ہوتیں تو میں نے بھی گاؤں کبھی نہ دیکھے ہوتے۔ پھر بھلا نازوں میں پلی ہوئی میری بہنیں گاؤں کہاں سے دیکھتیں۔ دسہرے کی چھٹیاں ہوئیں تو گاؤں دیکھنے کی سوجھی۔ اتفاق سے انھیں دنوں ایک رشتے دار نے ہم لوگوں کو اپنے گاؤں میں آنے کا بلاوا بھیج دیا۔ یوں تو اُن کا بُلاوا بہت دن سے تھا لیکن ہم لوگ بجلی کے پنکھے اور پائپ کا پانی چھوڑ کر بھلا کب جانے والے تھے۔ پھر دیہات میں صوفے اور آرام کرسیاں کہاں؟ سنیما کی بدلتی ہوئی فلمیں کہاں؟ اسٹیشن آباد اور حضرت گنج کی سیریں کہاں؟ چائے پارٹیاں اور شہروں کی سی چہل پہل گاؤں میں کہاں؟ میرے رشتہ دار بڑی لالچ دے گئے تھے کہ میرا مکان بڑی خوبصورت جگہ پر ہے۔ ہوا تو اتنی ہے کہ گرمی میں شملہ بن جاتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ان باتوں کا ہم لوگوں پر کچھ اثر نہیں ہوا تھا۔ میں تو خیر اُن کے گاؤں ہو بھی آیا تھا لیکن لڑکیوں نے جانے سے صاف انکار کر دیا تھا۔

دسہرے میں میری دوسری بہن بھی اپنے کالج سے آئی ہوئی تھی۔ چھوٹی بہن کو پنڈت جی کی بات یاد تھی۔ اُسے گاؤں جانے کی دھن لگی ہوئی تھی۔ اس نے ماں کو بھی جانے پر راضی کر لیا تھا اور بہن کو بھی۔ کیسے راضی کر لیا تھا، یہ آج تک میری سمجھ میں نہیں آیا ہے اس لئے کہ باہر رہنے والوں کو چھٹیوں میں گھر رہنے کا بڑا لالچ ہوتا ہے اور چھٹی کی راہ بڑی بے چینی سے دیکھی جاتی ہے۔ اور پھر جس کا گھر لکھنؤ جیسی جگہ میں ہے اُسے اپنی چھٹیاں گاؤں میں کاٹنے پر راضی کر لینا کوئی معمولی بات نہیں۔ لیکن چھوٹی بہن کی زبان میں جادو کا اثر ہے۔

ایک دن چار پیتے وقت معلوم ہوا کہ لڑکیاں گاؤں جانے والی ہیں۔ میں نے بھی کہا کہ ہاں ضرور جانا چاہئے۔ اور کچھ نہیں تو کم سے کم تندرستی ہی ٹھیک ہو جائے گی۔ پھر معلوم ہوا کہ میں بھی جا رہا ہوں۔ میں نے فوراً کہا کہ میں ہرگز نہیں جاؤنگا۔ ابھی ہو آیا ہوں۔ بہت کام ہے۔ اُس وقت تو لڑکیاں کچھ نہ بولیں۔ میں نے بھی سوچا کہ جان بچی۔ لیکن دوسرے دن مجھے صبح سویرے ہی اٹھایا گیا۔ میری ہر ایک سے دوستی ہے مگر صبح کو جگانے والے سے بالکل دوستی نہیں۔ میں نے سنا ہے کہ صبح اُٹھنا تندرستی کے لئے بہت اچھا ہے۔ لیکن خدا کے فضل سے میری تندرستی ویسے ہی بہت اچھی ہے۔ پھر میں سہانی ہوا کی نیند کیوں چھوڑوں؟ یہ بھی سنا ہے کہ صبح اُٹھ کر خدا کا نام لینا چاہئے۔ مولوی اسی لئے صبح ہی صبح اذان دیتے ہیں۔ یہ بھی بہت اچھی بات ہے مگر میں نے ابھی اتنے گناہ نہیں کئے ہیں کہ خدا کو گھڑی گھڑی اپنی یاد دلاؤں کہ جلدی میں وہ مجھے کہیں بھول نہ جائے یا یوں کہئے کہ میں نے اتنے زیادہ گناہ کئے ہیں کہ میں اتنے سویرے خدا کو اپنی یاد دلانے کی ہمت نہیں کرتا۔ جو کچھ بھی سہی صبح اُٹھنا مجھے بُرا بُرا لگتا ہے۔ مگر لڑکیاں کہاں ماننے والی تھیں۔ مجھے اُٹھا کر ہی دم لیا۔ جب ذرا ہوش آیا تو پوچھا کہ آخر کیا آفت آگئی۔ راون نے بھی اپنے بھائی کو آفت آنے ہی پر گہری نیند سے جگایا تھا۔ پتہ چلا کہ

۵

مجھے صبح کی گاڑی سے بہنوں کے ساتھ گاؤں جانا ہے۔ میں نے کہا کہ میرے کپڑے سب دھوبی کے یہاں ہیں۔ جواب ملا کہ کپڑے سب رکھ لئے گئے ہیں۔ بھلا بتایئے کہ یہ بھی کوئی بھلی منساہت ہے کہ آدمی سے بلا پوچھے ہی اس کے باہر جانے کی ساری تیاری کر لی جائے۔ مگر بغیر بیوی والا آدمی بہنوں کے سامنے بے بس ہوتا ہے۔ اُسے کوئی بہانہ ہی نہیں مل سکتا۔ نہیں تو بیوی ان لوگوں کو سمجھ لیتی ہے۔ اور شاید اسی لئے نند بھاوج میں کوئی خاص دوستی بھی نہیں ہوتی۔ مگر میں اتنی سیدھی طرح ماننے والا نہ تھا۔ مانا کہ اس وقت میرے بیوی نہیں ہے مگر اس کے معنی یہ تو نہیں ہیں کہ کبھی تھی ہی نہیں یا کبھی ہوگی ہی نہیں۔ خیال آتے ہی ہمت بندھ گئی۔ اور میں نے چادر تان کر پھر سے خرّاٹے لینے شروع کر دئے۔ اس ستیہ گرہ کے آگے کسی کی کچھ نہ چلی۔

دس بجے آنکھ کھلی تو سارا سامان باہر نکلتا دکھائی دیا۔ اپنا بیگ باہر جاتے دیکھ کر میرا پاؤ بھر خون خشک ہو گیا۔ تھوڑے دن ہوئے میں اُسی گاؤں کو گیا تھا، دس میل کی چلائی کے پڑے ہوئے چھالے پیروں کو اب تک تکلیف دے رہے تھے۔ دھوپ نے ہاتھ اور مُنہ پر کالک الگ چڑھا دی تھی۔ اس لئے دوبارہ وہی سفر کرنے کی میری بالکل مرضی نہ تھی لیکن بہنوں کی شریر ذات کو خدا سمجھے۔ میری بہنوں کو معلوم تھا کہ میں نہیں جانا چاہتا ہوں اسی لئے تو انھوں نے بھی یہ ارادہ کر لیا تھا کہ وہ مجھے ضرور ساتھ لے جائیں گی۔ میرے اُٹھتے ہی مجھے گھیر لیا کہ تمھاری ہی وجہ سے صبح کی گاڑی چھوٹی، جیسے میں اُن کے ساتھ جانا ہی تو چاہتا تھا۔ چھوٹی بہن نے فرمایا کہ وہاں نہ جانے کیا کیا مصیبتیں جھیلنی پڑیں، بڑے بھائی کے بغیر کیسے جانا ہو سکتا ہے۔ جیسے گاؤں میں آدمی کا گوشت کھانے والے جنگلی بستے ہوں، جو میری بہنوں کو کھا جائیں گے۔ یہ وار بھی خالی جاتے دیکھ کر، اس نے کہا کہ تمھارا سامان ٹھیک کیا، تمھاری راہ دیکھی، تمھاری خوشامد کی اور پھر بھی تم نہ تیار ہوئے، یہ شریف آدمی کی حرکت نہیں۔ جیسے میں نے ہی تو کہا تھا کہ میرا سامان ٹھیک کر دینا، مجھے جانا ہے۔ لیکن میں نے تو پہلے ہی کہا کہ اس ذات کے سامنے آدمی لاچار ہوتا ہے۔

اسٹیشن پہنچتے ہی گاڑی چھوٹ گئی۔ میں نے سمجھا کہ شگون اچھا نہیں۔ لیکن میری بہنوں کی رائے میں گاڑی وقت سے کچھ پہلے ہی چھوٹ گئی تھی۔ سوچا کہ اب کوئی نہ جائے گا۔ جان بچی۔ لیکن گھر لوٹ کر پتہ چلا کہ دوسرے دن ضرور جانا پڑے گا۔ چھوٹی بہن صاحبہ نے لالچ یہ دیا کہ لوٹ کر تمھارے ساتھ سنیما چلیں گے۔ پیسے میں خرچ کروں، آج کل کے بدتمیز کالج اور اسکول کے لڑکوں سے میں جھگڑوں، اور احسان میرے ہی اوپر ہو کہ میرے ساتھ سنیما گئی تھیں لیکن عورتوں سے بحث کون کرے؟ بابا تلسی داس نے اسی لئے تو اُن لوگوں کو ڈھول، گنوار اور جانور کے ساتھ رکھا ہے۔ جانا ہی پڑا دوسرے دن۔

پیروں میں چھالے پڑے ہوئے ہیں۔ رنگ ایسا ہو گیا ہے کہ رات کو کوئی دیکھے تو بھوت سمجھے، کمر ایسی درد کر رہی ہے کہ جیسے کبھی سیدھی ہی نہ ہوگی۔ لیکن یہ تو سب لوٹ کر آ جانے کے بعد ہے۔ اس وقت تو جانا ہی پڑا۔ مگر میں نے بھی بدلہ نکال لیا۔ جس حصّے سے گاؤں تک جانا تھا۔ وہاں تک پہنچنے کے لئے یکّے تھے اور اُس کے آگے کے لئے میں نے ڈولیاں منگوائی تھیں۔ ایک بہن کو تو یکّوں سے واسطہ پڑ چکا تھا۔ لیکن چھوٹی کبھی یکّے پر نہ چڑھی تھی۔ ایک تو اسٹیشن پر اُترتے ہی لڑکیوں کا کافی معائنہ ہوا۔ فیشن ایبل جانو۔ وہاں سب کو کہاں دیکھنے کو ملتے ہیں جس کو دیکھو وہی گھور رہا ہے۔ دیہات میں یوں بھی کسی کی طرف تکنا کوئی ایسا بڑا گناہ نہیں۔ چھوٹی بہن صاحبہ کا پارہ فوراً چڑھ گیا۔ اس بھنا ہٹ میں انھیں یکّے پر سوار ہونا پڑا۔ ان کی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ اس پر بیٹھیں کدھر سے۔ خیر پکڑ پکڑا کر کسی طرح انھیں سوار کر دیا۔ لیکن پہلے ہی کھانچے پر وہ آدھی باہر آ گئیں۔ میل بھر میں ہی من بھر دھول جم گئی اور اس پر یہ کہ دو تین موٹر لاریاں دو چار من دھول اُڑاتی ہوئی پاس سے نکل گئیں۔ فوراً حکم ہوا کہ دیہات دیکھ لیا۔ لوٹ چلو۔ مجھے دو دن کی صبح کی کھوئی ہوئی نیند یاد آ گئی میں

نے کہا کہ میں تو گاؤں دیکھے بغیر جاؤں گا نہیں۔ دو میل بعد فرمایا گیا کہ اب تمھارے ساتھ شیانہ جائیں گے۔ میں نے کہا کہ سینما نہ جانا مگر گاؤں تو چلو۔ چوتھے میل پر معلوم ہوا کہ یکّے میں بیٹھک سنبھالتے سنبھالتے کمر کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے ہیں۔ میں نے کہا کہ ابھی دو میل باقی ہیں۔ پانچویں میل پر بہت غصے سے یہ کہا کہ اب تمھارے ساتھ کبھی کمیں نہ جائیں گے۔ میں نے کہا کہ اس ارادہ کو اگر اور پکا کرنا ہو تو چار پانچ میل اور یکّے پر چلا جائے۔ آخر چھٹے میل پر قصبہ آگیا۔ یکّے سے اُترنے کے لئے میں نے سہارے کے لئے ہاتھ بڑھایا مگر ناراضگی تھی۔ بہن صاحبہ کود کر الگ کھڑی ہوگئیں۔ اور کمر کو دباتے ہوئے، لکھنؤ کی تارکول کی سڑکیں یاد کرنے لگیں۔ مجھ سے بغیر بولے ہوئے گھر میں چلی گئیں۔

اس پر بڑی بہن نے ہنسنا شروع کیا۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ ناراضگی مجھ پر لکھنؤ سے ہی ہے۔ میں نے تیسرے درجے کا ٹکٹ خریدا تھا۔ اس سے پہلے میری بہنوں نے میرے ساتھ دوسرے درجے سے کم میں سفر نہیں کیا تھا۔ میری بہن جہاں بھی گئی میرے ہی ساتھ گئی، اور اسی لئے میں پکڑ کر لایا گیا تھا کہ میں انھیں دوسرے ہی درجے میں لے جاؤں گا۔ مگر میں نے کہا کہ گاندھی جی کہتے ہیں کہ تیسرے درجے میں جانا چاہئے اور خاص کر جب گاؤں جا رہے ہوں۔ زنانے ڈبے میں بٹھا کر میں وہاں سے چلا آیا۔ وہاں کے دھکے کھا کر اور بیکوں کی بدبو سونگھ سونگھ کر جی خوش ہوگیا تھا۔ اس دن گاڑی بھی آدھ گھنٹے بعد چلی تھی۔ بھیڑ میں آدھے گھنٹے زیادہ بیٹھنے کا غصہ بھی میرے ہی اوپر اُتارا گیا۔ گویا یہ بھی میری غلطی تھی کہ انجن کسی خرابی کی وجہ سے آدھ گھنٹے دیر میں آیا۔ قصبے کے مکان میں پہنچکر پتہ چلا کہ نہانے کے لئے وہاں صرف ایک کھلا ہوا آنگن ہے۔ رہی سہی تاب بھی جاتی رہی۔ میں بلا کر ڈانٹا گیا، گویا آنے کو میں نے کہا تھا، خراب سڑک میری ہی بنوائی ہوئی تھی، دھول میں نے ہی اُڑائی تھی اور یکّہ میں نے ہی بنایا تھا اور قصبے کے مکان میرے ہی کہنے سے بنائے گئے تھے۔ کہا گیا کہ میں نے دیہات کی تعریف کی تھی اسی لئے بہن صاحبہ دیہات تشریف لائیں یہ بھی حکم ہوا کہ فوراً لوٹ چلو۔ میں نے کہا کہ اندھیرا ہوتے ہی راستے میں ڈاکے پڑتے ہیں۔ اس پر اتنی ناراضگی ہوئی کہ میں پہلے سمجھا کہ ڈاکو میں خود ہی ہوں اور پھر یہ جانا کہ میں ڈرپوک ہوں۔ یہ ڈرتا ہوں کہ ڈاکو مجھے اُٹھالے جائیں گے۔ یہ سمجھانا بیکار تھا کہ دیہاتی ڈاکوؤں کو عورتوں سے زیادہ دلچسپی ہوتی ہے اور مردوں سے کم۔ یہ بھی کہنا بیکار تھا کہ شہر کے آدمی گہنے نہیں پہنتے۔ بڑی مشکل سے پارہ ٹھنڈا کیا۔

یہ جان کر کہ دیہات میں سب آدمی، ڈبے میں بند کی ہوئی مچھلیوں کی طرح ایک ہی کمرے میں سوتے ہیں۔ پارہ پھر چڑھ گیا۔ تب مجھے چھت کا خیال آیا۔ جہاں ٹھنڈک اتنی کافی تھی کہ گرم دماغ کو بھی ٹھنڈا کر دے۔ دوسرے دن سویرے چار بجے اُٹھ کر میں نے لوگوں کو جگانا شروع کیا۔ گھر پر تو میں دس بجے اُٹھتا ہوں۔ لیکن باہر کسی وقت بھی اُٹھ سکتا ہوں۔ مجھے رات میں نیند اکثر نہیں آتی۔ اس رات کو بالکل ہی نہیں آئی تھی، اس لئے اوروں سے بدلہ نکال سکتا تھا۔ مجھے گالیاں دیتے ہوئے، آخر لوگ اُٹھے اور قریب سات بجے کے تیار ہوگئے۔

عورتوں کی تیاری سے خدا بچائے۔ انتظار دیکھتے دیکھتے گھنٹوں گزر جاتے ہیں۔ ڈولیاں باہر رکھی ہوئی تھیں۔ میرے رشتے دار گھوڑے پر تھے اور میرے پاس سائیکل تھی۔ سائیکل اب دیہاتی سواریوں میں گنی جاتی ہے۔ بہنوں نے ڈولیاں دیکھ کر ناک بھوں چڑھائی، چھوٹی کہنے لگی کہ ہم کوئی مریض ہیں جو حکیم صاحب کے یہاں ڈولی پر چڑھ کر جائیں گے۔ میرے مکان کے پاس ایک حکیم صاحب بیٹھتے ہیں۔ ان کے یہاں مریض ڈولی پر آتے ہیں۔ آخر ڈولیوں پر چڑھنا ہی پڑا اس لئے کہ اس وقت تک سڑک بن کر تیار ہوئی نہیں تھی۔ دیہاتی سڑکوں میں یہ بھی مرض

ہے کہ برسات کے بعد انھیں ہر سال بنانا پڑتا ہے۔ اُدھر وہ لوگ ڈولی پہ ٹھیک بیٹھے رہنے کی کوشش کر رہی تھیں ادھر میں اپنی سائیکل سے الجھ رہا تھا دیہاتی اور شہری سائیکل میں بھی تو فرق ہوتا ہے۔ اس کی چین بار بار اترنے لگی۔ دس منٹ میں چین چڑھاتا تھا اور دو منٹ سائیکل پہ بیٹھتا تھا کہ چین پھر اُتر جاتی تھی۔ میل بھر کے سفر میں چار پانچ مرتبہ سائیکل سے الجھا۔ ہاتھ کالے ہو گئے۔ آخر سائیکل جیتی۔ میں نے اس کو گھسیٹتے ہوئے پیدل چلنا شروع کیا۔ اور لوگ آگے نکل گئے۔ چار چھ دیہاتی کتے گھیرے ہوئے تھے۔ یہ کتے بھی عجیب تھے۔ بڑے بڑے تھے اور سب کے کان کٹے ہوئے تھے۔ بڑے خونخوار معلوم ہوتے تھے۔ بعد میں پوچھنے سے پتا چلا کہ دیہات میں سب کتوں کے کان کاٹ دیئے جاتے ہیں۔ اس لئے کہ کسی کے جاتے وقت اگر کوئی کتا کان پھٹ پھٹا دے تو اُسے بدشگونی سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے کان ہی غائب کر دیئے جاتے ہیں۔ بدشگونی ہوگی کہاں سے؟ میں نے نیک صلاح دی کہ مرد اور عورتوں کی ناک بھی کاٹ ڈالنی چاہیئے اس لئے کہ چلتے وقت چھینک ہو جانے سے بدشگونی ہوتی ہے۔ نہ بانس رہے گا نہ بانسری بجے گی۔ ناک دُور کر دینے سے بدشگونی بالکل ہی دور ہو جائے گی۔ لوگ سمجھے کہ میں مذاق کر رہا ہوں۔ لیکن سچ مچ دیہاتی بھائیوں کو ناک کاٹ ڈالنے کی صلاح دیتا ہوں۔

میں کتوں ہی سے بچنے کی تدبیریں سوچ رہا تھا کہ میرے رشتہ دار صاحب گھوڑے پر واپس آتے ہوئے دکھائی دئے۔ میرے ماموں صاحب زمیندار ہیں اور ان کا گھوڑا بھی زمینداری گھوڑا ہے۔ اور گھوڑے تو چار پیر سے چلتے ہیں لیکن ان کا گھوڑا دو پیر سے چلتا ہے۔ ہمیشہ نہیں، ایک آدھ میل۔ اس کے علاوہ وہ ایک دم کودتا ہے۔ ندی نالے پھاندنے کی عادت ڈالتا رہتا ہے۔ راستے میں چھوٹے موٹے نالے پڑتے بھی بہت ہیں لیکن ہمیشہ کودنے کی مشق بھی تو عجیب چیز ہے۔ انھوں نے کہا کہ گھوڑا لے لو۔ میں ٹٹو پر چلا جاؤں گا۔ چار پیر سے چلنے والے گھوڑے کو تو کوئی سنبھال بھی لے۔ دو پیر سے چلنے والا گھوڑا میرے بس کا نہیں۔ اور ٹٹو پر بیٹھنے سے میرے پیر زمین پر لگتے ہیں۔ آخر سائیکل ایک گاؤں میں چھوڑی اور دس میل پیدل گیا۔ مجبوری تھی۔

ہم لوگوں کا قافلہ جدھر سے جاتا گاؤں کے لڑکے تالیاں بجاتے ہوئے آگے چلیں کہ نئی دولہن آئی ہے۔ بڑی بہن نے تو ہنس کر ٹال دیا۔ چھوٹی بہت ناراض ہوئی کہنے لگی کہ دیہاتی بڑے بدتمیز ہوتے ہیں اور میں اب کبھی دیہات نہ آؤں گی۔ راستے میں بڑی بڑی گھاس لگی ہوئی تھی اور کانٹے دار جھاڑیاں تھیں تعظیم کرنے کے لئے گھاس اور کانٹے دونوں ہی ڈولیوں میں پہنچ گئے۔ نئے آنے والے کی تعظیم ہر شخص کرتا ہے اس میں نئی بات ہی کون سی ہے۔ لیکن ڈولیوں کے سواروں کو یہ دوستی اچھی نہ لگی۔ میں نے بہت سمجھایا کہ اب بھی دیہات میں خاطر اور مہمان نوازی بہت باقی ہے۔ لیکن ان لوگوں کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ بیٹھے بیٹھے کمر الگ ٹوٹ گئی۔ ندی پار کرتے وقت چھوٹی بہن صاحبہ کی تعظیم کے لئے تھوڑا سا پانی بھی آیا۔ ڈولی ذرا نیچی ہو گئی اور پانی سلام کرنے پہنچ گیا۔ پیر تھک گئے۔ خیر جوں توں کر کے بیچ دوپہر میں ہم لوگ گاؤں پہنچے۔ جلدی سے کریم لگائی لیکن چھالے تو پڑ چکے تھے۔ وہ راستہ بھی بہت یاد رہے گا۔ میں اکثر سوچا کرتا ہوں کہ کیا دیہات کے راستے سب ایسے ہی ہوتے ہیں؟

(یہاں ہم ہر مہینے کوئی نہ کوئی ایسا گیت چھاپا کرینگے جو کسی نہ کسی ضلعے کے گاؤں میں رائج ہے۔ یہاں جو گیت چھاپا جا رہا ہے وہ اعظم گڈھ کے ضلعے میں بہت عام ہے اور وہاں کی بولی میں لکھا گیا ہے۔ اس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ کانگریس سرکار نے کسانوں کے لئے کیا کیا ہے۔ اس طرح کے گاؤں میں شہر کی عمدہ اور بامحاورہ زبان یا بحروں کی پابندی کا خیال کرنا فضول ہوگا۔ پڑھنے والوں کو اور سب باتوں کا خیال چھوڑ کر صرف یہ دیکھنا چاہئے کہ اُن میں لکھا کیا گیا ہے)۔

کسنواں! (بدلیا دُھن میں)

(جناب مٹیشوری پرشاد سریواستو صاحب چترّ۔ رورل ڈولپمنٹ آرگنائزر اعظم گڈھ)

دُنیا میں سب لوگ سُکھ چین کرے ہو وسے — لو ہیں سب سے دُکھت دِکھات ہو کسنواں!
آئی گیلے نِک دِن بھگیا اُو سے ہیلے — مت کچھو سوچ کر ہو اب ہو کسنواں!
دِن بھر کام کر، دُعیپا میں جر جا لا — کچھو اُتجوا نہ کرے ہو کسنواں!
جوں تو ہی چُنی کونسل یا میں ممبر بھلا — اُہ وسے لگے ہے بیڑا پار ہو کسنواں!
پہنچی کے کاؤنسل میں ایک کروڑ پاس کئی لے — گاؤں گاؤں گھُمیہے سُدھارک ہو کسنواں!
بگرل کُنواں کے بورِنگ کرار دی ہے — جگت مُنر بن جئے ہے ہو کسنواں!
دیشی ہل چل وسے سے گھاس اون پات کٹے — مٹیا نہ اُلٹے پلٹے ہو کسنواں!
مسٹن گرجر ہل چلائے کے دیکھے ہے سے — جوں کری جادو ایسن کام ہو کسنواں!
نگدنگد بیج تول کے نہ بلت رسٹلے — پوسا نمبر ۵۲ دی ہے ہو کسنواں!
نِک نِک بَیل ہے ہے مٹیا اُلٹ لے ہے — کھیری گڈھ کے سَنڈ وا منگے ہے ہو کسنواں!
جُوئے سے کھتوا سے اَن ڈھیر پیدا ہو لی — گوبر کمپوسٹ کھاد بنئے ہے ہو کسنواں!
سرکاری سبھا کھولی مہاجن سے اواری لی ہے — جن بناوسے کنگال ہو کسنواں!
رجیون سُدھار سمتی کُھل جے ہے سگرو سے — ہے جیسے رجیون کے سُدھار ہو کسنواں!
گاؤں گاؤں پنچ بنی ہے اور وسرپنچ بنی ہے — بھلی ہے سب سے مُکدمہ ہو کسنواں!
جون وکیل مُکھتار کھات رہلے سے — اب ایہئے گنواں کے کام ہو کسنواں!
گھر گھر چرکھا چلی ہے سوت تیار ہے سے — کیہو نا ہی انگا گھومی پے ہے ہو کسنواں!
کھول دی ہے اوڑھ پاٹھ شالا ہر گنواں میں — رتیا کے کھُوب ہوئی پڑھائی ہو کسنواں!
ہیجا، طاعون، چیچک اور و پھسلی بکھر واسے — الھرا آن چلی جالا ہو کسنواں!
ٹیکتی بتھی دی ہے دوا دیہی دیہے تو کا — بتیا سبے بنی جیہے ہو کسنواں!
رہبیر ہووسے اعلیٰ شری مان کا ٹجوگ جی — اُن کر سندیس پہنچے ہو کسنواں!

پلی ہوئی شہد کی مکھیوں

کمایوں کے پہاڑی دیہاتوں میں شہد

جناب پی ڈبلیو

(۱)

خدا نے شہد کی مکھیاں کیوں بنائیں؟ پھولوں کا آپس میں بیاہ کرنے کے لئے تاکہ ان پھولوں سے پھل پیدا ہوں! پھول یا تو نر ہوتے ہیں یا مادہ۔ اور مادہ پھولوں تک پراگ کیسر کیڑے ہی لے جاتے ہیں۔ ان کیڑوں کو لبھانے کے لئے پھولوں کو اچھے رنگ اور اچھی مہک دی گئی ہے اور شہد بھی جسے کیڑے کھاتے ہیں۔ شہد تک پہنچنے کے لئے مکھیوں اور دوسرے کیڑوں کو اپنے مُنہ کو پھولوں کے بھیتر پہنچانا ہوتا ہے۔ لیکن ایسا کرنے میں پراگ کیسر ان کی ٹانگوں میں بھر جاتا ہے۔ پھر جب یہ کیڑے مادہ پھولوں کے پاس جاتے ہیں تو اس پراگ کیسر کے کچھ حصے وہاں رہ جاتے ہیں اور اس طرح اس میں بیج پڑ جاتا ہے۔

شہد کی مکھیاں پھولوں سے یوں شہد نکال لیتی ہیں اور اسے اپنے چھتوں میں لے جاتی ہیں۔ جنگلی مکھیاں تک دیہاتیوں کو ایک فائدہ تو پہنچا ہی دیتی ہیں کہ ان کی وجہ سے پھولوں میں پھل پیدا ہو جاتے ہیں۔ اگر دیہاتی ان سے شہد بھی حاصل کر سکیں تو ان کو دُہرا فائدہ ہو جائے گا۔

شہد کی مکھیوں کا گھر اور خاندان

(۱) وہ کیا کھاتی ہیں۔ اگر ہمیں ان مکھیوں کی عادتیں معلوم ہونگی تو ہم ان سے زیادہ شہد حاصل کر سکتے ہیں اور انھیں شہد بنانے کے کام میں مدد بھی دے سکتے ہیں۔ یہ یاد رکھو کہ شہد ان مکھیوں کا کھانا ہے۔ اگر ہم اس شہد کو حاصل کرنا چاہتے ہیں تو یہ ضروری ہے کہ ان مکھیوں کو اتنا کافی کھانا ملتا رہے کہ یہ

ے گھر کا ایک چھتہ

کی مکھیاں کیونکر پالی جاسکتی ہیں

ریڈیچ، آئی ۔ سی ۔ ایس

مضبوط اور تندرست رہیں اور بہت سے بچے پیدا کریں۔ایک چھتے میں جتنی ہی مکھیاں ہوں گی اتنا ہی زیادہ شہد اس کے مالک کے لئے اکٹھا ہو گا۔یہی بچا ہوا شہد نکالا جا سکتا ہے۔آجکل کا جو یہ طریقہ ہے کہ شہد حاصل کرنے کے لئے مکھیوں کو اُڑا دیتے اور مار ڈالتے ہیں اور ان کے چھتوں کو توڑ ڈالتے ہیں تو یہ بالکل ویسا ہی ہوا جیسے کہ دودھ دینے والی گائے کو مار ڈالیں ایسے تمام جانوروں کی خاص طور پر نگہداشت کی ضرورت ہے جن سے انسان کو غذا ملتی ہے۔

(۲) شہد کی مکھیاں کیونکر پیدا ہوتی ہیں؟ ان مکھیوں کے بچے انڈوں سے نکلتے ہیں۔ایک چھتے میں ایک ہی خاندان رہتا ہے۔گو چھتے میں ہزاروں مکھیاں ہوتی ہیں لیکن اس پورے خاندان کی صرف ایک ہی ماں ہوتی ہے اسے رانی کہتے ہیں۔وہ نہ تو شہد اکٹھا کرتی ہے اور نہ دوسرے گھریلو کام کرتی ہے۔وہ بس دن رات انڈے دینے میں لگی رہتی ہے۔وہ ہزاروں انڈے دے سکتی ہے اور اتنے انڈے دینے کے لئے اسے صرف ایک مرتبہ شادی کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔دوسری عجیب بات یہ ہے کہ یہ بالکل اس کی خوشی پر ہے کہ نر بچے پیدا کرے یا مادہ۔عام طور پر وہ مادہ بچے ہی پیدا کرتی ہے۔اس لئے کہ یہ چھتے کے بھیتر کے سارے کام انجام دیتے ہیں۔

(۳) نئی ملکہ کیونکر بنتی ہے؟ معمولی کام کی مکھی انڈے نہیں دے سکتی۔یہ صرف رانی ہی کر سکتی ہے۔اور یہ چھتے بھر میں صرف ایک ہی ہوتی ہے۔جب چھتا چھوٹا پڑ جاتا ہے اور اس خاندان کو دو حصوں میں بانٹنے کی ضرورت پڑتی ہے۔یا جب رانی بڑھاپے کی وجہ سے زیادہ انڈے نہیں دے سکتی تو وہ صرف اس طرح کے

انڈے دینے لگتی ہے جن سے نری مکھیاں نکلتی ہیں۔اسی کے ساتھ کام کرنے والی مکھیاں نئی رانی کے پلنے اور بڑھنے کیلئے ایک الگ کوٹھری بناتی ہیں۔جب یہ کوٹھری تیار ہو جاتی ہے تو وہ بوڑھی رانی سے اس میں ایک انڈا دلواتی ہیں۔جب اس انڈے میں سے بچہ نکلتا ہے تو وہ اس کیڑے کو خاص صورت اچھے اچھے کھانے کھلاتی ہیں تاکہ وہ مکمل عورت بن کر پورے چھتے کی ماں بن سکے۔

(۴) اس کی شادی۔ جب نئی رانی بھرپور جوان ہو جاتی ہے تو وہ اچھا دن دیکھ کر چھتے کے باہر مرد مکھیوں کے ساتھ سیر کرنے جاتی ہے اور ان میں سے ایک سے بیاہ کر لیتی ہے اس کے بعد نئی رانی تو چھتے میں واپس آجاتی ہے لیکن مرد مکھیاں نکال دی جاتی ہیں۔ان کی اب چھتے میں ضرورت نہیں رہ جاتی۔وہ سب ایک ایک کرکے مر جاتی ہیں۔

(۵) مکھیوں کا غول۔ جب یہ انتظام ہو چکتا ہے تو بوڑھی رانی آدھی یا اس سے کم کام کرنے والی مکھیوں کے ساتھ کئی دن کا شہد لیکر پرانے چھتے سے اس لئے نکلتی ہے کہ کہیں اور چھتہ بنائے۔ان میں سے تھوڑی سی مکھیاں اسکاؤٹ کا کام کرتی ہیں اور نیا گھر ڈھونڈتی ہیں اور سارا غول کسی قریب کے پیڑ پر لٹکا رہتا ہے۔غیر خاندان کی اور دوسرے چھتوں کی مکھیاں ایک دوسرے سے ملنا جلنا اچھا نہیں سمجھتی ہیں۔اگر کوئی اجنبی مکھی کسی چھتے میں گھس جائے تو وہ ضرور مار ڈالی جاتی ہے۔

(۶) چھتوں کی کوٹھریاں یا چھید۔ اپنے چھتوں میں مکھیاں موم کی کوٹھریاں بالکل ایک طرح کی بناتی ہیں۔مختلف قسم کی مکھیاں مختلف طرح کی کوٹھریاں بناتی ہیں۔مثلاً یورپ کی مکھیاں ہمارے دیش کی مکھیوں سے بڑی بڑی کوٹھریاں بناتی ہیں۔یہ موم جن سے کوٹھریاں بنتی ہیں۔شہد کو ایک خاص طرح کھا کے اور ہضم کر کے مکھیاں نکالتی ہیں۔لیکن ان کی غذا شہد ہی ہے۔اور اگر ہم ان کی کوٹھریاں توڑ دیں تو ہمیں کم شہد ملے گا۔بعض کوٹھریوں میں یہ مکھیاں شہد اکٹھا کرتی ہیں اور بعض میں رانی انڈے دیتی ہے۔جب کوئی کوٹھری شہد سے بھر جاتی ہے تو مکھیاں اس کا منہ موم سے بند کر دیتی ہیں۔

اسی طرح جب کوئی کیڑا بڑا ہونے لگتا ہے اور مکھی بننے والا ہوتا ہے تو اسے بھی ایک کوٹھری میں بند کرکے اس کا منہ بھی موم سے بند کر دیا جاتا ہے۔لیکن ان کوٹھریوں کے منہ پر زیادہ کالے رنگ کا موم لگایا جاتا ہے۔مردوں کی کوٹھریاں عورتوں کی کوٹھریوں سے بڑی بنائی جاتی ہیں اور جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے ہونے والی ملکہ کی کوٹھری خاص طور سے بنتی ہے اور وہ ان دونوں سے بڑی ہوتی ہے۔عام طور سے شہد کوٹھریوں کے اوپر والے حصوں میں رکھا جاتا ہے۔اور انڈے نیچے والے حصوں میں دئے جاتے ہیں۔لیکن اگر اچھا اور صاف شہد حاصل کرنا ہے۔تو یہ ضروری ہے کہ اس کا انتظام کیا جائے کہ مکھیاں شہد چھتے کے ایک الگ حصے میں شہد اکٹھا کریں اور انڈے الگ حصے میں دیں۔ایسا ہونے سے شہد نکالتے وقت کمیں ہونے والی مکھیوں کو مارنا نہ پڑے گا۔(نیچے لکھا ہوا حصہ ۳پیرا ۱۴ دیکھو)

۷۔ مکھیاں کیسے پلتی ہیں۔ رانی کے انڈا دینے کے تین دن بعد ایک بہت ہی چھوٹا سا کیڑا اس میں سے نکلتا ہے۔اس وقت ایسی نئی مکھیاں جو ابھی اتنی مضبوط نہیں ہوئی ہیں کہ وہ باہر جا سکیں دایہ کا کام کرتی ہیں۔وہ ان کیڑوں کو چھ دن تک شہد اور کیسر ملا کر کھلاتی ہیں۔اتنی مدت میں وہ کیڑا اتنا بڑا ہو جاتا ہے کہ پوری کوٹھری اس سے بھر جاتی ہے۔تب دایہ مکھیاں اس کوٹھری کا منہ موم سے بند کر دیتی ہیں اور وہ کیڑا اس کے اندر بڑھ کر پوری مکھی بن جاتا ہے۔گیارہ دن کے بعد دایہ مکھیاں کوٹھری کا منہ کھول دیتی ہیں اور اس میں سے یہ نئی مکھیاں نکل آتی ہیں۔یہ سارا کام تین ہفتے میں انجام پاتا ہے۔اب وہ کوٹھری دوسرے انڈے یا شہد رکھنے کے لئے خالی ہو جاتی ہے۔

۸۔ کام کرنے والی مکھیاں۔ نئی مکھی کچھ دنوں تک تو دایہ کا کام کرتی ہے یا دوسرے گھریلو کاموں میں خلاً چھتہ صاف کرنے کوٹھریوں کی مرمت کرنے میں لگی رہتی ہے لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد شہد اکٹھا کرنے اور کیسر لانے کے لئے نکل پڑتی ہے۔برستے پانی میں یہ مکھیاں نہیں اڑ سکتی ہیں اور نہ

اور چھتے سے اس وقت تک عموماً باہر نکلتی ہیں جب تک کہ سورج اچھی طرح نہ چمکتا ہو۔ جب کڑاکے کا جاڑا پڑتا ہے تو یہ مکھیاں چھتے ہی میں رہتی ہیں، اور ایک دوسرے کو گرمانے کے لئے سب اکٹھا بیٹھی رہتی ہیں۔ اس وقت اس کی سخت ضرورت ہے کہ چھتے کی چھت کے نیچے گرم کپڑے اور کمبل رکھ دئے جائیں اور چھتے کی دیواروں کے چاروں طرف پیال رکھ دیا جائے اسلئے کہ یہ مکھیاں سردی سے بہت آسانی سے مرجاتی ہیں۔ سردی کے زمانے میں یہ مکھیاں کوئی کام نہیں کرتی ہیں۔ اسلئے یہ ضروری ہے کہ ان کے پاس کھانا اتنا اکٹھا ہو کہ وہ انکے لئے اس زمانے تک کافی ہو جبکہ گرمیاں پھر پڑنے لگیں۔ یہ ہمیشہ یاد رکھنا کہ پہاڑوں کے جاڑے کے لئے مکھیوں کے لئے کافی شہد ان کے چھتوں میں چھوڑنا چاہئے اسلئے کہ یہاں پھولوں میں کافی شہد نہیں ہوتا۔ ہندوستان میں جلی کوٹ کی بلندیوں پر جہاں کہ نیا گرام سدھاری مکھیوں کا فارم کھولا جارہا ہے بہت کم دن ایسے ہوں گے جب کہ اتنی سردی پڑیگی کہ کام نہ ہوسکے۔ البتہ ترائی، بھابھر اور میدانوں میں جاڑوں ہی کا موسم مکھیوں کا بہترین زمانہ ہے۔ وہاں گرمیوں میں وہ شہد نہ جمع کرسکیں گی۔

(۹) شہد کا موسم۔ پہاڑوں پر شہد اکٹھا کرنے کا بہترین زمانہ اکتوبر اور نومبر اور پھر مارچ اور اپریل ہوگا۔ اگر پانی بہت زیادہ نہ برسے تو برسات میں بھی مکھیاں اپنا کام کرسکتی ہیں۔

(۱۰) مکھیوں کا محنتی ہونا اور امداد باہمی کرنا۔ یہ پوچھا جاسکتا ہے کہ شہد کی مکھیاں اپنی ضرورت سے زیادہ کیوں اتنا شہد اکٹھا کرتی ہیں کہ مکھیوں کا پالنے والا اسے لے لیتا ہے۔ ایک پرانی کہاوت ہے کہ جتنا ہی شہد ہم نکال لیتے ہیں اتنی ہی زیادہ محنت مکھیاں کرتی ہیں۔ لیکن اس پر بھی سمجھدار مکھیاں پالنے والا اچھے موسم میں اپنی مکھیوں کی فوری ضرورت کے لئے کافی شہد چھوڑدے گا اور اس کا خیال رکھے گا کہ اتنا شہد نہ نکال لے کہ بُرے موسم میں ان کے لئے غذا نہ رہ جائے۔ نیچے لکھے ہوئے کام مکھیاں اپنے آپ کرتی ہیں، حالانکہ ان میں سے کچھ بڑے مشکل جان پڑتے ہیں۔

۱۔ وہ چھید یا کوٹھریاں بناتی ہیں۔ یہ کوٹھریاں موم سے بنتی ہیں۔ یہ موم مکھیاں شہد کو ہضم کرکے حاصل کرتی ہیں۔ وہ اپنے منہ سے اس موم کا ڈھانچہ بناتی ہیں اور ہر کوٹھری ایک ہی قد اور ایک ہی طرح کی ہوتی ہے۔

۲۔ وہ اپنے کیڑوں کو پالتی ہیں۔

۳۔ وہ خاص غذا تیار کرتی ہیں جسے شاہی کھانا کہتے ہیں اور جسے کھاکر کیڑا رانی بن جاتا ہے۔

۴۔ وہ چھتے کو اپنے بدن سے گرم رکھتی ہیں۔

۵۔ گرمیوں میں وہ پھاٹک پر کھڑی ہوکر اپنے پروں سے پنکھا جھلتی ہیں۔

۶۔ جبکہ شہد چھتے کی گرمی سے کافی گاڑھا ہوچکتا ہے تو وہ اسے اکٹھا کرکے بند کردیتی ہیں۔

۷۔ وہ کوڑا کرکٹ اور مری ہوئی مکھیوں کو باہر پھینک کر چھتے کو صاف ستھرا رکھتی ہیں۔

۸۔ ان میں سے کچھ رانی کی چوکیداری کا کام کرتی ہیں۔ وہ ہر وقت اسکی حفاظت کرتی ہیں اور جب وہ انڈے دیتی ہوتی ہے تو اسے شاہی کھانا پہنچاتی رہتی ہیں۔

۹۔ وہ شہد، کیسر اور پانی اکٹھا کرتی ہیں۔ اور ایک طرح کی گوند بناتی ہیں جس سے وہ چھتے کے دراڑ بند کرتی ہیں اور کوٹھریوں کو چھتے میں چپکاتی ہیں۔

۱۰۔ وہ دشمنوں سے چھتے کو بچاتی اور انھیں مارڈالتی ہیں۔ (دیکھو پانچواں حصہ) یہ سب باتیں وہ فطری طور پر کرتی ہیں۔ ان کے لئے کسی راجہ یا اسمبلی کی ضرورت نہیں ہوتی کہ انھیں بتائے کہ ان کو کیا کرنا چاہئے۔ ایک چھتے کے رہنے والی مکھیوں میں آپس میں لڑائی نہیں ہوتی اس لئے کہ ہر ایک کو فطرت نے یہ بتا دیا ہے کہ اسے کیا کام کرنا ہے۔ اور ہر ایک یہ جانتی ہے کہ اس کی محنت کے بدلے اس کو کس طرح کا کھانا ملے گا۔ وہ اس سے مطمئن رہتی ہے۔ ایسی مرد مکھیاں جو کام نہیں کرتی ہیں زندہ نہیں رہنے پاتی ہیں۔

(۱۱) باہر جانا اور واپسی۔ یہ مکھیاں چھتے سے دو میل کی دوری تک شہد کی تلاش میں نکل جاتی ہیں جب وہ کسی انجان جگہ سے گزرتی ہیں تو وہ راستہ یاد رکھتی ہیں۔ اور اس لئے ہمیشہ گھر پلٹ آتی ہیں۔ لیکن اگر چھتہ دو ایک گز بھی اپنی جگہ سے ہٹا دیا جائے تو وہ پرانی جگہ پر پلٹ آتی ہیں اور وہاں اس وقت تک اُڑتی رہتی ہیں جب تک کہ وہ مر کر گر نہ جائیں۔ اس لئے اگر چھتہ ہٹانا ہے تو ہر روز ایک دو فٹ سے زیادہ نہ کھسکانا چاہئے۔ یہ کام رات ہی کو ہونا چاہیے۔ رات کو ایک چھتہ ایک بار دو میل تک کھسکایا جا سکتا ہے۔ بعض مکھیاں ممکن ہے کہ اپنے پرانے راستوں میں جا کر کھو جائیں، مگر ان کی تعداد بہت ہی کم ہوگی (دیکھو چوتھا حصہ "سفر")

(۳) مکھیوں سے کیونکر اپنا اور ان کا کام لینا چاہئے

(۱) پُرانے طریقے۔ ہر پہاڑی گاؤں میں کچھ لوگ اپنے گھروں میں کھوکھلے کاٹھ میں یا کسی اور چیز میں شہد کی مکھیاں پالتے ہیں۔ تھوڑے تھوڑے دنوں بعد گھر والا ان چھتوں کو توڑتا ہے اور مکھیوں کو دھوئیں سے بھگا کر شہد نکالتا ہے ان چھتوں میں شہد کی طرح کیسر اور کیڑے بھی ہوتے ہیں۔ اس لئے جب ان کو دبا کر اور کسی میلے کپڑے میں چھان کر شہد نکالتے ہیں تو یہ شہد خالص نہیں ہوتا اور نہ دیکھنے میں اچھا معلوم ہوتا ہے اس طرح کا گندہ شہد بھی خاصے داموں پر بکتا ہے۔ اگر خالص شہد ہو اور صاف ستھرے اچاریوں میں رکھا ہو تو وہ بھی زیادہ مہنگا بکے۔ اس ناسمجھی کے طریقے سے شہد نکالنے کی وجہ سے مکھیوں کو پھر سے چھتا بنانا پڑتا ہے اور ہزاروں ہونے والی مکھیاں موم کی کوٹھریوں کے ٹوٹنے کی وجہ سے دب کر مر جاتی ہیں۔ یہ تو ایسا ہی ہوا جیسے دودھ حاصل کرنے کے لئے گائے کا تھن کاٹ ڈالنا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس برے برتاؤ کی وجہ سے مکھیاں اس جگہ سے بالکل بھاگ ہی جائیں۔ بعض ہندوؤں کو شہد نکالنے پر شاید اسی لئے اعتراض ہوتا ہے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ شہد نکالنے میں ان مکھیوں کا مارنا ضروری ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ اور اگر ٹھیک طریقہ سے شہد نکالا جائے تو نہ مکھیاں مریں گی اور نہ ان کے بچے۔ وہ تھوڑا سا خرچہ (اس کا بھی گرام سدھار کی طرف سے ان لوگوں کے لئے انتظام ہو جائے گا جو اسے بھی نہیں اُٹھا سکتے) جو اس نئے طریقے میں ہوتا ہے وہ اس بہت سے شہد سے بہت اچھی طرح پورا ہو جاتا ہے جو دیہاتی اس حالت میں حاصل کر سکیں گے اور بیچ سکیں گے (دیکھو چوتھا حصہ بیچنے کے انتظامات کے بارے میں)

(۲) چھتہ۔ سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ہم چند خانے کیونکر توڑ کر اس طرح نکال لیں کہ پورے چھتے کو نقصان نہ پہنچے اور نہ مکھیاں اڑ جائیں یہ نیچے لکھے ہوئے طریقے سے ہو سکتا ہے۔

(الف) چھتے کے اندر اس طرح کا فریم مہیا کر دیا جائے کہ وہ اپنی جگہ سے ہٹایا جا سکے اور اس ترکیب سے رکھا جائے کہ موم والی کوٹھریاں اسی پر بنائی جائیں۔

(ب) رانی کو چھتے کے ہر حصے میں پہنچنے نہ دیا جائے تاکہ شہد ایک حصے میں اکٹھا ہو اور انڈے دوسرے حصے میں دئے جائیں۔ اس کے لئے اس کی ضرورت ہے کہ ایک خاص پیمانے کا کاٹھ کا چھتہ بنا دیا جائے۔ اس طرح کے چھتے جل کوٹ میں موجود ہیں اور گرام سدھار سبھائیں اس طرح کے چھتے بہت کم داموں پر مہیا کر سکتی ہیں۔ اگر کوئی شخص ایسے چھتے آپ ہی بنوانا چاہتا ہے تو ہر بڑھئی اسے بنا دے گا۔ ہاں اتنا ضرور ہونا چاہیئے کہ لکڑی اچھی قسم کی ہو۔ پُرانا شیشم اس کام کے لئے مناسب ہوگا۔

اس طرح کے چھتے کی تصویر سامنے کے صفحہ پر دی ہوئی ہے۔

اِن تصویروں سے یہ بات معلوم ہو گئی ہوگی کہ ہم ہر فریم کو اُٹھا کر اور آہستہ سے مکھیوں کو دوسرے فریموں میں گرا کر بہت آسانی سے جانچ سکتے ہیں۔ ان فریموں کو ایک دوسرے سے دور ہونا چاہیئے۔ اس کا جو انتظام کیا گیا

ہے وہ تصویروں سے معلوم ہو سکتا ہے۔
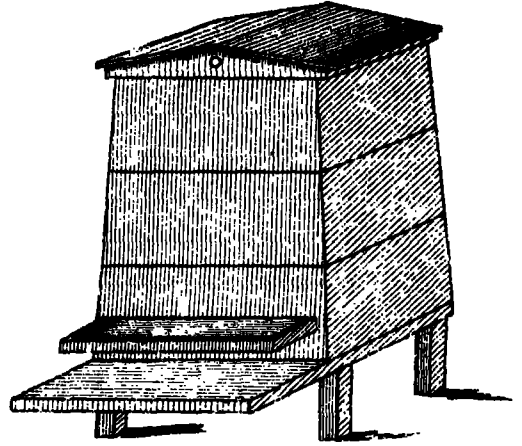
کاٹھ کا چھتّہ

یہ فریم چھتّے میں یوں بیٹھ جاتے ہیں۔

ہیں تو اُن کا پکڑنا مشکل ہی ہوگا۔ پھل والے پیڑ (سوائے آم کے بڑے پیڑوں کے) اس کام کے لئے سب سے اچھے ہوتے ہیں۔ ان کے پھولوں سے مکّھیاں اپنی غذا پاتی ہیں۔

(۴) رانی پر روک ٹوک۔ رانی کو بعض کوٹھریوں سے نیچے لکھے ہوئے طریقہ سے الگ رکھا جا سکتا ہے:۔ رانی دوسری مکھیوں سے کہیں بڑی ہوتی ہے۔ اس لئے وہ ان چھوٹے چھیدوں میں نہیں گھس سکتی جن میں معمولی مکھیاں گھس سکتی ہیں۔ چھتّے کو اس لئے دو حصّوں میں ایک پتلی دھات کا اوٹ لگا کر الگ کر دیتے ہیں۔ اس میں ایسے چھید کر دیتے ہیں کہ معمولی مکھیاں تو ان میں سے گزر سکتی ہیں لیکن موٹی رانی ان میں سے نہیں نکل سکتی۔ اس اوٹ کو رانی روکنے والا پردہ کہتے ہیں۔ اس پردے کو عموماً چھتّہ کی

چھتّہ

فریم

(۱۴) شہد کی مکھیاں پالنے کے بہترین مقام اُن کے چھتّے کیونکر رکھے جائیں؟ پہاڑیوں میں اور بھابر میں ہر جگہ مکھیاں پالی جا سکتی ہیں۔ البتہ اونچی پہاڑیوں پر مناسب نہیں۔ اس لئے کہ وہاں بہت سردی پڑتی ہے۔ چھتوں کا مُنہ دکن یا دکھن پورب ہونا چاہئے اور ان کے سامنے بیس سے تیس گز تک کھلی ہوئی جگہ ہونا چاہئے تاکہ مکھیاں آزادی سے اُڑ سکیں چھتّوں کو کھیتوں کے کنارے بھی رکھا جا سکتا ہے۔ مگر بڑے پیڑوں کے قریب نہ رکھنا چاہئے۔ مکھیوں کے غول عام طور پر پیڑوں پر دو دو دن لٹکے رہتے ہیں اور اگر پیڑ بڑے

پہلی اور دوسری چھت کے بیچ میں رکھ دیتے ہیں تاکہ شہد اوپر والی چھت میں اکٹھا ہو۔ اس پردہ کو لٹا دیں گے۔ اگر چھتّہ بڑا نہ ہو اور مکھیاں صرف نیچے والی چھت میں رہتی ہوں تو اسی حصّے کو (اس پردے کو) فریم کی طرح رکھ کر دو ٹکڑوں میں بانٹ دیں گے۔ لیکن ایسی حالت میں اس کو اتنا بڑا ہونا چاہئے کہ یہ چھتّے کے اس حصّے کو پورا پورا ڈھک لے۔

(۵) چھتّے کا بھیتری انتظام۔ مکھیوں کو ضرورت سے زیادہ جگہ نہ دینا چاہئے۔ اس لئے کہ ایسی حالت میں

ان کو گرم رکھنا مشکل ہوگا۔ پھر وہ ایسی جگہوں پر بھی کوٹھریاں بنا سکیں گی جہاں ان کے لئے مناسب نہیں ہے۔ جب موسم خراب ہوگا یا جب پھول کم ہوں گے تو کھیوں کی تعداد بھی کم ہی ہوگی۔ اور ایسی حالت میں ایک حصہ کافی ہوگا۔ لیکن جب شہد کا موسم شروع ہوتا ہے تو وہ بہت سے بچے پیدا کرتی ہیں اور اس وقت وہ کئی حصوں میں چھتہ بنائیں گی۔ اس لئے شہد کی مکھیاں پالنے والے کو چاہئے کہ ستمبر اور فروری میں چھتے میں دو ایک حصہ اور بھی بڑھا دے اگر مکھیاں کافی ہیں تو یہ حصے شہد سے بھر جائیں گے۔

اگر مکھیاں اتنی کم ہیں کہ ایک حصے کو بھی نہیں بھر سکتی ہیں تو بھی اس کو رانی والے اوٹ کے سے ایک کھڑکی ہے جس میں سے ہوا آئے گی اور جائے گی۔ ایسی ہی کھڑکیاں گاؤں کے ہر مکان کے اوپر ہونا چاہئے لیکن مکھیاں آدمیوں سے زیادہ عقلمند ہیں۔

(۶) جتنی ہی زیادہ مکھیاں کسی چھتے میں ہوں گی اتنا ہی زیادہ شہد وہ اکٹھا کریں گی۔ یہ کہیں زیادہ اچھا ہے کہ مکھیوں کا ایک بڑا غول اکٹھا ہو بہ نسبت کئی چھوٹے چھوٹے غول الگ الگ رہیں۔ شہد کی تلاش میں روانہ ہونے کے پہلے مکھیوں کو بہت سے گھریلو کام بھی کرنا پڑتے ہیں۔ اس لئے اتنی کافی تعداد میں مکھیاں ہونا چاہئیں کہ وہ دونوں طرح کے کام اچھی طرح انجام دے سکیں۔ ایک چھوٹے غول کے لئے دشمن کے ہاتھوں برباد ہو جانے کے علاوہ سردی کھا جانے کا بھی خطرہ ہے۔

پہلا حصہ

دوسرا حصہ

تختے کے ذریعہ الگ کر دینا چاہئے۔ اس تختے میں سوراخ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

چھتے کو جاڑے میں گرم رکھنے کا خیال رکھنا چاہئے۔ لیکن موسم کے گرم ہوتے ہی کمل وغیرہ ہٹا دینا چاہئے۔ دروازے اس طرح کے ہونا چاہئے کہ ان کو کھسکنے والے لکڑی کے ٹکڑوں کے ذریعہ سے چھوٹا بڑا بنایا جا سکے۔ اگر مکھیاں کم ہوں تو ان کے لئے دروازہ چھوٹا ہونا چاہئے۔ کیونکہ وہ ایسی حالت میں اس میں اپنے دشمنوں کو گھسنے نہ دیں گی۔ تصویر میں دیکھو۔ چھت کے اوپر ایک

(۷) مکھیوں کا غول۔ جیسا کہ حصہ دو میں بیان کیا جا چکا ہے۔ چھتوں کی تعداد غول کی وجہ سے بڑھتی ہے۔ مکھیوں کو غول بنا کر چلنا اس لئے پڑتا ہے کہ ان کا پچھلا چھتہ چھوٹا اور ناکافی ہو جاتا ہے۔ اس طرح ایک بڑے چھتے کی جگہ دو چھوٹے چھوٹے چھتے لے سکتے ہیں۔ ایسی حالت میں اس سال چھتے کے مالک کو کچھ بھی شہد نہ ملے گا۔ اس لئے اسے مکھیوں کو دوسرا چھتہ بنانے سے روکنا چاہئے اور اسی چھتے میں ان کی تعداد بڑھانا چاہئے۔ اگر ٹھیک طرح کا چھتہ ہوگا تو مکھیوں کے لئے جگہ اپنی خوشی کے مطابق بڑھائی جا سکتی ہے۔

مکھیاں بہت بڑے چھتوں میں رہنا پسند نہیں کرتیں او۔
نہیں تو بڑے سے بڑا چھتّا بنایا جاسکتا ہے۔ لیکن یہ مکھیاں
جانتی ہیں کہ ایک رانی کتنے بڑے چھتّے کے لئے انڈے دے
سکتی ہے اور اگر ایک سے زیادہ ہوگی تو آپس میں لڑائی
ہوگی۔ اس لئے کچھ زمانے کے بعد انھیں غول بنا کر
اُڑجانے سے روکا نہیں جا سکتا۔ بہرحال مکھیاں پالنے
والے کو انھیں غول بنا کر اُڑجانے سے جب تک ہوسکے
روکنا چاہئے اور جب وہ جانے ہی لگیں تو اسے اسکے
لئے تیار ہونا چاہئے کہ وہ انھیں پکڑ لے اور اسکے
لئے ایک الگ چھتّہ دیدے۔ جلی کوٹ میں جو ماسٹر
ہیں وہ لوگوں کو اس کا طریقہ سکھاتے ہیں۔ لیکن
بہت سے دیہاتی پہلے ہی سے اسے جانتے ہیں۔

(۸) ٹھیک وقت پر کیونکر مکھیوں کی تعداد
بڑھائی جائے۔ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے پہاڑوں
پر شہد بنانے کا سب سے اچھا موسم اکتوبر اور مارچ
ہے۔ جب یہ موسم قریب آئے تو شہد کی مکھیاں پالنے
والے کو اس کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہئے کہ اس کے
چھتے میں جہاں تک ہوسکے زیادہ سے زیادہ مکھیاں ہوں
مکھیاں یہ آپ ہی انتظام کرلیتی ہیں۔ لیکن ان کو اس
کام میں بہت کچھ مدد بھی دی جاسکتی ہے۔ سب سے پہلا
کام مکھیوں کے لئے اور چھید مہیّا کرنا ہے۔ یہ دو طرح
ہوسکتا ہے۔ ایک تو ان کو وہی پُرانے چھید دئے
جاسکتے ہیں جن میں سے شہد نچوڑ لیا گیا اور جو اب تک
ٹوٹے نہیں ہیں دوسرے ان کو کاٹھ والے فریم دئے
جاسکتے ہیں۔ یہ چیزیں پہاڑوں پر جولائی یا جنوری کے
آخر میں دینا چاہئے۔ دوسرا کام مکھیوں کے لئے غذا
مہیّا کرنا ہے۔ شہد کے موسم کے شروع شروع میں
چھتے میں غذا کی کمی ہوگی اور مکھیاں بھوکی رہ کر بہت
کام نہیں کرسکتی ہیں بچّوں کا پیدا کرنا اور اُن کا
پالنا بہت سخت کام ہے۔ پھر بغیر کھائے ہوئے کوٹھریاں
بنانے کا کام بھی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے تھوڑا سا شہد
مول لے کر اتنا ہی پانی اس میں ملاؤ۔ پھر ایک چینی میں
ململ کا ایک ٹکڑا رکھو اور شہد کی اچاری کو اس کے
ڈھکنے میں کئی چھید کرکے اس ٹکڑے پر اُلٹ کر رکھ دو۔
اب اس چینی کو فریم کے اوپر رکھدو۔ مکھیاں اس کپڑے
میں سے شربت چوس لیں گی۔

یہ یاد رکھو کہ بہت سا کھانا مکھیوں کو نہ ملنا چاہئے
نہیں تو وہ اسے ان چھیدوں یا کوٹھریوں میں اکٹھا
کرلیں گی جہاں رانی انڈے دینے والی ہے۔ دوسرا
طریقہ۔ ایک کمزور اور چھوٹے چھتّے کو مضبوط اور بڑا
بنانے کا یہ ہے کہ کسی بڑے چھتّے سے مہر لگے ہوئے
ایسے چھید لے کر وہاں رکھدو جن میں مکھیوں کے کیڑے
بند ہیں۔ یہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ خالی چھیدوں یا کوٹھریوں
میں کھانا ڈال دیا جائے۔

(۹) غول بنا کر اُڑجانے سے روکنے کا طریقہ۔
ٹھیک اسی زمانے میں جبکہ شہد والا اپنے چھتّوں کو
بڑا بنانا چاہتا ہے تو مکھیاں اُڑجانے کا بندوبست کرنے
لگتی ہیں۔ اس لئے کہ اسی زمانے میں چھتّے بھرجاتے ہیں
اور نئے چھتّوں کے لئے غذا کا مہیّا ہونا آسان ہوتا ہے۔
شہد والے کو اس لئے یہ چاہئے کہ وہ ہر دوسرے تیسرے
دن یہ دیکھتا رہے کہ چھتّے میں کافی جگہ موجود ہے۔ اسکے
علاوہ وہ یہ بھی کرسکتا ہے کہ وہ ان چھیدوں کو توڑ
دیا کرے جن میں نئی رانی کا کیڑا پلنے والا ہو اور اس
طرح نئی رانی ہی نہ بننے دے۔ لیکن اگر نئی رانی کی
واقعی ضرورت ہے تو ایسا ہرگز نہ کرنا چاہئے۔

(۱۰) رانی کے بارے میں انتظام۔ یورپ اور
امریکہ کی شہد رانیاں تین برس تک اچھی طرح انڈے
دیتی ہیں۔ یہ ضروری ہے کہ ہر چھتّے میں ایک ایسی رانی جو اچھی طرح
انڈے دے سکتی ہو۔ ایک ہندوستانی شہد رانی دو برس تک اچھی طرح
انڈے دیتی ہے لیکن اسکے بعد وہ کمزور ہوجاتی ہے چونکہ ہر سال پُرانے چھتّے کو چھوڑ کر مکھیاں

نئے چھتے بنانے چلی جاتی ہیں اس لئے ہر سال ایک نئی رانی ضرور پیدا ہوتی ہے پس اگر انھیں اُڑ جانے سے روکا جاسکے اور کوئی دوسرا طریقہ نئی رانی حاصل کرنے کا استعمال نہ کیا جائے تو بھی دوسرے سال اپنے آپ ہی ایک نیا چھتہ بن جائے گا اور ایک نئی رانی مل جایا کرے گی۔ لیکن اگر ہرسال پُرانی رانی کی جگہ نئی رانی ستمبر یا فروری میں رکھ دی جائے تو چھتے میں برابر کافی مکھیاں رہیں گی اور اگر پُرانی رانی بالکل ہٹا دی جائے تو مکھیاں نیا چھتہ بھی ڈھونڈنے نہ جائیں گی۔ یہ نیچے لکھے ہوئے طریقے سے کیا جاسکتا ہے۔

اُوپر بیان کئے ہوئے پردوں کے ذریعے پُرانی رانی کو چھتے کے ایک چھوٹے حصے میں بند کردو لیکن اس کا خیال رکھو کہ یہ ایسے وقت میں کرنا چاہئے جبکہ دوسری کوٹھریوں میں انڈے موجود ہوں اب دوسری مکھیاں جب یہ دیکھیں گی کہ ان کی رانی غائب ہوگئی ہے تو انڈے والی کوٹھریوں میں سے ایک کو بڑا بنائیں گی اور جب اس میں سے کیڑا نکلے گا تو اسے شاہی کھانا کھلا کر نئی رانی بنا دیں گی۔ اسی وقت وہ مرد مکھیاں بھی پیدا کریں گی۔ اور ان میں سے ایک سے نئی رانی سے بیاہ ہوجائے گا۔ پس جب نئی رانی انڈے دینے لگے تو پُرانی رانی کو نکال لو اور پردے کو بھی ہٹا دو۔ ایک اور آسان طریقہ یہ ہے کہ مکھیوں کو نئے چھتے کی تلاش میں غول بناکر اُڑنے دو جب وہ یوں اُڑیں تو پکڑ لو اور پُرانی رانی کو ان سے الگ کرکے ساری مکھیوں کو پُرانے چھتے میں رکھدو جہاں اب نئی رانی انڈے دے رہی ہوگی۔

(۱۱) چھتوں کا ایک کرنا۔ جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے دو مختلف چھتوں کی مکھیاں ایک ساتھ نہیں رہ سکتی ہیں وہ ایک دوسرے کو مہک سے پہچان لیتی ہیں اور ہر چھتے کی مہک الگ الگ ہوتی ہے۔ اگر دو چھتوں کو ملانا ہے تو کسی طرح ان کی مہک کو اس وقت تک مکھیوں سے چھپاؤ جب تک یہ مہک بالکل غائب نہ ہوجائے۔ جب یہ خاص مہک غائب ہوجائے تو دونوں چھتوں کو ملا دو۔ اکثر چھتے چھوٹے اور کمزور ہوتے ہیں اور اگر ان کو یونہی چھوڑ دیا جائے تو وہ دن بدن اور کمزور اور چھوٹے ہی ہوتے جائیں گے۔ اس لئے ان کو بڑا اور مضبوط بنانے کے لئے بڑی دیکھ بھال کی ضرورت ہے۔ اس لئے اس کی بھی ضرورت ہے کہ اُڑ جانے والے غول پکڑے جائیں اور چھوٹے چھوٹے چھتے ملا کر ایک کر دئے جائیں یہ نیچے لکھے ہوئے طریقوں سے کیا جاسکتا ہے:۔

(الف) اگر ایک ہی دن میں کئی غول پکڑے جائیں تو انھیں ایک ہی چھتے میں رکھ دو۔ مکھیاں آپ ہی آپ ایک جگہ رہنے لگیں گی اور سب سے اچھی رانی کے سوا سب رانیاں کو مار ڈالیں گی۔

(ب) اگر ایک غول ایک چھتے میں رکھا جاچکا ہے اور دوسرا غول رکھنا ہے یا اگر کسی غول کو ایسے پُرانے چھتے میں پھر لاکر رکھنا ہے تو کاغذ جلا کر اس کا دھواں دونوں غولوں پر ڈالو، پھر دونوں کو ایک ہی چھتے میں بند کردو۔

(ج) دو چھتوں کی مکھیوں کو ملانے کے لئے دونوں چھتوں کو دو دو تین فیٹ کھسکا کر ایک دوسرے کے قریب لاؤ۔ پھر ایک دن دونوں چھتوں کو کھول کر خوب دھواں دو۔ پھر ان دونوں چھتوں کی مکھیوں کو کوٹھریوں اور کیڑوں پر شہد اور پانی میں ذرا سی پیپر منٹ یا لونگ ملا کر چھڑکو پھر کمزور چھتے کے فریم نکال کر بڑے چھتے کے فریموں سے ملا کر رکھو۔ خالی چھتے کو ہٹا دو۔ اور بڑے چھتے کو پہلے دونوں چھتوں کے ٹھیک بیچ میں رکھو۔ بس ساری اُڑتی والی مکھیاں اسی چھتے میں گھس آئیں گی اور جو رانی کمزور ہوگی اسے مار ڈالیں گی۔

(۴)

چھیدوں یا کوٹھریوں کے بنانے میں بہت شہد خرچ ہوتا ہے اور مکھیاں اس کام میں اس وقت لگی رہتی ہیں جبکہ انھیں شہد والے کے لئے شہد اکٹھا کرنا چاہئے۔

(۱) نقلی کوٹھریاں۔ جب چھتے پُرانے اور میلے ہوجائیں یا جب جنگلی مکھیوں کے چھتے نکالے جائیں تو موم کو اچھی طرح

کھولاکر صاف کرنا چاہیئے۔ گرام شدھار سبھا کے پاس عنقریب
اس طرح کی مشین ہو جائے گی جس کے ذریعے اس موم سے
نقلی کوٹھریاں بنائی جاسکیں گی۔ ان نقلی کوٹھریوں کو تار
کے ذریعہ فریم میں لگا دیں گے اور مکھیاں تھوڑی سی موم
لگاکر انھیں اپنی پسند کی کوٹھریاں بنالیں گی اس طریقہ سے
وہ اس پر مجبور ہوں گی کہ سوائے فریم کے اور کہیں کوٹھریاں
نہ بنائیں۔

(۲) کوٹھریوں کو بغیر توڑے ہوئے شہد نکالنا۔
اس کام کے لئے ایک خاص مشین استعمال کیجاتی ہے۔ اس
مشین کے ذریعہ شہد کی کوٹھریاں بہت ہی جلد اور آسانی
سے خالی کیجاسکتی ہیں اور بہت صاف شہد نکلتا ہے۔ ان
خالی شہد کی کوٹھریوں کو پھر کسی چھتے میں رکھ سکتے ہیں تاکہ
وہ پھر شہد سے بھر دی جائیں۔ ایسی حالت میں کہ ایک چھتے
کو کہیں لے جا رہے ہوں اسے ایک ایسے صندوق میں رکھنا
چاہیئے جو چھتے کے برابر ہو۔ اس صندوق کا ڈھکنا بند رکھنا
چاہیئے تاکہ دوسری مکھیاں یا کیڑے کوڑے چھتے میں نہ گھس
سکیں اگر ڈھکنا نہ ہو تو صندوق کو کپڑے سے ڈھک دینا چاہیئے

(۳) شہد کا پکانا۔ جس وقت کہ شہد نکالا جاتا ہے
اس وقت وہ بہت پتلا ہوتا ہے۔ اسے چھ سات دن تک
گرم جگہ پر اور پندرہ دن تک کسی ٹھنڈی جگہ پر رکھنا چاہیئے
بہتر تو یہ ہوگا کہ مٹی کے تیل کے ٹین کے ایسے پیپے بنوائے
جائیں جن میں اوپر ڈھکنا ہو اور نیچے ٹونٹی لگی ہو۔ جب شہد
تیار ہو جائے تو اس میں ہاتھ لگائے بغیر اسے اس ٹونٹی
کے ذریعہ اچاریوں میں بھر سکتے ہیں۔ جاڑوں میں شہد
گاڑھا اور سخت ہو جاتا ہے۔ اسے اگر پتلا یا ڈھیلا بنانا ہو تو
اسے دھوپ میں رکھ دو یا اس کو برتن سمیت گرم پانی میں
رکھ دو لیکن اسے کبھی آگ پر نہ رکھو۔

(۴) سفر کرنا۔ مکھیوں کا وقت بچانے کا ایک
اور ذریعہ یہ ہے کہ انھیں ایسی جگہوں پر لے جایا جائے
جہاں پھول ہیں۔ مثلاً جاڑوں میں پہاڑی اپنی مکھیوں کو
بھابر لے جاسکتا ہے اور جب گرمیاں آجائیں اور وہاں
کے پھول سوکھ جائیں تو انھیں پھر واپس لاسکتا ہے پہاڑوں
پر شہد کا سب سے اچھا موسم کاتک اور ماگھ ہے اور بھابر میں
پھاگن اور چیت ہے۔ سفر کرنے کے لئے چھتوں کو خاص طرح
کے صندوقوں میں سورج ڈوبنے کے بعد رکھنا چاہیئے۔ یہ
بکس اتنے ہی بڑے ہوتے ہیں جتنے کہ چھتے۔ لیکن ان میں
نیچے اور اوپر تار کی جالیاں لگی ہوتی ہیں اور اغل بغل بھی
جہاں چھید ہوتے ہیں اسی طرح کی پتلی جالیاں لگی ہوتی ہیں
تاکہ ان کے ذریعے اچھی طرح ہوا اور روشنی پہنچ جاسکے۔ ان
بکسوں پر اس طرح کپڑا لپیٹنا چاہیئے کہ ان میں دھوپ اور
پانی نہ جاسکے مگر ہوا ضرور پہنچ سکے۔ سفر میں تین دن اور
تین رات سے زیادہ نہ صرف ہونا چاہیئے اور مالک کو اس
بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ چھتے میں اتنے دنوں کی غذا ضرور
رہے۔ ٹھکانے پر پہنچنے کے بعد مکھیوں کو چھتے میں دن ہی میں
رکھ سکتے ہیں۔

اگر کوئی پہاڑی بھابر سے بہت دور رہتا ہے تو وہ
جاڑوں میں اپنی مکھیاں گرم پانی بیتل گھاٹ رام گنگا یا گنائی
کے قریب کی گھاٹیوں میں لے جاسکتا ہے گنائی اور سومیشور
میں سال بھر مکھیاں بہت اچھی طرح رکھی جاسکتی ہیں۔

(۵) بغیر مشین کے شہد نکالنا۔ کچا شہد نکالنا
ہر ایک کو آتا ہے۔ لیکن تھوڑے سے دھیان سے اچھا اور
صاف شہد حاصل ہو سکتا ہے ایک پھیلے ہوئے منہ کی اچاری لو
اور اسکے منہ پر صاف تنزیب کا ایک ٹکڑا پھیلا دو۔ پھر چھتے کے
ٹکڑے ٹکڑے کرکے اسے اس کپڑے پر رکھ دو۔ ان ٹکڑوں کے
اوپر پھر ایک مہین کپڑا ڈال دو تاکہ کیڑے مکوڑے چھتے میں نہ
گھس سکیں۔ اب اس اچاری کو دھوپ میں رکھ دو۔ شہد آپ ہی
آپ اچاری میں پگھل کر پہنچ جائے گا۔ اسے کبھی آگ نہ دکھاؤ
نہیں تو موم بھی پگھل جائیگا اور شہد میں ملکر اسے خراب کردیگا۔
ان ٹکڑوں کو دبانا بھی نہ چاہیئے۔ نہیں تو کیسریلا موم اور مرے
ہوئے کیڑے بھی چھن کر شہد میں مل جائیں گے۔

(۵)
مکھیوں کے دشمن

شہد چرانے اور اڑا لے جانے کے لئے چھتے میں بہت سے کیڑے گھسنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کچھ چڑیاں اور کچھ بھڑیں ایسی ہیں جو ان مکھیوں کو کھاتی ہیں۔ بڑ نٹ ۔ مکڑی ، مینڈک ، چوہے ، اور چیونٹیاں بھی ان مکھیوں پر حملہ کرکے انھیں مار ڈالتی ہیں۔ چیونٹیاں اکثر چھتوں میں گھس جاتی ہیں تو وہ شہد ، انڈے اور کیڑے کھا ڈالتی ہیں۔ اس لئے چھتوں کو ان کیڑے مکوڑوں سے بچانے کے لئے ان چھتوں کے نیچے والے حصوں کو پانی سے بھری ہوئی چیزوں میں رکھنا چاہئے۔

(۱) مومی کیڑا ۔ شہد کی مکھیوں کا سب سے بڑا دشمن مومی کیڑا ہوتا ہے۔ جو چھتے میں گھس جاتا ہے اور کوٹھریوں میں انڈے دیدیتا ہے۔ جب ان میں سے کیڑے پیدا ہوتے ہیں تو وہ کوٹھریوں کو توڑ توڑ کر کھانا شروع کر دیتے ہیں اور جو کچھ انھیں ملتا ہے کھا ڈالتے ہیں جب یہ کیڑے چھتے میں پیدا ہو جاتے ہیں تو مکھیاں اسے چھوڑ کر بھاگ جاتی ہیں۔ شہد کی مکھیاں پالنے والے کو چاہئے کہ وہ ایسی حالت میں چھتوں کو بہت اچھی طرح دیکھے اور جہاں کہیں یہ کیڑے ہوں ان کو نکال ڈالے۔ ان کیڑوں کے انڈے بھی برباد کردینا چاہئے۔ جب تک چھتہ بالکل ان سب چیزوں سے صاف نہ کر دیا جائے گا مکھیاں اسے پھر استعمال نہ کریں گی۔

بھڑوں سے چھتوں کو بچانے کے لئے نیچے دئے ہوئے طریقے کا دروازہ استعمال کرنا چاہئے۔ ان دروازوں میں ۳/۴ انچ لمبا اور ۳/۱۶ انچ چوڑا چھید ہوتا ہے۔ ان میں سے مکھیاں تو گذر سکتی ہیں۔ لیکن بھڑیں نہیں گذر سکتیں۔

مگر مومی کیڑا ان دروازوں سے نہیں رُکتا۔ اس کے لئے تو شہد والے کو یہ کرنا ہی ہوگا کہ وہ برابر دیکھ بھال کرتا رہے۔ جہاں کوئی کوٹھری خالی ہوئی اور ان کیڑوں نے اس پر قبضہ کیا۔ اس لئے ضروری ہے کہ چھتے میں خالی کوٹھریاں نہ رہنے دی جائیں اور جب وہ کہیں اور الگ رکھی جائیں تو انھیں بند رکھنا چاہئے تاکہ یہ کیڑے ان تک نہ پہنچ سکیں۔

(۶)
شہد بیچنا

(۱) صفائی ۔ یورپین جو شہد بہت پسند کرتے ہیں ، اور وہ روپے والے لوگ جو کافی اچھے دام دے سکتے ہیں پہاڑی شہد نہیں خریدتے ۔ وہ کہتے ہیں پہاڑی شہد بڑا گندہ ہوتا ہے۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ اس شہد کے نکالنے میں صفائی برتی گئی ہے تو بھی لوگ بدیسی شہد اس لئے پسند کرتے ہیں کہ وہ اچھی صاف ستھری اچاریوں میں بکتا ہے اور پہاڑی شہد شراب کی پرانی بوتلوں میں بکتا ہے۔ حالانکہ پہاڑی شہد بدیسی شہد سے کہیں زیادہ اچھا اور خالص ہوتا ہے۔ بدیسی شہد میں شکر ملی ہوتی ہے۔ اور اکثر تو بالکل شہد ہوتا ہی نہیں۔ دوسرے ملکوں میں لوگ شہد کو اتنا پسند کرتے ہیں کہ انھوں نے بہت سے طریقے پبلک کو دھوکا دینے کے نکال لئے ہیں۔

(۲) شہد کو اچھا معلوم ہونا چاہئے ۔ اگر یہ چاہتے ہو کہ تمھارا شہد بھی اچھے داموں بکے تو اُسے اچھی خوبصورت اچاریوں میں اور اس کے منہ کو اسی طرح ٹھیک طور پر بند رکھو جیسے کہ بدیسی شہد اور مربوں کی اچاریاں بند رہتی ہیں۔ اگر شہد منہ بند برتنوں میں نہ رکھا جائے گا تو اس میں ہوا کی تری پہنچ جائے گی اور وہ خراب ہو جائے گا۔ جن اچاریوں میں شہد رکھا جائے وہ شیشے کی ہونا چاہئے تاکہ لوگ یہ دیکھ سکیں

کہ شہد صاف اور خالص ہے۔ اچاریوں کو چھوٹا ہونا چاہئے تاکہ ان میں آدھ سیر یا اس سے بھی کم شہد آسکے۔

(۳) امداد باہمی۔ یہ ساری باتیں سنکر کسان غالباً یہ کہے گا کہ جی ہاں آپ جو کچھ کہتے ہیں یہ سب ٹھیک ہے لیکن ہمارے ایسے غریب یہ اچھی اچھی اچاریاں کہاں سے لائینگے اور پھر تھوڑے سے شہد کے لئے اتنا بکھیڑا کون کرے۔ یہ سچ ہے۔ یہ بھی سچ ہے کہ پبلک چھوٹے آدمیوں سے شہد لیتے ہوئے ہمیشہ ہچکچائیگی۔ اس کے علاوہ چھوٹے کسان اپنا شہد صرف گاؤں ہی میں بیچ سکتے ہیں حالانکہ اچھے دام نیچے میدانوں اور بڑے بڑے شہروں میں جہاں روپے والے رہتے ہیں ملتے ہیں۔ اس لئے چھوٹے کسان کو اس کی کوشش نہ کرنا چاہئے کہ وہ اپنا شہد پبلک کے ہاتھ بیچے یا ان دوکانداروں کے ہاتھ بیچ ڈالے جو نینی تال کے بازاروں میں بوتلوں میں شہد بیچتے ہیں، بلکہ اسے گرام سدھار سبھا کو اپنا شہد دیدینا چاہئے تاکہ وہ اس کی طرف سے اسے بیچ دے۔

میں اس کے پہلے کہہ چکا ہوں کہ کسان اپنا چھتہ جلی کوٹ میں لے کر شہد نکلوا سکتا ہے گرام سدھار سبھا یہ انتظام کر دیگی کہ شہد اچھی اچاریوں میں رکھدیا جائے اور اس پر اس طرح کا کاغذ چپکا دیا جائے جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ شہد سبھا کے ممبر کا ہے نہیں تو بھی سبھا اس شہد کی بکری کا معاملہ شہر کے کسی بڑے سوداگر سے طے کرا دیگی۔ اسی طرح کسان کو اپنے شہد کے اچھے دام مل جائیں گے اور اسے چھوٹے دوکانداروں سے معاملہ نہ کرنا پڑے گا۔

(۴) ایمانداری سب سے اچھی پالسی ہے۔ اگر پبلک کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ کمایوں کے شہد والے ہمیشہ خالص شہد دیتے ہیں تو وہ اسے یقینی بدیسی شہد پر ترجیح دینگے اس لئے کہ بدیسی شہد کا کوئی اعتبار نہیں۔ اگر شہد کسی ذمہ دار آدمی نے نکالا ہوگا۔ یا جلی کوٹ فارم پر نکالا گیا ہوگا تو گرام سدھار سبھا ہمیشہ شہد کے خالص اور صاف ہونے کی ذمہ داری لے گی۔ یہ ایک طرح صوبے کی گورنمنٹ کی ذمہ داری ہوگی۔

نتیجہ

جلی کوٹ فارم پر بڑے پیمانے پر شہد پالنے کا طریقہ نہیں سکھایا جاتا ہے اور نہ یہ بتایا جاتا ہے کہ صرف شہد ہی کے ذریعہ کیونکر روزی کمائی جاسکتی ہے۔ اگر کسی کو یہ حاصل کرنا ہے تو آسے بہت سا روپیہ صرف کرنا ہوگا اور آج کل جیسی ٹریننگ دیجاتی ہے اس سے بہتر ٹریننگ حاصل کرنا ہوگا۔ جلی کوٹ فارم کی غرض یہ ہے کہ وہ دیہاتیوں کو یہ سکھلائے کہ وہ اپنی آمدنی کیونکر بڑھا سکتے ہیں اور اپنے چھٹیوں کے اوقات میں کیونکر شہد کی مکھیوں سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اس پمفلٹ کی غرض یہ ہے کہ وہ اس تعلیم کا ایک چھوٹا سا خاکہ پیش کر دے جو جلی کوٹ میں طالب علموں کو دیجائے گی۔ یہ بھی امید کی جاتی ہے کہ وہ لوگ جو جلی کوٹ نہ جاسکیں گے مگر جو اس کام میں دلچسپی لے رہے ہیں وہ اس پمفلٹ کو پڑھ کر اپنے گاؤں میں شہد کی مکھیاں پالنے کے طریقے کو بہتر بنا سکیں گے۔ ایسے لوگ جو جلی کوٹ سے پڑھ کر نکل چکے ہیں۔ اس پمفلٹ کے ذریعے اپنی یاد تازہ کریں گے۔ اس میں سادے سے سادے طریقے بیان کر دئے گئے ہیں۔

کوئی شخص اگر ان باتوں کو زیادہ تفصیل سے معلوم کرنا چاہے تو اسے کتابیں پڑھنا چاہیے۔ ایک چھوٹی سی فہرست ان کتابوں کی جو ہائی کمشنر ہند مقیم لندن نے دی ہے نیچے لکھی جارہی ہے۔ یہ سارے کتابیں خاص طور پر ہندوستانی مکھیوں کے بارے میں ہیں اگر کوئی اوزاروں وغیرہ کے نام اور ان کی قسمیں جاننا چاہے تو اسے سکریٹری گرام سدھار سبھا نینی تال کو لکھنا ہوگا۔

۱۔ "بی کیپنگ"۔ بائی سی سی گھوش۔ امپیریل کاؤنسل آف اگریکلچرل رسرچ۔ مسس بلیٹن نمبر ۶ ۱۹۳۶ء۔ ۲/۴/۲ پوسٹج ۹ پنس۔

۲۔ "بی کیپنگ ان ساؤتھ انڈیا" بائی ایس رام چندرا مدراس، اگریکلچرل بلیٹن نمبر ۲۳ ۱۹۳۷ء ۱/۸ (دوسرا ایڈیشن) پوسٹج ۱ ½ پنس۔

۳۔ بی کیپنگ اے بی سی ڈیری اکو پیشن فور شنز

بائی ٹی، وی سیرامنین اینڈ بی کرشنا مرتی۔ بنگلور پریس ڈیپارٹمنٹ آف اگریکلچر۔ میسوراسٹیٹ انٹو مولیجکل سیریز بلیٹن نمبر ۱۰۔ سنہ ۱۹۳۲ء

۴۔ بی کیپنگ آسام اگریکلچرل بلیٹن نمبر ۴ آف سنہ ۱۹۳۴ء ۵ پنس۔

۵۔ آمد او۲۔ خرچ ڈاک خانہ ۸ پنیس۔ ہندوستان ۱/۷

ہندو مسلمان

(از جناب عزیز لکھنوی)

تم رام کہو وہ رحیم کہیں، دونوں کی غرض اللہ سے ہے
تم دین کہو وہ دھرم کہیں، منشا تو اُسی کی راہ سے ہے
تم عشق کہو وہ پریم کہیں مطلب تو اُسی کی چاہ سے ہے
وہ جوگی ہوں تم سالک ہو، مقصود دلِ آگاہ سے ہے
کیوں لڑتا ہے مورکھ بندے یہ تیری خام خیالی ہے
ہے پیڑ کی جڑ تو ایک وہی ہر مذہب اک اک ڈالی ہے
بنواؤ شوالہ یا مسجد ہے اینٹ وہی چونا ہے وہی
معمار وہی، مزدور وہی مٹی ہے وہی گارا ہے وہی
تکبیر کا جو کچھ مطلب ہے ناقوس کا بھی منشا ہے یہی
تم جن کو نمازیں کہتے ہو ہندو کے لئے پوجا ہے یہی
پھر لڑنے سے کیا حاصل ذی فہم ہو تم نادان نہیں
جو بھائی پہ دوڑیں غرّا کر کتے ہیں وہ انسان نہیں
کیا قتل و غارت خونریزی تعریف یہی ایمان کی ہے
کیا آپس میں لڑ کر مرنا، تعلیم یہی قرآن کی ہے
انصاف کرو تفسیر یہی کیا ویدوں کے فرمان کی ہے
کیا سچ مچ یہ خونخواری ہی اعلیٰ خصلت انسان کی ہے
تم ایسے بُرے افعال پہ اپنے کچھ تو خدا سے شرم کرو
پتھر جو بنا رکھا ہے عزیزؔ اس دل کو ذرا اب نرم کرو

بہتر زندگی بسر کرنے کی سبھائیں

بٹر لیونگ سوسائٹیز

"خُدا ان کی مدد کرتا ہے جو آپ اپنی مدد کرتے ہیں" یہ ایک مثل ہے جو بہت زمانے سے مانی جاتی ہے۔ اور یہ بالکل سچ ہے کہ کبھی بھی کسی اور طرح کی "مدد" "اپنی مدد" سے زیادہ کامیاب نہیں ثابت ہوئی۔ سُدھار اور ترقی کی آواز بالکل بیکار ہوکر رہ جائے گی اور کُل روپیہ اور محنت اکارت جائے گی اگر ہمارے دیس والوں میں اپنی مدد آپ کرنے کا خیال نہیں ہے۔ اپنے سُدھارنے کی خواہش خود اُنھیں کے دل میں پیدا ہونا چاہئے نہ یہ کہ دوسرے اُن کا دھیان اس طرف زبردستی موڑیں۔

دوسری ضرورت یہ ہے کہ جو کام کیا جائے وہ ٹھیک طریقے سے کیا جائے۔ کام دو طرح سے کیا جا سکتا ہے، ایک نجی طور پر اپنے آپ اور دوسرے آپس میں مل جُل کر اور ایک دوسرے کیساتھ شریک ہوکر۔ ایک آدمی کی نجی کوشش کے لئے کافی پونجی اور سامان کا ہونا ضروری ہے جو بدقسمتی سے زیادہ لوگوں کے پاس نہیں ہے۔ اس لئے کمزوروں اور غریبوں کے بس کی بات صرف ایک یہی ہے کہ وہ مل جُل کر کام کریں لیکن مل جُل کر کام کرنے کے معنی یہ ہیں کہ لوگ آپس میں ایکا کریں، وہ ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں اور ایک ایسے کام کو پورا کرنے کے لئے جس میں سب کی بھلائی ہو اپنی چھوٹی چھوٹی پونجیوں اور سامانوں کو اکٹھا کریں۔ مل جُلکر پونجی اور سامان اکٹھا کرنے میں یہ ضروری ہے کہ ہر آدمی اپنے خرچ کو کم کرکے اور کاٹ چھانٹ کرکے کچھ بچائے۔ یہیں سے "کفایت شعاری" کا خیال پیدا ہوتا ہے۔

پھر اس ملی جُلی کوشش کے لئے جسے کامیاب بھی ہونا ہے ایک قاعدے کا انتظام اور کاروباری پھیلاؤ ضروری ہے۔ ہم نے مضمون اپنی آپ مدد کرنیکے اصول سے شروع کیا لیکن اس اصول کو برتنے سے یہاں ثابت ہوا کہ اس اصول کا ایک ضروری نتیجہ یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے آپ میں اپنے کاموں کے انتظام کی طاقت پیدا کرے۔

اب تک جو کچھ کہا گیا اُسے یوں سمجھئے کہ گاؤں سُدھار اسکیم کی کامیابی لوگوں کے مل جُل کر کام کرنے، اپنی چھوٹی چھوٹی پونجیوں اور سامان کو آپ اپنی بھلائی کے لئے اکٹھا کرنے اور آپس میں ایکا کرکے ایک ایسا جتھا بنانے میں ہے جو اپنا انتظام آپ کر سکتا ہو اور جو "اپنی آپ مدد" کفایت شعاری کے اصولوں پر چل رہا ہے۔

آپ نے یہ دیکھ لیا کہ بہتر زندگی بسر کرنے کی سوسائٹی کیا ہے اور اس کو ہماری اسکیم میں کون سی جگہ دی گئی ہے۔ اب یہ دیکھئے کہ یہ سوسائٹی کیسے قائم کی جائے گی اور اس کا سب انتظام کس طرح ٹھیک ہوگا۔ گاؤں پُرانے زمانے سے ایک ایسی جگہ ہے جہاں سب کاموں کی جڑ اور نیو قائم ہوتی ہے اس لئے ہر گاؤں میں ایک سوسائٹی ہونا چاہئے۔

کام کی پہل کرنے کے لئے سب سے پہلے گاؤں کے کچھ ایسے لوگ چن لئے جائیں جن کا کہنا مانا جاتا ہو۔ ان لوگوں کو اچھی طرح بتایا جائے کہ سوسائٹی کے مقصد اصول اور قاعدے کیا ہیں۔ وہ جیسے ہی اس بات کو سمجھ لیں کہ اس سوسائٹی کا کیا فائدہ ہے ویسے ہی اُن سے یہ کہا جائے کہ وہ گاؤں کے لوگوں کا ایک جلسہ ایک مناسب تاریخ، وقت اور جگہ پر کریں۔ جلسے کی جو تاریخ مقرر ہو جائے اس دن اس گاؤں میں آرگنائزر کو جلسے کے وقت سے بہت پہلے پہنچ جانا چاہئے۔ آرگنائزر کو گاؤں میں پہنچکر یہ دیکھنا چاہئے کہ سب ضروری انتظام ہو گئے ہیں یا نہیں۔ جب گاؤں والوں کی ایک بڑی تعداد اکٹھا ہو جائے تو

آرگنائزر کو چاہئے کہ وہ اپنا کام شروع کردے۔ وہ گاؤں کے لوگوں کو بہتر زندگی بسر کرنے کی سوسائٹی کے مقصد غرض اور قاعدے (بائی لاز) سمجھائے۔ وہ گاؤں کے لوگوں سے گھریلو طریقے سے باتیں کرے اور اس سوسائٹی کے لئے ان میں ایسی دلچسپی پیدا کرا دے کہ وہ آپس میں اس پر بحث کریں اور اس سوسائٹی کی اچھائی اور برائی کو پوری طرح سمجھ لیں۔ جیسے ہی یہ معلوم ہو کہ لوگ اس سوسائٹی کے اصول مقصد اور فائدے سمجھنے لگے اور وہ اس تجویز پر راضی ہوتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں ویسے ہی ایک دوسرے جلسے کا اعلان کر دیا جائے جس میں اس سوسائٹی کے قاعدے (بائی لاز) پورے طور پر سمجھائے جائیں اور سوسائٹی کو رجسٹرڈ کرنے کا انتظام کیا جائے یہ دوسرا کھلا ہوا جلسہ صرف ضابطے کی کارروائی کے لئے ہوگا۔ اور نیچے دئے ہوئے ایجنڈے کے مطابق اس میں کام ہوگا:-

(۱) صدر یا سبھاپتی کا چناؤ۔

(۲) ممبروں کی بھرتی۔ ایک گھر سے ایک آدمی۔ ہر گھر کا جو بڑا ہو وہی چنا جائے۔ کوشش کیجائے کہ گاؤں کے کل گھروں کے ایک ایک آدمی سوسائٹی میں شریک ہوجائیں اسلئے کہ یہ ظاہر ہے کہ جب تک پورا گاؤں مدد نہیں کرے گا اس وقت تک سوسائٹی کا کام آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اس سوسائٹی کے ممبروں کی تعداد کسی طرح بھی گاؤں کے گھروں کی کل تعداد کے ۵۰ فیصدی سے کم نہ ہونا چاہئے۔

(۳) اس کے بعد آرگنائزر کو چاہئے کہ وہ سوسائٹی کے بائی لاز سمجھائے اور اس پر لوگوں سے بحث کرے جلسے کے زیادہ لوگ جس تبدیلی کو کہیں وہ تبدیلی اور گھٹاؤ بڑھاؤ کرنے کے بعد اُسے جلسے سے پاس کرائے۔ بائی لاز کی یہ تبدیلی ایکٹ اور اصول کے خلاف نہ ہونا چاہئے بلکہ اس کے مطابق ہونا چاہئے۔

(۴) دوسرا کام پنچایت کا چناؤ ہے پنچایت کو ہمیشہ ایسا ہونا چاہئے جس کا لوگوں پر اثر ہو اور جس میں ہر خیال کے لوگ موجود ہوں یعنی سب قوموں کے لوگ اور سب پڑوسی اور محلے وغیرہ کے لوگ اس میں ٹھیک ٹھیک تعداد میں شریک ہوں۔ اس پنچایت کے چناؤ میں پولیٹکل (سیاسی) باتوں پر دھیان نہ دینا چاہئے نہیں تو سوسائٹی جلدی ہی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہ جائے گی۔

(۵) نائب صدر یا چھوٹے سبھاپتی کا چناؤ۔

(۶) خزانچی کا چناؤ۔

(۷) ایک سکریٹری مقرر کرنا۔

(۸) ایک رزولیوشن پاس کرنا جس میں سوسائٹی کو رجسٹرڈ کرنے کی درخواست کی جائے۔

اگر سوسائٹی کی ممبری گاؤں کے گھروں کی کل تعداد کے ۵۰ فیصدی سے کم ہو تو اس بات کا برابر پروپگنڈا جاری رکھنا چاہئے اور کوشش کرتے رہنا چاہئے کہ کم سے کم اتنے ممبر اور بھرتی ہو جائیں تاکہ رجسٹریشن ہو سکے۔

یہ دھیان رہے کہ جو بائی لاز یہاں دئے جا رہے ہیں وہ صرف نمونے کے بائی لاز ہیں اور گاؤں کی حالت اور ضرورت کے مطابق ان میں گھٹاؤ بڑھاؤ ہو سکتا ہے جیسے اگر ممبروں کو یہ معلوم ہو کہ ایک روپیہ سالانہ فیس ان کے لئے بہت زیادہ ہے تو وہ آٹھ آنہ یا چار آنہ تک گھٹائی جا سکتی ہے۔ جلسے کی بڑی تعداد جو فیس پاس کردے وہی مان لی جائے گی۔

اوپر جس جلسے کو کہا گیا ہے اس کی سب کارروائی ٹھیک ٹھیک طرح سے رجسٹر میں لکھنا چاہئے اور اس پر صدر کے دستخط لے لینا چاہئے۔

اتنا ہو چکنے کے بعد رجسٹریشن کی درخواست قاعدے کے ساتھ بھرنا چاہئے۔ دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ اس میں صرف دس ناموں کی جگہ ہے۔ سادہ کاغذ الگ سے لیکر اور ناموں کو اس پر لکھنا چاہئے۔ نیچے ایک نوٹ ضرور دے دینا چاہئے جس میں یہ لکھنا ہوگا کہ گاؤں کے گھروں کی کل تعداد کے ۵۰ فیصدی یا اس سے زیادہ آدمی سوسائٹی کے ممبر ہو چکے ہیں۔ یہ درخواست اور اس کے ساتھ ساتھ اس جلسے کی کارروائی اور بائی لاز کی دو کاپیاں گھٹاؤ بڑھاؤ کئے جانے اور صدر، سکریٹری

گاؤں میں رہنے کے لئے بناے ہوئے بڑھیا گھروں کے نمونے برھنی گاؤں (پرتاب گڈھ)

ضلع لکھنؤ میں ایک کسان کا گھر
صفائی کا دھیان رکھنے اور گاؤں سدھار اسکیم کے مطابق کم قیمت میں اچھے گھر بنا کر رہنے سے گاؤں کی حالت کیا سے کیا ہو سکتی ہے یہ ان تصویروں سے آسانی سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔

ان گنج گاؤں (پرتاب گڈھ) میں نمونے کے گھر

یا آرگنائزر کے دستخط ہوجانے کے بعد رورل ڈولپمنٹ انسپکٹر کے پاس بھیجدینی چاہئے۔ رورل ڈولپمنٹ انسپکٹر جلد سے جلد گاؤں میں آئے گا اور اس بات کی جانچ کرے گا کہ ممبر سوسائٹی چلانے کی سچی خواہش رکھتے ہیں یا نہیں اور وہ بائی لاز کو اچھی طرح سمجھ گئے اور اپنے حق اور اپنے فرض ٹھیک طرح سے جان گئے یا نہیں۔ اگر رورل ڈولپمنٹ انسپکٹر کو جانچ سے اطمینان ہو جائے گا تو وہ اس تجویز کو اسسٹنٹ رجسٹرار کواپریٹو سوسائٹیز کے ذریعے سے اس سرکل کے رجسٹرار کے پاس رجسٹریشن کے لئے بھیج دے گا۔

بائی لاز کی دونوں کاپیوں اور رجسٹریشن کی درخواست پر صدر، سکریٹری، مینجنگ کمیٹی کے ممبروں اور کچھ دوسرے ممبروں کے دستخط ہونا چاہئے تاکہ دستخط کرنے والوں کی تعداد کسی طرح دس سے کم نہ ہو۔

کتابیں اور رجسٹر جو بائی لاز ۲۶ میں تجویز کئے گئے ہیں

رجسٹر نمبر ۱ و ۲ ایک ہی میں ملا دئے گئے ہیں اس کا اعلان ممبروں کے رجسٹر کے ہر صفحے کے اوپر چھاپ دیا گیا ہے۔ رجسٹر پر دستخط لینے سے پہلے یہ بات ممبروں کو جتا دینا چاہئے۔ ممبروں کے رجسٹر ممبروں کے پیج اور کیش بک کے نمونے یہاں نیچے دیئے گئے ہیں اور دوسرے رجسٹروں کے لئے سمجھانے کی ضرورت نہیں۔

اگر رجسٹروں کے بھرنے میں کوئی مشکل پیدا ہو تو انسپکٹر کو اپریٹو سوسائٹیز سے درخواست کی جا سکتی ہے کہ وہ مدد دیں۔

رجسٹر ممبران

ہم لوگ جن کے دستخط نیچے درج ہیں یہاں پر اعلان کرتے ہیں کہ ہم .... کواپریٹو بہتر ہونگ سوسائٹی (بہتر زندگی بسر کرنے کی ایسی سوسائٹی) کے موجودہ بائی لاز کی پابندی کریں گے اور انہیں جو قانون کے مطابق ہماری ممبری کی میعاد کے اندر گھٹاؤ بڑھاؤ ہوگا اس کی بھی ہم پابندی کریں گے۔

نمبر شمار	تاریخ داخلہ	نام ممبر مع قوم و سکونت	باپ کا نام	ممبر کا دستخط یا نشان انگوٹھا	گواہ کا دستخط یا نشان انگوٹھا تصدیق کرنے والے ممبر کا دستخط		ممبری سے علیحدگی				
							تاریخ علیحدگی	وجہ علیحدگی	رزولیوشن نمبر کا حوالہ	جلسے کی تاریخ	کیفیت
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	.	۱۰	۱۱	۱۲

لیجر ممبران

نام ———— ولد ———— قوم ————

ساکن ————

تاریخ وصولی	کل رقم جو وصول ہوئی	فیس ممبری			دوسری مدیں					کیفیت
		مطالبہ	وصولی	باقی	وصول		ادائی		کس میں	
					جو رقم ممبر پر باقی ہے	جو رقم وصول ہوئی	جو رقم ممبر کی باقی ہے	جو رقم ممبر کی ادا کی گئی		
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱

کیش بک

صفحہ

سوسائٹی کا نام ————

تاریخ	نمبر شمار	نام جس سے وصول ہوا یا جسکو ادا کیا گیا خرچے کا پورا بالتفصیل	رقم جو وصول ہوئی	رقم جو ادا کی گئی	باقی	[illegible]	کیفیت اور دستخط خزانچی
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸

کالا کانکر میں گرام سدھار کا کام

(جناب کنور سریش سنگھ صاحب کالا کانکر)

آج سے ٹھیک سات برس پہلے اسی تاریخ کو کالا کانکر کے مرحوم راجہ صاحب نے اپنی ریاست میں گرام سدھار کی ایک اسکیم کی ابتدا کی تھی جو تین سال تک چل کر اُن کی بے وقت موت کی وجہ سے بند ہو گئی۔ اس چھوٹے سے مضمون میں اس اسکیم کے بارے میں اپنی رائے لکھنا کچھ بے موقع نہ ہوگا۔ کیونکہ ایک بڑی حد تک موجودہ گرام سدھار کی اسکیم کا مقصد وہی ہے اور جہاں تک مجھے معلوم ہے دونوں اسکیموں کے نکلنے کی جگہ بھی ایک ہی ہے۔

مرحوم راجہ صاحب نے ایک طرح اپنی ریاست کی باگ ڈور ایک "راج پریشد" نامی ایک جماعت کو دے دی تھی جس کے ۲۵ ممبروں میں سے ۱۷ ممبر رعایا کی طرف سے چنے جاتے تھے۔ یہ انجمن لیجسلیٹو اسمبلی کی سی تھی جس میں ریاست کے ۲۵ حلقوں میں سے ہر ایک سے گاؤں والے ایک ایک ممبر چن کر بھیجتے تھے۔ دو ممبر ریاست کی دونوں سبھاؤں میں سے چن کر آتے تھے۔ ایک ممبر سناتن دھرم سبھا کا نمائندہ ہوتا تھا اور باقی سات راجہ صاحب کی طرف سے چنے جاتے تھے۔ یہ لوگ ریاست کے عہدہ داروں ہی میں سے ہوتے تھے۔ راجہ صاحب خود اس کے صدر تھے۔ لیکن وہ چاہتے یہی تھے کہ جلدی سے جلدی یہ سبھا اپنا کام کرنے لگے اور اپنا صدر چن کر انھیں فرصت دے دے۔ سبھا اور راج نے تو انھیں اجازت دی نہیں لیکن وہ خود ہم لوگوں سے اجازت لے کر چلے گئے۔ اور ریاست کورٹ آف وارڈس کے انتظام میں آنے کی وجہ سے اُن کی وہ اسکیم بالکل بند ہو گئی۔

موجودہ اسکیم کی خاص باتوں یعنی صفائی، تعلیم، کھیتی باڑی، زراعت، دوا وغیرہ کے علاوہ ہم لوگوں نے زیادہ دھیان سماجی خرابیوں کو دور کرنے پر دیا تھا۔ کیونکہ یہی بات سب سے زیادہ مشکل بھی ہے اور اس پر پوری طاقت صرف کر دینے کے بعد بھی یہ خیال پیدا ہوا کہ تین سال تو کیا اُس کے لئے تیس سال بھی کم ہیں، جب تک کوئی بڑی تبدیلی ملک میں نہ آجائے۔ مثلاً نشہ بندی کو لیجئے اس کے لئے ہم لوگوں کو قریب قریب ڈیڑھ مہینے تک کوشش کرنی

پڑی۔ چار پانچ جگہ پکٹنگ کرنی پڑی جب جاکر ہم ریاست سے اس وبا کو دور کر سکے، اور اس میں کسی طرح کا دباؤ ریاست کی طرف سے نہیں تھا نہیں تو یہ نہ ہوتا کہ راجہ صاحب کے مرنے کے بعد بھی وہی حالت رہتی۔ اُن کو مرے آج چار سال ہو گئے اور ۲۵ میل لمبی ریاست میں ایک طرف سے دوسری طرف تک شراب تو کیا بھنگ اور چرس کی بھی کوئی دوکان نہیں۔

نشہ بندی میں تو ہم لوگ کامیاب رہے۔ لیکن سماجی خرابیوں کو دور کرنے میں ہم لوگوں نے جلدی سے کام لیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے ڈر یا خوشامد سے مان تو لیا لیکن اب میں دیکھتا ہوں کہ وہ سب باتیں پھر اُسی طرح شروع ہو گئی ہیں۔

روپئے کی مدد کی کمی کی وجہ سے ہم لوگ جو چاہتے تھے وہ نہیں کر سکے۔ مثلاً زراعت اور تجارت کی ترقی کے لئے جو باتیں ضروری ہیں وہ زیادہ نہیں کی جا سکیں۔ تجارت کی طرف چرخہ اور زراعت کی طرف صرف زبانی نصیحتوں سے آگے نہیں بڑھ سکے۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے راجہ صاحب نے ایک صاحب اگر ادی کو بلایا

تھا۔ لیکن اُن کی سال بھر کی بیماری کی وجہ سے اسکیم پوری نہ ہو سکی۔

صفائی میں بھی ہم لوگوں کو کامیابی ہوئی۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ راجہ صاحب نے خود اس کام کو اپنے ذمہ لیا تھا۔ وہ گاؤں میں جاکر اپنے ہاتھ میں پھاوڑا لے کر صفائی کرنے لگتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ گاؤں کے بوڑھے سے لے کر بچے تک سب مل کر پورے گاؤں کی صفائی کر ڈالتے تھے۔ اُن کا پیارا راجہ اپنے ہاتھ سے کوڑے کی صفائی کرے، اسے بھلا کون دیکھ سکتا تھا۔

تعلیم کی کافی ترقی ہوئی۔ لیکن ہم لوگ بڑھوں کے مقابلے میں لڑکیوں کی تعلیم کی طرف زیادہ توجہ نہیں دے سکے۔

تجارت میں راجہ صاحب نے صرف کھدر ہی پر زور دیا۔ ایک ساتھ بہت سے کام اُٹھائے گئے تھے اس سے اور زیادہ بڑھانا مناسب نہیں سمجھا گیا۔ کام کرنے والوں میں توجہ محنت اور سچائی کی کمی کی وجہ سے ہم لوگوں کو یوں ہی کافی دقت ہو رہی تھی۔

عبادت اور پوجا کے لئے لوگ جمع کئے جاتے تھے اور ہر گاؤں شام کو "رگھوپت راگھو راجا رام" کے لفظوں سے گونج اُٹھتا تھا۔ کسرت کے لئے لوگوں کو جمع کر کے اُن کے جی سے یہ ڈر نکال دیا گیا تھا کہ اکھاڑے قائم کرنے سے تھانے دار رجسٹر نمبر ۱ میں نام درج کر لیں گے۔

تین سال تک اسکیم چلانے کے بعد ہم لوگوں نے دیکھا کہ لوگوں نے کچھ چیزوں میں تو بہت دلچسپی لی اور کچھ کو انھوں نے بہت جلد بھلا دیا۔ کسرت اور نشہ بندی میں لوگوں نے بہت دلچسپی دکھائی۔ اور اُن کی دلچسپی قائم بھی رہی۔ لیکن تعلیم کی طرف سے رفتہ رفتہ لاپرواہ ہوتے گئے۔ عبادت کو بھی بھلا دیا۔ لیکن ایک جگہ جمع ہو کر آپس کی بات چیت کرنے کا رواج بہت دن تک رہا۔ صفائی کے لئے بیچارے خود مجبور ہیں۔ ایک وقت بھی پیٹ بھر کر کھانا نہ کھانے والے کو صفائی کا خیال کہاں سے آ سکتا ہے۔ ہمارے گاؤں کی حالت پر ہر ایک رو دیا ہے۔

بھکّیا کے مارے سب برہا بسر گا بھول گئے کجری کبیر
گوریا کے دیکھ کے گور گور دہنیا اُٹھے نہ کر جوایں پیر

(یعنی بھوک کے مارے سب برہا اور کجری بھول گئے۔ خوبصورت عورت کا ننگا جسم دیکھ کر کلیجے میں درد ہوتا ہے۔)

یہ ہمارے دیہات کی سچی تصویر ہے۔ مالی حالت جب تک ایسی رہے گی، اس وقت تک ان چھوٹے چھوٹے سدھاروں سے چاہے دیہاتیوں کا دل بہلا لیں مگر ہم اُن کے دوزخ کو جنت نہیں بنا سکتے۔

ہمارے ذمہ دار بھائی اتنا بھی تو نہیں کرتے۔ اس میں تو اُن کا زیادہ خرچ نہیں ہوگا، صرف اُن کی دلچسپی اور توجہ کی ضرورت ہے۔ انھیں شہروں سے اپنے دیہاتوں میں لوٹ آنا ہے۔ اگر وہ کالاکانکر کی اس چھوٹی اسکیم ہی پر اپنا وقت لگا دیں تو اپنے کسان بھائیوں کے لئے بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ کسانوں کو آج انھوں نے جتنا نقصان نہیں پہنچایا، اُس سے زیادہ اعتبار کھو دیا ہے۔ اُن کے سامنے مرحوم راجہ صاحب کی مثال موجود ہے۔ انھوں نے ابھی ۵ سال پہلے دیکھا ہے کہ اپنی مرضی سے "کسانوں کے راجہ" سے "کسانوں کے خادم" بننے والے اس انسان کو صرف اس کے راج اور ضلع کے نہیں بلکہ سارے صوبے کے کسان اپنا اعتباری لیڈر سمجھتے تھے۔ انھیں کے راستے پر چل کر انھیں کی طرح سیوا کر کے، انھیں کی سی سچی لگن سے کسانوں کی خدمت کر کے آج بھی وہ کسانوں کا اعتبار حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن اب جب "رنت کلکٹر" کہنے سے ان کی بے عزتی ہو جاتی ہے تو "کسان سیوک" بننے کو کیسے کہا جائے۔ لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ اب وقت بہت بدل گیا ہے۔ اب تو کسانوں کی سیوا کر کے وہ اُن کے دلوں میں اپنے لئے جگہ بنا لیں نہیں تو انھیں دُنیا میں کھڑے ہونے کی جگہ ملنا بھی مشکل ہو جائے گی۔

رورل ڈولپمنٹ آرگنائزر کی ٹریننگ نینی۔ الہ آباد میں

(ازجناب جگناتھ پرشاد مصرا)

گرام سدھار محکمہ یو پی کے گاؤں میں کام کرنے والوں کی ٹریننگ کا انتظام کیا ہوا تھا۔ اکتوبر ۱۹۳۸ء سے باقاعدہ صوبے کے نو سنٹروں گورکھپور، فیض آباد، میرٹھ، اٹاوہ، کلیانپور (کانپور) اور نینی میں شروع ہوا۔ پہلی بار جو ٹریننگ ۲۵ جون ۱۹۳۸ء سے ۲۴ اگست ۱۹۳۸ء تک ہوئی تھی اس میں نینی کی جگہ مین پوری سنٹر رکھا گیا تھا۔ وہاں پر معاشرتی لکچروں کا انتظام کرنا مشکل تھا اسلئے مین پوری سنٹر توڑ کر نینی چنا گیا۔

یہاں پر ڈاکٹر ہیگن باٹم کے اگریکلچرل انسٹیٹیوٹ کے اندر نینی اسٹیشن کے قریب ٹریننگ کی جگہ چنی گئی۔ یہاں پر لڑکوں، ماسٹروں، اگریکلچر انسپکٹر، نرچہ انسپکٹر کے رہنے کا بھی انتظام ہے۔

درجہ میں زیادہ تر گاؤں سدھار کے ارگنائزر ہی ہیں اور کچھ امید وار ایسے بھی ہیں جو اپنے خرچ سے ٹریننگ لے رہے ہیں۔ دونوں مل کر قریب ساٹھ کی تعداد میں ہیں ان میں سے آٹھ دس ایسے ہیں، جو ۱۹۳۵ء میں یہی ٹریننگ پا چکے ہیں۔ ان کو ایک مہینہ میں جو کچھ انھوں نے پڑھا تھا اس کو دہرا کر واپس کر دیا جائیگا۔ یہاں پر آگرہ، فتحپور، پیلی بھیت، کھیری، بارہ بنکی، سلطانپور، پرتاب گڈھ، رائے بریلی اور الہ آباد کے لوگ تعلیم پا رہے ہیں۔

ٹریننگ میں قریب قریب ایسے ہی مضمون سب رکھے گئے ہیں۔ جو گاؤں سدھار کرنے والوں کے کام میں آتے ہیں کھیتی باڑی، مویشیوں کی دیکھ بھال، اور ان کی دوا علاج۔ کواپریٹو سبھائیں، گاؤں کی اقتصادی حالت، صنعت وحرفت صحت وصفائی، فرسٹ ایڈ، اسکاؤٹنگ تعلیم بالغان، اور سرکاری محکموں کی خاص خاص باتیں۔ کاؤنسل، اسمبلی، ڈسٹرکٹ بورڈ پنچایت ایکٹ وغیرہ وغیرہ کی تعلیم دیجاتی ہے جس سے کہ یہاں سے نکلنے پر ارگنائزر گاؤں والوں کا سچا دوست سدھار کرنے والا اور رستہ دکھانے والا ہو سکے۔

گاؤں سدھار کی موجودہ اسکیم کی کامیابی جیون سدھار سبھاؤں کی کامیابی پر منحصر ہے۔ اس لئے گاؤں میں کام کرنے والوں کو علمی تعلیم دینے کے لئے خود ان میں کی ایک جیون سدھار سبھا بنادی گئی ہے۔ ہر آرگنائزر جو یہاں تعلیم پا رہا ہے اس کا ممبر ہے ہر ایک نے ایک روپیہ بطور چندہ جمع کر دیا ہے اگر کسی ممبر کو کسی وقت پانچ روپیہ یا اس سے کم کی کوئی ضرورت ہو تو وہ دو ممبروں کی ضمانت پر قرضہ لے سکتا ہے۔ اس طرح قرضہ کی کارروائی کو علمی طور پر دکھایا جاتا ہے۔ سبھا میں سب سے بڑا اختیار جنرل کمیٹی کو ہے ایک منجنگ کمیٹی پندرہ دن کے واسطے چنی جاتی ہے جس میں ہر ضلع کا کم سے کم ایک نمائندہ ہوتا ہے اس منجنگ کمیٹی کی مدد کے لئے چھوٹی چھوٹی کمیٹیاں بھی ہیں۔ جیسے صفائی کمیٹی، کھیل وتفریح کمیٹی، صحت سدھار کمیٹی، لائبریری کمیٹی، اسٹور کمیٹی وغیرہ۔ ممبروں کی روزمرہ کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے سبھا نے ایک اسٹور کھول رکھا ہے جس میں کھانے پینے کی چیزوں کے علاوہ اسٹیشنری، پوسٹیج اور اسٹامپس وغیرہ کے رکھنے کا بھی انتظام ہے۔ سوسائٹی کی طرف سے روزانہ صبح کے وقت فزکل ڈرل کے بعد ہر ایک ممبر کو انکھوے دار چنوں کا ناشتہ دینے کا انتظام رہتا ہے۔ سرپنچ کی یہ ڈیوٹی ہے کہ وہ دیکھے کہ ناشتہ سب کو مل جاتا ہے۔ اسی طرح ممبروں کی ساری باتیں جو عوام کے واسطے ہیں سوسائٹی کی جنرل میٹنگ میں طے ہو جانے کے بعد کی جاتی ہے۔ کلاس کا ٹھیک وقت پر لگنا، مختلف کاموں کے واسطے مختلف گھنٹیوں کا بجنا رات کے کلاس میں پٹرومیکس لیمپ کا جلانا، کلاس میں صفائی وغیرہ کی دیکھ بھال کرنا اور دری کا بچھونا وغیرہ سوسائٹی کی پنچائت کی ڈیوٹی ہے جس طریقے سے گاؤں کی جیون سدھار سبھا گاؤں کی زندگی کو بہتر بنانے کے واسطے کام کرتی ہے ٹھیک اسی طرح کلاس کی سوسائٹی یہاں کے کیمپرس کی زندگی اچھی بنانے کی کوشش کر رہی ہے۔

سوسائٹی بنانے کا خاص منشا پریکٹکل تعلیم دینا ہے۔

روزانہ لوگ ٹھیک پانچ بجے صبح گھنٹی بجنے کے ساتھ ہی پہنچ جاتے ہیں۔ روزانہ کے کاموں سے چھٹی پاکر سب لوگ ٹھیک ساڑھے چھ بجے کی گھنٹی پر کسرت کے میدان میں آ ڈٹتے ہیں۔ "ہندوستانی گیت" (سیوا میں تیری بھارت تن من لگائیں گے ہم ....) ہونے کے بعد دس پندرہ منٹ تک کسرت اور ڈرل سب کی ایک ساتھ ہوتی ہے اس کے بعد سات بجے سے ساڑھے نو بجے تک پریکٹکل اگریکلچر اور ویٹیرنری کے کلاسز ہوتے ہیں۔

ساڑھے بارہ بجے سے پھر دن کا دوسرا سیشن شروع ہوتا ہے اور بیچ بیچ میں تھوڑا آرام دیتے ہوئے سوا پانچ بجے تک چرخہ کلاس، کھیتی باڑی، ویٹیرنری تھیوری، کوآپریشن، پبلک ہلتھ اور رورل اکانمی وغیرہ مضمونوں کے کلاس ہوتے ہیں۔ رات کو ۸½ سے ۹½ بجے تک آفریحی کلاس ہوتا ہے۔ تقریریں، دیہاتی زبان میں بات چیت، شعر و شاعری، ڈراما، مکالمہ اور گانے وغیرہ اپنے اپنے مقررہ دنوں پر ہفتے بھر ہوتے رہتے ہیں۔

ہفتے کا دن گاؤں میں جانے کے لئے رکھا گیا ہے۔ سارے کلاس کو ۷ ٹولیوں میں بانٹ دیا گیا ہے۔ قریب قریب کے گاؤں میں سے ایک ایک گاؤں ہر ٹولی کو دے دیا گیا ہے۔ ان گاؤں کے آرگنائزروں کا کام ہے کہ جو کچھ وہ کلاس میں پڑھتے ہیں، اس پر عمل کریں۔ پڑھانے والے بھی آرگنائزروں کے ساتھ جاکر انھیں مشورے دیں گے۔ چرخہ کلاس میں ہر روز کتائی، دھنائی، نلکی بنانے اور سوت کاتنے کا کام فیض آباد سے آئے ہوئے ایک ٹریبر کی نگرانی میں ہو رہا ہے۔ کلاس کی سوسائٹی کے ممبروں نے جناب رورل ڈولپمنٹ افیسر صاحب یو۔پی سے ایک کرگھے کا انتظام کر دینے کی درخواست کی ہے۔ اس کے آجانے پر بنائی کا کام بھی جاری کر دیا جائے گا۔

کھیتی باڑی کی باتوں کی تعلیم دینے کے لئے گرام سدھار کے محکمے کی طرف سے، نینی اگریکلچر کالج کے ایک بی۔ایس۔سی مقرر کئے گئے ہیں۔ پریکٹکل ٹریننگ صبح ۷ بجے سے ۹½ بجے تک نینی انسٹی ٹیوٹ فارم پر، اسکول کے اور میونسپلٹی کے فارم پر، ان کی نگرانی میں ہوتی ہے۔ اور محکموں کے افسران اپنے اپنے حصے کی باتیں بتاتے ہیں۔

دوسری تقریروں کے لئے مقامی یونیورسٹی کے پروفیسروں اور شہر کے دوسرے تعلیم یافتہ لوگوں سے مدد لی جا رہی ہے، جو ہمارا ہاتھ بٹا رہے ہیں۔

اسکاؤٹنگ کی تعلیم، ۱۴ تاریخ سے ۲۱ تاریخ تک، جناب ڈی۔ایل آنند راؤ آرگنائزنگ کمشنر یو۔پی کی نگرانی میں بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔ ان کی مدد کے لئے دو ہوشیار اسکاؤٹ آرگنائزر، مسٹر ولیم اور مسٹر اخلاص صدیقی بھی آئے تھے۔ دس دن تک برابر ایک یونی فارم میں، یہاں ٹریننگ ہوتی رہی۔ چرخے کے سوا، اور تمام مضمونوں کی تعلیم اس زمانہ میں بند رہی۔ اسکاؤٹنگ کی تعلیم نہایت کامیابی کے ساتھ ۲۱ تاریخ کو ایک گرانڈ کیمپ فائر کے ساتھ ختم ہوئی۔

کیمپ والوں نے کھانے وغیرہ کا انتظام بھی خود کر رکھا ہے۔ ۱۲-۱۵ کی ٹولیوں نے مل کر اپنے اپنے مس (Mess) بنا رکھے ہیں، جن کا وہ لوگ خود انتظام کرتے ہیں کبھی کبھی سب کا کھانا ایک ساتھ ہوتا ہے۔ اس وقت سب لوگ ساتھ ساتھ بیٹھ کر محبت کے ساتھ کھانا کھاتے ہیں۔ خوش قسمتی سے کھانے پینے کے معاملے میں ذات پات یا چھوت چھات کا روگ اس کیمپ میں بہت کم ہے اور امید کی جاتی ہے کہ اس کلاس کے اخیر تک جو کچھ ہے وہ بھی جاتا رہے گا۔

کلاس سوسائٹی کی طرف سے یہاں فٹ بال، والی بال، اکھاڑا، ہندوستانی کھیل، کبڈی وغیرہ کا انتظام بھی ہے۔ کیمپ کی مختلف ٹولیوں نے اپنے لئے کمروں کے سامنے خوبصورت کیاریوں میں تیتھی، دھنیہ، مولی، لہسن وغیرہ کھانے کی چیزیں اور پھول پتے بو رکھے ہیں۔ ایک کافی لمبی سڑک خوبصورتی کے ساتھ کیمپرس نے اپنے ہاتھوں سے بنا رکھی ہے۔ کوڑے کرکٹ،

پانی وغیرہ کے گڑھے اور نالیاں وغیرہ بھی احاطے کے اندر بن گئی ہیں۔ ہندوستان کا قدرتی نقشہ بن رہا ہے۔ اسی سوسائٹی کی طرف سے میڈیکل انسٹی ٹیوشن کا انتظام بھی جلد ہی ہوجائیگا کلاس کے دارالمطالعہ میں ہندوستان ٹائمز، لیڈر، ہندوستان وغیرہ اخبار آتے ہیں۔ اس کے علاوہ سرکاری اور کسانی دلچسپیوں کے پرچے بھی کافی تعداد میں رکھے رہتے ہیں۔

۲۹ر اکتوبر کو مقامی سودیشی نمائش کے کھلنے کے موقع پر کلاس اسکاؤٹنگ کی وردی میں گرام سدھار کے متعلق گانے گاتا ہوا شہر کی سڑکوں پر پرچار کا کام کرتا ہوا نمائش میں داخل ہوا۔ راستے میں ان کی مارچنگ دیکھ کر کچھ لوگوں نے فوٹو تک لئے۔ جناب وزیر اعظم صاحب کا استقبال کلاس نے پنڈال کے پھاٹک پر کیا۔ جلسے کے کام میں کام کرنے والوں کو اور لوگوں کے تلاش کرنے وغیرہ میں مدد دی۔

اس دن کا کام تعریف کے قابل تھا۔ آج تک مندرجہ ذیل صاحبان نے کلاس کو دیکھنے کی عنایت فرمائی ہے۔ سب نے کلاس کے انتظام اور کیمپرس کے رہنے سہنے کے طریقے کی تعریف کی اور کہا کہ ہر کام نہایت خوبصورتی سے ہو رہا ہے۔

کلاس میں تشریف والے حضرات کے نام

(۱) جناب آر۔ ایس۔ پنڈت صاحب۔ ایم۔ ایل۔ اے۔

(۲) مسٹر ہیئنسر پرنسپل اگریکلچرل کالج نینی۔

(۳) ڈاکٹر۔ ایس۔ ڈی۔ ورما۔ رجسٹرار الہ آباد یونیورسٹی۔ اور کئی پروفیسر صاحبان۔

(۴) اسسٹنٹ رورل ڈولپمنٹ آفیسر اور رورل ڈولپمنٹ افیسر صاحب یو۔ پی۔

میں تندرست کیوں رہتا ہوں

میری رائے میں شراب آدمیوں کے لئے اور اجتماعی نقطۂ نظر سے سماج کے لئے بہت نقصان دہ ہے۔ میں کبھی شراب نہیں پیتا ہاں، سرکاری دعوتوں کے موقع پر رسم ادا کرنے کے لئے تھوڑی سی تو لے لیتا ہوں۔ لیکن جنگ عظیم سے آج تک میں نے تمباکو کا استعمال نہیں کیا۔ میں بالکل سادا کھانا کھاتا ہوں جو معمولی کھانا کسان کھاتے ہیں وہ مجھے بہت پسند ہے۔ چائے و کافی میں نہیں پیتا۔ دن میں ۲۰ یا ۳۰ منٹ جسمانی کسرت کرتا ہوں۔ قریب قریب ہر طرح کے کھیل کھیلتا ہوں۔ گرمیوں میں تیرنا اور سردیوں میں اُڑنا اور ہمیشہ سواری کرنا پسند کرتا ہوں۔ مشینری سے کھیلے جانے والے کھیل بھی جانتا ہوں۔ سائیکل، موٹر سائیکل چلانا موٹر اور ہوائی جہاز دوڑانا بھی جانتا ہوں۔ مگر پیدل گھومنا مجھے ان سب سے اچھا معلوم ہوتا ہے۔ میں رات کو ۷۔ ۸ گھنٹے سوتا ہوں۔ دن میں نہیں سوتا۔ دن میں وہی آرام کرتے ہیں جو تیسرے پہر کو زیادہ کھا لیتے ہیں۔

مسولینی

(راے بہادر پنڈت سکھ دیو بہاری مصرا)

اس قسم کے مضمونوں میں اختلات کی گنجائش بے حد ہوتی ہے۔ سیاست داں دیس بدیس کی باتیں لکھنے میں اپنے خیالات کا اظہار مختلف طرح کرتے ہیں۔جس میں نہ وہ صرف موجودہ دور کی باتوں کا ذکر کرتے ہیں۔ بلکہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ ان باتوں کا آئندہ کیا اثر ہوگا۔لیکن میں صرف سیدھی سادی باتیں بیان کرنا چاہتا ہوں۔کسی کی برائی بھلائی نہ کروں گا میرا مقصد صرف صحیح حال دینا ہے۔ ناظرین اپنے اپنے خیالات کے مطابق اس سے نتیجہ نکال سکتے ہیں۔

اپنے پہلے مضمون میں آپ صاحبان کو سنسار کی حالت کے متعلق مختصر طور پر کچھ نہ کچھ بتا چکا ہوں۔ اگر ہو سکے گا تو اس موضوع پر آئندہ بھی کچھ باتیں آپ کی خدمت میں پیش کیا کروں گا۔ اٹلی کے علاوہ جنوبی یورپ میں نو ریاستیں ہیں۔ پرتگال، اسپین، اسپانیہ، یونان، ہنگری، چکوسلادیا، ترکی اور رومانیا۔ان میں سے کچھ بالکل جنوب میں ہیں اور کچھ وسط یورپ کی طرف بڑھی ہوئی ہیں۔ ہے تو ان میں سوئٹزرلینڈ بھی۔ لیکن نہ تو وہ کسی کے جھگڑے میں پڑتا ہے اور نہ کسی اور کا اس پر دانت ہے اس لئے اس کا ذکر ابھی نہیں کیا جائے گا۔

پرتگال کا رجحان آج کل جنرل فرانکو اٹلی اور جرمنی کی طرف ہے یہ جس کی وجہ سے اس پر حملہ وغیرہ نہ ہوگا۔ وہ کئی وجہوں سے برطانیہ کا بھی پرانا دوست ہے۔ اور انھیں وجوہ سے برطانیہ اس دوستی کو قائم رکھنا چاہتا ہے۔ البانیا بہت چھوٹا ملک ہے اور کسی کے جھگڑے میں نہیں پڑتا اور نہ فی الحال اس پر کوئی جھگڑا نظر آتا ہے۔یونان کو پچھلی جنگ عظیم میں دوست قوموں کے ساتھ ہونے کی وجہ سے اچھے خاصے جوتے چل گئے تھے۔ لیکن بعد کو ترکی کی قوت بڑھنے پر اس کے ہاتھ سے بہت کچھ نکل بھی گیا آج کل وہ کسی کے جھگڑے میں نہیں۔ اور برطانیہ کا ساتھی ہے۔ اسپین کی لڑائی اب تک جاری ہے اور جنرل فرانکو اور اٹلی کا خیال ہے کہ ایک ہی سال کے اندر جنرل فرانکو کی فتح ہو جائے گی اور وہاں لڑائی ختم ہو جائے گی۔ بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے لیکن اسپین کی حکومت بھی بڑی بہادری سے لڑ رہی ہے اور اگر کسی وقت فرانس اس کی مدد کر سکے تو معاملہ بدل بھی سکتا ہے جو حالات اب ہیں ان سے اس کی شکست کا خوف ہے۔ حالانکہ اس خیال میں اختلافات کی گنجائش ہے۔ہنگری چکوسلوواکیا کے معاملہ میں، جرمنی سے، کسی شکل میں مدد ملنے کی امید تھی لیکن جب چکوسلوواکیا اسی (جرمنی) کے پیچھے پڑا تو اس نے فیصلہ کرنے میں اپنی بھی بھلائی دیکھی۔تاہم اٹلی اور جرمنی کو درمیان میں ڈال کر ایک کانفرنس کی گئی۔ جن سے ہنگری کو جتنا ملک واپس ملا اس سے چکوسلوواکیا کچھ غیر اطمینانی سی رہی۔ ہنگری خوش ہوا یا نہیں، یہ اب تک نہیں معلوم۔چکوسلوواکیا نے بھی اپنی غیر اطمینانی کا اظہار کسی نمایاں طریقے سے نہیں کیا۔ جرمنی، پولینڈ اور ہنگری کو موبے

ہوائی جہازوں کو تباہ کرنے کے لئے اینٹی ایئر کرافٹ توپیں ملک کی سرحد پر لگائی جا رہی ہیں

ہونے سے پہلے اس کی آبادی ڈیڑھ کروڑ تھی اور اب صرف ایک کروڑ رہ گئی ہے چکوسلو واکیا کی قوت اب بہت کم ہو گئی ہے۔ تاہم وہ اب بھی بہت سے ملکوں سے بڑا ہے۔

ان دنوں یہ بھی ظاہر ہوا کہ پولینڈ اور جرمنی کے درمیان جو میل سمجھا جاتا تھا وہ اصل میں اتنا نہیں تھا۔ اور جو جرمنی کے طاقت بڑھ جانے میں پولینڈ اپنی بھی خیر نہیں سمجھتا۔ کہا جاتا ہے کہ رومانیا اور ہنگری کو ملا کر پولینڈ ایک نیا سیاسی حصہ بنانا چاہتا ہے۔ تاکہ یورپ کے جنوبی حصے میں جرمنی کی قوت زیادہ نہ پھیلنے پائے۔ اگر ہنگری کو نئے صوبے ایسے ملے کہ اُس کی سرحد پولینڈ سے مل جاتی تو شاید اس خیال میں کامیابی کی اُمید نظر آتی۔ شاید انھیں وجوہ سے ہنگری کی سرحد پولینڈ سے نہیں ملائی گئی۔ اس سرحد کے ملانے میں اندر ہی اندر اٹلی کی بھی کچھ رائے ہے اور یہ بھی خوف ہے شاید آئندہ یہ معاملہ اُٹھے۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ پولینڈ ہنگری اور اٹلی میل کرنا چاہتے ہیں تاکہ جنوب اور مشرق میں جرمنی کی قوت زیادہ نہ بڑھے۔ وقت ہی بتا سکتا ہے کہ یہ باتیں کس حد تک صحیح ہیں۔ جو صوبے ہنگری کو واپس ملے ہیں، اُن میں اکثر جنگ عظیم آئی میں اس سے چھینے گئے تھے اُس نے انھیں واپس لینے کے بیس سال تک برطانیہ اور فرانس کی خوشامدیں کی تھیں لیکن وہاں کسی نے اس کی نہیں سُنی۔ کیونکہ اُس زمانہ میں، جرمن کے مقابلے میں چکوسلوواکیا کو کھڑا رکھنا چاہتی تھی اور جنگ عظیم میں بھی اُس نے اُن کا خوب ساتھ دیا تھا۔ اب کچھ لوگ پچھتاتے ہیں کہ اُس وقت اگر ہنگری کی مدد برطانیہ اور فرانس سے ہو جاتی تو وہ آج جرمنی کا اتنا مددگار کیوں بن جاتا؟ ہنگری والے لڑنے میں خاصے بہادر ہیں اور وہاں گیہوں بھی اچھا پیدا ہوتا ہے ہمارے شمالی مشرقی پٹھانوں کی طرح وہ یورپ کے جنگجو لوگ ہیں۔ یہ سب کچھ ہونے پر بھی کچھ لوگ ہنگری، پولینڈ اور رومانیا سے جرمنی کے میل کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس خیال کا انجام کیا ہوگا؟ اُدھر پولینڈ کو جنگ عظیم

میں جرمنی کا صوبہ ڈینزگ ملا تھا اور اُسے جرمنی واپس چاہتا ہے لیکن خیال کیا جاتا ہے کہ جرمن لوگ پولینڈ سے میل رکھ کر ایسا کرنا چاہتے ہیں۔ اس لحاظ سے وہ اس خیال میں ہیں کہ پولینڈ کو کسی اور ملک سے اس کا معاوضہ دلوا دیں۔ ایسا ملک روس یا لتھونیا ہی ہو سکتا ہے۔ ایک لوگوں کا خیال ہے کہ جرمنی صوبوں کا بدلہ روس سے ملنے کے بعد پولینڈ کے لئے ہمیشہ کا خطرہ پیدا ہو جائے گا۔ اس لئے کہ جب اس کا موقع ہوگا وہ انہیں واپس لے لے گا۔ جنگ عظیم میں جرمنی کا میمل بندرگاہ روس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا جو اب لتھونیا کے پاس ہے۔ پولینڈ بھی اس سیاست کے خلاف ہے۔ اور جرمنی سے مل کر وہ ایسی کوئی ترکیب نکالنا چاہتا ہے کہ لتھونیا کے مقابلہ میں دونوں کا بھلا ہو جائے۔ ایسا ہو جانے سے جرمنی کا اثر بالکل اندر میں بڑھ جائے گا۔ اور پولینڈ کا بھی اس میں فائدہ ہوگا۔ لیکن اس سے روس اور برطانیہ کا نقصان ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ابھی اندر ہی اندر کھچڑی پک رہی ہے اور کوئی بات ظاہر نہیں ہوتی۔

ان دنوں لوگوں نے یہ خیال ظاہر کرنا شروع کر دیا تھا کہ روس کی قوت بہت کم ہے۔ جس کے جواب میں اُس نے کہا ہے کہ یہ بات غلط ہے اور وقت آنے پر اُس کا صحیح اندازہ ہو سکے گا لیکن جب تک موقع نہ آئے دُنیا کو روس کی قوت کے متعلق شبہ باقی ہی رہے گا۔ رومانیا کا جو حال پچھلے مضمون میں لکھا گیا تھا اُس کے بعد کچھ نہیں ہوا۔ ہنگری کا اس سے میل مشکل ہے اس لئے جنگ عظیم میں ہنگری کا ایک حصہ اُسے مل چکا ہے۔ بغیر اس کے واپس ملے ہوئے ہنگری کا اس کا دوست بننا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ جرمنی کی مدد سے ہنگری، رومانیا سے اپنے صوبے واپس لینے کی کوشش کرے۔ اور یہ بات بھی عقل میں آتی ہے کہ جو ہنگری پر اپنا اور زیادہ اثر جمانے اور تیل کے چشموں پر قبضہ کرنے کے خیال میں جرمنی اس کی مدد کے لئے تیار بھی ہو جائے ایسی باتیں ہمیشہ رہتی ہیں لیکن آج کل یورپ کی سیاسی

بم گرانے والے ہوائی جہاز شہر کے اوپر حملہ کرنے کی مشق کر رہے ہیں۔

حالت ذرا نخت ہے اس لئے ان باتوں پر خیال زیادہ جاتا ہے جنگ عظیم میں ترکی جرمنی کا دوست تھا اور اب برطانیہ اور جرمنی سے تجارتی معاہدہ کرنے پر تیار ہے۔ وقت آنے پر معلوم ہوگا کہ ترکی کا تعلق ان میں سے کس سے زیادہ ہے۔ ترکی کا اثر کمال اتاترک کی وجہ سے بڑھا ہے۔ وہ باتیں سب سے کرتے تھے لیکن پورے طریقے پر ملتے کسی سے نہ تھے حال ہی میں اُن کا انتقال ہو گیا ہے اور ان کی جگہ عصمت پاشا پریسی ڈنٹ مقرر ہوئے ہیں۔ وہ پہلے جرمنی کی طرف بہت جھکے ہوئے تھے۔ دیکھنا ہے کہ اب کیا ہوتا ہے۔ ایک دفعہ کمال کے سامنے یہ کہا گیا تھا کہ اُن کے بعد ترکی کو چلانے والا ملنا مشکل ہے۔ اسی پر انھوں نے کہا تھا کہ ہزاروں ترک میری جگہ کام کریں گے۔

اس کا جواب انگریزی سفیر نے دیا کہ اس جواب میں نہ ار گنا کمتی خیال ہے۔ دیکھیں اب وہاں کا کام کیسے چلتا ہے۔ بلغاریہ جنگ عظیم میں جرمنی کے ساتھ تھا جس سے اس کا کافی نقصان ہوا اور اس کی بہت سی زمین پڑوسیوں کو دے دی گئی خاص کر رومانیا اور جگوسلوواکیا کا اس سے بہت فائدہ ہوا تھا۔ اب آئندہ جرمنی کا اثر قائم رہے۔ بلغاریہ کا بھی کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہوگا۔ تجارتی معاہدہ وہ جرمنی سے کر ہی چکا ہے۔ جنگ عظیم میں انگلستان اور فرانس کی مدد کرنے کی وجہ سے جوگوسلاویا کا بہت فائدہ ہوا تھا۔ اسی سلسلے میں اٹلی ان دونوں ریاستوں سے ناراض ہوگیا تھا۔ اب اٹلی کی قوت بڑھ گئی اور برطانیہ اور فرانس نے اپنے زبردست دوست زیکوسلاویا کے لئے روس کی ہمدردی کے باوجود بھی کم نہ کیا۔ اور اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ جرمنی سے تجارتی تعلقات پیدا کرکے اٹلی کے خوف کو کم کرنا چاہتا ہے۔

جرمنی اور اٹلی میں پورا میل ہو جانے کی وجہ سے ان دونوں کی قوت بہت بڑھ گئی ہے۔ لیکن اس میں بھی تھوڑا سا گھن لگنے لگا ہے۔ اٹلی کو صرف حبش ملا جس سے اُسے ابھی کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا اور خرچ کافی ہوگیا۔ جنرل فرانکو کی آڑ اس نے اسپین پر جو دانت لگائے ہیں اُس کی رفتار بھی بہت دھیمی ہے۔ ادھر جرمنی نے ایک ہی جھٹکے میں گولی چلائے بغیر اپنے ملک سے یہودیوں کو نکال باہر کیا۔ پورے آسٹریا پر قبضہ کر لیا اور زکوسلوواکیا کے بھی ضروری حصے حاصل کرے۔ اور یہ پورا ملک بھی اس کے حکم کا محتاج سا ہوگیا۔ جرمنی فوج میں کئی جنرل رھائن لینڈ، آسٹریا اور زکوسلوواکیا والے معاملے میں ہٹلر کے موافق نہیں تھے اور یہ خوف تھا کہ جرمنی فوج پر دوسرے حلقوں کی طرح ہٹلر کا اتنا زیادہ اثر نہ پڑ سکے۔ اس کے لئے تاریخی وجوہ ہیں۔ جس کا یہاں لکھنا غیر ضروری سا ہوگا ہٹلر کی ان تینوں موقوں پر کامیابی ہو جانے سے اس کا رعب سارے ملک پر بیٹھ گیا اسی طرح جرمنی کا اثر تو بہت بڑھ گیا لیکن اٹلی کا نہیں بڑھا۔

نئے قسم کی مشین گن سے گولیوں کی بارسش کی مشق کی جا رہی ہے۔

یہ بھی خیال ہے ترکی، بلغاریہ اور جگوسلوویا کی دوستی سے بھی جرمنی کو بہت فائدہ ہوگا۔ اس لئے کچھ لوگوں کو یہ خیال ہونے لگا ہے کہ ہنگری کی جرمنی دوستی کچھ کم ہو رہی ہے۔ یہ بات کس حد تک صحیح ہے اس کا ابھی کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن بظاہر یہ بات غلط معلوم ہوتی ہے۔

حال ہی میں ہٹلر نے جنوری ۱۹۲۹ء کے لئے اپنی کچھ رزرو فوج کو بلانے کا حکم دیا ہے۔ رزرو فوج میں وہ

لوگ بھیجے جاتے ہیں جن کو سرکار سے تھوڑی سی تنخواہ ملتی رہتی ہے لیکن وہ اپنا کام کرتے رہتے ہیں انھیں صرف فوجی تعلیم ملی ہوئی ہے۔ اور ضرورت کے موقع پر انھیں لڑائی کے لئے بلا لیا جاتا ہے۔ اسی فوج کو بلانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جرمنی جنوری کے قریب کوئی نئی مہم شروع کرنا چاہتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جنگ عظیم میں برطانیہ اور فرانس نے اُس کی جو نوآبادیات لے لی ہیں، انھیں واپس کر دے ورنہ دوسری کارروائی کی جائے گی۔ یہ دوسری کارروائی کیا ہوگی، جرمنی نے ابھی تک نہیں بتایا ہے۔ ان باتوں سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اگر اٹلی کی طرف سے اُسے پورا بھروسہ نہ ہوتا تو وہ اتنی جلدی دوبارہ جنگ کے لئے آمادہ نہ نظر آتا۔ خاص کر ایسی حالت میں جب کہ برطانیہ اٹلی سے ۱۶ر نومبر کو معاہدہ کر چکا ہے۔ سیاست والوں کا خیال ہے کہ اس معاہدہ سے یورپ میں امن ہو گیا ہے۔

ادھر چیکوسلوواکیا کے متعلق ہونے والی جنگ کو برطانیہ کے وزیر اعظم مسٹر چیمبرلین اور فرانس کے وزیر اعظم دلیدیر نے بچا لیا اس سے زیادہ لوگ خوش ہوئے۔ لیکن اکثر لوگ اُسے اٹلی اور جرمنی کی بے جا حوصلہ افزائی اور برطانیہ اور فرانس کی بے عزتی بھی خیال کرتے ہیں۔ مسٹر چیمبرلین نے کہا ہے اور کہتے ہیں کہ ہٹلر کے الفاظ پر بھروسہ کرنا ٹھیک تھا لیکن لوگوں کا خیال ہے کہ ایک دفعہ دینے کے بعد برطانیہ کو اب گھڑی گھڑی دینا پڑے گا۔ اور اُس سے اس کی شہرت کی مضبوطی میں خلل آ جائے گا۔ انگریزی نوآبادیات میں سے کینیا بھی ایک ہے۔ جس میں بہت سے ہندوستانی بھی رہتے ہیں۔ اس لئے اس کے جرمنی کے قبضہ میں آ جانے سے اپنا بھی کافی نقصان ہے۔ تاہم جب تک برطانیہ ہندوستان کے مسئلہ کو اچھی طرح حل نہیں کرتا اُس وقت تک ہندوستانی اس کی دوستی ماننے پر تیار نہیں ہیں۔

فلسطین عرب کا مغربی حصہ بحر روم سے بھی ملا ہوا ہے۔ اس پر قبضہ رہنے سے برطانیہ کے لئے مشرق کا راستہ محفوظ رہ سکتا ہے، جنگ عظیم سے پہلے

ہر ہٹلر

یہ ترکی کا تھا۔ دوست قوموں نے عربوں کو آزادی کا لالچ دے کر انھیں ترکی کے خلاف کھڑا کر دیا۔ ادھر جرمنوں کو بھگاڑنے کے یہودیوں سے وعدہ کیا گیا کہ فلسطین میں اُن کا گھر بنا دیا جائے گا۔ فلسطین میں یروشلم ایک مقام ہے جسے عیسائی، یہودی اور مسلمان سب مقدس سمجھتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ سے پہلے یہاں یہودیوں کی حکومت تھی۔ لیکن بعد میں وہ وہاں سے نکال دیے گئے اور تمام یورپ اور امریکہ میں پھیل گئے۔ وہ بڑے اچھے تاجر اور بڑے سود خور ہیں۔ اس لئے لوگ اُن سے ناراض بھی رہتے ہیں۔ ان کا مذہب عیسائیوں کے خلاف ہے۔ حضرت عیسیٰ کو سولی یہودیوں ہی نے دی تھی۔ حالانکہ یہ ساری مغربی دنیا میں پھیل گئے ہیں اور کئی ملکوں میں ان کا اچھا اثر بھی ہے۔ تاہم یہ لوگ جس ملک میں رہتے ہیں اُس کے مقابلے میں دنیا بھر کے یہودیوں کی بھلائی کو ترجیح دیتے ہیں دنیا ڈوبے یا رہے انھیں اپنے نفع سے کام ہے اسی ملک کے بچے تخواہ انھیں اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے امریکہ، فرانس اور برطانیہ سے ان کے تعلقات

مسولینی

اچھتے ہیں۔ اور جنگ عظیم کے بعد برطانیہ کے سپرد یہ خدمت ہوئی تھی کہ عربوں اور یہودیوں سے اس نے جو وعدے کئے ہیں انہیں پورا کرتے ہوئے وہ حکومت کی باگ ڈور سنبھالے۔ رقبہ میں حالانکہ فلسطین صرف ہندوستان کے ایک بڑے ضلع کے برابر ہے۔ لیکن یہودیوں کو اس سے بڑی محبت ہے ادھر مسلمان بھی مذہبی جوش کی وجہ سے اس پر سے اپنا اثر اور قبضہ کم نہیں کرنا چاہتے۔ جنگ عظیم کے بعد سے یہودی یہاں بسائے جانے لگے۔ یہ لوگ بڑے امیر ہوتے ہیں اس لئے غریب عربوں سے زمین مول لے لے کر وہ وہاں بسنے لگے۔ تھوڑے ہی دن میں ۳۰۰،۹۲،۳ یہودی بس گئے اور عربوں کی تعداد یہاں ۳۰۰،۰۰،۱ ہے۔ یہ دیکھکر عربوں کو خوف ہوا کہ تھوڑے دن میں اُن کا ملک اُن کے ہاتھ سے چلا جائے گا، اس لئے کہ جلد ہی وہاں یہودیوں کی تعداد بڑھ جائے گی۔ اور آخر میں جو سوراج ملے گا وہ عربوں کا نہیں بلکہ بڑی تعداد والے یہودیوں کا ہوگا۔ بہت دن تک تو کاغذی گھوڑے دوڑتے رہے لیکن آخر میں عربوں نے جوش سے کام لیا اور کئی سال سے قتل وخون جاری ہے۔ برطانیہ نے دو مرتبہ کچھ فیصلہ کرنے کی کوشش کی لیکن ان دونوں قوموں سے اس طرح کے وعدے ہیں کوئی فیصلہ یا تدبیر کارگر نہیں ہوتی امریکہ بھی صرف زبانی ہی یہودیوں کا طرفدار ہے۔ کچھ لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ برطانیہ یہاں سے اپنی حکومت نہیں ہٹانا چاہتا اور اس لئے جھگڑا ختم نہیں ہوتا۔ برطانیہ کہتا ہے کہ اگر ہم اسے چھوڑ دیں تو ہمارے وعدوں کا یقین کرکے جو تقریباً چار لاکھ یہودی یہاں بس کر لاتعداد دولت لگا چکے ہیں، اُن کا کیا حال ہوگا؟ حال ہی میں جو ایک برطانوی کمیشن وہاں گیا تھا اس نے ایک رپورٹ دی ہے لیکن وہ دونوں میں سے ایک کو بھی پسند نہیں۔ اب اس کے لئے گول میز کانفرنس بیٹھے گی۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو مدتوں سے برطانیہ اور دوسری قوموں کو الجھن میں ڈالے ہوئے ہے۔ جرمنی کی نوآبادی والی دھمکی کا کیا نتیجہ ہوگا اسکا تو کسی کو علم نہیں، لیکن اس سے وزیر اعظم چیمبرلین کے دشمنوں کی قوت تھوڑی بہت ضرور بڑھے گی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یورپ میں امن ہو جانے سے برطانیہ میں ہندوستان کا سوال پھر اُٹھنے لگے گا۔ ادھر وزیر اعظم صاحب ہٹلر کی دھمکی سننے کے باوجود بھی کہتے ہیں کہ بڑے دن کے جشن مناؤ، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو کچھ ہٹلر نے کہا ہے وہ اُن کے مشوروں کے خلاف نہیں ہے۔ دیکھئے کیا گل کھلتا ہے۔

چین میں جو لڑائی ہو رہی تھی اس کا اب کسی طرح خاتمہ ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔ جاپان کو آگے بڑھنا مقصود نہیں اور چین میں اتنی قوت نہیں معلوم ہوتی کہ وہ جاپان کو اس کے مفتوحہ حصوں سے نکال دے۔ اس لئے معاملہ کچھ دن میں سرد پڑ جائے گا۔ چین میں بڑھتی ہوئی سرحد جلد ان برہما سے مل جائے گی۔ اس صورت میں برہما پر بھی جاپانی زور پڑ سکتا ہے۔ اس لئے انگریزی سیاست دانوں کو بڑی فکر ہے۔ برہما میں پیٹرول ہونے کی وجہ سے جاپان کا اس پر دانت ہونا قابل قیاس بھی معلوم ہوتا ہے۔

ہندوستان میں نئے قانون کے مطابق گیارہ صوبوں

برطانیہ کے وزیر اعظم مسٹر چیمبرلین

میں حکومتیں قائم ہوئیں تھیں - یعنی صوبہ متحدہ، بہار، اڑیسہ ممالک متوسط، شمالی مغربی سرحدی صوبہ، مدراس اور بمبئی میں کانگرسی حکومت ہے اور بنگال، پنجاب، سندھ اور آسام میں غیر کانگرسی - ان میں نئی حکومت رعایا کی خواہش کے مطابق بدل سکتی ہے - اس کے علاوہ دہلی مرکزی حکومت کا قایم ہونا باقی ہے - آسام میں بھی چند ہفتے ہوئے کانگریسی حکومت ہو گئی ہے - سندھ میں دو جماعتیں ہیں - جن میں خان بہادر اللہ بخش کی سرکار کا ساتھ کانگریس دیتی ہے - مسلم لیگ نے ان سے لیگی حکومت بنانے کو کہا لیکن وہ راضی نہ ہوئے - ان کے مخالفوں کا بیان ہے کہ انھوں نے ایسا ساتھیوں کی وجہ سے کیا - دوستوں کا خیال ہے کہ سلطنت سیاسی خیالات کی بنا پر ہونی چاہیئے نہ کہ مذہبی اختلافات کی بنا پر - بنگال میں ہندو مسلمانوں کے علاوہ تقریباً ۲۵ انگریز بھی رکھے گئے ہیں - عام طور پر لوگ سرکار کے خلاف تھے لیکن وہ انگریزوں کی مدد سے چل رہی ہے بنگال میں ایسی حکومت ہے جو ہے تو مسلمانوں کی لیکن ہندو بھی اس کی مدد کر رہے ہیں - ۷ کانگریسی حکومتوں میں سے ایک صوبہ مسلمان کا ہے اور چھ میں ہندوؤں کی قوت زیادہ ہے - کام یہ سب اچھا کر رہی ہیں - لیکن مسلم لیگ کا خیال ہے کہ ہندو صوبوں میں مسلمانوں کے خلاف کارروائی ہو رہی ہے - حالانکہ اب تک اس کا کوئی ثبوت نہیں ملا ہے -

مسلمانوں میں اس وقت دو جماعتیں ہیں یعنی لیگی اور کانگریسی - کچھ تھوڑے سے زمیندار پارٹی میں آزاد بھی ہیں ان میں یہ سوال حل طلب ہے کہ جماعتیں سیاسی بنا پر ہیں یا مذہبی بنا پر - مسلم لیگ مذہبی بنا پر زور دیتی ہے - اور کانگریس سیاسی پر - اس معاملے میں دونوں طرف سے زبردست کشمکش جاری ہے - جو قانون برطانوی پارلیامنٹ نے ۱۹۳۵ میں بنایا تھا اس کے مطابق صوبہ کی حکومتوں کے اختیارات بہت کم تھے اور ہر بڑے مسئلے میں گورنر کی منظوری ضروری تھی - پھر بھی غل شور مچا کر کانگریس نے گورنروں کے اختیارات بہت کم کروا دئے ہیں -

اب نئے قانون کے مطابق صرف دلی مرکزی حکومت بننا باقی ہے - اس کے رکنوں کے انتخاب کے قاعدے ایسے رکھے گئے ہیں کہ خوف ہے کہ رعایا کے سب لوگ ملکر بھی اختیار نہیں حاصل کر سکیں گے - اس لئے کانگریس اور مسلم لیگ دونوں اس کے خلاف ہیں - اب یہی ایک بڑا مسئلہ باقی رہ گیا ہے - برطانیہ اپنا مجوزہ قانون جاری کرنا چاہتی ہے - لیکن کانگریس بغیر تبدیلیوں کے اسے

جنگی ہوائی جہاز سمندر میں دوسرے جہازوں پر اُترنے کی مشق کر رہے ہیں

قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہے حال ہی میں وائسرائے اس مسئلہ کو طے کرنے اور آرام کی غرض سے چھٹی لے کر ولایت گئے تھے اُمید تھی کہ وہاں سے واپسی پر کوئی نئی بات پیش کریں گے۔ لیکن اب تک اُنھوں نے کچھ نہیں کہا۔ اس سوال پر بہت گفت و شنید ہونے کا خیال ہے۔ ہے یہ معاملہ اہم لیکن ابھی پورے طور پر سامنے نہیں آیا ہے۔ کہنے سننے کی گنجائش اس میں بہت ہے لیکن ابھی کوئی جلدی نہیں۔ وقت آنے پر اس مسئلہ پر زیادہ روشنی ڈالی جائے گی۔ صوبہ کی ۱۱ حکومتوں میں سے اس وقت ۸ کانگریس کی ہیں اور ایک کانگریس کی مدد سے چل رہی ہے۔ باقی دو، بنگال اور پنجاب تقریباً مسلم لیگ کے خیالات پر چلتی ہیں۔ حال ہی میں بنگال کی سرکار کی قوت کچھ ڈگمگا رہی تھی لیکن اب پھر مضبوط ہو رہی ہے۔

نو آبادت کے معاملہ کو جنوری سے شروع کر کے جرمنی کچھ نہ کچھ کرے گا ضرور۔ لیکن کیا کرے گا اس کا ابھی یقین نہیں۔ دنیا میں دولت کی تقسیم کیسے ہو؟ یہ ایک مشکل سوال ہے۔ اس میں دولت، سماج اور قوت تین قسم کے خیالات ہیں۔ ان کا ذکر کبھی آئندہ ہو گا۔ اس جگہ صرف اتنا کافی ہے کہ فرانس اور برطانیہ خاص طور پر سرمایہ دار ہیں۔ اور رُوس 'مزدور' یا 'سماجی'۔ امریکا والے نومبر سنہ حال کے انتخاب میں سرمایہ داروں کی ٹوٹی ہوئی قوت پھر مضبوط ہو گئی ہے۔ جرمنی، اٹلی اور جاپان قوت کے حامی ہیں۔ سماجی تقسیم تھوڑی تھوڑی ہر ملک میں ہے۔ خاص جھگڑا ثروت و قوت یا سرمایہ اور جنگ کا ہے روس صرف سماج ہی کی طرف مائل

نہیں ہے بلکہ اس کے دل میں یہ بھی خیال ہے کہ وہ اشتراکیت
کو دوسرے ملکوں میں پھیلائے۔ اور اس کے لئے کوشش بھی
کرتا ہے۔ روس کا ہمسایہ ہونے کی وجہ سے جرمنی روس کے
ان خیالات سے بہت دور بھاگنے کی کوشش کرتا ہے۔ حالانکہ
اس کی فرانس سے بہت پرانی اور سخت دشمنی ہے تاہم جرمنی
فرانس سے بھی میل کرکے روس کے مقابلہ میں آنا چاہتا ہے۔
اس لئے میونک کی کانفرنس میں اٹلی، برطانیہ اور فرانس کو شامل
کرکے صرف روس ہی کو باہر رکھا۔ جرمنی سے دشمنی ہونے کی
وجہ سے حالانکہ فرانس روس سے ملا ہوا تھا لیکن اشتراکیت
کے پھیلنے کے خوف سے اس سے تجارتی تعلقات نہیں بڑھانا
چاہتا۔ برطانیہ ہمیشہ سے اشتراکیت کا بڑا دشمن ہے۔ جرمنی نے
برطانیہ اور فرانس سے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کرہی لیا ہے
ادھر ترکی، بلغاریہ اور جوگوسلوویا سے اس کا میل ہے ہی
اٹلی اور پولینڈ اس کے پرانے دوست ہیں۔ اس لئے معلوم
ہوتا ہے کہ وہ کوئی کارروائی روس کے خلاف کرنا چاہتا ہے
اوروں سے میل کرنے کے باوجود بھی اس نے لتھونیا، رومانیا
اور روس سے کوئی گفتگو نہ کی۔ روس یوکرین صوبہ جنوبی پولینڈ
کے ٹھیک مشرق میں ہے۔ اگرچہ روس کے رقبے کا وہ صرف
پچاسواں حصہ ہے پھر بھی دولت اور اہمیت میں بہت بڑا ہے
گیہوں کے علاوہ بھی اس میں بہت کچھ ہے۔ جرمنی اسے ضرور
لینا چاہتا ہے۔ برطانیہ نے صاف کہہ دیا ہے کہ وہ جرمنی کو
کوئی نوآبادی نہ دے گا۔ ان وجوہات سے ابھی جرمنی کا فرانس
اور برطانیہ سے بگاڑ یقینی ہے۔ اور روس، لتھونیا اور رومانیا
وغیرہ کی طرف گر بڑھنے کا بہت امکان ہے۔

حال ہی میں جرمن سفیر فرانس کو ایک سترہ سال کے
پولینڈ کے یہودی نے مار ڈالا۔ اس پر جرمنی یہودیوں کے اور
بھی دشمن ہوگئے اور یہودیوں کی ساری دولت پر قبضہ کرنا
چاہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ آج کل جرمنی میں یہودیوں کی لوٹ مار
بھی خوب ہو رہی ہے یہ سختیاں اخلاقی نقطہ نظر سے بہت
بری ہیں اور ہر ایک ان کو بری نظر سے دیکھ رہا ہے۔ امریکا
خاص طور پر جرمنی سے بہت ناراض ہے۔ باتیں تو وہاں کے اخبار
اور کبھی کبھی سرکار بھی بڑی زور دار کرتی ہے لیکن جب کام کا
وقت آتا ہے تو ڈھیل پڑجاتی ہے۔ اس لئے امریکا کی دھمکیوں
کا اثر کسی پر نہیں پڑتا۔ وہاں کے باشندوں میں سے ۹۰ فیصدی
ملک کے باہر جنگ کرنے کے خلاف ہیں۔ اس کی قوت بھی ایسی
ہے کہ اپنی حفاظت کے لئے تو بہت مضبوط کہی جاتی ہے لیکن
دوسروں پر حملے کے لئے بیکار ہے۔ ایک یہ بھی وجہ ہے کہ
وہاں والے بیرونی جنگوں میں حصہ نہیں لینا چاہتے۔ پریسیڈنٹ
روس ولٹ یہودیوں والے جرمنی معاملے میں غصہ تو بہت
دکھا رہے ہیں لیکن عملی صورت میں کچھ ہونا مشکل نظر آتا ہے۔

جاپان چین پر قبضہ کئے لے رہا ہے جس سے امریکہ، برطانیہ اور
فرانس سب کا تجارتی نقصان ہے لیکن کرتا ہوا کوئی کچھ نہیں
نظر آتا۔ آج کل برہما سے چین تک ریل اور سڑک بنانے کے
خیالات پیدا ہو رہے ہیں

میں نے یہ کہنے میں کبھی پس و پیش نہیں کی اور اب بھی میں بے دھڑک اسی بات کو دہراتا ہوں کہ بغیر کھدر کے کروڑوں بھوکے ننگے
اور غیر تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کے لئے بالکل خواب و خیال ہے۔ کھدر کا استعمال اس بات کی دلیل ہے کہ پہننے والے میں ملک کے لئے محبت اور
قربانی کی خواہش ہے چاہے کھدر غیرملکی کپڑوں کے مقابلے میں اتنا ملائم اور خوبصورت نہ ہو۔

(مہاتما گاندھی)

جیون سدھارو۔ دیہات والو!

نوشتہ محمد نبی اللہ محزوں ۔ رورل ڈویلپمنٹ آرگنائزر حلقہ بھدرسہ ۔ ضلع فیض آباد

کرتے ہیں موجیں —— سنسار والے
مالی دشا میں —— اپنی سنبھالے
دیکھو تو اُن کے —— فیشن، رسالے
بجلی سے اُن کے —— گھر میں اُجالے
وہ چست و چالاک —— تم بھولے بھالے
اپنی دشا کو، تم بھی سنبھالو —— جیون سدھارو، دیہات والو!

کتنے بدیشی —— آ کر ہمارے
مہمان بن کر —— بھارت کے دوارے
ندیاں یہاں کی —— امرت کے دھارے
اُپجاؤ کھیتی —— جن کے کنارے
پر آج تم ہو —— فاقوں کے مارے
اپنے خزانوں —— کو دیکھو بھالو —— جیون سدھارو —— دیہات والو!

سنبھلی بھی گر کچھ —— شہروں کی حالت
اس سے بڑھی کیا؟ —— بھارت کی عزت
دیہات ہی کا —— ہے نام بھارت
دیہات پر ہے —— چھائی جہالت
ہر اک کے سر پر —— چنتا کا پربت
اُٹھو! یہ پربت سر سے ہٹا لو —— جیون سدھارو —— دیہات والو!

بربادیاں ہیں —— آپس میں لڑ کر
مشکل سے بنتا —— ہے، گھر اُجڑ کر
اِس سے اکڑ کر —— اُس سے بگڑ کر
دیکھی کچہری —— جب لڑ جھگڑ کر
آخر میں روتے —— ہو، سر پکڑ کر
پنچائیتوں میں، جھگڑے چکا لو —— جیون سدھارو —— دیہات والو!

دُنیا دھنی ہے —— اور تم بھکاری
آ جاتی تم میں —— گر ہوشیاری
لٹتی نہ دن رات —— دولت تمہاری
سیکھو کسانو —— کچھ دستکاری
کر لو ہنر کے —— کچھ کام جاری
کپڑے بنا لو، چرخے چلا لو —— جیون سدھارو —— دیہات والو!

ہر گاؤں میں اِک —— ایسا سبھا گھر
تیار کر لو —— سب لوگ مل کر
جس میں تمہاری —— بیٹھک ہو اکثر
دے کوئی گیانی —— اُس گھر میں لیکچر
تم کو سنائے —— اخبار پڑھ کر
کام آج کا ہے، کل پہ نہ ٹالو —— جیون سدھارو —— دیہات والو!

رسموں کے خرچے —— شادی غمی میں
چھائے ہیں ہم میں —— تم میں، سبھی میں
قرضے میں لدنا —— اور خودکشی میں
کیا فرق ہے؟ یہ —— سوچو تو جی میں
آرام چاہو —— گر زندگی میں
رسمیں مٹاؤ، پیسے بچا لو —— جیون سدھارو —— دیہات والو!

جاری ہوں اسکول —— اور پاٹھ شالے
دیکھو تو ودیا —— اور گیان والے
اُڑنے کو کیسے —— پر ہیں نکالے
آکاش منڈل —— میں اُڑنے والے
اپنے کو ہیں جس —— سانچے میں ڈھالے
بھارت کو بھی اُس —— سانچے میں ڈھالو —— جیون سدھارو —— دیہات والو!

تقدیر کیا ہے؟ —— تدبیر کا پھل
جو آج بوئیں —— کاٹیں وہی کل
کچھ سیوکوں کے —— ہر گاؤں میں دَل
اُٹھیں مچا دیں —— دُنیا میں ہلچل
سنسار دیکھے —— نربل کے بھی بل
تقدیر اپنی، خود ہی بنا لو —— جیون سدھارو —— دیہات والو!

دیہات والو —— جیون سدھارو
بھارت کے آکاش —— کے چاند تارو
ہو کس دشا میں —— کچھ تو بچارو
غفلت میں کب تک —— سوؤ گے یارو
جو دب رہے ہیں —— اُن کو اُبھارو
سب کو اُبھارو، خود کو سنبھالو —— جیون سدھارو —— دیہات والو!

عورتوں کی تعلیم

(شریمتی تارا پانڈے)

یہ ہندوستان کی بیداری کا عہد ہے اور اب یہ بات یقینی طور پر طے ہو چکی ہے کہ عورتوں کی بیداری کے بغیر ملک کی فلاح غیر ممکن ہے۔ اسلئے لوگوں کی توجہ عورتوں کی تعلیم کی طرف بہت زیادہ ہو رہی ہے اور اب سمجھدار آدمی اپنی بہو بیٹیوں کو تعلیم دینا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ لیکن عورتوں کی تعلیم کا مقصد کیا ہونا چاہئے اس کی طرف لوگوں نے ہندوستانی نقطۂ نظر سے نہیں دیکھا اور اس سے ان کی تعلیم میں جو بڑی غلطی ہو رہی ہے، اس کی طرف اب تک ہمارے ملک کے لیڈروں کی توجہ نہیں گئی ہے۔ تعلیم کا موجودہ طریقہ ہی بُرا ہے اور اس تعلیم سے ہمارا مقصد بھی حل نہیں ہوتا۔ اس بات کا احساس اب لوگوں کو ہو رہا ہے۔ اور جب کانگریسی سرکار کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ڈور آئی ہے اس وقت سے اس مسئلہ پر بہت غور و فکر ہو رہی ہے۔ اور امید کی جاتی ہے "واردھا سکیم" کی ابتدا سے جلد ہی اس میں انقلاب پیدا ہو جائے گا۔

عورتوں کے متعلق کسی خیال کو عملی جامہ پہنانے سے پہلے ہمیں یہ سوچ لینا چاہئے کہ اس تعلیمی اصول کے مطابق تعلیم حاصل کرکے عورتیں کس حد تک ملک اور سماج کا کام کر سکیں گی۔ عورتوں کی تعلیم مقصد صرف بیکار ہی نہ رہ جائے۔ عورتوں کی تعلیم کا پہلا مقصد ہے جسمانی اور دماغی ترقی، دوسرا گھر کا سکھ چین اور تیسرا سماج کی بہبودی۔

شریمتی تارا پانڈے

جسمانی ترقی کے لئے عورتوں کو ڈنڈ، مگدر، بیٹھکیں و بیڈمنٹن کی اتنی ضرورت نہیں ہے جتنی کہ مغربی تقلید میں آج ہماری بہنیں سمجھنے لگی ہیں۔ جسمانی محنت ہی اچھی ورزش ہے۔ لیکن اب

ہماری تعلیم یافتہ بہنیں اپنے ہاتھ سے اپنے گھر کا کام کرنے میں اپنی سُبکی عزتی سمجھنے لگی ہیں۔ غلامی کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ ہم دوسرے کی خوبیوں کو چھوڑ کر اس کے عیبوں کی تقلید کرنے لگتے ہیں۔ یہاں بھی یہی ہوا۔ فیشن اور بیڈمنٹن میں ہندوستان کا روپیہ پھونکنا تو ہم نے سیکھا مگر مغربی عورتوں کی طرح گھر کا کام کرنا ہم نے نہیں سیکھا۔ ہندوستان میں اس سے پہلے عورتیں اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرتی تھیں۔ چکی پیسنے، مٹھا بلونے، مسالہ کوٹنے وغیرہ میں ان کی کافی ورزش ہو جاتی تھی۔ اب بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری بوڑھی مائیں پل بھر بھی بغیر کام کے نہیں رہ سکتیں اور وہ ہم جوانوں سے کہیں تندرست ہیں۔ صرف بدن مضبوط ہونا ہی اچھی تندرستی نہیں ہے، جسمانی مضبوطی کے ساتھ ہم میں دماغی قوت۔ ہمت اور دھرم۔ خود بخود آجائے گا اور اپنی حفاظت کے لئے ہمیں مردوں کی مدد کی ضرورت نہ پڑیگی۔ ساتھ ہی ہندوستان کی حفاظت کے لئے بھی ہمیں اپنے آپ کو تندرست اور با ہمت بنانا ہے۔ بیمار، کمزور اور فیشن پرست عورتیں ابھی مینو، رانا پرتاب، شیواجی، چھترسال، ٹیپو سلطان جیسے بہادر سورماؤں کی ماں بننے کا فخر نہیں حاصل کر سکتیں۔

پہلے کہا جا چکا ہے کہ چکی پیسنے، دھان کوٹنے، اناج پھٹکنے اور اس طرح کے گھر کے کام دھندے کرنے والی عورتوں کے لئے کسی خاص ورزش کی ضرورت نہیں۔ پھر بھی کچھ ایسی ورزشیں ضرور سیکھنی چاہئیں جو جسم کو اچھا رکھنے کے علاوہ ہماری معمولی زندگی میں بھی مفید ہو سکیں ایسی ورزشوں تیراکی اور ناچنے کو میں پہلی جگہ دیتی ہوں۔ ان دونوں ورزشوں میں جسمانی ترقی کے علاوہ فن کی بھی ترقی ہوگی۔ ناچنا فن ہوتے ہوئے بھی کسرت ہے۔ فن اور فائدہ دونوں چیزیں بہت کم اس طرح ایک ہی چیز میں ملتی ہیں۔ ان دونوں ورزشوں کے لئے کسی خاص اہتمام کی بھی ضرورت نہیں۔ اور خاص بات یہ ہے کہ یہ خود دلچسپی کی چیزیں ہیں۔ کیا ہماری تعلیم کا انتظام کرنے والے عورتوں کی تعلیم میں ان دونوں چیزوں کو جگہ دیکر ان فنون کو ترقی دیں گے؟

جسمانی ترقی کے علاوہ اپنی زندگی کو بہتر بنانے کا خیال بھی بے حد ضروری ہے۔ اس کے لئے ہمیں سماجی کام کرنے کی آزادی ملنی چاہئے۔ ملک کی بہبودی میں ہاتھ بٹانا ہو تو ہمیں چاہئے کہ ہم اتحاد کر کے اس کی فلاح و بہبودی میں حصہ لیں۔

گھریلو زندگی کے خیال سے، عورتوں کی تعلیم میں حفظانِ صحت، بچوں کی پرورش، بچوں کی نفسیات، گھر کے کام دھندوں کی تعلیم کو بھی خاص جگہ دینی چاہئے۔ ابتدائی دوا دارو کے بارے میں بھی کچھ نہ کچھ معلوم ہونا ضروری ہے ورنہ ذرا ذرا سی بات پر ویدوں اور ڈاکٹروں کا محتاج ہونا پڑے گا۔ پھوڑے پھنسی، زخم، چوٹ، آنکھ وغیرہ دکھنے کی دوا کے علاوہ وبائی بیماریوں سے بچنے کے لئے بھی انھیں باتیں معلوم ہونی چاہئیں۔

ماں ہی بچے کی پہلی معلمہ ہے۔ اصل میں بچوں کی ابتدائی تعلیم گھر ہی پر ہونی چاہئے۔ اس لئے بچے کی دماغی حالت سے واقف ہونے کے لئے اس کی نفسیات کا جاننا بھی ضروری ہے۔ بچوں کی دماغی حالت سے واقف ہو جانے کے بعد — یہ جاننے کے بعد کہ بچے کا دل کن چیزوں میں لگتا ہے اور اس کی حالت میں کیسے تبدیلی کی جا سکتی ہے —— ماں جس طرح اسے تعلیم دے سکتی ہے کوئی ”ٹرینڈ“ استاد بھی نہیں دے سکتا۔ عورتوں کی تعلیم کا سب سے بڑا فائدہ یہی ہے کہ وہ اس طرح اپنے بچے کی تربیت بہت اچھے طریقے سے کر سکتی ہیں۔

جسمانی تندرستی کے نقطۂ نظر سے کھانے پکانے سے واقفیت ہونا بھی کچھ کم مفید چیز نہیں۔ کھانا خوش ذائقہ اور اچھا تو ہونا ہی چاہئے۔ لیکن اس سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ مختلف قسم کے کھانوں کے مفید اور غیر مفید سے واقفیت ہو۔ اور عورتوں کے لئے اس کی سخت ضرورت ہے۔

گھریلو کاموں میں سینا، پرونا، کاڑھنا، بُننا، ہاتھ کی کاریگری، مصوری وغیرہ سب چیزیں آجاتی ہیں۔ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرنے میں روپئے پیسے کی بھی بہت بچت ہوتی ہے اور ضرورت پڑنے پر عورتیں اس سے کما بھی سکتی ہیں۔ ان دھندوں سے وقت کی بچت بھی ہوتی ہے۔ کیا اچھا ہو کہ ہماری بہنیں اپنے گھروں کو جاپانی چکوں، کلنڈروں

تصویریں اور غیر ملکی چیزوں سے سجانے کے بجائے'' اپنی اپنے ملک کی بنائی ہوئی چیزوں سے سجائیں۔ حالانکہ اس میں اتنی شان وشوکت نہ پیدا ہوسکے گی، لیکن اس سے جو فائدہ ہوگا اُس کا اندازہ خود کیا جا سکتا ہے۔
ابھی تو جہالت کی تاریکی ہندوستان میں بہت گہری ہے۔ کاش تعلیم یافتہ عورتیں ضرور تمند عورتوں کو ہی تعلیم دے کر اس اندھیرے کو دور کریں۔ اُن کو صفائی اور صحت کے اصول بتائیں اور انھیں پڑھنے لکھنے پر آمادہ کریں تو ملک اور سماج کی بلاشبہ بڑی فلاح ہوسکتی ہے۔

مُنّو کا مُنہ مٹکانا

منّو چودھری ایک تین سال کا لڑکا ہے۔ لیکن وہ ایسا چہرہ بناتا ہے کہ دیکھنے والے دنگ رہ جاتے ہیں
اس کے چہرے بنانے کے کچھ نمونے یہاں دیکھئے

پیٹ بھرا ہے

چُپ رہو

"اونہ وہ کیا ہے؟"

"واہ! واہ! وہ تو اچھی چیز ہے!"

ہنسی کا فوارہ چھوٹ رہا ہے

افسوس کے آنسو

میں خوش ہوں

آں میں تو ایسا نہیں سوچتا

تھوڑی دیر میں رونے والے ہیں

خوشی کی مسکراہٹ

مٹھائی انعام میں ملی ہے

پھر سے سوچ رہے ہیں

تعجب

ڈر

"ونہ وہ کیا ہے؟"

"واہ! واہ! وہ تو اچھی چیز ہے!"

ہنسی کا فوارہ چھوٹ رہا ہے

افسوس کے آنسو

میں خوش ہوں

آں میں تو ایسا نہیں سوچتا

تھوڑی دیر میں رونے والے ہیں

خوشی کی مسکراہٹ

مٹھائی انعام میں ملی ہے

پھر سے سوچ رہے ہیں

تعجب

ڈر

(اس ڈائری کے مصنف جناب "گھاگ" بہت پُرانے خیال کے ایک بوڑھے زمیندار اور کسان ہیں۔ اور کسی قسم کا سُدھار پسند نہیں کرتے۔ گرام سُدھار کی تحریک سے اُن کے دل میں کیا ہلچل پیدا ہوگئی ہے اِن کے اس خط سے پڑھیئے)

جناب اڈیٹر صاحب

اگر میں جانتا ہوتا کہ کانگریس والے حکومت ہاتھ میں لیتے ہی گرام سُدھار کا محکمہ قائم کرکے مجھ جیسے بوڑھے آدمی کو پریشان کردیں گے تو آپ سچ مانئے میں اُنھیں کبھی ووٹ نہ دیتا۔ اب تو کل کے بچّے گلی گلی میں گاؤں سُدھار کرتے پھرتے ہیں اور مجھ جیسے بُڈھوں کی کوئی بات بھی نہیں سُنتا۔ ابھی حال ہی کی بات ہے کہ میرے گاؤں میں ایک سبھا ہوئی تھی۔ روکنے پر بھی میری بہوئیں نہ رُکیں اور اُس میں جا پہنچیں۔ میں تو سمجھتا تھا کہ میری ناک کٹ گئی۔ مگر جب آس پاس کے پڑوسیوں کے یہاں بھی یہی چرچا سُنا تو میں نے سمجھا کہ خیر غنیمت ہے۔ اب تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہت جلد ہی گاؤں سے بھی پردہ اُٹھ جائے گا۔ ہندوستان کی جو تھوڑی بہت عزّت بچی ہوئی تھی، اب جانے والی ہے۔

× × × ×

مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس گاؤں سُدھار کی وجہ سے بھائی بھائی میں، مرد عورت میں، باپ بیٹے میں، پڑوسی پڑوسی میں، جھگڑا ہوگا۔ جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے میں اکثر اپنے دروازے ہی پر بیٹھا رہتا ہوں۔ اب تک میرے دو ساتھی رہے ہیں۔ ایک میرا حقّہ اور دوسرا دروازے کے سامنے کا گھورا۔ ابھی اُس دن شام کو جب سبھا سے بہوئیں گھر لوٹیں تو کہنے لگیں کہ اس گھورے کو دروازے کے سامنے سے ہٹانا پڑے گا۔ پہلے تو میں سمجھتا تھا کہ یہ سب بلا اجازت گھر سے جانے کی وجہ سے مجھ سے ڈرتی ڈرتی اندر جائیں گی اور مجھ سے معافی مانگیں گی۔ لیکن ڈرنا تو دُور اُلٹا کہنے لگیں کہ اس گھورے کو جلد سے جلد ہٹانا پڑے گا۔ اگر گاؤں میں سُدھار کا چرچا اسی طرح رہا تو مجھے پورا یقین ہے کہ گھورے کے ساتھ کہیں میں بھی اپنے دروازے سے باہر نہ پھینک دیا جاؤں۔ آپ ہی سوچئے کہ کیا میں نے کانگریس والوں کو اسی لئے ووٹ دیا تھا؟

× × × ×

پُشتہا پُشت کی اچھائیاں کس طرح مٹ رہی ہیں! ذرا اسے غور کیجئے۔ میرا بڑا لڑکا اب تک میرا بڑا تابعدار تھا۔ جو میں کہتا تھا وہی کرتا تھا اور میرے خلاف اپنے مُنہ سے ایک بات بھی نہیں نکالتا تھا۔ میں برابر اس بات کو مانتا آیا ہوں کہ ہم گاؤں والوں کو پڑھنے لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور لڑکیوں کو پڑھانا تو اور بھی گناہ ہے۔ میرے ماں باپ نے مجھے پڑھا دیا تھا اور یہی وجہ ہوئی کہ میں اپنے دروازے پر بیٹھ کر سوائے حقہ گڑگڑانے کے اور کسی کام کا نہ رہا۔ مگر اب میرے بڑے لڑکے کو دیکھئے کہ جس کے خود دو لڑکے ہیں، ایک نائٹ اسکول میں پڑھنے جانے لگا ہے۔ یہ نائٹ اسکول نہ جانے کیا بلا ہے۔ دن بھر کا تھکا ہوا آدمی رات میں آرام کرکے کہ "الف بے ہوّا، ماں چیل باپ کوّا" کرے۔ میرا تو خیال ہے کہ گھروں میں جو محنت اور شفقت ہوتی تھی وہ اب بالکل بند ہو جائے گی۔

ایک دن گھر کی ایک عورت سے کہا کہ لڑکیوں کو بھی اسکول جانا چاہیئے۔ میں نے بہتیرا سمجھایا کہ یہ لڑکیاں اپنی نہیں ہیں۔ پرائے گھر چلی جائیں گی۔ اُن کو پڑھانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ مگر نہ جانے سدھار والوں نے کیا جادو کر دیا تھا کہ گھر کا گھر یہ شور مچا رہا ہے کہ لڑکیوں کو اسکول ضرور بھیجنا پڑے گا اور پھر یہ سوچئے کہ میرے گاؤں میں علٰحدہ لڑکیوں کا اسکول بھی نہیں ہے۔ تب بھی گاؤں کے کچھ لوگ ایسے بگڑ گئے ہیں کہ وہ اپنی لڑکیوں کو لڑکوں ہی کے اسکول میں بھیجنے لگے ہیں اور اُنھیں کے ساتھ اب میرے گھر والے بھی میری چھوٹی پوتی کو بھیج رہے ہیں۔ ابھی تک میں اس گاؤں میں سب سے سمجھدار آدمی تھا اور سب میری تعریف کرتے تھے اور سب مجھ سے صلاح لیتے تھے۔ لیکن اب کل کے چھوکرے اپنے کو مجھ سے زیادہ عقلمند بتاتے ہیں اور میری ہنسی اُڑاتے ہیں۔

× × × ×

ہمارے گھر سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک کنواں ہے۔ ایک دن ایک "گرام سدھاری" پہنچا اور اُس نے گاؤں والوں کو نہ جانے کیا اُلٹا سیدھا سمجھا دیا کہ میں اُس کنوئیں کی جگت پر بیٹھ کر اب نہانے بھی نہیں پاتا۔ آپ سچ مانئے کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ کبھی کسی نے مجھ سے اس کنوئیں کی جگت پر بیٹھ کر نہانے سے منع کیا ہو۔ میں تو آدمی ہوں، کُتے، بلّی تک جگت پر بیٹھ کر نہا سکتے تھے۔ اگر گاؤں والے، پاس پڑوس والے یا اور کوئی روکتا تو اس بوڑھی عمر میں بھی اُن سے لڑنے کو تیار ہو جاتا۔ مگر تعجب تو یہ ہے کہ میرا ہی لڑکا اور میرے ہی گھر کی بہوئیں اب مجھے روکتی ہیں کہ جگت پر بیٹھ کر مت نہاؤ۔ اس سے کنوئیں کا پانی گندا ہوگا۔ ایک ایسے پُرانے بزرگ کو جس کے پیر دھو کر ان لڑکوں کو پینا چاہیئے تھا آج کنوئیں پر بیٹھ کر نہانے کی منادی کی جا رہی ہے اور مزا یہ ہے کہ اسے گرام سدھار کہا جا رہا ہے۔ میرے نہانے سے کنوئیں کا جو پانی اب تک خراب نہیں ہوا وہ اب کیسے خراب ہو جائیگا؟ کنوئیں کے نیچے ایک پتھر رکھ دیا گیا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس پر بیٹھ کر نہاؤ۔ پتھر کے پاس تھوڑی دُور پر ایک نالی دوڑا کر ایک تھالا بنوا دیا گیا ہے اور اُس میں کیلے کا پیڑ لگایا گیا ہے۔ کہا یہ جاتا ہے کہ اس طرح ہر کنوئیں کے پاس کیلے کے پیڑ لگانے چاہئیں۔ مگر مجھکو تو صاف نظر آ رہا ہے کہ جب یہ پیڑ بڑا ہوگا اور اس میں پھل لگیں گے تو گاؤں میں بغیر لئے چلے نہ رہے گا۔ آخر یہ پنچایتی کنواں ہے اور یہ کیلے کا پیڑ بھی پنچایتی ہی ہوگا۔ پھل اس کا کون توڑے گا؟ گھاگ کی بات کو میں پتے کی بات مانتا آیا ہوں اور ہمیشہ کہتا آیا ہوں کہ:-

کانٹا بُرا کریل کا، اور بدری کا گھام
سوت بُری چُون کی اور ساجھے کا کام

گھاگ بڑا عقلمند تھا۔ جب ہی تو اس نے یہ لکھا ہے۔ گھاگ کی اس نصیحت میں سب سے زیادہ زور اس بات پر دیا گیا ہے کہ ساجھے کا کام بُرا ہے۔ لیکن یہاں تو اب یہ آواز لگ رہی ہے کہ ہر کام ساجھے میں ہونا چاہیئے۔ کھیتی ساجھے میں کی جائے، غلّہ ساجھے میں بیچا جائے۔ کنواں ساجھے میں کھودا جائے اور لین دین تک ساجھے میں کیا جائے۔ کچھ دن میں سُدھار والے کہیں یہ نہ کہنے لگیں کہ عورت بھی ساجھے میں بیاہو۔ میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اس طریقے سے گاؤں چوپٹ ہوگا یا آباد۔ مگر گھر والے نہ جانے کیسے اِن سُدھار والوں کے چکّر میں پڑ گئے ہیں کہ میری کوئی بھی نہیں سُنتا۔ مجھ بوڑھے آدمی کے لئے سب سے زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ میرے گھر والے بھی میری بات نہیں سُنتے۔ اب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں اور کس طرح اپنی عزّت قائم رکھوں۔ اس سے تو مجھے صاف یہ نظر آتا ہے کہ یہ جو کچھ گرام سُدھار کے نام سے ہو رہا ہے وہ میرے جیسے بزرگوں کی عزّت کو مٹّی میں ملانے کے لئے ہی ہو رہا ہے۔

× × × ×

کہیں آپ نے میرا رونا محض اس لئے تو طلب نہیں کیا کہ مجھے جو تکلیفیں نہ ہوں وہ ان "سُدھاریوں" کو بتا دیں اور وہ مجھے اور بھی تکلیفیں پہنچا دیں۔ میں اپنے دروازے پر بیٹھا حقّہ پی رہا ہوں اور اپنے سامنے سے اپنے پُرانے ساتھی گھورے

کو ہٹتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ جتنا دُکھ، جتنا افسوس مجھے اپنی بیوی کے مرنے پر نہیں ہوا تھا، اتنا مجھے اس گھورے کو ہٹتے ہوئے دیکھ کر ہو رہا ہے۔ کیونکہ باپ دادا کے وقت کی نشانی اُٹھی جا رہی ہے۔ اور گھر والے کہتے ہیں کہ بُڑھؤ بابا یہ تو کوڑا کرکٹ ہے، اس کی فکر تم کیوں کرتے ہو؟

× × × ×

خیر ہر بُرائی میں ایک بھلائی بھی چھپی ہوئی ہوتی ہے اور اس گرام سُدھار سے مجھے بھی ایک فائدہ پہنچا ہے۔ میں اسے ہی بہت غنیمت سمجھتا ہوں۔ اب تک مجھے باسی روٹی کھانے کو ملتی تھی۔ گھر کی عورتیں دونوں وقت کی روٹی ایک ہی وقت پکا لیتی تھیں۔ اور وہی مجھے بھی کھانے کو دی جاتی تھی۔ وہ اس عمر میں کمزور دانتوں سے توڑے نہیں ٹوٹتی تھی۔ گھر کی چڑیلوں کو گھاگ کی لکھی ہوئی یہ نصیحت میں برابر سُنایا کرتا تھا

آلس نیند کسانے ناسے، چور رے ناسے کھانسی
گھگّھا اُن کی بُدھی ناسے کھائیں جو روٹی باسی

(کاہلی کی نیند کسان کو برباد کرتی ہے اور کھانسی چور کو۔ اور جو لوگ باسی روٹی کھاتے ہیں اُن کی عقل جاتی رہتی ہے)

مگر اُن کے کان پر جوں تک نہ رینگتی تھی۔ میں نے لاکھ کہا کہ خدا کے لئے کم سے کم مجھے تو تازی روٹی کھلا دیا کرو تاکہ میری عقل نہ خراب ہو۔ لیکن میری باتوں کا اُن پر کبھی اثر نہ ہوا۔ میں برابر باسی روٹی کھاتا رہا اور میری عقل کم ہوتی رہی۔ لیکن اب مجھے یہ تازی روٹی کھلا رہی ہیں اور جب میں کہتا ہوں کہ اب مجھے باسی روٹی کیوں نہیں دیتی ہو تو وہ کہتی ہیں کہ باسی کھاتے کھاتے تمہاری عقل بہت خراب ہو گئی ہے اس لئے اب تمہیں تازی روٹی کھلائی جاتی ہے کہ عقل پھر ٹھکانے پر آ جائے۔ گرام سُدھار کے چرچے سے بوڑھے کسان کا یہ بہت بڑا فائدہ ہوا ہے۔ اگر آپ واقعی میرے روزنامچے سے اپنے پڑھنے والوں کو فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں تو یہ بات آپ کو صاف کہہ دینا چاہئے کہ گاؤں کا گھورا اُس وقت تک نہ ہٹایا جائے جب تک میرے جیسے بزرگ زندہ ہیں یا اس وقت تک نہ ہٹایا جائے جب تک اُنہیں تازی روٹی کھلا کر اتنا عقلمند نہ بنا دیا جائے کہ وہ آجکل کے نوجوانوں کی طرح سوچ سکیں۔

× × × ×

گھاگ نے لکھا تھا کہ سڑک سے گاؤں دُور ہونا چاہئے لیکن میں برابر یہی سوچا کرتا تھا کہ سڑک کا گاؤں اچھا ہوتا ہے کیونکہ وہاں آدمی آسانی سے جا سکتا ہے اور مال وغیرہ بھی آسانی سے منگا سکتا ہے۔ لیکن اب جب دیکھتا ہوں کہ سڑک پر گاؤں ہونے کی وجہ سے گرام سُدھار والے جلدی جلدی میرے گاؤں میں آنے لگے ہیں تو میں سوچتا ہوں کہ گھاگ نے ٹھیک کہا تھا اور گھاگ ایک بہت بڑا جوتشی بھی تھا۔ جو مصیبتیں سڑک کی وجہ سے گاؤں میں آتی ہیں اُن سے میں بچ جاتا، اگر گھاگ کے اس کہنے کو مان کر میں اپنا گاؤں کسی ندی نالے کے کنارے بہت دور ویران جگہ پر بناتا۔ ذرا گھاگ کے شعر پر غور کیجئے ؎

ایک تو بسے سڑک کے گاؤں، دوجے بڑے بڑن میں ناؤں
تیجے پرسے درب سے ہین گھگّھا ہم کو وِپت تین

(یعنی اوّل تو سڑک کے گاؤں میں بسے دوسرے بڑوں میں نام ہوا اور تیسرے روپئے سے دُور رہے۔ اے گھاگ ہم پر یہ تین مصیبتیں ہیں)

اگر ہمارا گاؤں سڑک پر نہ بسا ہوتا اور بڑوں بڑوں میں اپنی گنتی بھی نہ کراتا ہوتا اور میرے پاس دولت ہوتی تو شاید میں ان سُدھاروں سے بچ جاتا کیونکہ اس وقت کہیں دور دراز کسی کونے میں چھپا پڑا رہتا اور اگر وہاں کوئی "سُدھاری" پہنچتا بھی تو اُسے کچھ کھلا پلا کر اُسے اپنے خیال کے موافق بنانے کی کوشش کرتا۔ میرا دل افسوس سے بھرا ہوا ہے۔ گاؤں کے مرد اور عورت جس طرح پُرانی لکیر کو چھوڑ کر نئے کام کر رہے ہیں اس سے میرا کلیجہ پھٹا جا رہا ہے۔ اب اور زیادہ نہیں لکھا جاتا۔ ابھی تو یہی کہوں گا ؎

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

آگے جو کچھ ہوگا وہ میں آپ کو دوسرے خط میں لکھوں گا۔

آپ کا
گھاگ

کچھ اِدھر اُدھر کی

اُنّاؤ اور فیض آباد میں صنعت گھر کھل گئے

۱۔ حکومت یو۔پی نے گنگا گھاٹ (اُنّاؤ) اور رُرنوو (فیض آباد) میں مختلف صنعتوں کے دو سنٹر کھولنا منظور کرلیا ہے جن میں دیہی صنعت وحرفت سکھائی جائے گی۔ موزوں امیدواروں کو ان سنٹروں پر تعلیم دی جائے گی۔ ان جگھوں پر آشرم تو پہلے ہی سے کھلے ہوئے ہیں جنھیں مسٹر منظر علی سوختہ اور دھیریندرا موزم دار چلا رہے ہیں۔ یہ انتہائی ضروری سمجھا گیا ہے کہ دیہی صنعت وحرفت کی تعلیم آشرم کی فضا میں اور دیہاتی حالات میں دی جائے امیدوار قوم، ذات، مذہبی تعصب کو بالکل بھلا کر ایک ہی جگہ ایک ہی ساتھ کھانا کھایا کریں گے۔

۲۔ نیچے لکھی ہوئی گھریلو صنعتوں کو سکھانے کا انتظام ابتک ہوچکا ہے:۔

۱۔ روئی اور اُون کی کتائی۔
۲۔ رنگنا اور چھاپنا۔
۳۔ کپڑا بُننا۔
۴۔ دری، قالین، فیتہ، کمّل بُننا۔
۵۔ مونج کی چٹائی بنانا۔
۶۔ بڑھئی گیری۔
۷۔ کچّے چمڑے کو پکانا۔ بنانا۔
۸۔ چمڑے کا کام۔
۹۔ ہاتھ کا بنا کاغذ۔
۱۰۔ ٹوکری بنانا۔
۱۱۔ لوہاری کا کام۔

۳۔ امیدواروں کا ابتدائی انتخاب رورل ڈولپمنٹ ڈسٹرکٹ ایگزیکیٹو کمیٹی نے کیا تھا۔ اس طرح منتخب امیدواروں کا آخری انٹرویو یکم نومبر ۱۹۴۸ء کو لکھنؤ میں نیچے دی ہوئی کمیٹی نے کیا:۔

(۱) اسسٹنٹ رورل ڈولپمنٹ افیسر۔
(۲) اسسٹنٹ ڈائرکٹر آف انڈسٹریز (مسٹر گھوشال)
(۳) مسٹر منظر علی سوختہ صدر گنگا گھاٹ صنعت گھر۔
(۴) مسٹر دھیریندرا موزم دار صدر رُرنوو صنعت گھر۔
(۵) پنڈت لال بہادر شاستری ایم۔ ایل۔ اے کمیٹی نے آخری طور پر ۱۰۹ امیدواروں کا انتخاب منظور کیا۔ ۵۸ امیدواروں کو حکم دیا گیا کہ وہ ۱۵ نومبر ۱۹۴۸ء کو رُرنوو میں پہنچ جائیں۔ اور ۵۱ امیدواروں کو ۲۰ نومبر ۱۹۴۸ء کو گنگا گھاٹ پر پہنچنا لازمی ہے۔ ان کا کورس دو سال کا ہوگا۔ امیدواروں کو ملازمت کی کوئی گارنٹی نہیں دی گئی ہے اور یہ امید کی جاتی ہے کہ ان میں سے ہر ایک تعلیم پاکر اپنی اپنی جگہ پر واپس جائے گا اور جس چیز میں وہ ماہر ہوا ہے اس کا کاروبار وہاں اپنے آپ شروع کرے گا۔ اس طرح وہ دوسروں کے لئے ایک ہمت بڑھانے والی مثال بن جائے گا۔

کمایوں میں پھلوں کی پیداوار

کمایوں میں قدرتی وسائل اتنے زیادہ ہیں کہ وہاں ہر طرح کے کاروبار میں کافی ترقی کے موقعے ہیں۔ لیکن اب تک وہاں کے لوگ صرف کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ کوئی صنعت ایسی نہیں جسے کمایوں اپنا کہہ سکے۔ اس کی ایک وجہ تو روپئے کی کمی ہے اور دوسری، لوگوں میں اُپج اور ہمت کی کمی۔ لیکن کچھ کام ایسے ہیں جو بغیر روپیہ لگائے یا بغیر کام کرنے والوں کو بڑھائے ہوئے بھی کئے جاسکتے ہیں۔ ان میں سے پھلوں کا پیدا کرنا اور شہد اکٹھا کرنا زیادہ ضروری ہیں۔ لیکن اس چھوٹے سے مضمون میں ہم صرف پھلوں کی پیداوار کا ذکر کریں گے اس لئے کہ اس میں خرچ سب سے کم ہے اور فائدہ سب سے زیادہ۔

کمایوں کی زمین سیب، خوبانی، شفتالو، آلو بخارہ، امکوہ،

بیر، شاہ بلوط، نارنگیوں اور دونوں طرح کے لیموؤں کے لئے بہت اچھی ہے۔

پھل کے باغ لگانے کے لئے کوئی خاص زمین دینے کی ضرورت نہیں۔ ضرورت صرف یہ ہے کہ زمین کے ایسے ٹکڑے سے لئے جائیں جن میں ۴۰ سے لے کر ۵۰ تک گاؤں ہوں اور انھیں ایک یا دو طرح کے پھلوں کے لئے الگ کر دیا جائے۔ گاؤں کے ہر کسان کو دس سے لے کر ۳۰ تک پودے یا قلمیں دے دی جائیں کہ وہ انھیں اپنے گھر کے چاروں طرف لگائے یا ایسے کھیتوں میں لگائے جو اس کے گھر سے سب سے نزدیک ہوں۔ گھر کے پاس کے کھیتوں میں لگانے کے لئے اس لئے کہا جا رہا ہے کہ پودوں کے بچپن میں یا اُن میں پھل لگ جانے کے بعد اسے اُن کی دیکھ بھال کرنے کے لئے کوئی آدمی نہ نوکر رکھنا پڑے۔

اس طرح جب ہر گاؤں والے کے پاس ایک طرح کے پھل کے دس سے لیکر تیس تک درخت ہوں گے تو سارے گاؤں میں، جس اندازاً بیس کسان ہوں گے، ۲۰۰ سے لے کر ۶۰۰ تک درخت ایک طرح کے پھل کے ہوں گے۔ اور اس طرح ۴۰ سے ۵۰ گاؤں تک کے رقبے میں ۸۰۰۰ سے لے کر ۴۸۰۰۰ تک اس پھل کے درخت ہوں گے۔

ان پھلوں کو بیچنے کے لئے ایک رقبے کے سب گاؤں والے ایک پنچایت بنا لیں۔ یہ پنچایت پھلوں کو جمع کرے اور جہاں اُن کی ضرورت ہو، وہاں بھیج دے۔

اسی طرح ایک دوسری پنچایت اس سے بڑی بنائی جائے جس کا کام یہ ہو کہ وہ پھلوں کو ڈبوں میں بند کرے، جام، اچار، مربے اور چٹنیاں بنائے یا پھلوں کو سائنٹفک طریقے سے سکھائے۔

جن لوگوں نے کمایوں کے پھلوں کو سکھانے کی کوشش کی ہے وہ اب تک اپنے طریقوں میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ ان حصوں میں پھل سکھانے کا سب سے اچھا طریقہ یہی ہے کہ انھیں ٹھنڈک میں سکھایا جائے۔ اس میں کچھ سائنس کے طریقوں کی مدد کی ضرورت ہو گی۔ اگر بھوالی کو اس طرح کا مرکز بنایا جائے تو یہ جگہ اس کام کے لئے سب سے اچھی ثابت ہو گی اس لئے کہ یہ نینی تال سے بھی قریب ہے اور الموڑہ سے بھی اور یہاں نینی تال سے بجلی کی طاقت بھی لائی جا سکتی ہے۔

ہم اس جگہ اس کے متعلق مفصل اسکیم نہیں پیش کرنا چاہتے لیکن اگر ضرورت ہوئی تو آئندہ ایسا کریں گے۔

دیا کرشن پانڈے

گاؤں سدھار سینٹر بگھولیہ

۱۱ اکتوبر کو ہز اکسلنسی گورنر نے بگھولیہ گاؤں کے گاؤں سدھار سینٹر کا معائنہ کیا تھا۔ یہ تصویر اُسی وقت کی ہے۔ اس میں ہز اکسلنسی گاؤں کی بنی چیزیں دیکھ رہے ہیں۔

(دیہاتوں سے تعلق رکھنے والے سب سوالوں کا جواب بذریعہ ڈاک بھیجا جائیگا۔ شرط صرف یہ ہے کہ سوال کرنے والے جوابی کارڈ بھیجیں۔ جو سوال عام لوگوں کی دلچسپی کے ہوں گے وہ اور ان کے جواب یہاں بھی نام اور پتے کے ساتھ چھپیں گے لیکن ہر حالت میں سوال کرنے والوں کو اپنا نام اور پتہ صاف صاف لکھنا چاہئے ،

پپیتا

سوال: میں نے سنا ہے کہ پپیتے کا پیڑ سال ہی بھر میں تیار ہو جاتا ہے اور اس میں پھل لگنے لگتے ہیں۔ میرے پاس تھوڑی سی زمین ہے۔ میں اس میں پپیتے کا پیڑ لگانا چاہتا ہوں۔ مہربانی کرکے مجھے بتایئے کہ میں کیا کروں؟

جواب۔ پپیتے میں نر اور مادہ پیڑ الگ الگ ہوتے ہیں۔ نر پیڑ میں صرف پھول لگتے ہیں۔ اچھا پھل حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ جہاں ۲۵ مادہ پیڑ ہوں وہاں کم سے کم ایک نر پیڑ ضرور لگایا جائے اگر نر پیڑ نہ لگائے جائیں گے تو پھل پھوٹے ہوں گے اور ان میں بیج نہ ہوگا۔ پپیتے کا پودا بیج سے تیار ہوتا ہے۔ بیج برسات کے شروع میں بودینا چاہئے اور جب پودا ا۱/۲ یا ۲ فٹ اونچا ہو جائے تو اُسے کھیت میں لگانا چاہئے۔ ہر دو پیڑوں کے درمیان کم سے کم دس فٹ کا فاصلہ ہونا چاہئے اور قریب ا۱/۲ فٹ کے گھیرے میں ایک اچھا گھیرا بنا کر اور سڑی گلی ہوئی کھاد ڈال کر اُس میں پیڑ لگانا چاہئے۔ شروع میں پیڑ بہت اونچا نہیں جا سکتا۔ اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بہت سے نر پیڑ نکل آتے ہیں۔ ان کی جگہ بھرنے کے لئے مادہ پیڑ الگ سے تیار رکھنا چاہئیں۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ نر پیڑ کا سر کاٹ دینے سے وہ مادہ ہو جاتا ہے لیکن یہ بات بالکل صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ پیڑ میں بہت سی شاخیں نہ نکلنے دینی چاہئے یا کوئی شاخ نکلے تو اُسے کاٹ دینا چاہئے تاکہ پھل بڑے لگیں۔ اگر پھل بہت گھنے لگیں تو کچھ کو توڑ دینا چاہئے۔ اچھی زمین پر پودے لگانے سے سال بھر میں پھل آنے لگتے ہیں۔ دوسرے اور تیسرے سال سے پھل اچھے آتے ہیں۔ چوتھے سال اُن پیڑوں کو کاٹ دینا چاہئے اور مناسب تعداد میں کھاد ڈال کر نیا پودا لگانا چاہئے۔ پپیتے کے پھل کو پیڑ پر پکنے دینا چاہئے۔ جب نیچے کا حصہ زرد نظر آنے لگے تو پھل کو توڑ لینا چاہئے۔ اگر پپیتے کا پیڑ بیچنے کے لئے لگایا گیا تو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ پھل بڑے اور وزنی ہوں اور وہ اس طرح رکھ کر بازار میں بیچے جائیں کہ رگڑ سے خراب نہ ہوں۔

گایوں کو کتنا نمک دینا چاہئے؟

سوال۔ گائے کو نمک کب اور کتنا دینا چاہئے؟

جواب۔ گائے کے جسم کو بھی آدمی ہی کے جسم کی طرح نمک کی ضرورت پڑتی ہے۔ آدمی اپنی ضرورت کے حساب سے نمک کھا لیتا ہے لیکن گائے اپنی ضرورت کو نہیں بتا سکتی۔ اس لئے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ لوگ گائے کے منہ میں زبردستی مٹھی بھر کر نمک ڈال دیتے ہیں۔ گائے کو نمک کھلانے کا طریقہ

ٹھیک نہیں ہے سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ گوشالے میں یا جہاں بھی گائے باندھی جائے وہاں لکڑی کے ایک کھلے بکس میں سیندھا نمک جسے لاہوری نمک بھی کہتے ہیں۔ ایک دس گیارہ سیر کا ڈلا رکھ دیا جائے۔ گائے کو جتنے نمک کی ضرورت ہوگی وہ اسی ڈلے کو چاٹ کر اپنی ضرورت پوری کرے گی۔ وہی ڈلا نمبروار سب گایوں کے پاس رکھا جا سکتا ہے گائے کو نمک کھلانے کا سب سے اچھا طریقہ یہی ہے۔

سماجی مسائل

سوال۔ میں نے اپنے لڑکے کی شادی بچپن میں کر دی تھی۔ اب وہ بڑا ہوا ہے اور مجھے معلوم ہوا کہ وہ کسی کام کا نہیں ہے میں نے اُسے پڑھانے لکھانے کی بھی کوشش کی لیکن وہ پڑھ لکھ بھی نہ سکا۔ کھیتی کا بھی کوئی کام نہیں جانتا۔ اکثر وہ گھر میں دنگا فساد کیا کرتا ہے اور اپنی بیوی کو پیٹتا ہے۔ اب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔ کیا آپ کوئی ترکیب بتا سکتے ہیں؟

جواب۔ آپ کے خط سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ آپ اپنے لڑکے کو چھوٹی عمر سے اس بڑی عمر تک درست نہیں کر سکے۔ لڑکے کو درست کرنے کی کوئی ترکیب بتانا کوئی آسان کام نہیں ہے لیکن اب آپ اس کے ساتھ دوست کا سا برتاؤ کریں اور غصے یا ڈانٹ ڈپٹ سے کام نہ لیں۔ آپ یہ دیکھیں کہ وہ کیوں خراب ہو گیا ہے؟ کیوں کوئی کام نہیں کرتا اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ جسمانی بیماریوں کی وجہ سے بھی ایسی باتیں کرنے لگتے ہیں اگر اُسے کوئی مرض ہو تو اُس کا علاج ہونا ضروری ہے۔ آپ کو اس بات پر نظر رکھنی چاہئے کہ اس کا دل کس کام میں لگتا ہے۔ اگر یہ کام ایسا ہے کہ وہ اُس سے اپنی روزی کما سکتا ہے تو آپ کو یہ کوشش کرنی چاہئے کہ لڑکے کیلئے جو لڑکی اپنے گھر میں لائے ہیں اُس کی زندگی اچھی بنے۔ اور وہ اس قابل ہو جائے کہ وہ اپنی روزی کما سکے۔ اسے کسی نہ کسی کام میں لگانا لازمی ہے جیسے گھر گرہستی کا کام، کھیتی کا کام، سلائی بنائی کا کام وغیرہ۔ اور اگر وہ لڑکی پڑھی نہ ہو تو آپ کو یہ بھی کوشش کرنی چاہئے کہ وہ لڑکی پڑھ لکھ جائے اور آپ کی گرہستی سنبھالنے کے لائق ہو جائے۔

سوال۔ میں ایک معمولی کسان ہوں۔ ورناکیولر مڈل میں نے ۱۹۲۶ء میں پاس کیا تھا۔ میں مدرسی پانے کی برابر کوشش کرتا رہا۔ لیکن مجھے مدرسی نہیں ملی۔ پھر میں کانگریس کی تحریک میں شامل ہو گیا۔ اور اب تک اسی میں ہوں۔ میرا خیال بالکل بدل گیا ہے۔ میں موٹا کام بھی کر سکتا ہوں اور سادہ زندگی بسر کرنا بھی اچھا سمجھتا ہوں لیکن میری بیوی بالکل پرانے خیال کی ہے اور گہنوں کے لئے دنگا فساد کرتی رہتی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔ گھر کے بزرگوں کی وجہ سے میں اُسے سبھاؤں یا جلسوں میں نہیں لے جا سکتا کہ اس کی حالت درست ہو۔ کیا آپ مجھے کوئی ترکیب بتا سکتے ہیں؟

جواب۔ اگر آپ کی بیوی اتنا نہیں سمجھتی اور آپ کا کہنا نہیں مانتی اور آپ اس کی خواہشوں کو پورا نہیں کر سکتے تو ترکیب یہی ہے کہ آپ اس سے کچھ دن دور رہیں اور اس کو یہ سمجھنے کا موقع دیں کہ آدمی کی محبت کی قیمت، گہنوں سے زیادہ ہے۔ گاؤں کی اور عورتوں کے پاس، جن کے پاس گہنے کی کمی ہے، اُسے اُٹھائیں بٹھائیں۔ تاکہ وہ دیکھ سکے کہ صرف اسی کے پاس نہیں بلکہ اور عورتوں کے پاس بھی گہنے کی کمی ہے۔ اور اس طرح دوسروں کی حالت دیکھکر اُسے صبر ہو سکے گا اور پھر وہ آپ سے گہنوں کے لئے نہیں لڑے گی۔

آنریبل پنڈت گوبند بلبھ پنت جھانسی میں کسانوں کی ایک سبھا میں لکچر دے رہے ہیں۔

آرگنائزرس ٹریننگ کیمپ میرٹھ میں آنریبل ڈاکٹر کیلاش ناتھ کاٹجو۔

گاؤں سدھار
ٹریننگ کیمپ
کانپور

بیچ میں گاؤں سدھار کے ۲ نظارے

(۱) کھیتوں کے بیچ سے اونچا راستہ نکالا جا رہا ہے۔

(۲) زمین برابر کی جا رہی ہے۔

گوراگاؤں (ضلع پرتاپ گڑھ) کے بیچ گھر کے سامنے ڈاکٹر کاٹجو لکچر دے رہے ہیں۔

برہنی گاؤں (ضلع پرتاپ گڑھ) میں کوآپریٹو سوسائٹی قائم کرنا۔

(اکتوبر ۱۹۳۹ء کے کام کی تفصیل)

اس مہینہ میں صوبہ بھر میں زراعتی کام سب سے زیادہ ہوا اور محکمہ کے سب کام کرنے والوں نے اپنی توجہ اس کام میں لگائی کہ وہ دیہات کے لوگوں کو بیج گھروں کے بارے میں بتائیں اور ان سے کہیں کہ ان کی مدد سے کس طرح وہ اپنی پیداواروں کو اچھا بنا سکتے ہیں۔ ضلع کے اہلکاروں نے محکمہ زراعت کے لوگوں کے ساتھ مل کر کام کیا اور کسانوں کو ربیع کے عمدہ بیج اور نئے قسم کے اوزار استعمال کرنے کی طرف بہت توجہ دلائی اور اس بات پر بھی زور دیا کہ وہ اپنے کھیتوں کو آئندہ سے اس طرح جوتیں بوئیں جیسے زراعت کے محکمہ کے لوگ ان سے کہیں۔ گاؤں سدھار کے محکمے کے لوگوں نے بیج گھروں کے نئے اہلکاروں اور کسانوں کو ایک دوسرے سے ملانے میں بہت مدد کی۔ وہ کسانوں کے گھروں اور ان کے کھیتوں پر گئے اور ان سے کہا کہ ان لوگوں کو ان نئے اہلکاروں سے ہر طرح کی مدد لینی چاہئے۔ اس بات کی کوشش کی گئی کہ ہر آرگنائزر کے حلقے میں کم از کم ایک گاؤں ایسا ضرور ہو جس میں پرانے بیجوں اور بونے جوتنے کے طریقوں کو چھوڑ کر، نئے طریقوں سے بوائی اور جتائی کی جائے۔

اچھے بیج تقسیم کرنے کے علاوہ اس بات کی کوشش بھی کی گئی کہ جتنے زیادہ کھیتوں میں ممکن ہو سکے کھیتی باڑی کے نئے طریقوں کی نمائش کی جائے۔ اور کسانوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ اپنے کھیتوں میں ان نمونوں کے مطابق کام کریں، جو محکمہ زراعت کے لوگوں نے تیار کئے ہیں کسانوں نے کافی تعداد میں اس بات کو خوشی سے منظور کر لیا۔

دسہرہ اور دیوالی کے موقع پر گاؤں سدھار محکمہ کے آدمیوں کو اس بات کا بہت اچھا موقع ملا کہ وہ نئی نئی سماجی دلچسپیاں پیدا کریں اور لوگوں کے گھر اور رہنے کی جگہ صاف کرنے کی عادت ڈالیں۔ اچھے رہن سہن کے طریقوں کی نمائش، دنگل، طرح طرح کے کھیل کود اور مقابلے کے کھیل دسہرہ کے میلے کے موقع پر بہت سی جگھوں پر کئے گئے۔ اور کہیں کہیں ان موقعوں پر گاؤں سدھار کے بارے میں اچھے اچھے لکچر دئے گئے۔

دسہرہ کی رات کو سماجی اور تعلیمی سبق سکھانے کے لئے ڈرامے کئے گئے۔ اور گرام سدھار کے محکمہ والوں نے میلے کے انتظام کرنے والوں کو میلے کے اچھا اور دلچسپ بنانے میں بہت مدد دی۔ دسہرہ میں اس محکمہ نے جو کچھ کیا اس سے لوگوں کے دلوں میں عام طور پر اس محکمہ کی طرف سے خیال اور محبت پیدا ہو گئی۔ اور اس سے انھیں اپنے اصل کام میں بہت مدد ملی اور دیوالی کے موقع پر انھوں نے گھروں اور رہنے کی جگھوں کی صفائی کے کام میں بہت کامیابی حاصل کی۔

عام طور پر سارے صوبہ میں، اچھے رہن سہن کی سوسائٹیاں قائم کرنے، نئے ممبر بھرتی کرنے، زراعتی کاموں میں مدد دینے، اچھے بیج اور اوزار حاصل کرنے، غلّے کو بیچنے، قرض دینے، تندرستی

کے قاعدے بتانے وغیرہ کا کام بڑے جوش کے ساتھ ہوا مہینے
کا آخری حصہ نومبر کے پہلے ہفتے میں گاؤں سدھار ہفتہ منانے کے
انتظام میں خرچ کیا گیا۔

اس مہینے کے شروع میں میں کام سیکھنے والوں کا ایک
۴۳ کا جتھا میرٹھ، اٹاوہ، کلیان پور (کانپور) نینی (الہ آباد)
نرتد گنج (گورکھپور) اور گورکھپور میں داخل ہوا۔ اور پہلے جتھے
کے کام سیکھے ہوئے لوگ اپنے اپنے کاموں پر چلے گئے۔

گنگا گھاٹ (اناؤ) اور رنیوا (فیض آباد) میں دو
اسکول قائم کرنے کا انتظام کیا گیا، جہاں بچوں کو سوت اور
اون کاتنا، رنگنا، چھاپنا، کپڑا، دری، نواڑ اور کمبل بننا، مونج
کی چٹائیاں بنانا، بڑھئی کا کام، چمڑے کی رنگائی، چمڑے کا
سامان بنانا، ہاتھ سے کاغذ بنانا، اور ٹوکریاں بنانا سکھایا جائیگا۔
ضلع کی گاؤں سدھار ایسوسی ایشنوں نے ہر ضلع سے تین آدمی
چھانٹے اور اس کے بعد ۱۰۰ آدمی ایک خاص کمیٹی نے ہیڈکوارٹر
پر چھانٹے اور اُن لوگوں سے کہا گیا کہ وہ گنگا گھاٹ اور رنیوا
پہنچ کر کام سیکھنا شروع کر دیں۔

محکمے نے یہ بھی انتظام کیا کہ محکمہ صنعت وحرفت کے ساتھ
مل کر وہ کمایوں سے ایک ہزار من اون خریدے تاکہ وہاں اون
کی تجارت کو ترقی ہو۔ یہ اون کمایوں کے تین ضلعوں میں تقسیم کیا
جائیگا۔ اس کا بھی انتظام کیا گیا ہے کہ تاری گھاٹ، کھالی
(ضلع الموڑہ) اور نرائن نگر (نینی تال) میں اون کاتنے اور بننے
کے مرکز بنائے جائیں۔

ہیڈکوارٹر پر "پنچایت گھر" کا نمونہ بنایا گیا اور اسکی تفصیل
صوبہ بھر میں تقسیم کی گئیں۔ اور اس بات کی ہدایت کی گئی کہ ہر گاؤں سدھار
مرکز پر کم از کم ایک نقشہ ضرور پہنچ جائے۔ اس کی لاگت کا
تہائی حصہ گاؤں کی سوسائٹی دے اور باقی دو تہائی
سرکار۔

ہر کمشنری میں جو کچھ کام ہوا، اس کی تفصیل نیچے کے نقشے
میں دیجاتی ہے۔

اکتوبر کے مہینے میں گاؤں سدھار کے محکمہ کے کام کی تفصیل

۱۔ آرگنائزیشن	میرٹھ	آگرہ	روہیلکھنڈ	الہ آباد	بنارس	جھانسی	گورکھپور	کمایوں	لکھنؤ	فیض آباد	میزان کل صوبہ کا
رہن سہن کی سوسائٹیاں۔											
جتنی قائم ہوئیں۔	۱۱	...	۸	۱۷	۶	...	...	۵۰	...	۳۷	۱۲۹
جتنی رجسٹری ہوئیں۔	...	۵	۵۰	---	۶(۹)*	...	...	...	۱۴	...	۷۵
رہن سہن کی یونین۔											
جتنی قائم ہوئیں۔	...	...	...	...	...	...	...	...	...	...	...
جتنی رجسٹری ہوئیں۔	...	...	...	...	...	...	...	...	...	...	...
فراہمی سوسائٹیاں جو قائم ہوئیں۔	...	۲	...	۷	۳	...	۱۷	۵	۸	۶	۴۳
فروختگی کی سوسائٹیاں جو قائم ہوئیں۔	...	۲	...	...	۳	...	...	...	۳	۳	۱۱
قرض کی سوسائٹیاں جن کی رجسٹری ہوئی۔	...	...	۲	...	...	...	...	...	...	...	۲
دوسری سوسائٹیاں جو قائم ہوئیں۔	...	...	...	...	...	...	...	۲۵۰	۲۷	...	۲۷۷

(۲) زراعت	میرٹھ	آگرہ	روہیلکھنڈ	الہ آباد	بنارس	جھانسی	گورکھپور	کماؤں	لکھنؤ	فیض آباد	میزان
جتنے کھاد کے گڑھے کھودے گئے	۳۲	۲۰۲	۵۹	۲۸۷	۴۸۴	۷۸	۲۸۳	۱۲۷	۹۴۳	۹۶۲	۲۸۶۶
پیشاب جمع کرنے کے گڑھے	۲۰	۸۱	۱۸	۲۰	۲۰۵	...	۲۱۷	۲۳۹	۲۲	۲۴۸	۱۰۷۰
آبپاشی کے کنوئیں تعمیر یا مرمت	۱	۲	...	۵	۱۲۵	۳	...	۲۵	...	۳	۱۶۴
آبپاشی کے کنوئیں بنے	۱۶	...	۷	...	...	...	۲	...	...	...	۲۵
تالاب جو بنے	...	...	...	...	...	۹	۱	...	...	...	۱۰
نئے اوزار جتنے گاؤں میں رائج کئے گئے	۱	۲۵	۸۲	۱۰	۱۱	۱۴	۲۷	۳	۸۳	۱۷	۳۵۳
اچھی نسل کے بیل فراہم ہوئے	..	۳۳	...	...	...	۱۴	...	...	۱	۱	۴۹
اچھے جانور دئے گئے	...	۱۳۳	۲۱	...	۱۰	۷۶	۳۴	...	...	۱۴۴	۳۸۰
بیل آختہ ہوئے	...	۹۱	۱۷	۵۳	۵۵	...	۱۲	...	۶۲	۱۷	۳۰۷
بیمار جانوروں کا علاج ہوا	...	۸۷۵	۴۵۷	۳۱۶	۲۱۳	...	۳۸۲	...	۱۵۲	۱۲۰	۲۳۱۵
نمائشیں ہوئیں	...	...	۸۴	۳۰	۱۸۱	...	...	...	۲۳۳	۲۵۲	۷۸۰
نرسریاں کھولی گئیں	...	...	۱۰	۱	۱۷	۱۲۸	...	...	۱	...	۱۵۷
پھلوں کے پودے لگائے گئے	...	۱۰۰۰	۳۰۷۳	۱۰۰۰	۲۳۶۷۵	...	۹۹۲	...	۹۷	۳۵۳	۲۷۴۸۹
جس زمین میں پھلوں کی کاشت ہے (ایکڑوں میں)	...	...	۱۵	۵	۲۰۰	...	۷	...	...	...	۲۲۷
ایندھن کے درخت لگائے گئے (ایکڑوں میں)	...	۱۵۰	...	۶	۸	۳۰۰	...	...	۱۲	۶	۴۸۲
اچھے بیج (ایکڑوں میں)	...	...	...	...	...	...	...	...	...	...	...
ربیع کے بیج دئے گئے (من)	۳۲۸۸	۱۷۲۱۲	۶۰۷۷	۱۰۳۵۶	۷۶۵۹	۶۵۷۹	۱۱۲۷۷	۱۳۸۵	۷۷۷۷	۷۴۸۳	۷۹۷۹۳
خریف کے بیج دئے گئے (من)	...	...	...	...	۱۰	...	۴۳۰	۳۰۰	...	...	۷۴۰
(۳) حفظان صحت											
گندگی کے گڑھے بنے	۱۶	۱۴۴	۲۳	۴۲۶	۱۷۰	۶۲۲	۱۳۰	۲۶	۲۳۷	۳۵۶	۲۰۵۰
ہوا کے راستے بنے	۱۶	۱۰۴	۵۹	۴۱	۲۹۶	۵۲	۷۰	۱۲	۶۲	۱۳۹	۸۷۱
کنوئیں حفظان صحت کے مطابق بنے	۱۷	۴۴	۴۸	۴۵	...	۲	۳	۸۵	۲	...	۲۴۶
عام غسل خانے یا گھیرے	..	۲۶	۲	۱	۱۴	...	۶	...	۱۹	۲۱	۹۹
نالوں کی لمبائی (گزوں میں)	۱	۵۸۹	۱۳۹	۴	۳۵۵	۵	۲۸۵	۱۴	۱۸۴	۴۰	۱۶۱۶
سور باڑے آبادی سے دور کئے گئے	...	۴	۳	۳۴	۱۹	...	۴	...	۲۸	۱۲	۱۰۴
گھورے صاف کئے گئے	۱۱۵	۷۲۱	۲۳۳	۳۹۱	۱۴۶۲	۴۰۹	۲۲۰۱	۴۱۹	۵۷۹	۷۸۴	۷۳۱۲
پاخانے بنائے گئے	...	۵	...	...	۶	...	۸	۱۹۳	۲	۹	۲۲۳
پیشاب خانے بنائے گئے	...	۱۷	۲	۴	۱۲	۳۵	۴۲	۸۲	...	۱۱	۲۰۵
کھنڈر ہموار کئے گئے	...	۱۷۰	۱۳	...	...	...	...	...	...	...	۱۸۳

	میرٹھ	آگرہ	روہیلکھنڈ	الہ آباد	بنارس	جھانسی	گورکھپور	کمایوں	لکھنؤ	فیض آباد	میزان
گڈھے بھرے گئے۔	...	...	...	...	۵۸۷	۹۳	۲۸۹	...	۴۳	۵۶	۱۰۳۸
راستے صاف کئے گئے	...	۱۳۸	۷۳	۲۹	۸۰	...	۷۴	...	۱۳۳	۱۳۹	۶۶۶
گاؤں صاف کئے گئے	...	۱۷۰	۴۶	۳۰	۳۶۱	...	...	۱۹۶	۸۷	۲۱۵	۱۱۰۵
دوا کے بکس تقسیم ہوئے	۶	...	۵۳	۲	...	۷۲	...	۲۷	۴۰۴	۱۱	۵۷۵
ٹیکے لگے	۷۲۸	۱۲۹	۳۳۰	۸۷۶	۵۰۳	۸۹	۸۰۴	۷۷۱	۱۰۰	۷۲۰	۵۰۵۰
مریضوں کا علاج	...	۱۲۲	۴۲۱۴	۲۱۷۶	۴۱۵۵	۲۵۰۶	۳۹۹۴	۵۲۴	۴۷۰۷	۴۹۲۸	۲۷۱۵۶
دائیوں کو تعلیم دی گئی	۴	۳۳	۷	۱	۱۹	...	۲۳	۱	۳۰	۲۰	۱۳۸
فرسٹ ایڈ کی تعلیم دی گئی	...	۵۲	...	۹۲	۱۴۴	۱۵۰	۱۱۵	۲۳	۳۵	۲۰	۹۰۱
زچہ بچہ گھر کھولے گئے	...	۱۵	۱	...	...	...	...	...	...	۱۳	۲۹
۴ - پرچار اور تعلیم											
جلسے ہوئے	۱۲۱	۳۸۵	۲۹۴	۳۴۱	۵۶۹	۱۱۰	۲۶۷	۳۴۶	۳۲۲	۴۵۰	۳۲۰۵
نمائشیں ہوئیں	...	۲۱	۱	۱	۲۷	...	۲	۱	۲۴	۲۷	۱۰۷
ڈرامے ہوئے	۵	۱۹	۲	۲	۱۲۴	...	۹۸	۳۹	۱۶	۴۹	۳۵۴
بھجن منڈلیاں بنائی گئیں	۵	۵۵	۴	۳۰	۴۱	...	۲۲	۳	۶	...	۱۶۶
کتب خانے کھولے گئے	۴	۱۹	۶	۵۴	۴۳	...	...	...	۷	...	۱۳۳
کلب قائم کئے گئے	...	۲۵	...	۲	...	...	...	...	...	...	۲۷
مدرسے بالغوں کے لئے	۱۳۴	۱۹۳	...	۲۷	۴۵۰	۱۰۴	۲۱۹	۱۰۹	۸۱	...	۱۳۱۷
مدرسے لڑکیوں کے لئے	...	۶	...	...	۲۱	...	۲۰	...	۶	۱۳	۶۶
سیوادل بنائے گئے	۲۶	۳۰	۴	...	۹۶	۲۸	۹۳	۲۵	۶	۱۸۲	۴۱۰
اسکاؤٹوں اور گرام سیوکوں کو تعلیم دی گئی	۳	۳۷۵	۸۴	۵۸	۱۸۶	۲۷	۲۳	۵۲	۸۴	۲۱۳	۱۱۰۵
ریڈیو لگائے گئے	...	...	...	...	...	...	...	...	۱	...	۱
کھیل اور میچ ہوئے	...	...	...	...	۷	...	...	۱	۱۰	...	۱۸
۵ - متفرق کام											
پنچایت گھر	...	...	...	...	۲	...	...	۵	۲	۲	۱۱
نمونے کے گھر بنائے گئے	...	...	...	...	۶	...	...	...	۷	۶	۱۹
گھریلو صنعتیں شروع کی گئیں	...	...	...	...	...	...	...	...	...	...	...
صنعتی کاموں کے لئے آدمیوں کو تعلیم دی گئی	۶	۲۲۴	۳۳	۵	۵۳	...	۱۷۶	۶۲	۳۵	۱۳۵	۷۲۹
صنعتی کاموں کی ابتدا ہوئی	۲	۲۵	..	۳	۱۰۴	...	۱	۹۲	۱۳	۱۰۰	۳۴۰

گاؤں کی غریبی اور بیکاری کیسے دُور ہو؟

گاؤں کی غریبی اور بیکاری کیسے دور ہو؟ یہ سوال سب ہی صوبوں کی کانگریس حکومتوں کے سامنے ہے اور وہ کسانوں کی ترقی کے لئے ہر طرح کی کوششیں کر رہی ہیں قانون بنانے والی کاؤنسلوں میں اس طرح کے قانون پیش ہیں جن سے کسانوں کو کھیتی میں آسانی ہو لگان میں کمی ہو، روپیہ سستا سود پر ملے اور وہ معمولی مفید کام سیکھ کر اپنی آمدنی بڑھا سکیں۔ انھیں باتوں کو سامنے رکھ کر تعلیم میں بھی اصلاح کی جا رہی ہے اور یہ کوشش ہو رہی ہے کہ کسانوں کے بچے پڑھ لکھ کر بیکار نہ ہوں، بلکہ ایسے کام سیکھیں جن سے وہ اپنا پیٹ پال سکیں۔ صرف نئے قانونوں کو بنانے سے یا پُرانے قانونوں میں اصلاح ہو جانے سے ہی گاؤں کی غریبی اور بیکاری دور نہیں ہو سکتی۔ یہ تو اسی وقت دُور ہو سکتی ہے جب گاؤں والے نئے قانونوں سے فائدہ اٹھا کر خود ان باتوں کو دور کرنے کی کوشش کریں۔

مہاتما گاندھی نے کھادی پر سب سے زیادہ زور اس لئے دیا ہے کہ اس سے گاؤں والوں کو کام ملے گا۔ جن جن گاؤں کے لوگ چرخہ چلاتے ہیں اُن گاؤں میں نئی طرح کی زندگی دکھائی دیتی ہے۔ ابھی پچھلے دنوں جب گاندھی جی پیشاور گئے تھے اور وہاں انھوں نے کھادی کی نمائش کا افتتاح کیا تھا اُس وقت چرخہ سنگھ پنجاب کے ایجنٹ ڈاکٹر گوپی چند بھارگو نے اپنی تقریر میں کچھ ایسی باتیں کہی تھیں جن سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ صرف کھادی کا رواج ہو جانے سے گاؤں والوں کی بیکاری کہاں تک دور ہو سکتی ہے اور ان کی آمدنی کس قدر بڑھ سکتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے بتلایا ہے کہ ۱۹۳۲ء میں چرخہ سنگھ ملک کے مختلف حصوں میں ۶۰۲۹ گاؤں کی خدمت کرتا تھا اور ۱۹۳۷ء میں یہ تعداد بڑھ کر ۲۰۰۰۰ تک پہنچ گئی اور کاتنے والوں اور جلاہوں کی تعداد قریب ۲ لاکھ تک پہنچ گئی اور اس سال تو یہ تعداد تقریباً ۴ لاکھ ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر صاحب نے ایک بہت ہی مزیدار بات بتائی ہے کہ اس وقت ملوں میں ۵۰ کروڑ سے زیادہ روپیہ لگا ہوا ہے۔ پھر بھی یہ مل صرف ایک لاکھ ۵۷ ہزار آدمیوں کو کام دے سکتی ہے ان کے مقابلے میں چرخہ سنگھ میں ۲۵ لاکھ کی پونجی لگی ہوئی ہے اور یہ سنگھ اتنی ہی پونجی سے ایک لاکھ ۶۰ ہزار آدمیوں کو کام میں لگائے ہوئے ہے۔ گویا ملوں میں جتنے آدمی ۵۰ کروڑ کی رقم سے کام کرتے ہیں اتنے ہی آدمیوں کو صرف ۲۵ لاکھ کی رقم سے چرخہ سنگھ کی مدد سے کام ملا ہوا ہے۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ اگر چرخہ سنگھ کے کام کو اور پھیلایا جائے اور اس کی پونجی بھی بڑھائی جائے تو بہت کافی آدمیوں کو کام مل سکتا ہے۔ ڈاکٹر حسین کی واردھا اسکیم میں بھی چرخے اور کھادی کو پہلی جگہ دی گئی ہے۔ بات تو یہ ہے کہ کھانے کے بعد آدمی کے لئے سب سے ضروری چیز کپڑا ہی ہے اور اگرچہ کھادی مل کے کپڑوں کے مقابلے میں مہنگی پڑتی ہے لیکن جو کسان بیکار ہیں اور جن کے پاس پونجی بہت کم ہے اُن کو کھادی ہر حالت میں سستی ہی پڑے گی۔ کیونکہ ایک تو ان کو کام مل جائے گا اور دوسرے انھیں اپنے کپڑے کی رقم نہ تلاش کرنی پڑے گی۔

کھادی کے علاوہ اور بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے کام ہیں جنکی طرف واردھا اسکیم میں اشارہ کیا گیا ہے۔ جیسے چمڑے کا کام، کاغذ بنانے

کاکام، اور لکڑی کاکام وغیرہ۔ ہل کے اسی نمبر میں ہم دوسری جگہ ٹوکری بنانے کے متعلق ایک مضمون چھاپ رہے ہیں۔ فاضل مضمون نگار نے تصویروں سے یہ بہت اچھی طرح سمجھایا ہے کہ معمولی پرانی، ارہر کی ڈنٹھل اور ایسی ہی دوسری چیزوں سے کس طرح ٹوکریاں بنائی جاسکتی ہیں جن کو اس سے ذرا بھی دلچسپی ہے وہ اس مضمون کو پڑھنے کے بعد اس میں دی ہوئی ہدایتوں کے مطابق ٹوکریاں بنانے کی ضرور کوشش کریں گے۔ تصویروں میں دی ہوئی ٹوکریوں سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان چیزوں سے کتنی خوبصورت ٹوکریاں بن سکتی ہیں اور قریب کے شہروں میں اور بازاروں میں بیچی بھی جاسکتی ہیں جہاں ٹوکریاں بنانیکا سامان آسانی سے مل سکتا ہے۔ وہاں کے لوگ آسانی سے اس کام کو کرسکتے ہیں۔ "ہل" کے اسی نمبر میں ایک دوسرا مضمون ہم گاؤں میں شہد کی مکھیوں کے پالنے کے متعلق چھاپ رہے ہیں۔ یہ روزگار بھی تھوڑی رقم سے بہت اچھے طریقے سے کیا جاسکتا ہے اور ہمیں اُمید ہے کہ جو لوگ اس مضمون کو پڑھیں گے ان میں سے بہت سے لوگ اس سے بھی فائدہ اُٹھانے کی کوشش کریں گے۔

"ہل" کے پڑھنے والے، جو ان مضمونوں کے پڑھنے کے بعد ٹوکریاں بنائیں یا شہد کی مکھیاں پالیں وہ ہمیں اپنے تجربہ کے حالات دیں گے تو ہم اُنھیں خوشی کے ساتھ "ہل" میں چھاپیں گے۔ تاکہ دوسرے لوگ بھی اس سے فائدہ اُٹھائیں۔

ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ ہم دیہات والے اپنے دل میں یہ ٹھان لیں کہ ہم کھیتی کے علاوہ کوئی نہ کوئی ایسا کام ضرور کریں گے جس سے چار پیسے ملنے کی امید ہو۔ ہماری کوئی نہ کوئی ضرورت دور ہو۔ اب تک گاؤں میں جو بیکاری بڑھتی گئی اس کی یہ بھی وجہ تھی کہ گاؤں والوں کو مناسب صلاح دینے کے لئے نہ تو کوئی زبردست جماعت تھی اور نہ سرکار ہی کی طرف سے کوئی کوشش ہوتی تھی۔ اب وہ زمانہ نہیں رہا۔ ملک میں بہت سی ایسی جماعتیں کام کر رہی ہیں، جو گاؤں والوں کو مناسب مشورے دے سکتی ہیں اور سرکار کی طرف سے بھی ہر جگہ ایسا انتظام کیا جارہا ہے، جہاں لوگوں کو اسکے متعلق مناسب باتیں بتائی جاسکتی ہیں۔ اسلئے اب اگر ہم اپنے دل میں ٹھان لیں اور ہم اپنی حالت کو درست کرنے کی کوشش کریں تو ہمارے لئے یہ کہنے کا موقع نہیں رہ سکتا کہ ہمیں کوئی مشورہ دینے والا اور ہمت دلانے والا نہیں ہے۔

پنچایت گھر

جناب ایم۔ ڈی۔ چترویدی صاحب آئی۔ ایف۔ ایس۔ سول ڈیولپمنٹ افیسر نے گاؤں میں پنچایت گھر بنانے کی ایک اسکیم تیار کی ہے۔ یہاں ہم اسکے کچھ حصے درج کرتے ہیں۔

دیہاتیوں کے سہولت کے لئے گاؤں میں پنچایت گھر بنانے کا انتظام ہو رہا ہے۔ اس طرح کے پنچایت گھر گرام سدھار کی ضرورتوں کو کسی حد تک ضرور پورا کرینگے۔ اسکے لئے ایک خاص کمرہ ہوگا جس میں آسانی سے پنچایت کی بیٹھکیں ہوسکیں گی۔ اس پنچایت گھر میں دو اور چھوٹے کمرے ہونگے جن میں سے ایک میں بیج اور دوسرے میں کتب خانہ، دوائیں اور متفرق چیزیں رکھی جائیں گی۔ آگے ایک برآمدہ ہوگا جس کے سامنے ایک چبوترہ بھی ہوگا۔

گاؤں کے نزدیک جو سب سے اچھی جگہ ہو وہاں پر پنچایت گھر بننا

برہنی گاؤں (ضلع پرتاب گڈھ) کے پنچایت گھر کا نام پروفیسر ودما کے نام پر ایس۔ کے۔ رودرا کا تنج رکھا گیا ہے

چاہئے۔ اس طرح کا پنچایت گھر گاؤں کی عمارتوں کے باہر ہی ہونا چاہئے اس کا منہ اتر اور پورب کے کونے کی طرف ہونا چاہئے۔ پنچایت گھر کے سامنے کی جگہ ہموار ہونی چاہئے۔ اس میں پھول اور سائے دار پیڑ لگا دینے سے پنچایت گھر کی رونق بڑھ جائے گی۔ ان سایہ دار پیڑوں کے نیچے چبوتروں کا بنا دینا ضروری ہے کیونکہ اُن پر لوگ دوپہر میں بیٹھیں گے۔ پیڑوں کے علاوہ کھلے میدان میں بھی چبوترے بنا دینے چاہئیں تاکہ جاڑے کے موسم میں لوگ

وہاں بیٹھ کر دھوپ کا لطف اُٹھا سکیں۔

پنچایت گھر کی عمارتیں کچی اینٹوں سے بنائی جائینگی، لیکن اس میں بیچ رکھنے والا کمرہ پکی اینٹوں ہی سے تیار کیا جائے گا اور اس کمرے کے اندرونی اور باہری حصّے میں چونے کا گارہ لگایا جائیگا اور باقی عمارت میں گوبری کیجائیگی۔ بڑے کمرے میں کئی الماریاں ہوں گی۔

پہاڑ پور میں محترم پنڈت جی

۱۱ دسمبر کو ہمارے صوبے کے وزیر اعظم پنڈت گوبند بلبھ پنتھ جی نے جالون ضلع کے موضع پہاڑ پور میں کسانوں کی ایک بہت بڑی سبھا میں حصّہ لیا۔ تقریباً ۵۰ ہزار کسان اس جلسے میں جمع تھے اور

آنریبل پنڈت گوبند بلبھ پنتھ

بڑی دور دور سے چل کر آئے تھے۔ اس سے یہ اندازہ ہوسکتا ہے کہ کسانوں میں کس طرح ایک نئی زندگی پیدا ہوگئی ہے۔ اور اپنے کانگریسی وزیر اعظم کو دیکھنے کے لئے وہ کتنی بڑی تعداد میں اور کتنا سفر طے کرکے پہنچ سکتے ہیں۔

پنڈت جی نے ان کسانوں کو بتایا کہ کانگریس کی طاقت کا یہ ثبوت ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اس پر بھروسہ ہے کانگریس اس طاقت کو دن بدن بڑھانا چاہتی ہے۔ اس لئے رعایا کی بھلائی کے لئے سخت کوشش کر رہی ہے اور اگر وہ رعایا کی بھلائی نہ کرسکی تو وہ آفس میں رہ بھی نہیں سکتی۔ کانگریس سرکار کیا کرنے جا رہی ہے؟ اس کے متعلق پنڈت جی نے اپنی تقریر میں بہت کچھ کہا۔

"اس وقت کانگریس سرکار "ٹیننسی بل" پاس کرنے میں لگی ہوئی ہے۔ جس بل کے پاس ہو جانے سے کسانوں کو اپنی زمین پر پشتینی حق مل جائے گا۔ وہ اپنی زمین پر پیڑ لگا سکیں گے۔ اور وہ زمانہ چلا جائے گا جب زمیندار، جب چاہتے تھے کسانوں کو کھیت سے بے دخل کر دیتے تھے۔ اس بل کے پاس ہونے کے بعد کانگریسی سرکار ایک دوسرا قانون بنائے گی جو کسان کو قرض کی چکّی میں پسنے سے بچائے گا۔ اس کے بعد گرام پنچایتوں کا قانون پیش ہوگا۔ پنچایتوں والے قانون کے پاس ہو جانے سے کسانوں کے ہاتھ میں بڑی طاقت آجائے گی۔ سرکار قانونوں کی مدد سے جو کچھ بھی ممکن ہے وہ سب کرنے کے لئے تیار ہے لیکن صرف قانونوں ہی سے لوگوں کی فلاح نہیں ہوسکتی۔ اور ان کی سب مشکلوں کا حل نہیں پیدا ہوسکتا۔ اس کے لئے انھیں اپنے پر بھروسہ رکھکر اٹھنے کی ضرورت ہے۔ اُنھیں کاہلی کو چھوڑ کر نئے ولولے اور نئے طریقے سے کھیتی کے کام میں لگنا چاہیئے اور اپنے فرصت کے وقت کو اُنھیں کسی نہ کسی گھریلو دھندے میں گذارنا چاہیئے۔ تاکہ وہ اپنی آمدنی بڑھا سکیں۔ اس میں شک نہیں کہ لوگ بڑے غریب ہیں لیکن ان کی تعداد بہت ہے اور یہ تعداد ایک بڑی طاقت ہے اور اگر وہ اس طاقت سے فائدہ اٹھا سکیں تو اُن کی زندگی یقیناً آرام دہ اور عمدہ بن جائے گی۔

پنچایت گھر مجھیڑا

جناب ایم۔ ڈی۔ چترویدی صاحب رورل ڈولپمنٹ آفیسر نے پچھلے پہلی اکتوبر کو موضع مجھیڑا ضلع نینی تال میں ایک پنچایت گھر کا افتتاح کیا یہ پنچایت گھر کئی سو روپے میں تیار ہوا ہے۔ اس میں ۱۰ سو روپے گرام سدھار

پنچایت گھر مجھیڑا

الیسوسی ایشن نے دئے ہیں اور باقی موضع مجھیڑا اور آس پاس کے گاؤں والوں نے مل کر لگایا ہے۔ اس پنچایت گھر کی عمارت پکی اور چھت پٹاؤدار ہے۔ اس کو دیکھ کر آسانی سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اگر گاؤں والے آپس میں مل کر اس طرح کے پنچایت گھر بنانا چاہیں تو وہ بہت آسانی سے بنا سکتے ہیں۔ اوپر ہم اس کے متعلق رورل ڈویلپمنٹ افسر صاحب کی تجویز کا ذکر کر چکے ہیں۔ یہ اسکیم انگریزی میں چھپی ہے۔ اور اس میں پنچایت گھر کا نقشہ بھی دیا گیا ہے۔ جو لوگ چاہیں وہ اس کے متعلق براہ راست گرام سدھار افسر لکھنؤ کو ایک خط لکھ کر یہ نقشہ منگا سکتے ہیں، یا اس کے متعلق اور معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔ دیہاتوں میں پنچایت گھروں کی بڑی ضرورت ہے۔ اگر اس طرح کے پنچایت گھر قائم ہو گئے تو دیہات کی زندگی میں ایک بہت بڑا فرق ہو جائے گا۔ ہم مجھیڑا گاؤں کی محنت اور ان کے آپس میں مل کر ایک عمدہ عمارت کھڑی کر لینے کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

ہمیں اُمید ہے اور ضلعوں کے کسان بھائی بھی موضع مجھیڑا کے لوگوں کی پیروی کریں گے۔

کھیتی اور دستکاری کی نمائش

اکتوبر کے پہلے ہفتے میں بیجناتھ، ضلع الموڑہ میں گرام سدھار الیسوسی ایشن اور بیجناتھ کانگریس منڈل کی طرف سے ایک کھیتی اور دستکاری کی نمائش ہوئی تھی۔ نیچے ہم اس نمائش کا مختصر حال درج کرتے ہیں۔

الموڑہ کی ضلع الیسوسی ایشن نے ۰۰ روپئے کی قیمت کے ترکاریوں کے بیج، ضلع کے چار گاؤں سدھار کے مرکزوں پر کسانوں کو دئے۔ ستمبر اور اکتوبر کے مہینے میں چار نمائش ہوئیں جہاں ان بیجوں کی پیداوار یں لوگوں کو دکھائی گئیں۔ ان میں سے ایک نمائش بیجناتھ کے مقام پر ہوئی، جو الموڑہ سے ۴۴ میل دور ہے۔

رورل ڈویلپمنٹ افیسر صاحب، مسٹر ددھرم ویر آئی۔ سی۔ ایس۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ، گنگا بابو، ممبر آل انڈیا کانگریس کمیٹی، بمبئی کے مسٹر اور مسنر باٹلی والے، کپتان بینٹ سکریٹری رورل ڈویلپمنٹ ایسوسی ایشن اور وائس پریسی ڈنٹ ضلع کانگریس کمیٹی اور ڈویژنل سپرنٹنڈنٹ کے ساتھ الموڑہ سے بیجناتھ موٹر پر تشریف لائے۔ دیہاتی اچھے سے اچھے لباس پہن کر ہزاروں کی تعداد میں نمائش دیکھنے کو جمع ہوئے تھے۔

نمائش کا ایک اور منظر

نمائش مسٹر باٹلی والے نے کھولی۔ جس وقت آپ نے نمائش کھولی اُس وقت بندے ماترم اور گاؤں کے بینڈ کی آواز ہر طرف گونج رہی تھی سب نے نمائش کی سجاوٹ اور وہاں کی چیزوں کی بہت تعریف کی۔

رورل ڈولپمنٹ کی طرف سے جلی کوٹ میں شہد پیدا کرنے اور اُس کا کام سکھانے کے لئے جو کلاس کھولا گیا ہے اُس کے لڑکوں نے لوگوں کو اپنے کام دکھائے۔

لوکی کی لمبائی دیکھئے۔
بیجناتھ الموڑہ کھیتی کی نمائش

ہر طرح کی ترکاریوں کی نمائش کی گئی۔ ایک لوکی کوئی ۵ فٹ لمبی تھی اور کدو ۵-۵ سیر کے تھے۔
لوٹا۔ تھالی اور گلاس کی شکل میں انعام تقسیم کئے گئے۔
رورل ڈولپمنٹ افسر صاحب، چیرمین صاحب، مسٹر باٹلی والے اور ڈپٹی کمشنر صاحب نے ایک بہت بڑے مجمع کے سامنے تقریریں کیں۔ اور بندے ماترم اور بھارت ماتا کی جے کے نعروں کے بعد جلسہ ختم ہوا۔

الموڑا کی زراعت اور صنعت و حرفت کی نمائش کا نظارہ

ایسی نمائشوں سے بھی دیہاتوں میں پرچار کا کام کرنے میں بڑی مدد مل سکتی ہے۔

ہمیں امید ہے کہ مختلف ضلعوں کے لوگ بھی بیجناتھ کی اس نمائش کی سی نمائشیں کرنے کی کوشش کریں گے۔ ہم بیجناتھ کی نمائش کرنے والوں کو مبارکباد دیتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ ہر سال وہ یہ نمائش کرتے رہیں گے اور برابر اس کو مضبوط بناتے جائیں گے۔

لال فیتہ

مہاتما گاندھی نے "ہریجن" میں اوپر والی سرخی سے ایک ضروری مضمون لکھا ہے۔ اس میں انھوں نے اس بات پر زور دیا ہے کہ کانگریسی منسٹر فائیل بازی میں نہ پڑیں اور بتایا ہے کہ اُن کے سامنے جو کام بڑھ گیا ہے اور روز بروز فائلوں کا جو انبار لگتا جاتا ہے اُس سے وہ کس طرح بچیں۔

گاندھی جی کی رائے میں ہر بات کی لکھا پڑھی مناسب نہیں ہے۔ بہت سی چھوٹی موٹی باتیں ایسی ہیں جن کا منسٹر زبانی ہی فیصلہ کر سکتے ہیں۔ اگر وہ دفتروں کے دھندوں کو چھوڑ دیں تو اُن کو سوچنے بچارنے کا موقع مل سکتا ہے اور وہ ہر طرح کے آدمیوں سے مل جل بھی سکتے ہیں۔ اس کے متعلق گاندھی جی نے بہت صاف لکھا ہے:۔

اگر وزیر اپنی نئی ذمہ داریوں کو پورا کرنا چاہتے ہیں تو انھیں "دفتری طریقے" کو جلا ڈالنے کا طریقہ تلاش کرنا چاہئے۔ وزیروں کو اُن لوگوں سے ضرور ملنا چاہئے جن کی خوشیوں سے وہ ان عہدوں پر قائم رہ سکتے ہیں۔ انھیں چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی شکایتیں ضرور سُننی چاہئیں۔ اُن کے پاس جتنی شکایتیں اور چٹھیاں آتی ہیں۔ انھیں اُن سب کی اور اپنے فیصلوں کی فائیلیں رکھنے کی ضرورت نہیں۔ انھیں اپنے پاس صرف اتنے کاغذات رکھنے چاہئیں جن سے اُن کی یادداشت تازہ رہے اور کام کا سلسلہ قائم رہے۔ وزیر "انڈیا آفس" کے سامنے جوابدہ نہیں ہے وہ تو یہاں سے کئی ہزار میل دور ہے۔ وہ اپنے لاکھوں مالکوں کے سامنے جواب دہ ہیں جو نہ تو یہ جانتے ہیں کہ دفتری طریقہ کیا ہے اور نہ انھیں اُس کے جاننے کی فکر ہے۔ اُن میں اکثر تو لکھ پڑھ بھی نہیں سکتے۔ لیکن وہ چاہتے ہیں کہ ہماری خاص ضرورتیں پوری ہوں۔ کانگریس والوں نے انھیں یہ سوچنا سکھا دیا

ہے کہ جب حکومت کانگریس کے ہاتھ میں آتے ہی ہندوستان بھر میں کوئی ننگا اور بھوکا نہیں رہے گا۔ وزیروں کو اسی قسم کے مسئلوں پر غور کرنے میں وقت صرف کرنا چاہئے بشرطیکہ وہ اُس یقین کے ساتھ انصاف کرنا چاہتے ہیں جس کا اُنھوں نے ذمہ لیا ہے۔

مہاتما گاندھی

محکموں کی اس خط و کتابت سے صرف وزیروں کا ہی کام نہیں بڑھتا۔ بلکہ جو لوگ وزیروں کے پاس اپنی شکایتیں پہنچانا چاہتے ہیں اُنھیں بھی چٹھی، درخواست اور ڈیپوٹیشن لکھانے میں کافی بھٹکنا اور حیران ہونا پڑتا ہے۔ گاندھی جی کی رائے کے مطابق اگر یہ خط و کتابت بند ہو جائے تو دیہات کے اُن پڑھوں کی بھی بہت سی مصیبتیں دور ہو جائیں۔ اور وہ سیدھے وزیروں کے پاس پہنچ کر اپنی شکایتیں اُن کو بتا سکیں۔

آنریبل ڈاکٹر کاٹجو کی تقریر

جناب ڈاکٹر کیلاش ناتھ کاٹجو نے ۱۰ اور ۱۱ دسمبر کو بجنور میں سودیشی نمائش کا افتتاح کیا۔ اُسی دن دو بجے اُنھیں گرام سدھار سمیلن، گرام سدھار سبھا، میونسپل بورڈ، ڈسٹرکٹ کوآپریٹیو بینک اور ہریجن سیوک سنگھ کی طرف سے ایڈریس پیش کئے گئے۔ اُن ایڈریسوں کا جواب دیتے وقت اُنھوں نے ایک بہت ہی جامع تقریر کی۔ اُن کی تقریر سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ گاؤں والوں کی بھلائی کے لئے اُن کے دل میں کتنی لگن ہے۔ اور ہمارے گاؤں میں جلدی سے جلدی کایا پلٹ کرنے کا اُن کے دل میں کتنا خیال ہے۔ اُنھوں نے صاف لفظوں میں کہا ہے کہ گرام سدھار کا کام ہمیں دل و جان

آنریبل ڈاکٹر کیلاش ناتھ کاٹجو

سے پیارا ہے۔ ہر آدمی جو دیہات کی بھلائی چاہتا ہے اُس کا یہ فرض ہے کہ وہ دیکھے کہ گاؤں میں جو لوگ رہتے ہیں وہ صاف اور تندرست حالت میں ہیں یا نہیں۔ ڈاکٹر کاٹجو نے کہا کہ میری زندگی کا سب سے پہلا اصول یہ ہے کہ "غریبوں کی خدمت سب سے پہلے کرو"۔ موجودہ سرکار کے وزیر کی حیثیت سے، میں اس پر پوری طرح عمل کروں گا۔ کانگریس کی سرکار غریبوں سے بے توجہی کبھی نہیں برت سکتی اور جس دن وہ ایسا کرنے لگی وہ کہیں کی نہ رہے گی۔

ڈاکٹر صاحب نے بڑے خوبصورت طریقے سے گرام سدھار کی دقتیں بتائیں۔ سب سے پہلی دقت یہ بتائی کہ اُس میں ہر ایک آپ کو ماہر سمجھتا ہے۔ اس لئے بھی کام نہیں ہو سکتا۔ ہندوستان کے گاؤں میں پچھلے سو برسوں سے خاموشی کا دور دورہ ہے لیکن یہ خاموشی تو قبرستان کی سی خاموشی ہے۔ نا سمجھی، اندھی تقلید اور ولدر پن کا بول بالا ہے اور وہ اپنے وقت کو کاہلی میں گنوا دیتے ہیں۔ اُن میں نہ زندگی رہ گئی ہے اور نہ ولولہ۔ اُن کی عورتوں میں

بھی تعلیم کی کمی ہے۔ اس لئے گھروں میں اندھیرا چھایا ہوا ہے ایسی حالت میں گاؤں سدھار کا کام کرنے والے ہر شخص کا یہ فرض ہے کہ وہ گاؤں میں نئی روح پھونکنے کے لئے جو کچھ ممکن ہوسکے کرے۔

جناب ڈاکٹر صاحب نے یہ مانا کہ اس میں وقت لگے گا لیکن آپ نے یہ بھی کہا کہ گرام سدھار کے لئے خاص چیز روپیہ نہیں ہے۔ خاص چیز ایسے جوشیلے آدمیوں کی کمی ہے جو اپنے آپ کو گاؤں کی بھلائی کے لئے وقف کردیں اور اپنی قربانی' مثال اور رہنے سہنے سے گاؤں کو اچھا بنائے۔

ہمیں امید ہے کہ ہمارے آرگنائزر اور دوسرے کام کرنے والے ڈاکٹر کاٹجو کے مشورہ کو صحیح سمجھ کر ہمیشہ اپنے سامنے رکھیں گے۔

آچاریہ دویدی جی کا انتقال

ہمیں لکھتے ہوئے دلی تکلیف ہوتی ہے کہ آچاریہ پنڈت مہابیر پرشاد دویدی کا رائے بریلی میں ۲۱ر دسمبر ۳۸ء کو ۴ بجے صبح انتقال ہوگیا۔ "سرسوتی" سے قطع تعلق کرنے کے بعد سے وہ اپنے گاؤں دولت پور میں رہتے تھے۔ شہر کے مقابلے میں اُنھیں گاؤں کی زندگی زیادہ پسند تھی اور اُن کا زیادہ وقت گاؤں میں اور گاؤں والوں میں گذرتا تھا۔ اُن کے زمانہ میں "سرسوتی" ہندی ادب میں ایک خاص ادبی حیثیت رکھتا تھا۔ مگر دویدی جی اس بات کی کوشش میں رہتے تھے کہ اس کی زبان زیادہ سے زیادہ آسان ہو اور معمولی آدمیوں کی سمجھ میں آنے کے قابل ہو۔ اُن کے نوٹ بھی زیادہ تر گاؤں والوں کے فائدے کی نیت سے لکھے جاتے تھے۔ گاؤں میں پنچائتیں قائم کرنے کے وہ بڑے حامی تھے اور اس کے لئے برابر کوشش کرتے رہتے تھے۔ ہمارے صوبے میں دیہاتوں میں پنچائتیں قائم کرنے کا جو پہلا 'بل' پاس ہوا تھا اس میں دویدی جی کا بھی ہاتھ تھا۔ اور اس قانون کے مطابق اپنے گاؤں دولت پور میں انھوں نے خود ایک پنچایت قائم کی تھی۔ جو کہ اُس قانون کے مطابق ہمارے صوبے کی پہلی ہی پنچایت تھی۔ اس پنچایت کو دویدی جی کس طرح چلاتے تھے اور اس کے کاغذوں کو کیسے ترتیب اور ڈھنگ سے رکھتے تھے۔ دویدی جی چھوت چھات کے قائل نہ تھے اور ہریجنوں کو اُن کے گھر جاکر خود اپنے ہاتھ سے دوا دارو دیتے تھے۔

اُن کی کوشش سے پچھلے ۳۰ سالوں میں ہندی ساہت کی کیا ترقی ہوئی ہے' یہ بالکل ظاہر ہے۔ موجودہ ہندی نثر کے وہ بانی کہے جاتے ہیں۔ انھوں نے ہندی میں بڑی بڑی شاعری اور مضمون لکھے ہیں اور موجودہ نظم پر اُن کی غیر فانی کتاب ہے۔ بھارتیندو ہرش چندر کے بعد دویدی جی ہی ایک ایسے آدمی تھے جنھوں نے ہندی کو یہ شکل و صورت دی ہے۔ اُن کے مرنے سے گویا ہندی کی ایک بہت بڑی عمارت گر گئی اور اُنکی جگہ مشکل سے پوری ہوگی۔

~~مرحوم مغفور~~ - پنڈت مہابیر پرشاد دویدی

ہم اُنکے لئے دلی دعا اور اُنکے رشتے داروں کے ساتھ دلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔

اُردو مطبوعات انڈین پریس لمیٹڈ - الہ آباد

ضروری ہدایات (۱) صاحب فرمائش کو اپنا نام اور پتہ خوش خط اور مفصل لکھنا چاہئے (۲) جو کتابیں کسی فرمائش کی بنا پر روانہ ہوں گی وہ کسی صورت میں واپس نہ ہو سکیں گی۔ (۳) بعض کتابیں بہت کم تعداد میں باقی رہ گئی ہیں۔ اسلئے اگر فرمائش میں دیر کی گئی اور وہ کتابیں ختم ہوگئیں تو انکا مہیا کرنا مشکل ہوگا۔ (۴) کتابیں منگا کر ان کو بعد انکاری واپس کر دینا ایک قسم کا دھوکا دہی کا جرم ہے۔ اگر کسی وجہ سے مجبوراً ایسا کرنا پڑے تو صرف روانگی بھیجدینا چاہئے۔ (۵) چھوٹی قیمت کی فرمائشوں کی تعمیل کرنے میں ہمیں کچھ عذر نہیں مگر مناسب یہ ہے کہ اگر فرمائش ایک روپیہ سے کم کی ہے تو قیمت نقد بھیجدی جائے (۶) اگر آٹھ روز تک آپ کی فرمائش کا جواب نہ ملے تو خیال کرلینا چاہئے کہ ہمیں آپ کا آرڈر نہیں ملا۔ (۷) صرف روانگی (پیکنگ و محصول ڈاک وغیرہ) ذمہ خریداران ہوگا (۸) جملہ فرمائشات پتہ ذیل پر روانہ کی جائیں

منیجر صاحب بکڈپو انڈین پریس لمیٹڈ - الہ آباد

رُوحِ انیس مرحوم

فردوسی ہند میر انیس اعلیٰ اللہ مقامہ کے بہترین مرثیوں، سلاموں اور رباعیوں کا مجموعہ۔ ملک کو سید مسعود حسن صاحب رضوی ادیب ایم۔اے (صدر شعبۂ فارسی و اُردو، لکھنؤ یونیورسٹی) کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ انھوں نے متعدد قلمی نسخوں کے مقابلہ کے بعد اس مجموعہ کو مرتب فرمایا ہے۔ شروع میں ۸۰ صفحات کا مقدمہ ہے جس میں میر انیس مرحوم کے حالات زندگی اور کلام پر مختصر تبصرہ کے علاوہ حضرت امام حسین علیہ الصلاۃ والسلام کی شہادت کا مختصر بیان، مرثیہ اور اشخاص مرثیہ کے تحت میں نہایت ضروری اور قابل قدر معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں۔ آخر میں ۷۶ صفحات میں ضروری فرہنگ اور توضیحی حواشی ہیں۔

کتاب کا یہ حصہ اور بھی زیادہ ضروری ہے شروع میں میر انیس مرحوم کی سہ رنگی تصویر ہے علاوہ ازیں جناب انیس مرحوم کی قبر، مکان مدفن اور ایک مجلس کی تصویر دی گئی ہے۔ جلد پر کربلائے معلیٰ کا منظر نقشہ ہے۔ دیدہ زیب طباعت، خوبصورت جلد ۵۰۴ صفحات تقطیع کلاں۔ قیمت تین روپئے۔

جذبات بسمل

منشی سکھ دیو پرشاد صاحب سنہا بسمل (الہ آبادی) کا مجموعہ کلام "کتاب کا نام جذبات بسمل بہت موزوں ہے کیونکہ جذبات ہی مصنف کے کلام کا بہترین امتیاز ہیں۔ زبان کی سادگی اور سلاست ان کے کلام کی دوسری خصوصیت ہے اور کیوں نہ ہو فن شاعری میں آپ ناخدائے سخن حضرت نوح ناروی مدظلہ کے شاگرد ہیں جو فصیح الملک حضرت داغ دہلوی مرحوم کے بلند پایہ تلامذہ میں ہیں"

جناب بسمل زمانہ حال کے مقبول شعرا میں شمار کئے جاتے ہیں۔ زبان کی سادگی کی وجہ سے اُن کا کلام بہت پسند کیا جاتا ہے۔ آجکل جتنے اچھے اُردو رسالے چھپتے ہیں وقتاً فوقتاً بسمل صاحب کے کلام سے مزین ہوتے ہیں۔ شروع کتاب میں آنریبل جسٹس سر عبد القادر جج ہائی کورٹ لاہور نے مقدمہ تحریر فرمایا ہے۔ ۲۱ تصویروں سے "جذبات بسمل" مزین ہے جس میں زیادہ سہ رنگی تصاویر ہیں اور بعض ہندوستانی فن تصویر کا بہترین نمونہ ہیں۔ لکھائی چھپائی کے متعلق صرف اتنا بتا دینا کافی ہے کہ ایسی نفاست و خوشنمائی سے کوئی کتاب اُردو زبان کی آج تک شائع نہیں ہوئی کوئی کتب خانہ اس کتاب سے خالی نہ ہونا چاہئے۔ قیمت ساڑھے چار روپیہ۔

پیامِ رُوح

یعنی مجموعہ کلام مسٹر حامد اللہ افسر۔ بی اے "مع تقریب"

از آنریبل سر شاہ محمد سلیمان صاحب ایم۔ اے ایل ایل۔ ڈی چیف جسٹس الہ آباد ہائی کورٹ و "مقدمہ" از میاں بشیر احمد صاحب بی۔ اے (آکسن) بیرسٹر ایڈیٹر رسالہ "ہمایوں" لاہور۔

میرے خیال میں ظاہری صورت اور باطنی خوبیوں کے لحاظ سے یہ مجموعہ اس قابل ہے کہ اُسے زبان اُردو کی بہترین اور پائدار تصنیفات کے ساتھ جگہ دی جائے اس ظاہری و معنوی محاسن پر میں لایق شاعر کو ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں۔ اور اُمید کرتا ہوں کہ پبلک انھیں وہ داد دے گی، جس کے وہ مستحق ہیں"۔ (میاں بشیر احمد بی۔ اے (آکسن) بیرسٹر، ایڈیٹر "ہمایوں" لاہور۔)

"اقسم کا نام اور کلام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ اُن کی شہرت خود ان کی مقبولیت کا ثبوت ہے۔ پیام رُوح ان کی تمام نظموں اور غزلوں کا مجموعہ ہے اس کی اشاعت سے شاعری میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوگا"

(آنریبل سر شاہ محمد سلیمان صاحب ایم۔ اے ایل ایل ڈی۔ چیف جسٹس ہائی کورٹ الہ آباد۔)

کاغذ دبیز لکھائی چھپائی دیدہ زیب۔ چھ ہاف ٹون تصویریں جن میں تین سہ رنگی ہیں اس مجموعہ سے کتب خانہ خالی نہ رہنا چاہئے۔ قیمت صرف تین روپیہ۔

صبح وطن و مضامین چک بست

صبح وطن۔ یعنی مجموعۂ نظم پنڈت برج نرائن چکبست لکھنوی (مرحوم) "چک بست کی شاعری کی تحریک کا باعث کبھی تو حب وطن کا جوش ہوتا ہے۔ اور کبھی کوئی گزشتہ یا حال کا تاریخی واقعہ اُن کے طائر خیال کو پرواز میں لاتا ہے۔ کبھی قدرت کے نظاروں یا مذہبی رازوں کے انکشافات سے وہ اپنی نظموں کو آراستہ کرنے میں مدد لیتے ہیں اور کبھی انسانی جذبات اور احساس کی سچی تصویریں کھینچ کر عبرت کا سبق دیتے ہیں۔ قومیت کا خیال ان کی شاعری کی ساخت کا جزو اعظم ہے۔ برج نرائن چکبست دور جدید کے صرف ترجمان ہی نہیں بلکہ اس دور کے نمائندوں میں ان کا پایا بہت بلند ہے جس قدر زمانہ گذرتا جائے گا اور اُردو شاعری معنوعی قیود سے آزاد ہوتی جائیگی نیز آزادی کی ہوا میں اس کو نشو و نما پانے کا موقع ملے گا، اسی قدر برج نرائن چکبست کی شہرت بتدریج بڑھتی جائے گی اور آیندہ نسلیں اس امر کو تسلیم کریں گی کہ وہ دور جدید کے رہنماؤں میں سے ہیں۔

(سر تیج بہادر سپرو)

مضامین چکبست۔ پنڈت برج نرائن چکبست مرحوم بلند پایہ شاعر ہونے کے علاوہ بہترین مضمون نگار بھی تھے۔ انکی وفات کے بعد ان کے مضامین نثر کا مجموعہ بھی شائع کیا گیا ہے۔ اس مجموعہ میں سوانحی، تنقیدی، تاریخی، قومی وغیرہ مضامین ہیں، اور بہت خوب ہیں۔

صبح وطن۔ مجلد۔ قیمت دو روپئے۔

مضامین چکبست۔ حجم۔ ۳۵ صفحات قیمت صرف عہ

یادگار نسیم

یعنی منشی دیاشنکر نسیم کی مشہور و معروف مثنوی گلزار نسیم و انتخاب "دیوان نسیم" مع حواشی و تبصرہ کلام مرتبہ مولوی اصغر حسین صاحب اصغر گونڈوی۔ آنریبل ڈاکٹر سر شاہ محمد سلیمان ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ ڈی، چیف جسٹس الہ آباد ہائی کورٹ تحریر فرماتے ہیں:۔

"یادگار نسیم جو مولوی اصغر صاحب نے تصحیح کے بعد شایع کی ہے مشہور و معروف شاعر نسیم کی مثنوی جسے انھوں نے مصلحتاً نامناسب اشعار کو حذف کرنے کے بعد شایع کیا ہے۔ غزلیات میں سے جن غزلوں کا انتخاب کیا ہے وہ شاعر موصوف کی بہترین غزلیں ہیں۔ . . . . حواشی کا بھی اضافہ کیا گیا ہے . . . . اس کتاب کا مقدمہ بجائے خود ایک عالمانہ تصنیف ہے مجھے یقین کامل ہے کہ اس کتاب کی قدر کما حقہ ہوگی جو اسکے

شایانِ شان ہے" طباعت دیدہ زیب، خوشنما جلد قیمت دو روپئے

کلام الملوک

یعنی شہزادگان دہلی کے کلام کا مجموعہ ۔ ایک زمانہ میں قلعہ دہلی زبان اردو کا مرکز تھا ۔ یہاں وہ لوگ جمع تھے جو الفاظ کو بہت ہی صحت کے ساتھ بولتے اور بہت ہی اچھے اور زور دار معنی میں استعمال کرتے تھے اور انھیں کی زبان آج صحیح اور مستند سمجھی جاتی ہے ۔ شہزادگان دہلی کا کلام بھی اسی لحاظ سے قابل قدر ہے ۔ محاورات و اصطلاحات، روانی، صحت وزن، سلسلہ خیالات، بلند آوازی، نازک خیالی، جوشِ بیان، نشست الفاظ، اور عمدہ بندش کے علاوہ زبان صاف اور فصیح تکلف اور ابتذال نام کو نہیں ۔ اگر زبان کا خاص رنگ اور شاعری کی اصل حقیقت معلوم کرنا چاہتے ہیں تو اس مجموعہ کو ضرور ملاحظہ فرمائیے قیمت دس آنہ

معراج سخن

جناب سید خورشید حسن صاحب عروج مرحوم المتخلص بہ "دولھا صاحب" نبیرہ ناخدائے سخن میر انیس اعلی اللہ مقامہ کے تین مرثیوں کا نادر مجموعہ میں حسب ذیل مراثی ہیں:۔

۱۔ ہے زیور عروس فصاحت سخن مرا - ۱۱۹ بند
۲۔ خلق میں خلقت آدم کا سبب کون ہوا - ۱۴۰ بند
۳۔ صبح عاشور محرم ہے قیامت کی سحر ۹۵ بند

اس کتاب پر ہندوستانی اکیڈمی صوبجات متحدہ قابل مصنف کو پانسو روپیہ انعام عطا فرمایا ہے ۔ زبان کے فدائیوں کے لئے نادر تحفہ ہے ۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ ۔

کہانی کیسے لکھنا چاہئے ؟

(مرتبہ و مؤلفہ منشی کنھیا لال صاحب ایم اے ایل ایل بی) کہانی کیسے لکھنا چاہئے ؟ اس کتاب کا موضوع اس کے نام ہی سے ظاہر ہے مختصر فسانوں کے باب میں ساری باتیں بہت اچھی طرح سمجھائی گئی ہیں مختصر ہونے کے باوجود جامع ہے ۔ ایڈیٹروں، مضمون نگاروں اور مبتدیوں کو ضرور مطالعہ کرنا چاہئے ۔ قیمت آٹھ آنہ ۔

بہترین ناول و افسانے

فردوس خیال

منشی پریم چند کے گیارہ افسانوں کا مجموعہ منشی پریم چند کے افسانے ہمیشہ اصلاح اخلاق و معاشرت پر مبنی ہوتے ہیں، اور ان کا مقصد شریفانہ جذبات مثلاً غیرت، حیا خوف خدا، شجاعت اور آزادی ضمیر وغیرہ کا برانگیختہ کرنا ہوتا ہے ۔ غیر ممکن ہے کہ کوئی سمجھدار منشی صاحب موصوف کی تصنیف پڑھے اور آپ کی جادو بیانی اور سحر نگاری کا قائل نہ ہو جائے اگر آپ نے اب تک اس مجموعہ کو ملاحظہ نہیں فرمایا تو آج ہی طلب فرمائے ۔ سرورق پر تین رنگ کی نہایت خوبصورت تصویر ہے ۔ ۲۷۳ صفحہ کی کتاب ہے اور قیمت صرف ایک روپیہ ۔

جلوۂ ایثار

بالاجی کے قومی کارناموں سے ہندوستان کا بچہ بچہ واقف ہے ۔ "جلوۂ ایثار" میں اُن حالات اور واقعات کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جو اس کارنامے کے محرک ہوئے تھے ۔ حالات اور واقعات دلچسپ و دلکش ہونے کے علاوہ حب قومی وجودت روحانی سے معمور ہیں ۔ اس پر منشی پریم چند صاحب کی جادو نگاری سونے پر سہاگا ہے واقعی قابل مطالعہ ناول ہے ۔ ۲۳۲ صفحات کی کتاب اور قیمت صرف بارہ آنہ ۔

ڈالی کا جوگ

(اور دوسرے افسانے) مسٹر حامد اللہ افسر (میرٹھی) کے گیارہ فسانوں کا مجموعہ۔ یہ تمام فسانے مختلف اوقات میں بعض اُردو جرائد میں شایع ہوکر خلعت قبولیت حاصل کرچکے ہیں۔ ان میں سے بعض اس قدر مقبول ہوگئے ہیں کہ انگریزی، ہندی، اور گجراتی میں بھی ترجمے ہوئے فوٹو بلاک کی چند تصویریں بھی شامل ہیں۔ قیمت ایک روپیہ۔

شاما

مصنفہ پنڈت کشن پرشاد صاحب کول، ممبر سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی لکھنؤ)

یہ ایک دکھیاری کی درد بھری داستان ہے۔ اقبال کا یہ شعر اس پر صادق ہے۔

محبت کے شرر سے دل سراپا نور ہوتا ہے
ذرا سے بیج سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے

سرورق پر سہ رنگی تصویر اور کتاب کے شروع میں بھی ایک تصویر (فوٹو بلاک) لگائی گئی ہے۔

قیمت ڈیڑھ روپیہ

سادھو اور بیسوا

یعنی دو حرماں نصیبوں کی کایا پلٹ۔ ایک جگ بیتی کہانی مصنفہ پنڈت کشن پرشاد صاحب کول، ممبر سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی لکھنؤ۔ فرانسیسی اناطول فرانس کے ایک تاریخی ناول "تائیس" کو پڑھنے کے بعد اس کی تصنیف کا خیال پیدا ہوا۔ "سادھو اور بیسوا" میں اُسی خیال کی پیروی اور اسی تصور کے تائید کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو "تائیس" کا امتیازی جوہر ہے۔ اس کے باوجود نہ یہ اُس کا ترجمہ ہے نہ خلاصہ۔ نہایت دلچسپ ناول ہے۔ سرورق پر سہ رنگی تصویر ہے۔ قیمت بارہ آنے۔

"انور"

"شمیم" کے مشہور و معروف مُصنف مسٹر فیاض علی ایڈوکیٹ فیض آباد کا دوسرا بے نظیر۔ دلپذیر۔ انقلاب انگیز شاہکار۔ اور .... زبان اُردو کا بہترین ناول..... ۵۰۰ صفحے۔ کاغذ۔ کتابت۔ طباعت نہایت عمدہ جلد بجد نفیس۔ ۶ عدد تصویریں بہت ہی دلکش اور خوبصورت ...... قیمت عہ

گھر بیٹھے دنیا کی سیر

کرنے والوں کو "تحفہ سیریز" کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے! اس سلسلہ کی ایک ایک کتاب ایک ایک ملک کے متعلق ہے۔ ملک کی مفید اور کارآمد معلومات ہر کتاب میں بہم پہنچائی گئی ہیں۔ کوئی ضروری بات نظر انداز نہیں کی گئی۔ کتابوں کو زیادہ مفید اور دلچسپ بنانے کے لئے مکالمہ کا طرز اختیار کیا گیا ہے جسکے باعث نوعمر لڑکوں اور لڑکیوں کو ان کے مضامین پر بہت جلد عبور ہو جاتا ہے۔

مندرجہ ذیل کتابیں تیار ہیں۔

(۱) تحفہ جاپان (۲) تحفۂ چین
(۳) تحفۂ مصر وحبش (۴) تحفۂ لندن
(۵) تحفۂ فرانس (۶) تحفۂ جرمنی
(۷) تحفۂ آسٹریلیا (۸) تحفۂ فلسطین
(۹) تحفۂ امریکہ (۱۰) تحفۂ روس

ہر کتاب میں متعدد تصاویریں ہیں اور سرورق نہایت خوبصورت۔ قیمت ہر کتاب کی چھ آنے۔

آئی۔ سی۔ ایس

اُردو کے بہترین فسانہ نگار پروفیسر علی عباس حسینی، ایم۔ اے مُصنف رفیق تنہائی، سرسید احمد پاشا، وغیرہ کے چودہ انقلاب انگیز افسانوں کا تازہ ترین مجلد دیدہ زیب مجموعہ
قیمت صرف عہ

خدمتِ خلق

(مرتبہ مولوی نیاز محمد خاں صاحب معلم نارمل اسکول الٰہ آباد) اس کتاب میں خدمتِ خلق کے عملی طریقے بتائے گئے ہیں جس سے دل پر پورا اثر ہوتا ہے۔ کتاب بہت اچھی اور عجیب وغریب اخلاقی نکات و روحانی لطائف پر مشتمل ہے۔ حکومت صوبجات متحدہ نے اس کتاب پر مؤلف کو انعام بھی عطا فرمایا تھا۔ قیمت صرف بارہ آنہ

بچوں کی دلچسپی

کا لوگ بہت کم خیال کرتے ہیں اور شاید یہی وجہ ہے کہ اردو زبان میں ایسی کتابیں بھی بہت کم ہیں جنھیں بچے دلچسپی اور شوق سے پڑھیں تاہم انڈین پریس لمیٹڈ الٰہ آباد نے چند کتب خاص طور پر بچوں کے لئے چھاپی ہیں۔ جن کو بچوں کی دلچسپی کا سامان کہا جا سکتا ہے۔

الف بے کا کھلونا

یہ پیاری کتاب ننھے منے بھائی بہنوں کے لئے ہے۔ کھیل ہی کھیل میں وہ حروف تہجی سے آشنا ہو جاتے ہیں۔ ہر حرف کے لئے ایک رنگین تصویر اور ایک شعر ہے۔ زیر، زبر، اور پیش وغیرہ کا بھی خیال رکھا گیا ہے چھپائی رنگین اور بہت صاف۔ ۳۲ عکسی تصویریں۔ اگر آپ کے یہاں کئی بچے ہوں تو متعدد نسخے طلب فرمایئے ورنہ بچے آپس میں لڑیں جھگڑیں گے۔
قیمت صرف تین آنے

انوکھی کہانیاں

یہ کتاب بہت پسند کی گئی ہے گیارہ نصیحت آموز کہانیاں اس میں درج ہیں۔ زبان بہت آسان۔ ممکن نہیں کہ کوئی بچہ اسکو ختم کئے بغیر چھوڑ دے۔ ہر کہانی کے ساتھ ایک تصویر ہے۔ خوبصورت کتاب ہے۔ بچے اس کو دیکھتے ہی مچل جاتے ہیں۔ سرورق پر تین رنگ کی تصویر ہے۔ قیمت ۴ر آنہ

مفید ایجادات کی کہانی

"یہ منشی پیارے لال صاحب شاکر میرٹھی کی قابل قدر تصنیف ہے۔ یہ کتاب اردو میں اپنی وضع کی بالکل انوکھی تصنیف ہے اور مفید معلومات کے لحاظ سے اس قابل ہے کہ ہر شخص کے مطالعہ میں آئے۔ کاغذ، کتابت، طباعت اور سرورق بے انتہا نفیس ہے۔ اس قدر اچھے اہتمام سے بہت کم کتابیں اردو میں چھپی ہیں۔ تشریح مطالب کے لئے جابجا بے شمار تصاویر دی گئی ہیں۔"

قیمت علاوہ محصول ڈاک ۱۲ر

ایسپ کی کہانیاں

ایسپ ایک مشہور حکیم گزرا ہے جو مورخین کے بیان کے مطابق حضرت مسیح سے ۲۶۰ برس قبل پیدا ہوا تھا۔ حکیم ایسپ انسان کی پند و نصیحت کے لئے مختلف قسم کی فرضی حکایات اور کہانیاں بیان کیا کرتا تھا۔ انھیں کہانیوں کی وجہ سے دنیا میں اس کا نام اب تک زندہ ہے۔ اس مجموعہ میں ایسپ کی تین سو کہانیاں یکجا شائع کی گئی ہیں۔ چھیاسی تصویریں بھی شامل کتاب ہیں جن کے باعث یہ مفید کتاب اور زیادہ دلچسپ ہو گئی ہے لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے یہ ایک اچھا تحفہ ہے۔ کتاب مجلد ہے۔ قیمت دو روپے۔

میرے وطن کی کہانی

تاریخ ہند کے کئی خاص اور روشن ابواب طلباء کو اسکولوں میں نہیں پڑھائے جاتے، حالانکہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے ان کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ اس کتاب میں بعض اسی قسم کے واقعات نوعمر لڑکوں اور لڑکیوں کے تفریحی مطالعہ کے لئے بیان کئے گئے ہیں بیس ہاف ٹون عکسی تصویریں قیمت ۱ر

شیخ چلی کی کہانیاں

شیخ چلی کا نام آپ نے ضرور سنا ہوگا۔ یہ وہ جاویدہستی

ہے جو ہر ملک اور ہر زمانہ میں ہمیشہ موجود رہی ہے۔ اس کتاب میں آپ ہی کے کارنامے درج ہیں جو گیارہ کہانیوں میں بیان کئے گئے ہیں۔ ہر کہانی اس قدر پر لطف ہے کہ انسان بھوک پیاس بھول جاتا ہے۔ پڑھتے جائیے اور ہنستے جائیے۔ لکھائی چھپائی ایسی عمدہ ہے کہ بچوں کو بطور انعام دی جا سکتی ہے۔ ۱۰۰ صفحات کی کتاب کی قیمت صرف دس آنے۔

داستان عجم

بچے بادشاہوں کے قصے بہت شوق سے پڑھتے ہیں لیکن جھوٹے اور بے اصل قصوں سے یہ بہتر ہے کہ انھیں بادشاہوں کے تاریخی قصے پڑھنے کو دئے جائیں۔ اس مقصد کے لئے داستان عجم بہت اچھی کتاب ہے خلاق سخن فردوسی کے "شاہ نامہ" میں جن بادشاہوں اور بہادروں کے کارنامے بیان کئے گئے ہیں انھیں کو اس کتاب میں بچوں کے لئے بہت سلیس اور عام فہم عبارت میں لکھا گیا ہے۔ ضرور منگائیے۔ قیمت حصہ اول دس آنے، حصہ دوم دس آنے۔

رابنسن کروسو

ایک نوعمر لڑکا گھر سے فرار ہو کر بحری سفر اختیار کرتا اور طرح طرح کی مصائب اٹھاتا ایک غیر آباد جزیرہ میں پہنچتا ہے اور وہاں پچیس برس تک مجبوراً وہیں رہتا ہے اتنی مدت اس نے کیونکر بسر کی؟ اور پھر یہاں سے کیسے نکلا؟ وغیرہ واقعات نہایت دلچسپ ہیں۔ اس کتاب کو نوعمر بچے بہت شوق اور دلچسپی سے پڑھتے ہیں۔ ہاف ٹون بلاک کی چھ تصویریں شامل کتاب ہیں جن میں ایک سہ رنگی ہے حجم ڈھائی سو صفحات سے زیادہ اور قیمت صرف بارہ آنے۔

لال کنھور

اس کتاب میں "بہرام" کو بالکل نئے لباس میں پیش کیا گیا ہے۔ اس کے جدید کارنامے اس قدر دلچسپ ہیں کہ کتاب شروع کر کے ختم کئے بغیر ہاتھ سے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے۔

کھیل تماشا

یہ کتاب کچھ نظم میں ہے اور کچھ نثر میں۔ اس میں چھوٹی چھوٹی نصیحت آموز حکایتیں اور چٹکلے ہیں۔ بچے اس کو بہت شوق سے پڑھتے ہیں کیونکہ یہ انھیں کی زبان میں اور ان کے مذاق کے موافق لکھی گئی ہے۔ مضمون کی وضاحت کے لئے تصویریں بھی دی گئی ہیں۔ چھپائی رنگین اور صاف۔ قیمت ۳ر آنہ۔

ہونہار لڑکا

(مؤلفہ شاکر میرٹھی)

یہ کتاب ایک غریب لڑکے کی سچی داستان پر مشتمل ہے جس نے اپنی بلند ہمتی اور نیک طبعی کے باعث بڑی عزت و شہرت حاصل کی۔ عبارت سلیس اور عام فہم۔ قصہ اتنا دلچسپ کہ بچے نہایت شوق سے پڑھتے ہیں۔ بچوں کی دلچسپی کے لئے کتاب کو تصاویر سے مزین کیا گیا ہے، اور سرورق پر تین رنگ کی تصویر ہے۔ قیمت صرف پانچ آنے۔

تالیفات مولوی ظفر عمر

بہرام کی گرفتاری

"نیلی چھتری" کے نامور مؤلف ظفر عمر صاحب بی اے نے اس کتاب کے ہیرو "بہرام" کو اس عمدگی سے اردو پبلک سے روشناس کرایا ہے کہ لوگوں نے اپنے فسانوں میں اس کا چربہ اتارنے کی خوب خوب کوشش کی۔ مگر وہ بات کہاں؟ اصل ہے "بہرام کی گرفتاری" نہایت دلچسپ اور پسندیدہ ناول ہے۔ ضرور منگائیے۔ قیمت ایک روپیہ

چوروں کا کلب

اس کلب کے ممبر دنیا بھر کے لہو و لعب سے سیر ہو گئے ہیں اور معمولی مشاغل میں چنداں تفریح حاصل نہیں ہوتی۔ اور محض دل بہلانے اور چوری کے خطرات سے لطف اٹھانے کے لئے یہ کلب قائم کیا گیا ہے۔ یہ کتاب اس قدر دلچسپ ہے کہ تیسری بار شائع ہوئی ہے۔ قیمت ۹ آنے۔

منیجر بک ڈپو۔ انڈین پریس لمیٹڈ الہ آباد

Regd. No. A-3285

باجرے کی
بالیاں

باهتمام کے - متر ا پرنٹر اینڈ پبلیشرز لمیٹیڈ الہ آباد سے چھپوا کر

فروری سنہ

ہل

جلد ۱ نمبر ۳

ہندوستانی ماہوار رسالہ

فروری سنہ ۱۹۳۱ء

فہرست مضامین

ہل

یو۔پی گورنمنٹ کے محکمہ گاؤں سدھار سے منظور شدہ

فروری ۱۹۳۹ء باتصویر ماہوار رسالہ نمبر ۳

ایڈیٹر

شری ناتھ سنگھ

پبلشر

انڈین پریس لمیٹڈ۔ الہ آباد

۱۹۳۹ء

سالانہ قیمت ۲؍ ایک پرچہ ۶؍

باتصویر ماہوار رسالہ

فروری ۱۹۳۹ء نمبر ۳ جلد ۱

ہل کا پیغام

(از شری متی بجے دیوی)

(۱)

بہو ہوا کے جھونکو آؤ
جھڑ جھڑ کر پتّیاں سب گاؤ
آزادی کی خبریں لاکر
کونے کونے میں برساؤ

(۲)

پورب میں جب پھیلے لالی
جاگے کھیتوں کی ہریالی
تب کسان کے تانے من میں
بھر دو پھولوں کی خوش حالی

(۳)

اپنا گھر وہ دیکھے بھالے
اپنی گرتی دشا سنبھالے
دُور اُداسی ہو ٹکڑوں کی
ہٹیں درد کے بادل کالے

(۴)

رہے نہ گاؤوں میں بیکاری
دھندے نئے نئے ہوں جاری
محنت سے ہوں روز سہانے
فرصت سے ہوں راتیں پیاری

(۵)

بھوکا ایک نہ بچّا سوئے
آنسو سے دامن نہ بھگوئے
اپنی بہتر رہن سہن سے
ہر کسان پھر سے خوش ہوئے

(۶)

زمیندار پیادے پٹواری
اور مہاجن چھوٹے بھاری
زور ظلم کی راہ چھوڑ دیں
اُجڑیں گاؤں بنیں پھلواری

(۷)

قائم ہوں ہر جگہ مدرسے
بچّے ہنستے نکلیں گھر سے
نئی زندگی دیکھے خوش ہو
جب کسان اُٹھے بستر سے

(۸)

مَیں بھی ہوں آدمی کہے وہ
روگی سا بیٹھا نہ رہے وہ
ہمّت باندھ بڑھے وہ آگے
نہیں وقت کی مار سہے وہ

(۹)

بہو ہوا کے جھونکو آؤ
آگ جھونپڑوں میں سُلگاؤ
کچھ کا کچھ ہو جائے بھارت
'ہل' کا یہ پیغام سُناؤ

گاؤں میں کھدر کا پرچار کیسے ہو؟

(از شری منوہر داس
چترویدی
آئی - ایف - ایس
رورل ڈویلپمنٹ آفیسر)

اگر گاؤں میں کھدر کا پرچار ہو جائے، گاؤں والے اپنا سوت کات کر اپنی ضرورت کے لئے کپڑا خود تیار کرنے لگیں تو ان کا ایک بہت بڑا سوال حل ہو جائے۔ گاؤں میں کھدر کیسے تیار ہو سکتا ہے اور کتائی کس طرح جاری کیجا سکتی ہے۔ اس کے تجربے میں نے کچھ ضلعوں میں شروع کرائے ہیں۔ اس تجربہ میں گاؤں والوں کی دلچسپی دیکھکر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ گاؤں میں کھدر کے پرچار کی ہماری اسکیم بہت جلد کامیاب ہوگی۔

طریقہ بالکل آسان ہے۔ گرام سدھار سنٹر سے ایک ہوشیار سوت کاتنے والا قریب کے ایک گاؤں میں جاتا ہے۔ اپنے ساتھ وہ تین چرخے ۵ سیر روئی اور ایک دھنکی (روئی دھننے کا آلہ) لے جاتا ہے۔ کسی موزوں مقام پر جہاں سارے گاؤں کے مرد، عورتیں، بچے، اُسے کام کرتا ہوا دیکھنے کے لئے پہنچ سکیں وہ اپنا اڈا جماتا ہے۔ گاؤں والوں کے سامنے وہ روئی دھنتا ہے۔ پونی بناتا ہے اور سوت کاتنا شروع کرتا ہے۔ اُس کو سوت کاتتے ہوئے دیکھکر گاؤں والوں میں خاصکر عورتوں میں فطرتاً سوت کاتنے کا شوق پیدا ہوتا ہے جو بھی سیکھنے کی خواہش ظاہر کرتا ہے اُسے وہ سکھلاتا ہے۔ سوت کاتنا سیکھنے میں اپنا کچھ خرچ نہیں ہوتا اور اپنے پاس سے کچھ روئی بھی خراب نہیں کرنی پڑتی اس لئے اور بھی غریب سے غریب شخص بھی کتائی سیکھنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔

اس طرح وہ کاریگر تقریباً چھ ہفتے اُس گاؤں میں رہتا ہے۔ تجربہ سے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ جنھیں شوق ہوتا ہے وہ اس عرصے میں بخوبی سوت کاتنا سیکھ لیتے ہیں۔ اور کاریگر کے جانے کے بعد بھی اپنا کام جاری رکھ سکتے ہیں۔ اس طرح وہ کاریگر اپنے سنٹر کے گرد کے سب گاؤں میں جاتا ہے۔ اور ہر ایک گاؤں میں چھ ہفتہ ٹھہرتا ہے۔

چھ ہفتے کی اِس نمائش کے بعد گاؤں میں کتنے ہی ایسے لوگ نکل آتے ہیں جنکے دل میں سوت کاتنے کا شوق پیدا ہو جاتا ہے۔ اب اس گاؤں میں آرگنائزر جتنیں پونیں چرخے اور دھنکی لیکر جاتا ہے۔ اور گاؤں والوں میں آدھے دام میں کچھ چرخے اور دھنکیاں فروخت

شری منوہر داس چترویدی۔ آئی۔ ایف۔ ایس رورل ڈیولپمنٹ آفیسر

کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اس کام میں جلد وہ کامیاب ہو جاتا ہے۔ خریداروں کے لئے روئی کا انتظام بھی کر دیا جاتا ہے۔ اِس طرح گاؤں میں کتائی جاری ہو جاتی ہے۔ سوت کات لینے پر گاؤں والوں کے سامنے یہ سوال آتا ہے کہ کاتے ہوئے سوت کو کیا کریں اُن کا یہ سوال فوراً حل کر دیا جاتا ہے۔ ۱۵ روز بعد آرگنائزر پھر اُس گاؤں میں جاتا ہے اور نقد دام دے کر سوت خرید لیتا ہے یعنی سوت کے بدلے روئی اور کاتنے کی مزدوری دے دیتا ہے۔ تجربے سے معلوم ہوا ہے کہ اس طرح سوت کاتکر کوئی بھی شخص چار روپیہ ماہوار آمدنی کر سکتا ہے۔ ایک ایسے گاؤں میں جہاں بیکاری بڑھی ہوئی ہے اور آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے یہ آمدنی بہت اہمیت رکھتی ہے۔ نقد دام پر سوت فروخت ہو جانے سے کاتنے والوں کا حوصلہ بہت بڑھ جاتا ہے اور وہ پورے شوق سے اس کام میں لگ جاتے ہیں۔

اب تیسرا سوال یہ پیش ہوتا ہے کہ آرگنائزر اُس سوت کو کیا کرے؟ وہ انھیں اپنے سنٹر کے جولاہوں کے پاس لیکر جاتا ہے اور ان سے اُس سوت کا کھدر بننے کے لئے کہتا ہے یہ قدرتی امر ہے کہ گاؤں کے جولاہے اُس سوت کا کپڑا بننے سے انکار کریں گے۔ کیونکہ مشین کے سوت کے مقابلے میں کھدر مہنگا اور اُس کا بننا مشکل ہوتا ہے۔ اس لئے جولاہے اُسے فروخت نہیں کر سکتے۔ اِس پر آرگنائزر انھیں یقین دلاتا ہے کہ جولاہے اُس کے سنٹر کے کتے ہوئے سوت کا جتنا بھی کھدر بنینگے وہ سب خرید لے گا۔ اس شرط پر کھدر بننے کے لئے جولاہے فوراً تیار ہو جاتے ہیں۔ جس طرح کاتنے والوں کو آدھے دام میں چرخا دیا جاتا ہے، اُسی طرح جولاہوں کو آدھے دام میں بڑے عرض کے کرگھے بھی دیئے جاتے ہیں۔ ایسے چار کرگھے تک بیچے جاتے ہیں۔ اِس طرح سنٹر کے گاؤں میں کھدر کی بنائی بھی شروع ہو جاتی ہے۔

اب چوتھا سوال آتا ہے کہ آرگنائزر اس کھدر کو کیا کرے۔ آرگنائزر مہنگا کھدر کو لے کر پھر اُن گاؤں میں جاتا ہے جن میں کتائی شروع ہو گئی ہے اور جن سے وہ نقد دام پر سوت خرید کرتا رہا ہے۔ اس بار وہ کاتنے والوں کو نقد دام دینے کے بجائے اتنے ہی دام کا کھدر دیتا ہے۔ چونکہ یہ کھدر مل کے کپڑے کے مقابلے میں مہنگا ہوتا ہے اسلئے گاؤں والے اسے خریدنے سے انکار کر سکتے ہیں، مگر کرتے نہیں

مگر جب اُنھیں سمجھایا جاتا ہے کہ مل کا کپڑا کتنا ہی سستا کیوں نہ ہو لیکن اُسے وہ اپنے کھیت کا اناج بیچ کر خریدتے ہیں اور یہ کھدر اپنی محنت کے بدلے میں اُس سوت کے بدلے میں جسے بیکار وقت میں اُنھوں نے کاتا تھا پاتے ہیں۔ اور اِس طرح کھدر کتنا ہی مہنگا کیوں نہ ہو لیکن کاتنے والے کے لئے بالکل مُفت پڑتا ہے۔ اِس طرح وہ سوت کے بدلے میں کھدر لینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ جو یہ بات سننے کے لئے کسی طرح تیار ہی نہیں ہوتے وہ یہ تو جانتے ہی ہیں کہ اگر وہ آرگنائزر سے کھدر نہیں لیں گے تو آرگنائزر بھی اُن سے سوت نہیں خریدیگا اور اُن کی چار روپیہ ماہوار کی سوت کاتنے کی آمدنی قطعی بند ہو جائے گی۔

اِس تجربہ سے دیکھا گیا ہے کہ گاؤں میں کتنی آسانی سے کتائی بُنائی جاری کی جا سکتی ہے۔ سات سو روپیہ میں کسی بھی سنٹر میں یہ اسکیم جاری کی جا سکتی ہے چھ ماہ کا خلاصہ بجٹ اس طرح سمجھئے۔

(۱) نصف دام پر چرخا اور دُھنکی دینے میں	۲۰۰ روپیہ
(۲) کاتنا سکھانے میں سامان کی بربادی	۵۰ 〃
(۳) کام میں امداد دینے اور دوسری ضروری باتوں میں	۳۰۰ 〃
(۴) بُننے کے لئے نصف دام پر چار کرگھے	۵۰ 〃
(۵) کاتنا سکھانے والے کی تنخواہ ۱۲ روپیہ ماہوار کے حساب سے	۷۲ 〃
(۶) پھٹکر	۲۸ 〃
میزان	۷۰۰ روپیہ

کسی ضلع میں جہاں کم از کم تین سنٹروں میں کام شروع ہو جاتا ہے وہاں ایک رنگریز بھی رکھدیا جاتا ہے۔

ابھی یہ اسکیم فیض آباد، پرتاب گڈھ، کانپور، بارہ بنکی، اٹاوہ، اُناؤ، سہارنپور، دہرہ دون اور مین پوری میں جاری کی گئی ہے۔ ہمارا ارادہ جلد ہی اِسے صوبے بھر میں جاری کرنے کا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اِس اسکیم کے ذریعہ جس حلقہ میں کتائی بُنائی جاری ہو جائیگی وہاں سرکاری امداد بند ہونے کے بعد بھی جاری رہے گی اگر ہمارے صوبے کے گاؤں میں کتائی بُنائی جاری ہو جائے تو جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں ہمارے کسانوں کا ایک بہت بڑا سوال حل ہو جائے۔ ایک اوسط درجہ کے کسان کے گھر میں سال میں تقریباً ۴۸ روپیہ کا کپڑا صرف ہوتا ہے۔ چونکہ وہ چار روپیہ ماہوار کا سوت کات کر بہت آسانی سے حاصل کر سکتا ہے۔ جب کسان دیکھے گا کہ اِس ۴۸ روپیہ کے لئے اُسے اپنا گیہوں نہیں بیچنا پڑا۔ بیلوں کا بھوسا نہیں بیچنا پڑا۔ کھیت یا بیوی کا زیور گروی نہیں رکھنا پڑا تو اُسے کتنی خوشی اور اطمینان ہوگا۔ اِس کا اندازہ آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔ گاؤں سُدھار سے دلچسپی رکھنے والے سبھی بھائی بہنوں سے استدعا ہے کہ اِس اسکیم کے پرچار میں وہ ہمارے آرگنائزروں کی جو بھی امداد کر سکتے ہوں کریں اور خاص طور سے گاؤں کا بُنا ہوا کھدر خریدیں۔

ترقی کی راہ پر

(از شری پنڈت موہن لال نہرو)

پچاسوں سال سے نوجوانوں کے دماغوں میں یہ بات گھوما کرتی ہے کہ ہمارے باپ دادا اگر بیوقوف نہیں تو نرے بکواسی ضرور تھے۔ یوں تو کچھ نہ کچھ خیالات میں اور اُن کے ظاہر کرنے میں ہر وقت اختلاف رہا ہی ہے۔ مگر اب اُن خیالات کا بہاؤ اسی طرف رہتا ہے کہ ہمارے باپ دادا نرے باتونی تھے اور ہم نوجوان کام کرکے دکھانے والوں میں ہیں۔

ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ اکثر جو کچھ بھی ہم کر سکتے ہیں وہ انھیں باتوں کا نتیجہ ہوتا ہے یا یوں کہئے کہ بزرگوں کے اقبال سے ہوتا ہے۔ آج کل چھوت اچھوت کے خلاف بڑے زور کی جنگ ہو رہی ہے۔ اسی کا حوالہ دینا شاید بیجا نہ ہوگا۔ آج سے پچاس یا ساٹھ سال قبل ایسے ہندو حضرات ہو چکے ہیں جنھوں نے چھوت اچھوت کے خلاف آواز اُٹھائی تھی۔ پہلے وہ نکو بنے رہے لیکن اپنی رٹ لگائے رہے۔ انھیں خود کسی کا چھُوا کھانے کی ہمت نہ ہوئی۔ اُنکے بعد کی نسل نے اُن سے کہا کہ آپ کہتے تو ہیں لیکن جب خود عمل نہیں کرتے تو کہنے سے کیا فائدہ۔ ہم تو عمل کرکے دکھائینگے۔ انھوں نے چرا چھپا کر ہوٹلوں میں کھانا پینا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ایسا کرنیوالے ایک دوسرے سے چھپکر ہوٹلوں میں کھاتے اور پیتے بھی تھے۔ انھیں یہ جرأت نہ ہوئی کہ اپنی برادری کے کسی شخص کے سامنے ایسا کریں۔ وہاں تو وہ بھی بگلا بھگت ہی بنے رہتے۔ اُنکے لڑکوں پر اسکا یہ اثر ہوا کہ وہ ایکدم آگے آگئے اور اس چوری چھپے کی رسم اُڑا دی۔ یہ بُرا ہوا یا بھلا اِس سے ہمیں بحث نہیں ہمارا تو یہ کہنا ہے کہ انھوں نے جو کچھ بھی کیا وہ انھیں باتوں کا نتیجہ ہے جو اُنکے دادا پردادا کیا کرتے تھے۔ سیڑھی بہ سیڑھی یہ لوگ یہاں تک پہنچے مگر ہر ایک نسل خود ایک ہی سیڑھی چڑھی۔ پھر یہ کہنا کہ انھوں نے اپنے بزرگوں سے کوئی بات زیادہ کی سراسر غلط ہے۔

انسان ہمیشہ ہی تبدیلی چاہتا ہے۔ جسے وہ ترقی کہتا ہے اور بوڑھا ہونے پر دوسروں کا اُس سے آگے بڑھنا بُرا سمجھتا ہے۔ اس لئے نوجوان اُسے بیوقوف کہنے لگتے ہیں۔ جسے دیکھو ترقی کی دہائی دیتا ہے۔

ترقی ہے کیا۔ موجودہ حالت میں انقلاب۔ کوئی شخص بھی کسی بات سے مطمئن نہیں شاید موجودہ حالات سے کبھی کوئی مطمئن نہیں رہا۔ انقلاب کی یا ترقی کی ہمیشہ خواہش رہی ہے۔

تھوڑے ہی دنوں کی بات ہے کہ سماجی زندگی میں عورت کو کسی انقلاب کی خواہش نہ تھی۔ وہ اپنی اس زمانے کی حالت سے خوش تھی اور کسی انقلاب کے خواہشمند کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتی تھی وہ حالت اچھی تھی یا بُری تھی اس وقت اِس سے بحث نہیں ہے نسوانی تعلیم کے خصوصاً اُس تعلیم کے جو آجکل رائج ہے پھیلاؤ سے اُسے اپنی بھلائی کا خیال پیدا ہوا اور اُس نے اپنی اصلاح کی تحریک شروع کی۔

مغربی ملکوں میں اُس تحریک کی مخالفت ہوئی۔ مردوں نے اس کی خاص مخالفت کی اور ماربیٹ تک کی نوبت پہنچی۔ لیکن آخر میں اُسے کامیابی ہوئی۔ یہ ترقی سمجھی گئی۔ آہ تھوڑے ہی دنوں میں پھر اس کی مخالفت شروع ہوگئی۔ اور جرمنی و اٹلی میں عورت پھر اپنی قدیم جگہ پر ڈھکیل دی گئی اُن مخالفوں کی رائے میں یہ ترقی ہوئی۔

مشرقی ممالک میں نسوانی تحریک کی ذرا بھی مخالفت نہیں ہوئی۔ مردوں نے خود اُس کے لئے اُن کی حوصلہ افزائی کی۔ ہندوستان خود غلامی میں ہے۔ دینے کا سوال ہی کیا؟ پھر بھی جو کچھ وہ دے سکتا تھا اُس میں اُس نے لحاظ نہیں کیا۔ دینے یا نہ دینے کے واسطے یہ ضروری ہے کہ دینے والے کے پاس وہ چیز ہو۔ یہاں تو آپ میاں مانگتے والا مسئلہ ہے۔ جو کچھ بھی آپ دینا چاہیں یا جو بھی انقلاب کرنا ہو اسکے واسطے اپنے مالکوں سے درخواست کرنی ہوتی ہے۔ اور وہاں سے انکار ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہندو لڑکی کے ترکہ کا قانون اور بین الاقوامی شادی کے قانون کی بربادی سے ثابت ہے۔

نسوانی تعلیم کی مثال لیجئے۔ تھوڑے ہی دن ہوئے کہ عورت کو تعلیم دینا بُرا سمجھا جاتا تھا۔ مصلح پیدا ہوگئے اور کافی لیکچر بازی ہوئی۔ کچھ لوگ اُن کی بات مان کر لڑکیوں کو پڑھانے لگے مگر اُن اصلاح کرنے والوں کی یہ منشاء کبھی نہ تھی کہ لڑکیاں اُسی قسم کی اور اُتنی ہی تعلیم حاصل کریں جیسی لڑکے حاصل کرتے ہیں اُن میں سے کوئی تو اُتنی تعلیم دینا چاہتے تھے کہ عورت کو گھر کے کام کاج میں آسانی ہو۔ کوئی جو اُن سے زیادہ انقلابی تھے صرف اِتنا چاہتے تھے کہ اُن کی لڑکی غیر مردوں سے باتیں کرسکے اور ہوسکے تو بدیسی زبان میں بھی چٹاخ پٹاخ بول سکے۔ تھوڑے سے آدمی ایسے بھی تھے جو اُسے مردوں کے برابر تعلیم دینا چاہتے تھے۔ مگر وہ بھی یہ نہیں سوچتے تھے کہ وہ مرد کی برابری کو تیار ہو جائیگی۔ ایسے مرد موجود ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ عورت کو مرد کے برابر حقوق ملنے چاہئیں - اور ایسی عورتیں بھی ہیں جو یہی بات کہتی ہیں مگر شاید وہ مرد اور وہ عورتیں یہ بات غلط کہتی ہیں کہ مردوں نے اُن کے واسطے کچھ نہیں کیا۔ ایسا کہنے والے نسوانی تحریک کی تاریخ سے واقف نہیں ہیں۔

اگر کسی بزرگ نے خانگی تعلیم دینے کی آواز نہ اُٹھائی ہوتی یا یوں کہیں کہ 'بکواس' شروع نہ کی ہوتی اور اُن کے بعد کچھ لوگ اور آگے نہ بڑھے ہوتے تو آج یہ حالت نہ ہوتی کہ وہ اِتنا بھی کہنے کی جرأت کرتے۔ یہ اُنھیں باتونی بزرگوں کے اقبال کا نتیجہ ہے کہ ایسے لوگ موجود ہیں جو مساوات کی آواز بلند کئے ہوئے ہیں ایسی آوازیں اُٹھائیں ضرور اُٹھائیں۔ ایسا چاہئے بھی مگر اُن لوگوں کو جنھوں نے بنیاد ڈالی ہے بدنام کرنا کیا ضروری ہے؟ جنھوں نے اِتنی امداد دی اُن کا دل بیجا دُکھایا جائے - یہ کہاں کا انصاف ہے؟

گذشتہ پچاس سال کی کانگریس کی تاریخ دیکھی جائے۔ لیڈروں کی شروع شروع کی تقریریں پڑھی جائیں تو اُس میں خوشامد کی بو آتی ہے "سرکار نے کیا تو بہت کچھ اور ہم اِس کے لئے اُسکے شکرگذار ہیں لیکن وہ کافی نہیں ہے۔"

آگے چل کر یہ ڈھنگ بدل گئے۔ اُس وقت کے لیڈروں نے شکریہ ادا کرنا چھوڑ دیا اور صاف صاف شکایت کرنی شروع کردی۔ اپنے سے پہلے کے لیڈروں کا مذاق اُڑایا۔ اُن کے بعد تیسری جماعت آئی جو 'گرم' کہلانے لگی اور سرکار کے سامنے مانگیں پیش کرنے لگی۔ چوتھے نے ترک موالات کی دھمکی دی اور کر دکھایا۔ ایک کو دوسرا دوسرے کو تیسرا اور تیسرے کو چوتھا بزدل بتاتے رہے اور یہی کہتے رہے کہ پہلے والے 'بک بک' کرنے کے علاوہ کسی مصرف کے نہیں تھے۔ پُرانے رہنماؤں کے معتقد اب تک اِنھیں الفاظ میں یاد کئے جاتے ہیں۔

ذرا غور کیجئے اور سوچئے کہ بغیر پہلے کے شروع کئے اور دبی زبان سے شروع کئے چوتھے تک معاملہ پہنچتا کیونکر؟ بچّہ پیدا ہی نہ ہو تو بڑھے کیسے؟ دراصل کوئی بھی بزدل نہیں تھا۔ بغیر کہے سننے والے کیسے گنیں اور بلا سُنے دوسرے کیسے جانیں؟ اگر ہم کہیں کہ نری بکواس بھی اتنی بُری چیز نہیں جتنا اُسے کچھ لوگ دکھانا چاہتے ہیں تو شاید غلط نہ ہوگا۔

اب سیاسی تحریک نے پھر پلٹا کھایا ہے۔ گرم جماعت کے لوگ ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہنے لگے ہیں جو لوگ وزارت قبول کرنے کے مخالف ہیں وہ اُس کے موافق کو کمزور اور ایک طرح سے بزدل سمجھنے لگے ہیں - اور یہ دونوں پُرانے قسم کے لبرل لیڈروں کو تو آرام کرسی والے سیاست داں سمجھتے ہی ہیں۔ شاید یہ ٹھیک بھی ہے کیونکہ وہ سوا گرم جماعت والوں کو بُرا کہنے کے اور چالیس پچاس سال قبل کے پُرانے لیڈروں کی دُہائی دینے کے کچھ کرتے بھی تو نہیں - وہ یہ بھولے ہوئے ہیں کہ اُس وقت کے مقابلے میں آج زمانہ پچاس سال آگے بڑھ چکا ہے۔ مگر کانگریس کی اندرونی دونوں جماعتوں میں اتفاق ہوتے ہوئے بھی اُن میں سے ایک دوسرے کو پچھڑی ہوئی جماعت سمجھتی ہے جو اُس کی رائے میں بودی ہے۔

درحقیقت ایسا نہیں ہے - اپنے وقت کی ہر اصلاح کرنے والی جماعت نے پورا کام کیا اور اب بھی کر رہی ہے۔

ضلع میرٹھ میں خان بہادر وحیدالدین کی اوسر زمین میں لگائے ہوئے کھیت کے ایک جنگل کا نظارہ ۱۹۲۶ء یا ۱۹۲۷ء کے قریب قریب یہ کام ڈویژنل فاریسٹ آفیسر کی نگرانی میں شروع ہوا تھا۔

ایندھن اور چارہ

(از مسٹر ایس - ایس نیگی - پی - ایف - ایس - ڈیولپمنٹ آفیسر فاریسٹ)

صوبہ متحدہ میں، کمایوں کے پہاڑی جنگلوں کو چھوڑ کر، جنگلوں کے رقبے کا میزان صوبہ کے رقبے کا تقریباً چار فیصدی ہے۔ یہ ہمالیہ کے نیچے تنگ پٹی میں دہرہ دون سے شاردا نہر تک اور کھیری اور گورکھپور کے درمیان میدانوں میں منتشر قطاروں میں پھیلے ہیں۔ جھانسی اور باندہ ضلع کے تھوڑے سے رقبوں کو چھوڑ کر باقی رقبے میں جنگل نہیں ہے۔ جنگل کے رقبوں کی کمی اور دوری کی وجہ سے میدان میں رہنے والوں کو گھر بنانے کی لکڑی، جلانے کی لکڑی، گھاس، بانس اور جنگل کی اور چیزوں کے لئے زیادہ قیمت دینی پڑتی ہے۔

ماہرین نے اندازہ لگایا ہے کہ مالی ضروریات رفع کرنے کے لئے ہر ایک ملک کے بیس فی صدی حصے میں جنگل ہونا چاہئے۔ ہندوستان میں گاؤں والوں کی سب سے بڑی ضرورت جھونپڑیوں مویشی خانوں، ہلوں، کھیتی کے اوزاروں اور گاڑیوں کے لئے لکڑی، اوپلوں کی جگہ جلانے کے لئے لکڑی اور مویشیوں کے لئے چارے کی ہے۔ اس صوبے میں آدھ کروڑ "ہل" ہیں اور کم از کم اتنی ہی تعداد میں جھونپڑے، مویشی خانے اور دس لاکھ گاڑیاں ہیں۔ صرف ایندھن کی جگہ اوپلوں کا خرچ ہی، جلانے کے لئے کوئی دوسری چیز نہ ہونے کے باعث کئی لاکھ روپیہ سالانہ کا ہے۔ جس کی کھاد کے طور پر تقریباً ساڑھے سات کروڑ روپیہ قیمت ہو سکتی ہے اس طرح یہ بات معلوم ہوگی

۲

ضلع بریلی، فرید پور میں شیشم کا ایک جنگل - ۱۹۳۲ء اور اس کے بعد کے سالوں میں سوکھی بلوہی زمین میں لگایا گیا تھا۔

کو گھر بنانے کی لکڑی، ایندھن، اور چارے کی بہت زیادہ ضرورت ہے - اور گاؤں والوں کی اِن ضروریات کو رفع کرنے کے لئے گاؤں کے میدانوں میں ایندھن اور چارہ کے لئے درخت لگانے کی امکانی کوشش ہونی چاہیئے۔

محکمۂ جنگلات نے پچھلے پچیس سال سے کھیتی کے قابل اور ناقابل مٹی میں جلانے کی لکڑی اور چارے والے درخت لگانے کا تجربہ کیا ہے - گاؤں کے حالات پر "فاڈر اینڈ گریزنگ کمیٹی" نے رپورٹ دی ہے - جس کی تجویز پر گاؤں کے میدانوں میں جلانے کی لکڑی اور چارے والے درخت لگانے کی ایک موزوں اسکیم تیار کرنے کے لئے ایک افیسر اِسی خاص کام کے لئے تعینات کیا گیا ہے۔

تجویز یہ ہے کہ ہر گاؤں میں جلانے کی لکڑی اور چارے کے درخت لگائے جائیں جو گاؤں والوں کی کم از کم کچھ ضروریات کو رفع کرنے کے لئے کافی ہوں اور ساتھ ہی ساتھ ایسی بنجر زمین جس میں درخت نہیں اُگ سکتے چراگاہ کے لئے استعمال کی جائے۔

موٹے طور پر دو قسم کی زمینیں مانی جا سکتی ہیں۔

(ا) کھیتی کے ناقابل زمینیں۔

(ب) کھیتی کے قابل زمینیں۔

اور اُن کی تفصیل مندرجہ ذیل طور پر ہونی چاہیئے۔

(ا) کھیتی کے ناقابل زمینیں۔ یہ اوسر اُنچلی زمینیں، بھوڑ اور گھاٹیوں کے رقبے ہیں - اِس طرح کی زمین میں معمولی گھانس اور اِدھر اُدھر ببول، ڈھاک، کھجور وغیرہ کے علاوہ شاید ہی کچھ اُگتا ہو - بہت سے اوسروں میں بہت گہرائی تک کنکر ہوتے ہیں جو جڑوں کی ترقی میں حائل ہوتے ہیں - بڑے بڑے درخت اپنی جڑیں دور تک

بہرائچ ڈویزن میں ۱۹۳۳ء میں لگائے ہوئے جامن کے درخت

پھینکتے ہیں اور اِس لئے اوسر کے رقبوں میں اُگنے کا اُنھیں بہت کم موقع ملتا ہے۔ کچھ ایسے اوسر بھی ہیں جہاں کنکروں کا نہ ٹوٹنے والا سلسلہ نہیں ہوتا۔ اور جگہ جگہ پر اچھی مٹی کے چکتے ملتے ہیں۔ اِن اچھے چکتوں میں جہاں اچھی گھاس اور کبھی کانٹے دار درخت اُگتے ہیں۔ ببول، ڈھاک اور کھجور بوئے جا سکتے ہیں۔

سب سے اچھا استعمال جو اوسر کی زمینوں کا ہو سکتا ہے وہ اُنھیں چراگاہ بنانے کا ہے۔ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مویشیوں سے بچانے کے لئے گھیر دینے پر اوسر کے میدانوں کی گھاس بہت بڑھائی جا سکتی ہے۔ اور اِن اوسروں کو اچھے چراگاہوں میں بدلنے کی کوششیں ہونی چاہئیں۔

بنجلی زمینیں۔ رقبے، جن میں برسات میں پانی جمع رہتا ہے اور جہاں جاڑے میں پالا پڑتا ہے درخت لگانے کے قابل نہیں ہیں۔

ریتیلے رقبے۔ (بھوڑ) نرم جگہوں کے ریتیلے رقبے جو پالے سے بچے رہتے ہیں اور جہاں پر تقریباً تیس انچ بارش ہوتی ہے درخت لگانے کے قابل ہوتے ہیں۔ ایسے نرم ریتیلے رقبے (بھوڑ) جو مویشیوں سے بچانے کے لئے گھیر دئے جاتے ہیں زیادہ تر شیشم کے درختوں سے بھر جاتے ہیں "ببیب" کے درخت بھی نرم ریتیلی زمین (بھوڑ) میں اچھی طرح اُگتے ہیں اور جہاں تک ممکن ہو بان کی رسّی کی صنعت کو ترقی دینے کے لئے اِنھیں جاری کرنا چاہئے۔

(ب) کھیتی کے قابل زمینیں۔ خصوصاً ایسی جگہوں کے لئے جہاں کھیتی بہت زیادہ ہوتی ہو جلانے کی لکڑی کے درخت لگانے کا خیال ٹھیک ہے اور اچھے انتظام کے ساتھ کھجانے والی کھیتی کے لئے یہ بہت ضروری چیز ہے۔ جلانے کی لکڑی

نیم کے پیڑ ۔ جو اجودھیا راج (فیض آباد) میں کورٹ آف وارڈس کی نگرانی میں جولائی ۱۹۳۳ء میں لگائے گئے تھے ۔ یہ فوٹو اُس وقت کا ہے جب یہ پیڑ دو سال کے تھے ۔

پیدا کرنے کے لئے الگ کیا گیا چھوٹا سا رقبہ اچھی کھاد دیکر بوئی جانے والی باقی زمین سے زیادہ فائدہ دیتا ہے ۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ ایک من پیدا کی گئی جلانے کی لکڑی کم از کم ۱۶ من گوبر کی کھاد کو چولھوں میں جلانے سے بچا کر گاؤں کے کھیتوں میں بھیجتی ہے ۔ جنگلوں کا لگانا کھاد کی بھی بچت کرتا ہے ۔ اُور کھیتی میں ہونے والے نقصانات کو بھی روکتا ہے ۔ جنگل سے ہونے والے اُور بھی فائدوں کا ذکر کیا جا سکتا ہے ۔ جیسے کھیتی کے اوزاروں، جھونپڑیوں، مویشی خانوں اور گاڑیوں کو بنانے کے لئے لکڑی کا ملنا، چارے کا بندوبست اُور پاس اُگنے والے درخت اُور گھاس کی حفاظت ہونا جلانے کی لکڑی کے درخت لگانے کے لئے اُیسے رقبے نہ چُنے جائیں جو اَور چیزوں کے قابل نہ ہوں ۔

تجربوں سے "تاونگیا" یا بن کھیت طریقے ہی زیادہ موزوں معلوم ہوتے ہیں ۔ اِس کے لئے زمین کا ایک مناسب رقبہ چُن لیا جاتا ہے اور کسانوں کو بغیر لگان کے دیا جاتا ہے جو جلانے کی لکڑی اُور چارے کے درختوں کے عمدہ بیج خریف کی فصل کے ساتھ ۲۰ سے ۳۰ فیٹ کی دوری پر بوتے ہیں ۔ چھوٹے چھوٹے پودے خریف اور ربیع کی فصلوں کے ساتھ ۳ سے پانچ سال محفوظ رہتے اور بڑھتے ہیں ۔ اِس درمیان میں وہ ۱۵ سے بیس فٹ تک اُگ آتے ہیں ۔ اُور اِس طرح پھر فصل روکتے ہیں ۔ مختلف مقامات میں مختلف طریقے کے درخت مٹی اور آب و ہوا کے مطابق یہ سمجھنے کے لئے لگائے جاتے ہیں کہ سب سے زیادہ مناسب کون ہونگے ۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ زرخیز مٹی میں لگائے گئے درخت سال بھر میں اوسطاً فی ایکڑ ۱½ سے لیکر ۲ ٹن مکان بنانے کی لکڑی اور جلانے کی لکڑی دیتے ہیں اَور غیر زرخیز اور کمزور مٹی میں پیداوار کم ہوتی ہے ۔

۱۹۳۸ء کے موسم سرما میں میرٹھ اور روہیلکھنڈ کمشنریوں میں بہت زیادہ اشاعت کرکے اس بات پر زور دیا گیا کہ زمیندار اور کسان اپنی کاشت کی زمین میں سے تھوڑا سا حصہ جلانے کی لکڑی اور چارے کے درخت لگانے کے لئے الگ کر دیں۔ اور بنجر زمین جس میں درخت نہ اُگ سکتے ہوں اُنھیں گھیر کر چراگاہ کے طور پر استعمال کریں۔

اس اشاعت کا یہ نتیجہ ہوا کہ بہت سے زمینداروں نے درخت لگانے کے لئے چراگاہوں اور گھاٹیوں کی زمینوں میں اصلاح کرنے کے لئے زمینیں الگ کر لی ہیں۔ اور کام بھی شروع ہو گیا ہے۔ زمیندار بہت زیادہ دلچسپی دکھلا رہے ہیں۔ لیکن کسانوں نے اعتبار نہ کرنے کی وجہ سے اسکیم کے مطابق کام کرنا نہیں شروع کیا۔ لیکن اُمید کیجاتی ہے کہ مسلسل اشاعت اور زور دینے پر کسان بھی جنکی مدد اس اسکیم کی کامیابی کے لئے ضروری ہے آجائیں گے اور اس اسکیم میں مدد دیں گے۔

درخت لگانے کا جو کام اس سال (۱۹۳۸ء) برسات میں شروع ہونے پر کیا گیا ہے وہ اس طرح ہے۔

(ا) گاؤں کے لئے جلانے کی لکڑی اور چارے والے درخت لگانا۔

(ب) دوسری زمینوں کی اصلاح۔

(ج) گھاٹیوں کو کام میں لانا۔

(د) پودوں کے لئے بیہن لگانا۔

(لا) بیج کے گوداموں کا کھولنا۔

جس قسم کے درخت لگائے گئے ہیں وہ یہ ہیں:۔ شیشم اور تون (مکان بنانے اور جلانے کی لکڑی کے لئے) کھیر (کوئلہ۔ بیل گاڑیوں کے پہیوں کے آرے، دھان کوٹنے کی ڈھینکی کے لئے) نیم (جلانے کی لکڑی، مکان بنانے کی لکڑی، چارہ اور نمبولی کے لئے) آم اور جامن (جلانے کی لکڑی اور پھلوں کے لئے) ببول (گاڑیوں کے پہیئے، ہل، چمڑے کی رنگائی جلانے کی لکڑی اور چارے کیلئے) پلا جلانیکی لکڑی اور چارے کیلئے) بانس (ٹوکریوں، جھونپڑوں اور چکوں کیلئے) اور بَبیا (بان کی رسیوں کیلئے) اس سال جو کام کیا گیا اُس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(ا) گاؤں میں جلانے کی لکڑی اور چارے کے درخت لگانا

۱۔ ضلع ہردوئی

مالک	موقع	رقبہ ایکڑوں میں
۱۔ رائے صاحب ٹھاکر دبھوتی سنگھ ایم۔ ایل۔ اے	سکھ بخش پوروا گاؤں رورا ہردوئی سے چار میل پختہ سڑک پر۔	۴
۲۔ ٹھاکر شیوراج بخش سنگھ	گاؤں سردار گنج ہردوئی سے ۷ میل پختہ سڑک پر۔	۵
۳۔ ٹھاکر لال بہادر سنگھ	گاؤں کھجوریا ہردوئی سے چھ میل پختہ سڑک پر	۲

۲۔ ضلع بریلی

مالک	موقع	رقبہ ایکڑوں میں
۱۔ شیام بہاری لال اگروال	بلوا فارم، بریلی سے پانچ میل۔ بریلی کاٹھ گودام سڑک پر۔	۱۴
۲۔ مرلی کاشتکار (زمیندار بنواری لال)	گاؤں بکنیا۔ تحصیل فرید پور، بریلی۔ شاہجہاں پور سڑک پر بریلی سے پندرہ میل اور سڑک سے ایک میل مشرق کی جانب	۱¾
۳۔ ٹھاکر سدرشن سنگھ	گاؤں پچومی، تحصیل فرید پور۔ بکنیا پلاٹ سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر	۱½

مالک	موقع	رقبہ ایکڑوں میں
۴۔ اصغر علی خاں	تقریباً نجابت خاں شاہجہانپور سڑک پر بریلی سے تقریباً چھ میل اور سڑک سے تقریباً ایک میل مغرب کی طرف	۱
	۳۔ ضلع پیلی بھیت	
۱۔ راجا صاحب پیلی بھیت	نوگاؤں، پیلی بھیت سے چار میل پیلی بھیت بلاس پور سڑک پر	۱۴
۲۔ " " " "	نوگاؤں پیلی بھیت سے چار میل پیلی بھیت بلاس پور سڑک پر (ڈیپ کی بہن)	۱
۳۔ " " " "	پرانی پیلی بھیت۔ پیلی بھیت سے تین میل، پیلی بھیت نیو دریا سڑک پر	۱۴
	۴۔ ضلع بجنور	
۱۔ رانی صاحبہ شیر کوٹ	گاؤں اللہ پور دھام پور اسٹیشن سے ۱½ میل کے فاصلے پر	۱½
۲۔ " " "	" " " " " " " "	۲½
۳۔ " " "	گاؤں مرزا پور پلا دھام پور اسٹیشن سے ۱½ میل کے فاصلے پر	۱۰
۴۔ " " "	" " " " " " " " " "	۴
۵۔ " " "	" " " " " " " " " "	۱۰
	۵۔ ضلع بلند شہر	
۱۔ چودھری شادی رام	چھٹی ڈانکور جانے والی سڑک پر سکندر آباد سے ۳ میل	۱۰
۲۔ (کنارسی کے) شوکت علی خاں ایم۔ ایل۔ اے	کنارسی فارم، ڈانکور جانے والی سڑک پر سکندر آباد سے نو میل	۴
۳۔ عبد العزیز زمیندار	گاؤں کھنودا اورنگ آباد سے ۲ میل اور پختہ سڑک پر بلند شہر سے آٹھ میل	۴
۴۔ " " "	" " " " " " " " "	۲
۵۔ ریاض الدین	فیض آباد گلوٹھی سے تین میل جبلی پل کی طرف۔ گلوٹھی۔ بلند شہر سے ۱۵ میل دور ہے۔	۲
۶۔ چودھری فیض یار خاں زمیندار	فیض آباد گلوٹھی سے تین میل اور بلند شہر سے ۱۸ میل دور ہے	۱½
۷۔ سیٹھ پریم نرائن جین زمیندار	گاؤں ٹانڈا بلند شہر سے ایک میل کے فاصلے پر انوپ شہر سڑک پر	۱½
۸۔ ریوتی پرشاد زمیندار	بادنارا گاؤں بلند شہر سے کچی سڑک پر ۲ میل کے فاصلے پر	۲½
	۶۔ ضلع میرٹھ	
۱۔ بدھ پرکاش	حسن پور قدیم۔ میرٹھ سے ۳ میل کے فاصلے پر گڈھ مکتیشور جانیوالی سڑک پر	۳

مالک	موقع	رقبہ ایکڑوں میں
۲- خان بہادر شیخ وحید الدین	عارف پور سدونی گڈھ مکتیشور سڑک پر ۱۷ میل اور پھر داہنی طرف ۲ میل کے فاصلے پر	ۃ
۳- 〃 〃 〃 〃 〃	پنچلی، باغپت سڑک پر میرٹھ سے ۷ میل کے فاصلے پر	۵
۴- چودھری شیام سنگھ	بسوکھر میرٹھ سے ۱۲ میل کے فاصلے پر غازی آباد کی پختہ سڑک پر	۱½
۵- سر سیتا رام	زین پور میرٹھ سے ۴ میل کے فاصلے پر	۲
۶- ساہو ہرسرن داس	پرکاش فارم غازی آباد سے ۲ میل کے فاصلے پر	۲
۷- سید محمد سبط کاظم	گاگول میرٹھ سے ۵ میل کے فاصلے پر	۲
۸- کنور جمشید علی خاں (نواب باغپت)	باغپت کے پاس میرٹھ سے تقریباً ۳۱ میل کے فاصلے پر	۴
۹- لجا رام شنگل	فرید نگر بسوکھر سے تقریباً ۷ میل کے فاصلے پر	۴
	۷- ضلع مظفر نگر	
۱- نواب سجاد علی خاں	نگلا بزرگ مظفر نگر سے تقریباً ۱۵ میل جوکی خال کے پاس	۵
۲- 〃 〃 〃	〃 〃 〃 〃 〃 〃	۲
۳- 〃 〃 〃 〃	〃 〃 〃 〃 〃 〃	۵
۴- 〃 〃 〃 〃	مظفر نگر کے پاس	۵
۵- بابو سریندر پرکاش مظفر نگر	شیر نگر جنسٹھ جانیوالی کچی سڑک پر مظفر نگر سے چار میل کے فاصلے پر	۴
۶- 〃 〃 〃 〃 〃	〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۱
	میزان	۱۴۱ ¾

(ب) چراگاہ کے لئے اوسروں کی اصلاح

۱- ضلع بلند شہر

مالک	موقع	ایکڑوں میں رقبہ
۱- شری نرائن - بی - اے - ایل ایل - بی	انوپ شہر جانیوالی سڑک پر اوسر کا میدان	زیادہ رقبہ
۲- چودھری شادی رام	موضع جیتی، سکندر آباد سے ۳ میل ڈانکور جانیوالی سڑک پر (بلند شہر سے ۱۴½ میل)	۵
۳- ایس عبدالعزیز	اورنگ آباد کے پاس بلند شہر سے ۹ میل کے فاصلے پر	۱۰

۲- ضلع میرٹھ

مالک	موقع	ایکڑوں میں رقبہ
۱- خان بہادر شیخ وحید الدین	پنچلی میرٹھ سے ۷ میل موانہ جانیوالی پختہ سڑک پر	۵
۲- چودھری شیام سنگھ	بسوکھر کی چراگاہ	۱۰
۳- سر سیتا رام	زین پور کی چراگاہ	۱۵

(ج) گھاٹیوں کو استعمال میں لانا

ضلع بدایوں

موضعوں کے نام	مالک	موقع
۱ - دیوری جیت	مولوی ریاض الدین ایڈوکیٹ بدایوں (برادر خان بہادر مولوی فصیح الدین)	بدایوں بریلی سڑک پر پی ڈبلو ڈی کے انسپکشن ہاؤس سے ۹ میل کے فاصلے پر۔
۲ - دوری نروتم پور	مسٹر وحید الدین حسن آنریری مجسٹریٹ بدایوں	بدایوں گگروله سڑک پر پی ڈبلو ڈی کے انسپکشن ہاؤس سے ۳ میل کے فاصلے پر
۳ - کلکٹر کے بنگلے کے سامنے کا رقبہ	تقریباً بیس حصہ دار	پی ڈبلو ڈی کے انسپکشن ہاؤس کے پاس۔

(د) بیہن

پرتاب گڈھ، بریلی اور میرٹھ میں زمینداروں کسانوں اور دوسری مقامی انجمنوں میں تقسیم کرنے کے لئے بیہن لگائی گئی ہے مندرجہ ذیل چیزیں بوئی گئی ہیں۔

۱ - کھیر	۲ - کٹھل
۳ - نیم	۴ - کچنار
۵ - سیر	۶ - املتاس
۷ - شیشم (سیسو)	۸ - بان
۹ - جامن	۱۰ - آسٹریلیا کا ریشم پیدا کرنے والا روک
۱۱ - جیکیرنڈا نیموسی فولیا	۱۲ - گلیلا پتاتا
۱۳ - دیسی آم	۱۴ - کوئینس لینڈ کے چیری پھل
۱۵ - گولڈ مہر	۱۶ - امرود
۱۷ - سجی	۱۸ - بیر

ان ضلعوں میں ۹ جگہوں پر شیشم، کھیر بانس اور ببّ کی بیہن لگائی گئی ہے جسب ذیل قلمیں زمینداروں کو جنگل کے بیہن والے باغیچوں سے لگانے کے لئے دی گئی ہیں۔

نواب سجاد علیخان مظفر نگر	شیشم کی قلمیں	۲۰۰۰
رانی صاحبہ شیر کوٹ۔ دھامپور	شیشم کی قلمیں	۲۰۰۰
	بلیبری کی قلمیں	۱۰۰۰
	کھیر کی قلمیں	۱۰۰۰

(ﮦ) گودام تخم

میرٹھ اور بریلی میں تخم تقسیم کرنے کے لئے گودام تخم کھولے گئے ہیں۔ مندرجہ ذیل تخم زمینداروں اور گرام سدھار انسپکٹروں کو جلانے کی لکڑی اور چارے کے درخت لگانے کے لئے مفت دئے گئے ہیں۔

تخم	من	سیر	تخم	من	سیر
۱ - شیشم -	۹	۱۰	۲ - کھیر -	۷	۲۴
۳ - نیم -	۴	۲۰	۴ - جامن -	۴	۲۰
۵ - ببول	۳	۱۹	۶ - سیمل -	۵	۲۰
۷ - ببّ	۱	۵	۸ - بانس -	۵	۳۶
۹ - پولا	۵	۲۹	۱۰ - تون -	۱	۵
۱۰ - ولایتی ببول	۱۰	۱			

عملے

اس کو شروع کرنے کے لئے محکمہ جنگلات نے اس خاص کام کے لئے ایک گزیٹیڈ آفیسر تعینات کیا ہے۔ اس آفیسر اور اسکے کتفی عملوں کی تنخواہیں انکے اتفاقیہ اخراجات اور سفری اخراجات محکمہ جنگلات کی طرف سے دیئے جائینگے۔ ساتھ ہی ساتھ محکمہ جنگلات نے محکمہ گرام سدھار کے ماتحت چار فاریسٹر اور آٹھ محافظ جنگلات کو آٹھ ماہ کے لئے متعین کیا ہے۔ یہ عملے گرام سدھار انسپکٹر کی ماتحتی میں ان ضلعوں میں درخت لگانے کا کام کر رہے ہیں۔ محکمہ جنگلات سے لئے جانے والے ان عملوں کی خانہ پوری کرنے کے لئے محکمہ گرام سدھار کی طرف سے چار فاریسٹر اور آٹھ جنگلوں کے محافظوں کا تقرر ہوا ہے۔ منتخب کردہ امیدوار دو ماہ تک ٹریننگ حاصل کرنے کے لئے سہارنپور گونڈہ اور بہرائچ فاریسٹ ڈویژنوں میں بھیجے گئے ہیں۔

گاؤں سدھار اور ستیہ گرہ آشرم

(از شری سیتلا سہائے ڈپٹی ڈائرکٹر انفارمیشن)

پچھلے مضمون میں مَیں نے یہ بات بتلانے کی کوشش کی تھی کہ ستیہ گرہ آشرم میں جسے اُس وقت اُدیوگ مندر بھی کہنے لگے تھے کارکنوں کو کس طرح ایک ایسے کام کی ٹریننگ دی جاتی تھی جو کہ عام دنیا میں بہت گھناؤنا کام سمجھا جاتا ہے وہاں کی زندگی میں ایک بات اَور تھی جو گاؤں کے کام کرنے والوں کے لئے قابل تقلید ہو سکتی ہے اَور وہ تھی وہاں کی سادگی کی زندگی۔ جو لوگ وہاں رہتے تھے وہ غریبوں کی سی زندگی بسر کرنے کا عہد کرتے تھے اَور مہینے میں بارہ روپیہ سے زیادہ کوئی خرچ نہیں کر سکتا تھا۔ اتنی ہی رقم کے اندر آرام کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا وہاں عادی بنایا جاتا تھا اَور دن کا پروگرام اٹھارہ گھنٹے کا ہوتا تھا۔ اِس میں کام کا پروگرام کم از کم دس گھنٹے کا ہوتا تھا۔ لوگ صبح چار بجے اُٹھتے تھے چاہے جاڑا ہو چاہے گرمی ہو چاہے برسات ہو۔ جب چار بجے کی گھنٹی بجتی تھی تو ہر ایک آدمی کو بستر چھوڑ دینا پڑتا تھا۔ تین چار سال کے بچے تو بستر پر سوتے ہوئے چھوڑ دئے جاتے تھے۔ باقی سب ہی عورت، مرد، لڑکے، لڑکیاں اِس گھنٹی کو سن کر اُس جگہ پر پہنچ جاتے تھے جہاں دعا ہوتی تھی۔ اَور چار بج کر دس منٹ کے بعد کسی کو اُس جگہ آنے کی اجازت نہیں تھی۔ کیونکہ اِس سے دوسروں کے خیالات میں خلل پڑتا تھا اَور وقت کی پابندی ایک ایسی چیز تھی جو مہاتما گاندھی کو جان سے زیادہ پیاری تھی۔ مہاتما جی کبھی کبھی ۲ بجے رات سے اُٹھکر چٹھیوں کے جواب لکھا کرتے تھے۔ بہرحال مہاتما جی بھی خود چار بج کر ۱۰ منٹ کے پہلے وہاں پہنچ جاتے تھے۔ دعا پانچ بجے سے پہلے ختم ہو جاتی تھی۔

کوشش یہ کی جاتی تھی کہ لوگوں کے دِلوں میں یہ خواہش پیدا کر دی جائے۔ اُن کی زندگی کا مقصد یہ بتایا جائے کہ دُکھی انسانوں کو دُکھ سے نجات دلانا اُن کا فرض ہے۔ (دردر نارائن) غریبوں کے خدا کی خدمت انسان کی زندگی بہترین مقصد بتایا جاتا تھا۔ دردر نارائن مہاتما گاندھی کا بنایا ہوا لفظ ہے۔ جو لوگ ہندو ہیں وہ "ستیہ نارائن" لفظ سے واقف ہوں گے۔ نارائن جب ستیہ (حق) کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں تو اُن کو ستیہ نارائن کہا جاتا ہے لیکن گاندھی جی کا یہ قول تھا کہ دردروں (غریبوں) میں بھی نارائن ہیں اَور دردروں کی خدمت ہی نارائن کی خدمت ہے۔ اِس جگت پر ہندو مذہب اَور عیسائی مذہب کا میل سا ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ نے بھی فرمایا ہے کہ مَیں قیدی تھا اَور تم میرے پاس نہیں آئے۔ اَور مَیں بیمار تھا تم نے میری خدمت نہیں کی وغیرہ وغیرہ۔ اِس مذہب میں بھی یہ مانا جاتا ہے کہ دُکھی اَور غریبوں کی خدمت کرنا ایشور کی خدمت کرنا ہے۔

دعا کرنے کی جگہ بالکل سابرمتی کے کنارے تھی اَور اُس پر چھ انچ بالو پڑی ہوئی تھی۔ گرمیوں میں تو لوگ اُس پر بغیر کچھ بچھائے ہوئے بیٹھ سکتے تھے لیکن سردیوں میں کچھ بچھانے کی ضرورت پڑتی تھی۔ اَور دری کی چھوٹی سی آسنی (دری کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا) بچھا لیا کرتے تھے جو اپنے ساتھ وہاں لے جایا کرتے تھے۔ لیکن آدھے آدمی ایسے سخت جان تھے جو بغیر کچھ بچھائے ہوئے ٹھنڈی بالو پر ہی بیٹھ جایا کرتے تھے۔ جب دعا ختم ہوتی تھی اُس کے بعد سے کام شروع ہو جاتا تھا۔ پانچ بجے سے ساڑھے پانچ بجے تک وقت پیشاب پاخانہ میں۔ مسواک کرنے نہانے وغیرہ میں کچھ لوگ جن کی ڈیوٹی پانچ بجے سے ۶ بجے تک مقرر کر دی جاتی تھی وہ اِن ضروریات سے ۴ بج کر ۲۰ منٹ کے درمیان ہی میں فارغ ہو جاتے تھے۔ پانچ بجے سے ۶ بجے تک

گؤشالے' میں باورچی خانے میں یا ساگ کاٹنے کے لئے لوگوں کی ڈیوٹی ہوا کرتی تھی۔ چھ بجے سے کچھ پہلے صبح کے ناشتے کی گھنٹی ہو جاتی تھی۔ اور ہر ایک آدمی ۶ بجے تک ناشتہ کرنے کے لئے ڈائننگ ہال میں پہنچ جاتے تھے۔ اور ناشتے میں ایک پیالی راب اور دو ٹکڑے پاؤ روٹی کے ملتے تھے۔ 'راب' شاید آپ نہ سمجھے ہوں' آٹے کو پانی میں اُبال کر اور اُس میں ایک سیر آٹے میں ایک چھٹانک گڑ ڈال دیتے تھے۔ اور ایک ایک پیالی ہر ایک آدمی کو مل جاتی تھی۔ اِسی کو راب کہتے ہیں۔ سات بجے سے کام شروع ہو جاتا تھا اور ½۶ بجے اور سات بجے کے بیچ میں ہر ایک آدمی کو یہ موقع مل جاتا تھا کہ وہ اپنا کمرہ صاف کر ڈالے' دن بھر پینے کے لئے پانی رکھ لے۔ مطالعہ کرنا چاہے تو کرے لیکن سات بجے ہی کام پر پہنچ جانا چاہئے۔ سات بجے سے گیارہ بج کر بیس منٹ تک کام کا وقت تھا۔ کوئی سوت کاتتا تھا کوئی بنتا تھا۔ کوئی گؤشالے میں کام کرتا تھا کوئی باغ میں کام کرتا تھا کوئی روئی دُھنتا تھا۔ کوئی کپاس اوٹتا تھا۔ اِسی قسم کے کام تھے۔ لڑکے اور لڑکیوں کا اسکول بھی ہوتا تھا۔ اِس میں بھی کچھ لوگ پڑھانے جاتے تھے۔ گیارہ بج کر ۳۵ منٹ پر کھانے کی گھنٹی ہوتی تھی۔ اور گیارہ بج کر ۴۰ منٹ پر کھانے کے کمرے کا پھاٹک بند ہو جاتا تھا۔ گیارہ بج کر ۲۰ منٹ سے گیارہ بج کر ۴۰ منٹ تک یعنی ۲۰ منٹ کا وقت ہر ایک آدمی کو ملتا تھا۔ اِتنے وقت میں غسل کر لے' کپڑے صاف کر لے' سوکھنے کے لئے پھیلا دے' اپنے کمرے سے تھالی' لوٹا نکال کر کھانے کے کمرے تک پہنچ جائے۔ کچھ لوگ تو سابرمتی جا کر فوراً غوطہ لگا لیتے تھے اس سے ۲ چار منٹ کی بچت ہو جاتی تھی۔ لیکن جب سابرمتی سوکھ جاتی تھی تو کنوئیں سے پانی نکال کر نہانا پڑتا تھا۔ جن لوگوں کے جسم میں پھرتی نہیں ہوتی تھی یا جو لوگ اپنے کام کا انتظام پہلے سے نہیں کر لیتے تھے وہ وقت پر نہیں پہنچتے تھے۔ مثلاً اگر کسی نے اپنے کمرے کے تالے کی کنجی ٹھیک طور سے نہ رکھی اور دس بج کر ۲۰ منٹ کی گھنٹی کے بعد جب وہ اپنے کمرے میں آئے تو اُنھیں معلوم ہوا کہ کنجی غائب ہے اُس کی تلاش میں اگر اُنھوں نے دس پانچ منٹ بھی لگائے تو یا تو وہ نہا نہ سکیں گے یا کھانا نہ کھا سکیں گے۔ اسی طرح اگر راستے میں بھی کسی کو دو منٹ روک کر بات کرنا چاہے تو بات نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ بات کرنے میں دو منٹ لگانے کا مطلب یہ ہو جاتا تھا کہ کوئی کام بگڑ جائے گا۔

مجھے یاد ہے کوئی صاحب اِدھر صوبہ متحدہ یا شمالی ہند سے گئے ہوئے تھے۔ دو تین روز کے بعد جب وہ پروگرام کے پابند ہو گئے تو ایک روز جب ٹہلتے ٹہلتے کھانے کے کمرے کے دروازے پر پہنچے تو پھاٹک بند پایا۔ اُنھیں بُرا لگا اُنھوں نے شام کو دعا کے ختم ہونے کے بعد مہاتما جی سے پوچھا" باپو! اگر کسی کو صبح ۱۱ بج کر ۴۰ منٹ پر پہنچنے میں دیر ہو جائے تو وہ کیا کرے؟" باپو نے کہا" تم میرے سوال کا جواب دیدو تو میں تمھارے سوال کا جواب دوں گا۔ یہ بتاؤ کہ سابرمتی اسٹیشن سے آگرے کی طرف کتنی گاڑیاں جاتی ہیں؟

"دو گاڑیاں۔ ایک گیارہ بجے کے قریب اور ایک شام کو۔"

باپو نے پوچھا۔ اگر کسی کی گیارہ بجے کی گاڑی چھوٹ جائے تو وہ کیا کرے؟

اُس نے جواب دیا۔ کیا کرے! کچھ نہ کرے' شام کی گاڑی سے چلا جائے۔

باپو نے کہا۔ یہی جواب تمھارے سوال کا ہے۔ اگر صبح کھانے کا دروازہ بند ہو گیا تو شام کو کھا لے۔

½۱۱ بجے سے ½۱۲ تک کھانے پینے اور اور اپنے برتن صاف کرنے میں لگ جاتے ہیں۔ تقریباً دو سو آدمیوں کا کھانا سات منٹ میں سجا دیا جاتا تھا۔ اور لمبا چوڑا ڈائننگ ہال چوکے کے برتن اور باورچی خانہ دُھل دُھلا کر صاف ہو کر ساڑھے بارہ بجے تیار ہو جاتا تھا۔ ساڑھے ۱۲ بجے تک اپنا برتن صاف کر کے میں بھی اپنے کمرے میں پہنچ جاتا تھا۔

(مہاتما گاندھی)

ایک بجے سے پھر کام شروع ہوتا تھا۔ اور ۴ ½ بجے تک ہوتا تھا۔ ۵ بجکر ۲۰ منٹ پر شام کا کھانا ہوتا تھا۔ جو چھ بجے کے قریب ختم ہو جاتا تھا ۶ بجے سے سات بجے تک لوگ ٹہلنے جاتے تھے۔ اور سات بجے سے آٹھ بجے تک دعا ہوتی تھی۔ آٹھ بجے رات کو ہر ایک آدمی کو سو جانا چاہئیے۔

مَیں نے یہ سبا چوڑا پروگرام آشرم کا اس لئے آپ کے سامنے رکھا ہے کہ گرام سُدھار کے لئے کس طرح ایک ایک منٹ کام میں لگانا ضروری سمجھا گیا ہے سبھی کے لئے اور گرام سُدھار کے کام کرنے والوں کے لئے تو خاص طور سے، جس کا ایک ایک منٹ قیمتی ہے کیونکہ اُس کی زندگی کا ایک ایک منٹ غریب گاؤں کے باشندوں کی ترقی کے لئے وقف ہو چکا ہے۔ گرام سُدھار کا وہ کام کرنے والا جو وقت کا پابند نہیں ہے اور جس نے اپنے دن کا ہر ایک منٹ کسی کام کے لئے مقرر نہیں کر رکھا ہے ضرور فیل ہو جائے گا۔ مجھے ایسی بھی جماعتوں کا حال معلوم ہے جہاں سارا وقت کھانے پینے نہانے، اور کپڑے صاف کرنے میں ہی گذر جاتا ہے۔ اُس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ لوگوں کا بندوبست ٹھیک نہیں رہتا۔ صبح سات بجے سے پہلے آجکل جاڑوں میں اُٹھنا مشکل ہوتا ہے۔ سات بجے اُٹھے تو ایک گھنٹہ دھوپ میں غپ اڑائی۔ کچھ دیر منہ ہاتھ دھونے میں لگی۔ نو بجے خیال کیا کہ چلو کسی گاؤں میں گاؤں سُدھار کا کام کر آئیں۔ پھر سوچا کہ نو بجے

چلیں گے تو کھانے پینے کی دقت ہوگی اس لئے کھا پی کر چلیں۔ اس لئے اِس کا انتظام شروع کیا۔ اتنے میں کوئی صاحب آگئے۔ اُن سے بات کرنے میں کچھ وقت لگ گیا پھر نہائے، کھانا پکایا کھایا۔ تب تک بارہ بج گئے۔ تھوڑی دیر کھانا کھانے کے بعد آرام کیا پھر گاؤں کے لئے روانہ ہوئے۔ اور چار بجے کے بعد زبانی جمع خرچ کرکے لوٹ آئے۔ ایسا گرام سُدھار کا کام کرنے والا اپنی زندگی بھی خراب کرتا ہے۔ اور ملک کے ساتھ بھی غداری کرتا ہے۔ اُوپر کی مثال مَیں نے صرف اس لئے پیش کی ہے کہ ہم اُس سے سبق سیکھیں۔ سرکاری کام کے خیال سے ہی نہیں بلکہ اپنی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے بھی ہر ایک آدمی کے واسطے جس نے گرام سُدھار جیسا پاک اور عظیم کام اپنے ہاتھ میں لیا ہے یہ ضروری ہے کہ صبح اُٹھتے ہی وہ اپنے دن بھر کے منٹ منٹ کا پروگرام بنالے اور اُس پر عمل کرے۔

فضول کی گپ کام کرنے والے کی بہت بڑی دشمن ہے۔ سارا دن ہی نہیں بلکہ ساری زندگی اسی میں ختم کی جا سکتی ہے اُور شمالی ہند میں خاص کر لوگوں میں یہ عادت پائی جاتی ہے۔ جہاں یہ عادت ترقی کرتی ہے وہاں کارکنوں میں آپس میں جھگڑے بھی بہت ہوجاتے ہیں۔ جس کے بہت خراب نتیجے پیدا ہوتے ہیں۔

ہندوستان جیسے ملک میں جو بہت پچھڑ گیا ہے ایک ایک آدمی دو دو آدمیوں کا کام کرے اُس وقت کہیں اپنی کمی پوری کرسکتا ہے۔ جو آدمی دوڑ میں پیچھے رہ گیا ہو اُس کے لئے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اوروں سے دوگنا دوڑے تب کہیں برابر ہو سکتا ہے۔ گرام سُدھار کے کارکن کے سامنے اِس لئے فضول باتوں کے لئے کوئی وقت نہیں رہ سکتا ہے اُسے تو خود کام کرنا ہے اور کام کا نتیجہ دکھانا ہے۔ اِس محکمے کے بارے میں دنیا کوئی رائے صرف نتیجہ دیکھکر ہی قائم کرسکتی ہے۔ صرف دلی دعائیں کافی نہیں ہیں لوگوں میں پرچار کرنا چاہئے۔ لیکن تقریروں سے پرچار کرنا اتنا مؤثر نہیں ہوتا جتنا عملی کام کرنے سے ہوتا ہے۔ ہم نتیجے کی کسوٹی پر کسے جائیں گے۔ اگر ہم اپنے حلقے میں کامل پنچایت گھر نہ بنا سکے۔ زندگی کو سُدھارنے والا سماج نہ بنا پائے گاؤں کو صاف تر نہ کر پائے، دوا تقسیم کرنے کا معقول انتظام نہ کر پائے گاؤں کے لڑکے لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام نہ ہوا تو ہم چاہے کتنے ہی اچھے مقرر کیوں نہ ہوں اور ہمارے دلوں میں ملک کی ترقی کے کتنے ہی بلند جذبات کیوں نہ پائے جاتے ہوں، لیکن ہم اپنے محکمے کی نظروں میں، دنیا کی نظر میں اور خدا کی نظر میں ناکامیاب سمجھے جائیں گے۔

انمول موتی

جو اپنے دیس کے لئے جان دیتا ہے اُس کا نام زندہ رہتا ہے۔

سردار وہ ہے جو دوسروں کی سیوا کرے۔

آدمی پیسہ کمانے سے نہیں بچانے سے امیر رہتا ہے۔

بہادر وہ ہے جو بدلہ لے سکتا ہو مگر بدلہ نہیں لیتا

مردوں کا سچا سنگار زور ہے۔

انسپیکشن

(از شری مارکنڈے باجپیئی ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل بی)

یوں تو معائنہ کہہ دینے ہی سے کام چل جاتا۔ معائنہ اور انسپیکشن بات ایک ہی ہے۔ فرق ہے صرف زبان کا۔ ایک لفظ اردو کا ہے دوسرا انگریزی کا۔ لیکن میرے لئے نہ جانے کیوں، انسپیکشن میں سرکاری لال فیتا کچھ زیادہ زور سے چمکتا ہے۔ اُس میں بڑا پن کچھ زیادہ معلوم ہوتا ہے لیکن ہے میرے اس دماغی فتور کا تعلق کچھ ان دنوں سے جب اسکول پہنچ کر مجھے سارا اسکول دہلتا نظر آتا تھا۔ لڑکے دبی زبان سے بولتے دکھائی دیتے تھے۔ ماسٹر براتی کپڑوں میں گھومتے ملتے تھے۔ کمروں میں کالے تختے کچھ نئے سے لگتے تھے۔ کھریا کی پنسلیں تو بالکل ہی نئی ہوتی تھیں۔ بلا پوچھے ہی معلوم ہو جاتا تھا کہ انسپیکشن ہونے والا ہے۔ انسپکٹر سے ایک دن کی چھٹی کی امید سے ہم لوگ ایسے بن جاتے تھے جیسے شرارت سے ہماری دور سے بھی کبھی ملاقات نہ ہوئی ہو۔ مولوی صاحب کی کالی ٹوپی ایسی چمکتی تھی کہ معلوم ہوتا تھا جیسے ابھی خریدی گئی ہے۔ پنڈت جی کی ریشمی پگڑی اور ریشمی دوپٹہ دیکھنے کے قابل ہوتا تھا۔ بینتوں سے کھال اُدھیڑنے والے ماسٹر صاحبان ہم لوگوں کو اس طرح ہنس ہنس کر پڑھاتے تھے جیسے اسکول میں بھی اُنھیں کے لڑکے ہوں اور بیویوں کے ڈر کے مارے اُنھیں ہاتھ نہ لگا سکتے ہوں۔ انسپیکشن ایک بڑی بات ہوتی تھی شاید وہی خیال اب بھی ہو۔ بہر حال میں تو اب بھی بڑائی جتانے کے لئے انگریزی ہی لفظ کا استعمال کرتا ہوں۔

ہم لوگ دیہات کا انسپیکشن کرنے گئے تھے۔ یہ کہنا زیادہ ٹھیک ہوگا کہ میری بہنیں دیہات کا انسپیکشن کرنے گئیں تھیں۔ میں تو پہلے بھی دیہات جا چکا تھا لیکن میری بہنوں کے لئے دیہات نئی نمائش تھی۔ چھوٹی بہن تو دیہات کبھی گئی ہی نہیں تھی۔ اُس سے بڑی بہن قسم کھانے کو دیہات ضرور گئی تھی مگر چھوٹی عمر میں گئی تھی۔ زیادہ یاد اُسے دیہات کی نہیں تھی اس لئے اس انسپیکشن کی سوجھی تھی۔ مگر تماشہ ایسا ہوا کہ ان لوگوں نے تو جیسا تیسا دیہات کا انسپکشن کیا، دیہات والوں نے ان کا انسپیکشن بہت کافی کر ڈالا۔ قصہ بہت مزیدار ہے مگر قصہ شروع سے ہی کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔

بڑی مشکل سے تو ہم لوگ گاؤں پہنچے تھے۔ دوپہر کو مرے تھکے پہنچے تو آرام کی سوجھی۔ دس میل کا راستہ طے کرنے کے بعد ایک دم سے نہانا بھی تو اچھا نہیں ہوتا۔ نہاتے کھاتے دو بج گیا۔ جگہ بڑی سہاؤنی تھی گاؤں کے باہر ٹیلے پر ایک پکا مکان تھا۔ وہیں ہم لوگ ٹھیرے تھے۔ سامنے دور تک ہریالی ہی دکھائی دیتی تھی اور زمین اونچی نیچی تھی۔ منظر بڑا سہاؤنا لگتا تھا۔ ہم لوگوں کے ماموں صاحب کا انتظام تھا۔ زمینداری ٹھاٹھ تھے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ بہنوں کو نیند آنے لگی۔ میں نے کہا بھی کہ گاؤں والے ملنے آرہے ہوں گے مگر میری چھوٹی بہن صاحبہ نے فرمایا کہ شریف آدمیوں کی ملاقات کا وقت صبح نو بجے کے بعد اور شام کو پانچ بجے چائے کے بعد ہوا کرتا ہے۔ میں تو اُسی گاؤں میں پہلے بھی گیا تھا اور مجھے معلوم تھا کہ دیہاتوں میں عورتوں کے آنے جانے کا وقت دوپہر میں اور مردوں کا کھیتوں سے فرصت پانے پر ہوا کرتا ہے۔ مگر اُس شہری نفاست کا جواب ہی کیا تھا؟ میں باہر برآمدے میں لیٹ گیا۔ بہنیں اندر کمرے میں لیٹیں، کچھ گاؤں کے لوگ آ گئے۔ تھوڑی دیر تو ادھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا پھر کتاب پڑھنے لگا۔ بدتمیزی تو ضرور تھی مگر دیہات میں یہ باتیں بدتمیزی میں نہیں شمار کی جاتیں یہاں لوگ اپنا اپنا کام کیا کرتے ہیں اور فرصت ملنے پر باتیں بھی

کر لیتے ہیں۔ داتون بھی کرتے جاتے ہیں اور گاؤں کی چہل پہل کی خبریں بھی سنتے جاتے ہیں۔ اور سچ پوچھئے تو یہی قاعدہ ٹھیک بھی ہے۔ یہ کہاں کی شرافت ہے کہ آئے اور چار گھنٹے دھرنا دے کر بیٹھ گئے۔ اور پھر یہ امید کہ سارا کام چھوڑ کر آدمی انھیں سے باتیں کرے گا۔ دیہات میں فرصت ہوئی تو دن بھر بیٹھے رہے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ جس کے یہاں بیٹھ رہے وہ اپنا سارا کام چھوڑ بیٹھے۔ پڑھتے پڑھتے میں بھی اونگھنے لگا۔ سچ پوچھئے تو سونے کا مجھے سب سے زیادہ حق تھا۔ کیونکہ میں نے دس میل کا سفر دو پیروں پر کیا تھا اور میری بہنوں نے چار چار پیروں پر۔ وہ بھی اپنے نہیں ڈولی والوں کے۔ مگر اس کا جواب دونوں بہنوں نے پہلے ہی یہ دیدیا تھا کہ بیٹھے رہنے میں تکان زیادہ ہوتی ہے اور چلنے میں کم بحث میں کیا کرتا۔ بہنیں دو تھیں اور میں اکیلا۔ مسلمان ہوتا تو شاید یہ بھی اپنے کو سمجھ لیتا کہ ایک مرد دو عورتوں کے برابر ہوتا ہے۔ اسلامی شادی میں جہاں کہیں ذکر آتا ہے کہ گواہی یا دو مرد ہونے چاہئیں یا ایک مرد اور دو عورتیں۔ یعنی ایک مرد برابر ہے دو عورتوں کے۔ گواہی کا منشاء اگر یہ ہے کہ بات پھیلے تو یہ اصول غلط ہے۔ کیونکہ سنا ہے کہ دس بیس پچاس مرد جتنی بات نہیں پھیلا سکتے اتنی ایک عورت پھیلا دیتی ہے مگر منشاء شاید یہ ہو کہ عورتیں بات بہت جلد بدل دیتی ہیں اور دو عورتیں ایک سی بات کہتی نہیں۔ تو گواہی میں اگر دو عورتیں ہوں گی تو کم سے کم ایک تو صحیح بات کہیگی ہی۔ اگر یوں نہ کہتی تو اس لئے ضرور کہیگی کہ دوسری عورت اس کے خلاف بات کر رہی ہے۔ مرد گواہ جو بات سچ کہہ رہا ہو اس سے جس عورت کی بات ملتی ہو وہ صحیح بات ہو گی۔ یہی سوچ کر ایسا قانون بنایا گیا ہے یا نہیں؟ یہ تو میں نہیں کہہ سکتا اس لئے کہ میں نے اسلام یا دوسرا کوئی مذہب بنایا نہیں۔ اور ہم لوگوں کو آجکل کچھ بنانا کہاں آتا ہے؟ صرف بنی بنائی چیزوں کو بگاڑنا آتا ہے۔ میں ٹھیرا ہندو۔ ہندوؤں کے یہاں شادی کے گواہ دیوتا لوگ ہوتے ہیں۔ آدمی ہوں یا

تو شادی سے انکار پر ہم لوگ پکڑ جائیں۔ ہم لوگ شادی سے منہ صرف یوں ہی موڑ سکتے ہیں کہ کہہ دیں کہ ہماری شادی ہی فلاں عورت سے نہیں ہوئی۔ ہمارے مسلمان بھائی تو بیویوں سے بہت بگڑ گئے تو کہدیا کہ اچھا جاؤ ہم نے تمھیں طلاق دیدیا۔ یہاں شادی سے منہ موڑنا ہو اور گواہ بھی انسانی ہوں تو مصیبت ہی ہو جائے۔ حیوانی گواہ سب سے اچھے مگر میں مذہب کے کانٹوں میں الجھ گیا۔ مذہب بڑے الجھاؤ کی چیز ہے بھائی میں کیا کروں۔ میں نے تو پہلے ہی کہدیا کہ میں نے کوئی مذہب نہیں بنایا۔

میں ذرا سا اونگھا ہی تھا کہ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میں سورگ میں ہوں۔ اور بہت سی پریاں ہنس کھیل رہی ہیں بلا بیوی والا آدمی اکثر پریوں کے خواب دیکھا کرتا ہے یہ کوئی نئی بات نہیں۔ مگر اس وقت مجھے ایسا معلوم ہوا کہ خواب سچا ہے۔ خواب میں جتنے دیکھ لوں مگر پریوں سے میں بہت گھبراتا ہوں۔ ان کی فرمائشوں کے چکر میں کون پھنسے۔ ان کے ناچ کون ناچے۔ میں کتابی کیڑا پریوں کا آنچل چھونے کی ہمت کیسے کرتا؟ لہذا میں گھبرا کر اٹھ بیٹھا دیکھا تو اندر کمرے میں رنگین گول چکر گھوم رہا ہے آج کل کی تصویروں میں ایسے رنگین نظارے بہت دیکھے تھے مگر اس رنگین جماعت کے پاس جانے کے لئے میں بالکل تیار نہ تھا۔ میں سمجھا کہ میں ابھی اپنے خواب کی جنت میں ہوں۔ آنکھیں ملیں۔ مگر سامنے پھر وہی سفید، کالا، نیلا، ہرا، لال چکر پھر دیکھا۔ اتنے میں کسی کے بولنے کی آواز آئی کہ "انکر بھائی وہ سووت ہیں" اور کسی نے چک اٹھا کر باہر سے دیکھا۔ مجھے زندہ عجائب گھر کا جانور بننا بہت ناپسند ہے۔ بہت دن اپنی ہی شادی سے میں نے اس لئے انکار کیا کہ لوگ میرا تماشہ دیکھیں گے۔ پھر چھوٹی موٹی بات تو علیحدہ رہی۔ میری قسمت اچھی تھی۔ مجھے اٹھا ہوا دیکھ کر چک پھر نیچی ہو گئی۔ اور میری جان بچی۔ پھر جو میں نے غور سے دیکھا تو عجیب تماشہ دکھلائی دیا۔ میری بہنیں دو پلنگوں پر

سورہی تھیں۔ اور اُن کے چاروں طرف گاؤں کی عورتیں چکر کاٹ رہی تھیں۔ میری بھانجی ایک چھوٹی سی لڑکی ہے اور میری ہی طرح تماشہ بننے سے بہت گھبراتی ہے۔ وہ ایک پلنگ پر کونے میں سہمی ہوئی سی بیٹھی تھی۔ بہنوں کا باقاعدہ انسپکشن ہو رہا تھا۔ کوئی سر دیکھتی تھی کوئی پیر دیکھتی تھی۔ کوئی آجکل کی چوڑیوں کا فیشن دیکھ رہی تھی کوئی آجکل کے گہنوں کا نہ پہنا جانا دیکھتی تھی۔ کانا پھوسی برابر جاری تھی۔ شہری جانور اس دور دراز ملک میں روز روز تھوڑی ہی دیکھنے کو ملتے تھے۔ محض دیکھنے کی طبیعت تھی، اس لئے بیچاریاں بہت محبت سے آئی تھیں۔ گاؤں میں اب بھی وہ محبت باقی ہے جو شہروں میں بوڑھوں میں بھی نہیں ملتی۔ ایک کا رشتہ دار سب کا رشتہ دار ہوتا ہے اور سب کا محبوب ہوتا ہے۔ شہر تھوڑی ہے کہ کسی سے کسی کے مکان کا پتہ پوچھو تو ایسا دتکارتے ہیں گویا کوئی بھیک مانگ رہا ہو۔ افسوس تو یہ ہے کہ سُنا ہے کہ گاؤں سے بھی یہ پریم اُٹھتا جا رہا ہے۔ مَیں نے یہ حال دیکھا تو اُٹھکر اندر گیا۔ آدمی کتنا ہی بدشکل ہو لیکن اُسے یہ یقین ہوتا ہے کہ عورتیں اُسے دیکھ کر ضرور خوش ہوں گی۔ مگر عورتیں بدشکلی کو زیادہ دیر نہیں برداشت کرسکتیں۔ دو چار منٹ اُنھوں نے میری بدشکلی دیکھی اِس سے زیادہ وہ برداشت نہ کرسکیں اور اندر کے آنگن میں چلی گئیں۔ مَیں نے دونوں بہنوں کو جگایا کہ لوگ ملنے آئے ہیں۔ انسپکشن کا حال سُن کر دونوں بہت کھسیائیں۔ مگر دیہات کی لڑکیاں سیدھی اور بھولی ہوتی ہیں ان شہری لوگوں نے پہلے چائے پی اور پھر ملنے گئیں۔ شہری لڑکیوں کے ہوش ہی بلا چائے پیئے نہیں درست ہوتے۔

چائے سے مجھے اُنھیں لوگوں کا دوسرا انسپکشن یاد آگیا ہم لوگ ایک دن شام کو ٹہلتے ہوئے ایک گاؤں میں پہنچے۔ گاؤں بڑا اتھا اور اچھا تھا۔ گھوم گھام کر ہم لوگ لوٹ آئے دوسرے دن وہاں کے ایک بڑے زمیندار کے یہاں ہم لوگ چائے کے لئے بُلائے گئے۔ اُنھوں نے یہ بھی کہلا بھیجا کہ انھیں معلوم نہیں تھا کہ ہم لوگ کون ہیں اس لئے پچھلے دن وہ ہم لوگوں کی باقاعدہ خاطر نہ کرسکے۔ ہم لوگوں نے کہلا بھیجا کہ دعوت منظور ہے۔ آئیں گے۔ مگر اُس دن گئے نہیں۔ شہر والوں کے وعدے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ چاہے کسی کا کتنا ہی نقصان کیوں نہ کر دیا ہو لیکن یہاں صرف یہ کہدیا کہ "افسوس ہے" بس قصّہ ختم۔ آتے جاتے ٹھوکر ماردی اور پھر کہدیا "افسوس ہے" آپ اپنا بدن سہلاتے رہئے۔ مَیں سینما گھروں سے اکثر ایسی ہی چوٹ کھا کر لوٹا ہوں۔ ایک روز ایک صاحب میرے پَیر پر کھڑے ہوگئے۔ وزن کچھ زیادہ نہیں تھا۔ صرف چار من کے قریب ہوگا۔ تلملا کر جب مَیں نے اپنا پَیر گھسیٹا تو "افسوس ہے" سُنائی دیا۔ اُن کو تو جیسا کچھ افسوس ہوا ہوگا لیکن یہاں جب لنگڑاتے ہوئے گھر پہنچے اور اُس پَیر کے سارے ناخون کالے پڑکر گر گئے تب اپنے افسوس کا پتہ چلا۔ اسی طرح کا ایک دوسرا لفظ "شکریہ" ہے۔ اپنی جان پر کھیل کر ایک موٹر کے نیچے سے ایک بچے کو نکالا اور باپ صاحب نے اُسے واپس پاکر "شکریہ" کہدیا گویا روز یہی ہوتا رہتا ہے۔ اور کوئی ہوتا تو انعام میں ہی اتنا دیدیتا کہ پھر کبھی روزی کے لئے قلم کلھاڑا نہ چلانا پڑتا۔ مگر شہر والے ہی جو ٹھہرے۔ گرتے پڑتے کوئی کام کیجئے اور ایک زبانی "شکریہ" بس سارا احسان ختم۔ اگر بہت خوش ہوئے تو "بہت بہت شکریہ" کہدیا۔ پیسہ کوڑی پھر بھی نہیں دیتے۔ شہر والوں کی باتیں تو ایسی ہی ہیں۔ اِن لوگوں سے خدا بچائے۔

دوسرے دن میں نے صبح سے یاددلانی شروع کی۔ یہ طے ہوا کہ آج سویا نہ جائے گا۔ دن بھر تاش کھیلا گیا۔ اُس میں کچھ ایسا مزا آیا کہ شام ہوگئی۔ کسی طرح جلدی جلدی کپڑے بدلے اور پھر چائے پینے چلے۔ شہر والوں کی باتوں کا مجھے یقین نہیں۔ اور رہنا پڑتا ہے مجھے شہر ہی میں۔ اس لئے مَیں نے عادت ڈال لی ہے کہ بلا چائے پیئے میں گھر کے باہر نہیں نکلتا ہوں۔ خدا کے فضل سے پورے ڈھائی من کا میرا بوجھ ہے۔ اتنا بڑا ڈیل ڈول اور اتنی بڑی توند لیکر میں کس کے دروازے چائے پینے جاؤں؟ لکھنؤ میں رہتا ہوں اسلئے وہاں کی ناک بھی رکھنا پڑتی ہے۔ وہاں لوگ کھانا نہیں کھاتے کھانا نوش فرماتے ہیں یعنی چڑیوں جیسا چگتے ہیں۔ اب آپ ہی بتلایئے کھانے لگوں تو لکھنؤ کا نام رکھاؤں اور نہ کھاؤں تو پیٹ کیسے بھروں؟

اس لئے اچھا یہی ہوتا ہے کہ گھر سے چائے پی کر جاتا ہوں اور پھر باہر چائے سونگھ لیتا ہوں۔ اُس پر بھی میرے دوستوں کو شکایت ہے جب وہ میرے ساتھ چائے پینے بیٹھتے ہیں تو انھیں کچھ اور کھانے پینے کو نہیں ملتا خاصکر جب اچھی مٹھائی کھانے کے لئے ہو۔ برہمن۔ آدمی۔ مٹھائی اگر چکھتا بھی ہوں تو لکھنؤ کی چائے میں کسی کو کچھ کھانے کو نہیں بچتا۔ یہ کچھ میرا قصور تو ہے نہیں یہ تو چائے پلانے والوں کو سوچنا چاہئے کہ چائے کا سامان میرے ڈیل ڈول کے مطابق ہو۔ میں گھر سے کتنا ہی کھا کر جاؤں لیکن اچھی مٹھائی کا مزا کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ بنگالی کو چاہئے جتنے رسگلّے کھلا دیجئے شرط یہ ہے کہ وہ سچ مچ "رشوگلّے" ہوں وہی حال برہمن کا مٹھائی کے ساتھ ہے۔ اور پھر یہ کہاں کی بھلائی ہے کہ چائے کی دعوت تو کرے دوسرے کی اور خود اُس میں ساجھا لگا کر بیٹھ جائے۔ انگریزی تہذیب کی نقل تو ہم کرنے بیٹھتے ہیں اور اس میں کامیاب نہیں ہوتے۔ اس سے فائدہ کیا؟ اپنی عادت کے مطابق میں نے تو ڈٹ کر چائے پی اور چار بیسن کے لڈو کھائے میری بہنوں نے کہا کہ وہ دعوت میں چائے پئیں گی۔ راستہ بڑا سہاونا تھا۔ گاؤں کے پاس ہم لوگ پہنچے تو دیکھا کہ زمیندار صاحب کی چھت پر لوگ بڑی دیر سے کھڑے ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔ ہم لوگوں کو دیکھتے ہی بھگدڑ مچ گئی۔ پھر سے فرش بچھایا گیا اور چائے پھر سے گرم کرنے کے لئے رکھی گئی۔ معلوم ہوا کہ ہم لوگوں کے آنے کی اُمید چھوڑ دی گئی تھی۔ گاؤں والے سیدھے ہوتے ہیں اور دل کی باتیں صاف صاف بتا دیتے ہیں۔ شہر والے اصلی بات ہمیشہ چھپانے کی کوشش کرتے ہیں اور تو اور شہر کی عورتیں اپنا اصلی چہرہ تک پوڈر سے چھپانے کی کوشش کرتی ہیں۔ زمیندار صاحب کی بیوی بڑی سلیقہ مند اور بھلی لڑکی تھی۔ زمیندار صاحب کو تو اُسے ہمیشہ سر آنکھوں پر رکھنا چاہئے اور رکھتے ہی ہونگے۔ اور اگر نہ رکھتے ہوں گے تو بڑی غلطی کرینگے کیونکہ اُس انسان سے زیادہ بیوقوف اور گنہگار کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا جو اچھی بیوی پا کر کسی اور طرف کبھی نظر ڈالے۔ یوں تو بیوی کیسی ہی کیوں نہ ہو اِدھر اُدھر نظر ڈالنا گناہ ہے۔ اور پھر اگر اچھی بیوی ہو تو بات ہی کیا ہے۔

بڑی خاطر سے ہم لوگوں کو چائے پلائی گئی۔ مَیں باہر ہی بیٹھا تھا کیونکہ دیہاتوں میں اب بھی پردہ کا سخت رواج ہے۔ پھر بھی اندر کی باتیں مجھے بعد کو معلوم ہوگئیں ایک دو لڑکیوں کے پہنچتے ہی گاؤں بھر کی عورتیں ایک ایک کرکے زمیندار صاحب کے گھر پہنچ گئیں۔ بے تار کے تار کی شہروں میں بڑی شہرت ہے مگر دیہات کے بے تار کے تار کے آگے وہ بھی مات ہے۔ ذرا دیر میں لوگوں کو نہ جانے کیونکر معلوم ہوگیا کہ زمیندار صاحب کے یہاں شہری جانور آگئے ہیں گاؤں بھر انسپیکشن کرنے پہنچ گیا۔ کسی نے کہہ دیا کہ میری بہنیں انگریزی کے اونچے درجوں میں پڑھتی ہیں۔ بس پھر کیا تھا عورتوں نے گھیر کر فرمائش کی کہ "بٹیا تنی انگریجی بولو" اب ان لوگوں کے ہوش غائب۔ بڑی دیر تک ٹالتی رہیں زمیندارن صاحبہ نے بھی ان لوگوں سے پیچھا چھڑانا چاہا۔ کئی بار کہا کہ لڑکیوں کو پریشان نہ کرو۔ مگر عورتوں کا بھی کوئی قصور نہ تھا۔ اُنھوں نے مردوں کو تو شاید گٹ پٹ کرتے ہوئے سُنا بھی ہو مگر عورتوں کو یہ بولی بولتے کبھی نہ سُنا ہوگا۔ بڑی مشکل سے جب دو چار باتیں کرنے کو راضی ہوئیں تو تھیٹر کا سا سماں بندھ گیا۔ سب عورتیں سانس روک کر اور خاموش ہو کر اُنکی باتیں سُننے لگیں۔ ایک بہن انگریزی میں جب ذرا سا بولیں بھی تو چار عورتوں نے "اری چپ! وہ بولیں" کی آواز لگائی۔ لڑکیاں ہنسنے لگیں تو آپسمیں لڑائی ہونے لگی کہ "تمہیں نہیں بولن دیہنو" اور "تمہیں تو گڑبڑ کرن لاگیں" اور "ہاں بٹیا تم بولو" ان لوگوں کی پی پلائی چائے سب بھول گئی۔ اور تھوڑی دیر میں کسی طرح وہاں سے پیچھا چھڑا کر بھاگیں۔ راستے میں مَیں نے چائے کا قصہ پوچھا تو اُنھوں نے بتایا کہ خاطر بہت ہوئی، عورتیں بہت اچھی تھیں مگر انگریزی بولو" نے مصیبت کر دی اور انسپیکشن بہت اچھا ہوا۔ چاندنی رات تھی۔ پورا قصہ سُنکر مَیں تو ہنسی کے مارے بیٹھ گیا۔ اور میری بہنیں مجھ سے خفا ہو کر گھر چلی آئیں۔ اب بھی جب وہ انسپیکشن یاد آتے ہیں تو مَیں ہنسنے لگتا ہوں اور میری بہنیں بلا ہنسی کی وجہ پوچھے ہی میرے کمرے سے بگڑ کر چلی جاتی ہیں۔ مگر مَیں اپنی ہنسی کہاں تک روکوں۔ آ ہی جاتی ہے کم بخت کہاں تک روکوں؟ بلا سے تھوڑی جاتا ہوں۔
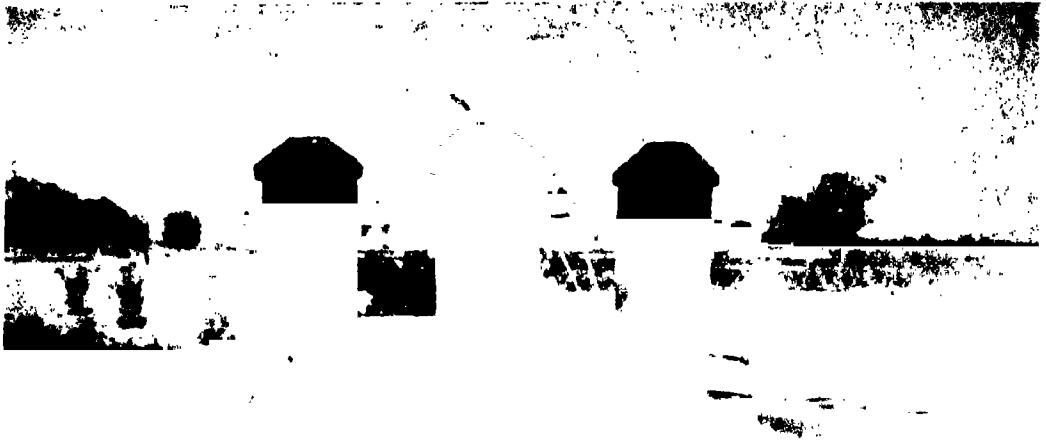
ضلع الہ آباد کے گاؤں محمدھار مرکز پر بنایا گیا - گاؤں سدھار کنواں۔

دیہاتی کنوئیں اور گندگی سے اُن کی حفاظت

(از ڈاکٹر اے - این داس ایم - بی - بی - ایس، ڈی - پی - ایچ)

تندرست رہنے کے لئے انسان کو صاف پانی کی اُتنی ہی ضرورت ہے جتنی اچھے کھانے کی - بڑے شہروں میں عموماً میونسپلٹیاں ہی پانی پہنچانے کا انتظام کرتی ہیں لیکن دیہاتی رقبوں میں کنوؤں سے ہی خاص طور سے پانی ملتا ہے گاؤں کے زیادہ تر کنوؤں کی حالت قابل اطمینان نہیں ہے - اسکی خاص وجہ یہ ہے کہ گاؤں والوں نے خود اپنے کنوؤں کے سدھار میں پہلے سے کافی توجہ نہیں کی۔

زمین کے اندر سے پانی نکالنے کے لئے کنوئیں مصنوعی ذریعے ہیں - یہ کچے بھی ہوتے ہیں اور مضبوط اور گہرے پکے بھی بدقسمتی سے گاؤں میں رہنے والی پست اقوام کے لئے جو کنوئیں ہوتے ہیں اُن کی حالت کچوں سے بھی بدتر ہوتی ہے - جن کے اندر پیڑ اور سیوار اُگ آتی ہے - حال میں پانی نکالنے کے لئے لوہے کے پائپ زمین میں لگائے جانے لگے ہیں۔

بارش کا پانی کھردری مٹی کی تہ سے چھن کر نیچے جاتا ہے اور نیچے جاکر وہاں رُک جاتا ہے جہاں پانی نہ جذب کرسکنے والی مٹی کی تہ ہوتی ہے - اِس تہ پر پانی جمع ہوتا رہتا ہے - (تصویر نمبر ا دیکھئے) ریت کے ذرّوں کے درمیان میں جو خالی جگہ ہوتی ہے اُسی میں یہ پانی بھر جاتا ہے - یہ پانی پانی نہ جذب کرسکنے والی مٹی کی تہ کی ڈھال کی طرف بہتا ہوا اُس جگہ جاتا ہے جہاں باہر نکلنے کے لئے راستہ مل جاتا ہے۔ وہاں وہ سوتے کی شکل میں باہر پھوٹ نکلتا ہے - زمین کے اندر چھنتے چھنتے پانی میں سے اُس کی خرابیاں دور ہو جاتی ہیں اور وہ صاف ہو جاتا ہے - یہی پانی کے صاف کرنے کا قدرتی طریقہ ہے - اِس طریقہ سے پانی میں سے بیماریاں پھیلانے والے جراثیم بھی چھن جاتے ہیں -

کنوئیں کچھ کم گہرے ہوتے ہیں کچھ زیادہ گہرے، کچھ

شکل نمبر ۱

کھودے جاتے ہیں اور مشین کے ذریعہ سے بنائے جاتے ہیں یا پائپ لگا کر۔ کم گہرے کنوئیں وہ ہوتے ہیں جو پانی نہ جذب کرنے والی مٹی کی پہلی تہ پر ہوتے ہیں۔ اس قسم کے کوئیں کی گہرائی دو فیٹ سے لیکر ۴۰ سے ۵۰ فیٹ تک ہوتی ہے۔ اس گہرائی کا انحصار سطح سے پانی نہ جذب کرسکنے والی تہ کی گہرائی پر ہوتا ہے۔ کنوئیں کی یہ معمولی قسمیں ہیں جو گاؤں میں پائی جاتی ہیں۔ اور اُن کا پانی بہت طریقوں سے گندا ہو سکتا ہے گہرے کنوئیں پانی نہ جذب کرسکنے والی مٹی کی دو تہوں کے درمیان تک جاتے ہیں اور کافی تعداد میں اچھا پانی دیتے ہیں۔ یہ ۴۰ سے ۲۰۰ فٹ تک گہرے ہوتے ہیں۔ اِن کی گہرائی زیادہ تر زمین کے اندر کی تہوں کی بناوٹ پر منحصر ہوتی ہے۔ (دیکھئے تصویر نمبر ۲)

کنوؤں سے اچھا پانی پانے کے لئے ہمیں کئی باتوں پر غور کرنا چاہئے۔

پہلی بات ہے۔ پانی کے نکلنے کا مقام۔ جیسا ہم اوپر دیکھ چکے ہیں۔ زمین کے نیچے کا پانی گندے تالابوں، نالیوں اور بیماری پھیلانے والے جراثیم سے بھری ہوئی مٹی کے نزدیک ہونے سے گندا ہو جاتا ہے۔ اس لئے اچھے کنوئیں گندے تالابوں، نالیوں یا نابدانوں سے دور ہونے چاہئیں۔ اور اُن کے لئے بلند جگہ کا انتخاب کرنا چاہئے۔ کنوؤں کا گندا ہو جانا اور اُن کا پانی کھارا ہو جانا معمولی بات ہو گئی ہے۔ مثلاً برندابن کے کنوئیں جن کا پانی پہلے تو اچھا اور پینے کے قابل رہتا تھا اب نالوں وغیرہ کی وجہ سے بیکار ہو گئے ہیں۔ اُن کا پانی کھارا ہو گیا ہے۔ دراز، سوراخ یا ندی کے پیندے کی وجہ سے غیر چھنا ہوا پانی ہی کنوئیں میں جا کر گندگی پیدا کرتا ہے۔

دوسری بات ہے کنوئیں کی تعمیر۔ کنوئیں کے کنارے ادھر اُدھر پانی گرنے کی وجہ سے کچے کنوؤں کے خراب ہو جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ (دوسری شکل دیکھئے) اچھی طرح بندھا ہوا پختہ کنواں بغل سے جانے والے پانی کو روکتا ہے۔ اس طرح جانے والا پانی کنوئیں کی سطح میں چھن کر پہنچتا ہے۔ موٹے طور پر کنواں جتنا ہی گہرا ہو گا اُس کا پانی اتنا ہی اچھا ہو گا۔ بشرطیکہ کنواں خوب مضبوطی سے بندھا ہو اور باہر کا پانی

جڑیں ہو سکتی ہیں۔ یا چوہوں کے بل جن میں ہو کر باہر کا پانی (بغیر مٹی کی موٹی تہوں سے چھنے ہوئے) کنوئیں کے اندر جا سکتا ہے۔ (دوسری شکل دیکھئے) کنوئیں کا مُنہ زمین کی سطح سے ملا ہوا بھی ہو سکتا ہے۔ ایسی حالت میں بارش کا پانی آسانی سے بہکر اُس میں چلا جائے گا یا لاپرواہ نہانے والا نہاتے وقت بدن پر کا چھوٹا ہوا گندہ پانی کنوئیں میں ڈال دے گا۔ عموماً کنوؤں کے قریب درخت لگے رہتے ہیں۔ یا اندر کی طرف۔ اس سے چڑیاں، بندر، یا دوسرے جانور کنوئیں میں اپنی بیٹ ڈال دیتے ہیں۔ یا درخت کی پتیاں کنوؤں میں جاکر پانی کو خراب کرتی ہیں۔

اس لئے ایک اچھے کنوئیں کے لئے جگہ چنتے وقت زمین کی بناوٹ، مٹی کی حالت اور قریب میں پائی جانے والی گندہ کرنے والی چیزوں کی طرف ضرور دھیان دینا چاہئے۔ کھودے جانے والے کنوئیں کو اچھی طرح پختہ کر دینا چاہئے۔ حتی الامکان سیمنٹ و گارہ دیگر اینٹوں سے ہی کنوؤں کی بندھائی ہو اور پھر اُس کے اوپر سیمنٹ کا پلستر کر دیا جائے۔ اس طرح کی بندھائی جہاں تک ہو بہت گہرائی تک ہونی چاہئے۔ اینٹ اور زمین کے درمیان کی جگہ کم از کم ایک فٹ "کاپو" مٹی یا کنکریٹ سے بھر دینی چاہئے۔ کنوئیں کی جگت زمین کی سطح سے ۲½ فٹ کی اونچائی تک ہونی چاہئے اور اُس کے چاروں طرف آٹھ فیٹ کے پھیلاؤ اور ایک فٹ کی اونچائی میں ایک چبوترہ بنانا چاہئے۔ چبوترہ کی سطح کے اوپر کنوئیں کی بندھائی ۱½ فٹ اور اُونچی ہونی چاہئے۔ اور اُس میں ۵° ڈگری کی ڈھال ہونی چاہئے جس سے پانی استعمال کرنے والے اس پر اپنے برتن نہ رکھ سکیں۔ چبوترے پر گرنے والے پانی کو ایک گڈھے میں جمع کرنا چاہئے۔ اور اُسے نالی بناکر کنوئیں کی گہرائی کے ڈیڑھ گنے فاصلے پر نکال دینا چاہئے یا اُسے کسی باغیچہ کی سینچائی میں استعمال کرنا چاہئے۔

کنوئیں میں چرخی بھی لگنی چاہئے جو قریب ایک فٹ اندر
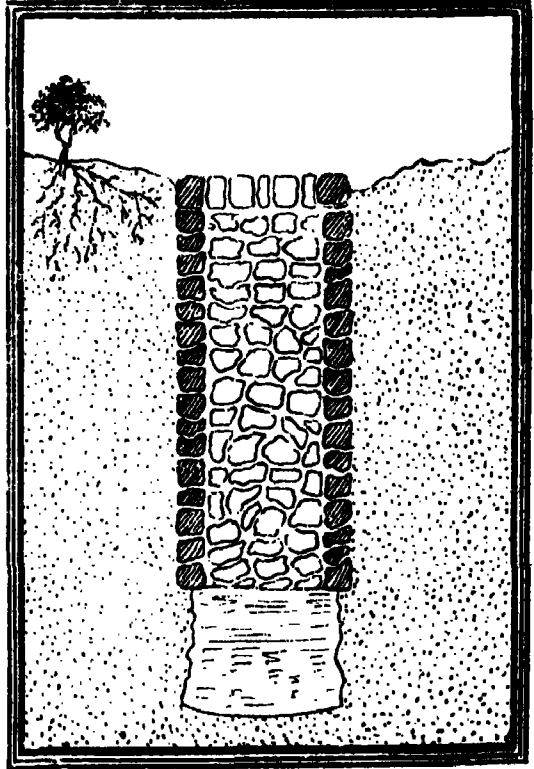
شکل نمبر ۲

اُس میں نہ جاتا ہو۔

آج کل ضلع نینی تال کی ترائی میں پاتال توڑ کنوئیں زیادہ پسند کئے جاتے ہیں۔ یہ گہرے ٹیوب کے کنوئیں ۲۰۰ سے ۴۰۰ فیٹ تک گہرے ہوتے ہیں۔ اور وہ نہ سوراخ ہو سکنے والی تہوں کے درمیان کا پانی دیتے ہیں۔ اس قسم کے کنوؤں سے پانی اس تیزی سے اوپر آتا ہے کہ وہ زمین کی معمولی سطح سے کئی فیٹ اوپر اُٹھتا ہے۔ ان کنوؤں کا پانی بہت ہی صاف ہوتا ہے اور کافی مقدار میں بھی رہتا ہے۔ اس طرح کے کنوئیں ضلع نینی تال کی ترائیوں ہارپور، کچھا، ستر گنج اور کھاتما تحصیلوں میں بنائے گئے ہیں۔

تیسری بات ہے، کنوؤں کے دہانے سے جانے والی گندگی کو روکنا۔

یہ ظاہر ہے کہ کھلے مُنہ کے کنوؤں میں کئی طریقوں سے گندگی پہنچ سکتی ہے۔ کنوؤں میں اندر درختوں کی

کی طرف جھکی ہو۔ چرخی کے دونوں طرف گھڑے رکھنے کے لئے تقریباً ایک مربع فٹ رقبے کا چبوترہ ہونا چاہئے۔ کسی کو بھی چبوترے پر نہانے اور کپڑے دھونے کی اجازت نہ ہونی چاہئے۔

لیکن اگر اس طرح کے کنوؤں کا منہ ہوشیاری سے نہ بند کیا جائے تو کھدے ہوئے کنوؤں کی طرح ان میں بھی پائپ کی بغل سے باہر کا پانی جاکر گندگی پیدا کر دے گا۔ اس طرح کے ٹیوب کے کنوئیں بٹھالنے میں بہت کفایت ہوتی ہے لیکن

شکل نمبر ۳

جن کنوؤں میں پمپ فٹ کیا جاتا ہے اُن میں ایک یہ فائدہ ہوتا ہے کہ بغل سے پانی نہیں جاتا (تیسری شکل دیکھئے)

ان کنوؤں میں لگائے ہوئے پمپوں کے خراب ہوجانے کے اندیشے سے گاؤں میں لوگ انھیں زیادہ پسند نہیں کر رہے ہیں۔

پھول گوبھی کی کاشت

از شہری اسبادت جوشی
بی۔ایس۔سی (اے۔جی)
(گارڈن سرکل لکھنؤ)

جاڑے کی ترکاریوں میں پھول گوبھی بہترین حیثیت رکھتی ہے۔ ہر منڈی میں اس کی مانگ رہتی ہے اور اچھے داموں میں فروخت ہوتی ہے۔ یوں تو اس موسم میں اور بھی ترکاریاں پیدا ہوتی ہیں۔ مگر جتنی اس کی مانگ ہے اتنی کسی دوسری ترکاری کی نہیں ہے۔ پھول گوبھی اپنے خوبصورت سفید ملائم گتھے ہوئے پھول کے لئے پیدا کی جاتی ہے۔ اس کی کاشت اپنی ذات کی دوسری ترکاریوں سے مختلف ہے۔ اس کا گھر سویڈن، ولایت، اور فرانس بتلایا جاتا ہے جہاں سے یہ ہندوستان میں لائی گئی۔

اچھے پھول اور اچھی فصل تیار کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کی ترقی میں کسی قسم کی روکاوٹ نہ ہو اور موسم گرما شروع ہونے سے جتنا پہلے ہوسکے اسے اگایا جائے۔ شروع میں بونیکے وقت اخیر برسات اور پھولوں کی ترقی سے کاٹنے وقت تک موسم سرما اس کے لئے اچھا ہے۔ اس کے لئے شروع ہی سے پانی کا پورا انتظام ہونا چاہئے اور اس بات کا خاص خیال بیج بوتے وقت سے فصل کے بازار میں فروخت تک رکھنا چاہئے۔ کیونکہ ذراسی بھی غلطی سے بہت زیادہ نقصان ہوسکتا ہے جیسے نئے اُگے ہوئے پودوں کو زیادہ پانی دینا یا پانی کی کمی سے ماردینا۔

زمین:۔ پھول گوبھی کے لئے زمین کا ٹھیک چناؤ کرنا بہت ہی ضروری ہے۔ اس کے لئے بھوڑ کے مقابلے میں دومٹ زمین جس میں خوب سڑی ہوئی گوبر کی کھاد ملی ہو اچھی سمجھی جاتی ہے۔ مگر سب سے اچھی زمین دومٹ ہے جس میں کھاد کے علاوہ کچھ چونا بھی ملا ہو۔ نیچی زمینیں جس میں سے پانی کے نکلنے کا پورا انتظام ہو وہ بھی اس کے لئے اچھی ہیں۔ اسلئے کہ ان سے برابر نمی (Soilmoisture) (مٹی کے ذرّوں کے گرد پانی کی جھلی) پہنچتی رہتی ہے۔ مٹیلی زمینیں اس کے لئے اچھی نہیں ہیں اس لئے کہ ایک تو ان میں ضرورت سے زیادہ پانی رکا رہتا ہے۔ دوسرے مٹی کے ذرّے آپس میں اتنے ملے ہوئے ہوتے ہیں کہ ہوا اور روشنی اچھی طرح داخل نہیں ہوسکتی۔ زمین ہر وقت کسی رہتی ہے اور اُن میں دراریں پڑ جاتی ہیں۔ اچھی فصل حاصل کرنے کے لئے یہ بہت ضروری ہے کہ جو بھی زمین ہو وہ بھُربھُری ہو اور خوب گہری ہو۔

بیج :۔ اس کی کئی قسمیں ہیں ولایتی یا دیسی دوکانوں کی کوئی بھی فہرست اٹھا کر دیکھئے اُس میں آپ کو اِس کی متعدد قسمیں ملیں گی۔ ان میں سے ایک تو وہ ہیں جن کا بیج غیر ملکوں میں جمع کرنے کے بعد فروخت کے لئے دیا جاتا ہے اور دوسری وہ جن کا بیج گھر ہی میں جمع کر لینے کے بعد اگلی فصل کے لئے رکھ لیا جاتا ہے ان میں سے پہلے Imported اور دوسرے Acclamatized Seeds کہلاتے ہیں۔ ان لوگوں کے لئے جو شوقیہ پھول گوبھی کی کاشت کرتے ہیں دیسی قسموں کے بیج بونا اچھا ہے۔ اس لئے کہ یہ بیج ان قسموں سے لئے جاتے ہیں جو اُس جگہ کی آب وہوا میں دو تین سال سے اچھی فصل دے رہے ہوں۔ غیر ملکی بیجوں سے اچھی فصل لینے کے لئے بہت محنت کرنی پڑتی ہے اور ہر وقت ہوشیار رہنا پڑتا ہے۔ یہ کام سمجھ دار باغبانوں کا ہے جو کہ ہر باتوں سے واقفیت رکھتے ہوں۔ اور مشکلات آپڑنے پر ان سے پورا پورا بچاؤ کر سکتے ہوں۔ غیر ملکی بیجوں کے مقابلے میں دیسی بیج بونے میں نقصان کا اندیشہ کم رہتا ہے گذشتہ سالوں کے تجربہ سے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ دیسی بیج ایک معمولی کسان کے لئے بونا اپنے کو ہر طرح سے محفوظ رکھنا ہے۔ اِس بات کا اندازہ دیسی بیجوں کی مانگ کی زیادتی اور بڑھتی ہوئی فروخت سے کیا جاسکتا ہے۔ پہلے تیار ہونے والی دیسی قسموں کی بھی تین نسلیں ہیں۔

(۱) پہلے تیار ہونے والی۔ Early Varieties

(۲) درمیان میں ہونے والی۔ Mid Varieties

اور (۳) دیر میں تیار ہونے والی۔ Late Varieties

ان کے علاوہ Imported اور Acclamatized Seeds کی کچھ قسمیں ایسی بھی ہیں جو دیر میں تیار ہوتی ہیں۔ یہ Late Giant Varieties ہیں۔

بیج بونے کے لئے ضروری باتیں :۔ ایک ایکڑ کھیت کے لئے پَود تیار کرنے کے لئے ۳ ½ سے ۴ چھٹانک تک بیج کی ضرورت ہوتی ہے۔ بیج کا اچھا ہونا نہ ہونا اسکے جمنے کی طاقت پر منحصر نہیں ہے بلکہ اس بیج سے اچھی پیداوار ہونے نہ ہونے پر منحصر ہے۔ بیج کو موافق موسم میں بونا چاہئے۔ پہلے تیار ہونے والی قسموں کو ماہ جون میں اور درمیانی قسموں کو جولائی اور آخر میں تیار ہونے والی قسموں کو ماہ اگست میں بونا چاہئے۔ اگر بیج بونے میں دیر ہو جائے یا موسم کے آگے پیچھے بویا جائے تو یا تو پھول پیدا ہوں گے ہی نہیں اور اگر پیدا ہوں گے بھی تو چھوٹے سے رہ جائینگے۔ اس لئے بیج بونے میں بڑی ہوشیاری سے کام لینا چاہئے۔ اور وقت کا خصوصیت کے ساتھ دھیان رکھنا چاہئے۔ اِسی میں ساری فصل کا دار مدار ہے۔ یہ بہت ضروری ہے کہ جس فصل کا بیج ہو اُسے اس کے متعلق بتائے گئے وقت میں بویا جائے۔ ورنہ بیج اچھی طرح نہیں جمینگے Imported اور Acclamatized Late Varieties کی seeds کو ستمبر سے آخری اکتوبر تک بو سکتے ہیں۔ ان سے فصل سب سے آخر میں ملتی ہے۔

بیجوں کا کم اُگنا یا نہ اُگنا کئی باتوں پر منحصر ہے جب بیج کی کونپل پھوٹ رہی ہو اُس وقت تیز گرمی کا پڑنا پانی کم یا زیادہ دینا بیج بونے والی مٹی کا اچھا نہ ہونا یا زیادہ کسی ہوئی ہونا یا اُس میں بہت زیادہ کھاد ملی ہونا جمتے وقت کیڑے مکوڑے چینوٹوں یا چڑیوں کے ذریعہ نقصان پہنچنا یا دوسری باتوں جیسے ایک دم موسم کی تبدیلی وغیرہ وجوہات سے بیج کم جمتے ہیں۔ اس لئے بیج بونے کے بعد یہ بہت ضروری ہے کہ مذکورہ بالا غلطیاں نہ ہوں۔ اکثر لوگ مذکورہ بالا غلطیوں کی طرف توجہ نہیں کرتے او بیج کو خراب بتاتے ہیں۔ ممکن ہے بیج ہی خراب ہو مگر اکثر ایسا نہیں ہوتا۔ بیج کو فروخت کے لئے دینے سے پہلے ہر ایک فروخت کرنے والے اس کے جمنے کی طاقت اپنے یہاں آزما لیتے ہیں۔

اکثر لوگ مذکورہ بالا باتوں کا دھیان رکھتے ہوئے بیج بوتے ہیں اور پھر بھی شکایت کا موقع ملتا ہے کہ بیج کم جما یا جما ہی نہیں۔ اس کی بھی وجہ ہے۔ جس وقت انھوں نے بیج بویا تھا زمین کی حرارت کم یا زیادہ ہو اس لئے اس کی کاشت کرنے والوں کو چاہئے کہ وہ اپنا کل بیج ایک ہی بار میں کبھی نہ بوئیں بلکہ تھوڑا تھوڑا تین چار بار میں ۵ چھ روز کا وقفہ دے کر بوئیں۔ اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ اگر بیج پہلی بار میں اچھا نہ جمے تو دوسرا تیسری یا چوتھی بار والا کوئی نہ کوئی بیج ضرور جمے گا۔ اِس سے

ایک اور فائدہ یہ ہوگا کہ فصل بھی برابر یکے بعد دیگرے فروخت کے لئے ملتی جائے گی۔

پہلی فصل کے لئے بیجوں کو مناسب ہے کہ گملوں یا بکسوں میں بویا جائے۔ تاکہ دوپہر کی تیز دھوپ یا گرم ہوا سے انھیں سائے میں اٹھا کر بچایا جاسکے۔ بیج کے اچھی طرح جمنے اور درخت کو تندرست بنانے کے لئے دھوپ کی بھی ضرورت ہے۔ اسلئے ان گملوں، تھالیوں اور بکسوں کو صبح ۹ بجے تک دھوپ میں ضرور رکھنا چاہئے۔ اسی طرح برساتی پانی بھی اس کے لئے اچھا نہیں۔ بارش کے پانی کا ایک تیز جھونکا ساری محنت برباد کرسکتا ہے اس لئے یہ بہت ضروری ہے کہ بیجوں کو تیز دھوپ یا پانی سے بچانے کے لئے چٹائیوں یا پھوس کی ٹٹیوں کا انتظام کرلیا جائے۔

بیج بونا و بیاڑ تیار کرنا:۔ گملے میں بیج بونے کے لئے کھیت کی مٹی اور بالو ایک ایک حصّہ اور پتّی کی خوب سڑی ہوئی باریک کھاد دو حصّہ آپس میں خوب ملا کر تر کر کے گملے کے نیچے پانی کی نکاسی کے لئے ٹھیکرا دے کر بھرنا چاہئے۔ ان گملوں کے اوپر بالو کی ایک ہلکی تہ دیکر اس کے اوپر بیج چھڑک دینا چاہئے چونکہ بیج بہت چھوٹے ہوتے ہیں اس لئے بیجوں کے ساتھ بالو ملاکر انھیں بونا اچھا ہے۔ خیال رہے کہ بیج گھنا نہ بویا جائے نہیں تو پود کمزور پتلی اور پتلی پڑ جائے گی۔ اور بہت سے درخت مرتے جائیں گے۔ جو کچھ زندہ رہیں گے وہ بھی کمزور رہیں گے اور اُن کی پیداوار بھی اچھی نہ ہوگی۔ بیج آدھ آدھ انچ کے فاصلے پر بوئے جائیں۔ بونے کے بعد اُن کے اوپر ایک ہلکی بیج جتنی موٹی سڑی ہوئی پتیوں اور کوئلے کی چور کی تہ دے کر ہلکا پانی چھڑکنا چاہئے۔ لیکن یہ خیال رہے کہ مٹی سوکھنے نہ پائے نہ بہت تر ہو۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد اتنا پانی چھڑکنا چاہئے کہ مٹی میں تری رہے۔ پانی دینے کے بعد گملوں کو سائے میں رکھدینا چاہئے۔ اس طرح ۳ چار روز میں کونپل نکل آئیگی۔ ان کونپلوں میں جب دو دو پتیاں نکل آئیں تو انھیں فوراً

دوسرے گملوں میں بدل دینا چاہئے۔ اکثر لوگ اس بات پر دھیان نہیں دیتے اور پودے کو بہت بڑھنے دیتے ہیں۔ اور جب وہ چار پانچ پتی کے ہو جاتے ہیں تو انھیں براہ راست کھیت میں لگا دیتے ہیں۔ انجام یہ ہوتا ہے کہ پھول جلدی اور بکھرے ہوئے لگنے لگتے ہیں اور قبل از وقت اپنی زندگی ختم کر دیتے ہیں۔ یہ طریقہ غلط ہے جیسے ہی بیج سے دوسری پتی نکل آئے ویسے ہی پودے کو دوسرے گملے میں دو دو انچ کے فاصلے پر لگا دینا چاہئے۔ یہ اس وقت اور بھی ضروری ہے جبکہ بیج گھنے بوئے گئے ہوں۔ جب پودے چار یا پانچ پتّی کے ہوں اُس وقت انھیں ۶ انچ کے فاصلے پر بدل دینا ضروری ہے۔ اس کے متعلق یہاں تک زور دیا گیا ہے کہ آخر برسات تک پودوں کو الگ الگ گملوں میں لگا رہنے دیا جائے۔ اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ پھول بہت بڑے اور اچھے لگیں گے۔ مگر یہ کام ایک معمولی آدمی کی حیثیت سے بڑھکر ہے کیونکہ اس کے لئے بہت زیادہ گملے چاہئیں بہرحال بیاڑ کو کھیت میں لگانے سے پہلے دو بار بدل لینا بہت ضروری ہے۔

وہ لوگ جو وسیع پیمانے پر اس کی کاشت کرتے ہیں اُن کے لئے مناسب ہوگا کہ وہ پہلی فصل کے لئے تو گملے میں پود تیار کریں اور درمیانی و آخری فصل کے لئے موسم کا لحاظ کرتے ہوئے بیج کے بونے کے لئے کھلی جگہ میں کیاریاں بنائیں۔ کسی بھی حالت میں زمین نیچی نہ ہونی چاہئے کیاریاں قریب قریب چار کی زمین سے ۶ انچ اونچی حسب ضرورت لمبی، اور پانچ فیٹ چوڑی ہونی چاہئیں۔ کیاریوں کو خوب نرم بھربھری اور کنکر پتھر سے صاف کرلینے کے بعد ان میں دو انچ موٹی تہ خوب سڑی ہوئی پتّی کی کھاد دے کر آپس میں ملائیں اور پھر زمین کو خوب اچھی طرح ہموار کرلینے کے بعد جیسا کہ اوپر گملوں میں بونے کے متعلق کہا گیا ہے بیج بو کر بیاڑ تیار کریں۔

پود لگانے کے لئے کھیت کی تیاری:۔ جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے پھول گوبھی دومٹ زمین میں اچھی ہوتی ہے۔ جو کھیت اُس کے لئے چنا گیا ہو اُس میں اس ذات کی کوئی بھی فصل نہیں لی جانی چاہئے۔ اگر ممکن ہوسکے تو اُسے خالی چھوڑ دینا

چاہئے۔ مگر شہر کے قرب و جوار کی زمینیں جو کہ بہت زیادہ لگان پر لی جاتی ہیں اُنھیں خالی چھوڑنا ممکن نہیں۔ بیاڑ بدلنے سے پہلے زمین کو خوب تیار کر لینا چاہئے۔ اگر پانی حسب ضرورت مقدار میں مہیا ہو تو درمیان اور بعد والی فصل کے لئے ماہ مئی میں پلیوا دیکر زمین کو خوب اچھی طرح دو تین بار جوت کر اس میں ہری کھاد کے لئے سنئی بو دینا چاہئے۔ ایک ماہ بعد جبکہ ڈنٹھل نرم ہی رہے تو پاٹا چلا کر مٹی پلٹنے والے ہل سے جوت کر اچھی طرح ڈھنک دینا چاہئے۔ یہ جولائی اور اگست کی تیز بارش میں خوب اچھی طرح سڑ گل جائے گی۔ ستمبر میں دوبارہ کھیت کی تیاری کی ضرورت ہوگی۔ اُس وقت کھیت میں ۴۰ چالیس گاڑی خوب سڑی ہوئی گوبر کی کھاد پھیلا کر کھیت کو تین چار بار "میسٹن" یا راجہ ہل سے اچھی طرح جوت کر اور پاٹا چلاکر خوب ہموار کر لینے کے بعد دو دو فیٹ تیار کرنا چاہئے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اس کے لئے ہری کھاد کا استعمال نہیں کرسکتے اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی فصل کا بیاڑ اخیر جون اور شروع جولائی میں کھیت میں لگایا جاتا ہے۔ اکثر لوگ کھیت میں نالیاں نہیں بناتے۔ نہ کھیت کو ہموار کر لینے کے بعد چھوٹی چھوٹی کیاریوں میں بانٹ کر اور ہر دو کیاریوں کے بیچ میں سینچائی کی نالی تیار رکھتے ہیں۔ مگر برساتی فصل کی جلد تیار ہو جانے والی قسموں کو ڈیڑھ فیٹ کے فاصلے پر نالیاں بنا کر لگانا اچھا ہے۔

بیاڑ کا لگانا: ۔ جب کہ کھیت پود لگانے کے لئے مذکورۂ بالا طریقہ پر تیار کر لیا گیا ہو تو موسم اور وقت کا لحاظ رکھتے ہوئے پود کو مٹی کے ساتھ اُکھاڑ کر پہلے تیار ہونے والی قسموں کو ۱½ فیٹ کے فاصلے پر لگا دو۔ درمیان اور بعد والی فصلوں کو اسی طرح دو دو فیٹ کے فاصلے پر لگانا چاہئے۔ پودے لگا لینے کے بعد فوراً پانی دینا چاہئے۔ دیسی بیجوں کو کھیت میں لگانے کا وقت جون سے اگست ہے اور ولایتی اور بعد والی دیسی قسموں کا ستمبر سے آخر اکتوبر تک۔

اکثر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ جہاں کھاد کی کمی ہوتی ہے وہاں لوگ کھیت کی تیاری کے وقت کھاد نہیں دیتے۔ وہ کھیت کو خوب اچھی طرح تیار کر لینے کے بعد جن فصلوں میں اُنھیں درخت لگانے ہیں وہاں آٹھ انچ کے دائرے میں ایک فیٹ گہرا گڑھا کھود کر اس میں خوب اچھی سڑی ہوئی گوبر کی کھاد ملا کر اور اُس کے ساتھ مٹی کو خوب گوڑ کر اُس میں درخت لگا دیتے ہیں۔ اس طرح کھاد کی بہت کچھ کمی پوری کر لیتے ہیں۔ اور یہی نہیں بلکہ امید سے زیادہ فائدہ بھی ہوتا ہے۔ پود لگاتے وقت اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ کمزور و بیمار پودے نہ لگائے جائیں زیادہ اونچے بڑھے ہوئے ٹیڑھے یا پتلے پودے بھی چھوڑ دینا چاہئے۔

سینچائی: ۔ بیاڑ کو کھیت میں لگانے کے بعد فوراً کھیت کو پانی سے اچھی طرح سینچ دینا چاہئے۔ یعنی کہ پانی کا چھڑکاؤ کیا جائے۔ پود لگانے کے بعد دو ہفتے تک ہفتے میں ایک بار پانی دینا ضروری ہے۔ اس طرح پانی دینے سے پودے اچھی طرح لگ جاتے ہیں۔ اس درمیان میں جہاں کہیں پودے مر گئے ہوں فوراً بدل دینا چاہئے۔ اب پانی اتنی جلد دینے کی ضرورت نہیں۔ بعد میں ایک ماہ تک ۱۵ روز میں ایک روز سینچائی کرنا ضروری ہے۔ پھر فصل کے تیار ہونے تک ۲۲ روز میں ایک بار پانی دینا چاہئے۔ خیال رہے کہ زمین میں تری کم نہ ہونی چاہئے۔ نہیں تو فصل قبل از وقت تیار ہو جائے گی۔ اور پھول اچھے نہیں لگیں گے۔ اس لئے ٹھیک وقت پر پودوں کو حسب ضرورت پانی دینا بہت ہی ضروری ہے۔ پانی دینے میں کمی نہیں ہونی چاہئے۔ ورنہ بہت نقصان اُٹھانا پڑے گا۔ اچھی فصل حاصل کرنے کے لئے یہ بہت ضروری ہے کہ پانی کافی اور وقت پر ملتا رہے۔

کیونکہ گوبھی اپنی ترقی کے لئے کافی پانی چاہتی ہے۔ پانی کا کم یا
زیادہ دینا مٹی اور موسم پر منحصر ہے۔

گوڑائی۔ نکائی:۔ ہر سینچائی کے بعد مٹی کو گوڑنا بہت
ضروری ہے۔ اس سے ایک تو زمین بھُربھُری نرم اور ہلکی رہیگی۔
دوسرے پودوں کے پاس ہر وقت تری رہے گی۔ جس سے پانی
کی بچت ہوگی۔ تیسرے زمین میں روشنی اور ہوا کا گزر ہو سکے گا
اور گھاس پھوس جو زمین سے بہت زیادہ مقدار میں تری اور
خوراک کھینچ لیتے ہیں اور فصل کو کمزور کر دیتے ہیں، اُگنے نہیں
پائیں گے۔ ہر گوڑائی کے وقت تھوڑی تھوڑی مٹی پودوں کی جڑوں
کے اوپر چڑھانا چاہئے۔ تاکہ جڑیں کھلی نہ رہیں اور پودا اچھی طرح کھڑا
رہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ تنے میں جہاں سے پتیاں پھوٹ نکلتی ہیں
اُس جگہ تک مٹی چڑھا دینے سے پھول اچھا اور بڑا ہوتا ہے۔

کھاد:۔ جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے اس کے لئے دومٹی
زمین جس میں پہلے سے خوب گوبر کی کھاد ملی ہو بہت ضروری
ہے۔ وہ کھیت جس میں میلے کی کھاد دو تین سال پہلے دو تین
فیٹ کی گہرائی میں گڑھوں میں ڈال کر خوب اچھی طرح سڑائی گئی ہو
اس کے لئے بہت موزوں ہے۔ اوسط زمین میں اس کے لئے کم
از کم ۲۵۰ سے ۳۰۰ من فی ایکڑ خوب سڑی ہوئی گوبر کی کھاد
چاہئے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ چونا ملی ہوئی زمینیں اس کے لئے
اچھی ہیں۔ کبھی کبھی (Liquid Manure) (گوبر کی کچی کھاد
پانی میں ۲۴ سے ۴۸ گھنٹے رکھ کر) اس میں دینے سے بہت کامیابی
حاصل ہوئی ہے ان کھادوں کے علاوہ اس میں مصنوعی کھادیں
(Artifitial Manures) جیسے - (Guano, Nitrate
of Soda Super Phosphate of Lime) بھی دیجاتی ہیں
پودوں کو کھیت میں بدلنے کے لئے ایک دو ہفتوں کے اندر ہی جبکہ پودے
چھوٹے ہوں ۳ سے چار من فی ایکڑ (Nitrate of Soda)
یا ان میں سے اور کوئی پودوں کے گرد چھڑک کر اور زمین کے گوڑنے
سے بہت اچھی پیداوار ہوتی ہے۔ لوگوں کی رائے ہے کہ اگر ان
مصنوعی کھادوں کا آدھا حصہ کھیت میں پودوں کے لگانے سے
۱۵ بیس روز پہلے استعمال کیا جائے تو مفید ثابت ہوگا۔ یہ تحقیق کرنے
کی ضرورت ہے۔

اکثر لوگوں کو چونا اور Soot (چمنیوں کا میل) کھیت کے
لئے استعمال کرنے کیلئے کہتے سُنا گیا ہے۔ غیر ملکی سائنس دانوں کا
خیال ہے کہ کیڑوں کو روکنے کے لئے یہ فائدہ مند ہے۔ مگر
(Guano, Superphosphate) یا (Nitrate of Soda)
دونوں کام کرتے ہیں۔ کیڑوں کی روک تھام کے لئے جو پھول آنے
سے پہلے اسے زیادہ نقصان پہنچاتے ہیں نیم کی کھلی بہت ہی مفید ہے
جسے آٹھ سے دس من فی ایکڑ دینا چاہئے۔ آج کل ایک سوال
سائنس دانوں کے سامنے پیش ہے کہ کب اور کتنی مقدار میں
مصنوعی کھادیں دینی چاہئیں جس سے کم از کم خرچ میں زیادہ
سے زیادہ فائدہ ہو۔ یہاں پر میں ایک بات اور کہہ دینا ضروری
سمجھتا ہوں کہ کھاد اتنی دیجائے کہ فصل کی ضرورت پوری ہو جائے
اور اس سے زیادہ نہ ہو۔ زیادہ کھاد دینے سے نقصان ہوتا ہے اور
خرچ میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ زیادہ مقدار میں کھاد دینے سے مٹی کی حرارت بڑھ
جاتی ہے اور فصل جلد تیار ہونے لگتی ہے جس کو روکنے کے لئے زمین کی
حرارت کم کرنی پڑتی ہے۔ یہ زیادہ سینچائی سے کم ہوتی ہے اور یہ
ایک بالائی خرچ ہے جسے ہمارا کسان برداشت نہیں کر سکتا۔

پھول کی تیاری:۔ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ ذرا سی غفلت
سے پھول اچھے نہیں لگتے۔ یہ کسی نہ کسی حالت میں خراب ہو جاتے
ہیں۔ ایسا کئی وجوہ سے ہوتا ہے۔ جن میں سے کچھ کا ذکر اوپر کیا
جا چکا ہے۔ ان کے علاوہ بیج کی خرابی، مٹی میں تری کا نہ ہونا
اچانک سردی گرمی کا ہونا اور موسم کی تبدیلی خشکی کے بعد ایکدم
زیادہ پانی دے دینا وغیرہ وجوہ سے پھول بکھر جاتے ہیں۔ جس کو
(Bultoning) کہتے ہیں۔

جب پھول بڑے ہو جائیں تو اندر کی ۳ چار پتیاں وقت
اور ضرورت دیکھ کر توڑ دینا بہت ضروری ہے۔ اگر یہ پتیاں نہ
توڑی جائیں تو پھولوں کے اندر پانی بھر جاتا ہے۔ جس سے پھول
کا خوبصورت سفید رنگ خراب ہو جاتا ہے۔ پھول کی اچھائی
اس کے سفید اور خوبصورت گُتھے ہوئے ہونے پر منحصر ہے۔ اگر
کسی بات کی کمی ہوئی تو بازار میں اچھی قیمت نہیں آئیگی۔ اس لئے

مناسب یہ ہے کہ ان پتیوں کو موڑ کر پھولوں کے اوپر باندھ دیا جائے اس سے پھولوں میں خوبصورت سفید رنگ آئے گا۔

بیج لینا:۔ یہ فصل ایسی ہے کہ جس کا بیج گرم ملکوں میں دو تین سال فصل لینے کے بعد خراب ہو جاتا ہے۔ سرد مقامات میں لوگ آسانی سے اس کے بیج لے سکتے ہیں اور انھیں بیجوں کو اکثر سالہا سال کام میں لاتے ہیں۔ مگر میدانی علاقوں میں اس کا بیج کم ہوتا ہے۔ اور جو کچھ ہوتا بھی ہے ان سے دو تین سال بعد فصل اچھی نہیں ہوتی۔ بیج لینے کے لئے اچھے اور سب سے بڑے پودے چن کر یا تو انھیں وہیں کھیت میں چھوڑ دینا چاہئیے یا کیاریوں میں خوب کھاد ملا کر پودوں کو اُٹھا کر اور پھولوں کو درمیان سے بھلی نما کاٹ کر تبدیل کر لینا چاہئیے۔ دوسرا طریقہ (تبادلے کا) اچھا ہے کچھ دنوں بعد نئے کلّے پھوٹ آئیں گے۔ اور ان میں پھول آکر بیج بھرنے شروع ہو جائیں گے۔ اُن کو اچھی طرح پکنے دینا چاہئیے۔ اور پک جانے پر اکٹھا کر کے صاف کر لینے کے بعد دھوپ میں خوب سکھا لینے کے بعد سوکھی راکھ ملا کر ٹین کے ڈبوں میں اچھی طرح بند کر دینا چاہئیے۔ تاکہ ہوا اندر نہ جا سکے۔ یہ بیج آئندہ سال کے لئے استعمال کئے جا سکتے ہیں۔

پھولوں کو توڑ کر منڈی بھیجنا:۔ پھولوں کے دانے یا رنگ خراب ہونے سے پہلے انھیں کاٹ لینا چاہئیے۔ جیسے جیسے فصل تیار ہوتی جائے پھولوں کو کاٹ کر ان کی باہر کی پتیاں توڑ کر بازار میں فروخت کے لئے بھیجنا چاہئیے۔ مذکورہ بالا طریقوں پر عمل کرنے سے چھ ماہ تک پھول منڈی میں برابر بھیجے جا سکتے ہیں۔ اور کافی فائدہ ہو سکتا ہے۔ موسم اچھا ہونے سے پھول خراب نہیں ہوتے۔ اسلئے انھیں دُور کی منڈیوں میں بھی جہاں اس کی اچھی مانگ ہو بھیج کر فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے۔ بڑے بڑے شہروں میں موسم سے پہلے یا بعد کی فصلوں سے جبکہ منڈی میں پھولوں کی کمی رہتی ہے بہت زیادہ فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

فائدہ:۔ ایک ایکڑ زمین میں دو فیٹ کے فاصلے پر ۱۰۸۹۰ اور ۱½ فیٹ کے فاصلے پر ۱۹۳۶۰ پودے لگتے ہیں جن میں سے ۸۰۰۰ پھول فی ایکڑ اچھے، بڑے فروخت کے لئے ملتے ہیں۔ اس طرح ۸۰۰۰ پھولوں سے چار پیسہ فی پھول کے حساب سے کل آمدنی ۵۰۰ روپیہ ہوئی۔

خرچ

	روپیہ	آنہ	پائی
لگان زمین	۳۰	۰	۰
۶ جوتائی	۹	۰	۰
بیج سنئی	۵	۰	۰
بیج پھول گوبھی اور بیاڑ کی تیاری	۱۸	۰	۰
پود لگانا	۵	۰	۰
سنیچائی نہر	۱۰	۰	۰
سنیچائی اگر کنوئیں یا ٹیوب ویل سے کی جائے۔	۳۰	۰	۰
کھاد گوبر	۲۰	۰	۰
کھاد مصنوعی	۲۵	۰	۰
پتیوں کی بندھوائی	۴	۰	۰
چوکی داری	۱۰	۰	۰
فصل کی کٹائی	۴	۰	۰
فصل کا منڈی تک بھیجنا	۱۰	۰	۰

کل خرچ ۱۴۰ روپیہ سے ۱۶۰ تک ہوا۔

اسلئے فائدہ ۳۷۰ روپیہ ہوا۔

نوٹ:۔ جتنا خرچ اس کی کاشت میں کیا گیا ہے۔ اس حالت میں پھولوں کا اچھا اور بڑا ہونا اور مذکورہ بالا داموں میں فروخت ہونا مشکل نہیں۔ جو حضرات اس کی کھیتی کر رہے ہوں وہ میرے اس خیال سے متفق ہوں گے کہ شروع میں اچھے اور بڑے پھول اس سے بھی زیادہ داموں میں فروخت ہوتے ہیں۔ درمیانی یا آخری فصل کے اچھے اور بڑے پھولوں کا ان داموں فروخت ہونا بہت آسان ہے اگر پھولوں کو دو پیسہ فی پھول کے حساب سے بھی فروخت کیا جائے تو کل فائدہ ۹۰ روپیہ ہوا۔

بیماریاں:۔ پھول گوبھی کو کئی قسم کے کیڑے مکوڑے نقصان

پہنچاتے ہیں۔ شروع میں جب کہ پودے چھوٹے رہتے ہیں اس وقت (Snails and Slugs) بہت نقصان پہنچاتے ان سے پودوں کو بچانے کے لئے بجھا ہوا چونا اور چمنی کے دھوئیں سے جمنے والی گرد چھڑکنی چاہئے۔ اکثر تبادلہ کرتے وقت کچھ پودوں کی جڑیں کٹی ہوئی ملتی ہیں۔ یہ Weevil اور (Calterpillars) کے ذریعہ نقصان پہنچتا ہے۔ یہ پودکو بہت زیادہ نقصان پہنچاتے ہیں۔ اورکبھی کبھی پود بدلنے کے بعد بھی جب کہ پودے چھوٹے رہتے ہیں یہ کیڑے نقصان پہنچاتے ہیں۔ کٹے ہوئے پودوں کو جلا دینا چاہئے۔ اور اچھے پودوں کو بدلنے سے پہلے چمنی کے دھوئیں کی گرد کو پانی میں ملاکر اس میں ان کی جڑیں ڈبوکر تبادلہ کرنا چاہئے۔ اکثر یہ پھلوں کو بھی نقصان پہنچاتے ہیں۔ اور پھولوں کو جب کہ وہ چھوٹے اور نرم رہتے ہیں کھا کر انھیں بیلا کر دیتے ہیں پھولوں کو ان سے بچانے کے لئے پانچ سیر پانی میں آدھ چھٹانک پیرلفن اور دو چھٹانک صابن ملاکر چھڑکنا مفید ہے۔

(Gall Weevil) گوبھی اور اس کی ذات کی سبھی فصلوں کو اُن کی جڑیں کاٹ کر بہت نقصان پہنچاتے ہیں۔ یہ کالا مٹیلے رنگ کا Beetle ہے۔ اس کے وں کا رنگ ہرا اور کچھ سیاہی مائل ہوتا ہے۔ اس کو مارنے کے لئے پودوں کی جڑوں کو کاربولک ایسڈ آدھ چھٹانک کو دس سیر صابن کے بچے میں ملاکر اور اتنی مٹی ملاکر کہ لیپ بن جائے غوطہ دے کر لگانے سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔

کیڑے مکوڑوں کو گوڑائی کے وقت چنتے رہنے سے بھی کمی کی جا سکتی ہے۔

خطاب بدہقان

(از سید رفیق حسین رفیق واسطی مراد آبادی)

ہوش میں آ بے خبر رہتا ہے تو دہقاں کہاں — اب حقیقت آشنا تجھ کو بناتا ہے جہاں

اُٹھ کھڑا ہو دیکھ تو عالم کا ہے اب رنگ کیا — انقلاب دھر سے گردش میں ہے سارا جہاں

کامیابی منحصر ہے ہند کی دہقان پر — ملک تو ایک جسم ہے دہقان ہے روح رواں

ملک جو پیچھے پڑے تھے آج وہ منزل پہ ہیں — اختلافِ رنگ و بو میں ہے پھنسا ہندوستاں

پیش وہ راہِ عمل ہے جس سے تو پھلتا رہے — ہے گرام اسکیم میں تیری بہارِ بے خزاں

اس میں شامل باہمی امداد کی تدبیر ہے — کیا بھلا لگتا ہے کھیتی اور صفائی کا بیاں

اب "منوہر داس جیسے" راہ نما تجھ کو ملے — صادق و کامل ملا تجھ کو یہ میرِ کارواں

کاش تو آزاد ہو۔ ہشیار ہو۔ بیدار ہو
کہہ رہا ہے تجھ سے یہ تیرا "رفیق" مدح خواں

شادی یا بربادی

(از شری متی شنکر شسر لی - کام - انسپکٹر کوآپریٹو سوسائٹیز)

اگر دیہاتوں میں لوگوں کے قرضدار ہونے کے وجوہ کا پتہ لگایا جائے تو معلوم ہوگا کہ شادی بیاہ کے لئے قریب قریب ہر شخص کو کچھ نہ کچھ قرض لینا پڑتا ہے۔ کسی کو جہیز ملتا ہے کسی کو دینا پڑتا ہے، لیکن تباہ دونوں ہو جاتے ہیں۔ کھیتوں کی پیداوار رفتہ رفتہ کم ہوتی جاتی ہے۔ جس کھیت میں پچیس سال پہلے پانچ من فی بیگھہ پیداوار تھی اس میں تین من بھی نہیں پیداوار ہوتی۔ کھیت کی پیداوار سستی بک جاتی ہے۔ نقد ہاتھ کم لگتے ہیں تس پر زمیندار کا لگان و مہاجن کا قرض ادا کر کے شاید ہی کچھ بچ سکتا ہو۔ چرا چھپا کر گھر میں جو موٹا جھوٹا اناج رکھ لیتے ہیں اُسی کے آسرے پر فصل کٹنے کے ۲ تین ماہ بعد تک گذر ہوتی ہے۔ اس کے بعد قرض لیکر گزر کرنی پڑتی ہے گاؤں میں زمینداروں کے علاوہ سب کا یہی حال ہے۔ اور خاص کر غریب اچھوتوں کا جن کے پاس ضرورت سے بہت کم کھیت ہوتے ہیں۔

ایسی حالت میں شادی بیاہ کے اخراجات بغیر قرض لئے پورے کرنا بہت مشکل ہے۔ اگر قرض نہ لینا پڑے تو شاید ہندوستان کی یہ سرزمین اب بھی دن میں ایک بار پیٹ بھر کر نمک روٹی کا انتظام کر سکے۔ لیکن اس سے زیادہ نہیں شادی بیاہ کے خرچوں سے امیر غریب سبھی پریشان ہیں۔ مگر غریبی میں یہ خرچے کھاج سے کوڑھ کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔

اب میں اس صوبے کے مشرقی ضلع کے ایک چمار کے گھر کا حال لکھتا ہوں۔ دیکھئے شادی کے اخراجات کی وجہ سے اس کی کتنی خراب حالت ہے۔ گاؤں کے قریب ایک شکر کی مل ہے اور گاؤں میں بغیر سینچائی کے گنا خوب پیدا ہوتا ہے اس وجہ سے کسان کچھ اچھی حالت میں ہیں لیکن اگر صورت حال ایسی نہ ہوتی تو ان کی کیا حالت ہوتی یہ نہیں کہا جا سکتا۔

کشن کی عمر پچاس سال سے زیادہ ہے۔ جگناتھ، بچو و تواری یہ اس کے تین لڑکے ہیں۔ جن کی عمر سلسلے وار ستائیس، بائیس اور پندرہ سال کے قریب ہے۔ اس کے علاوہ ایک لڑکی بھی ہے جس کی شادی ابھی نہیں ہوئی کشن کی بوڑھیا مر چکی ہے۔ جگناتھ و بچو کی شادی ہو چکی ہے مگر بچو کا گونا ابھی نہیں آیا۔

کچھ دن کے لئے جگناتھ ایک دوسرے گاؤں میں چلا گیا تھا۔ اور وہاں اُس نے بیس روپئے کے قریب جمع کر لئے تھے۔ اس لئے اب شادی کی سوجھی۔ اور مہاجن سے پچاس روپیہ دو پیسہ ماہوار سود پر قرض لیا گیا۔ شادی میں پینتیس روپیہ کی تھرا شراب، نو روپیہ کا سور، گیارہ روپیہ کا چاول، چار کے ارد اور چار یا پانچ روپئے کے کپڑے آئے تھے۔ چار روپیہ بھینکر خرچ ہوئے۔ پھر بچو کی شادی کے لئے پچاس روپیہ قرض لئے گئے۔ اس بار شراب بہت کم آئی کیونکہ لڑکی کے ساتھ جو لوگ پیر پوجنے آئے تھے وہ زیادہ تر بھگت تھے۔

کشن کے پاس چھ بیگھے کچے یعنی ۱½ ایکڑ زمین ہے گذشتہ سال ان لوگوں نے دو بیگھہ دھان کوائی و کودوں بوئی تھی اور ۲½ گنا۔ گنا پچاس روپیہ میں فروخت ہوا جسے مہاجن نے اپنے سود میں لے لیا اور ابھی تک بقایا سود صاف نہیں ہوا۔ کشن و بچو زمیندار کے ہلواہے ہیں اور تین روپیہ ماہوار پاتے ہیں۔ زمیندار جو ان کا مہاجن بھی ہے کچھ لگان میں اور کچھ سود میں کاٹ کر کبھی کبھی کچھ دیدیتا ہے۔ اتواری مہاجن کے مویشی چراتا ہے۔ اس کی تنخواہ تو ڈھائی روپیہ ماہوار مقرر ہے مگر اُسے مہینے میں ایک یا ڈیڑھ روپیہ سے زیادہ شاید ہی کچھ ملتا ہو۔

جگناتھ آزادی کے ساتھ مزدوری کرتا ہے مہینے میں بیس روز مزدوری لگ جاتی ہے اور دو ڈھائی روز کے قریب مزدوری

ملتی ہے۔ گھر میں جگناتھ کی بیوی کھانا پکاکر گاؤں میں کوٹائی پسائی کاکام کرتی ہے اور برسات میں نرائی کرتی ہے۔ اس طرح سال میں تین یا چار روپیہ کی آمدنی ہو جاتی ہے۔ آمدنی وخرچ کاحساب اس طرح ہے۔

حساب سالانہ

آمدنی

خریف (ساٹھی کودوں)	۱۰ روپیہ
کشن ۳ روپیہ ماہوار جگناتھ ۳ روپیہ آٹھ آنہ ماہوار بچو ۳ روپیہ ماہوار اتوار ۲ روپیہ ۸ آنہ ماہوار	۱۳۲ روپیہ
جگناتھ کی بیوی	۴ روپیہ
گنّے کی فصل	۵۰ روپیہ
میزان	۱۹۶ روپیہ

خرچ

لگان	۱۰ روپیہ
سود سو روپیہ پر ساڑھے سینتیس روپیہ سینکڑہ	۳۷ روپیہ ۸ آنہ
غلہ ۴ سیر سے ۶ سیر روزور ۱۸ سیر اوسط ۵ سیر	۱۰۱ روپیہ آٹھ آنہ
کپڑے	۱۰ روپیہ
تیل مصالحہ	۴ روپیہ
گوشت	۲ روپیہ
گنّے کا بیج	۱۰ روپیہ
مٹی کا تیل	۲ روپیہ
نمک	۲ روپیہ
دال	۲ روپیہ
مہمانوں کی خاطرداری میں	۵ روپیہ
پھٹکر	۵ روپیہ
میزان	۱۹۱ روپیہ

آمدنی خرچ برابر سا ہے۔ گھر کے سارے افراد حتی المکان محنت کرتے ہیں۔ لیکن اِس کے باوجود نہ پیٹ بھر کھانا ملتا ہے نہ تن ڈھانکنے کے لئے کپڑے میسر آتے ہیں۔ نوکری سے جتنی آمدنی دکھلائی گئی ہے اتنی ہوتی نہیں۔ ان لوگوں کو بیل نہیں پالنے پڑتے کیونکہ زمیندار جس کے یہ ہلواہے ہیں کبھی کبھی اپنے بوڑھے بیلوں کی جوڑی اِنھیں دیدیتا ہے۔ ان لوگوں کے لئے پھاگن، چیت وبیساکھ کے مہینے سب سے اچھے ہیں اور ساون بھادوں کے سب سے خراب۔ آمدنی کا تقریباً ۱/۴ حصّہ سود ہی میں خرچ ہو جاتا ہے۔ اگر کسی دوسری جگہ یہ لوگ نوکری کریں تو انھیں چار پانچ روپے ماہوار آسانی سے ملسکتے ہیں لیکن مہاجن کے خوف سے ایسا ہو کیونکر؟

یہ ہے سماجی غلامی کا ایک نمونہ۔ اُونچی ذاتوں میں بھی آل انڈیا و صوبائی جلسے ہوا کرتے ہیں جنھیں جہیز اور شادی کی فضول خرچی کے خلاف لمبی لمبی تقریریں ہوا کرتی ہیں، تجویزیں منظور ہوتی ہیں مگر اِس مد میں اخراجات کم ہونے کے بجائے بڑھتے ہی جاتے ہیں۔

گاؤں سدھار کے مفید کاموں میں فضول خرچی کو روکنے کا کام بھی خاص ضروری ہے۔ ورنہ یوں جتنے بھی سدھار ہوں مگر جب تک چھلنی کے چھید نہیں بند کئے جائیں گے اُس میں دودھ نہیں دوہا جاسکتا۔ ہر ایک نوجوان اور گاؤں سدھار کمیٹی کا فرض ہے کہ اِس رسم کی مخالفت کرے اور اس بے تکی فضول خرچی کا خاتمہ کرنے کی کوشش کی جائے۔

لیڈی ہیگ۔ پنچایت گھر پھوَر (بارہ بنکی)۔

ضلع لکھنؤ کے گوٹی مرکز کی ایک سبھا جہاں جناب صدر صاحب نے پنچایت گھر کی بنیاد رکھی۔

گاؤں شدھار ہفتہ کے دنوں میں ہز ایکسیلنسی گورنر صاحب کا ضلع اٹاوہ
میں ایک گاؤں کی سبھا میں یہ فوٹو لیا گیا۔

ہز ایکسیلنسی گورنر صاحب کے دورے کے وقت لیا گیا اٹاوہ ٹریننگ کیمپ کا ایک فوٹو۔

دہرادون کے ایک گاؤں سُدھار مرکز پر ایک آدمی دانت سے وزنی بورا اُٹھا رہا ہے۔

ایک گاؤں سُدھار سبھا - اُترٹیا (لکھنؤ) کے گاؤں سُدھار مرکز پر۔

گروپ فوٹو جو یو۔ پی ڈسٹرکٹ رورل ڈیولپمنٹ انسپکٹرس اسوسی ایشن کی الہ آباد کی غیرمعمولی بیٹھک کے موقع پر لی گئی تھی بیٹھے ہوئے (درمیان میں) شری ایم۔ ڈی چترویدی آئی۔ ایف۔ ایس آفیسر محکمہ گاؤں سدھار یو۔پی (انکی بائیں جانب) شری این پی۔ شری واستو جنرل سکریٹری۔ (فرش پر درمیان میں) شری پی۔ پی گپت جو صدر تھے۔

کرسیوں پر بیٹھے ہوئے۔ (۱) شری جی سنگھ بستی (۲) شری جے۔ آر۔ سنگھ بلند شہر (۳) شری ایچ سنگھ ایٹہ (۴) شری یو کے شرما مظفر نگر (۵) شری وی۔ وی سنگھ جالون (۶) شری آئی بہادر فتح پور۔ شری ایم ڈی۔ چترویدی۔ آئی۔ ایف۔ ایس (۷) شری این۔ پی۔ شری واستو لکھنؤ (۸) جناب بی حسن گورکھپور (۹) شری ڈی۔ ڈی ورما بہرائچ (۱۰) ایس۔ این تیواری مرزاپور (۱۱) شری بی۔ پی کنوجیا۔ کھیری۔

زمین پر بیٹھے ہوئے (۱) شری اے۔ این۔ سیٹھ بارہ بنکی (۲) شری پی این ناگر متھرا (۳) شری جے این پانڈے سلطانپور (۴) جناب اے حمید جونپور (۵) شری بی۔ ایس۔ شری واستو بریلی۔ (۶) شری پی۔ پی گپت میرٹھ (۷) شری ایس۔ ڈبلو۔ بیجامن مین پوری (۸) شری وی آر ورما آگرہ (۹) شری بی پی۔ شری واستو اناوہ (۱۰) شری جی۔ ایس سکسینہ۔ بدایوں۔

کھڑے ہوئے (۱) شری آئی بہادر شاہجہانپور (۲) شری بی۔ این۔ راز دان کانپور (۳) شری اے۔ بی سنہا گونڈہ۔ (۴) جناب آر حسن باندہ (۵) جناب ایس محمد بجنور (۶) شری این ایس گپت۔ اناؤ (۷) شری آر۔ این لال۔ غازیپور (۸) شری ایس آر سنگھ اعظم گڈھ (۹) شری ایس آر اپادھیائے پرتاب گڈھ (۱۰) شری وی وی۔ و۔ماپلی بھیت (۱۱) جناب اے قیوم بلیا (۱۲) شری ایچ داس بنارس (۱۳) شری پی۔ ایس جوہری حمیرپور (۱۴) شری آر۔ ایس استھانا دہرہ دون (۱۵) شری این۔ این چترویدی فرخ آباد (۱۶) جناب ایس حسین رائے بریلی۔

وہ گاؤں کی لڑکی

از شری ناتھ سنگھ

(۱)

چودھری گوپی ناتھ ہائی کورٹ کے جج رہ چکے تھے۔ اور اپنے فاضلانہ فیصلوں کے لئے بہت مشہور تھے۔ انھوں نے کبھی کوئی کام ایسا نہیں کیا تھا جو عقل اور دلائل کی کسوٹی پر کھرا نہ اترے چنانچہ اور تو اور خود ان کے گھر والے ہی اُنھیں سنکی کہا کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ بہت سے کام جنھیں ان کے گھر والوں کی رائے نہیں ہوتی تھی ان کی نظر بچا کر کیا کرتے تھے۔

اِدھر کئی ماہ سے اُن کی تندرستی خراب تھی۔ ستر سال کا ضعیف جسم تندرست رہ بھی کیونکر سکتا تھا۔ جب سب تدبیریں بیکار ہوئیں اور موت بہت قریب نظر آئی تو ڈاکٹروں نے اُنھیں آب و ہوا تبدیل کرنے کی رائے دی۔ کسی نے کشمیر کسی نے دارجلنگ کسی نے ولایت اور کسی نے سویزرلینڈ جانے کے لئے کہا۔ مگر چودھری صاحب کو کوئی رائے پسند نہیں آئی۔ یہ سب مقامات وہ کئی بار دیکھ آئے تھے۔ یہ ضرور تھا کہ اُن کے سامنے اخراجات کا سوال نہیں تھا۔ گھر میں دولت بھری پڑی تھی۔ مگر وہ اِتنی دور جانے اور سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ پھر ان کے دل سے یہ یقین بھی اُٹھ چلا تھا کہ اِن مقامات کے جانے سے انسان کی صحت درست ہو سکتی ہے۔ اپنی جوانی کے عالم میں وہ ان مقامات میں آئے ہوئے بوڑھے ہندوستانیوں کو پچھتاتے اور مرتے دیکھ چکے تھے۔

اپنی آخیر عمر میں غیر ممالک کے سفر کے لئے جب وہ کسی طرح تیار نہ ہوئے تو بیوی نے کہا: "آب و ہوا بدلنے کے لئے [illegible] کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔ میں چاہتی ہوں کہ کچھ دنوں کے لئے ہم کسی دوسرے شہر میں یا اسی شہر کے کسی دوسرے محلّے میں چلے چلیں"

"یہ ہو سکتا ہے" چودھری صاحب نے سر ہلایا اور ایسا منہ بنایا کہ بیوی سمجھیں گویا ان کی رائے اُنھیں پسند آگئی ہے۔ اُس روز انکی طبیعت کچھ اچھی تھی اپنی صحت کے بارے میں ڈاکٹروں سے انھوں نے بہت دیر تک باتیں کی تھیں اور اپنے نواسے کو اُسکی اٹھارویں سالگرہ کی خوشی میں ایک نئی موٹر خرید دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اپنی آرام کرسی سے اُٹھکر بنگلے کے باہر وہ کچھ دُور تک اپنی ضعیف بیوی کے ساتھ ٹہلنے بھی گئے تھے۔ مگر راہ میں اُنھوں نے بیوی سے بہت کم باتیں کی تھیں۔ اور اسکے سوالوں کا جواب اُس شخص کی طرح دیا تھا جو سوچتا کچھ ہے اور کہتا کچھ ہے۔ بیوی نے اندازہ کیا چودھری صاحب آب و ہوا تبدیل کرنے جانے کے لئے کسی مناسب مقام کا انتخاب کرنے میں مشغول ہیں اسلئے اُنھوں نے اُنھیں بہت نہیں چھیڑا۔

آپ کے لئے تازے
رس دار مھوسے

ٹہل کر واپس آنے پر چودھری صاحب نے اپنے نوکر سے پوچھا۔
"کُتب خانہ میں کوئی ہے ؟"
"حضور دیکھ آؤں تو بتاؤں"
تھوڑی دیر میں نوکر نے آکر کہا "حضور چھوٹے صاحب ہیں"
"اچھا وہ چلے جائیں تو مجھے بتانا"

اِس جملے کے آخری لفظ پر اُنھوں نے کچھ ایسا زور دیا تھا کہ نوکر کو یہ یقین ہو گیا کہ اپنے لڑکے کے کتب خانے سے نکلنے کے بعد وہ وہاں جانا چاہتے ہیں۔ گذشتہ کئی سالوں سے اُنھوں نے کتب خانہ کا دروازہ تک نہ دیکھا تھا۔ یکایک کتب خانہ کی یاد اور بیماری کی حالت میں ضرور انھیں کوئی نئی سنک سوجھی ہے۔ نوکر کتب خانے کی طرف چلا تاکہ ٹھیک وقت پر چودھری صاحب کو مطلع کر سکے۔

مگر اتفاق سے اُس روز کوئی نہ کوئی کتب خانے میں پہنچتا ہی رہا۔ اس لئے جب سونے کا وقت ہوا تو چودھری صاحب نے کہا "کتب خانے کی تالی یہاں میرے سرہانے رکھ جانا"

یہ کہکر وہ سونے کی کوشش کرنے لگے۔

(۲)

بہت کوشش کرنے پر بھی چودھری صاحب کو نیند نہیں آئی۔ مگر جب نوکر تالی رکھنے آیا تو کسی طرح بھی اُنھوں نے یہ بات ظاہر نہ ہونے دی کہ وہ جاگ رہے ہیں۔ نوکر کے جاتے ہی وہ بستر سے اُٹھ بیٹھے۔ اور دبے پاؤں کتب خانے کی طرف چلے۔ اُس وقت چودھری صاحب کے علاوہ گھر کے سارے لوگ بستروں پر لیٹے ہوئے تھے۔

کتب خانے کے دروازے پر پہنچکر اُنھوں نے چپ چاپ کیواڑ کھولا اور اندر سے بند کر کے بجلی جلا دی۔ یہ انکا بھی کتب خانہ تھا۔ ملکی اور غیر ملکی سینکڑوں کتابیں جو اُنھیں پسند آئی تھیں اُنھوں نے خرید کر رکھ لی تھیں۔ وہ یہ دیکھکر خوش ہوئے کہ اُن کے لڑکے نے کتابوں کی تعداد میں ترقی کی ہے اور کئی ایک نئی الماریاں لگا دی ہیں۔ پُرانی الماریوں کے اوپر کئی بستے تھے جن میں وہ کاغذات اور یاد داشتیں تھیں جنکا چودھری صاحب کی زندگی پر بہت اثر پڑا تھا۔ ہر بستے کے اُوپر سن لکھے ہوئے تھے۔ کافی سوچ بچار کے بعد اُنھوں نے جس دن کا یہ واقعہ ہے اُس کے تقریباً ۱۶ سترہ سال قبل کے دو بستے لئے اور چپ چاپ سیڑھی کے نیچے اُتر آئے۔ الماریوں کے بالائی حصے سے کتابیں یا بستے اُتارنے کے لئے وہ کبھی اپنی جوانی میں بھی ان سیڑھیوں پر نہ چڑھتے تھے مگر ان بستوں میں اُس جگہ کا اشارہ مِل سکتا تھا جہاں وہ جانا چاہتے تھے اور یہ ایک ایسا کام تھا جسے وہ سب سے چھپا کر کرنا چاہتے تھے کتب خانے میں ہر چیز کے ساتھ انکی جوانی کی یاد وابستہ تھی۔ اور ان بستوں میں ان کی جوانی کے زمانے کی شیریں یاد پوشیدہ تھی۔ اُن کے درمیان میں پہنچتے ہی انھیں ایسا محسوس ہوا گویا وہ ایک بار پھر جوان ہو گئے ہیں۔

ایک نوجوان کی طرح اُنھوں نے میز پر بیٹھکر باری باری سے دونوں بستوں کو کھولا۔ اور اُس میں سے کئی کاغذات نکالے۔ آخر میں اُنھوں نے ایک کارڈ سائز کی تصویر اپنی جیب میں ڈال لی۔ اور دونوں بستوں کو باندھ کر سیڑھی پر اُسی طرح دبے پاؤں چڑھ کر جہاں سے اُٹھایا تھا وہیں رکھ دیا۔

یہ ایک ماں اور بچی کی تصویر تھی۔ اِس ماں کو چھوٹی عدالت سے تا عمر قید کی سزا ملی تھی۔ لیکن چودھری صاحب نے اُسے بالکل چھوڑ دیا تھا۔ چھوٹی عدالت کے ججوں نے لکھا تھا کہ عورت کا قصور بہت بڑا ہے۔ پھانسی کی سزا بھی اس کے لئے کافی نہیں ہے۔ مگر چونکہ اسکی گود میں سولہ ماہ کا بچّہ ہے اس لئے اُس بچّہ کی پرورش کے خیال سے اس کو تا عمر قید کی سزا دیجاتی ہے۔ چودھری صاحب نے اِس عورت کو بے داغ چھوڑ دیا تھا۔ اُنھوں نے تصویر کو غور سے دیکھا۔ سارا مقدمہ مع فریقین کے سوال و جواب ان کی نظر کے سامنے ناچ گئے۔ اُس وقت جب کہ وہ عدالت کی کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے، اُن کے جی میں آیا تھا کہ ملزمہ ماں کی گود میں جو بچّہ ہے اُسے وہ ایک بار چوم لیں لیکن اُنھوں نے بڑے ضبط سے کام لیا تھا۔ وہ ضبط کئے ہوئے اپنی جگہ پر بیٹھے رہے خواہ اُس عورت کے خلاف اُنھوں نے کافی ثبوت نہ پایا ہو اور خواہ اُس ننھی بچّی کی بیکس صورت اور خاموش نگاہوں نے اُن سے اتنی فریاد کی ہو کہ وہ پسیج گئے ہوں اور اُس عورت کو چھوڑ دیا ہو۔ یا ممکن ہے دونوں ہی باتیں ہوئی ہوں۔

وہ ایک گاؤں کی عورت تھی۔ اُس کا شوہر بچّی کی پیدائش کے

دو ماہ بعد مرگیا تھا۔ اگر اُسکی گود میں لڑکا ہوتا تو وہ شوہر کی جائداد کی مالکہ ہوتی مگر گود میں لڑکی تھی وہ اپنے شوہر کی جائداد سے محروم کردی گئی تھی۔ زمیندار نے اُسکے کھیت چھین کر دوسروں کو دیدئے تھے۔ اور گھر میں جو اسباب تھا اُس پر برادری والوں نے قبضہ کرلیا تھا۔ صرف اپنے شوہر کے مکان سے وہ نہ نکالی جاسکتی تھی مگر وہ مکان بھی پہلی ہی برسات میں گر چلا تھا۔ یہ حالات تھے جن میں پڑوسی کے لڑکے کے ہاتھ سے چاندی کے کڑے اُتار کر اُسے قتل کرنے کا معاملہ اس پر چلایا گیا تھا۔ اُس نے قصور کا اعتراف نہیں کیا تھا مگر ثبوت اتنے جمع کئے گئے تھے کہ اُسے عمر قید کی سزا دی گئی تھی۔

چودھری صاحب کو اُسکے الفاظ یاد آئے جب اُس نے نہایت درد ناک لہجہ میں کہا تھا: "اُس گاؤں میں میرے سب دشمن ہیں۔ فقط اِس لڑکی کو چھوڑکر۔ حضور! اس لڑکی کو لے لیں اِسے جلالیں اور مجھے پھانسی دیدیں۔" ماں کی اس درد انگیز آواز کے ساتھ چودھری صاحب کو بچّی کی بھی دونوں بھولی بھولی ننھی آنکھیں یاد آئیں اُنھیں وہ خاموشی بھی یاد آئی۔ جو ماں کے اس بیان کے بعد عدالت میں چھاگئی تھی۔

اُنھوں نے تصویر کو پھر غور سے دیکھا۔ گاؤں کی لڑکی، بیوہ، زندگی کا کوئی سہارا نہیں، گود میں پرمیشور کا دیا ہوا گوشت کا پھول۔ تیری ناؤ کس طرح کنارے لگے گی؟

(۳)

ایک بار اُنھیں محسوس ہوا گویا کوئی باہر کھڑا ہے۔ اُنھوں نے تصویر خاموشی سے جیب میں رکھ لی اور آکر دروازہ کھولا۔ دیکھا کہ بیوی کھڑی ہے۔

"مَیں تمہارے کمرے میں گئی تھی۔ یہ دیکھنے کہ تمھیں بخار تو نہیں ہے۔ کمرے میں تمھیں نہ پاکر میں گھبرا گئی۔ یہ تو بدھوا سے معلوم ہوا کہ تم یہاں ہوگے۔ یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"ایک ہی کمرے میں لیٹے لیٹے جی اُکتا تا تھا اس لئے یہاں چلا آیا۔ ڈاکٹروں نے جگہ بدلنے کی رائے تو دیدی ہے۔"

"خوب! یہی جگہ کی تبدیلی ہے۔"

"انسان کے لئے ایک پلنگ سے دوسرے پلنگ پر جانے کا بہت بڑا مطلب ہوتا ہے۔ میں تو ایک کمرے سے دوسرے میں آیا ہوں"

"اُف! تمھیں اس عمر میں بھی مذاق سوجھتا ہے چلو سونے چلو۔"

چودھری صاحب بیوی کے پیچھے چپ چاپ اپنے سونے کے کمرے میں چلے گئے اور بستر پر خاموش لیٹ رہے۔

"لاؤ کتب خانے کی تالی مجھے دو" بیوی کو خوف تھا کہ کہیں کتب خانے میں پھر جاکر بخار نہ بلالیں۔

چودھری صاحب نے تالی بیوی کے حوالے کردی اور اس طرح کروٹ بدلی گویا اُنھیں بہت زور سے نیند لگی ہے۔ بات یہ تھی کہ ان کے دماغ میں طرح طرح کے خیالات طوفان بن کر اُٹھ رہے تھے۔ اور وہ اُنھیں سلجھانے کے لئے تنہائی چاہتے تھے۔

بیوی کے چلے جانے پر اُنھوں نے پھر سوچنا شروع کیا: "اس عورت کا کیا ہوا ہوگا؟ اُس کی لڑکی تو شاید مرگئی ہوگی۔ ایک غریب بیوہ کا جس کا گاؤں بھر دشمن ہو ایک چھوٹے بچے کا پالنا آسان نہیں ہے۔ گاؤں میں اس کے لئے نہ کھانا ہی مل سکتا ہے اور نہ شاید اس کے بیمار پڑنے پر علاج ہی ہوسکتا ہے۔ گاؤں کی زندگی سے تو شاید اُن کے لئے جیلخانے کی زندگی بہتر ہوتی۔ وقت پر کھانا ملتا اور بیماری کی حالت میں ڈاکٹر دیکھتا۔"

جتنا ہی وہ سوچتے گئے اتنی ہی ان کی اُس ماں اور بیٹی کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننے کی خواہش بڑھتی گئی۔ اُنھوں نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور کہا: "اگر وہ زندہ ہیں تو یہی جاننے کی بات ہے کہ وہ کیسے زندہ ہیں۔ کیا کھاکر زندہ ہیں کس اُمید میں زندہ ہیں؟"

چودھری صاحب اب پلنگ پر لیٹے نہ رہ سکے اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ اُن کی بیوی نے جاتے وقت کمرے میں اندھیرا کردیا تھا اُنھوں نے اُٹھکر پھر بجلی کا بٹن دبایا اور بجلی کی تیز روشنی میں اُس تصویر کو جیب سے نکالکر دیکھنا شروع کیا۔ چودھری صاحب نے سوچا کتنے ہی آدمی پہاڑوں کی چوٹی پر چڑھتے ہیں صرف یہ دیکھنے کے لئے کہ وہاں کیا ہے کتنے ہی آدمی سمندر کی گہرائی میں گھستے ہیں صرف یہ جاننے کیلئے کہ وہاں کیا ہے

جلم کے سلئے - واقفیت حاصل کرنے کے سلئے کتنے ہی آدمی ہر طرح کے خطرے برداشت کرنے کے سلئے تیار رہتے ہیں اور جان تک دیدیتے ہیں مگر بہت کم انسان ایسے ہیں جو یہ جاننے کی فکر کرتے ہیں کہ حالات کا شکار ہو کر خود انسان کہاں کتنا دکھ سکھ پاتا ہے - اُس ماں اور بیٹی کی تلاش اُنھیں اپنے لئے اُتنی ہی اہم معلوم ہوئی جتنی کہ کولمبس کے لئے ہندوستان کی تلاش تھی - اُنھوں نے بجلی کی روشنی میں یہ طے کیا کہ وہ اُس ماں اور بیٹی کا پتہ ضرور لگائیں گے - وہ اُس گاؤں میں جائیں گے جس میں وہ رہتی تھی - شاید اب بھی رہتی ہو - اِس طرح آب و ہوا بھی بدل جائے گی اور اُن کی ایک خواہش بھی پوری ہو جائیگی اُنھوں نے یہ بھی ارادہ کیا کہ یہ سفر وہ تنہا ہی کریں گے کسی کو ساتھ نہ لے جائیں گے۔

(۴)

دوسرے روز صبح اُنھوں نے ہائی کورٹ کی اُس سال کی کارروائی منگا کر دیکھی - اُس گاؤں کا پتہ لگایا قریب کا ریلوے اسٹیشن معلوم کیا - اور اسٹیشن سے گاؤں تک کے راستے پر غور کیا۔

جب چائے کا وقت ہوا اور اُن کے گھر کے سب لوگ اُن کی بیوی، اُن کا لڑکا جو اَب بیرسٹر تھا، اُن کا ناتی جو دسویں درجہ میں پڑھ رہا تھا اور اُن کی بہو اور گھر کے اور مرد عورتیں جمع ہوئیں تو اُنھوں نے اپنے دیہات جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اِس سلسلے میں اُنھوں نے ایک چھوٹی سی تقریر بھی کی جس کا ماحصل یہ تھا کہ ہم شہر کے امیر لوگوں کو آب و ہوا تبدیل کرنے کے لئے دِل بہلانے کے لئے یا تعطیل منانے کے لئے دیہاتوں میں جانا چاہئے۔ اس سے ہم اپنے ملک کے لوگوں سے واقفیت حاصل کریں گے۔ اُن کی ضرورتوں کو سمجھیں گے - اور اُنھیں بھی اِس بات کا موقع دیں گے کہ وہ ہمیں سمجھیں - اِس سے سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ ہمارا روپیہ ہمارے ملک ہی میں رہ جائے گا اور ہم ملک کی وہ خدمت کر سکیں گے جو ابتک نہیں کر سکے تھے۔

چودھری صاحب اپنی بات پوری بھی نہ کر سکے تھے کہ اُن کا ناتی چلّا اُٹھا "نانا میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا - میں آپ کو اپنی نئی موٹر پر بٹھا کر لے چلوں گا۔"

چودھری صاحب کے ناتی نے پوچھا تیرا بیاہ ہو گیا ہے؟

"نہیں نہیں، میں کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جاؤں گا۔ میں علیحدہ جاؤں گا تم لوگ علیحدہ جاؤ"
بیوی نے کہا "یہ نہیں ہو سکتا۔ اس عمر میں میں تمھیں اکیلا نہیں چھوڑ سکتی"۔
چودھری صاحب مسکرائے۔ کہا تمھارا خیال ہے کہ گاؤں کی کسی نازنین کے دامِ حسن میں مبتلا ہو کر میں تمھیں بھول جاؤں گا؟
"تمھارا کچھ ٹھیک نہیں" ضعیفہ بیوی نے دوشیزہ کی طرح بھویں چڑھا کر کہا۔
"اچھا تو تم دونوں چلو مگر اور کسی کو ساتھ نہ لے چلوں گا" اور کوئی تیار بھی نہ ہوا۔

چودھری صاحب کے روانہ ہونے سے آٹھ روز پیشتر ہی اُن کے نوکر جا کر اُس گاؤں میں پہنچ گئے۔ ایک باغ میں خیمے کھڑے کئے گئے۔ چاندنی تانی گئی۔ ایک پرانے کنوئیں کو پانی کے لئے صاف کیا گیا۔ اور سارے گاؤں میں شور مچ گیا کہ چودھری گوپی ناتھ اس گاؤں کی سیر کرنے آ رہے ہیں۔ گاؤں والے اُن کی آمد کا بیچینی سے انتظار کرنے لگے۔

آخرکار چودھری صاحب کے آنے کا دن آیا۔ گاؤں کے لوگ مرد، عورتیں اور بچے اُن کے کیمپ کے گرد جمع ہوئے۔ اُن میں سے رادھا، جسے اُنھوں نے بے داغ چھوڑ دیا تھا، کو چھوڑ کر اور اُس گاؤں کے کسی شخص نے ہائی کورٹ کا جج نہ دیکھا تھا۔ جج کی بیوی نہ دیکھی تھی اور جج کا ناتی نہ دیکھا تھا۔ سبھوں کو بہت حوصلہ تھا۔ جو لوگ رادھا سے سیدھے منہ بات بھی نہ کرتے تھے وہ آج اُس سے پوچھ رہے تھے "جج صاحب کیسے ہیں؟" اور رادھا اپنی کہی ہوئی کہانی کو بار بار دُہرا رہی تھی۔ گاؤں والوں کی دیکھا دیکھی رادھا نے بھی اپنا گھر صاف کیا تھا۔ شاید جج صاحب اُس کا بھی گھر دیکھنے آئیں۔

کچی سڑک پر دور گرد و غبار کا بادل دکھائی دیا۔ گاؤں والوں نے کہا جج صاحب آ گئے۔ گاؤں کے لڑکے جو قریب کے دوسرے گاؤں میں پڑھتے تھے۔ اور آج چھٹی کی وجہ سے اسکول نہیں گئے تھے۔ خود بخود والنٹیر بن گئے اور بھیڑ کا انتظام کرنے لگے۔ "یہاں کھڑے ہو۔ یہاں بیٹھو۔ موٹر کے آنے کا راستہ چھوڑ دو" گاؤں والوں نے اسکول میں پڑھنے والے اپنے اُن چھوٹے بچوں کو اپنے سے زیادہ عقلمند سمجھا اور اُن کے کہنے کے مطابق قاعدے سے کھڑے ہو گئے۔
بات کی بات میں وہاں ایک موٹر آ کر کھڑی ہو گئی۔ جج صاحب نے اُس پر سے

اُتر کر گاؤں والوں کے سامنے سر جُھکا کر اُن کی عزّت افزائی کی۔ اُن کی تقلید اُن کی بیوی اور ناتی نے بھی کی اور اپنے ڈیرے میں چلے گئے۔ وہاں جا کر اُنھوں نے اپنے شہری قاعدے کے مطابق ایک ایک کر کے ہر ایک گاؤں کے باشندے کو بُلایا اور اُس سے واقفیت حاصل کی۔ اِس درمیان میں چودھری صاحب کی بیوی نے گاؤں کی عورتوں کو اپنے ڈیرے میں بُلایا اور اُن سے طرح طرح کی باتیں شروع کیں۔

(۵)

اِس طرح چودھری صاحب کو اُس گاؤں میں رہتے ہوئے کئی روز گذر گئے۔ اِس درمیان میں اُنھوں نے دو بار گاؤں والوں کو دعوت دی اور ہر ایک کے دروازے پر خود ایک بار ہو آئے۔ اُن کا سیدھا پن دیکھ کر گاؤں والوں میں سے کچھ کی جرأت یہاں تک ہوئی کہ اُنھوں نے بھی چودھری صاحب کو اپنے یہاں دعوت دی جسے اُنھوں نے خوشی سے قبول کر لیا۔ چودھری صاحب رادھا کے بارے میں گاؤں والوں سے برابر دریافت کرتے رہتے تھے جس کی خبر رادھا کو برابر ملتی تھی مگر اُس کی دھوتی اِتنی پھٹی اور میلی تھی کہ بہت خواہش ہونے پر بھی وہ اُن کے پاس نہ جا سکی۔

چَیت کے دن تھے۔ رادھا کو آدھے پر ایک مہوے کا درخت پھول چننے کے لئے مل گیا تھا۔ یعنی جتنا وہ چُنتی تھی اُس کا نصف زمیندار کے گھر میں رکھ آتی تھی اور نصف اپنے گھر میں رکھتی تھی۔ فصل کٹ جانے سے گاؤں کے مویشی آزاد ہو گئے تھے اِس لئے ماں بیٹی دونوں کو درخت سے گرے ہوئے مہوؤں کی حفاظت میں کافی دَوڑ دھوپ کرنی پڑتی تھی۔ اِدھر جب سے چودھری صاحب اُس گاؤں میں آئے تھے ماں بیٹی دونوں کے دلوں میں بڑی مسرّت تھی۔ اور اُن کے ہر کام میں تیزی پائی جاتی تھی۔

ایک روز صبح رادھا چار پائی پر سے اُٹھ ہی رہی تھی کہ اُس نے دیکھا کہ اُس کی بیٹی مہوؤں سے بھرا چھابا لیکر گھر میں آ گئی ہے۔ مہوئے کو ایک طرف رکھتے ہوئے بیٹی نے کہا۔

اماں مَیں نے ایک بات سوچی ہے آج جج صاحب سے تو بھی مُلاقات کر تی آ۔ اُنھیں تھوڑا سا تازہ مہوا دے آ! دیہات کی چیز ہے وہ ضرور پسند کریں گے۔ پھر ہمارے پاس اِس سے اچھی کوئی دوسری چیز اُنھیں نذر دینے کے لئے ہے بھی تو نہیں۔

ماں نے کہا۔ بیٹی تُو ہی جا۔ میری دھوتی بالکل پھٹی اور مَیلی ہے۔

"میری تو اور بھی مَیلی ہے"

"مَیں تجھے دوسری دھوتی دوں گی"

رادھا اپنا باوا آدم کے وقت کا زنگ آلود اور رکھوا ہوا ٹین کا صندوق کھولنے لگی۔ اِس صندوق میں اُسکے کچھ کپڑے ایک چادر، ایک ساری، دو بنیائنیں اور ایک لہنگا تھے۔ اِس صندوق کو وہ ہر سال برسات میں کھولا کرتی تھی اور کپڑوں کو دھوپ میں سُکھا کر پھر بند کر دیتی تھی۔ کپڑے رنگین تھے اور یہ کہکر کہ بیوہ کو رنگین کپڑے نہ پہننے چاہئیں وہ اُنھیں بند کر دیتی تھی۔ مگر دراصل بات یہ تھی کہ اِن کپڑوں کو اُس نے اپنی لڑکی کے لئے رکھ چھوڑا تھا۔ یہی اُس کی آخری دولت بچی تھی جسے وہ رخصتی کے وقت اپنی بیٹی کو دینا چاہتی تھی۔ لڑکی کے ایک دن پہن لینے سے کپڑے خراب نہ ہو جائیں گے یہی سوچ کر اُس نے صندوق کھولا تھا۔

ماں کی صلاح بیٹی کو پسند آ گئی۔ اُس نے غسل کیا، بالوں میں کنگھی کی۔ بنیائن پہنی، لہنگا پہنا اور اوپر سے اوڑھنی اوڑھ لی۔ جوں جوں بیٹی یہ کپڑے پہن رہی تھی توں توں رادھا کا دِل مسرور ہو رہا تھا۔ اُسے اُن دِنوں کی یاد آئی جب اِنھیں کپڑوں کو پہن کر وہ پہلی بار اِس گھر میں آئی تھی۔

ماں بیٹی دونوں نے ہرے پتّوں کا ایک بڑا سا دَونا بنایا اور اُس میں چھانٹ چھانٹ کر اچھے اچھے مہوے رکھے۔

کشوری، یہی اُس لڑکی کا نام تھا، اُس دونے کو لیکر گھر سے نکلی۔ مگر دو ہی قدم چل کر پھر لوٹ آئی۔ ماں نے پوچھا۔ کیا بات ہے؟

"اماں! مَیں نے ایسے کپڑے کبھی نہیں پہنے۔ مجھے شرم آتی ہے۔

"کسی کے منگنی تھوڑی ہی ہیں بیٹی۔ تیرے باپ کے بنوائے ہوئے ہیں اگر وہ زندہ ہوتے تو ایسے کپڑے تُو روز ہی پہنتی۔"

کشوری نے پھر گھر کے باہر قدم رکھا۔ اِس بار ماں اُسے کافی دور تک پہنچا آئی۔

چودھری صاحب ایک آم کے درخت کے نیچے آرام کرسی پر بیٹھے گاؤں میں پھیلی ہوئی غریبی پر غور کر رہے تھے۔ ایکا ایک کشوری کو سامنے کھڑی دیکھ کر وہ کچھ چونکے پھر دونے کی طرف اشارہ کرکے پوچھا۔ اس میں کیا ہے بیٹی؟

"آپ کے لئے تازے رس دار مہوئے۔"

"کس نے بھیجے ہیں؟"

"ماں نے! جسے آپ نے بے قصور سمجھ کر چھوڑ دیا تھا۔"

چودھری صاحب نے دیکھا کہ لڑکی کے ہاتھ کانپ رہے ہیں۔ وہ اُٹھ کر کھڑے ہوگئے، اُس کے ہاتھوں سے مہوے کا دونا لے لیا اور کہا۔ بیٹی اندر آؤ۔

کشوری اُن کے پیچھے پیچھے خیمے کے اندر چلی گئی۔ چودھری صاحب نے وہ دونا اپنی بیوی کے سامنے رکھی ہوئی ایک میز پر رکھ دیا اور بیوی سے اُس کا تعارف کرایا۔ اِس کے بعد اُنھوں نے بیوی کو وہ پُر اسرار فوٹو دکھایا جو اُن کو اُس گاؤں تک کھینچ لایا تھا۔

کشوری کی صحت، اُس کا حُسن، اُس کا بھولا پن اُس کا انکسار دیکھ کر چودھری صاحب متحیّر رہ گئے۔ اُنھوں نے پوچھا۔ بیٹی! تمھاری ماں نے تمھیں کیسے زندہ رکھا۔ کیسے پالا۔ یہ لہنگا اُس نے تمھارے لئے کب اور کتنے میں خریدا؟

اُن کے اِس آخری سوال پر کشوری رو پڑی۔ یہ لہنگا میرے باپ نے امّاں کے واسطے لیا تھا مگر امّاں نے اِسے پہنا نہیں۔ میرے واسطے رکھ چھوڑا۔ اِسی طرح اُس نے اپنا پیٹ کاٹ کر مجھے کھلایا۔ اور زندہ رکھا۔

لڑکی نے دھیرے دھیرے اپنی ماں کی مصیبت کی ساری داستان سنادی۔ وہ ہر قسم کی مشکلات میں ایک لاوارث عورت کی زندگی سے جنگ کی کہانی تھی۔ چودھری صاحب اور اُن کی بیوی دونوں اُس کہانی کو سُن کر متحیّر رہ گئے۔

(۶)

چودھری صاحب اور اُن کی بیوی ہی نہیں بلکہ اُن کا نواسہ بھی کشوری کے سیدھے پن اور اُس کی خوبصورتی سے بہت متاثر ہوگیا۔ وہ اپنی بندوق لئے ہوئے کشوری کی تلاش میں گھوما کرتا تھا اور دور سے ندی کے کنارے کشوری کو مٹی کے گھڑے میں پانی لے کر جاتے ہوئے دیکھا کرتا تھا اور کبھی کبھی اُس کے قریب آکر اُس سے باتیں کر لیتا تھا۔

ایک روز جب کشوری سر پر پانی کا گھڑا رکھے اپنے گھر لوٹ رہی تھی تو چودھری صاحب کے نواسے نے اُس کے پاس جاکر پوچھا: "کیوں ری! گاؤں کی لڑکی! تیرا بیاہ ہوگیا ہے؟"

کشوری کے گالوں پر شرم سے سُرخی دوڑ گئی۔ اُس نے دھیرے سے کہا: "نہیں!"

"میرے ساتھ شادی کروگی؟"

"دھت!" کہتے ہوئے کشوری نے اُس شریر نوجوان کے اوپر اپنے گھڑے کا تھوڑا سا پانی پھینک دیا۔ اور گھر لوٹی۔ گھر پہنچنے پر اُس نے اپنی ماں سے سارا حال کہہ سُنایا۔ ماں نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور کہا "یہ ممکن نہیں ہے۔ وہ شہر کے دھنوان پڑھے لکھے ہیں اور تُو گاؤں کی گنوار لڑکی۔"

دھیرے دھیرے یہ بات چودھری صاحب کے کان تک پہنچی اُنھوں نے اِس کے متعلق اپنی بیوی سے رائے لی۔ بیوی نے برہم ہوکر اِس شادی کے متعلق اپنی ناراضمندی ظاہر کی۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ گاؤں کی گنوار لڑکی سے شادی کرکے اُن کے ناتی کی زندگی برباد ہو جائے۔ اِتنا ہی نہیں اُنھوں نے اُس گاؤں سے اُسی روز کوچ کرنے کی تجویز پیش کی۔

چلتے وقت چودھری صاحب نے رادھا کے دروازے پر جاکر کہا: "رادھا! تم کو یاد ہے تم نے عدالت میں مجھ سے کیا کہا تھا؟"

"ہاں"

"کیا؟"

"آپ میری لڑکی کو لے لیں۔ اِسے چلائیں اور مجھے پھانسی دیدیں۔"

"ہاں"

"پھانسی پانے سے زیادہ تکلیف تم نے اِس گاؤں میں اٹھائی ہے۔ مگر میں تمھاری تعریف کروں گا کہ بغیر پیسے کے ایک لڑکی کو جتنا اچھا بنایا جا سکتا تھا اُتنا تم نے بنایا ہے۔ اِس میں پیسے کے نہ ہونے سے جو کمی رہ گئی ہے وہ میں پوری کرنا چاہتا ہوں۔ بولو اپنی لڑکی مجھے دو گی؟"

رادھا کے منہ سے آواز نہ نکلی۔ اُس کا دل آنسو کی صورت میں آنکھوں تک اُمنڈ آیا اور موتی بن بن کر سوکھے گالوں پر ڈھلکنے لگا۔ چودھری صاحب کو محسوس ہوا گویا وہ کہتی ہے۔ "آپ کے ناز و نعم میں پلے ہوئے ناتی کے قابل یہ مصیبتوں میں پڑی لڑکی نہیں ہو سکتی۔"

چودھری صاحب جیسے اُسکا مطلب سمجھ کر بولے۔ کوئی ضروری نہیں کہ اِس لڑکی کی میرے ناتی کے ساتھ شادی ہی ہو۔ میں تو اِسے صرف اِتنا پڑھا لکھا کر قابل بنانا چاہتا ہوں کہ میرے گھر کی مالکن کو اِس سے اچھی لڑکی کہیں ڈھونڈھنے سے بھی نہ ملے۔

چودھری صاحب نے بیوی کے چہرے پر غصّہ کی صاف جھلک دیکھی۔ مگر گاؤں کی ایک غریب لڑکی کو اپنے گھر میں رکھ کر تعلیم دلانے کی تجویز کو وہ نامنظور نہ کر سکیں۔

چلتے وقت چودھری صاحب نے گاؤں میں ایک پنچایت گھر ایک کنواں اور ایک اسکول بنانے کا اعلان کیا اور جب تک زندہ رہے اُس گاؤں میں اکثر جاتے رہے۔ اور رادھا کی خاص طور سے مدد کرتے رہے۔

کستوری اب ایک اسکول میں داخل ہو گئی تھی اور تیزی سے ترقی کر رہی تھی۔ اُس نے اپنی انکساری اور خدمت سے چودھری صاحب کی بیوی کو بہت کچھ اپنے موافق بنا لیا۔ کبھی کبھی جب وہ اُس سے بہت خوش ہو جاتی تھیں تو اُسکے گال پر ایک ہلکی سی چپت لگا کر کہتی تھیں۔ "جس ڈر سے میں نے اُس گاؤں سے کوچ کرنے کا حکم دیا تھا اُس نے یہاں تک میرا پیچھا کیا اور روز بروز بڑھتا ہی جاتا ہے۔"

قرض

(از شری دیواکر شرما گرام سیوک ایٹہ)

فکر رہتی ہے جسے ہر دم پرائے دام کی
اُس کو سوجھے کس طرح پھر عیش کی آرام کی

قرض سے بڑھ کر نہیں ہے مرض کوئی دوسرا
اِس لئے مقروض کی ہے زندگی کس کام کی

قرض کا مُلزم وہ مُلزم ہے کہ جسکو تا حیات
ملتی رہتی ہیں سزائیں سخت اِس الزام کی

قرض سے پہلے یہ سب تیاریاں کر لیجئے
جیل کی، بے عزّتی کی، قُرقی و نیلام کی

قرض لے کر خود بُلاتے ہیں مصیبت اپنے پاس
اور کرتے ہیں شکایت گردشِ ایام کی

آپ بیتی کہہ رہا ہوں غور سے اِسکو سُنو
ہے نہیں گا نا عزیزو داستاں ہے کام کی

جانوروں کی پرورش اور ترقی دیہات

(عبد الحیٰ عباسی ۔ ڈویزنل سپرنٹنڈنٹ گرام سُدھار فیض آباد)

شہروں سے دور مٹی کے نیچے نیچے ٹوٹے پھوٹے مکانات۔ پھوس کے جھونپڑوں ۔ تنگ اور گندے گلی اور راستوں پر نظر ڈالنے سے ہندوستان کے دیہات کی غریبی کی ایک بھیانک تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے اور دیہات سُدھار کے اہم کام کی ضرورت کا پتہ چلتا ہے ۔ جہالت ۔ کم ہمتی اور ہر کام کے ہونے کے لئے تقدیر پر تکیہ لگائے رہنے کے جذبے نے ہمارے گاؤں کو اُبھرنے سے دبا رکھا ہے۔

گاؤں والے کی تین خاص ضرورتیں ہیں ۔ اوّل روٹی جس کے لئے جون کی گرمی میں کھیت جوتتے اور کڑکڑاتے ہوئے جاڑے میں ننگے بدن آبپاشی کرنے پر بھی ایک ٹکڑا پیٹ میں پہنچنے کی اُمید نہیں ہوتی ہے۔ دوسرے اپنے سُدھار کا خیال ۔ برسہا برس کی غریبی اور پست ہمتی نے سُدھار کا خیال ہی دیہات والوں کے دل و دماغ سے مٹا دیا ہے۔ تیسرے اپنے پڑوسیوں کے ساتھ مل جُل کر کام کرنے کی قدر۔

اِس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ ہمارا دیش کبھی خوش حال نہیں ہو سکتا ہے جبکہ اسّی فی صدی دیہات کے لوگ ترقی کے راستہ سے دور رہیں گے ۔ آزادی اور ترقی کے لئے کوئی آسان راہ نہیں ہے ۔ آزادی اور سُدھار محض چھوٹے چھوٹے کسانوں اور مزدوروں کی خدمت کرنے میں ہے۔

گرام سُدھار کا مقصد کسانوں اور مزدوروں کو اُٹھانا ہے اس سلسلہ میں وہ بڑا بوجھ جس سے یہ طبقہ دبا ہوا ہے غریبی اور قرضہ ہے ۔ مُلک کا خاص پیشہ کھیتی ہے جس کی آج یہ حالت (دشا) ہو رہی ہے کہ کسان اپنی حالت کی خود تصویر بنا ہوا ہے پیداوار کم ہوتی جاتی ہے ۔ بازار کا بھاؤ گر رہا ہے ۔ رات دن کی اَن تھک محنت کے باوجود کسان کو روٹی ملنا تو درکنار لگان اور مالگذاری کے لئے پیسہ ہاتھ نہیں آتا ہے اور قرض کے بوجھ سے دبتا جاتا ہے۔

گورنمنٹ اور مخالفین کو اِس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہونا چاہئے کہ کسان کی بہتری سے مُلک کی ترقی ہے اب سوال یہ ہے کہ وہ کون سی صورتیں ہیں جن کے اختیار کرنے سے حالت سُدھر سکتی ہے ۔ ہمارے غریب کسانوں کی پونجی ایک چھوٹا سا کھیت ۔ لکڑی کا ہل اور کچھ آلات ایک جوڑ بَیل اور چند جانور ۔ اُن کا سرمایہ محنت اور مزدوری ہے۔ یقیناً کسان جان توڑ کر محنت کرتا ہے لیکن یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ بحالت موجودہ کھیتی سے اُس کی ترقی نہیں ہو سکتی ہے ۔ وقت

جانور کسان کے دوست ہیں۔

آگیا ہے اور اگر نہیں آیا ہے تو جلد آنے والا ہے کہ کسان کو کھیتی کے علاوہ کسی دوسرے پیشہ کی طرف توجہ کرنی ہوگی۔ غریبی اور قرضہ کی وجہ سے اُس کی ساکھ بگڑ گئی ہے قرض لیکر وہ کوئی بیوپار کر نہیں سکتا ہے۔ اس بھیانک حالت کو اپنے سامنے رکھتے ہوئے ہمیں اپنے ملک کے سات لاکھ گاؤں میں بسنے والے کسانوں کی "تعمیر نو" یا سُدھار کے لئے کوششیں کرنا ہے۔

غور سے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ ہمارے گاؤں کے رہنے والوں کی پونجی اُن کے جانور ہیں۔ مسٹر این۔ سی۔ مہتا کہتے ہیں کہ دنیا میں سب سے زیادہ جانور ہندوستان میں ہیں۔ تقریباً اٹھارہ کروڑ جانور ہمارے ملک میں ہیں یعنی دنیا کے ۱/۲ جانور یہاں ہیں۔ روس میں ساڑھے چھ کروڑ۔ امریکہ میں چھ کروڑ اور برطانیہ میں سات لاکھ جانور ہیں۔ دودھ کی پیداوار کے اعتبار سے ہندوستان کا نمبر دوسرا ہے۔ ہندوستان میں انگلستان سے چوگنا دودھ ہوتا ہے مگر ہمارے یہاں دودھ خراب ہوتا ہے۔

ہم اپنے جانوروں کی تعداد پر فخر کر سکتے ہیں مگر وہ کسی کام کے نہیں ہیں وہ دوسرے ملکوں کے جانوروں کے مقابلہ میں بہت کم دودھ دیتے ہیں۔ چند برسوں پہلے ہمارے جانور تندرست تھے اور اچھی مقدار میں دودھ دیتے تھے گزشتہ برسوں سے جانوروں کی طرف سے ہم بے توجہ ہوگئے ہیں اور وہ تباہ ہو رہے ہیں۔ نہ اُن کے کھانے کا انتظام ہے اور نہ رہنے کا ٹھکانا ہے۔ کھلے ہوئے مارے مارے پھرتے ہیں اور پیٹ پالتے ہیں اور ان کے مالک صرف باندھ رکھتے ہیں اور آخری قطرہ تک دودھ ڈالتے ہیں۔ چراگاہیں ختم ہو رہی ہیں ہر چپہ زمین جوت میں آتی جاتی ہے۔ باوجود اس بے سروسامانی کے دودھ کا خرچ ہندوستان میں بڑھتا جاتا ہے۔ کئی کروڑ روپیہ سالانہ کا بیوپار دودھ کا ہوتا ہے۔ صرف ایک شہر کلکتہ میں ایک کروڑ روپیہ سالانہ کا دودھ خرچ ہوتا ہے۔ مدراس اور لاہور میں پچھتر اور اسّی لاکھ روپیوں کا سالانہ دودھ صرف ہوتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے شہروں میں بھی ہزارہا روپیہ کا دودھ خرچ ہوتا ہے۔

گائے کو بھرپیٹ چارہ نہ ملنے سے کمزور ہے۔ بچھڑا کافی دودھ نہ ملنے سے کمزور ہے اس سے پالنے والے کو بھی دودھ نہیں ملتا اور نہ اچھی نسل ہی تیار ہوتی ہے گایوں کی خوراک بڑھانے سے اچھی آمدنی ہو سکتی ہے اور اچھے بیل بھی تیار ہو سکتے ہیں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ دودھ کے بیوپار کو قاعدہ سے چلانے سے بہت کچھ ہماری مالی حالت سدھر سکتی ہے۔

اس امر پر تو بحث کی ضرورت نہیں ہے کہ دودھ ہماری غذا کا ایک اہم جزُ ہے اور دودھ کا استعمال بڑھتا جاتا ہے۔ بوڑھے اور بچوں کے لئے یکساں ضروری ہے۔ چار کے بڑھتے ہوئے استعمال کے ساتھ دودھ کی ضرورت بڑھتی جاتی ہے۔ ہم دودھ کا کثرت سے استعمال کرتے ہوئے بھی اس چیز کے جاننے کی کوشش نہیں کرتے کہ دودھ اچھا بھی ہے یا نہیں۔ سفید پانی سی چیز کو ہم نے دودھ سمجھ رکھا ہے۔ خراب دودھ سے بیماریاں بڑھ رہی ہیں۔ اور دودھ کے خراب ہونے کا سبب یہ ہے کہ ہم اپنے جانوروں کو اچھی طرح نہیں رکھتے ہیں۔ جانور بیمار ہوتے ہیں تو دودھ کے ساتھ ان کی بیماری انسانوں تک پہنچ جاتی ہے۔ گائے کا دودھ سب سے اچھا ہوتا ہے اس میں Vitamins بہت ہوتی ہے اور مزے میں بھی بہت اچھا ہوتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ دودھ کا استعمال بڑھ رہا ہے اور دودھ ضروری چیز ہے۔ دودھ گراں بھی ملتا ہے جانور اچھے نہیں ہیں تو کیا صورتیں اختیار کیجائیں کہ دودھ اچھا ملنے لگے۔

یہ چیز تجربہ میں آچکی ہے کہ کوآپریٹو Co-operative اصولوں پر دودھ کا کاروبار کیا جائے تو وہ لاکھوں روپیہ جو ہندوستان سے باہر جاتا ہے ملک میں رہ جائے اور ملک کی دولت بڑھے۔ ذیل کے اعداد شمار سے آپ کو تعجب ہوگا کہ ہندوستان میں سب سے زیادہ جانور ہیں اور امریکہ کے بعد سب سے زیادہ دودھ ہوتا ہے پھر بھی پردیس سے یہ چیزیں آتی ہیں۔

دودھ اور اس کی بنی ہوئی باہر سے آنے والی چیزوں پر بیس فیصدی ڈیوٹی کے ہوتے ہوئے حسب ذیل چیزیں باہر سے آتی ہیں۔

۱۔ بچوں کے لئے دودھ۔	۲۸۶۲۴۰۰۰	روپیہ
۲۔ مکھن۔	۶۲۳۶۵۴	روپیہ
۳۔ پنیر Cheese	۸۴۳۳۴۲	روپیہ
۴۔ گھی	۱۳۱۵۵۷	روپیہ
۵۔ سوکھا دودھ	۷۸۵۴۷۸۳	روپیہ

یورپ کے ایک ملک ڈنمارک (Denmark) میں دودھ کا کاروبار جاری کیا گیا ہے اور بڑی کامیابی سے چل رہا ہے۔ اس ملک کی حالت بہت کچھ ہندوستان سے ملتی جلتی ہے چند برسوں قبل یہ ملک بھی ہندوستان کی طرح غریب اور تباہ حال تھا وہاں بھی کھیتی خاص پیشہ تھا وہاں کے کسان بھی قرضہ سے دبے ہوئے تھے ان کے لیڈروں نے بتایا کہ جانوروں کے پالنے اور دودھ کے بیوپار سے ملک کی حالت سدھر سکتی ہے کوآپریٹو اصولوں پر کام کرنے کا یہ نتیجہ ہے کہ آج ڈنمارک دنیا بھر کو مکھن اور دودھ دے رہا ہے اور وہاں کے کسان خوشحال ہوگئے ہیں۔ صرف زراعت میں مشغول رہنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ ڈنمارک کنگال ہوگیا۔ آخرکار جانوروں کی پرورش کی طرف قوم متوجہ ہوئی۔ اور ۱۸۸۹ء میں پہلی Co-operative Dairy دودھ کا کاروبار کرنے والی سبھا قائم ہوئی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں سینکڑوں سبھائیں قائم ہوگئیں۔

ہمارے صوبہ میں ضرورت اس بات کی ہے کہ گاؤں میں بسنے والے گوالوں کی چھوٹی چھوٹی سبھائیں بنا دی جائیں اور ان کو تقاوی کے اصولوں پر اچھے اور زیادہ دودھ دینے والے جانور دلا دئے جائیں اور اس امر کا خیال رکھا جائے کہ دودھ اصلی اور وقت پر شہروں اور قصبات میں پہنچا دئے جائیں۔ دودھ کی بازار پر قبضہ کرنے کے بعد مکھن۔ پنیر اور گھی وغیرہ کی طرف توجہ کیجائے۔ پڑھے لکھے بیکار نوجوان کی مدد سے دودھ اور دودھ کی چیزوں کو ڈبوں میں محفوظ کر کے سوسائٹی کے اعلیٰ طبقہ کے لوگوں تک پہنچایا جائے۔ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ چار گائے اور دو بھینس سے ایک خاندان جس میں ایک مرد۔ ایک عورت اور چار بچے ہوں اچھی طرح اپنی روزی کما سکتا ہے بمقابلہ اُس خاندان کے جس کے پاس دس بیگھا آراضی ہو۔

جانوروں کی پرورش گاہ Cattle breeding centre اور دودھ کے مرکز Dairy قائم کرنے سے پہلے ہمیں حسب ذیل چیزوں پر دھیان دینا ہوگا جگہ وہ ہو جہاں قریب چراگاہیں ہوں اور آب ہوا بھی اچھی ہو۔ پانی اچھا ہو اور سب سے مقدم چیز یہ ہے کہ دودھ کو وہاں سے جلد اور آسانی سے لیجانے کیلئے راستے درست ہوں۔ یہ جگہ شہر میں نہ ہو مگر شہر سے زیادہ دور بھی نہ ہو۔ پختہ سڑک اور ریلوے اسٹیشن سے قریب ہو۔ دنیا میں تمام گائے کے دودھ کا بیوپار ہوتا ہے مگر ہمارے یہاں بھینس بھی ہوتی ہے جو زیادہ دودھ دیتی ہے۔ گائے کے دودھ میں ۴ سے ۶ فیصدی تک مکھن ہوتا ہے اور بھینس میں ۶ سے آٹھ تک ہوتا ہے۔ یہ موقع دودھ دینے والے جانوروں کی قسموں پر بحث کا نہیں ہے۔ ذیل کے نقشہ سے پتہ چلے گا کہ کن نسلوں کے جانور دودھ زیادہ دیتے ہیں۔

نقشہ

گائے کی قسمیں	روزانہ دودھ دینے کا اوسط فی گائے — اوسط	زیادہ سے زیادہ
۱۔ سندھی	۶ سیر	۱۸ سیر
۲۔ سورتی	۴½ سیر	۱۲ سیر
۳۔ دکھنی	۳ سیر	۴½ سیر
۴۔ گجراتی	۴½ سیر	۵½ سیر
۵۔ گجراتی یا تھن	۴½ سیر	۹ سیر
۶۔ گیر	۷½ سیر	۱۱½ سیر
۷۔ گوچی	۴½ سیر	۵ سیر
۸۔ لائل پور (پنجاب)	۶½ سیر	۷½ سیر

اس بات کو تو ہر شخص جانتا ہے کہ اچھا دودھ جانوروں کو اچھی طرح کھلانے پلانے سے ہوتا ہے۔ یہ اچھا چارہ نہ کھلانے ہی کا نتیجہ ہے کہ ہمارے جانوروں کے تھن جلد سوکھ جاتے ہیں اور باوجود ماتا کہنے کے اونچی اونچی ذات کے کسان جانوروں کو کاٹنے کیلئے فروخت کر ڈالتے ہیں۔ جانوروں کو وقت وقت سے کھانا پانی دینا چاہئے وہ بے زبان ہیں بتا نہیں سکتے ہیں ماہرین کا خیال ہے کہ کبھی کبھی تیل اور ہلدی بھی جانوروں کو کھلانا چاہئے۔ تجربہ کر کے دیکھا گیا ہے کہ اچھا چارہ کھلانے سے ۸ پونڈ سے ۱۴ پونڈ تک روزانہ مقدار دودھ کی بڑھ گئی ہے۔

آیندہ ہم بیوپاری اصولوں پر گھی۔ دودھ اور مکھن کی پیداوار پر بحث کرینگے۔ ہندوستان میں گھی دس کروڑ روپیہ سالانہ کا پیدا ہوتا ہے مگر کام ضابطہ اور قاعدہ سے نہیں ہوتا ہے۔

گھاگھ کی ڈائری

اس ڈائری کے لکھنے والے جناب گھاگھ پُرانے خیال کے ایک بوڑھے زمیندار اور کسان ہیں اور کسی قسم کی اصلاح پسند نہیں کرتے دیہات سدھار تحریک سے ان کے دل میں کیا کیا اضطراب پیدا ہے یہ انکے اس خط میں پڑھئے

جناب اڈیٹر صاحب

پچھلے خط میں مَیں یہ لکھ چکا ہوں کہ اس گاؤں میں میرا صرف ایک ساتھی بچ رہا ہے۔ یعنی میرے دروازے پر کا گھوُر۔ مَیں یہ مانتا ہوں کہ وہ کوڑا کرکٹ کا ڈھیر ہے۔ لیکن میرے ہی گھر کا تو کوڑا ہے۔ اُسے ہٹاؤں یا نہ ہٹاؤں اس کے لئے مجھے آزادی ہونی چاہئے۔ مگر نہیں۔ اب تو یہ کہا جا رہا ہے کہ اسے ہٹاؤ نہیں تو سارے گاؤں کی تندرستی خراب ہو جائیگی اسی گھور پر کھیل کھیل کر گاؤں کے جو چھوکرے مردبنے ہیں وہ بھی اُس کو لنکا کا راکشس بتا رہے ہیں۔ اسے کہتے ہیں اُلٹی سمجھ!

× × ×

پچھلے دنوں اس گھور کو بیحد مصیبتیں جھیلنی پڑیں۔ ذرا اسکی بھی کہانی سُن لیجئے۔ ایک روز مَیں بیٹھا ہوا حقہ گڑگڑا رہا تھا کہ گاؤں کے کئی لڑکے شور مچاتے اور چلّاتے ہوئے ادھر سے نکلے۔ پہلے تو مَیں سمجھا کہ گاؤں میں کہیں آگ لگی ہے یا شاید فوجداری ہو گئی ہے لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ گاؤں میں گاؤں سُدھار ہفتہ شروع ہوا ہے۔ ایک ذرا بوڑھے اور سمجھ دار شخص جس کے دل میں ابھی میرے جیسے بزرگوں کی کچھ عزت باقی ہے میں نے پوچھا کہ بھائی یہ گاؤں سدھار ہفتہ کیا بلا ہے؟ اُس نے کہا۔ "سات دن تک گاؤں کے گلی کوچوں میں جھاڑو لگے گی جلسے ہوں گے، تقریریں ہوں گی اور گاؤں والوں کو یہ بتایا جائے گا کہ گاؤں سُدھار کس طرح ہو سکتا ہے"۔ مَیں نے پوچھا "بھائی جھاڑو کون لگائے گا؟" اُس نے جواب دیا "بڑے بڑے رئیس، بابو، سیٹھ، ساہوکار، لیڈر اور سرکاری افسر" وہ تو چلا گیا مگر مَیں سوچنے لگا کہ کیا ان راجہ بابوؤں کے پاس کوئی اور کام ہی نہیں رہ گیا ہے۔ اور اگر سرکاری افسر اسی لئے رکھے گئے ہیں کہ جھاڑو لگائیں تو انھیں اتنی لمبی لمبی تنخواہ دینے کی کیا ضرورت ہے تب تو سارا کام مہتروں ہی سے لیا جا سکتا ہے۔ اور وہ بیگار میں بھی پکڑے جا سکتے ہیں۔

× × ×

مَیں اِس ادھیڑبن میں پڑا ہی تھا کہ کچھ لوگ گاتے ہوئے اُدھر سے نکلے۔ اُن کے ہاتھوں میں بڑی بڑی جھاڑوئیں تھیں اور بغل میں وہ کوڑا بھرنے کے لئے بڑے بڑے ٹوکرے دابے ہوئے تھے۔ وہ طرح طرح کے گانے بھی گا رہے تھے۔ ایک مَیں نے نوٹ کر لیا ملاحظہ فرمائیے۔

بچّہ بچّہ بول اُٹھا ہم سب کا دَرد بھگا دیں گے
پتّہ پتّہ بے ڈول اُٹھا ہم بن میں آگ لگا دیں گے
گندگی، جہالت، بیکاری کی ایک نہ چلنے پائیگی
ہم علم و ہنر کی گھر گھر میں کچھ ایسی جوت جگا دیں گے
ہم کو ہے پیار صفائی سے ہم صاف کرینگے گلی گلی
کوڑے و کرکٹ کے ڈھیروں کو ہم فوراً کھود ہٹا دیں گے

یہ گاتے ہوئے وہ میرے دروازے کے سامنے پڑے ہوئے گھوُر

پر ٹوٹ پڑے اور اُسے کھود کھود کر ہٹانے لگے۔ ان کے پھاوڑے گھور پر پڑ رہے تھے۔ لیکن میں محسوس کر رہا تھا گویا میری چھاتی پر پڑ رہے ہیں۔

× × ×

مجھے غصہ آ گیا اور میں انھیں روکنے کے لئے اُٹھا۔ مگر جناب اُنھوں نے ایسی چکنی چپڑی باتیں کیں کہ میرا غصہ فرو ہو گیا ایک صاحب سے جو افسر معلوم ہوتے تھے میں نے پوچھا "آخر آپ لوگ یہ گندا کام اپنے ہاتھ سے کیوں کر رہے ہیں؟" اُنھوں نے جواب دیا: "اس لئے کہ گاؤں والوں کو معلوم ہو جائے کہ صفائی کا کام کوئی ایسا کام نہیں ہے جس سے نفرت کیجائے۔" میں نے پوچھا "تو آپ چھوت اچھوت کا بھی کوئی خیال نہ کرتے ہوں گے؟" وہ بولے "قطعی نہیں میں انسان انسان میں فرق نہیں سمجھتا۔ میرے لئے سب ایک سے ہیں۔" میں اپنا سر تھام کر بیٹھ گیا۔ مجھے کامل یقین ہو گیا کہ کتابوں میں جو لکھا ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا جب دنیا الٹ جائیگی۔ شاید وہ زمانہ اب آ گیا ہے۔

× × ×

اِس طرح سات روز اتنی ہل چل مچی رہی کہ میرے لئے سانس لینا بھی دشوار ہو گیا۔ ساتویں روز ایک پنچایت گھر کی بنیاد ڈالی گئی۔ پوچھنے پر بتایا گیا کہ اِس گھر میں گاؤں کے مقدموں کا فیصلہ ہوگا۔ جلسے ہوں گے ناچ گانے ہوں گے اور نہ معلوم کیا کیا ہوگا۔ گاؤں والے ویسے ہی مقدمہ باز ہوتے ہیں جب عدالتیں میلوں دور شہروں میں ہیں تب تو وہ وہاں دوڑ کر جاتے ہی ہیں اور دروازے پر عدالت ہو جانے گی تب تو پوری آفت ہی سمجھے جس نے کبھی عدالت کا نام بھی نہ سُنا ہوگا اُسے بھی مقدمہ بازی کا شوق ہوگا۔ میں تو اِس پنچایت گھر میں صاف گاؤں کی بربادی دیکھ رہا ہوں۔ مگر ان کی دلیل سنئے وہ کہتے ہیں کہ اس سے مقدمے کم ہو جائیں گے کیونکہ لوگ گاؤں کی باتیں گاؤں میں ہی آپس میں طے کریں گے۔ پنچایت گھر بنانے والوں کو کیا معلوم کہ یہاں گاؤں والوں میں بات بات پر سر پھٹول ہو جاتی ہے۔ سات روز کے جلسے دیکھکر تو مجھے اپنے سات جنم کی مصیبتیں یاد آ گئیں۔ پنچایت گھر بنجانے پر تو نہ جانے کیا ہوگا۔ مجھے تو تباہی کے آثار ہر طرف نظر آ رہے ہیں۔ لڑکے بگڑیں گے لڑکیاں بگڑیں گی، جوان بگڑینگے بوڑھے بگڑیں گے۔ کاہلوں کی بن آئے گی۔ پنچایت گھر میں بیٹھکر مزے میں غپ لڑائیں گے۔

× × ×

ایک لڑکا مجھسے کہنے لگا "بابا! پنچایت گھر سے سب سے زیادہ تمہیں کو فائدہ ہوگا۔" میں نے پوچھا "کیسے؟" وہ بولا "ناتن کی شادی کرنے والے ہو برات ٹکانے یا براتیوں کو بٹھانے کے لئے ایسا سجا سجایا کمرہ کہاں پاؤگے؟" بات تو اُس نے پتے کی کہی مگر مجھے ایک اور مصیبت یاد آ گئی۔ میری نواسی کی عمر ابھی پانچ ہی چھ سال کی ہے۔ میں جلد سے جلد اس کی شادی کر ڈالنا چاہتا تھا۔ مگر گاؤں والے چلّا رہے ہیں: "نہیں اب لڑکپن میں شادی نہیں ہو سکتی۔" نواسی کی شادی دیکھکر مرنے کی آرزو تھی مگر معلوم ہوتا ہے کہ اب یہ آرزو بھی پوری نہ ہوگی۔

× × ×

ہٹلر اور مسولینی اپنے ملک میں پوجے جاتے ہیں۔ اسلئے کہ وہ ملک کے فائدے کیلئے زبردستی بھی کرتے ہیں مگر یہاں میں یہی کام کروں اور صرف اپنے گاؤں میں تو بھی بدنام ہو جاؤں ایسا ہے یہ ہندوستان۔ مجھے تو اُمید نہیں کہ ایسی حالت میں اسے کبھی بھی سوراج مل سکتا ہے۔ اور تو اور جب خود میرے گھر کی بہو بیٹیاں، لڑکے، جوان مجھے لکیر کا فقیر کہتے ہیں اور میری ہر بات کو فضول بتاتے ہیں تب کیا کہوں گاؤں سُدھار کو آپ خواہ کچھ کہیں مجھے تو صاف یہ ناک کٹانے کا کام معلوم ہوتا ہے۔ جب گاؤں کا گاؤں نکٹا بنا جا رہا ہے تب مجھے تو اپنی ناک ثابت رکھنا ناممکن سی بات معلوم ہوتی ہے۔ دیکھئے! بھگوان مالک ہے

آپ کا

گھاگھ

ڈھینکل

از
شری گنگا سنگھ دسشارد
سپروائزر بیج گودام
بھٹنی

صوبہ متحدہ میں کسانوں کے لئے اپنے کھیتوں کی سینچائی کے ابھی تک جو ذرایع حاصل ہیں اُن میں تہر، تالاب اور کنوؤں کے ذرایع عام ہیں۔ آج کل مختلف سرکاری فارموں پر ٹیوب ویلوں کے ذریعے سینچائی کا کام کیا جاتا ہے۔ لیکن اِس میں اتنا خرچ ہوتا ہے کہ عوام کو اِس ذریعے سے سینچائی کا فائدہ اُٹھانا بہت مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اِس صوبے کے شمالی اور مشرقی حصّوں میں کھیتوں کی سینچائی کا کام زیادہ تر کنوؤں سے ہی ہوتا ہے اور یہی کنوئیں آج اِن حصّوں کو سرسبز و زرخیز بنائے ہوئے ہیں۔ یہاں کے کسان ڈھینکل کے ذریعہ اپنے کھیتوں کی سینچائی کیا کرتے ہیں۔ اِس لئے ڈھینکل کے فوائد پر روشنی ڈالنی نامناسب نہ ہوگی۔

اِس حصّے کے کنوؤں میں پانی زیادہ سے زیادہ ۲۰ ہاتھ کی گہرائی میں پایا جاتا ہے اور کہیں کہیں تو اور بھی نزدیک نکل آتا ہے۔ یہاں تک کہ کسانوں کو اپنے ڈھینکلوں میں صرف پانچ اور آٹھ ہاتھ کے درمیان ہی رسّی لگانی پڑتی ہے۔ ڈھینکل کی بناوٹ جتنی ہی عجیب ہے اُتنی ہی جاذب نظر بھی۔ دیہات میں اور خصوصاً اِس حصّے میں لکڑی کی کثرت ہے اور سب ہی لوگوں کو وہ قلیل خرچ میں حاصل ہوسکتی ہے۔ لہذا یہاں کے لوگ اپنے کنوؤں کے پاس ایک ۵ چھ ہاتھ اونچا لکڑی کا جانڑ (کھمبا) گاڑ دیتے ہیں۔ اور اسی جانڑ پر لکڑی کی لمبی بلّی کا تقریباً دو تہائی حصّہ اوپر اور ایک تہائی حصّہ نیچے لٹکا کر اُسے لوہے کی مضبوط اور لمبی کیل سے جڑ دیتے ہیں۔ یہ بلّی اسی جانڑ پر کھڑی رہتی ہے۔ بلّی کے بالائی سرے میں موٹی رسّی باندھ دی جاتی ہے۔ اِس رسّی میں بالٹی کی شکل کا ایک لوہے کا کونڈا لٹکا دیا جاتا ہے۔ اِسی کونڈے سے اِس حصّے کے کسان اپنے کھیتوں کی سینچائی کیا کرتے ہیں۔ اور یہ سارا سامان ڈھینکل کہلاتا ہے۔

یہاں کے کنوئیں زیادہ تر کچّے ہوتے ہیں لیکن اب زیادہ تر گاؤں میں پکّے کنوئیں بھی پائے جانے لگے ہیں۔ یہاں کے کسان کنوؤں کے بیچ میں دونوں سروں تک ایک لکڑی کا تختہ ڈال دیا کرتے ہیں۔ اِس تختے پر وہ کھڑے ہو جاتے ہیں اور بلّی کے نیچے کے حصّے میں کافی مٹّی باندھ دیتے ہیں اندازاً مٹّی کا وزن ہوا بھرے ہوئے پانی کے برابر ہی ہوتا ہے۔ کسان رسّی پکڑ کر ہودے کو کنوئیں میں لے جاتا ہے۔ اور وہ پانی میں پہنچتے ہی ڈوب جاتا ہے۔ کیونکہ اُس کی پیندی وزنی ہوا کرتی ہے پانی بھر لینے پر بلّی کی شکل ترازو کے پلّے کی سی ہو جاتی ہے اور کسان کی ذرا سی کوشش سے کونڈے بھر پانی نکل آتا ہے۔ کنوئیں سے سینچائی کے ابھی تک جتنے بھی طریقے رائج ہیں اُن میں ڈھینکل سے زیادہ آسان اور سستا کوئی ذریعہ نہیں حاصل ہو سکا۔ آج کل دوسرے حصّوں میں پانی کی کمی کے باعث ربیع کی فصل خراب ہو رہی ہے۔

مگر یہاں کے کسان روزانہ صبح چار بجے اُٹھکر ڈھینکل پر ڈٹ جاتے ہیں۔ کہیں کہیں ایک ہی کنوئیں پر تین تین شہتیر تک باندھ دیتے ہیں۔ اور اپنے کھیتوں کی سینچائی کرتے رہتے ہیں۔ وہ سردی میں اپنے جسم کی ذرا بھی پروا نہیں کرتے اور بڑی محنت کے ساتھ اِن ڈھینکلوں سے اپنی فصل کی سینچائی کرتے ہیں۔ کسانوں کا اندازہ ہے کہ وہ اِس ڈھینکل سے یہاں ۱۰ بارہ کھیت روزآ سینچ لیا کرتے ہیں۔ یعنی ایک ڈھینکل سے ایک دِن میں دس بسوے سے زیادہ کھیت سینچا جاتا ہے۔ آج کل اِس حصّے میں جدھر بھی دیکھئے اُدھر ہی ڈھینکل کنوئیں میں غوطہ لگاتے ہوئے ہَودے سے پانی نکالتے نظر آتے ہیں۔ ڈھینکل کے ذریعہ اِتنا پانی نکلتا ہے کہ وہ کھیتوں میں دھیرے دھیرے جاتا ہے۔ بیچ کھیت میں کسان اُسے لکڑی کی ایک پھڑوئی کے ذریعہ چاروں طرف پھیلاتا رہتا ہے۔ اَور پانی کی دھیمی بارش کی سی سینچائی سے ذرا بھی نقصان نہیں پہنچتا۔ نہر ٹیوب ویل اَور تالابوں کے دَگلے سے پانی کی رفتار زیادہ ہونے کے باعث فصل کے پودوں کو کچھ کچھ نقصان پہنچ جایا کرتا ہے۔ ڈھینکل کی سینچائی میں اِس کا ذرا بھی خطرہ نہیں رہتا۔ اَور فصل کو ضرورت کے مطابق ہی پانی مِلتا ہے۔ اور وہ برابر سرسبز رہتی ہے۔

اِس حصّے میں گنّے کی خاص پیداوار ہے۔ اَور یہی وجہ ہے کہ یہاں جگہ جگہ پر شکر بنانے کے لئے ایسی بڑی بڑی مِلیں کھڑی ہیں جو ایک دن میں ہزاروں گاڑی کھڑا گنّا پیلا کرتی ہیں۔ حالانکہ گنّے کی سینچائی کے لئے کچھ اور ذرائع بھی تجربہ کی صورت میں ٹیوبول کے اور سرکاری فارموں پر استعمال کئے جاتے ہیں لیکن اگر ڈھینکل نہ ہو تو یہاں کی ساری مِلیں بات کی بات میں بیکار ہو جائیں اَور سرمایہ دار جو کسانوں کی گاڑھی کمائی سے اپنی تجوریاں بھرتے ہیں اپنے اپنے ڈیرے اُکھاڑ دیں۔ مگر افسوس صرف یہی ہے کہ وہ اِن غریب کسانوں کی آسانی کی طرف کوئی خیال نہیں کرتے۔ اِس وقت کسانوں کی مشکلات دور کرنے کے لئے اِس کام کو "کین ڈیولپمنٹ" کے ذریعے ہمارے صوبے کی حکومت کر رہی ہے۔

مگر اپنی ناواقفیت کے باعث ابھی تک سب ہی کسان اُس کی اہمیت کو نہیں سمجھ سکے۔ "کین ڈیولپمنٹ" کے ذریعے اب کسانوں کو کافی امداد مِل رہی ہے۔ اَور اُن کی مشکلات میں کافی کمی ہو رہی ہے۔ لیکن متعدد مقامات ایسے بھی ہیں جن کے لئے "کین ڈیولپمنٹ" والوں کو مِل کے خود غرض مالکوں کی پناہ میں جانا پڑتا ہے اَور اُنکے بدلے میں سرمایہ دار عوام کا خون چوسا کرتے ہیں۔ اِس کی ذمّہ داری عوام اور حکومت دونوں ہی پر ہے۔

کسانوں کے دِل میں ابھی تک کچھ ایسی دہشت چھائی ہے کہ وہ "کین ڈیولپمنٹ" والوں کو اپنا خیر خواہ نہیں سمجھتے بلکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ کسی کسی ذاتی فائدہ کی وجہ سے اُنکے بیچ میں کام کرکے اپنا مطلب حل کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن دراصل یہ بات نہیں ہے۔ اَور یہ صرف کسانوں کا وہم ہے۔ اِس وقت حکومت کا نظریہ صرف کسانوں کو فائدہ پہنچانے اَور اُن کی تکالیف کم کرنے کا ہے۔ اَور اُس کے لئے وہ کافی کوشاں ہے۔ وہ اِس بات کی امکانی کوشش کر رہی ہے کہ سبھی کسانوں کی طرف سے وہ مل مالکوں سے گفتگو کرکے ساری شرطیں طے کرلے۔ اِس کے لئے کسانوں کو اپنی سوسائٹی کا ممبر بناتی ہے۔ اور جس گاؤں کے کسان ۷۵ فی صدی سوسائٹی کے ممبر بن جاتے ہیں وہاں مِل والوں کی کچھ نہیں چلتی۔ اور کسانوں کی باتیں ماننے کے لئے اُنھیں مجبور ہونا پڑتا ہے۔ مگر جہاں کے کسان اِس میں پیچھے پڑ جاتے ہیں وہاں مِل کے مالک اُن سے اپنی مرضی کے مطابق فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ اور اپنی جھوٹی بڑائی کرکے کسانوں کی تنظیم کو کمزور بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ لہذا کسانوں کو چاہئے کہ وہ متحد رہیں اور اپنی تنظیم کو کمزور نہ بنائیں۔ اَور اُسے مضبوط کرتے ہوئے "کین ڈیولپمنٹ" کا ساتھ دیں تو اُن کی مشکلات بھی آہستہ آہستہ کم ہو جائیں گی اَور وہ خوش بھی رہیں گے۔ لیکن اگر کوئی قابلِ شکایت بات ہو تو وہ "کین ڈیولپمنٹ" کے کارکنوں کی بھی شکایت کرنے کے لئے آزاد ہیں۔ حکومت اُن کی شکایات برابر سُنے گی اور دور کرے گی۔

یہ تو عوام کے کرنے کی بات ہوئی ۔ حکومت کے لئے بھی اس طرف کچھ توجہ اور اصلاحات کی ضرورت ہے ۔ ڈھیکل کے فائدوں کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے لیکن کنوؤں میں پانی کی کمی کے باعث کسانوں کی سینچائی کو بہت زیادہ نقصان ہوتا ہے ۔ یہاں کے زیادہ کنوئیں کم گہرے ہیں اور اُن کا پانی تھوڑے ہی کھیتوں کے لئے بھی ناکافی ہوتا ہے اور غریبی کے باعث کسان پختہ کنوئیں بنوا نہیں سکتے کچے کنوئیں تھوڑے سے ہی دنوں میں بیکار ہو جاتے ہیں ۔ اور اُن سے کسانوں کو ذرا بھی فائدہ نہیں ہوتا ۔ بلکہ اُنکی محنت بھی بیکار جاتی ہے ۔ ایسی حالت میں اسکی طرف حکومت کو توجہ کرنا نہایت ضروری ہے ۔ حکومت کی طرف سے کچھ کنوؤں میں بورنگ کرانے کا ذکر سنا جاتا ہے ۔ لیکن ابھی تک اُس کی کوئی صورت نظر نہیں آئی ۔ جہاں تک پتہ لگا ہے یہاں کے کنوؤں میں بورنگ کرانے کا خرچ تقریباً سو روپیہ کا اندازہ ہوا ہے ۔ اور یہ بھی سُننے میں آیا ہے کہ ایک چوتھائی حصّہ دینے پر حکومت بورنگ کرانے کا حکم دیدے گی ۔ لیکن میری رائے میں اس سے غریب کسانوں کو فائدہ کم ہوگا ۔ کیونکہ اُن میں پیسے کے ساتھ ساتھ تنظیم کی بھی کمی ہے وہ متحد ہو کر کام کر کے فائدہ اُٹھانا نہیں جانتے یا یہ کہا جائے کر سیکھا ہی نہیں ہے ۔ اُن کو یہ سکھانے میں دیر لگے گی ۔ اور کافی خرچ بھی ہوگا ۔ لہذا حکومت کی اس اسکیم کا پورا فائدہ متوسط طبقے کے سرمایہ داروں کو ہوگا وہ ایک چوتھائی روپیہ جمع کر کے اپنے قریب کے کنوئیں میں بورنگ کرائیں گے اور خود ہی کل گاؤں بھر کے نام پر فائدہ اُٹھائیں گے ۔ اور حکومت کو دکھانے کے لئے یہ ہو جائے گا کہ اُس نے کثیر تعداد میں گاؤں میں بورنگ کرا دی مگر اس کا فائدہ اُس گاؤں کے غریب کسانوں کو کبھی نہیں ہو سکتا یہ میرا ذاتی تجربہ ہے ۔ لہذا حکومت کو اس کے لئے دو باتوں کی طرف خاص توجہ کرنی چاہئے ۔

پہلی تو یہ کہ بورنگ گاؤں کے لئے مفت کرائی جائے ۔ اُس میں کسی قسم کی شرط نہ لگا کر صرف گاؤں والوں کی زیادہ سے زیادہ آسانی اور فائدہ کا ہی دھیان رکھا جائے ۔ ایسا کرنے میں بورنگ کی تعداد تو بظاہر ضرور کچھ کم ہوگی لیکن اس سے گاؤں بھر کو فائدہ ہوگا اور وہ برابر اُس سے فائدہ اُٹھاتے رہیں گے ۔

دوسری یہ ہے کہ اِس وقت حکومت کی توجہ کسانوں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ بھلائی کی طرف ہے ۔ لہذا اگر حکومت اپنے آئندہ بجٹ میں اِس حصّہ کے کنوؤں کی مرمت کے لئے یا ہر گاؤں میں کچھ پختہ کنوئیں بنوانے کی اسکیم تیار کرے تو یہاں کے غریب کسانوں کو کافی فائدہ ہو سکتا ہے ۔ وہ محنت کر کے اپنی کمائی کے بل پر اپنا کام چلانے میں کامیاب ہو سکتے ہیں ۔ اور اپنے بال بچوں کی پرورش آسانی سے کر سکتے ہیں ۔

مذکورہ بالا دونوں باتوں سے نہ صرف کسانوں کا فائدہ ہوگا بلکہ حکومت کے کاموں کے بھی مستقل ہونے کی اہمیت ظاہر ہوگی اور کسانوں کو ہمیشہ کے لئے نہ صرف سینچائی کا ذریعہ حاصل ہو جائے گا بلکہ وہ یہ بھی کہہ سکیں گے کہ ہماری کانگریس صوبائی حکومت کی بدولت جسے ہم نے معتبر سمجھکر یہ حق دیا تھا ہمیں یہ مستقل چیزیں ملی ہیں ۔ اور یہ تازندگی ہمارے ساتھ رہ کر ہمیں فائدہ پہنچائیں گی امید ہے کہ ہماری حکومت اپنے آئندہ بجٹ میں اِس طرف خاص توجہ کرے گی ۔

تھوڑے داموں میں زیادہ کھانا

(از کماری سوشیل بہادر کور)

دیہاتیوں اور دوسرے غریبوں کو تھوڑے داموں میں ٹھیک اور پورا کھانا کیسے مل سکتا ہے ؟ یہ ایسا سوال ہے جس کا حل کرنا ذرا ٹیڑھی کھیر ہے۔ پھر بھی ہم اس جگہ اس کے تھوڑے سے طریقے بتاتے ہیں۔ ان پر غور کر کے عمل کرنے سے گھروں کی حالت بہت کچھ اچھی ہو سکتی ہے۔

۱۔ گیہوں کی جگہ مکا' باجرہ یا بجھر وغیرہ استعمال کیجئے ٹلی کے لوگوں کا کھانا صرف مکا' تیل اور ساگ ہے۔ انھیں نہ دودھ ملتا ہے اور نہ وہ گوشت انڈا وغیرہ کچھ کھاتے ہیں' پھر بھی تندرست رہتے ہیں۔

۲۔ گھی کی جگہ تیل اور ساگ استعمال کیجئے گھی میں وٹامن "اے" ہوتا ہے جو تیل میں نہیں ہوتا۔ ساگ میں وٹامن 'اے' خوب ہوتا ہے۔ اس لئے ساگ میں تیل ملانے سے وٹامن 'اے' کی کمی پوری ہو جاتی ہے کرم کلے میں خوب تیل ڈالکر کھانے سے دودھ کا سا اثر ہوتا ہے۔ پاؤ بھر کرم کلے میں پکاتے وقت ۱/۲ پاؤ تک تیل ڈالا جا سکتا ہے۔ بچے حسب تیل پی لیں گے۔

۳۔ دودھ نہ مل سکے تو متھا یا مٹھا نکلا ہوا دودھ استعمال کرنا چاہئے۔ متھا نکلے ہوئے دودھ میں بھی اتنا ہی اچھا پروٹین ہوتا ہے جتنا دودھ میں۔ اس دودھ کا پاؤڈر بھی ملتا ہے۔ جسے صرف پانی میں ملانے سے دودھ بن جاتا ہے۔ یہ کافی سستا ملتا ہے اور جو لوگ دودھ نہ خرید سکتے ہوں انھیں اس کا استعمال کرنا چاہئے۔ لیکن یہ

تندرستی کے لئے کسرت کرنا بہت ضروری ہے۔

یاد رہے کہ تازہ اور خالص دودھ سب سے اچھی چیز ہے ایسا دودھ چاہے تھوڑا سا ہی مل جائے اُس کا پینا نہ پینے سے اچھا ہے۔

۴۔ شکر کی جگہ گڑ استعمال کرنا چاہئے گڑ میں وٹامن 'اے' ہوتا ہے۔ جو شکر میں نہیں ہوتا۔ گڑ سستا ہوتا ہے اور پاخانہ بھی صاف لاتا ہے۔

مہاتما گاندھی بہت سادا کھانا کھاتے ہیں لیکن کام نوجوانوں سے بھی زیادہ کرتے ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی تندرستی ٹھیک رکھنے کے لئے روز صبح میلوں ٹہلتے ہیں۔

۵۔ گوشت کم کھانا چاہئے۔ یہ خیال کہ گوشت کھانے سے بدن میں زیادہ طاقت آتی ہے صحیح نہیں۔ گوشت زیادہ کھانے سے پسینہ زیادہ آتا ہے اور کئی مرض ہو جاتے ہیں۔ آپ کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جب تک آپ اپنے گھر کے لئے فی آدمی آدھ سیر دودھ نہیں خریدتے اسوقت تک گوشت نہیں خریدنا چاہئے۔

۶۔ ہر موسم کا کھانا انھیں چیزوں کا ہونا چاہئے جو اس موسم میں ہوتی ہوں۔ جب جس چیز کی فصل ہوتی ہے اسوقت وہ چیز بہت سستی ملتی ہے۔

۷۔ سستے پھل اور ساگ خوب کھانے چاہئیں۔ یہ خیال کہ انگور، سیب وغیرہ میں زیادہ طاقت ہوتی ہے، بالکل غلط ہے، ان میں وٹامن بھی زیادہ نہیں ہوتا۔ امرود اور جامن وغیرہ سستے پھل، مہنگے پھلوں سے زیادہ اچھے ہوتے ہیں۔ کھانے کی چیزوں کو صرف اسی لئے برا نہیں سمجھنا چاہئے کہ وہ سستی ہیں۔ چارٹ کو دیکھنے سے اندازہ ہوجاتا ہے اکثر بہت بری نظر سے دیکھی جانے والی کھانے کی چیزیں بہت عمدہ ہوتی ہیں۔ "گراں بہ حکمت" اور "ارزاں بہ علت" والی مثل کھانے کی چیزوں کے لئے صحیح نہیں۔

مسّی روٹی

پنجاب کے گاؤں میں مسی روٹی کھائی جاتی ہے۔ یہ بہت مزیدار اور طاقتور ہوتی ہے۔ اس کے پکانے کی ترکیب یہ ہے۔

آٹا	۵ چھٹانک
بیسن	¼ "
پیاز	½ "
میتھی کا ساگ (یا کوئی اور ساگ)	¼ "
دودھ یا کھووا	½ "
نمک	⅛ "
گھی یا مکھن	¼ "

آٹے میں بیسن اور دودھ ملا کر پانی کے ساتھ گوندھئے۔ پھر پیاز اور ساگ باریک کاٹ کر اور نمک پیس کر سب گندھے ہوئے آٹے میں اچھی طرح ملا کر موٹی موٹی روٹیاں بنائیے۔ موٹی روٹی پتلی روٹی سے جلد ہضم ہوتی ہے اور زیادہ دیر تک تازہ رہ سکتی ہے۔ پنجاب میں موٹی روٹی تندور میں لگا کر بنائی جاتی ہے، اسکے بعد روٹیوں پر گھی لگا لینا چاہئے۔ یہ سب روٹیاں قریب قریب آدھ سیر کی ہونگی اور ان کی طاقت ۱۳۰۰ سے ۱۴۰۰ کیلوری تک۔ کاشتکاروں کے ایک وقت کے کھانے کے لئے کافی ہے۔ خرچ صرف ایک آنے کے قریب ہوگا۔ کاشتکار جب کھیتوں پر کام کرنے جاتے ہیں تو وہ کھانا کھانے کے لئے دن میں گھر نوٹ کر نہیں آسکتے۔ ایسی روٹیاں وہ اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور جب بھوک لگتی ہے کھاتے ہیں۔ ایسی روٹیوں میں وٹامن اور ہر طرح کے ضروری نمک کثرت سے ہوتے ہیں۔

نوٹ۔ محترمہ سوشیل بہادر کور لکھنؤ کے ڈاکٹر ایس جے سنگھ ایم۔ اے۔ پی۔ ایس۔ سی، ایچ ڈی (لندن) کی بہن ہیں ڈاکٹر صاحب نے وعدہ کیا ہے کہ وہ 'پھول' کے قارئین کو تندرست بنانے کے متعلق سب طرح کی صلاح مفت دیں گے۔ اُن کے ایسے مشورے جو عام لوگوں کے کام کے ہوں گے یہاں شائع ہوا کریں گے۔ ڈاکٹر صاحب کا پتہ یہ ہے:۔

۷۵ گوئین روڈ جھاؤ لعل کا پُل۔ لکھنؤ۔

(نومبر سنہ ۴۸ء کے کام کی تفصیل)

نومبر گاؤں سدھار ہفتے کے جلسے سے شروع ہوا جو سارے صوبہ میں منایا گیا اور جس کے لئے سب ہی لوگوں نے بلا تفریق مذہب و جماعت اپنی نیک خواہشوں کا اظہار کیا۔ اِس صوبے کے سارے گاؤں سدھار سنگھٹن نے صوبائی گاؤں سدھار کے چیرمین اور ممبروں سے لیکر گاؤں کی پنچایت اور زندگی سدھارنے والی جماعت کے پنچ اور ممبروں و گاؤں سدھار کے افیسر سے لیکر گاؤں کے آرگنائزروں تک نے اِس ماہ کے پہلے ہفتہ میں ملک میں نئی زندگی اور سدھار کے پیغام دور دور دیہات کے جھونپڑوں تک پہنچانے کی حتی الامکان کوشش کی۔ اِس صوبے کے ہر خیال کے نمائندوں کے پیغام ہندی اور اُردو میں براڈکاسٹ کئے گئے۔ اور وہ آل انڈیا ریڈیو کے پروگرام میں رکھے گئے۔ اِس ہفتہ دیہاتوں میں کئے جانے والے گاؤں سدھار کے کام میں دیہاتوں کی صفائی ہی زیادہ تھی۔ جس میں سب لوگوں نے ہاتھ بٹایا یہاں تک کہ بڑے بڑے افسروں نے بھی بہت سی جگہ گاؤں سدھار کے رضاکار بھرتی کئے گئے اور کئی حضرات نے گاؤں گود لئے۔ اِس ہفتہ کے آخری دنوں میں بہت سے گرام سدھار ایسوسی ایشنوں نے کاتکی پورنیما پر گنگا کے کنارے ہونے والے میلوں سے فائدہ اُٹھایا۔ نمائشیں اور مظاہرے کئے جن سے کافی تعداد میں لوگ متوجہ ہوئے اور یہ مظاہرے گاؤں والوں کے لئے سبق آموز ثابت ہوئے۔

اِس ہفتہ میں سب ہی سدھار کے محکموں نے پوری امداد دی۔ گاؤں والوں کی دلچسپی کے بہت سے موضوع پر تقریریں کی گئیں۔

آنریبل ڈاکٹر کیلاش ناتھ کاٹجو۔ گرام سدھار صدر ضلع اُناوا میں شاہی جھنڈا لہرا رہے ہیں۔

اور ہر ایک گاؤں سدھار مرکزوں میں جنکی تعداد اِس صوبے میں ہزاروں ہے گاؤں سدھار کے کام شروع ہوئے۔ الموڑہ میں فارسٹ ڈے منانے کے لئے ایک روز مقرر کیا گیا۔ اِس روز لوگوں کو دیہاتی کفایت شعاری میں امداد دینے والے جنگلوں کے فوائد سمجھائے گئے۔ لکھنؤ میں گاؤں سدھار ہفتے کے سلسلے میں منتخب

ضلع مین پوری کے مشتاق عوام، آنریبل ڈاکٹر کاٹجو کا لکچر سُن رہے ہیں -

مرکزوں پر بڑے بڑے جلسے ہوئے اور جناب وزیر اعظم نے ایک شدھار کے مرکز پر قائم ہونے والے پنچایت گھر کی بنیاد ڈالی - گڑھ مکتیشور میں گنگا کی دونوں طرف مرادآباد اور میرٹھ کے گاؤں شدھار ایسوسی ایشنوں نے بڑی بڑی نمائشوں اور پروپگنڈے کے لئے جلسوں کا اہتمام کیا۔ آگرہ کے گاؤں شدھار ایسکا ڈلوں نے بیچ پوری میں ہونے والے جلسوں کے شروع میں ہز ایکسیلینسی گورنر یوپی کو اپنے درمیان میں بٹھانے کی خاص آسانی فراہم کی۔ اُس جلسے کے آخر میں گنگا کے کناروں پر ہونے والے بٹیشور کے میلے میں ایک گاؤں شدھار کچہری لگی۔ اور صنعت و حرفت کی نمائش ہوئی۔ پرتاب گڑھ میں ہر ایک گاؤں شدھار اور صحت کے مرکزوں پر گاؤں شدھار میلوں کا اہتمام کرکے تمام دیہاتی رقبوں میں پُر زور تحریک کی۔ نئی اسکیم کے مطابق قائم ہونے والی پہلی زندگی شدھار سوسائٹی کا افتتاح برہنی میں جناب ڈیولپمنٹ منسٹر صاحب نے ہفتے کے آخر دنوں میں فرمایا۔ اور اُسی روز شام کو دوسرے مرکز میں ایک پنچایت گھر کی بنیاد ڈالی۔ مظفر نگر اور دہرہ دون کے ایسوسی ایشنوں نے دوسرے کاموں کے علاوہ اندھوں کی بھی امداد کی اور تقریباً پندرہ سو آنکھ کے اپریشن کامیابی کے ساتھ کئے گئے۔ بستی میں لوگوں کو متوجہ کرنے کے لئے پھلوں کے درخت بھی لگائے گئے۔

ضلع مین پوری کی ایک اور گرام شدھار سبھا

کھیل، کثرت اور کتائی کے ہر ضلعوں میں مقابلے ہوئے۔ اِن مقابلوں میں شرکت کرنے والوں کو انعام بھی دیا گیا۔ اور نمائشوں میں جن گاؤں کے لوگوں نے اپنی چیزیں فروخت کیں اور جن کو اچھا سمجھا گیا انھیں انعام دیا گیا۔

گاؤں شدھار کے کارکنوں کے اِس زبردست پروپگنڈے کی طرف قصبوں اور شہروں کے علاوہ گاؤں والے بھی جو گاؤں شدھار ہفتہ منانے کے لئے ہزاروں کی تعداد میں جمع ہوئے تھے کافی متوجہ ہوئے۔ انکا مختلف کارروائیوں میں مستعدی کے ساتھ ہاتھ بٹانا یہ ثابت کرتا ہے کہ جس مقصد سے یہ نمائشیں کی گئی تھیں حاصل ہو گیا۔ افسروں اور غیر افسروں نے ٹوکریاں اور پھاوڑے لیکر گاؤں میں جاکر گاؤں والوں کی جھونپڑیوں کے گرد کی صفائی کی تھی اُس کا ان پر کافی اثر ہوا اور وہ کامیاب ہوا۔ تمام دیہاتوں میں بیداری پھیل گئی ہے۔ لوگ ایک دوسرے کی مدد اور خود اعتمادی کی اہمیت سمجھ گئے ہیں۔ گاؤں شدھار ہفتہ کے ایک ہفتہ کے باہمی اتحاد و امداد نے عوام میں دلچسپی پیدا کردی ہے اور اِس پاک تحریک کو کافی ترقی بخشی ہے۔

باقی ماہ بھر گاؤں شدھار کے عملے اِس محکمہ کے ذریعہ شروع کئے جانے والا کام کرتے رہے۔ دیہاتی صنعت و حرفت کی تعلیم دینے کے لئے حکومت کی طرف سے منظور شدہ دو صنعت گھروں نے رُدھنوا (فیض آباد)

ضلع مین پوری کی ایک گاؤں سدھار سبھا

اور گنگا گھاٹ (اناؤ) میں سلسلے وار ۱۵ اور ۲۰ نومبر سے کام شروع کر دیا ہے۔ ان صنعت گھروں میں ۱۰۳ اُمیدواروں کو جو اس ماہ کے شروع میں ایک کمیٹی کے ذریعے چُنے گئے تھے، طرح طرح کی خانگی صنعتوں کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ ٹریننگ حاصل کرنے کے بعد امیدوار گاؤں میں بس جائیں گے اور جس صنعت کی ٹریننگ پا چکے ہیں اُس کا کاروبار شروع کر دیں گے۔ اس طرح وہ دوسروں کے لئے ایک نمونہ بن جائیں گے۔

حکومت نے مفصّل ضلعوں میں گھریلو صنعت و حرفت کی ترقی کے لئے اس ماہ میں ضلع گاؤں سدھار ایسوسی ایشنوں کو خرچ کی منظوری بھی دیدی ہے اور یہ ایسوسی ایشن اپنے ضلع کی ضروریات اور آسانی کے مطابق اسکیمیں بنا رہے ہیں۔ قدرتی طور پر ضلع میں وہاں کی ایک یا دو سب سے زیادہ مفید صنعتوں پر ہی زیادہ توجہ کی جا رہی ہے۔ حکومت نے حصار میں چارے کے قحط کی طرف بھی توجہ کی ہے۔ جہاں گائے اور بھینسوں کی قیمت گھٹ گئی ہے اور اچھی نسل کے مویشی بہت سستے بک رہے ہیں۔ محکمۂ زراعت کی طرف سے اِن جانوروں کو خریدنے کے لئے ۳۵۰۰۰ روپیہ دئے گئے۔ اِن جانوروں کو تقاوی کی صورت میں گاؤں سدھار اور محکمۂ زراعت کی طرف سے کسانوں میں تقسیم کرنے کا انتظام ہو رہا ہے۔ ضلع گاؤں سدھار ایسوسی ایشن

گھی۔گریڈنگ سٹیشن (اٹاوا) میں آنریبل ڈاکٹر کیلاش ناتھ کاٹجو لکچر دے رہے ہیں۔

محکمۂ زراعت کی طرف سے گاؤں والوں سے اقرارنامے لئے ہیں اور اس مانگ کو پورا کرنے کے لئے محکمۂ زراعت کے ڈپٹی ڈائرکٹر س انتظام کر رہے ہیں۔

آنریبل بابو سمپورنانند جی وزیر تعلیم، شیوگڑھ (ضلع رائے بریلی) کی ایک سبھا میں لکچر دے رہے ہیں

دیہاتی رقبوں میں سانڈ پہنچانے کی اسکیم بھی کام میں لائی جا رہی ہے۔ محکمۂ زراعت کی جانب سے اچھی نسل کے ایک ہزار سانڈ خرید کر

متعدد سرکاری فارموں میں بھیجے گئے ہیں۔

یہ سانڈ گاؤں والوں کے ہاتھ برائے نام قیمت پر ۲۲ روپیہ فی بیل کے بھاؤ سے فروخت کئے جائیں گے۔ خریداران سانڈوں کو افسران مویشی کی نگرانی میں رکھیں گے۔ ضلع گاؤں سُدھار کے افسران ان بیلوں کی خریداری کے خواستگاروں سے اقرارنامے لکھا کر جمع کر رہے ہیں اور سرکاری فارموں سے سانڈ دینے کا انتظام کر رہے ہیں۔

پوسٹروں کے ذریعے دیہات میں پروپیگنڈے کے متعلق غور کرنے کے لئے ایک کمیٹی بنائی گئی ہے۔ کمیٹی سے کہا گیا ہے کہ وہ بہت زیادہ تعداد میں شائع ہونے والے اور اس طرح کے ڈیزائنوں کا انتخاب کرے اور انھیں چھپا کر دیہاتی رنگوں میں تقسیم کرنے کا انتظام کرے۔ اس کمیٹی کی پہلی نشست اس ماہ کے وسط میں ہوئی۔ جس میں پوسٹر ڈیزائن بنانے کے لئے مقابلہ کرکے ایک آرٹسٹ کا انتخاب کرنے کے متعلق تجویز منظور ہوئی۔ کمیٹی نے پوسٹر۔ ڈیزائنوں کے لئے حسب ذیل موضوع کا انتخاب کیا۔

(ا) نشہ خوری کی بُرائیاں۔ (ب) مقدمہ بازی۔ (ج) زیور پہننے کی بُرائیاں اور گاؤں والوں کو تندرست بنانے کے طریقے۔ کمیٹی نے اعلان کیا ہے کہ ایک موضوع پر بہترین پوسٹر بنانے والے کو سو روپیہ انعام دیا جائے گا۔

محکمۂ گاؤں سُدھار کی طرف سے اِس ماہ میں جو گاؤں سُدھار کے کام ہوئے ہیں اُن کی تفصیل مندرجہ ذیل نقشہ میں درج ہے۔

یو پی کے مختلف ڈویژنوں میں نومبر ۱۹۳۸ء میں گاؤں سُدھار کے کام کی تفصیل

۱۔ آرگنائزیشن	میرٹھ	آگرہ	روہیلکھنڈ	الہ آباد	بنارس	گورکھپور	جھانسی	کمایوں	لکھنؤ	میزان
زندگی سُدھار سوسائٹیاں										
(ا) جتنی قائم ہوئیں۔	.	٠	۴۴	۲	۴۸	.	.	۷۹	.	۱۰۰
(ب) جتنی رجسٹرڈ ہوئیں۔	۲۲	۲	۲۱	.	.	.	۵	.	۱۹	۶۹
زندگی سُدھار یونین جو قائم ہوئیں۔	۱	.	.	.	.	.	.	.	.	۱
فروختگی کی سوسائٹیاں جو قائم ہوئیں	۱	۴	۲۸	.	۲	.	.	.	۱۰	۵۵
فراہمی کی سوسائٹیاں جو قائم ہوئیں۔	.	.	۵۳	۲	۴	.	.	.	.	۵۹
قرض دینے والی رجسٹرڈ سوسائٹیاں۔	.	.	۲	.	.	.	.	.	.	۲
دوسری قائم ہونے والی سوسائٹیاں۔	.	.	۴	۴	.	.	.	.	۵۰	۵۸
۲۔ زراعت۔										
کھاد کے کھودے جانے والے گڑھے۔	۲۴۰	۴۱۸	۲,۷۰۳	۱,۰۷۶	۶۳۵	۲۴۹	۷۵	۱۸۳	۵۶۲	۶,۱۴۱
پیشاب جمع کرنے کے گڑھے۔	۱۰۲	۵۹	۱۴۴	۳۱۸	۸۷۶	۳۰۰۰	۵	۹۷	۵۲	۴,۷۶۱
آبپاشی کے کنوؤں کی مرمت۔	۲۷	۱	.	۹	۱۹	۱۲	۳	۱	.	۷۲
بنے ہوئے تالاب۔	.	.	۳	.	.	۱	۱۷	.	۲	۲۳
گاؤں میں رائج کئے جانے والے نئے اوزار۔	۵۰	۵۱	۱۹۴	۶۴	۸۵	۱۵	۱	۶	۴۷	۴۸۳

	میرٹھ	آگرہ	روہیلکھنڈ	الہ آباد	بنارس	گورکھپور	جھانسی	کمایوں	لکھنؤ	میزان
سدھاری ہوئی نسل کے جو سانڈ گاؤں میں دئے گئے	۰	۱۶	۳	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۱۹
اچھی نسل کے مویشی جو دئے گئے۔	۳۹	۳۹	۱۳	۱۷۷	۴۶۵	۹۱	۲۶۵	۰	۰	۱،۰۵۹
آختہ کئے جانے والے بیل۔	۹۳	۲۸	۸۹	۳۴۰	۵۹	۳۳	۳۰۳	۱۱	۷۰	۱،۰۲۶
بیمار مویشیوں کا علاج۔	۰	۱،۰۲۵	۰	۴۴۸	۹۲۵	۱۹۲	۱۹۰	۲۵۷	۱۸۲	۳،۲۱۹
نمائشیں۔	۰	۵۲	۰	۶۱۲	۵۴۵	۹۵	۰	۰	۴۷	۱،۳۵۲
نرسریاں کھولی گئیں۔	۰	۰	۱	۰	۱	۰	۰	۰	۰	۲
پھلوں کے پودے لگائے گئے۔	۰	۳۷	۵۲۵	۷۲۳	۱،۰۱۹	۷۴۰	۱۳۵	۱۲۰	۱۳۹	۳،۳۷۸
جس زمین میں پھلوں کے پودے لگے (ایکڑوں میں)۔	۰	۰	۰	۰	۵۰	۰	۰	۰	۲۵	۷۵
ایندھن کے درخت لگائے گئے (ایکڑوں میں)	۰	۰	۰	۱۸	۱۵	۰	۲۰	۰	۰	۵۳
ربیع کے سدھارے ہوئے اچھے بیج۔	۱،۷۴۵	۲،۲۳۵	۲،۰۳۵	۱،۱۳۳	۳۵۴	۱،۸۸۱	۲،۲۹۲	۱۶۰	۷۰۱	۱۲،۵۰۸
۳۔ حفظان صحت۔										
سوکھنے والے گڑھے بنائے گئے۔	۵۶	۱۸۸	۹۱	۱،۳۶۴	۷۰۹	۱۹۲	۲۴۸	۲۱	۶۰۹	۳،۴۷۸
روشن دان بنے۔	۲۶۲	۸۰	۲۹۲	۲۴۴	۶۰۱	۷۵	۷۰	۱۳	۱۷۹	۱،۸۱۶
کنوئیں صاف کئے گئے۔	۲۸	۴۸	۱۷	۹۸	۵۹	۱	۴۵	۸۰	۷۲	۴۴۸
عام غسل خانے یا گھیرے۔	۰	۳۱	۰	۰	۱۰	۲۵	۶	۲	۱۰	۸۴
نالیوں کی لمبائی (گزوں میں)۔	۲۸۶	۱۰۰	۱۷۷	۶۹	۳۱۵	۳۵	۴۷	۴۴	۳۵۴۷	۴،۷۱۰
سور باڑے آبادی سے دور کئے گئے۔	۰	۰	۱	۱	۱۵	۳	۱۰	۰	۲۱	۵۱
گھور صاف کئے گئے۔	۱،۱۵۶	۱،۱۷۶	۶۸۸	۲،۰۳۲	۲،۰۶۴	۷۴۸	۴۶۵	۴۶۰	۸۴۱	۹،۶۳۳
پاخانے بنائے گئے۔	۶	۴	۰	۰	۵	۳	۲	۳۱۶	۲	۳۳۸
پیشاب خانے بنائے گئے۔	۰	۱۱	۲	۰	۹	۱۲	۳۳	۴۰	۵	۱۱۲
کھنڈر ہموار کئے گئے۔	۰	۰	۰	۱۷	۲۵۲	۱۵	۵۳	۷۳	۰	۴۱۰
گڑھے پاٹے گئے۔	۰	۹۱	۵۵	۸۵۸	۰	۱۴۰	۰	۲	۱۸۷	۱،۳۳۳
راستے صاف کئے گئے۔	۰	۱۵۰	۱۰۱	۱،۴۲۰	۵۴۶	۳۳۷	۹	۰	۵۵	۲،۶۱۸
گاؤں صاف کئے گئے۔	۰	۲۵۸	۰	۱،۱۴۹	۲۷۵	۲۱۱	۱۱۴	۴۹۶	۱۷۱	۲،۸۹۴
دوا کے بکس تقسیم ہوئے۔	۳۰۲	۲۴	۲۴۲	۱	۷۵	۰	۰	۳۶	۲۷	۷۰۷

	میرٹھ	آگرہ	روہیلکھنڈ	الہ آباد	بنارس	گورکھپور	جھانسی	کمایوں	لکھنؤ	میزان
ٹیکے لگائے گئے۔	۶۲۸	۸۳۵	۱,۶۷۸	۱,۰۱۴	۱,۶۹۹	۲,۲۹۰	۱,۹۰۵	۷,۹۰۵	۹۳۱	۱۱,۵۱۷
مریضوں کا علاج ہوا۔	۲,۷۷۳	۳,۱۹۲	۸,۵۱۱	۳,۲۳۰	۶,۴۲۷	۲,۷۹۹	۹,۹۳۴	۹۲۳	۴,۹۲۸	۴۱,۴۱۷
دائیوں کو تعلیم دی گئی۔	۱۲	۳۸	۲۸	۴۱	۲۶۸	۱۳	۵۰	۰	۱۷	۴۶۶
فرسٹ ایڈ کی تعلیم دی گئی۔	۳۱	۵۱	۱۳۲	۹۱	۴۶۷	۱۵۶	۲۹	۱۳۸	۹۱	۱,۱۸۶
زچہ خانے کھولے گئے۔	۰	۲۱	۱	۰	۲	۰	۱	۰	۰	۲۵
۴- تعلیم اور اشاعت										
جلسے ہوئے۔	۲۸۵	۲۰۰	۹۲۷	۴۸۷	۸۰۹	۲۶۳	۳۲۲	۴۸۱	۵۵۵	۴,۴۲۹
نمائشیں ہوئیں۔	۱۸	۳۳	۶	۲۹	۴۱	۱۸	۲۳	۰	۴	۱۷۲
ڈرامے ہوئے۔	۹	۴۰	۹	۱۵	۲۵	۲۲	۴۶	۲۰	۹	۱۹۵
بھجن منڈلیاں بنائی گئیں۔	۰	۷۱	۱۱	۸	۲۴۴	۱۷	۳۶	۰	۱۹	۴۰۶
کتب خانے قائم ہوئے۔	۱۲	۲۰	۱	۱۰	۱۹	۴	۱۰۶	۱۴	۹	۱۹۳
کلب کھولے گئے۔	۰	۴۹	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۴۹
مدرسے بالغ لڑکوں کے لئے۔	۸	۶۱	۴۰	۲۰	۳۸۷	۶	۵	۴۰	۱۵	۵۸۲
مدرسے لڑکیوں کے لئے۔	۶	۱۵	۰	۱	۲۱	۰	۰	۱۴	۲	۵۹
سیوادل بنائے گئے۔	۰	۱۰۷	۱۰۲	۳۱	۲۰۶	۲۳	۴۰	۳	۴۶	۵۵۸
اسکاؤٹوں اور گرام سیوکوں کو تعلیم دی گئی۔	۱۶۱	۳۰۰	۱۴۴	۱۹۳	۶۴۲	۱۵	۱,۳۵۳	۲۲۷	۲۳۳	۳,۳۷۸
ریڈیو لگے۔	۰	۰	۱	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۱
کھیل اور میچ ہوئے۔	۰	۰	۰	۰	۸۶	۰	۰	۰	۲۱	۱۰۷
۵- متفرق کام۔										
پنچایت گھر بنائے گئے۔	۱۶	۰	۱	۰	۹	۲	۰	۰	۱۲	۴۰
ماڈل (نمونے) گھر بنے۔	۲	۱۲	۰	۰	۷	۲	۰	۰	۰	۲۳
صنعتی کاموں کے لئے آدمیوں کو تعلیم دی گئی۔	۱۷	۱۰۸	۹۸	۵۰	۸۲	۱۱۸	۲۷	۱۱۸	۹۱	۷۰۹
دستکاریوں کے اوزار جو جاری کئے گئے۔	۶	۲۱	۳۵	۳	۵۷	۱۴۲	۱۱	۲۵	۰	۳۰۰

گاؤں کی عورتوں کی اصلاح

(از شریمتی تارا پانڈے)

کانگریس کے عہدے قبول کرنے کے بعد ہماری توجہ خاص طور پر دیہاتوں کی طرف منعطف ہوئی ہے۔ آج یہ سب نے اچھی طرح محسوس کر لیا ہے کہ گاؤں سدھار ہی میں ملک کی آزادی کا راز مضمر ہے۔ کیونکہ جب ہندوستان کی ۹۰ فیصدی آبادی دیہاتوں میں رہتی ہے تو بغیر ان کی اصلاح کئے یعنی بغیر انھیں روشنی میں لائے ہوئے مکمل آزادی حاصل کرنا مشکل ہے۔ اس کے ساتھ ہی کسی بھی اصلاحی اسکیم کی کامیابی کی اُمید نہیں کی جاسکتی جب تک کہ جس سماج کی ہم اصلاح کرنا چاہتے ہیں اُن کی عورتیں نہ سدھر جائیں۔ دیہاتی عورتوں کی اصلاح کا سوال اپنے اندر خاص اہمیت رکھتا ہے۔ شہر کے بچوں پر اپنی ماں کا اتنا اثر نہیں ہوتا جتنا گاؤں کے بچوں پر۔ ماں کے تعلیم یافتہ ہونے سے بچے ضرور تعلیم یافتہ ہوں گے اور بچے ہی ملک کی اُمید اور مستقبل کے معیار ہیں۔

گاؤں کی عورتوں کے ہم دو حصے کر سکتے ہیں۔ چھوٹی لڑکیاں اور جوان و ادھیڑ عورتیں۔ لڑکیوں کے متعلق یہاں بحث کی ضرورت نہیں۔ ان کی تعلیم تو معمولی مدرسوں میں ہی ہو سکتی ہے حالانکہ وہاں بھی اصلاح کی ضرورت ہے۔ سب سے بڑا سوال نوجوان اور ادھیڑ عورتوں کا ہے اُنھیں تعلیم یافتہ بنانے کی کوشش کرنا ایک طرح سے بیکار ہی ہے وہ کبھی بھی اچھی تعداد میں پڑھنے کے لئے تیار نہ ہوں گی انھیں باتوں ہی باتوں میں کچھ بتایا اور کچھ سمجھایا جاسکتا ہے جس سے ان کو اپنی اصلیت کا علم ہو سکے یہ کام مردوں کے بس کا نہیں اسے تو عورتیں ہی مل جل کر کر سکتی ہیں ان کی ہمدردی حاصل کرنا مردوں کے لئے شاید ممکن نہ ہو سکے گا اس لئے اس کام کو کامیابی کے ساتھ کرنے کے لئے ہمیں کچھ شوق سے کام کرنے والی عورتوں کی ضرورت ہے گاؤں کی عورتیں کسی بھی انقلاب کو آسانی سے قبول نہیں کرتیں انھیں سمجھانا یا یقین دلانا بہت مشکل ہے لیکن بلا یقین دلائے ان سے کوئی کام کرانا بھی تو کچھ آسان نہیں ہے۔ اس کے لئے غیر معمولی استقلال کی ضرورت ہے اصلاح کی خواہش سے کام کرنے والی عورتیں شاید شہروں سے چلی جائیں لیکن انھیں دیہات کو اپنا گھر بنانا ہوگا۔ خود دیہاتی بننا اور گاؤں کی عورتوں سے ہر قسم کی ہمدردی حاصل کرنی ہوگی تبھی انھیں کامیابی ہوگی۔

پہلے ہمیں کافی تعداد میں کام کرنے والی عورتیں نہیں ملیں گی۔ ایک ہی عورت کئی گاؤں کو اپنا حلقہ بنا سکتی ہے۔ گاؤں میں عورتوں کو اجتماعی حیثیت سے ملنے کا بہت کم موقع ملتا ہے۔ جہاں وہ کچھ دیر اپنی حالت پر غور کریں اور جب تک کوئی یہ نہیں سمجھ لیتا کہ اُسے تعلیم یافتہ بننا ہے۔ اس کی بھی کچھ قوت ہے اور وہ بھی کوئی بڑا کام کر سکتا ہے اس وقت تک اس کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔

ایسا انتظام کرنا چاہئے کہ مہینے میں ایک یا دو گاؤں کی عورتیں کسی خاص مقام یا احاطے میں مل سکیں۔ کام کرنے والی عورتیں وہاں انھیں چھوٹی چھوٹی باتیں سمجھائیں، اُنھیں بتائیں کہ آپس میں کیسے ملنا چاہئے، کیسے باتیں کرنی چاہئیں، اور کیسا برتاؤ کرنا چاہئے؟

دھیرے دھیرے انھیں چھوٹے چھوٹے خانگی کام سکھائے جائیں مثلاً بچوں کے اور اپنے کپڑے سینا، دری بُننا، کھلونے بنانا وغیرہ وغیرہ۔

اپنی شخصی اہمیت سمجھنا بھی ان کے لئے ضروری ہے اور سب سے بڑی بات انھیں اُنکے فرائض مادری سے آگاہ کرانا ہے۔ بچوں کے متعلق اُن کا کچھ حقیقی فرض ہے جو انھیں کے ذریعے ادا ہو سکتا ہے۔ دیہاتی عورت کی زندگی میں سب سے سخت وقت بچے پیدائش کا ہوتا ہے۔ بیوقوف دائیاں کبھی کبھی تو ماں اور بچہ دونوں کی جان کی گاہک ہو جاتی ہیں۔ اکثر زچہ بچہ کی مناسب نگہداشت نہ کرسکنے کے باعث وہ کافی نقصان پہنچاتی ہیں۔

قریب قریب بسے ہوئے دس پندرہ گاؤں کے درمیان میں بھی اگر ایک تعلیم یافتہ دائی ہو تو کافی فائدہ ہو سکتا ہے۔ یہ دائی اوروں کے لئے نظیر بن جائے گی اور دیکھا دیکھی اچھی دائیاں تیار ہو جائینگی۔ میجک لالٹین بھی اس سلسلے میں بہت مفید ثابت ہوگی۔

متذکرہ بالا ماہوار جلسے بھی اِن لالٹینوں کی مدد سے کامیاب جاذب نظر اور دلچسپ بنائے جا سکتے ہیں۔ گاؤں کی عورتوں

آنریبل مسز وجے لکشمی پنڈت

منسٹر لوکل سلف گورنمنٹ کسان اور مزدور عورتوں کو ڈاکٹری امداد پہنچانے اور ان کی زندگی کو بہتر بنانے میں کوشاں ہیں۔

کو ملک کی حالت سے واقف کرانے کا یہ بہترین طریقہ ہے۔

ہمیں ان کی مذہبی، خانگی، اور سماجی زندگی پر نظر ڈالنی ہوگی۔ وہ جو گیت گاتی ہیں اگر اُن میں تھوڑی اصلاح کر دی جائے تو بڑا کام ہو۔ ابھی تک ان کے گیت اتنے با معنی نہیں ہیں۔ ہمیں پرانے دیہاتی گیتوں کو اچھی طرح مطالعہ کرکے اُنھیں مفید بنانا ہوگا۔ دیہاتیوں کی زبان میں انھیں کی طرز میں با معنی اور نصیحت آمیز گیت تیار کرنے ہوں گے۔ موجودہ خیالات دلچسپ کہانیوں کی شکل میں پیش کرنے ہوں گے۔ اس سے انجان میں بھی جو اثر ہوگا وہ کچھ دنوں بعد بہت مفید ہوگا۔

کسی دیہات کی عورت کو پڑھانا اور پرانی رسموں کو مٹا کر اُس میں نئی زندگی ڈالنا گویا آزادی کے مقاصد کی بنیاد مضبوط کرنا ہے۔ اگر ہم کسی گاؤں کی سب عورتوں کو تعلیم یافتہ بنا دیں تو ہم دیکھیں گے کہ پورا گاؤں نہ صرف زیور علم سے آراستہ ہی ہوگیا ہے بلکہ اُس کی کایا پلٹ ہوگئی ہے۔

اسی سلسلے میں ہمیں دوسرے ملکوں سے سبق لینا ہوگا۔ اُن کا طریقہ بہت آسان ہے۔ ایک کام کرنے والی عورت کسی گاؤں میں جاکر وہاں کی ایک ایسی عورت کو پکڑتی ہے جس کی خواہش پڑھنے لکھنے کی طرف کافی مبدول ہوگئی ہو۔ وہ اس سے یہ عہد کرالیتی ہے کہ تعلیم حاصل کر لینے کے بعد وہ عورت ہر حالت میں دوسری عورت کو تعلیم دیگی۔ یہ عہد ہے کہ وہ عورت ہر روز اُس عورت کو ایک گھنٹہ پہلی کتاب پڑھانا شروع کرتی ہے۔

اس طریقہ سے بہت جلد معمولی طور پر بول چال کی زبان میں لکھنے پڑھنے کا تمیز ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ عورت خود اُس قابل ہو جاتی ہے کہ دوسری، تیسری، چوتھی کتاب خود پڑھ سکے۔ اپنے عہد کے مطابق وہ عورت گاؤں کی ایک اور عورت کو تلاش کرتی ہے جو پڑھنا چاہتی ہو اُسی طرح وہ بھی نئی عورت سے وعدہ کرالیتی ہے کہ جو کچھ وہ پڑھے گی وہ دوسری عورت کو ضرور پڑھائیگی اس کے بعد وہ اس نئی بہن کو گھنٹہ بھر روز پڑھاتی ہے جہاں تک تعلیم کا تعلق ہے یہ طریقہ بہت آسان اور ترقی پسند ہے۔ اور ہمیں اس وقت اُسکی ضرورت ہے۔ اس طریقہ پر عمل کرنے کے لئے شاید ہم کو اس میں کچھ اور تبدیلی کرنی پڑے۔ لیکن ہمیں اپنا فرض ضرور پورا کرنا ہوگا۔ شہروں کی تعلیم یافتہ عورتیں جب گاؤں میں اپنا کام شروع کریں گی تبھی گرام سُدھار کی حقیقی کامیابی نظر آئے گی۔

بندروں کی چالاکی

ایک راجہ کے باغ میں پانچ بندر رہتے۔ ملّو، بلّو، پلّو، پھلّو اور چھلّو۔ پانچوں ایک ساتھ کھیلتے تھے۔ آدمیوں کے لڑکوں کی وہ ہمیشہ نقل کیا کرتے۔ جیسے وہ کھیلتے ویسے ہی وہ بھی کھیلتے۔ ایک دن ملّو کوئیں میں گر پڑا۔

بلو، پلو، بھلو اور بھلو سوچنے لگے کہ کلو کو کیسے نکالیں؟
انھیں ایک ترکیب سوجھی۔ بلو کے ہاتھ میں لوہے کے تار کا
ایک پہیا تھا۔ بھلو اسے دیکھکر بولا" کام بن گیا اس پہیے
کو کوئیں میں گراؤ۔

چاروں بندروں نے ملکر پہیے کو کوئیں میں گرایا۔

جب پہیا گر گیا تو بھلو نے کوئیں میں جھانک کر کہا۔
"کلو بھیا، اس پہئے میں بیٹھ جاؤ ہم یہاں سے چمبک
دکھاتے ہیں"
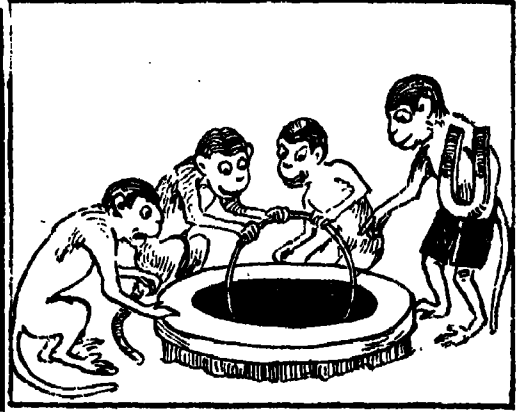
کلو فوراً اوپر آگیا۔ چمبک نے لوہے کو کھینچ لیا تھا۔
لوہے کے ساتھ وہ بھی کھینچ آیا۔ ان بندروں کو کیسے معلوم
ہوا کہ چمبک لوہے کو کھینچ لیتا ہے۔ شاید انھوں نے آدمی کے
لڑکے کو چمبک کا کھیل کرتے دیکھا ہو۔ ذرا تصویر میں دیکھو یہ
کتنے خوش ہو رہے ہیں کام بن جانے پر سبھی کو خوشی ہوتی ہے۔
مارے خوشی کے بھلو نے جانگیا پھینک دیا۔

کون ہیں؟

امریکہ میں بھی ...
... فرانسیسی آباد ہیں۔ تعداد ...
ہیں۔ لیکن ان دونوں میں ہمیشہ
... فرانس اور انگلینڈ میں میل ہوا
... کا نفاق بظاہر کم نظر آتا ہے اور
... متحدہ میں جسے امریکہ بھی کہہ سکتے
ہیں جیت کر یورپ کی مختلف ...
... رہا۔

پہچانئے کون ہیں؟
"باباجی"
"جی نہیں، ذرا الٹا کر کے دیکھئے بابوجی ہیں"

نئی تعلیم! نئی زندگی

(از جناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب)

نئی تعلیم نئی زندگی کا پیام ہے۔ مگر کیسی نئی زندگی؟
وہ نئی زندگی نہیں جسکی امید ملک کے قانون قاعدے بدلنے
والے دلاتے ہیں۔ اس سے راستہ کی ایک رکاوٹ ضرور دور
ہو جائے گی۔ اور آگے چلنا آسان ہو جائے گا۔ مگر بہت سے
اچھے قانون والے ملک بھی دوسرے ملکوں کو برباد کرتے رہے
ہیں۔ اور اپنی آبادی کے لئے اوروں کے گھر اجاڑتے رہے
ہیں۔ وہ نئی زندگی بھی نہیں جس میں دولت کمانا آسان ہو
جائے گا' اس لئے کہ روپیہ پیسے سے آرام بھی خریدا جاتا
ہے اور مرض بھی۔ یہ نئی زندگی خالی پیٹ بھرنے کا انتظام
ہی نہیں ہو گی' اس لئے کہ آدمی خالی روٹی سے نہیں جیتا۔
اور یہ بھی ہوتا ہے کہ اپنا پیٹ بھرنے کے لئے دوسرے
کا پیٹ کاٹا جاتا ہے۔ یہ نئی زندگی دنیا کو اس طرح نہ بدلیگی
کہ اس کے بدلنے سے آدمی اچھے بن جائیں۔ مگر یہ آدمی کو
اس طرح بدلے گی اور ... اس کی دنیا آپ ہی
آپ بدل جائے ... دھر دیکھے
اجالا کر دے ... ل کو بھی
صاف بنا د ... بنا دی گی،
یہ سچے، اچھے ... نیکی کے
ساتھی ہوں' ... مضبوطی
سے کہہ سکیں اور راغ میں پانچ بند رکھے۔ ملو، ملیں۔ جو اپنے
پیروں پر کھڑے ہو سکیں' کمزور، بیمار دوسروں کا سہارا بھی بن سکیں۔

میں نے نئی تعلیم کو نئی زندگی کا پیام کہا' تو پوری بات
نہیں کہی۔ یہ نئی زندگی کا وعدہ بھی ہے۔ ایسا وعدہ' جو
پورا ہو جائے تو آسودگی' خودداری' رواداری' آزادی'
سبھی نصیب ہو جائیں۔ لیکن یہ وعدہ کس نے کیا اور کس سے
کیا؟ یہ وعدہ ہم نئی تعلیم کا کام کرنے والے ایک دوسرے
سے کرتے ہیں اور اپنے ملک کی نئی پود سے کرتے ہیں۔ ہم نے
اپنے مدرسوں میں آدمی کی صورت کو اس طرح بگڑتے دیکھا
کر رونا آگیا ہے۔ کبھی ہم نے دیکھا کہ سر اتنا بڑھ گیا ہے کہ ہاتھ پاؤں
سوکھ گئے ہیں۔ کہیں ہاتھ پاؤں مضبوط دیکھے' تو سر کو خالی
اور آنکھ کو اندھا پایا۔ آدمیوں کے یہی روگ زندگی کے اصل
روگ ہیں۔ اور ہم نئی تعلیم کا کام کرنے والے ایک دوسرے سے
وعدہ کرتے ہیں کہ مل کر اور ایک دوسرے کا ہاتھ بٹا کر سڈول بدن'
جاگتا ہوا دل' سوچنے والا دماغ اور اپنی اور سماج کی درستی کا سچا
شوق رکھنے والے نوجوان پیدا کریں گے۔ اور اسی وقت دم لیں گے' جب
ایسے نوجوان تیار ہو کر یہ کام اپنے ہاتھ میں لے لیں اور ہمیں
سستانے کی اجازت دیں۔

یہ پرچہ "نئی تعلیم" اسلئے نکالا جا رہا ہے کہ جو لوگ آپس میں یہ وعدہ
کرتے ہیں' وہ ایک دوسرے کے کام کو جان سکیں' ایک کے تجربہ سے
دوسرے فائدہ اٹھا سکیں' ایک سے دوسرا مدد لے سکے اور سب کو
یہ اندازہ ہوتا رہے کہ بنیادی تعلیم کا جو کاروبار سارے ملک میں
پھیلا ہے۔ وہ کس طرح چل رہا ہے۔

(نئی تعلیم)

دُنیا کی حالت

(از شری رائے بہادر سکھ دیو بہاری مشر)

آج کل دنیا میں لڑائی ہے تو نہیں لیکن نہایت تیزی کے ساتھ طاقت جمع کیجا رہی ہے۔ اس لئے مختلف ممالک کی کمزوری پر بھی اظہار خیال کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ان دنوں قوموں کے افتراق اور ملکیت کے متعلق نئے نئے خیال ترقی کر رہے ہیں۔ جیسے کہ قدیم زمانہ میں مذہبی خیالات کا زور تھا۔ اب بھی مذاہب کا زور رہے لیکن وہ زیادہ تر اسلامی ممالک میں نظر آتا ہے۔ امریکہ کے شمالی اور جنوبی نامی دو حصے ہیں۔ شمالی میں یونائیٹڈ اسٹیٹس (ریاست ہائے متحدہ) نہ صرف وہیں بلکہ ساری دنیا میں سب سے بڑی طاقت ہو گئی ہے۔ اسکے شمال میں کیناڈا بھی ایک بڑا ملک ہے جو ہے تو انگریزوں کی نوآبادی لیکن ڈومینین اسٹیٹس کے قاعدے کے مطابق تقریباً آزاد سا ہو گیا ہے۔ ریاستہائے متحدہ میں لوگوں کے یہ خیالات بہت زور دار ہیں کہ اپنے ملک کے باہر دوسرے ملکوں کے جھگڑوں میں حصہ نہ لینا چاہئے۔ وہاں کے حکام اس خیال کے خلاف بھی بڑھنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ لیکن عوام کی خواہش اس طرف نہ دیکھکر انکے خیالات عملی جامہ نہیں پہن سکتے۔ کیناڈا عرض میں ریاستہائے متحدہ کے تقریباً برابر یا کچھ زیادہ ہی ہوگا۔ لیکن آبادی میں بہت کم ہے۔ وہ ہے تو برطانیہ عظمیٰ کی نوآبادی لیکن ریاستہائے متحدہ امریکہ کے بہت قریب ہوتے سے اُسکی طرف بھی جھکنے لگا ہے۔ ان دونوں کا تجارتی تعلق بہت مضبوط ہو گیا ہے اور امریکہ نے بھی یہ اعلان کر دیا ہے کہ اگر کوئی طاقت کیناڈا پر حملہ آور ہوگی تو وہ اُسکی حفاظت میں ہتھیار اُٹھائیگا۔ اس طرح کیناڈا بھی امریکہ کے سائے میں آگیا ہے۔ اب یہاں بھی دوسروں کے جھگڑوں میں نہ پڑنے کے خیالات امریکہ کی دیکھا دیکھی ایسے بڑھ رہے ہیں کہ اس نے بھی یہ اعلان کر دیا ہے کہ اگر خود برطانیہ عظمیٰ بھی مستقبل میں کسی سے جنگ کرے گی تو کیناڈا اُس میں شریک نہ ہوگا ممکن ہے سوچ سمجھکر شریک بھی ہو جائے۔ ریاستہائے متحدہ کے جنوب میں "میکسکو" بھی جمہوری حکومت ہے۔ اسکی سیاست ممالک غیر سے کچھ الجھی سی رہتی ہے۔ حال میں تیل کے سوال پر برطانیہ سے اسکی کچھ کشمکش تھی اور کچھ کچھ امریکہ سے بھی۔ اس نے جرمنی سے تجارتی تعلق بڑھایا ہے۔ شمالی امریکہ میں یہی تین بڑے ملک ہیں۔ کیناڈا میں انگریز اور فرانسیسی آباد ہیں۔ تعداد میں فرانسیسی انگریزوں سے بہت کم ہیں۔ لیکن ان دونوں میں ہمیشہ سے نفاق چلا آیا ہے۔ اب خود فرانس اور انگلینڈ میں میل ہو جانے سے کناڈا کا بھی آپس کا نفاق بظاہر کم نظر آتا ہے اور کچھ کم ہو بھی گیا ہے۔ ریاستہائے متحدہ میں جسے امریکہ بھی کہہ سکتے ہیں پہلے ریڈ انڈین آباد تھے۔ اُنھیں جیت کر یورپ کی مختلف طاقتوں کے لوگ اس میں بس گئے جس میں انگریزوں، آئرلینڈ کے رہنے والوں، جرمنوں اور اسپین والوں کی تعداد زیادہ ہے۔ آئرلینڈ والے اور جرمن وہاں بہت مالدار ہیں۔ دنیا کا قاعدہ ہی کچھ ایسا ہے کہ مختلف ممالک کے باشندوں میں میل نہیں ہوتا اور تھوڑا بہت نفاق ضرور رہا کرتا ہے۔ پھر بھی امریکہ والوں

نے مختلف ممالک کے باشندوں پر ایک دوسرے کا ذرا بھی دباؤ ڈالکر اس قدرتی قاعدہ کو قطعی بدل دیا ہے وہاں یورپ کے سبھی باشندے آپس میں مل جُل کر بہت جلد امریکن بن گئے ہیں اور کوئی آپس کا جھگڑا نہیں ہے۔ جو نئے یوروپین وہاں جاتے ہیں وہ بھی بہت جلد پورے امریکن ہوکر اُن میں مل جاتے ہیں۔ افریقہ سے امریکہ میں بہت سے سیاہ فام حبشی غلاموں کی صورت میں قدیم زمانے میں لائے گئے تھے۔ بعد کو جنگ کرکے ان لوگوں نے وہاں سے غلامی کی رسم اُٹھادی جس سے وہ آزاد ہوگئے ہیں اور ملک کی مالداری کے باعث اِن میں سے بہت سے لوگوں نے کافی ترقی بھی کرلی ہے۔ قانون کی نظر میں تو اِن حبشیوں کے بھی حقوق باقی امریکنوں کے برابر ہی ہیں لیکن سماجی زندگی میں امریکن انھیں ذلیل سمجھکر ان کے ساتھ مساوات نہیں برتتے۔ بلکہ عام طور پر انھیں ذلیل کرتے ہیں ان لوگوں کا وہاں اتنا زور نہیں ہے کہ اس سوال کا اثر ملک کی سیاست پر پڑے اور اسے اہمیت دیجائے ابھی تک یہ بُرائی وہاں کے باشندوں کے لئے ایک سماجی کلنک ہے امریکن اپنی سماجی آزادی پر بڑا فخر کرتے ہیں۔ اُس افتخار کے خلاف حبشیوں کا سوال صرف تردید کہا جاسکتا ہے۔ وہاں آمدنی اتنی زیادہ ہے کہ وہ لوگ یورپ اور باقی دنیا کا مال اپنے یہاں بغیر بھاری چنگی وصول کئے نہیں آنے دیتے۔ نہیں تو ان کا بہت سا مال ہی نہ فروخت ہو۔ بیرونی باشندوں کو بھی وہ بلا روک ٹوک اپنے ملک میں نہیں بسنے دیتے۔

شمالی امریکہ میں تقریباً بیس چھوٹی چھوٹی ریاستیں ہیں۔ جن میں برزیل بڑی ہے اور باقی میں سے بھی دو تین کچھ بڑی ہیں۔ متحدہ ریاستوں نے "منرو اصول" نامی ایک اصول بنا رکھا ہے۔ کہ کوئی بیرونی طاقت امریکہ کے دونوں حصوں کی کسی بھی طاقت پر حملہ نہ کرے ایسا ہونے سے سبھی امریکن ریاستیں اسکی مدد کریں گی۔ ابھی تک کسی نے بھی اُن ریاستوں پر ہاتھ نہیں ڈالا ہے۔ حال میں جنوبی امریکہ کی ریاست پیرو کے شہر لیما میں امریکہ کے دونوں حصوں کی ۲۱ ریاستوں کا ایک جلسہ ہوا جس میں ریاستہائے متحدہ نے امریکن ریاستوں سے آپس کا تجارتی تعلق بہت مضبوط کرنا چاہا اور یہ اصول بھی محکم کرنا چاہا کہ اُن میں سے کسی ایک طاقت پر بیرونی دباؤ پڑنے سے سب متحد ہوکر غنیم کا سامنا کریں گی۔ یہ دونوں تجاویز اس وجہ سے کامیاب نہ ہوسکیں کہ برزیل اور دو اور بڑی جنوبی ریاستوں کا جرمنی سے اتنا گہرا تعلق ہے کہ اُسے ناراض کرنے میں اُنھیں کثیر نقصان کا اندیشہ تھا۔ ان ریاستوں میں سے کئی ایک کا یہ بھی خیال تھا کہ اسپین کے جھگڑے میں پڑکر بزور قوت اُس کا مناسب تصفیہ کرادیا جائے۔ یہ تجویز بھی کامیاب نہ ہوئی۔ اور جو تجویزیں جلسے میں منظور ہوئیں اُنکا صرف یہ مقصد ہے کہ سبھی ریاستیں ان سب باتوں میں دھیان دیا کریں گی

ریاستہائے متحدہ میں یہودیوں کی تعداد بھی کافی ہے۔ اور اُن سے حکومت کا خوشگوار تعلق ہے۔ آجکل جرمنی میں یہودیوں پر جو ظلم ہورہا ہے اُس سے ریاستہائے متحدہ میں بہت غم وغصہ پھیل گیا ہے۔ اور جرمن حکومت کے خلاف ایسے نفرت انگیز الفاظ استعمال کئے گئے جیسے کبھی کسی دوستانہ حکومت کے خلاف استعمال نہیں کئے گئے تھے جب جرمنی نے امریکن ریاستوں سے یہ درخواست کی کہ جن لوگوں نے ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں اُن سے صفائی مانگی جائے تو امریکن حکومت نے سخت الفاظ میں ایسا کرنے سے انکار کردیا۔ ان باتوں سے امریکن حکومت کے افیسر جرمنی سے بہت ناراض اور جنگ کے لئے آمادہ نظر آتے ہیں۔ حالانکہ عوام کی خواہش امن کے حق میں اتنی زیادہ ہے کہ جنگ کے آثار ابھی دور نظر آتے ہیں پھر بھی سوال ذرا ٹیڑھا اُٹھ کھڑا ہوا ہے جس سے امریکہ کے جرمنی سے تعلقات ختم ہونے کا بھی خطرہ ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ 'لیما' کے جلسے کی ناکامیابی کی طرف سے لوگوں کا دھیان ہٹانے کے لئے امریکن حکومت نے جرمنی سے یہ لفظی بکھیڑا اُٹھایا ہے بہر حال جاپان نے چین پر جو اثر ڈالا ہے اُس سے برطانیہ عظمیٰ، امریکہ اور فرانس کا بہت زیادہ نقصان ہے۔ اسکے لئے برما ہوکر تجارتی اور دوسری چیزیں بھیجنے کا انتظام کیا جانے والا ہے اور فرنچ انڈوچائنا ہوکر بھی ایسا ہوسکتا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ جاپان فرانس کو دباکر فرنچ انڈوچائنا ہوکر اپنے مخالف کا مال نہ جانے دیگا۔ جاپان کو کچھ کچھ یہ بھی شک ہونے لگا ہے کہ متذکرہ بالا تینوں ممالک روس سے بھی ملکر شاید چین کے دوست

ہو جائیں اور اُس سے جنگ کے لئے آمادہ ہو جائیں۔ اِسکی کچھ زیادہ تفصیل چین جاپان کے متعلق ذکر میں آگے آئیگی۔ امریکہ کے دونوں حصّوں میں اقتصادی سوال پر ابھی کوئی خاص جھگڑا نہیں ہے۔ وہاں ابھی تک سرمایہ داروں کا زور ہے۔ ریاستہائے متحدہ میں آقریباً ساٹھ سرمایہ داروں کا سارے ملک پر ایسا تجارتی اثر چھایا ہے کہ انھیں کو خاصا فائدہ ہوتا ہے۔ ۱۹۳۲ء سے ملک میں ڈیموکریٹک پارٹی کا اقتدار ہے۔ وہ مزدوروں کی حامی ہے پھر بھی مذکورہ بالا سرمایہ داروں کے اقتدار کا خاتمہ نہیں کرسکتی۔ ملک میں لاکھوں مزدور بیکار ہیں جنکی بیکاری کا باعث حکومت اِنھیں سرمایہ داروں کو سمجھتی ہے پھر بھی ابھی تک انکا زور کم کرنے میں وہ کامیاب نہیں ہوسکی۔ گذشتہ نومبر میں جو انتخاب ہوا تھا اُس میں ملک نے انھیں سرمایہ داروں کا ساتھ دیا۔ پھر بھی پریسیڈنٹ روزویلٹ انکے خلاف کوشش کر رہے ہیں۔ اِس سوال پر اختلاف رائے بھی کافی ہے۔ سال ڈیڑھ سال سے اِسی کشمکش کی وجہ سے ساری دنیا کی تجارتی حالت گری ہوئی ہے۔ گذشتہ انتخاب کے بعد اسکے اُٹھنے کی اُمید تھی لیکن ایک تو پریسیڈنٹ روزویلٹ کی کوششیں جاری ہیں دوسرے دنیا میں جنگ کے خطرے نے تجارت کو گرا رکھا ہے شاید کچھ ماہ بعد وہ پنپ سکے لیکن اِسکے برعکس خوف زیادہ ہے۔

جاپان کہتا ہے کہ چین روس کے سوشلسٹ خیالات سے اتنا متاثر ہو رہا تھا کہ اگر اُسکی ترقی روکی نہ جاتی تو سارا ایشیا برباد ہوجاتا۔ اور کم ازکم جاپان میں تو اُن کا گزر ہو ہی جاتا۔ سرمایہ داروں کا یہ خیال ہے کہ تجارت آزاد ہونی چاہئے۔ جو جتنی آمدنی کرسکے وہ اُس کا قدرتی حق ہے سوشلسٹوں کا قول ہے کہ مال پر ذاتی حق فرد کا نہ ہوکر سماج کا ہے۔ کیونکہ اسکی بنائی ہوئی آسانیوں سے فائدہ اُٹھاکر فرد دولت پیدا کرتا ہے۔ اس لئے وہ سوچتے ہیں کہ سماج اُس کمائی میں سے جتنا حصّہ چاہے عوام کے فائدہ کے لئے لے سکتا ہے۔ نازیوں اور فاسیسٹوں کا قول ہے کہ ساری رعایا اپنی اپنی کمائی کی مالک ہے لیکن وقت پڑنے پر حکومت جتنا چاہے ٹیکس کی صورت میں ہر غریب اور امیر رعایا سے وصول کرسکتی ہے۔ برطانیہ عظمیٰ میں بھی انکم ٹیکس اور کسی کے مرنے پر وارث سے کافی ٹیکس وصول کرلیا جاتا ہے۔ لیکن دیگر طریقوں سے سرمایہ داروں کو بےفکری ہے یا کم ازکم ان پر کوئی خاص دباؤ نہیں ہے۔ اسی لئے وہ سرمایہ داروں کا ملک کہلاتا ہے ہندوستان بھی سرمایہ داروں کا ملک ہے لیکن حال میں سوشلسٹوں کا زور بڑھ رہا ہے۔ ہر ایک ریاست عوام کے لئے بہت کچھ کرتی ہے۔ ہے یہ بھی ایک قسم کا سوشیلزم لیکن کہلاتا نہیں۔ جب تک کسی کا سرمایہ نہ چھینا جائے اُس وقت تک کوئی ٹیکس سوشیلزم کی پرورش نہیں کرسکتا۔ کمیونسٹ سوشلسٹوں کے بھی آگے بڑھے جا رہے ہیں اُن کا کہنا ہے کہ کوئی بھی آمدنی کسی ایک فرد کی نہیں ہے بلکہ ملک کی ساری کمائی سب ملک کے باشندوں میں برابر برابر تقسیم ہوجانی چاہئے اس اصول پر پہلے پہلے روس میں عمل کیا گیا۔ وہاں شہنشاہ زار کا پورا اثر تھا۔ اور ساٹھ ستر بڑے بڑے روساء بہت ہی مالدار تھے۔ جس سے عوام اپنا نقصان سمجھ رہے تھے۔ انھوں نے ۱۹۱۷ء میں گذشتہ جنگ عظیم کے متعلق بگڑکر زار اور رئیسوں کو مار ڈالا۔ ان رئیسوں میں تھوڑے ہی اپنی جان لے کر روس کے باہر بھاگ گئے۔ کچھ دنوں تک کلوکوں (تین گھوڑے والے کسانوں) سے بڑھ کر کوئی بھی مالدار ملک میں نہ رہنے پایا۔ بعد میں حکومت نے اپنی طاقت مضبوط دیکھکر ان کا بھی خاتمہ کردیا۔ کچھ دنوں ملک میں سوشیلزم کا دور دورا رہا۔ لیکن جب بعد میں یہ معلوم ہوا کہ لوگ اپنا فائدہ نہ دیکھکر کچھ محنت ہی نہیں کرتے جس سے ملک کی پیداوار کم ہوتی جا رہی ہے تو لینن کے بعد موجودہ ڈکٹیٹر اسٹالن نے ہزار دو ہزار تک کے سرمائے کا جمع کرنا منظور کرلیا اور نمائندہ طرز حکومت رائج کیا۔ روس میں 'سلاؤ' قوم کا اقتدار ہے۔ اور یہودیوں کی تعداد اور ان کا اثر بھی بہت کافی ہے۔ اب بھی وہاں سوشیلزم کی قوت ترقی پزیر ہے حالانکہ پوری طرح اب وہ نہیں چل رہا ہے۔

۱۹۱۱ء کے قریب چین نے بھی شاہ منچو کو معزول کرکے ملک میں جمہوری حکومت قائم کرلی۔ لیکن کافی عرصے تک وہاں کے مختلف صوبوں میں گورنروں کی حکومت رہی یہ دیکھ کر روس کی دیکھا دیکھی بہت سی رعایا سوشیلزم کی طرف ڈھلکنے لگی۔ وہاں کے سوشلسٹوں اور سرمایہ داروں میں اتنا جھگڑا رہا کہ چین کی حکومت طاقت نہ جمع کرسکی۔ سوشیلزم

کے ساتھ ساتھ چین میں روس کا اثر بڑھنے لگا۔ بالآخر سرمایہ داروں کی جیت ہوتی نظر آئی۔ لیکن اُدھر جاپان زوردار ہو گیا تھا اور چین کمزور رہ گیا تھا۔ جاپان نے پہلے تو چین کا صوبہ منچوریا چھین لیا اور منچوکو کے نام سے کہنے کو اُسے آزاد کر دیا لیکن اپنے ہی اثر میں رکھا۔ یہ ہندوستان کے پانچویں حصے کے برابر ہے۔ زیادہ سردی ہونے کے باعث اور کئی اور وجوہ سے جاپانی وہاں زیادہ تعداد میں آباد نہ ہو سکے۔ جیسا کہ پہلے اُن کا خیال تھا۔ اُن کی اتنی زیادہ ترقی ہو گئی ہے کہ اپنے زلزلہ لانے والے آتش فشاں پہاڑوں سے لبریز پورے ملک میں اُن کا گزر نہیں ہوتا۔ اِدھر اُنھوں نے یہ بھی سوچا کہ چین و روس کے درمیان میں اپنے صوبے ڈالدینے سے روس کا اثر چین میں نہ بڑھ سکے گا۔ اور وہ دھیرے دھیرے جاپانی اقتدار میں آ جائے گا۔ ابھی اقتصادیات سے متعلق خیالات میں چین پر روس کا اثر ہے ہی اور تجارتی تعلقات جاپان کے علاوہ یورپین ممالک سے ہیں۔ خصوصاً امریکہ، برطانیہ، فرانس، اٹلی، جرمنی اور ہندوستان سے۔ جاپان اُس کے اوپر کچھ نہ کچھ دباؤ ڈالتا ہی رہتا تھا اور اُسکے پوری طرح کامیاب نہ ہونے کے باعث اُسے غصہ بھی آیا کرتا تھا۔ آخرکار تقریباً ڈیڑھ سال ہوئے کہ پہلے تو اُس نے چین سے کچھ صوبے مانگے۔ اور جب چین نے انکار کیا تو اُس نے جنگ شروع کر دی جو اَب بھی جاری ہے۔ جاپان نے مطلوبہ صوبوں کے علاوہ مشرقی چین پر بھی قبضہ کر لیا ہے جس سے اب اُس کا سمندر سے بھی تعلق قطع ہوا جاتا ہے۔ اِس وجہ سے کینٹن، شنگھائی وغیرہ کی اہمیت ختم ہوئی جا رہی ہے اور جن ممالک کا چین سے تجارتی تعلق تھا اور ہے اُن کا بھی نقصان ہو رہا ہے۔ روس اسلحات کے ذریعے چین کی پیچھے پیچھے مدد کر ہی رہا تھا۔ آجکل چین جاپان جنگ سے چین میں جاپان کے رفیق جرمنی و اٹلی کا جو تجارتی نقصان ہوا ہے اور ہو گا اُس کے متعلق اُن کا جاپان سے سمجھوتہ ہو رہا ہے جو یقیناً دوستانہ طریقہ سے طے ہو جائے گا۔ اِن ممالک کا جو نقصان ہے وہ ہے ہی پھر بھی جنگ عظیم نہ چھیڑنے کے خیال سے ابھی تک وہ آمادۂ جنگ نہیں ہوئے ہیں۔ اور چین کی امداد صرف روپیہ و سامان سے کر رہے ہیں جس کی وجہ سے جاپان اُن سے ناراض ہے۔ جاپان کو اُن کے

آمادۂ جنگ ہونے کا بھی خوف ہے جو دیکھنے میں دور نظر آتا ہے چین صلح کے لئے آمادہ نہیں ہے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے اُسے اپنی توہین کا خیال ہے اور وہ جاپان کے زیر حکومت آ جائے گا۔ پھر بھی اُس سے بچنے کی اُسے کوئی اچھی تدبیر نظر نہیں آتی۔ چین کا خیال ہے کہ اسی طرح جنگ جاری رہی تو جاپان کی مالی حالت خراب ہو جائے گی اور اسلئے آخرکار اُسے خود دبنا پڑے گا۔ پھر بھی دیکھنے میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جاپان کی جیت ہو چکی ہے اور کچھ تھوڑا سا انتظام باقی ہے۔ اِس جاپانی جیت سے برطانیہ اور فرانس کی مشرق میں بڑی بدنامی ہوئی اور اسکے اقتدار میں کمی واقع ہوئی ہے۔ برطانیہ عظمیٰ سے جاپان اِتنا ناراض ہے کہ ساری ایشیا سے اُسکی قوت ختم کر دینے کی فضول دھمکی دیتا ہے۔ آجکل ایسا انتظام ہو رہا ہے کہ بیرونی ممالک سے چینی تجارت انڈوچائنا اور برما ہو کر چلے۔ جاپان نے چین کے جتنے حصے پر قبضہ کر لیا ہے اُس کے آگے اب وہ نہیں جانا چاہتا۔ نہ اُسے چھوڑنا ہی چاہتا ہے۔ صرف مغرب کی طرف سے روس کا چین سے آمد و رفت کا راستہ بند کر دینا بھی اُس کی خواہش کہی جاتی ہے۔ چین کے نئے جیتے ہوئے حصے میں منچوکو کی طرح وہ نئی ریاست قائم کرنی چاہتا ہے۔ جاپان میں جنگجو پبلک تو جنگ کی طرف مائل ہیں۔ لیکن عوام کی خواہش نہیں ہے۔ پھر بھی ابھی تک وہاں کوئی خانہ جنگی نہیں ہے۔ مالیت، قومیت اور مذہب کے متعلق بھی وہاں کوئی جھگڑا سامنے نہیں آیا ہے۔

برطانیہ عظمیٰ کے چار بڑے حصے علاوہ دیگر مقبوضات کے ہیں یعنی انگلینڈ، ویلس، سکاٹ لینڈ اور آئرلینڈ، جو اَب ایری کہا جاتا ہے۔ انگلینڈ نے ویلس اور ایری جیتے تھے اور سکاٹلینڈ کے بادشاہ نے انگلینڈ کی حکومت وراثت میں پائی تھی۔ اسکاٹلینڈ اور انگلینڈ میں قریب قریب پورا اتحاد ہے۔ ویلس بھی مطمئن ہے حالانکہ وہاں کے باشندے لائڈ جارج جب وزیر اعظم تھے اُس وقت انھیں احساس ہوا کہ ویلس کا باشندہ ہونے کے باعث انگلینڈ والے اُنھیں اس عہدے پر دیکھنا نہیں پسند کرتے پھر بھی بظاہر ویلس کا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ ایری کے چار حصے ہیں جن میں تین تو ڈومینین کی صورت میں قریب قریب آزاد ہیں لیکن شمالی حصہ

السٹر بخوشی برطانیہ کے زیر حکومت ہے۔ وہاں انگریز زمینداروں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور انھیں کے اثر سے یہ حصہ باقی ایری سے علحدہ رہنا چاہتا ہے۔ آج کل برطانیہ کے بین الاقوامی انجمن میں ہونے کے باعث ایری السٹر کو لینے کی پھر سے کوشش کر رہا ہے جب تک ایری کا السٹر والا سوال اُس کی حسب مرضی نہ طے ہو جائیگا اُس وقت تک وہ مستقبل میں برطانیہ کا کسی جنگ میں بخوشی ساتھ نہ دے گا۔
برطانوی مقبوضات اور مفتوحات میں کناڈا، جنوبی افریقہ، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور ہندوستان بڑے ہیں۔ کناڈا کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ جنوبی افریقہ میں ڈچوں اور برطانویوں کی زیادہ آبادی ہے۔ پہلے ان میں کافی کشیدگی تھی لیکن جب سے حال میں جرمنی کا اثر بڑھا ہے اُس وقت سے حکومت پرستی کے جذبات ممالک غیر کے جھگڑوں کے خوف سے مستحکم سے نظر آتے ہیں۔ افریقہ کے خاص باشندے ابھی تک طاقتور نہیں ہوئے ہیں۔ کچھ ہندوستانی بھی وہاں آباد ہیں جن کے اوپر بیجا دباؤ پڑتا رہتا ہے۔ اور جن کا سوال ابھی تک حل نہیں ہوا ہے۔ آسٹریلیا بہت بڑا ملک ہے۔ لیکن آبادی کم ہے۔ جاپان کے خوف سے برطانیہ کے ساتھ آسٹریلیا کی دوستی مستحکم ہے۔ نیوزی لینڈ ایک چھوٹا سا ملک ہے اور اس کی بھی برطانیہ کے ساتھ اچھی دوستی ہے۔ اس میں ہندوستانیوں، انگریزوں اور وہاں کے خاص باشندوں کی آبادی ہے جنکے حقوق کے متعلق کچھ جھگڑا چل رہا ہے۔ پھر بھی یہاں کافی امن ہے۔ برطانیہ ابھی تک ہندوستان کو سوراج نہیں دے رہا ہے۔ جس کی وجہ سے وقت پڑنے پر ہندوستان کی حکومت کے ساتھ وفاداری مشکوک ہے۔ پھر بھی بہتوں کا خیال ہے کہ حکومت ہندوستان حالاکی سے اور زبردستی امداد حاصل کر لیگی۔ فرانس کے مقبوضات اور مفتوحات برطانیہ سے تو کم ہیں لیکن دنیا کی اور سب قوتوں سے زیادہ ہیں۔ برطانیہ میں اقتصادیات سے متعلق سوال پر تو کوئی جھگڑا نہیں ہے نہ ایری والے قومیت کے سوال کو چھوڑ کر کوئی قومی ہی جھگڑا ہے۔
قومیت کا جھگڑا تو فرانس میں بھی نہیں ہے لیکن اقتصادیات کا پورا جھگڑا ہے۔ یہاں سرمایہ داروں اور سوشیلسٹوں میں خاصا جھگڑا ہے اور ملک میں ان دونوں کی قوت بھی برابر ہے۔ اسلئے بہتوں کا خیال ہے کہ فرانس کی طاقت ایسی کمزور ہو گئی ہے کہ وہ اب صرف دوسرے درجہ کی طاقت رہ گئی ہے۔ پرانے زمانے میں تو فرانس کی انگلینڈ سے اَن بن تھی لیکن ادھر بہت دنوں سے پورا اتحاد ہے۔ حال میں سرمایہ داروں کی جماعت نے سوشیلسٹوں کی ہڑتال کو آسانی سے ناکامیاب بنا دیا ہے۔ پھر بھی وہاں کے سوشیلسٹ یہ سوچ رہے ہیں کہ اگر صرف نوآبادیات کے لئے اگر کوئی جنگ چھڑی تو وہ جنگ میں حکومت کا ساتھ نہ دیں لیکن ابھی یہ طے نہیں ہو۔ لیکن سوال اُٹھا ہوا ہے۔
اٹلی میں فاشیسٹوں کی قوت تھوڑے ہی دنوں سے جنگ عظیم کے بعد بڑھی ہے۔ اُن کے خلاف بہت سے لوگ ہیں ضرور لیکن اس وقت اٹلی میں اُن کا اثر نہیں کے برابر ہے۔ جرمنی سے میل، اور مسولینی کے تنہا اقتدار سے اٹلی کی قوت آجکل چمک رہی ہے۔ اُس کے پاس مفتوحات کم ہیں اور جاپان و جرمنی کی طرح وہ بھی ملکوں کے حصول کے لئے بھوکا ہے۔ جرمنی میں گذشتہ جنگ عظیم کے وقت دو بڑے نقص نظر آئے تھے۔ جنکے باعث اُسکی شکست ہو گئی تھی۔ ایک تو اُس کے پاس دولت کی کمی تھی اور دوسرے یہودیوں نے اپنا پورا زور لگا کر جنگ کے خلاف ملک میں بلوہ کرا دیا تھا۔ اُس کا خیال ہے کہ اگر یہ دونوں وجوہ نہ پیش آتے تو جرمنی کبھی نہ ہارتا۔ اب برسر اقتدار آ جانے سے جرمنی کا ڈکٹیٹر ہٹلر اُنھیں ملک سے نکال رہا ہے۔ گذشتہ جنگ کے بعد تقریباً ۱۵ سال تک جرمنی کی بڑی ہی خراب حالت رہی۔ یہی سوچ کر وہ یہودیوں کو ملک سے نکالنا چاہتا ہے۔ ایسا سمجھا جاتا ہے کہ ۵ سال کے اندر وہ سب یہودیوں کو نکال دے گا۔ وہ خوشی سے ملک چھوڑ کر جانا نہیں چاہتے اور بغیر زبردستی کئے اُنھیں نکالا نہیں جا سکتا۔ اور اگر جرمنی اُنھیں نہ نکالے تو مستقبل میں پھر اُن کی بدولت ہارنے کا خطرہ ہے۔ اور اگر ساری دولت اُنھیں اپنے ساتھ لے جانے دے تو ملک کا دیوالہ ہو جائے۔ مال ضبط کرنا ظلم ہے۔ چنانچہ یا تو جرمنی اُن کے ساتھ ظلم کرے یا ہمیشہ کے لئے کمزور رہے۔ اُس نے کمزور رہنا ناپسند کیا ہے یہودیوں پر ظلم کرنے کے باعث غیر ممالک میں اُس کی بہت بدنامی ہوئی۔ خصوصاً امریکہ میں بیرونی ممالک قدرتی طور پر اُس کی مشکلات پر تو دھیان دیتے نہیں لیکن اُس کے مظالم کی طرف زور دیتے ہیں۔ یہ صریحی بے انصافی دیکھ کر بہت برا معلوم ہوتا ہے۔ اور ہے بھی۔ ادھر ہنگری

اور رومانیہ بھی اپنے یہاں سے یہودیوں کو نکالنا چاہتے ہیں۔ جرمنی کی آبادی تقریباً ۔۔۔۔۔۔۔۔ ہونے سے وہ آبادی کی طرف سے مضبوط ہے جرمنی اصول کے بہت پابند ہیں اور اُن میں بےپناہ جذبہ حب الوطنی ہے آجکل جرمنی، اٹلی اور جاپان مل کر دُنیا پر اپنا اثر ڈال رہے ہیں۔ ان دنوں بلا جنگ کئے آسٹریا اور سوڈین لینڈ حاصل کر لینے اور زیکوسلیوکیا پر قبضہ سا جما لینے سے جرمنی کا اقتدار بڑھ بھی بہت گیا ہے پولینڈ پہلے تو جرمنی سے ملا ہوا تھا لیکن آجکل اُس کے اقتدار کی ترقی سے وہ اپنے مستقبل کے لیے فکرمند ہو گیا ہے۔ پہلے تو ہنگری اور رومانیہ سے مل کر وہ جرمنی کے لیے مشرق کی ترقی کا راستہ روکنا چاہتا تھا۔ لیکن جب روتھینیا کے نہ ملنے سے یہ منصوبہ پورا نہ ہوا تو وہ روس کی طرف جھکنے لگا ہے پولینڈ میں یہودی بہت ہیں اور اسکے ایک بڑے جنوبی مشرقی حصے میں یوکرینیوں کی آبادی ہے جن کے ساتھ پولینڈ مناسب انصاف نہیں کر رہا ہے۔

جب جرمنی نے پولینڈ کی دوستی میں کمی ہوتے ہوئے دیکھی تو یوکرینین لوگوں کو آزاد کرنے کا ڈھکوسلا نکالا کارپتھو یوکرین صوبہ کو اس نے زیک لوگوں سے قریب قریب آزاد کر دیا ہے اور صوبہ سلویکیا بھی ایسا ہی آزاد کر دیا گیا ہے زیکوں کا صوبہ بوہیمیا رہ گیا ہے یوکرینیوں کو کارپتھو یوکرین پولینڈ رومانیہ اور روس کے ملکوں سے ایک میں ملا کر ہٹلر ایک نیا یوکرینین بنانے کا ڈول ڈال رہا ہے اس میں پولینڈ اور روس سے جنگ کا خطرہ ہے روس کا یوکرینیا ہندوستان کا تقریباً آٹھواں حصہ پھیلاؤ میں ہے روس کے موجودہ انتظام سے اسکی بہت کافی ترقی ہوئی ہے جس سے اسکے جرمنی کے ساتھ آجانا مشکل نظر آتا ہے پھر بھی وہاں کے بہت سے یوکرینین اس خیال کو شاید پسند بھی کریں کچھ دنوں کے بعد معلوم ہوگا کہ اس کوشش کا انجام کیا ہوتا ہے پولینڈ اور رومانیہ والے یوکرینین جرمنی کے خیالات سے بخوشی اتفاق کریں گے ایسا معلوم ہوتا ہے ان سب باتوں کو دیکھ کر ابھی تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یا تو پولینڈ جرمنی سے دب کر اسکا ماتحت مددگار رہے گا یا اسکے ملک کا حصہ بخرا ہونے کا ڈول لگے گا اگر پولینڈ کی دوستی سے جرمنی ناکام رہے گا تو روسی یوکرینیا میں بھی کوشش بڑھے گی اور اگر پولش سوال بآسانی حل ہو گیا تو روس کی طرف نہ رجوع ہو کر جرمنی شاید رومانیہ کی طرف جھکے کیونکہ زیکوسلوواکیا کے بعد جرمنی کے لئے دوسرا مورچہ وہی ہے گذشتہ جنگ عظیم میں جرمنی کے مقبوضات اور کئی صوبے نکل گئے اور طاقت جمع کر لینے پر قدرتی طور پر وہ اپنا نقصان پورا کرنا چاہتا ہے لتھیونیہ نے اسکا ضلع میمل لے لیا تھا جس کے بابت جھگڑا اُٹھ رہا ہے انتیس میں چھبیس جرمن نمائندے وہاں حال ہی میں منتخب ہوئے ہیں یہ سوال جلد اُٹھے گا۔ جرمنی کی خواہش آجکل فرانس اور برطانیہ کو الگ رکھ کر مشرق اور جنوبی مشرق میں بڑھنے کی ہے لیکن ادھر اٹلی کو اطمینان نہیں ہے وہ فرانس سے ٹیونس کارسیکا نسن جبوٹی وغیرہ کا مطالبہ کرتا ہے اور انکار کی صورت میں جنگ کی دھمکی دے رہا ہے۔ جرمنی کو یہ کہنا ہی پڑے گا کہ وہ اس معاملے میں اٹلی کے ساتھ ہے اسپین کی خانہ جنگی بدستور جاری ہے وہاں کی حکومت جمہوری ہے اور فاسسٹوں کی مدد سے سرمایہ دار اسے مٹا رہے ہیں۔ اس حکومت کی حالت آجکل ایسی نازک ہے کہ اگر بیرونی رسد نہ ملے تو مالی کمزوری سے اسے شکست یاب نہ ہوتے ہوئے بھی شکست ماننی پڑیگی اس لئے فرانکو برطانیہ اور فرانس سے اپنی فتح منوانے پر زور دے رہا ہے جس سے بیرونی جہاز سامان نہ لا سکیں۔ برطانیہ یہ ماننے کے لئے نیم راضی نظر آتا ہے لیکن فرانس نہیں مانتا اگر اسپین میں فرانکو کی فتح ہو جائے تو فرانس جنوبی مغرب میں بھی مشرق کی طرح دشمن ملکوں سے گھر کر کچھ کمزور ضرور ہو جائے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ٹیونس وغیرہ کا سوال فرانس پر دباؤ ڈالنے ہی کے لئے اٹھایا گیا ہے جس میں ان جھنجھٹوں سے بچنے کے لئے وہ اسپین والا مطالبہ منظور کر لے اگر اسپین پر فاسسٹوں کا پورا اقتدار ہو جائے اور یوگوسلاویا یا کسی اور راہ سے ہو کر جرمنی کا ملک بحر متوسط سے کہیں پر مل جائے تو جرمنی اور اٹلی کی بحری فوجوں کے اثر سے ان دونوں ملکوں کا شمالی افریقہ پر اقتدار جمانا آسان ہو جائے۔ جبوٹی اٹلی کے لئے ضروری معلوم ہوتا ہے اور نہر سوئز پر بھی شاید کچھ سمجھوتا ہو جائے لیکن ٹیونس، کارسیکا اور نسں کے جھگڑے صرف پینترے بازی معلوم ہوتے ہیں اگر فرانس اسپین کا سوال دوستانہ طور پر نہ طے کرے گا تو شاید جھگڑا

ہونے ہی لگے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وزیراعظم برطانیہ مسٹر چمبرلین کے اثر سے فرانس یہ بات مان لے۔ اس میں بحر متوسط میں خطرہ بڑھتا ہے اور ان دونوں حکومتوں کا نقصان ہے ہی لیکن بیکار کا جھگڑا بڑھانے کے بجائے شاید یہ اتنی زحمت برداشت ہی کرلیں جیسا انکی اب تک کی حرکات سے ظاہر ہوتا ہے حالانکہ گذشتہ جنگ عظیم جرمنی کی زبردستی سے ہوئی تھی کیونکہ برطانیہ صلح کن طریقہ پر طے کرنے کے لئے اس وقت بھی راضی تھا تو بھی آخیر میں جرمنی ہی کا نقصان زیادہ ہوا اور وہ طاقتور ہونے سے اپنے پرانے نقصان کو کسی بھی طرح پورا کرنا چاہتا ہے۔ کیونکہ اپنے خلاف کسی کو انصاف کم نظر آتا ہے۔ اگر روس جرمنی سے لڑنے پر آمادہ ہوگا تو اس کے خلاف اٹلی اور جاپان کا ہونا بھی ضروری سا ہے۔ ایسی حالت میں یہی معلوم ہوتا ہے کہ روس جرمنی سے نہ لڑنا چاہے گا اور جرمنی بھی بلا وجہ اس سے بیر بڑھاکر شمالی افریقہ پر دانت لگائے گا یہ ممکن ہے۔

ہندوستان میں آجکل گیارہ صوبوں میں سے آٹھ پر کانگریس کی حکومت ہے اور دو پر قریب قریب مسلم لیگ کی۔ بنگال میں لیگ کے خلاف کوشش کی جارہی ہے لیکن ابھی موجودہ وزارت کافی مضبوط نظر آتی ہے پنجاب کی وزارت بھی ابھی مضبوط ہے سندھ میں اللہ بخش وزارت کانگریس کے صرف دس ووٹ پانے سے مستحکم ہوسکتی ہے اسمبلی کے ممبروں کی پوری تعداد محض ساٹھ ہے۔ وزیراعظم دراصل کانگریسی خیالات کے نہیں معلوم ہوتے لیکن ساتھ اس کا کئے ہوئے ہیں کانگریس کی سب باتیں وہ نہیں مانتے اور ابھی سندھ کی وزارت کا مستقبل مشکوک ہے فیڈریشن کے سوال پر بھاری اختلاف رائے ہے اور حکومت ابھی دبنا نہیں چاہتی آثار کہتے ہیں کہ آخرکار اسے یا تو فیڈریشن میں دبنا پڑے گا، یا صوبجاتی آزادی بھی واپس لینی پڑے گی سوال ذرا ٹیڑھا ہے۔

وزیراعظم برطانیہ نے پرانی پالیسی کے مقابلے میں بہت کافی تبدیلی کی ہے۔ جس کی وجہ سے ملک میں کافی اختلاف رائے پیدا ہورہا ہے۔ اب تک ملک نے ان کی امداد کی ہے۔ فرانس کی قوت کچھ گھٹ سی گئی ہے۔ جس کے باعث برطانیہ اٹلی اور جرمنی کی طرف بھی رجوع ہونے لگا ہے۔ یہ دونوں ملک اس سے دوستی کئے ہوئے ہیں لیکن آپس میں ایک دوسرے کو برطانیہ کا زیادہ دوست سمجھتے ہیں۔ جب تک برطانیہ کی دوستی ان دونوں میں سے کسی سے اس درجہ کے آگے نہیں بڑھتی یا اٹلی سے پوری پوری سچی دوستی نہیں ہوجاتی یا اس ملک کی قوت کچھ کم نہیں ہوجاتی تب تک برطانیہ کا بحر متوسط کی راہ کا خطرہ دور نہیں ہوتا۔ اور دنیا میں کسی وقت جنگ عظیم چھڑنے کا اندیشہ لگا ہی رہے گا۔

گھریلو دوائیں

کھانسی

(۱) ادرک کا ایک تولہ رس اور شہد ملاکر چاٹنے سے کھانسی دور ہوجاتی ہے۔

(۲) مصری اور آنولے کا چورن ملاکر کھانے سے پرانی سوکھی کھانسی دور ہوتی ہے۔

(۳) شہد اور اڑوس کے پتے کا ایک تولہ رس پینے سے کھانسی مٹتی ہے۔ جڑ اور پتوں کے ساتھ ایک تولہ اڑوس کا رس پینے سے کھانسی جاتی ہے۔ اور اڑوس کا ۲ تولہ معجون کھانے سے پرانی کھانسی جڑ سے جاتی رہتی ہے۔

(۴) کالے دھتورے کا دھواں پینے سے پرانی کھانسی دور ہوجاتی ہے۔ چلم پر پینا چاہئے۔

سوال جواب

(دیہاتوں سے تعلق رکھنے والے سب سوالوں کا جواب بذریعہ ڈاک بھیجا جائیگا۔ شرط صرف یہ ہے کہ سوال کرنے والے جوابی کارڈ بھیجیں۔ جو سوال عام پبلک کی دلچسپی کے ہونگے اُن کو اور اُن کے جواب ہم یہاں بغیر نام اور پتہ وغیرہ کے چھاپیں گے۔ لیکن ہر حالت میں سوال کرنے والوں کو اپنا نام اور پتہ صاف صاف لکھنا چاہیئے)

سینگ کا ٹوٹنا

سوال۔ کیا آپ مہربانی کرکے بتلائیں گے کہ جانوروں کے آپس میں لڑنے یا چوٹ لگنے سے اُن کی سینگیں ٹوٹ جائیں تو کیا کرنا چاہیئے؟

جواب۔ سینگ دو طرح سے ٹوٹتے ہیں۔ ایک تو جڑ سے غائب ہو جاتے ہیں۔ دوسری حالت میں آدھے ٹوٹ جاتے ہیں۔ یا کچھ باقی رہتے ہیں۔ دونوں حالات میں جانوروں کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ ٹوٹے ہوئے سینگ پر چوٹ یا دھکا نہ لگنا چاہیئے۔ اور تیسی کے تیل اور فنائل سے برابر تر رکھنا چاہیئے۔ اِس سے مکھیاں وغیرہ نہ بیٹھیں گی اور سینگیں جلد اچھی ہو جائیں گی۔ نیم کا تیل لگانے سے بھی کافی فائدہ ہوتا ہے۔

دیمک

سوال۔ دیمک کبھی کبھی درختوں کو بہت نقصان پہنچاتی ہے۔ کیا آپ اس کا کوئی علاج بتلا سکتے ہیں؟

جواب۔ تندرست پودے یا درخت کو دیمک نقصان نہیں پہنچاتی۔ کمزور پودوں کو ہی وہ چاٹ ڈالتی ہے۔ زیادہ تر سوکھی ترکاریوں پر ہی دیمک دھاوا بولتی ہے۔ اس لئے کھیتوں یا باغیچوں سے سوکھی لکڑیاں ہٹا دینی چاہئیں۔ چھوٹے پودے کے تنے کے گرد دو دو فیٹ کے فاصلے تک نیم کی کھلی مٹی میں ملا دینی چاہیئے۔ جہاں بہت زیادہ دیمک لگتی ہو وہاں بوائی کے پہلے زمین میں نیم کی کھلی ملا دینی چاہیئے۔

پالا

سوال۔ پالے سے فصل یا فصل کے درختوں کی حفاظت کس طرح کی جائے۔

جواب۔ پالے سے چھوٹے پودوں کی حفاظت کے لئے اُن پر چٹائی، گھاس کی ٹٹی یا تاڑ کے پتوں کا سایہ کر دینا چاہیئے۔ جس روز ہوا تیز چل رہی ہو اور پالا پڑنے کا خطرہ ہو اُس روز کھیت میں اتنی سینچائی ہونی چاہیئے کہ صبح تک مٹی گیلی رہے۔ دھوئیں سے بھی پالے کا اثر نہیں ہوتا۔ اسلئے کھیت یا باغ کے پاس کسی جگہ گھاس اور پتے اکٹھا کرکے ایک پہر رات گزرنے پر انھیں سلگا کر دھواں کر دینا چاہیئے۔

دودھ کا کم ہونا

سوال۔ میری گائے پہلے پانچ سیر دودھ دیا کرتی تھی۔ یکایک اُس کا دودھ گھٹ کر دو سیر ہو گیا ہے۔ کیا آپ دودھ بڑھانے کی کوئی تدبیر بتائیں گے؟

جواب۔ دودھ کی کمی زیادتی اُسے دئے جانے والے چارے پر منحصر ہے۔ کھلی اور تمبولی سے دودھ بڑھ جاتا ہے۔ اگر آپ گائے کو ٹھیک چارہ دیتے ہیں اور بلا کسی وجہ کے اس کا دودھ کم ہو گیا ہے تو اُسے پیپیتے کے پتے یا پھل اور اُبلا ہوا کدو دیجئے۔

سستا ساہتیہ منڈل دہلی کی ۹ کتابیں

سستا ساہتیہ منڈل، دہلی کے سکرٹری شری مارتنڈ اپادھیائے سے حسب ذیل کتابیں ہمیں ریویو کے لئے ملی ہیں یہ سب کتابیں ڈبل کراؤن سائز ۳۲ پیجی پر شائع ہوئی ہیں۔ اُنکے نام اور مختصر تعریف ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

(۱) گیتابودھ۔ از مہاتما گاندھی۔ اس میں مہاتما جی نے گیتا کا مطلب سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ ۱۳۶ صفحات ہیں۔ دام ڈیڑھ آنہ (۱؍۲)۔

(۲) منگل پربھات۔ یہ کتاب بھی مہاتما جی کی لکھی ہوئی ہے جب گاندھی جی یرودا جیل میں تھے تب وہاں سے وہ ہر منگل کی صبح کو اپنے آشرم میں رہنے والوں کو خط لکھا کرتے تھے۔ انہیں گاندھی جی کے مضامین ہیں۔ دام (۱؍)۔

(۳) چھوت چھات کی مایا۔ از ہنت آنند کوشلیاین۔ اسکی ضخامت ۶۰ صفحات ہیں۔ دام ایک آنہ (۱؍)

(۴) سرودو دئے۔ یہ رسکن کے "انٹو دس لاسٹ" کا ہندی ترجمہ ہے۔ ترجمہ گاندھی جی نے کیا ہے اور ۵۷ صفحات ہیں۔ دام ایک آنہ (۱؍)

(۵) ہند سوراج۔ یہ گاندھی جی کی وہی مشہور کتاب ہے جو اُنھوں نے ۱۹۰۸ء میں لکھی تھی اور آج ۱۹۳۹ء میں بھی گاندھی جی اس میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ دام تین آنہ (۳؍)

(۶) گرام سیوا۔ اس میں گاندھی جی کے گاؤں کے سیوا سے تعلق رکھنے والے ۹ مضامین ہیں۔ اس کا دام ایک آنہ (۱؍)

(۷) نوجوانوں سے دو دو باتیں۔ اس میں پرنس کروپاٹکین کے خیالات درج ہیں۔ دام ایک آنہ (۱؍)

(۸) ہمارے کسانوں کا سوال۔ اسکے مصنف ڈاکٹر زین العابدین احمد صاحب ہیں اور اس کا دیباچہ پنڈت جواہر لال نہرو نے لکھا ہے۔ دام ایک آنہ۔

(۹) اناسکتی یوگ۔ یہ گاندھی جی کا کیا ہوا گیتا کا ترجمہ ہے۔ دام تین آنہ (۳؍)۔

سُریلی بانسری

(نظموں کا مجموعہ)

(از جناب سید انور حسین صاحب آرزوؔ۔ لکھنوی)

پبلشر۔ انڈین بک ڈپو لکھنؤ۔ سائز ڈبل کراؤن سولہ پیجی۔

اس کی ضخامت ۲۰۲ صفحات ہے اور مجلد ہے۔

یہ کتاب ہندی اور اُردو دونوں خطوں میں شائع کی گئی ہے۔ اسکے مصنف جناب آرزوؔ اُردو کے مشہور شاعر ہیں۔ اور ان نظموں کے لکھنے میں اُنھوں نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ زبان زیادہ سے زیادہ آسان یعنی ہندوستانی ہو۔ آپ نے عام بول چال کے الفاظ کا آزادی سے استعمال کیا ہے اور اس بات کی قطعی پروا نہیں کی کہ ہندی اور اُردو کے تنگ خیال نقاد کیا کہیں گے۔ جو لوگ یہ رائے رکھتے ہیں کہ ہندوستانی میں اچھی شاعری نہیں ہوسکتی اُنھیں آرزوؔ صاحب کی یہ نظمیں مطالعہ کرنے کے بعد اپنی رائے تبدیل کرنی ہوگی۔ کچھ نمونے ملاحظہ فرمائیے:۔

لہو لال تھا اور دھبّا ہے کالا ۔۔۔ انھیں کیا پڑی ہے جو تلوار دھوئیں
کسی نے نہ گرتے ہوئے کو سنبھالا ۔۔۔ اُلٹنے جو دیتے ہیں پہلے کہاں تھے

× × × ×

کسی گونگے کو یہ سُنالیے آپ ۔۔۔ ہم کسی کی کبھی نہیں سُنتے

× × × ×

بے آسی کی بات ہے جھوٹی، جب تک کچھ بھی جھلکے آس
جس میں چمک جائے جگنو بھی، اُس کو اندھیری رات نہ کہہ

× × × ×

پتہ کیسا بوٹا کیسا، جڑ تو ایک ہے دونوں کی
کہنے کو ہم بھی کہہ دیتے ہیں یہ پتہ وہ بوٹا ہے

یوم خواندگی

۱۵ جنوری کو اس صوبے میں یوم خواندگی منایا گیا۔ اس موقع پر صوبے کے گورنر کانگریس اور دوسری جماعتوں کے لیڈروں نے جو پیغام بھیجے ہیں اُنھیں ہم ذیل میں شائع کر رہے ہیں:

ہم صوبہ جات متحدہ میں اپنے آپ کو پسماندہ سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ مگر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ تعلیم کے معاملہ میں ہم ہندوستان کے اکثر صوبوں سے پیچھے ہیں۔ اس صوبہ میں تعلیم کی جو زبردست کمی ہے اسے ہم عرصہ سے ایک ضروری نقص سمجھتے چلے آرہے ہیں اور یہ بھی خیال کرتے رہے ہیں کہ یہ نقص اسکولوں کی تعلیم میں توسیع کرکے بتدریج ہی دور ہو سکتا ہے۔ مگر صرف بچوں کو پڑھا دینا ہی کافی نہیں ہے۔ اگر ہم بچوں کی ایک کثیر تعداد کو پڑھا بھی دیں تو بھی اس طریقہ عمل سے بہت کافی مدت میں وہ صورت حال پیدا ہو سکے گی جسے ہم کسی "تعلیم یافتہ آبادی" کے لگ بھگ قرار دے سکیں۔ اس طریقہ عمل میں تیزی برتنے کے لئے (جیسی کہ اس میں برتنا چاہئے) ہمیں بالغوں کو پڑھا لکھا بنانا ضروری ہے۔ ہم کو ان میں تعلیم حاصل کرنے کی خواہش پیدا کرنا چاہئے اور اس کے لئے ہمیں ان کو مواقع بہم پہنچانا چاہئے۔ یہ کام ایسا ہے جو صرف معمولی سرکاری عملہ اور سرکاری مالیات سے نہیں چل سکتا اور اگر اسے کامیاب ہونا ہے تو اسے افراد اور انجمنوں کی ان تھک اور پوری تائید حاصل کرنا پڑے گی۔ قوم کے تعلیم یافتہ اشخاص کو بحیثیت مجموعی ناخواندگی کے خلاف جنگ کی رہنمائی کرنا ہے۔ مجھے امید ہے کہ اس تحریک میں جو میری حکومت نے شروع کیا ہے صوبہ کی عورتوں کی طرف خاص توجہ کی جائے گی کیونکہ اگر بیویاں اور مائیں پڑھی لکھی بنائی جاسکیں تو دوسری نسل کو پڑھانے لکھانے کا کام بہت ہلکا ہو جائیگا۔ مجھے یقین ہے کہ جس تحریک کی ابتدا ۱۵ جنوری کو کی جا رہی ہے وہ عوام کو خواندہ بنانے کی کوشش میں ایک نئے باب کا آغاز ہوگا۔

ہیری ہیگ۔ گورنر، ممالک متحدہ

ناخواندگی کو دور کرنا کانگریس کے پروگرام کا ایک خاص جزر ہا ہے۔ ملک میں جمہوری خیالات کا پھیلاؤ اور رائے دہی کے حق کی وسعت نے اس سوال کو اور بھی اہم بنا دیا ہے۔ ملک کے ہر ایک باشندے کو اپنی روحانی، جسمانی اور دماغی ترقی کرنے کے لئے ہر آسائش پانے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ دماغی ترقی کے لئے خواندگی پہلی سیڑھی ہے۔ اگر ہم اپنے ملک سے ناخواندگی کا عذاب دور نہ کرسکے تو دنیا کی قوموں میں ہم اپنا مناسب مرتبہ حاصل نہیں کرسکتے۔

ہمارے ملک کی ایک بڑی تعداد ناخواندہ ہے۔ ایک مقررہ وقت کے اندر اُنھیں خواندہ بنانے کے لئے ہر ایک پڑھے لکھے شخص کے لئے لازم ہے کہ وہ حتی الامکان اس کام میں مدد دے کیونکہ عوام کی عملی امداد کے بغیر سرکار باوجود اپنی تمام کوششوں کے ہماری اجتماعی اور معاشرتی زندگی کی خرابیوں کو دور کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتی۔ میں اپنے صوبہ کے پڑھے لکھے آدمیوں سے اور مختلف جماعتوں کے ممبران سے التجا کرتا ہوں کہ وہ اس مقدس کام میں ہماری مدد کریں اور ناخواندگی دور کرنے کی کوشش کو کامیاب بنائیں۔

گووند بلبھ پنت

یوں تو ہماری سوسائٹی بہت سی مصیبتوں میں مبتلا ہے مگر جہالت کا درجہ ان میں سب سے زبردست ہے۔ ہم عوام کو تندرستی یا زراعت یا کسی دوسرے سائنس کی تعلیم دینا چاہتے ہوں یا اُن کو اُن کے شہری حقوق اور فرائض سمجھانا چاہتے ہوں مگر جہالت کی چٹان سے ٹکرا کر ہماری سبھی کوششیں الٹی ہو جاتی ہیں۔ اس لئے ہر شخص جو ملک کی ترقی اور بہبودی چاہتا ہے اُن تمام کوششوں میں جو جہالت دور کرنے کے لئے کی جا رہی ہیں ہمدردی رکھے گا اور مجھ کو کامل یقین ہے کہ گورنمنٹ کو اس کام میں سبھی طبقوں سے پوری امداد حاصل ہو گی۔

سمپورنانند

ہندوستان میں سوتنترتا کی لڑائی چل رہی ہے۔ ہماری یہ کوشش ہے کہ ہر پرکار سے ہم اپنے کو اس دن کے لئے تیار کرلیں جبکہ آزاد ہو کر اپنے دیش کا انتظام ہم آپ کریں گے۔ اس کے لئے یہ آوشک ہے کہ ہندوستان کے ہر ایک پُرش و استری کو اکشرگیان ہو۔ آجکل ہماری گری ہوئی حالت بہت کچھ اس لئے ہے کہ ہمارے ہزاروں بھائی بہن اکشرگیان سے رہت ہیں اور ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتے ہیں جو سنسار میں ہو رہی ہیں اور جن کا اثر کسی نہ کسی روپ میں ہمارے اوپر پڑ رہا ہے۔

آج اس پرانت میں ساکشرتا کا کام شروع ہوا ہے۔ ہر ایک پڑھے لکھے استری پُرش سے میرا یہ نویدن ہے کہ وہ آج کے دن یہ پرن کرلے کہ کم سے کم ایک آدمی کو وہ ساکشر کردے اور جنھیں اکشرگیان نہیں ہے وہ کوشش کے ساتھ اپنے کو ساکشر بنا دیں۔ یدی ہم سب مل کر اس کام کو اُٹھالیں تو بہت تھوڑے سمے میں ہندوستان میں ساکشرتا پھیل جاوے گی اور ہماری اُنتی کی بُنیاد پڑ جا دیگی۔

وجے لکشمی پنڈت

صوبہ میں "یوم خواندگی" ۱۵ جنوری کو منایا جائیگا۔ اس دن وہ تحریک شروع ہو گی جس کی کامیابی ہر بالغ کو خواندہ بنا دیگی۔

صرف پڑھ لکھ لینا ہی کوئی خاص بات نہیں ہے۔ مگر خواندگی سے تعلیم میں مدد ملتی ہے۔ تاوقتیکہ عوام کی کافی تعداد خواندہ نہ ہو اُن کو تعلیم دینا تقریباً ناممکن ہے۔ اور تعلیم کے بغیر عوام کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ اس تحریک کی اور ترقی و آزادی کی ضرورت کی قدر کرسکیں۔ گویا ترقی کی راہ میں ناخواندگی ایک روڑا ہے۔ ۱۵ جنوری کو جس تحریک کا آغاز ہو رہا ہے اس کی کامیابی ملک کی سیاسی اور تعلیمی دونوں ترقیوں کو آسان بنا دیگی۔

رفیع احمد قدوائی

ناخواندگی اور جہالت ہر ترقی کی (خاص کر دیہاتی رقبوں میں) سب سے بڑی دشمن ہیں۔ حکومت نے ہر پہلو سے گاؤں سدھار کرنے کے ایک زبردست پروگرام کا بیڑا اُٹھایا ہے مگر اس کا اعتراف ہے کہ ناخواندگی مع اپنے دوسرے ساتھیوں، جہالت اور وہم پرستی کے گاؤں سدھار کے راستہ میں سب سے بڑا روڑا ہے۔ جب تک ہر گھر علم کی روشنی سے منوّر نہ ہو جائے (خواہ روشنی کتنی ہی کم ہو) جو تاریکی آج کل وہاں پائی جاتی ہے کبھی نہیں دور ہو سکتی اور اس وقت جب کہ ہم ناخواندگی دور کرنے کے متعلق سوچ رہے ہیں ہمیں یہ نہ فراموش کر دینا چاہئے کہ اس میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ عورتوں کی ناخواندگی اور جہالت دور کرنا زیادہ ضروری ہے کیونکہ بہرحال عورت ہی گھر کی مالکہ ہوتی ہے اور اگر وہ ناخواندہ اور جاہل ہے تو گھر کی حالت سدھارنا مشکل ہوگا۔ مجھے امید ہے اور میری دعا ہے کہ اس صوبہ کا ہر شخص، مرد ہو یا عورت، لڑکا ہو یا لڑکی، جس کسی نے بھی اس روشنی کو دیکھا ہے وہ دوسرے کو بھی جو اس سے محروم ہے بہرہ اندوز کرے تاکہ گاؤں میں ہمارے گھر (زمیندار کا عالیشان مکان اور غریب سے غریب کسان کی جھونپڑی دونوں) علم کے چراغ سے

روشنی پائیں۔ ہمارے ایسے غریب صوبہ میں اور ایسے مقدس کام میں ہم کو اپنے مقاصد حصول کے لئے رضا کارانہ کوشش پر اعتماد کرنا چاہئے اور مجھے اُمید ہے کہ ہر مرد اور عورت اس نصب العین سے متاثر ہو کر جیسے آج کے دن پیش کر رہا ہے دوسروں کو تعلیم دینے کا مقدس کام خود سر انجام دینے کا عہد کریگا نہ کہ روپیہ دیکر اس محنت کو دوسرے کے کندھوں پر ڈال دیگا۔

کیلاش ناتھ کاٹجو۔

ناخواندگی ہمارے ملک کے لئے ایک خدائی تازیانہ ہے۔ ہمارے اکثر مصائب ہماری جہالت کے باعث ہیں اور یہ جہالت اکثر ناخواندگی کے سبب سے ہوتی ہے۔ ماضی میں عوام کی ناخواندگی دور کرنے کے لئے کبھی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی گئی۔ اس صوبہ کی کانگریسی حکومت ناخواندگی دور کرنے کی اسکیموں پر عمل کرنے ناخواندگی ختم کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ اب یہ عوام کا کام ہے کہ وہ اپنی قیمتی امداد دیکر ہمارے ملک کی ترقی میں معاونت کریں اور مجھے پورا اعتماد ہے کہ ہر صحیح الخیال شخص ناخواندگی کے خلاف اس تحریک کی پوری پوری تائید کریگا۔

حافظ محمد ابراہیم

ایک نکشا دوس منایا جانے یہ سندر وچار ہے۔ ہمارے صوبے میں اس ڈھنگ کی یہ پہلی چیز ہے۔ ہمارے صوبے میں انپڑھ لوگوں کی جو بھاری تعداد ہے اسے یہ کم کریگا یہ میرا بھروسا ہے۔ مجھے دکھائی دے رہا ہے کہ اس اندولن کا یہ پھل ہوگا کہ اگیان میں پڑے ہمارے بھائی اپنی دشا کو آپ پہچانینگے اور اپنے کو اُوپر اُٹھانے کا جتن کرینگے۔ مجھے یہ بھی آشا ہے کہ جن لوگوں کو نکشا مل چکی ہے انکا دھیان اپنے اِس دھرم کی اور کھینچیگا کہ وے اُن لوگوں کی سہائتا کریں جن کے نصیب میں اب تک پڑھنا لکھنا نہیں آیا ہے۔ اگر ہمارے پڑھے لکھے وے لوگ جنکے پاس کچھ سمے ہے اپنا یہ ارادہ کرلیں کہ وے اپنے سمے کا کچھ حصہ انپڑھ لوگوں کو پڑھنے لکھنے کا تھوڑا سا گیان کرانے میں لگا دینگے تو صوبے میں جہالت کو دور کرنے کا سوال کم ہو جائے۔ میری یہ گہری پرارتھنا ہے کہ ہماری پڑھی لکھی جنتا میں سے کچھ لوگ ایسے نکل آویں جو ماتر بھومی کے پریم سے اپنے انپڑھ بھائیوں کو سہائتا کرنے کا نشچے کریں۔

پرسوتم داس ٹنڈن

اس صوبہ میں ان لوگوں کی زبردست تعداد کو مدنظر رکھتے ہوئے جو پڑھ لکھ نہیں سکتے بالغوں کی ناخواندگی کے خلاف ہر کوشش کا خیر مقدم کرنا چاہئے۔ میں اس کی دل تائید کرتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ تحریک کے دائرہ نظر میں عورت اور مرد دونوں ہوں گے کیونکہ ہماری عورتوں کو اس معاملہ میں ہمارے مردوں سے بھی زیادہ امداد کی ضرورت ہے۔

مہاراج سنگھ

مجھے اس امر میں اپنی توقیر محسوس ہو رہی ہے کہ آنریبل وزیر تعلیم نے بالغوں کی ناخواندگی دور کرنے کی صوبہ گیر مہم کے افتتاح کے موقع پر مجھ سے ایک پیغام بھیجنے کو کہا ہے۔ عوام سے ناخواندگی ختم کرنے کی اس زبردست سعی سے متعلق ہونا چاہے وہ تعلق کیسا ہی معمولی ہو) ایک فخر ہے اور اس ناخواندگی کا دور کرنا ہمارے مادر وطن کی اولین ضرورت ہے۔ ہمیں آنریبل وزیر تعلیم کا ممالک متحدہ میں اس زبردست تحریک کو اتنے خلوص کے ساتھ شروع کرنے میں ممنون ہونا چاہئے۔ اگر کسی ہوشیاری سے ترتیب دی ہوئی اور منظم اسکیم پر عمل شروع کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ تحریک کو نمایاں کامیابی نہ حاصل ہو۔ تعلیم یافتہ طبقوں کا جوش والہانہ عقیدت اور ایثار، بالغوں کی بیداری میں خاص مددگار ہوں گے۔

مشہور ماہرین تعلیم کے اعلیٰ دماغ عرصہ سے ہمارے عوام کی افسوسناک حالت کے مسئلہ پر غور و فکر کر رہے ہیں۔ اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ اس تمام خرابی کی اصل جڑ وہ بے پایاں جہالت ہے جو اس وقت چھائی ہوئی ہے۔ اگر ہندوستان کو آگے بڑھنا اور جو خرابیاں ہمکو تکلیف پہنچا رہی ہیں ان سے جنگ کرنا ہے تو ملک کے

بالغوں کی ترقی ہی اس کا صحیح حل پیش کریگی ۔ ایک صوبہ گیر مہم لاکھوں انسانوں میں ایک نئی روح ضرور پیدا کریگی اور ان میں خود تعلیم کا جذبہ بھی پیدا کریگی ۔ اور اس طرح وہ تکلیفیں اور مصیبتیں دور ہوسکینگی جو دیہاتوں کو اپنا شکار بنائے ہوئے ہیں ۔ ہمارا خاص مقصد ہندوستانی عوام کی (خواہ وہ کسی ذات پات رنگ و نسل کے ہوں) بہبودی اور ترقی ہونا چاہئے اور ہم اسیوقت اُس حقیقی ترقی کا یقین کرسکتے ہیں جو ہندوستان کا حصہ ہے اور جو متمدن قوموں کے زمرہ میں اس کیلئے مناسب جگہ حاصل کرسکتی ہے ۔ ناخواندگی کے خلاف یہ زبردست جنگ ہر تعلیم یافتہ مرد اور عورت کی تائید اور تاوان کی مستحق ہے اور تحریک تعلیم بالغان کی شاندار کامیابی کے لئے میں بھی دست بدعا ہوں ۔

شاہ محمد سلیمان

تعلیم، تحفظ، روزگار، خدمت ان چار لفظوں میں گھر کے بزرگ کا اولاد کی طرف بھی اور راجہ یا حاکم کا رعایا کی طرف بھی کل فرض تمام ہو جاتا ہے ۔

سلطنت کا فرض ہے کہ رعایا کو عالموں کے ذریعہ تعلیم دے اور ایسی تعلیم دے کہ وہ ایک دوسرے کو بھی لکھنا پڑھنا سکھا سکیں اور سکھا دیں ۔ دلاوروں کے ذریعہ رعایا کی حفاظت کرے اور ان کو ایسی تعلیم دے کہ وہ ایک دوسرے کی حفاظت آپ بھی کرسکیں اور کریں ۔ منتظم تاجروں کے ذریعہ سب کے کھانے کپڑے کی فکر کریں اور ہر ایک آدمی کی فطرت کے مطابق اُسکو ایسی روزگاری تعلیم دے کہ ہر آدمی ٹھیک کام کرکے مناسب دام اور آرام کما سکے اور کما دے اور محنت کشوں کے ذریعہ سب کی مدد کا انتظام کرے اور سب کو ایسی تعلیم دے کہ سب ایک دوسرے کی ضروری مدد کرسکیں اور کریں ۔

اس لئے جب مجھے اپنے صوبہ کے لایق اور تجربہ کار بابو پورنانندجی وزیر محکمہ تعلیم کے خط سے معلوم ہوا کہ گورنمنٹ کی طرف سے خاص انتظام کیا جارہا ہے کہ لاعلمی اس صوبہ سے دور کردی جائے تو مجھے بہت خوشی ہوئی کہ اپنا پہلا فرض رعایا کی تعلیم کا ادا کرنے کے لئے نئی گورنمنٹ نے کمر باندھی ہے ۔ میں دل سے مناتا ہوں کہ وہ اس کوشش میں سب طرح سے کامیاب ہو ۔

ساتھ ہی اسکے اس موقع پر سب کو یاد دلا دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ صرف حروف پہچنوا دینا، پڑھنا لکھنا سکھا دینا ہی کافی نہیں ہے ۔ تعلیم کچھ اور ہے ۔ عوام کو یہ سکھانا چاہئے کہ وہ اپنے حقوں کو ہی نہیں بلکہ اپنے فرضوں کو بھی پہچانیں ۔ یہ سکھانا چاہئے کہ ہر ایک آدمی اپنے ہی حقوں کو نہیں دوسروں کے حقوں کو بھی پہچانیں ۔ دوسروں کے فرضوں کو نہیں اپنے بھی فرضوں کو پہچانے ۔ خانہ داری کے فرض، جماعتی فرض، روزگاری فرض اور روحانی فرض سب کو پہچانے، مانے، پورا کرے ۔ یکطرفہ تعلیم سے جس سے لوگ اپنے حق ہی پہچانیں اور فرضوں کو بھول جائیں ۔ ایسی تعلیم سے انپڑھ رہنا ہی اچھا ہے ۔

میری بڑی خواہش ہے اور اُمید کرتا ہوں کہ جو تعلیم نئی گورنمنٹ عوام کو دیگی وہ دونوں جانب سے مکمل اور دونوں پلوں کو برابر کرنے والی ہوگی اور ہر آدمی کو نیک بھی اور سمی الاعظم بھی بنادیگی تاکہ وہ عوض میں گورنمنٹ کی مدد کرے ۔ اُسکا بوجھ ہلکا کرے ۔ خود اپنی اور اپنے کنبے کی فکر کرے ۔ ضرورت پر پڑوسیوں کی بھی مدد کرے اور دوسروں پر بلکہ گورنمنٹ پر بھی زیادہ بھروسہ کرکے بیٹھا نہ رہے ۔

یہ بھی ذکر کردینا چاہتا ہوں کہ وزیر محکمہ تعلیم قلمران مصنفوں سے خاص طور سے خواہش ظاہر کریں کہ وہ آپس میں گروہ بنادیں اور کچے خیالوں کی نقل کو دماغوں کو بگاڑنے والی، گندگی پھیلانے والی، انسان کو حیوانیت میں گرا دینے والی لکھائی کو روکیں اور اس کی جگہ عقل کو خوبی دینے والی، اچھے علم کو بڑھانے والی، دل کو نیک بنانے والی شستہ شایستہ، تواریخی، جسمانی، روحانی علم کو رزق اور لطف کی تعلیم دینے والی، صنعت و حرفت کی و دل خوش کرنے والی کتابوں کو اس صوبے کی مادری زبان میں لکھنے لکھانے کی کوشش کریں ۔

بھگوان داس

اس میں ذرا بھی شبہہ نہیں کیا جا سکتا کہ جب تک جہالت کی تاریکی رفع نہ ہوجائے یہ ناممکن ہے کہ کوئی قوم اپنے مستقبل کو صحیح طور سے دیکھ و سمجھ سکے ۔ اس لئے میری تمام ہمدردیاں جہالت کو دور کرنے کے ساتھ ہیں اور میری دعائیں ان لوگوں کے ہمراہ رہینگی کہ جو میری قوم کو بے علمی اور جہالت سے بچانے میں

کو شاں ہوں گے۔

احمد سعید

اس صوبہ میں ناخواندگی کو دور کرنیکی غرض سے جو اسکیم ہمارے پرجوش وزیر تعلیم کی نگرانی میں تیار کی گئی ہے اسکی تائید ہر گوشہ سے ہونا چاہئے اور ان تمام لوگوں کو جو صحیح طور پر سوچنے اور سمجھنے کے عادی ہیں اپنے اختلافات سے قطع نظر کرکے اسکو کامیاب بنانیکی پوری کوشش کرنا چاہئے۔

یہ ہو سکتا ہے کہ ہم میں سے بعض لوگ اس خیال کے بھی ہوں جو یہ سمجھتے ہوں کہ یہ اسکیم انکی ضروریات کو خاطر خواہ پورا نہیں کرتی یا یہ سمجھتے ہوں کہ یہ اسکیم ایک بڑی حد تک اصلاح طلب ہے لیکن یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ ناخواندگی کو دور کرنیکی یہ پہلی کوشش ہے جو سرگرمی کے ساتھ ایک بڑے پیمانہ پر کیجا رہی ہے اور اس بنا پر ہمیں اسکے بارے میں اپنے خیالات ظاہر کرنے میں تخریبی پہلو اختیار نہ کرنا چاہئے بلکہ دل سے مدد کرنا چاہئے اور اسکو کامیاب ہونے کا پورا موقع دینا چاہئے۔

ناخواندگی کا مسئلہ ان مسائل میں سے ہے جن میں ہر قسم کے سیاسی خیالات کے لوگ شریک ہو سکتے ہیں اور ساتھ کام کر سکتے ہیں کیونکہ ہماری بیشتر مصیبتوں اور رکاوٹوں کے اسباب ناخواندگی اور غلط طریقہائے تعلیم ہی ہے۔ ایک بار ہم نے ناخواندگی کو دور کر دیا اور غلط طریقہ ہائے تعلیم بدل دیا تو پھر دوسری جانب ہم تیزی کے ساتھ ترقی کر سکیں گے۔ یہ خیال بہت اچھا ہے کہ اس اسکیم کا افتتاح ایک خاص دن یوم ناخواندگی منا کر کیا جائے مجھے یقین ہے کہ تمام صوبہ میں یہ دن اس تحریک کے شایان شان طریقہ پر منایا جائیگا۔

محمد اسمٰعیل

مجھے یہ جانکر خوشی ہوئی کہ صوبہ متحدہ کی سرکار ناخواندگی دور کرنے کے لئے تحریک کرنے جا رہی ہے۔ یہ ضروری ہے کہ ہم اپنے لڑکے لڑکیوں کی تعلیم کا پورا انتظام کر دیں۔ لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ ناخواندگی دور کرنے میں ہم بالغوں کو بھی ساتھ لیں ہماری سب ترقی سیاسی، سماجی یا اقتصادی تعلیم کی اسی حد پر منحصر ہے جس حد تک ہمارے عوام پہنچ سکتے ہیں۔ اگر ناخواندگی دور نہ کی گئی تو ہمارے عوام اندھیرے میں بھٹکتے رہیں گے۔ جذبات کی رو میں ادھر ادھر بہیں گے اور اکثر دوسروں کے شکار ہو جائیں گے۔ کوئی بھی سد عار جہالت کی اس چٹان پر چور چور ہو جائے گا۔ اسی لئے میں امید کرتا ہوں کہ حکومت اور کانگریس کا ناخواندگی دور کرنے کے معاملے میں پورا اتحاد ہوگا۔ اور اس تحریک میں سب لوگ ان کے سیاسی خیالات کچھ بھی ہوں، حصہ لیں گے۔ یہ کامن پلیٹ فارم ہے جس میں سب کو حصہ لینا چاہئے۔

جواہر لعل نہرو

مجھے سخت افسوس ہے کہ صحت کی خرابی اور دیگر مصروفیتوں کے باعث یوم خواندگی کے متعلق کوئی پیغام نہ دے سکا۔

خواندگی ترقی کی بنیاد ہے۔ ملک سے ناخواندگی کو دور کرنا ملک کی نہایت بلند اور عظیم خدمت ہے۔ ہندوستان نے عوام میں کسی وقت خواندہ انسانوں کی تعداد کثیر تھی۔ اور یہ نہایت افسوس کی بات ہے کہ آج یہ تعداد بہت قلیل ہو گئی ہے میں محترم بابو سمپورنانند اور صوبہ متحدہ کی موجودہ گورنمنٹ کو دل سے مبارکباد دیتا ہوں کہ انھوں نے ناخواندگی دور کرنے کا پاک ارادہ کرلیا ہے اسے میں خدا کی مہربانی سمجھتا ہوں اور دل سے دعا کرتا ہوں کہ اس عظیم کام میں ان کو اور سب کارکنوں کو پوری کامیابی حاصل ہو۔

صوبے کے ہر ایک تعلیم یافتہ مرد، عورت اور طالب علم سے میری درخواست ہے کہ وہ ہر ایک بالغ مرد اور عورت خواندہ بنانے کے کام میں پرجوش امداد دیں۔ اور اس طرح ملک کی عمدہ خدمت کا ثواب حاصل کریں۔ اس سے ملک کی قوت اور دولت بڑھیگی۔ اور ہر طرح کی ملک کی ترقی بھی ہوگی۔

مدن موہن مالوی

کچھ اِدھر اُدھر کی

آنریبل بابو پرشوتم داس ٹنڈن کی تقریر

گرام سدھار ٹریننگ کیمپ نینی میں گرام سیوکوں کو رخصت کرنے کے موقع پر آنریبل بابو پرشوتم داس ٹنڈن نے حسب ذیل تقریر کی یہ تقریر ہمیں شری چند ربھوشن شکل گرام سدھار انسپکٹر کی سعی سے حاصل ہوئی ہے۔

آج آپ لوگ نے یہاں سے تین ماہ میں جو کچھ سیکھا ہے اسکا علم لیکر جا رہے ہیں آپ جن سے آج رخصت ہو رہے ہیں انھیں افسوس ضرور ہوگا لیکن اُستاد اور والدین کو اسی میں سب سے زیادہ خوشی ہوتی ہے کہ اُن کا شاگرد، اُن کا فرزند مناسب تعلیم حاصل کرکے اُن سے بھی بڑھ کر کام کرے۔ گرام سیوا کا بار ابھی تک آپ لوگوں پر تھا ہی، آج آپ لوگوں نے جو گرام سیوک کا جامہ پہنا ہے اب اس کی لاج بھی رکھنی ہے۔ آپ پر اب دوہرا فرض ہے۔ آپ اُسے تن من سے نبھائیں گے یہی اُستاد کی خدمت میں نظر عقیدت پیش کرکے جائیے۔

آپنے ملک، خدا اور ریاست کی خدمت کا عہد کیا ہے۔ آپ کو یہ صاف طور سے سمجھ لینا ہے۔ درحقیقت یہ تینوں ایک ہی چیزیں ہیں۔ ایک ہی چیز کے مختلف نام ہو سکتے ہیں۔ ریاست کی خدمت اور ملک کی خدمت تو ایک ہی خدمت ہے۔ اگر کوئی ریاست ملک کی خدمت کی مخالف ہو جاتی ہے تو وہ ریاست ریاست نہ رہ کر خون چوسنے کا ایک آلہ ہے۔ آپ کو یہ بیڑا اُٹھانا ہے کہ آپ اس پالیسی کی ہمیشہ مخالفت کرتے رہیں گے۔ آپ کو بڑی بڑی برائیوں کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ جہاں گاؤں والوں کو برباد کرنے اور چوسنے والے خود غرض لوگ ہیں آپ اُنھیں سمجھائیں گے۔ اور جہاں عام خدمت کرنے سے مخالفت پیدا ہوتی ہے۔ تو آپ اس سے ڈر نہ جائیں گے۔

ہر مذہب خدمت کرنا سکھاتا ہے۔ ہر مذہب میں پیغمبر اور اوتار پیدا ہوئے ہیں وہ خدمت خلق ہی کے لئے زمین پر آئے۔ انھوں نے ظلم کرنے والوں کو برباد کیا۔ وہ اُن سے ڈرے نہیں غریبوں کی حفاظت کرنا ہی ان کی خدمت تھی۔

دیہاتوں کی اس وقت جو حالت ہے اُس میں بڑی بڑی مخالفتیں پیدا ہونگی لیکن شکلیں بدل رہی ہیں۔ آپ کو دیہاتوں میں تعلیم پھیلانی ہوگی۔ گندگی دور کرنے کے لئے سمجھانا ہوگا۔ دیہاتوں میں سیاسیات کے متعلق کتنی سرد مہری ہے۔ آپ کو بہت سنبھالنا ہوگا۔ جب تک گاؤں والوں کی جیب میں دو چار پیسے پڑتے ہیں تبھی تک وہ آنکھ اوپر اُٹھاتے ہیں۔ نہیں تو بڑی سستی سی بات کہدیتے ہیں۔

"کوؤ نرپ ہوئی ہمیں کا ہانی چیری چھوڑ نہ ہوبے رانی"

(یعنی کوئی بھی راجا ہو ہمیں کیا غرض۔ ہم تو وہی نوکر کے نوکر رہیں گے)

آپ کو سمجھانا ہوگا کہ جو لوگ تلسی کا یہ شعر کہہ کر کاہلی کرتے کرتے ہیں وہ بڑی غلطی کرتے ہیں۔ کیا تلسی کی یہ نصیحت ہے؟ نہیں۔ تلسی کی نصیحت ہے۔ "پرادھین سپنے ہو سکھ نا ہیں"۔

(یعنی غلام کو خواب میں بھی آرام نہیں ملتا) وہ بات تو کنٹلا منتھرا کی کہی تھی۔ آپ کو تلسی کا اُپدیش سب کو سُنانا ہے۔

انسان کی عادت ہے کہ وہ بہانہ ڈھونڈھتا رہتا ہے۔ اسلئے آپ کو یہ عادت دور کرنی ہے۔ اور سب کو باکار بنانا ہے۔ آپ یہ مت سمجھئے، یہ مجھے صاف کہدینا ہے کہ آپ یہاں سرکاری نوکر ہیں۔ آپ اپنے نفس کو نہ ماریئے گا۔ آپ کی تنخواہ ایک حقیر چیز ہے۔ آپ کی یہ قیمت نہیں ہے۔ آپ کو کوئی سرکار نہیں خرید سکتی۔ آپ اپنے مقاصد کو دیکھیں۔ اور اگر کوئی آپ کے مقاصد کی راہ میں روڑے ڈالے تو آپ اُس سے لڑ جائیے گا۔

آج تو کانگریسی حکومت ہے۔ مان لیجئے کہ کل کانگریسی حکومت اس عہدے کو چھوڑ دے اور کوئی ایسی سرکار آجائے جو اپنے کو ملک سے بھی بلند رکھے تو آپ اُس سے ضرور الگ ہو جائیں اور صاف صاف کہدیں کہ آپ اس طرح کام نہیں کریں گے۔

ہمارے ملک میں خدمت کی بڑی گنجائش ہے۔ گاؤں والے پرانی روڑھیوں کو پکڑے چلے جا رہے ہیں۔ وہ لکیر کے فقیر ہو گئے ہیں۔ دُنیا میں اچھے بہادر، آگے بڑھ کر قدم رکھنے والے، کمانے والے وہی لوگ ہوئے ہیں جنھوں نے اس لکیر کو بدلا ہے۔ لکیر کو سمجھ کر اس کو بدل کر چلنا بڑے آدمیوں کی خصلت ہوتی ہے۔ ہر ملک میں ہر مذہب میں بڑے آدمی ہوئے ہیں۔ رہنما ہوئے ہیں۔ اُنھوں نے پرانی لکیر کو دیکھا اور اس کو اپنی عقل پر تول کر وقت کے مطابق بدل دیا۔

دُنیا میں ہر انسان کی عقل ہی بڑی ہے۔ دُنیا کی کتابیں، یہاں تک کہ قرآن، بید اور بائیبل وغیرہ عقل کے سامنے سبھی چھوٹی ہیں۔ آپ کو ایشور نے عقل دی ہے۔ یہ کتابیں ایشور کی کہی ہوئی مانی جاتی ہیں۔ پھر ایشور کا یہی منشا رہے کہ آپ ان کتابوں کو بھی اپنی عقل پر تولیں۔

سچی پوجا، خدا کی عبادت، آپ کی ہے۔ "دھیو یو نہ پرچودیات" (عقل ہی انسان کو ابھارتی ہے) یہ ہر مذہب کی سچی عبادتیں ہیں۔ ہاں آپ بڑوں کی لکیر کی عزت کیجئے گا۔ لیکن اگر وہ آپ کی ایشور کی دی ہوئی عقل میں نہیں سماتی تو آپ اُسے نہ مانئے گا۔

اخیر میں مَیں آپ سے چاہوں گا کہ آپ کی زندگی ایک مثال ہو۔ آپ کی زندگی ہی تقریر کا کام کرے۔ آپ اس طرح اپنے کو مانجھئے کہ گاؤں والے آپ کے چیلے ہو جائیں۔

گنے میں ریڈ راٹ (کانا یا سوکھا) کی بیماری روکنے کا طریقہ

گنے کی فصل کے لئے کانا یا سرخی کی بیماری بہت نقصان دہ ہے یہ دھیرے دھیرے بڑھنے والی چھوت کی بیماری ہے۔ اگر یہ ٹھیک وقت پر روکی نہ جائے تو ساری فصل سوکھ جاتی ہے اور آئندہ گنے کی کاشت بند ہو جانے کا خوف ہے۔ اسکے جراثیم (کیڑے) بیج، ہوا اور کھیت میں رہتے ہیں اسلئے جب تک سب کسان مل کر اسکے روکنے کی کوشش نہ کریں گے تب تک یہ بیماری نہ جائے گی۔ گورکھپور، بستی اور گونڈہ کے ضلعوں میں یہ بیماری تین سال سے نقصان کر رہی ہے۔ اس سے بچنے کے طریقے حسب ذیل ہیں۔

۱۔ جہاں گنوں کے پتوں میں سرخی نظر آئے اور اگولا سوکھنے لگے۔ ان تھانوں کو کھود کر جلا دیا جائے۔

۲۔ جو کھیت سوکھ گئے ہیں انکو جڑ سے کھود کر جلا دیا جائے۔

۳۔ بیج ایسی جگہ سے لیا جائے جہاں پر یہ بیماری نہ ہو۔

۴۔ بیج کے لئے ایک دفعہ میں ایک گنا کاٹنا چاہئے۔ گنڈیوں کے دونوں سروں کو خوب دیکھ بھال لیا جائے جن میں رنگ کا ذرا بھی داغ ہو بیج کے کام میں نہ لایا جائے۔

۵۔ گنا بونے کے لئے کھیت کھاد دیکر اور اچھی طرح جوت کر مضبوط بنائے جائیں۔ کمزور کھیتوں میں بیماری لگتی ہے اور پیداوار بھی کم ہوتی ہے۔ آج کل جس طریقے سے گنے کی کاشت کی جاتی ہے۔ اُس سے ضلع بھر کی اوسط پیداوار تقریباً ۲۵۰ من فی ایکڑ ہے۔ اگر اچھی طرح سے کھاد ڈال کر اور کھیت بنا کر کاشت کی جائے تو اُس سے دونی ڈھائی گنی پیداوار حاصل ہوگی۔ جس سے آدمی، بیل، کھیت سبھی کو آرام ملے گا اور بیج، لگان و کمائی میں خرچ کم ہوگا۔ اپنے کھانے کے لئے اناج اور جانوروں کے لئے چارہ بھی پیدا ہو سکے گا۔

۶۔ نشیب کھیتوں میں گنا نہ بونا چاہئے۔ گنے کے کھیت میں پانی کا رُکنا بیماری کو بڑھاتا ہے۔

۷۔ کانے گنے کی پیڑی کبھی نہ رکھنی چاہئے اور نہ پیڑی کو بیج میں استعمال کرنا چاہئے۔

۸۔ کھیت کٹنے کے بعد جڑیں اور پتے اکٹھا کر کے جلا دینا چاہئے۔

۹۔ جن کھیتوں میں یہ بیماری لگی ہو اُن میں گنا چار یا پانچ سال تک نہیں بونا چاہئے۔ جس سے بیماری کے جراثیم مر جائیں۔

۱۰۔ فصلوں کو ادل بدل کر بونا چاہئے اور اُسی کھیت میں تین سال کے پہلے گنا نہ بونا چاہئے؟

نوٹ۔ خاص واقفیت کے لئے اپنے حلقہ کے سپروائزر زراعت یا ضلع کے انسپکٹر سے ملئے یا خط کتابت کیجئے۔

کین ڈیولپمنٹ افیسر	ڈپٹی ڈائرکٹر
ایسٹرن رینج	محکمۂ زراعت
گورکھپور	گورکھپور

گرام سدھار ٹریننگ کلاس میرٹھ

(از سشری ڈیت پی۔ ایل۔ پسریا
انچارج ٹریننگ کیمپ میرٹھ)

محکمہ گرام سدھار کے آرگنائزروں کی ٹریننگ کا دوسرا بیچ ۱۰ اکتوبر ۱۹۴۸ء سے باقاعدہ ٹریننگ حاصل کر رہا ہے۔ کلاس میں محکمۂ گرام سدھار کے ۴۳ آرگنائزر ہیں اور سات اُمیدوار اپنے خرچ سے ٹریننگ پا رہے ہیں۔ ۷ آرگنائزروں کو جو پہلے ۱۹۴۵ء میں تعلیم پا چکے تھے ایک ماہ ریفریشر کلاس کی طرح تعلیم دیکر واپس بھیج دیا گیا ہے۔ یہاں پر میرٹھ اور کمایوں ڈویژنوں کے لوگ تعلیم پا رہے ہیں۔

ٹریننگ کے شروع میں لگاتار دس بارہ دن تک مسٹر محمد اخلاص صدیقی آرگنائزنگ سکاؤٹ ماسٹر نے کلاس کو اسکاؤٹنگ کی ٹریننگ دی۔ سارا کلاس (معہ اُستادان) اسکاؤٹ کی وردی میں پیدل مارچنگ کر کے ۸ میل کے فاصلے پر ایک گاؤں پنچولی میں کیمپ کے لئے گئے اور وہاں دو روز کیمپ کیا۔ وہاں بہت سے اسکاؤٹ کھیلوں کے علاوہ کیمپ فائر کئے گئے جن میں گرام سدھار سے متعلق گانے گا کر اور ڈرامے وغیرہ دکھلا کر گاؤں کے لوگوں کو گرام سدھار کی طرف کافی راغب کیا گیا اور اُن کے دل میں گاؤں سدھار کی طرف سے دلچسپی پیدا کی گئی۔ تیسرے روز اُسی طرح کلاس باوردی میرٹھ لوٹ آیا اور اُسی روز آنریبل وزیر تعلیم ٹریننگ کیمپ میں تشریف لائے۔ جن کا کلاس نے اسی طرح باوردی استقبال کیا۔

اس کے بعد ضلع میرٹھ کا سب سے مشہور اور بڑا کاتکی پورنیا کا گڑھ مکتیشور کا میلہ آگیا اور جناب افسر صاحب یوپی محکمہ گاؤں سدھار

پنچلی (میرٹھ) میں آرگنائزروں کا اسکاؤٹ کیمپ

کے حکم سے تمام کلاس بحیثیت اسکاؤٹ میلے میں عوام کی خدمت کے لئے گئے اور پروفیسر سیتلا پرشاد جی ڈسٹرکٹ اسکاؤٹ کمشنر کے چارج میں سیوک منڈل کیمپ میں رہا۔ یہاں پر اسکاؤٹ آرگنائزروں نے گرام سدھار نمائش کو کامیاب بنانے میں کافی کام کیا۔ اور میلے میں اپنا ہر فرض بخیر و خوبی انجام دیا۔ اسکاؤٹ کمشنر صاحب کی رپورٹ ہے کہ ان کا استقلال اور کام قابل تعریف رہا۔ جس ذمہ داری کی جگہ پر وہ دوسرے اسکاؤٹوں کو بھیجنے میں ہچکتے تھے اُن جگہوں پر آرگنائزر اسکاؤٹوں نے قابل تعریف کام کیا۔ چنانچہ اُنھوں نے کئی چور گرفتار کئے جو نہاتے وقت گھاٹ پر سے عورتوں کے کپڑے لیکر بھاگ رہے تھے کتنے ہی چھوٹے چھوٹے بچوں کو جو اپنے والدین سے بچھڑ گئے تھے انھیں ان کے والدین کے پاس پہنچایا وغیرہ وغیرہ۔

میلے میں آنریبل کاٹجو صاحب وزیر گرام سدھار تشریف لائے جن کو کلاس نے اسکاؤٹ وردی میں گارڈ آف آنر دیا۔ اور رات کو کیمپ فائر کے وقت صاحب وزیر نے کلاس کو اسکاؤٹ کے اصول و فرائض مانتے رہنے کی ہدایت کی اس کے بعد آرگنائزر اسکاؤٹ نے گرام سدھار سے متعلق کئی ڈرامے دکھائے جو حاضرین نے بہت پسند کئے۔ حاضرین کی تعداد ۳ ہزار سے کم نہیں۔ ڈراموں میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر مقدمہ بازی اور فضول رسموں میں فضول خرچی کے برے نتائج کی سچی تصویر کھینچی گئی

تھی جس کا حاضرین پر کافی اثر ہوا۔

ٹریننگ کلاس میں زراعت۔ مویشیوں کی پرورش۔ ان کا علاج، متعلق جماعتیں، دیہاتی مالیات، صحت وصفائی، تعلیم بالغان، جمہوری طرز حکومت وغیرہ موضوعوں کے علاوہ ہندوستانی سماجی، معاشرتی اور بین الاقوامی مسائل پر بھی کئی مقامی قابل ہستیوں کی تقریریں کرائی گئی ہیں۔ خلاً پنڈت شیو دیا لوجی، پنڈت وچتر نارائن سنٹرما گاندھی آشرم میرٹھ، بابو گوپی ناتھ سنہا ایڈوکیٹ وغیرہ جن کے ہم بہت ممنون ہیں کہ انھوں نے ہم اپنا قیمتی وقت دیکر فائدہ پہنچایا۔ مسٹر نیگی اسپشل فاریسٹ افیسر نے جنگلات کے فوائد پر کئی تقریریں کرکے گاؤں میں جنگلات کے فوائد اور جنگل لگانے کے طریقوں پر کافی روشنی ڈالی۔ وہ بھی ہمارے شکریے کے مستحق ہیں۔

ٹریننگ کا روزانہ کا کام بہت ہی باقاعدہ اور پابندی وقت کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔ روزانہ صبح ۶½ بجے سکاؤٹ کی وردی میں سب لوگ میدان میں جھنڈے کے نیچے بندے ماترم اور جھنڈے کی شان میں گانا گاتے ہیں۔ پھر مسٹر عالم سنگھ (گروپ لیڈر) سب کو آدھ گھنٹہ اسکاؤٹ قواعد کراتے ہیں۔

سب لوگ روزانہ حسب قاعدہ چرخا یا تکلی ½ ۲ گھنٹہ چلاتے ہیں اور بہت سے لوگوں نے ۶۰ نمبر تک کا سوت کاتنے کی مشق کرلی ہے۔ بہت سے قطعی ناواقف تھے انھوں نے بھی اس میں اطمینان بخش ترقی کرلی ہے۔ اور ہر ایک طالب علم نے اوسطاً ۳۰ تولہ سوت کات کر دیا ہے۔ (یعنی کل سوت تقریباً ۹۵۰ تولہ کاتا گیا) جس میں بارہ گز کے پانچ تھان کھدر کے تیار ہوئے ہیں۔ اسمیں ہمیں گاندھی آشرم میرٹھ سے کافی مدد ملی ہے جس کے لئے ہم آشرم کے شکر گزار ہیں۔ ۱۵ چرخے ہمیں آشرم ہی سے ملے تھے۔

سلائی کا کام بھی جاری کیا گیا تھا۔ کچھ لوگوں نے اس میں کافی مشق بھی کرلی تھی۔ لیکن ٹیلر ماسٹر کے بیمار ہوجانے سے ہمیں یہ کام مجبوراً بند کر دینا پڑا۔ بُنائی کا کام سکھلانے کے لئے یہاں کسی طرح کوئی جُلاہا نہ ملا۔ اور شری پنڈت وچتر نرائن شرما (سکریٹری گاندھی آشرم میرٹھ) نے جب اُن سے ایک جُلاہے کا انتظام کرنے کے لئے درخواست کی گئی تو اس اسکیم کو شروع نہ کرنے کی ہی رائے دی کیونکہ اتنی جلدی میں کوئی خاص واقفیت حاصل کرلینے کی اُمید نہیں تھی۔ اسلئے یہ کام یہاں شروع نہ کیا جا سکا۔ البتہ گاندھی آشرم میں جاکر سوت کا نمبر معلوم کرنا سوت کی رنگائی اور بنائی وغیرہ کا مطالعہ کلاس نے شروع کیا ہے۔ سوت کاتنے کے علاوہ سوت کا دُھننا بھی ہر طالب علم نے سیکھا ہے۔ دو دُھنکیاں ہر وقت چرخہ روم میں موجود رہتی ہیں اور سب کو تول کرکے روئی دی جاتی ہے۔ جسے خود دُھنکر یہ لوگ کاتتے ہیں۔

رات کے وقت ۸ بجے سے ۹ بجے تک تفریحی کلاس ہوتا ہے۔ جس میں مباحثہ دیہاتی بولی میں مختلف موضوع پر گفتگو، ڈرامے، مکالے، مناظے، مشاعرے اور اجتماعی و انفرادی گانے وغیرہ ایک ایک دن علیحدہ علیحدہ ہوا کرتے ہیں۔

گرام سدھار کے متعلق گاؤں میں سے جو کہ گاؤں کی زبان اور گاؤں کی طرز میں ایک آرگنائزر "پریمی جی" کے لکھے ہوئے ہیں دس بارہ منتخب گانے سب کو یاد کرائے گئے ہیں۔ جنھیں کبھی اجتماعی اور کبھی انفرادی طور پر گایا جاتا ہے۔

کلاس کے اخبار گھر میں، ہندوستان، ہندوستان ٹائمس، تیج، ہفتہ وار سنگھرش اور ارجن وغیرہ اخبار آرہے ہیں۔

کھیل کا بھی اچھا انتظام ہے۔ والی بال کے علاوہ دیسی کھیل، کبڈی، رسہ کشی، اور دوڑ و کود نے وغیرہ کا بھی انتظام ہے۔

کیمپ کا ہر کام بہت خوبصورتی کے ساتھ ہو رہا ہے۔

"کیا گاؤں میں لوٹ چلو" کا نعرہ غلط ہے؟

ہمارے ملک کے اُن پڑھے لکھے لوگوں کو جنھوں نے بڑی بڑی ڈگریاں حاصل کر لی ہیں پھر بھی بیکار ہیں، مہاتما گاندھی اور دوسرے بڑے بڑے لیڈروں نے گاؤں میں بسنے اور کھیتی کرنے کی صلاح دی ہے۔ ہمارے قابل عزت لیڈروں کا یہ خیال ہے کہ اگر پڑھے لکھے سمجھ دار لوگ گاؤں میں بسیں گے اور کھیتی کرینگے تو اُن کے رہنے سہنے کے طریقے کو دیکھکر کسان اپنی حالت درست کر سکیں گے اور بہت سی دقتیں دور ہو جائیں گی۔ لیکن ڈاکٹر میگھ ناتھ سہا جو ہمارے ملک کے بہت بڑے سائنس داں ہیں، اس خیال کو غلط بتاتے ہیں۔ پچھلے دنوں جب وہ شاعر رابندرناتھ کے شانتی نکیتن میں مہمان تھے تو انھوں نے ایک جلسہ میں کہا تھا کہ گاؤں میں لوٹ جانے سے، چرخہ چلانے اور گھریلو دھندے اختیار کر لینے سے ہماری مشکل حل نہیں ہو سکتی۔ ایک سائنس داں ہونے کی وجہ سے وہ عددوں میں سوچنے کے عادی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ اور ملکوں کے لوگوں کے کسی کام کے ساتھ پہلے کام کا مقابلہ کریں تو معلوم ہوگا کہ وہ ہم لوگوں کے مقابلے میں بیس گنا کام کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے قدرت کی طاقت کو جیت لیا ہے اور اپنے کاروبار میں اس سے مدد لی ہے۔ یہ بہت ہی افسوس کی بات ہے کہ ہندوستان میں قدرت کی طاقت کو جیتنے کا کام جیسا چاہئے ویسا نہیں کیا گیا۔ میں یہ کبھی نہیں چاہتا کہ گاؤں میں اچھی جگہوں کے لوگ رہیں۔ جب وہ گاؤں کو لوٹیں گے تو وہاں کے مسئلے کو اور پیچیدہ بنا دینگے۔ گاؤں والے اُن کا فائدہ نہ سمجھ سکیں گے۔

اصل میں اس مسئلے کا اور بیکاری کا حل نئے کام پیدا کرکے ہی کیا جا سکتا ہے۔ اگر ہم غیر ملکی حملوں سے بچنا چاہیں تو ہمیں اپنے کاروبار یورپ کے پیمانے پر چلانے ہوں گے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہندوستان ایک زراعتی ملک رہے گا، وہ سب سے بڑھ کر نقصان دہ بات کہتے ہیں۔ اس طریقے سے صرف کچھ سرمایہ داروں کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ جس طرح یورپ میں بڑے کاروبار حکومت کے ہاتھ میں ہیں اور نفع پر حکومت کا دارومدار رہتا ہے اسی طرح اگر ہمارے ملک میں بھی ہو تو اس کی فلاح ہو سکتی ہے۔

"ڈاکٹر سہا کی باتوں کا مطلب یہ ہے کہ کھیتی کا سارا کام مشینوں سے ہو اور بڑے پیمانے پر کھیتی کی جائے گھریلو صنعتوں کی جگہ بڑے بڑے کارخانے کھولے جائیں۔ یہ بھی ایک خواب ہے جسے کچھ لوگ دیکھ رہے ہیں۔ لیکن یہ تو گاؤں کو شہروں میں بدل دینا ہوا۔ اس وقت ہمارے سامنے جو سوال ہے وہ یہ نہیں کہ گاؤں کو شہروں میں بدل دیا جائے بلکہ سوال یہ ہے کہ گاؤں کی حالت درست کیجائے۔ پڑھے لکھے لوگوں کو گاؤں میں بسنے کے لئے جو ہمارے لیڈر کہتے ہیں اس کی وجہ یہ نہیں کہ گاؤں میں رہنے سے ان کی آمدنی بڑھ جائے۔ جن کے سامنے صرف آمدنی کا سوال ہے وہ تو شہر چھوڑیں ہی گے نہیں۔ اور نوکری کے ذریعہ یا اور جیسے بھی ہوگا اپنی آمدنی بڑھائیں گے۔ گاؤں میں بسنے کو تو صرف اُن لوگوں سے کہا جاتا ہے جو پڑھے لکھے ہیں، جو بیکار ہیں اور جن کے دلوں میں گاؤں والوں کی خدمت کرنے کا خیال ہے۔ وہ لوگ یوں بھی بیکار ہیں اور گاؤں میں پہنچنے پر، جہاں تک بیکاری کا سوال ہے اُس میں کچھ فرق ہی ہوگا۔

گاؤں والوں کی گری ہوئی حالت کو دیکھکر اُنھیں اپنی حالت پہ صبر ہوگا۔ اور وہ گاؤں والوں کی حالت درست کرنے میں لگ جائیں گے۔ اور جب وہ اس کام میں مخلوق کی خدمت کے ارادے سے لگیں گے تو وہ یہ بھول جائیں گے کہ اُن کو معقول آمدنی ہو رہی ہے یا نہیں۔ اُنھیں اس کام میں مزہ آئے گا اور اسی مزے کے لئے وہ اس کام کو کریں گے۔ ڈاکٹر سہا نے کہا ہے کہ ہمارے گاؤں رہنے والوں کے لئے اچھے نہیں ہیں، اسی لئے اس بات کی اور ضرورت ہے کہ وہ لوگ جو گاؤں میں بس کر اُسے اچھا اور مفید بنا سکتے ہیں وہ اُن میں بسیں۔ ڈاکٹر سہا نے دوسرے ملکوں کی سیر کی ہے۔ یورپ وغیرہ کی سیر کرتے وقت اُنھوں نے وہاں کے گاؤں بھی دیکھے ہوں گے۔ اُن ملکوں کے گاؤں میں رونق ہے اور وہ رونق صرف اس لئے ہے کہ پڑھے لکھے لوگ اپنا وقت اکثر گاؤں میں گذارتے ہیں اور گاؤں والوں کی حالت درست کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایک زمانہ تھا جب ہندوستان کے بڑے بڑے لوگ بھی گاؤں میں رہا کرتے تھے اور اس لئے گاؤں کی حالت اچھی تھی۔ اب تو معمولی زمیندار بھی شہروں میں اپنی کوٹھی کھڑی کرتا ہے اور اس طرح گاؤں ویران ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اگر پڑھے لکھے لوگ گاؤں کو اسی طرح چھوڑ دیں گے تو جو لوگ گاؤں میں رہتے ہیں اُن کی حالت کا درست ہونا مشکل ہو جائے گا۔

ہندوستان کے لئے موجودہ گاؤں کی حالت درست کرنے یا اُن کو شہر بنا دینے اور بڑے پیمانے پر کھیتی کرنے اور دوسری ترقی دینے میں کون سا طریقہ اچھا ہے، اس بحث سے الگ رہ کر، ہم تو صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس وقت ہمارے سامنے سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ گاؤں میں جو بیکاری۔ بیماری۔ جہالت اور ناسمجھی بھری ہوئی ہے وہ کیسے دور ہو؟ آگ لگنے پر سب سے پہلے بجھانے کی ترکیب سوچی جاتی ہے۔ لگی ہوئی آگ کو بجھانے کی کوئی ترکیب نہ کرنا اور دوسری باتوں میں پڑنا ایک فضول سی بات ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ڈاکٹر میگھ ناتھ سہا صاحب اور دوسرے پڑھے لکھے لوگ "گاؤں میں لوٹ جاؤ" کے نعرے پر اس نظر سے بھی غور کریں گے

ایک دردناک واقعہ

اخباروں میں ضلع گونڈہ کے ایک دردناک واقعہ کی خبر یوں شائع ہوئی ہے:-

گونڈہ ۱۳ جنوری۔ غریبی اور بھوک سے تنگ آکر ایک نیم برہنہ اور ادھیڑ عمر کے برہمن نے اپنے آپ کو کنڈوں سے ڈھک کر اس میں آگ لگالی گھنٹوں یہ آگ سُلگتی رہی اور وہ رفتہ رفتہ جلتا رہا لیکن اس نے آخیر وقت تک منہ سے آہ نہ نکالی اس کا پتہ لوگوں کو اس وقت لگا جب اس کا کام تمام ہو چکا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ غریب برہمن نے گاؤں کے باحیثیت لوگوں سے ہفتوں بھیک مانگی مگر کسی کو اس پر رحم نہ آیا (ایسوشیئیڈ پریس)

اخباروں میں شائع ہونے سے یہ خبر اخبار پڑھنے والوں کی نگاہ میں آگئی اور اُنھوں نے غریبی کے مارے ایک ہندوستانی کا یہ حال دیکھا گونڈہ ہی میں نہیں ہر ضلع اور ہر گاؤں میں ایسے لوگ موجود ہیں جو کنڈوں کی آگ میں نہ سہی بیکاری، بھوک اور غریبی کے باعث گھل گھل کر مر رہے ہیں کتنی ماؤں نے بھوک کی وجہ سے اپنے بھوکے بچوں سمیت کنوؤں میں گر کر جانیں دیں اور اخبار پڑھنے والوں کی نظر سے ایسی بھی خبریں گذری ہیں کہ ماں باپ نے بھوک کی بے چینی کے باعث اپنے بچوں کو قتل کر ڈالا اور خود بھی خودکشی کر لی۔ اگر ایسے لوگوں کا شمار کیا جائے جنھیں پیٹ بھر کھانا نہیں ملتا تو اُنکی ایک کافی تعداد ہوگی۔ دیہات کے لوگ آج کانگریس کو اُمید بھری نظروں سے دیکھ رہے ہیں اسکی یہی وجہ ہے کہ کانگریس نے انکی دردناک حالت کو سمجھنے اور سدھارنے کی کوشش کی ہے۔ گاؤں سے بیکاری اور غریبی دور کرنیکے سوال پر جماعتی حیثیت سے تو خیال ہی نہ ہونا چاہئے۔ سچ تو یہ ہے کہ ہر ایک انسان کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے مصیبت زدہ بھائی کو سہارا دے یہ واقعات اس بات کا ثبوت ہیں کہ دیہات والوں کی تکلیفیں اب ناقابل برداشت ہیں اور ملک کی بھلائی اسی میں ہے کہ سب سے پہلے ان کی حالت سدھاری جائے۔

یہ خوشی کی بات ہے کہ حکومت اور قومی کارکنوں کا دھیان بھولی ہوئی دیہاتی صنعتوں کی طرف گیا ہے بہت سی ایسی صنعتیں ہیں جو تھوڑی سی امداد یا اصلاح سے چل سکتی ہیں ان کی فوراً

شروعات ہونی چاہئے ابھی اس دن ہم نے اخباروں میں پڑھا تھا کہ صوبہ متحدہ کے گرام سدھار افسر صاحب نے سیلاب زدہ مقامات کو دیکھا اور جنکا سب کچھ برباد ہوگیا ہے انکی معاش کیلئے سوت کاتنے کا کام جاری کرایا ہے سوت کات کر کس طرح لوگ اپنے لئے روزی حاصل کرسکتے ہیں؟ اس کے متعلق ہم جناب افسر صاحب گرام سدھار کا ایک مضمون بھی بل کی اسی اشاعت میں دوسری جگہ شائع کر رہے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ ناظرین اس مضمون کا خاص طور سے مطالعہ کرینگے اور بیکاری کے خلاف حکومت کی اس کوشش میں پوری امداد دینگے۔

دراصل جیسا کہ گاندھی جی نے کہا ہے کہ "ہمارے ملک میں بہتوں کے لئے سوراج کے معنی صرف روٹی ہے" اور یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جسے ہمیں سب سے پہلے حل کرنا ہے ہماری باقی ترقی اسی مسئلہ کو حل ہونے پر منحصر ہے جب تک ہم گاؤں میں رہنے والے عوام کو بیکاری اور بھوک کے پہاڑ کے نیچے سے نہیں نکال لیتے تب تک ہم کسی قسم کی بھی ترقی نہیں کرسکتے۔ اور نہ دنیا میں وہ عزت ہی پا سکتے ہیں جس کے لئے ہم ہر قربانی کرنے کو تیار ہیں۔

آرگنائزنگ ٹریننگ کیمپ نینی

آرگنائزر ٹریننگ کیمپ نینی میں دوسرا جتھا اوپری تعلیم حاصل کر چکا۔ گذشتہ ۲۰ جنوری کو اس جتھے کے آرگنائزروں کو رخصت کیا گیا۔ الوداعی تقریر محترم بابو پرشوتم داس ٹنڈن نے کی۔ اپنی تقریر میں ٹنڈن جی موصوف نے گرام سیوکوں کو بڑے کام کی باتیں بتائیں آپ نے کہا "آپ لوگوں نے گرام سیوا کا جو جامہ پہنا ہے۔ آپ کو اس کی لاج رکھنی ہے" ان الفاظ کے ساتھ ٹنڈن جی نے اپنی تقریر شروع کی تھی اور جس کا گرام سیوکوں پر کافی اثر پڑا محترم ٹنڈن جی کی تقریر ہم دوسری جگہ شائع کر رہے ہیں۔

ہمیں امید ہے کہ دوسرے ٹریننگ کیمپ آرگنائزر بھی ٹنڈن جی کی تقریر کو غور سے پڑھیں گے۔ اور اپنے کام میں اس سے مدد لیں گے۔ ٹنڈن جی نے یہ بھی کہا ہے کہ گاؤں والے لکیر کے فقیر ہوگئے

آنریبل بابو پرشوتم داس ٹنڈن اسپیکر یو پی

ہیں۔ گاؤں کی ترقی اسی لئے اور بھی رکی ہوئی ہے۔ یہ زمانہ عقل سے کام لینے کا ہے۔ اگر گرام سیوکوں نے گاؤں والوں کے دل میں ہر بات پر عقل سے تول کر غور کرنیکی عادت سے پیدا کردی ہے تو یہ انکی بہت بڑی گرام سیوا ہوگی۔ ہم ٹنڈن جی موصوف کے اس خیال سے متفق ہیں۔ دنیا میں عقل بڑی ہے دنیا کی کتابیں یہاں تک کہ قرآن وید اور بائیبل سبھی عقل کے مقابلے میں چھوٹی ہیں" دراصل وہی ملک ترقی کرتے ہیں جو لکیر کے فقیر اور کتابوں کے غلام نہ رہ کر اپنی عقل پر بھروسہ رکھتے ہیں اور اس کے مطابق قدم بڑھاتے ہیں۔

گرام سیوکوں کو اس تین ماہ میں سوت کاتنا، دیہاتی اقتصادیات، جانوروں کی پرورش، صحت کی حفاظت وغیرہ کی تعلیم دی گئی۔ امید کی جاتی ہے کہ اس تعلیم سے وہ اور بھی زیادہ قابلیت کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیں گے۔

کوٹ دوار میں گرام سدھار نمائش

شری۔ ڈی۔ ایس۔ راوت، بھا بر۔ سکریٹری گڈھوال گرام سدھا نمائش کوٹ دوار لکھتے ہیں:۔

"تاریخ ۱۰ فروری سے ۱۵ فروری تک کوٹ دوار میں گڈھوال گرام سدھار سبھا کی طرف سے ایک زرعی وصنعتی نمائش ہوگی۔ اس نمائش میں سب سے عمدہ اناج، پھل پھول، ساگ سبزی اور ہاتھ سے بنی ہوئی چیزوں کے نمونے دکھلائے جائیں گے۔ جو بہترین نمونہ لائیں گے انھیں انعام بھی دیا جائیگا۔ گائے، بیل، بھیڑ، بکری اور مرغی کی بھی نمائش ہوگی۔ اس کے علاوہ پھل دار درخت لگانا، قلم لگانا، کھاد بنانا اور شہد کی مکھی پالنے کا طریقہ بھی بتلایا جائیگا۔ اور گاؤں والوں کی بھلائی سے تعلق رکھنے والی تقریریں بھی ہونگی۔ دوکانیں ایک روپیہ سے لیکر پانچ روپیہ تک دی جائیں گی۔ زراعت اور گھریلو صنعتوں سے دلچسپی رکھنے والے سبھی کسان بھائیوں کو اس نمائش میں دلچسپی لینی چاہئے۔ جو اس میں پہنچ سکیں انھیں اس میں پہنچنا چاہئے اور جو اپنی چیزیں بھیج سکیں انھیں اپنی چیزیں بھیجنی چاہئیں۔

یوپی کوآپریٹو کانفرنس

مسٹر ایس۔ پی اینڈ روز دوبے آنریری سکریٹری یوپی کوآپریٹو کانفرنس مطلع کرتے ہیں کہ:۔

"یوپی کوآپریٹو کانفرنس کا بائیسواں اجلاس ۱۸-۱۹ فروری ۱۹۳۸ء کو بجنور میں منعقد ہوگا۔ برار کے دیوان بہادر کے۔ پی۔ برہم سی۔ آئی۔ ای، ایم۔ بی۔ ای۔ اس کی صدارت فرمائیں گے اور آنریبل ڈاکٹر کیلاش ناتھ کاٹجو منسٹر آف جسٹس اور ڈیویلپمنٹ نے مہربانی فرماکر اس کا افتتاح فرمانا منظور کرلیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ایک صنعتی وزراعتی نمائش بھی ہوگی"

ہم اس کانفرنس کی کامیابی کے لئے دُعاگو ہیں۔

یوم خواندگی

ہمارے صوبے کے وزیر تعلیم آنریبل بابو سمپورنانند جی صوبہ میں اشاعت تعلیم کے لئے بہت متفکر ہیں۔ اسکول جانے کی عمر کے لڑکوں لڑکیوں کو ہی نہیں بلکہ بالغ مرد عورتوں کو بھی تعلیم یافتہ بنانا چاہتے ہیں۔ ان کی اس کوشش کا یہ ثمرہ ہے کہ گذشتہ ۱۵ جنوری کو ہمارے صوبے میں یوم خواندگی منایا گیا۔ اس موقع پر ہمارے صوبے کے گورنر، کانگریس اور دوسری جماعتوں کے لیڈروں نے جو پیغام دئے ہیں انھیں ہم دوسری جگہ شائع کر رہے ہیں۔

آنریبل بابو سمپورنانند جی وزیر تعلیم یو۔ پی

جہاں تک خواندگی کا سوال ہے وہاں تک ہمارے صوبے میں قطعی اختلاف رائے نہیں ہے۔ ہر جماعت اور ہر طبقے کے لوگ یہ چاہتے ہیں کہ صوبے کے سب باشندے خواندہ ہوجائیں۔ یہ بات ان پیغاموں سے صاف ظاہر ہے۔ ایجوکیشن ایکسٹینشن افیسر پنڈت شری نارائن چترویدی کی مندرجہ ذیل رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے۔

ممالک متحدہ کے محکمہ توسیع تعلیم نے ۹۰۰ اسکول بالغوں کے لئے کھولے ہیں اور ۷۸۰ گشتی کتب خانے جاری کئے ہیں جن میں سے ہر ایک کتب خانے کی پانچ پانچ شاخیں قائم کی گئی ہیں اور اس میں ۳۰۰ کتابیں ہندی اور اُردو کی مہیا کی گئی ہیں۔ ۲۶۰۰ دارالمطالعے کھولے ہیں جن میں سے ہر ایک کو ایک ہندی اور اُردو کا رسالہ اور دو دو ہفتہ وار اخبار دئے جاتے ہیں۔ ان سے ہمارے صوبے کے ہر حصّہ کے لوگ تبت اور نیپال کی سرحد سے لیکر پنجاب، راجپوتانہ، ممالک متوسط، وسط ہند اور بہار کی سرحد تک مستفید ہوئے ہیں۔ ان کا استعمال مفت کیا جا سکتا ہے۔ ان اسکولوں کے لئے چند خاص کتابیں تیار کی گئی ہیں جو طالبعلموں کو بلاقیمت دی جائیں گی۔ جو مدرس اپنی مرضی سے ایک ناخواندہ بالغ کو خواندہ بنادیں گے ان کو روپیہ لٹریسی اسکیم کے مطابق ایک روپیہ انعام دیا جائیگا۔ آپ کم ازکم اتنا تو کرہی سکتے ہیں کہ لوگوں کو ان سے مستفید ہونے کے لئے راغب کریں۔

یوم خواندگی کے سلسلے میں لوگوں سے عہد نامے پر دستخط بھی کرائے گئے ہیں۔ جنھوں نے اس عہدنامے پر دستخط کئے ہیں کم ازکم ایک جاہل آدمی کو ضرور پڑھائیں گے جو خود وقت نہیں نکال سکتے وہ اسکے لئے ۲ روپیہ جمع کر سکتے ہیں تاکہ ان کی طرف سے کوئی دوسرا آدمی یہ کام کر دے۔

ہمارے صوبے میں خواندوں کی تعداد صرف ۶ فیصدی ہے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ عام لوگوں کو تعلیم یافتہ بنانے کا کام کتنا بڑا ہے اور یہ بھی صاف ظاہر ہے کہ صرف حکومت اس میں اُسی وقت کامیاب ہوسکتی ہے جب اُسے عوام کی پوری ہمدردی اور امداد حاصل ہو۔

مہاتما گاندھی کا یہ کہنا ہے کہ "صوبجاتی حکومت کی جو نئی ذمہ داری ہمارے ہاتھ میں آئی ہے اُسے ہم پوری طرح اسی وقت پورا کر سکتے ہیں جب ہم اپنی ساری پبلک کو یا کم ازکم ان لوگوں کو جنھیں حق رائے دہندگی حاصل ہوا ہے خواندہ اور تعلیمیافتہ بنادیں۔"

ہمیں اُمید ہے کہ ہمارے صوبے کے تعلیم یافتہ بھائی گاندھی جی اس بات پر غور کریں گے۔ اور ناخواندگی دور کرنے کی مہم میں جی جان سے لگ جائیں گے۔

نئی تعلیم

وردھا سے نئی تعلیم نامی ایک نیا اخبار ہندوستانی زبان میں پہلی جنوری سے شائع ہونے لگا ہے۔ یہ اخبار مہاتما گاندھی کی واردھا تعلیمی اسکیم کے مطابق جو نئی تعلیم دی جائے گی اس کی رہنمائی کے لئے نکالا گیا ہے۔ پہلے نمبر میں گاندھی جی کا حسب ذیل پیغام شائع ہوا ہے۔

نئی تعلیم کا نیا پن سمجھنا ضروری ہے۔ پُرانی تعلیم میں جتنا اچھا ہے وہ نئی تعلیم میں رہے گا لیکن اُس میں نیا پن کافی ہوگا۔ نئی تعلیم اگر سچ مچ نئی ہوگی تو اُس کا نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ ہمارے اندر مایوسی ہے اُس کی جگہ اُمید ہوگی، مفلسی کی جگہ روٹی کا سامان تیار ہوگا۔ بیکاری کی جگہ دھندا ہوگا جھگڑوں کی جگہ اتحاد ہوگا۔ اور ہمارے لڑکے لڑکیاں لکھنا پڑھنا جانیں گے اور ساتھ ساتھ ہنر بھی جانیں گے جس کی معرفت وہ تعلیم حاصل کرسکیں گے۔

اخبار کی مدیرہ شریمتی آشا دیوی نے اپنے عرض حال میں لکھا ہے:- "ہم نے اس کا نام نئی تعلیم رکھا ہے۔ یوں تو یہ ایک چھوٹا اخبار ہے مگر اس کے مقاصد بڑے ہیں اس کے ان مقاصد کے وصول کے لئے ہم اُن سب ساتھیوں سے امداد کی توقع رکھتے ہیں جو میدان تعلیم میں کسی نئے راستے کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں۔ یا جو تعلیم کے لئے نئے تجربے کر رہے ہیں۔ اور ہندوستان کے دیہاتی لڑکے اور لڑکیوں کی ذہنی ترقی کو ہی جنھوں نے اپنی زندگی کا حاصل بنا رکھا ہے۔

دراصل ایسے اخبار کی بڑی ضرورت تھی۔ ہم دل سے اس کا خیر مقدم کرتے ہیں اور اس کی کامیابی کے متمنی ہیں۔

مہاتما گاندھی

حق آراضی بل

حق آراضی بل کی قریب قریب ۱۰۰ دفعات پاس ہو چکی ہیں لیکن اس کا بہت بڑا حصہ ابھی پاس ہونے کو باقی ہے۔ مناسب تو یہ تھا کہ سب جماعتوں کے لوگ مل کر اس قانون کو جلد از جلد پاس کر دیتے تاکہ کسانوں کو کچھ آرام ملتا۔ اس بل میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے زمینداروں کو کسی قسم کا نقصان پہنچے۔ اس سے صرف کسانوں کو کچھ آسانیاں حاصل ہو جائیں گی۔ جو انھیں بہت پہلے حاصل ہو جانی چاہئیں تھیں اور جو ساری دُنیا کے کسانوں کو حاصل ہیں۔ سچ سچ یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ جن زمینداروں کو ساری آسانیاں فراہم ہونے کے باعث ملک کی تعمیر میں سب سے پہلے آگے آنا چاہئے تھا وہ اس معمولی سدھار میں بھی اڑنگے لگا رہے ہیں۔ کانگریسی حکومت اس بل کو جس مستقل مزاجی کے ساتھ پاس کرانے میں لگی ہے اسے دیکھکر معمولی عقل کے زمینداروں کو بھی یہ سمجھ لینا چاہئے تھا کہ مخالفت کرنے سے صرف بدنامی ہی اُن کے ہاتھ آئیگی۔ ان صوبوں کے وزیر اعظم جناب گوبند ولبھ پنت نے حق آراضی بل کا ذکر کرتے ہوئے بغیر کسی جھجھک کے آگرہ میں صاف کہدیا تھا کہ ”یہ قانون جلد ہی نافذ ہوگا۔ کسان ملک کی ریڑھ ہیں اور انھیں آرام پہنچانا کانگریسی حکومت کا پہلا فرض ہے ہم نے اس بل میں زمینداروں کو زیادہ سے زیادہ آسانیاں دی ہیں اب ہم اس سے آگے کچھ نہیں دیسکتے۔ چند زمینداروں کی خود غرضی کی قربانگاہ پر ہم کروڑوں کسانوں کو قربان نہیں کر سکتے۔ کچھ زمینداروں کی طرف سے کسانوں کو یہ دھمکی دیجا رہی ہے کہ وہ اس قانون کی مخالفت میں جان کی بازی لگادیں گے اور جیل بھر دیں گے میں انھیں متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ اگر انھوں نے مخالفت کی تو اُن کی یہ حرکت ہی اُنھیں تباہ کر دیگی۔ چور اور ڈاکوؤں کے لئے جس طرح قید خانے تیار رہیں اُسی طرح اُن کے لئے بھی جیل خانے تیار رہیں“۔

اس سے زمینداروں کی آنکھیں کھل جانی چاہئے تھیں۔ ملک کے مفاد کے سامنے طبقے کا مفاد کوئی چیز نہیں ہے۔ اگر ایک طبقے کے کچھ ایثار سے بھی سارے ملک کی بھلائی ہوتی ہے تو اس طبقے کو بخوشی یہ ایثار کرنا چاہئے۔ ہمیں اُمید ہے کہ ہمارے زمیندار بھائی اس بل کو دیہاتی ترقی کا ایک خاص جز سمجھ کر اپنی مخالفت ختم کر دیں گے۔ اور اپنی فراخدلی کا ثبوت دیں گے۔ ہندوستان میں ایسی ایسی ہستیاں پیدا ہوئی ہیں جنھوں نے عوام کی بھلائی کے لئے تاج و تخت تک قربان کر دیا ہے۔ حق آراضی بل کے پاس ہونے میں اگر زمیندار کوئی ایثار بھی کریں تو وہ بہت معمولی ایثار ہے اور انھیں بخوشی کرنا چاہئے۔

گرام سُدھار قانون

بجنور کے جلسے میں تقریر کرتے ہوئے محترم جناب ڈاکٹر کیلاش ناتھ کاٹجو نے گرام سدھار قانون کی طرف اشارہ کیا۔ اسکے متعلق ایک ”بل“ تیار ہو چکا ہے اور ”ٹننسی بل“ کے بعد ہی صوبے کی اسمبلی میں پیش ہوگا۔ اگر یہ قانون بن جائے گا تو گرام سُدھار میں بہت سی سہولتیں پیدا ہو جائیں گی۔ پنچایت گھر کے لئے زمین حاصل کرنے، راستوں کو چوڑا کرنے اور زمین کا دوبارہ بٹوارہ کرنے میں دقت نہ ہو گی۔

ڈاکٹر صاحب کے لفظوں میں گرام سدھار کا مقصد یہ ہے کہ پیداوار بڑھائی جائے۔ کسانوں کو بونے کے لئے اچھے بیج مل سکیں۔ کھیتوں میں نئے طریقے کام میں لائے جائیں اور مرے ہوئے مفید دھندوں کو پھر سے زندہ کیا جائے اور گاؤں والوں کو ایسے دھندے سکھائے جائیں جن سے اُن کی آمدنی بڑھ سکے۔ حقیقت میں یہی گرام سدھار ہے۔

اگر ان چیزوں تک پہنچنے میں کسانوں کو قانون کا بھی سہارا مل جائے گا تو پھر اُسے پیروں پر کھڑے ہونے میں دیر نہ ہوگا۔

جب ڈاکٹر کاٹجو جیسے لگن کے سچے منسٹر کی نگرانی میں یہ کام ہو رہا ہے تو ہم کو اس کی کامیابی میں ذرا بھی شبہہ نہیں کرنا چاہئے۔

اُردو مطبوعات انڈین پریس لمیٹڈ ۔ الہ آباد

ضروری ہدایات (۱) صاحب فرمائش کو اپنا نام اور پتہ خوش خط اور مفصل لکھنا چاہئے (۲) جو کتابیں کسی فرمائش کی بنا پر روانہ ہوں گی وہ کسی صورت میں واپس نہ ہوسکیں گی۔ (۳) بعض کتابیں بہت کم تعداد میں باقی رہ گئی ہیں۔ اسلئے اگر فرمائش میں دیر کی گئی اور وہ کتابیں ختم ہوگئیں تو اُنکا مہیا کرنا مشکل ہوگا۔ (۴) کتابیں منگاکر اُن کو بمد انکاری واپس کردینا ایک قسم کا دھوکا دہی کا جرم ہے۔ اگر کسی وجہ سے مجبوراً ایسا کرنا پڑے تو صرفہ روانگی بھیجدینا چاہئے۔ (۵) چھوٹی قیمت کی فرمائشوں کی تعمیل کرنے میں ہمیں کچھ عذر نہیں مگر مناسب یہ ہے کہ اگر فرمائش ایک روپیہ سے کم کی ہے تو قیمت نقد بھیجدی جائے (۶) اگر آٹھ روز تک آپ کی فرمائش کا جواب نہ ملے تو خیال کرلینا چاہئے کہ ہمیں آپ کا آرڈر نہیں ملا۔ (۷) صرفہ روانگی (پیکنگ و محصول ڈاک وغیرہ) ذمہ خریداران ہوگا (۸) جملہ فرمائشات پتہ ذیل پر روانہ کی جائیں

منیجر صاحب بکڈپو، انڈین پریس لمیٹڈ ۔ الہ آباد

رُوح انیس مرحوم

فردوسی ہند میر انیس اعلی اللہ مقامہ کے بہترین مرثیوں، سلاموں اور رباعیوں کا مجموعہ۔ ملک کو سیّد مسعود حسن صاحب رضوی ادیب ایم اے (صدر شعبۂ فارسی و اُردو، لکھنؤ یونیورسٹی) کا شکرگزار ہونا چاہئے کہ انھوں نے متعدد قلمی نسخوں کے مقابلہ کے بعد اس مجموعہ کو مرتب فرمایا ہے۔ شروع میں ۴۰ صفحات کا مقدمہ ہے جس میں میر انیس مرحوم کے حالات زندگی اور کلام پر مختصر تبصرہ کے علاوہ حضرت امام حسین علیہ الصلاۃ والسلام کی شہادت کا مختصر بیان، مرثیہ اور اختصاص مرثیہ کے تحت میں نہایت ضروری اور قابل قدر معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں۔ آخر میں ۷۰ صفحات میں ضروری فرہنگ اور توضیحی حواشی ہیں۔

کتاب کا یہ حصہ اور بھی زیادہ ضروری ہے۔ شروع میں میر انیس مرحوم کی سہ رنگی تصویر ہے علاوہ ازیں جناب انیس مرحوم کی تحریر، مکان، مدفن اور ایک مجلس کی تصویر دی گئی ہے۔ جلد پر کربلائے معلیٰ کا سنہرا نقشہ ہے۔ دیدہ زیب طباعت، خوبصورت جلد ۳۶۸ صفحات تقطیع کلاں۔ قیمت تین روپئے۔

جذبات بسمل

منشی سکھ دیو پرشاد صاحب سنہا بسمل (الہ آبادی) کا مجموعہ کلام "کتاب کا نام جذبات بسمل بہت موزوں ہے کیونکہ جذبات ہی مصنّف کے کلام کا بہترین امتیاز ہیں۔ زبان کی سادگی اور سلاست ان کے کلام کی دوسری خصوصیت ہے اور کیوں نہ ہو، فن شاعری میں آپ ناخدائے سخن حضرت نوح ناروی مدظلہ کے شاگرد ہیں جو فصیح الملک حضرت داغ دہلوی مرحوم کے بلند پایہ تلامذہ میں ہیں"

جناب بسمل زمانہ حال کے مقبول شعرا میں شمار کئے جاتے ہیں۔ زبان کی سادگی کیوجہ سے اُن کا کلام بہت پسند کیا جاتا ہے۔ آجکل جتنے اچھے اُردو رسالے چھپتے ہیں وقتاً فوقتاً بسمل صاحب کے کلام سے مزین ہوتے ہیں۔ شروع کتاب میں آنریبل جسٹس سر عبدالقادر، جج ہائی کورٹ لاہور نے مقدمہ تحریر فرمایا ہے۔ ۲۱ تصویروں سے "جذبات بسمل" مزین ہے جس میں زیادہ سہ رنگی تصاویر ہیں اور بعض ہندوستانی فن تصویر کا بہترین نمونہ ہیں۔ لکھائی چھپائی کے متعلق صرف اتنا بتادینا کافی ہے کہ ایسی نفاست و خوشنمائی سے کوئی کتاب اُردو زبان کی آج تک شایع نہیں ہوئی کوئی کتب خانہ اس کتاب سے خالی نہ ہونا چاہئے۔ قیمت ساڑھے چار روپیہ۔

پیام رُوح

یعنی مجموعہ کلام مسٹر حامد اللہ افسر۔ بی اے "مع تقریب"

از آنریبل سر شاہ محمد سلیمان صاحب ایم۔ اے ایل ایل۔ ڈی چیف جسٹس الہ آباد ہائی کورٹ و "مقدمہ" از میاں بشیر احمد صاحب بی۔ اے (آکسن) بیرسٹر ایڈیٹر رسالہ "ہمایوں" لاہور۔

میرے خیال میں ظاہری صورت اور باطنی خوبیوں کے لحاظ سے یہ مجموعہ اس قابل ہے کہ اُسے زبان اُردو کی بہترین اور پائدار تصنیفات کے ساتھ جگہ دی جائے اس ظاہری و معنوی محاسن پر میں لایق شاعر کو ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں۔ اور اُمید کرتا ہوں کہ پبلک انھیں وہ داد دے گی جس کے وہ مستحق ہیں"۔ (میاں بشیر احمد بی۔ اے (آکسن) بیرسٹر، ایڈیٹر "ہمایوں" لاہور۔)

"افسر کا نام اور کلام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ اُن کی شہرت خود ان کی مقبولیت کا ثبوت ہے۔ پیام رُوح ان کی تمام نظموں اور غزلوں کا مجموعہ ہے اس کی اشاعت سے شاعری میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوگا"۔

(آنریبل سر شاہ محمد سلیمان صاحب ایم۔ اے ایل ایل ڈی۔ چیف جسٹس ہائی کورٹ الہ آباد۔)

کاغذ دبیز لکھائی چھپائی دیدہ زیب۔ چھ ہاف ٹون تصویریں جن میں تین سہ رنگی ہیں ہر مجموعہ سے کتب خانہ خالی نہ رہنا چاہیئے۔ قیمت صرف تین روپیہ۔

صبح وطن و مضامین چک بست

صبح وطن۔ یعنی مجموعۂ نظم پنڈت برج نرائن چکبست لکھنوی (مرحوم) "چک بست کی شاعری کی تحریک کا باعث کبھی تو حب وطن کا جوش ہوتا ہے۔ اور کبھی کوئی گزشتہ یا حال کا تاریخی واقعہ۔ اُن کے طائر خیال کو پرواز میں لاتا ہے۔ کبھی قدرت کے نظاروں یا مذہبی رازوں کے انکشاف سے وہ اپنی نظموں کو آراستہ کرنے میں مدد لیتے ہیں اور کبھی انسانی جذبات اور احساس کی سچی تصویریں کھینچ کر عبرت کا سبق دیتے ہیں۔ قومیت کا خیال ان کی شاعری کی ساخت کا جزو اعظم ہے۔ برج نرائن چکبست دور جدید کے صرف ترجمان ہی نہیں بلکہ اس دور کے نمائندوں میں ان کا پایا بہت بلند ہے جس قدر زمانہ گذرتا جائے گا اور اُردو شاعری مصنوعی قیود سے آزاد ہوتی جائیگی نیز آزادی کی ہوا میں اس کو نشو و نما پانے کا موقع ملے گا اسی قدر برج نرائن چکبست کی شہرت بتدریج بڑھتی جائے گی اور آیندہ نسلیں اس امر کو تسلیم کریں گی کہ وہ دور جدید کے رہنماؤں میں سے ہیں۔

(سر تیج بہادر سپرو)

مضامین چکبست۔ پنڈت برج نرائن چکبست مرحوم بلند پایہ شاعر ہونے کے علاوہ بہترین مضمون نگار بھی تھے۔ انکی وفات کے بعد ان کے مضامین نثر کا مجموعہ بھی شائع کیا گیا ہے۔ اس مجموعہ میں سوانحی، تنقیدی، تاریخی، قومی وغیرہ مضامین ہیں، اور بہت خوب ہیں۔

صبح وطن۔ مجلد۔ قیمت دو روپئے۔

مضامین چکبست۔ حجم ۳۵۰ صفحات قیمت صرف عہ

یادگار نسیم

یعنی منشی دیاشنکر نسیم کی مشہور و معروف مثنوی "گلزار نسیم" و انتخاب "دیوان نسیم" مع حواشی و تبصرہ کلام مرتبہ مولوی اصغر حسین صاحب اصغر گونڈوی۔ آنریبل ڈاکٹر سر شاہ محمد سلیمان ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ ڈی، چیف جسٹس الہ آباد ہائی کورٹ تحریر فرماتے ہیں:۔

"یادگار نسیم جو مولوی اصغر صاحب نے تصحیح کے بعد شایع کی ہے مشہور و معروف شاعر نسیم کی مثنوی جسے انھوں نے مصلحتاً نامناسب اشعار کو حذف کرنے کے بعد شایع کیا ہے۔ غزلیات میں سے جن غزلوں کا انتخاب کیا ہے وہ شاعر موصوف کی بہترین غزلیں ہیں۔ . . . . حواشی کا بھی اضافہ کیا گیا ہے۔ . . . . اس کتاب کا مقدمہ بجائے خود ایک عالمانہ تصنیف ہے مجھے یقین کامل ہے کہ اس کتاب کی قدر کما حقہ ہوگی جو تو

نمایاں شان ہے" طباعت دیدہ زیب، خوشنما جلد. قیمت دو روپیے

کلام الملوک

یعنی شہزادگان دہلی کے کلام کا مجموعہ۔ ایک زمانہ میں
قلعہ دہلی زبان اُردو کا مرکز تھا۔ یہاں وہ لوگ جمع تھے جو
الفاظ کو بہت ہی صحت کے ساتھ بولتے اور بہت ہی اچھے
اور زور دار معنی میں استعمال کرتے تھے اور اُنھیں کی زبان آج
صحیح اور مستند سمجھی جاتی ہے۔ شہزادگان دہلی کا کلام بھی اس
لحاظ سے قابل قدر ہے۔ محاورات و اصطلاحات، روانی صحت
وزن، سلسلہ خیالات، بلند آوازی، نازک خیالی، جوش
بیان، نشست الفاظ، اور عمدہ بندش کے علاوہ زبان
صاف اور فصیح تکلف اور ابتذال نام کو نہیں۔ اگر زبان کا
خاص رنگ اور شاعری کی اصل حقیقت معلوم کرنا چاہتے
ہیں تو اس مجموعہ کو ضرور ملاحظہ فرمائیے قیمت دس آنہ

معراج سخن

جناب سید خورشید حسن صاحب عروج مرحوم المتخلص بہ
"دولھا صاحب" نبیرہ ناخدائے سخن میر انیس اعلی اللہ مقامہ
کے تین مرثیوں کا نادر مجموعہ میں حسب ذیل مراثی ہیں:۔

۱۔ ہے زیور عروس فصاحت سخن مرا - ۱۱۹ بند
۲۔ خلق میں خلقت آدم کا سبب کون ہوا - ۱۴۰ بند
۳۔ صبح عاشور محرم ہے قیامت کی سحر ۹۵ بند

اس کتاب پر ہندوستانی اکیڈیمی صوبجات متحدہ
قابل مصنف کو پانسو روپیہ انعام عطا فرمایا ہے۔ زبان کے
فدائیوں کے لئے نادر تحفہ ہے۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ۔

کہانی کیسے لکھنا چاہیئے؟

(مرتبہ و مولفہ منشی کنھیا لال صاحب ایم اے ایل ایل بی)
کہانی کیسے لکھنا چاہیئے؟ اس کتاب کا موضوع اس کے نام
ہی سے ظاہر ہے مختصر فسانوں کے باب میں ساری باتیں بہت
اچھی طرح سمجھائی گئی ہیں۔ مختصر ہونے کے باوجود جامع ہے۔
ایڈیٹروں، مضمون نگاروں، اور مبتدیوں کو ضرور مطالعہ
کرنا چاہیئے۔ قیمت آٹھ آنہ۔

بہترین ناول و افسانے

فردوس خیال

منشی پریم چند کے گیارہ افسانوں کا مجموعہ۔ منشی پریم چند
کے افسانے ہمیشہ اصلاح اخلاق و معاشرت پر مبنی ہوتے
ہیں، اور ان کا مقصد شریفانہ جذبات مثلاً غیرت، حیا
خوف خدا، شجاعت اور آزادی ضمیر وغیرہ کا برانگیختہ کرنا
ہوتا ہے۔ غیر ممکن ہے کہ کوئی سمجھدار منشی صاحب موصوف کی
تصنیف پڑھے اور آپ کی جادو بیانی اور سحر نگاری کا قائل
نہ ہو جائے اگر آپ نے اب تک اس مجموعہ کو ملاحظہ نہیں
فرمایا تو آج ہی طلب فرمائے۔ سرورق پر تین رنگ کی نہایت
خوبصورت تصویر ہے۔ ۲،۳ صفحہ کی کتاب ہے او۔ قیمت
صرف ایک روپیہ۔

جلوۂ ایثار

بالاجی کے قومی کارناموں سے ہندوستان کا بچہ بچہ
واقف ہے۔ "جلوۂ ایثار" میں اُن حالات اور واقعات کو
کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جو اس کارنامے
کے متحرک ہوئے تھے۔ حالات اور واقعات دلچسپ و دلکش
ہونے کے علاوہ جذب، قومی وجودت روحانی سے معمور ہیں۔
اس پر منشی پریم چند صاحب کی جادو نگاری! سونے پر سہاگا
ہے واقعی قابل مطالعہ ناول ہے۔ ۲۳۲ صفحات کی کتاب
اور قیمت صرف بارہ آنہ۔

ڈالی کا جوگ

(اور دوسرے افسانے) مسٹر حامد اللہ افسر (میرٹھی) کے گیارہ فسانوں کا مجموعہ۔ یہ تمام فسانے مختلف اوقات میں بعض اُردو جرائد میں شایع ہو کر خلعت قبولیت حاصل کر چکے ہیں۔ ان میں سے بعض اس قدر مقبول ہو گئے ہیں کہ انگریزی، ہندی، اور گجراتی میں بھی ترجمے ہوئے فوٹو بلاک کی چند تصویریں بھی شامل ہیں۔ قیمت ایک روپیہ۔

شاما

معنفہ پنڈت کشن پرشاد صاحب کول، ممبر سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی لکھنؤ)

یہ ایک دکھیاری کی درد بھری داستان ہے۔ اقبال کا یہ شعر اس پر صادق ہے۔

محبت کے شرر سے دل سراپا نور ہوتا ہے
ذرا سے بیج سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے

سرورق پر سہ رنگی تصویر اور کتاب کے شروع میں بھی ایک تصویر (فوٹو بلاک) لگائی گئی ہے۔

قیمت ڈیڑھ روپیہ

سادھو اور بیسوا

یعنی دو حرماں نصیبوں کی کایا پلٹ۔ ایک جگ بیتی کہانی مُصنفہ پنڈت کشن پرشاد صاحب کول، ممبر سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی لکھنؤ۔ فرانسیسی اناطول فرانس کے ایک تاریخی ناول "تائیس" کو پڑھنے کے بعد اس کی تصنیف کا خیال پیدا ہوا۔ "سادھو اور بیسوا" میں اُسی خیال کی پیروی اور اسی تصور کے تائید کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو "تائیس" کا امتیازی جوہر ہے۔ اس کے باوجود نہ یہ اُس کا ترجمہ ہے نہ خلاصہ۔ نہایت دلچسپ ناول ہے۔ سرورق پر سہ رنگی تصویر ہے۔ قیمت بارہ آنے۔

"انور"

"شمیم" کے مشہور و معروف مُصنف مسٹر فیاض علی ایڈوکیٹ فیض آباد کا دوسرا بے نظیر۔ دلپذیر۔ انقلاب انگیز شاہکار۔ اور .... زبان اُردو کا بہترین ناول ..... ۵۰۰ صفحے۔ کاغذ۔ کتابت۔ طباعت نہایت عمدہ جلد۔ جلد نفیس۔ ۶ عدد تصویریں بہت ہی دلکش اور خوبصورت ...... قیمت ۴ؔ

گھر بیٹھے دنیا کی سیر

کرنے والوں کو "تحفہ سیریز" کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے! اس سلسلہ کی ایک ایک کتاب ایک ایک ملک کے متعلق ہے ملک کی مفید اور کارآمد معلومات ہر کتاب میں بہم پہنچائی گئی ہیں۔ کوئی ضروری بات نظر انداز نہیں کی گئی۔ کتابوں کو زیادہ مفید اور دلچسپ بنانے کے لئے مکالمہ کا طرز اختیار کیا گیا ہے جسکے باعث نوعمر لڑکوں اور لڑکیوں کو ان کے مضامین پر بہت جلد عبور ہو جاتا ہے۔

مندرجہ ذیل کتابیں تیار ہیں۔

(۱) تحفہ جاپان (۲) تحفۂ چین
(۳) تحفۂ مصر و حبش (۴) تحفۂ لندن
(۵) تحفۂ فرانس (۶) تحفۂ جرمنی
(۷) تحفۂ آسٹریلیا (۸) تحفۂ قطبین
(۹) تحفۂ امریکہ (۱۰) تحفۂ روس

ہر کتاب میں متعدد تصاویریں ہیں اور سرورق نہایت خوبصورت۔ قیمت ہر کتاب کی چھ آنے۔

آئی۔ سی۔ ایس

اُردو کے بہترین فسانہ نگار پروفیسر علی عباس حسینی ایم۔ اے مُصنف رفیق تنہائی، سرسید احمد پاشا، وغیرہ کے چودہ انقلاب انگیز افسانوں کا تازہ ترین مجلد دیدہ زیب مجموعہ

قیمت صرف عہ

خدمتِ خلق

(مرتبہ مولوی نیاز محمد خاں صاحب معلم نارمل اسکول الہ آباد) اس کتاب میں خدمت خلق کے عملی طریقے بتائے گئے ہیں جس سے دل پر پورا اثر ہوتا ہے۔ کتاب بہت اچھی، اور عجیب و غریب اخلاقی نکات و روحانی لطائف پر مشتمل ہے۔ حکومت صوبجات متحدہ نے اس کتاب پر مؤلف کو انعام بھی عطا فرمایا تھا۔ قیمت صرف بارہ آنہ

بچوں کی دلچسپی

کا لوگ بہت کم خیال کرتے ہیں، اور شاید یہی وجہ کہ اُردو زبان میں ایسی کتابیں بھی بہت کم ہیں جنھیں بچے دلچسپی اور شوق سے پڑھیں تاہم انڈین پریس لمیٹڈ الہ آباد نے چند کتب خاص طور پر بچوں کے لئے چھاپی ہیں۔ جن کو بچوں کی دلچسپی کا سامان کہا جا سکتا ہے۔

الف بے کا کھلونا

یہ پیاری کتاب ننھے منے بھائی بہنوں کے لئے ہے۔ کھیل ہی کھیل میں وہ حروف تہجی سے آشنا ہو جاتے ہیں۔ ہر حرف کے لئے ایک رنگین تصویر اور ایک شعر ہے۔ زیر، زبر، اور پیش وغیرہ کا بھی خیال رکھا گیا ہے چھپائی رنگین اور بہت صاف۔ ۳۲ عکسی تصویریں۔ اگر آپ کے یہاں کئی بچے ہوں تو متعدد نسخے طلب فرمائیے ورنہ بچے آپس میں لڑیں جھگڑیں گے۔ قیمت صرف تین آنے

انوکھی کہانیاں

یہ کتاب بہت پسند کی گئی ہے گیارہ نصیحت آموز کہانیاں اس میں درج ہیں۔ زبان بہت آسان۔ ممکن نہیں کہ کوئی بچہ اسکو ختم کئے بغیر چھوڑ دے۔ ہر کہانی کے ساتھ ایک تصویر ہے۔ خوبصورت کتاب ہے، بچے اس کو دیکھتے ہی مچل جاتے ہیں۔ سرورق پر تین رنگ کی تصویر ہے۔ قیمت ۴ر آنہ

مفید ایجادات کی کہانی

"یہ منشی پیارے لال صاحب شاکر (میرٹھی) کی قابل قدر تصنیف ہے۔ یہ کتاب اُردو میں اپنی وضع کی بالکل انوکھی تصنیف ہے اور مفید معلومات کے لحاظ سے اس قابل ہے کہ ہر شخص کے مطالعہ میں آئے۔ کاغذ، کتابت، طباعت اور سرورق بے انتہا نفیس ہے۔ اس قدر اچھے اہتمام سے بہت کم کتابیں اُردو میں چھپی ہیں۔ تشریح مطالب کے لئے جا بجا بے شمار تصاویر دی گئی ہیں۔"

قیمت علاوہ محصول ڈاک ۱۲ر

ایسپ کی کہانیاں

ایسپ ایک مشہور حکیم گزرا ہے جو مورخین کے بیان کے مطابق حضرت مسیح سے ۲۶۰ برس قبل پیدا ہوا تھا۔ حکیم ایسپ انسان کی پند و نصیحت کے لئے مختلف قسم کی فرضی حکایات اور کہانیاں بیان کیا کرتا تھا۔ انھیں کہانیوں کی وجہ سے دُنیا میں اس کا نام اب تک زندہ ہے۔ اس مجموعہ میں ایسپ کی تین سو کہانیاں یکجا شائع کی گئی ہیں۔ چھیاسی تصویریں بھی شامل کتاب ہیں جن کے باعث یہ مفید کتاب اور زیادہ دلچسپ ہوگئی ہے۔ لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے یہ ایک اچھا تحفہ ہے۔ کتاب مجلد ہے۔ قیمت دو روپئے۔

میرے وطن کی کہانی

تاریخ ہند کے کئی خاص اور روشن ابواب طلباء کو اسکولوں میں نہیں پڑھائے جاتے، حالانکہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے ان کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ اس کتاب میں بعض اسی قسم کے واقعات نوعمر لڑکوں اور لڑکیوں کے تفریحی مطالعہ کے لئے بیان کئے گئے ہیں۔ بیس ہاف ٹون عکسی تصویریں قیمت ۱ر

شیخ چلّی کی کہانیاں

شیخ چلّی کا نام آپ نے ضرور سنا ہوگا۔ یہ وہ جاوید ہستی

ہے جو ہر ملک اور ہر زمانہ میں ہمیشہ موجود رہی ہے۔ اس کتاب میں آپ ہی کے کارنامے درج ہیں جو گیارہ کہانیوں میں بیان کئے گئے ہیں۔ ہر کہانی اس قدر پرلطف ہے کہ انسان بھوک پیاس بھول جاتا ہے۔ پڑھتے جائیے اور ہنستے جائیے۔ لکھائی چھپائی ایسی عمدہ ہے کہ بچوں کو بطور انعام دی جاسکتی ہے۔ دو سو صفحات کی کتاب کی قیمت صرف دس آنے۔

داستان عجم

بچے بادشاہوں کے قصے بہت شوق سے پڑھتے ہیں لیکن جھوٹے بے اصل قصوں سے یہ بہتر ہے کہ انھیں بادشاہوں کے تاریخی قصے پڑھنے کو دیئے جائیں۔ اس مقصد کے لئے داستان عجم بہت اچھی کتاب ہے خلاق سخن فردوسی کے "شاہ نامہ" میں جن بادشاہوں اور بہادروں کے کارنامے بیان کئے گئے ہیں انھیں کو اس کتاب میں بچوں کے لئے بہت سلیس اور عام فہم عبارت میں لکھا گیا ہے۔ ضرور منگائیے۔ قیمت حصہ اوّل دس آنے حصہ دوم دس آنے۔

رابنسن کروسو

ایک نوعمر لڑکا گھر سے فرار ہو کر بحری سفر اختیار کرتا اور طرح طرح کی مصائب اٹھاتا ایک غیر آباد جزیرہ میں پہنچتا ہے اور وہیں پچیس برس تک مجبوراً وہیں رہتا ہے اتنی مدت اس نے کیونکر بسر کی؟ اور پھر یہاں سے کیسے نکلا؟ وغیرہ واقعات نہایت دلچسپ ہیں۔ اس کتاب کو نوعمر بچے بہت شوق اور دلچسپی سے پڑھتے ہیں۔ ہاف ٹون بلاک کی چھ تصویریں شامل کتاب ہیں جن میں ایک سہ رنگی ہے حجم ڈھائی سو صفحات سے زیادہ اور قیمت صرف بارہ آنے۔

لال کھنور

اس کتاب میں "بہرام" کو بالکل نئے لباس میں پیش کیا گیا ہے۔ اس کے جدید کارنامے اس قدر دلچسپ ہیں کہ کتاب شروع کرکے ختم کئے بغیر ہاتھ سے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے۔

کھیل تماشا

یہ کتاب کچھ نظم میں ہے اور کچھ نثر میں۔ اس میں چھوٹی چھوٹی نصیحت آموز حکایتیں اور چٹکلے ہیں۔ بچے اس کو بہت شوق سے پڑھتے ہیں، کیونکہ یہ انھیں کی زبان میں اور ان کے مذاق کے موافق لکھی گئی ہے۔ مضمون کی وضاحت کے لئے تصویریں بھی دی گئی ہیں۔ چھپائی رنگین اور صاف۔ قیمت ۳ آنہ۔

ہونہار لڑکا

(مؤلفہ شاکر میرٹھی)

یہ کتاب ایک غریب لڑکے کی سچی داستان پر مشتمل ہے جس نے اپنی بلند ہمتی اور نیک طبعی کے باعث بڑی عزت و شہرت حاصل کی۔ عبارت سلیس اور عام فہم۔ قصہ اتنا دلچسپ کہ بچے نہایت شوق سے پڑھتے ہیں۔ بچوں کی دلچسپی کے لئے کتاب کو تصاویر سے مزین کیا گیا ہے، اور سرورق پر تین رنگ کی تصویر ہے۔ قیمت صرف پانچ آنے۔

تالیفات مولوی ظفر عمر

بہرام کی گرفتاری

"نیلی چھتری" کے نامور مؤلف ظفر عمر صاحب بی، اے نے اس کتاب کے ہیرو "بہرام" کو اس عمدگی سے اردو پبلک سے روشناس کرایا ہے کہ لوگوں نے اپنے فسانوں میں اس کا چربہ اتارنے کی خوب خوب کوشش کی۔ مگر وہ بات کہاں؟ اصل ہے "بہرام کی گرفتاری" نہایت دلچسپ اور پسندیدہ ناول ہے۔ ضرور منگائیے۔ قیمت ایک روپیہ

چوروں کا کلب

اس کلب کے ممبر دنیا بھر کے لہو و لعب سے سیر ہو گئے ہیں اور معمولی مشاغل میں چنداں تفریح حاصل نہیں ہوتی۔ اور محض دل بہلانے اور چوری کے خطرات سے لطف اٹھانے کے لئے یہ کلب قائم کیا گیا ہے۔ یہ کتاب اس قدر دلچسپ ہے کہ تیسری بار شائع ہوئی ہے۔ قیمت ۹ آنے۔

منیجر بک ڈپو۔ انڈین پریس لمیٹڈ الہ آباد

ہل کے قواعد

۱۔ ہل' ہر ماہ میں ہندی اُردو دونوں زبانوں میں شائع ہوتا ہے۔

۲۔ محصول ڈاک سمیت اسکی سالانہ قیمت چار روپیہ آٹھ آنہ پیشگی ہے۔ ایک نمبر کی قیمت ۶ آنہ ہے۔ ہندوستان کے باہر سالانہ قیمت ۶ روپیہ ۱۲ آنہ ہے۔ برما کے لئے ۵ روپیہ آٹھ آنہ ہے۔

۳۔ جن صاحب کو کسی ماہ میں 'ہل' نہ ملے انھیں پہلے اپنے ڈاکخانہ میں دریافت کرنا چاہئے۔ پتہ نہ لگنے پر ڈاکخانہ کے جواب کے ساتھ ہمیں اگلے ماہ کی ۵ تاریخ تک لکھنا چاہئے۔

۴۔ خط لکھتے وقت نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہئے۔ ورنہ جواب ملنا مشکل ہوگا۔

۵۔ مضمون، تصویر، تبصرہ کے لئے کتابیں اور تبادلے کیلئے اخبارات وغیرہ بنام اڈیٹر 'ہل' انڈین پریس لمیٹڈ الٰہ آباد بھیجنا چاہئے۔

۶۔ 'ہل' میں صرف دیہاتوں کی دلچسپی اور گاؤں سے تعلق رکھنے والی چیزیں چھپتی ہیں اور اس کی زبان ہندوستانی یعنی آسان اُردو یا آسان ہندی ہے۔ 'ہل' کے لئے مضامین بھیجنے والوں کو اس بات کا ضرور خیال رکھنا چاہئے۔

۷۔ کسی مضمون یا نظم کے شائع کرنے یا نہ کرنے اور اُسے واپس کرنے یا نہ کرنے کا اختیار بھی اڈیٹر کو ہے۔ واپس شدہ مضامین کا ڈاک خرچ اور رجسٹری خرچ مضمون نگار کے ذمہ ہوگا۔ بغیر اس کے مضامین نہ واپس ہوں گے۔

۸۔ نامکمل مضامین نہیں شائع ہوتے۔ جگہ کے مطابق مضامین ایک یا زیادہ تعداد میں شائع ہوتے ہیں۔

۹۔ جن مضامین میں تصاویر ہوں گی اُن تصاویر کے ملنے کا جب تک مضمون نگار انتظام نہ کر دینگے تب تک وہ مضامین نہ شائع ہوں گے۔ اگر تصاویر حاصل کرنے میں خرچ ضروری ہوگا تو دیا جائے گا۔

ہل کی اُجرت اشتہارات

سرورق کا دوسرا صفحہ	۴۵	روپیہ	ماہوار
" " تیسرا صفحہ	۴۵	"	"
" " چوتھا صفحہ	۸۰	"	"
مضامین کے اختتام کے سامنے کا صفحہ	۳۵	"	"
" " " " کا ایک کالم	۱۸	"	"
سرورق کے دوسرے صفحہ کے سامنے والا صفحہ	۳۵	"	"
" " " " ایک کالم	۱۸	"	"
سرورق کے تیسرے صفحہ کے سامنے والا صفحہ	۳۵	"	"
" " " " ایک کالم	۱۸	"	"
رنگین تصویر کے سامنے والا صفحہ	۳۵	"	"
" " " ایک کالم	۱۸	"	"

عام اُجرت

ایک صفحہ یا دو کالم کی اُجرت	۳۰	روپیہ	ماہوار
½ " یا ۱ کالم " "	۱۶	"	"
¼ " یا ½ کالم " "	۹	"	"
⅛ " یا ¼ کالم	۵	"	"

۱۔ 'ہل' میں خرب اخلاق اشتہارات نہیں شائع ہوتے لہٰذا گندے اور عُریاں اشتہار نہ بھیجئے۔

۲۔ ایک کالم یا اس سے زیادہ اشتہار دینے والے کو 'ہل' بلاقیمت بھیجا جاتا ہے۔

۳۔ اُجرت اشتہارات جو اُوپر درج کی گئی ہے دکمل (Final) ہے۔ اِسکے لئے خط و کتابت کرنی بیکار ہے۔

۴۔ جتنے وقت کیلئے کنٹریکٹ کیا جائیگا اُسوقت تک اشتہار چھپانا ہوگا۔ اشتہار نہ چھپانے پر اُسکی قیمت ادا کرنی ہوگی۔

خط کتابت کا پتہ۔

منیجر ہل شعبہ اشتہار
انڈین پریس لمیٹڈ۔ الٰہ آباد

Regd. No. A-3285

سہالی تمغے کی تمازی

دھنپت رائے - منترا پرنٹر اینڈ پبلشر پریس لمیٹڈ الہ آباد سے چھپوا کر شائع کیا

مارچ سنه ۱۹۳۹

ہل

جلد ۱ نمبر ۳ — باتصویر ماہوار رسالہ — مارچ سنہ ۱۹۳۶ء

فہرست مضامین

ہل

یو پی گورنمنٹ کے محکمہ گاؤں سدھار سے منظور شدہ

مارچ سنہ ۱۹۳۹ء — باتصویر ماہوار رسالہ — نمبر ۴

پبلشر

انڈین پریس لمیٹڈ الہ آباد

۱۹۳۹ء

سالانہ قیمت للعہ — ایک پرچہ ۶ر

هل پر رائیں

" انڈین پریس لمیٹڈ نے یو-پی کی سرکار کی امداد سے ایک نہایت اعلیٰ درجہ کا ماہوار رسالہ "ہل" جاری کیا ہے - تقریباً ہر صفحہ پر تصویریں ہیں - سو صفحات ہیں - مضامین کسانوں کے فائدے کے ہیں اور ان کی معلومات کی باتیں بہت عام فہم انداز میں بیان کی گئی ہیں - سالانہ چندہ چار روپیہ آٹھ آنہ ہے اور ایک پرچہ کی قیمت صرف چھ آنہ ہے - "

'منادی' دہلی

× × × × × × ×

नवम्बर से इंडियन प्रेस ने 'हल' नामक मासिक पत्र का प्रकाशन शुरू किया है। इस समय देहातों के प्रश्नों पर प्रकाश डालनेवाले एकांगी पत्र की बड़ी आवश्यकता थी। हमें प्रसन्नता है, इंडियन प्रेस ने इस सामयिक माँग को अनुभव कर "हल" का प्रकाशन प्रारंभ किया है। उसके सम्पादक, हमें विश्वास है, "हल" के उद्देश्यों की सफलता के साथ पूर्ति करेंगे। हल की भाषा चलती हुई "हिंदुस्तानी" है। उसमें प्रकाशित सामग्री किसानों को उपयोगी सिद्ध होगी। हमें श्रीनाथसिंहजी की कहानी में देहाती वातावरण का सजीव चित्रण मिला। उसे पढ़ते समय हमें मुन्शी प्रेमचन्दजी का स्मरण हो आया। देहाती वातावरण को, आशा है, श्रीनाथसिंहजी स्वर्गीय मुन्शीजी के समान ही चित्रित करने में सफल होंगे। हम "हल" का सप्रेम स्वागत करते हैं, और उसके उज्ज्वल भविष्य की कामना करते हैं। पत्र सचित्र है और छपाई-सफाई का क्या कहना है! इंडियन प्रेस इसके लिए प्रसिद्ध ही है।

— 'स्वराज्य'

× × × × × × ×

The enterprising publishers of Allahabad, The Indian Press, Ltd. have brought out this neatly got-up and fully illustrated journal in Hindi called **Hal** (The Plough) with a view to serve at once the interests of rural reconstruction and the popularisation, of Hindustani. The editor is Thakur Srinath Singh, the energetic Hindi journalist supported by a strong editorial board consisting of well known literary men and public workers of Congress leanings, *e. g*, Pandit Venkatesh Narain Tiwari, parliamentary secretary of the U. P. Government and a journalist of repute, Dr. Zakir Hussain, the educationist, Pandit Sumitranandan Pant, the gifted poet, Sri Sukhdeo Bihari Misra, Sri Mahabir Tyagi, Sirimati Tara Pandeya, and Sri Manohardas Chaturvedi, rural development officer. The attempt made to use a kind of Hindustani which will be readily understood by the masses, the judicious selection of articles and poems which should prove both interesting and instructive and the coloured plates, photographic reproductions and illustrations together, make this journal quite attractive which is not what can be said about the general run of periodicals on rural development of which quite a number have been brought out in recent months. The present number contains articles on basket-making, the care of untanned hides and skins, the measures adopted in these provinces for the betterment of the peasantry, the bee-hive industry in Kumaun, besides stories, poems and information collected under regular columns, *e. g.*, Affairs in India and abroad, the world of women and children, the diary of Ghagh, news and notes and questions and answers. We wish that a journal so well conducted should have the circulation it deserves.

मिट्टी के बरतनों पर चित्रकारी

مٹّی کے برتنوں پر تصویر کشی
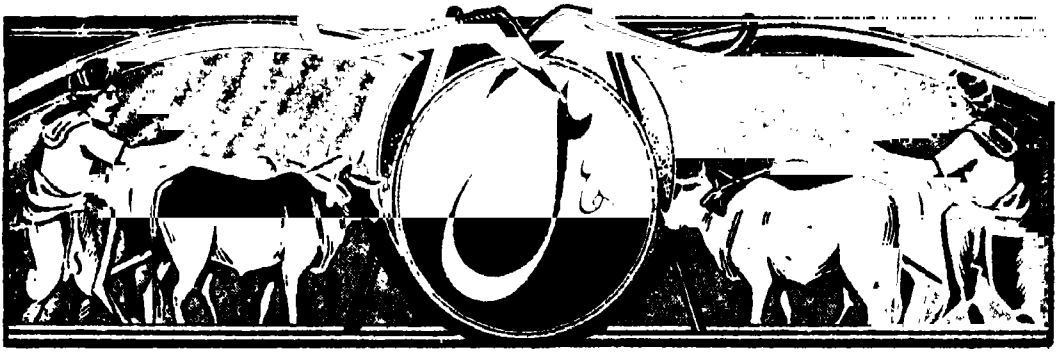
باتصویر ماہوار رسالہ

مارچ ۱۹۳۹ء نمبر ۴ جلد ۱

حرف تو پہچانیں

(از شری تر شول)

اِتنا کہنا مانیں یار حرف تو ہم پہچانیں یار
حرف سیکھ لیں تو پڑھ پائیں
علم بڑھے ودیائیں آئیں
اور آدمی ہم بن جائیں
دُنیا کو سمجھیں سمجھائیں
پڑھے لکھے کی آنکھیں چار حرف تو ہم پہچانیں یار
جاہل مورکھ کا کہنا چھوڑیں
جنگلیوں کا بانا چھوڑیں
بیٹھے وقت گنوانا چھوڑیں
قسمت پر رہجانا چھوڑیں

ہم بھی ہو جائیں ہوشیار حرف تو ہم پہچانیں یار
کھیتی کی کسان کی باتیں
لاگت کی لگان کی باتیں
سودے کی دُکان کی باتیں
جانیں گے جہان کی باتیں
لیں گے اپنی دشا سُدھار حرف تو ہم پہچانیں یار
یوں انجان بنے رہتے ہیں
آفت پر آفت سہتے ہیں
ناؤ چھوڑ کر کیوں بہتے ہیں
یہی مہاتما جی کہتے ہیں

اور پنت کی یہی پُکار حرف تو ہم پہچانیں یار

اقلیت کا مسئلہ

(از شری وینکٹیش نرائن تیواری)

ہمارے صوبے ہی میں کیا بلکہ سارے ہندوستان میں اس وقت اقلیت کے مسئلے کے سامنے اور مسئلے بہت حقیر اور ہلکے گذرے ہو رہے ہیں ۔ ہندو، عیسائی اور سکھ ۔ اِن فرقوں کے پیرؤں نے اپنے اپنے مذہبی اختلاف کی بنا پر سیاسی میدانوں میں خاص حقوق کے جو مطالبے پیش کئے ہیں وہ ہندوستان کی تاریخ میں کوئی نئی بات نہیں ہندوؤں میں اونچی نیچی ذات کے اور برہمن چھتری جاٹ، اہیر وغیرہ مختلف ذات والے قانون ساز مجلسوں میں نمائندگی اور سرکاری نوکریوں میں پورا پورا حصہ پانے کے لئے پورے کوشاں ہیں ۔ انگریزی عملداری نے جہاں ہندوستان میں سیاسی اتحاد کے میلان کو پھر سے جنم دیا ۔ وہاں انگریز حاکموں نے ایک ملک کی ترقی میں فرقہ داری کی حوصلہ افزائی کرکے اڑنگا بھی لگایا ہے ۔ انگریز حاکم اِس الزام کی ہمیشہ سے تردید کرتے آئے ہیں ۔ اُن کی ایسی خواہش رہی ہو یا نہ رہی ہو لیکن اُنھوں نے بعض اوقات جس پالیسی پر عمل کیا اُسکا نتیجہ یہ ضرور ہو تا گیا کہ ہندوستانی سماج اتحاد کی جانب اُتنی تیزی کے ساتھ بڑھنے میں کامیاب نہ ہو سکا جتنی تیزی سے وہ انگریزی عہدِ حکومت میں بڑھ سکا تھا ۔

خادمانِ وطن کے سامنے موجودہ حالت میں یہ سوال نہیں ہے کہ انگریز حاکموں کی سیاسی چالوں کے باعث قومی ترقی رُکی یا اُس میں رُکاوٹ پڑی بلکہ اُس کے سامنے تو اس وقت یہ سوال

ہے کہ ابھی تک ہماری راہ میں جو رُکاوٹیں تھیں اُن کو دباکر ہم کس طرح ہندوستانی قومیت کے جذبہ کو قوی اور ملک گیر بنا سکتے ہیں ۔ ہمارا تو یہی مقصد ہے اور جب تک اِس مقصد میں کامیابی نہ ہوگی تب تک نہ تو ہم آزاد ہو سکتے ہیں اور نہ آزادی پا جانے پر بھی ہم اُس کی حفاظت کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں ۔ اِسی لئے اقلیت کا سوال سبھی سوالوں سے زیادہ اہم ہے ۔ اس کے اوپر سنجیدگی سے غور کرنا اور اقلیت کی گتھی کو سلجھانا ہم سب کا اولین فرض ہے ۔ کانگریس کے اوپر تو اِس مسئلے کو حل کرنے کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے ۔ ملک میں یہی ایک قومی جماعت ہے اِس کی نظر میں سب ہندوستانی، وہ خواہ کسی مذہب، فرقے یا ذات کے کیوں نہ ہوں ایک ہیں ۔ سب کے حقوق، مفاد اور اختیارات کی حفاظت کرنا اُس کا فرض ہے ۔ یہ اُسی پالیسی کی تائید کرنے کے لئے مجبور ہے جس سے سب کا یکساں فائدہ ہو ۔ سیاسی، سماجی یا سرمایہ داری اور شہنشاہیت کی مخالفت اس کی تحریک کی بنیاد ہے ۔ اسی بنیاد پر ہم سوراج مندر تعمیر کرنا چاہتے ہیں کانگریس کے ممبران پبلک پلیٹ فارم پر ہندوستانی ہیں ۔

پنڈت وینکٹیش نرائن تیواری

دِلی، زبانی اور عملی طور سے اُس کے لئے اپنے کو ہندوستانی ماننا ضروری ہے ۔ وہ نہ تو سچا کانگریسی ہی ہے اور نہ سچا ہندوستانی ہے جو مذہبی اختلاف کی بنا پر ایک بھائی کو

دوسرے بھائی سے نیچا دکھانے یا ایک کے ساتھ رعایت اور دوسرے کے ساتھ زیادتی کرے۔ کانگریس نہ تو ہندو ہے نہ مسلمان، نہ عیسائی ہے اور نہ سکھ۔ مذہب تو اُس کے لئے ایک ذاتی چیز ہے۔ اس کا اُس کی پبلک زندگی سے کوئی تعلق نہیں جہاں مُلّاؤں اور پنڈتوں کے چنگل سے ہندوستانی عوام کو چھڑانا ضروری ہے وہاں ایک ہندوستانی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ خود واقفیت یا عدم واقفیت کی صورت میں کوئی ایسی بات نہ کہے جس کی وجہ سے ہندوستانیوں میں خانہ جنگی کی آگ بھڑک اُٹھے یا باہمی کشیدگی بڑھے ایسی حالت میں ہماری یہ مستقل رائے ہے کہ ملک میں کانگریس ہی ایک ایسی جماعت ہے جو اِس مسئلے کو آسانی سے حل کر سکتی ہے۔

اقلیت کا سوال ہے کیا؟ انگریزی میں اِسے "مائنارٹی" کا سوال کہتے ہیں ہندوی والے "الپتا" کا پرشن کہتے ہیں۔ اقلیت، مائنارٹی اور الپتا، تینوں ہی الفاظ کے ایک معنی ہیں۔ ہندوستان کی اقلیت کے جو معنی آجکل سیاسی حلقوں میں لگائے جا رہے ہیں وہ دراصل اس کے معنی ہیں نہیں۔ ہندوستان میں اقلیت کا فیصلہ فرقہ وارانہ اختلاف کی بنا پر کیا جاتا ہے۔ یورپ میں قومی اختلاف کی بنا پر کسی خاص طبقہ کو کسی دوسرے خاص طبقہ کے مقابلے میں اقلیت مانتے ہیں۔ چیکوسلوویکیا میں جرمن، پولش اور ہنگریں اقلیت ہے۔ لیکن اُن کی اقلیت کی کسوٹی قومی اختلاف تھا نہ کہ مذہبی اختلاف۔ جرمنی میں متعدد فرقے ہیں۔ رومن کیتھلک وہاں پر اقلیت ہیں لیکن جرمنی کے اندر رومن کیتھلکوں کو کوئی اقلیت مخصوص طبقہ نہیں تسلیم کرے گی۔ جرمنی کے سب جرمن، جرمن ہیں۔ خواہ وہ اس فرقے کے پیرو ہوں خواہ اُس فرقے کے۔ مذہبی اختلاف پر نہیں بلکہ قومی اختلاف کی بنا پر یوروپ میں اقلیت تسلیم کی جاتی ہے۔

بدقسمتی سے ہندوستان میں انگریز حاکموں نے اقلیت کے معنی ہی دوسرے لگائے۔ اُنھوں نے قومی اختلاف کی بنا پر نہیں بلکہ مذہبی اختلاف کی بنا پر ہندوستانیوں کو

ہمارے سیاسی اور اقتصادی مسئلے تبھی حل ہو سکتے ہیں جب ہم اِس سچائی کا احساس کریں کہ ہم ہندوستانی ہیں۔ ہم ہندو ہیں یا مسلمان ہیں، یہ کہہ کر ہم اُن مسئلوں کو کبھی نہیں سُلجھا سکتے۔ اِس مضمون میں تیواری جی نے یہی بات بڑی خوبصورتی سے ثابت کی ہے۔

اکثریت اور اقلیت کا خطاب دے ڈالا۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہندوستان کے مسلمان خود کو ہندوستان کے ہندوؤں سے ایک علٰحدہ قوم کا کہتے ہیں۔ دراصل یہ بات درست نہیں ہے۔ بنگال کے ہندو اور مسلمان قومیت کے لحاظ سے ایک ہیں۔ حالانکہ دونوں جدا جدا مذہب کے پیرو ہیں۔ دونوں کی طرز رہائش، بول چال اور روحانی و معاشرتی حالت اور تہذیب کی بنیاد میں یکسانیت ہے۔ سندھ کے مسلمانوں اور بنگال کے مسلمانوں میں کوئی یکسانیت نہیں لیکن ہندوستان کے سیاسی گورکھ دھندے میں انگریز حاکموں کی چال چل گئی اور صوبائی اختلاف کے ساتھ ساتھ مذہبی اختلاف کی بنا پر قومی اتحاد مٹانے کے لئے لڑائی چھڑ گئی۔ نہ صرف مسلمانوں ہی میں یہ خیالات پھیل گئے ہیں کہ اُن کی قوم ہندو قوم سے علٰحدہ ہے بلکہ ہندوستان کے مصنفوں اور کارکنوں نے بھی اُن کے اس دعوے کو واقفیت یا عدم واقفیت کی صورت میں قبول کر لیا۔ لیکن ہے یہ صرف ہماری خیالی غلط فہمی۔

جرمنی وغیرہ میں اگر ہمارے مسلمان بھائی مذہبی اختلاف کی بنا پر خاص نمائندگی یا حقوق کا مطالبہ پیش کریں تو نہ تو جرمنی کے جرمن اور نہ یوروپ کے کسی اور ملک والے اُن کے اِس مطالبے کو مناسب

سمجھیں گے لیکن مسٹر جناح کراچی میں ہونے والے مسلم لیگ کے اجلاس میں ہندوستانی مسلمانوں کا مقابلہ چیکوسلوویکیا کے سوڈیٹن جرمن سے کرتے ہیں جس ملک میں اکثریت، اقلیت یا اپنا کے لفظوں کے اتنے غلط معنی لگائے جائیں اُس ملک میں اقلیت کا مسئلہ نہ تو آج حل ہو سکتا ہے اور نہ مستقبل قریب میں اس کے حل ہونے کی امید ہے۔ اگر صوبہ یوپی کے مسلمان یوپی کے ہندوؤں سے صرف اس لئے مختلف ہیں کہ دونوں کے مذہب علیحدہ علیحدہ ہیں تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ یوپی کے مسلمانوں میں شیعوں اور سنیوں میں بھی فرقہ دارانہ اختلاف ہے۔ احمدیہ اور وہابیوں کا فرقہ بھی شیعوں اور سنیوں کے فرقے سے مختلف تسلیم کرنا پڑے گا۔ لیکن یوپی کے ہندو اور مسلمان دراصل متحدہ قوم ہیں۔ دونوں کی رگوں میں یکساں خون بہتا ہے۔ دونوں ایک ہی مٹی سے بنے ہیں اور بالآخر دونوں ایک ہی خاک میں مل جائیں گے۔ سچ تو یہ ہے کہ مدراس اور یوپی کے باشندوں میں قومی اختلاف ہو سکتا ہے۔ لیکن یوپی کے ہندوؤں اور مسلمانوں میں قومیت کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے۔

اسی طرح ہمارے صوبے میں جو عیسائی بھائی ہیں وہ بھی ہماری ہی قوم کے ہیں اور آخر تک ہماری قوم کے بنے رہیں گے۔ اُنھیں مختلف قوم سمجھنا یا کہنا حق کے ساتھ بے انصافی کرنا ہے۔ یہ ایک ایسی غلط بات ہے جس کی بنیاد میں ہماری زندگی کی یقیناً ہلاکت پوشیدہ ہے۔ ایک ہندو جب عیسائی یا مسلمان ہو جاتا ہے یا مسلمان یا عیسائی ہندو ہو جاتا ہے تو اُس کا مذہب ضرور بدل جائے لیکن اُس کی قومیت میں کیسے فرق

آگیا۔ یہ سیاسی کٹھ مُلّاؤں کے لاکھ کہنے پر بھی ہم قبول کرنے کو تیار نہیں۔ اس لئے آیئے آپ اور ہم سنجیدگی کے ساتھ اس مسئلے پر غور کریں۔

۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے مطابق اس صوبے کی آبادی تقریباً پانچ کروڑ تھی۔ جن میں سے ہزار میں سے ۱۴۸ مسلمان اور ۴ عیسائی تھے۔ باقی ہندو۔ یا دوسرے الفاظ میں اس صوبے کے دس ہزار آدمیوں میں مختلف فرقوں کا یوں شمار ہو گا۔

ہندو	۸۴۴۶
مسلمان	۱۴۸۴
عیسائی	۴۲
متفرق	۱۰
میزان	۱۰۰۰۰

ہندوؤں میں ہریجنوں یا شیڈیولڈ کاسٹ کے لوگوں کی تعداد بھی شامل ہے۔ یہ لوگ صوبے میں ۲۲ فی صدی ہیں۔ اس صوبے میں بدیشیوں کی یا پردیس سے آئے ہوئے لوگوں کی تعداد بہت ہی مختصر ہے۔ ایسے لوگوں میں پارسی، یوروپین، سکھ، ایرانی اور یہودی شامل ہیں۔ لیکن ان بدیشیوں کی یا پردیسیوں کی تعداد اتنی تھوڑی ہے کہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ ان کو چھوڑ کر باقی عوام قومیت کے لحاظ سے ایک ہیں۔ فرقہ وارانہ اختلاف کی بنا پر مختلف قومیں کہنا سراسر بھول ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ عیسائیوں کے ناسمجھ اور نادان لیڈر کچھ مسلمانوں کی دیکھا دیکھی یہ دعویٰ کرنے لگے ہیں کہ عیسائی ہندوؤں یا مسلمانوں سے مختلف ہیں نہ صرف بلحاظ مذہب بلکہ قومیت بھی۔ مجھے افسوس ہے کہ اس صوبے کے تعلیم یافتہ حضرات خود اخباروں کے محترم ایڈیٹر بھی اقلیت کے مسئلے پر لکھتے وقت ان سیاسی غلط فہمیوں کے پرچار میں عدم واقفیت کی صورت میں مددگار ثابت ہو رہے ہیں

وہ اقلیت (فرقہ نہ لکھکر اقلیت قوم لکھتے ہیں۔ میں پھر کہتا ہوں کہ اس صوبے میں کئی قوموں کے لوگ نہیں بستے۔ اس صوبے میں ایک ہی قوم کے لوگ ہیں ملی جلی قوم کے ہیں ودغلی قوم کے ہیں نہ کوئی اصلی عرب ہے نہ کوئی ایرانی اور یکوئی آریہ ہے۔ سب میں مختلف قوموں کا خون ملا ہوا ہے۔ زمانہ کے ردو بدل کے ساتھ ساتھ جغرافیائی سماجی اور سیاسی حالات نے مختلف قوم کے لوگوں کو ایک شکل اور ایک رنگ کا بنا دیا ہے۔

اس زوردار سچائی سے لوگ کتنا ہی بھڑکیں لیکن اسکا مٹانا اتنا ہی ناممکن ہے جتنا ہتھیلیوں کی لکیروں کو مٹا دینا۔ اس اختلافات کے مسئلے کو اٹھاکر ہندوؤں، عیسائیوں اور مسلمانوں کے سیاسی مفاد کو کچھ فائدہ ضرور پہنچ جائے لیکن ان میں سے ہر ایک کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یو۔پی کے باہر نہ ان کے لئے کوئی جگہ ہے نہ اس بنا پر سود سے کی کوئی اُمید ہے ہمارے مسلمان افغانستان، ایران یا عرب میں جاکر دیکھ سکتے ہیں کہ مسلمان ہونے کے لحاظ سے ان کا کوئی خیرمقدم نہیں ہوگا۔ وہاں وہ ہندی کہلائیں گے اور ہندی ہونے کے لحاظ سے وہاں اُسیطرح بیعزتی ہوگی جسطرح آج ہندوستان کے غلام ہونے کی وجہ سے ہماری بےعزتی ہو رہی ہے۔ بنگال کے مسلمانوں کا مالی مفاد یو۔پی کے مسلمانوں کے مالی مفاد سے میل نہیں کھاتا۔ جوٹ کے اوپر جو محصول برآمد لگا ہے اس کی آمدنی کا حصّہ مل جانے سے بنگال کے مسلمانوں کو خواہ کچھ فائدہ پہنچے لیکن یو۔پی کے ہندو و مسلمان کسانوں کو اُس سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ فائدہ کا جو حصّہ حکومت ہند نے چھوڑا وہ بنگال کے لئے چھوڑا۔ یو۔پی اور بہار میں شکر ملوں کی پابندی کے متعلق جو قانون بنے ان کی وجہ سے ان دونوں صوبوں کے ہندو اور مسلمانوں کو جو فائدہ ہوا اُس سے سندھ پنجاب یا مدراس کے مسلمان یا ہندو کسانوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ مختلف صوبوں کے مختلف مالی مفاد ہیں۔ ہر ایک صوبے کے الگ الگ سیاسی اور مالی مسئلے ہیں۔ اُن مسئلوں کا حل فرقہ وارانہ اختلاف کی بنا پر نہیں ہوسکتا۔ اُن کا فیصلہ تو صوبے کی عام مفاد کے نظریہ سے ہوسکتا ہے۔

اس موضوع پر غور کرتے وقت لوگ ایک اور بھی غلطی کیا کرتے ہیں اور وہ غلطی یہ ہے کہ یو۔پی کے مسلمانوں کو فائدہ پہنچ سکے اگر بنگال کے یا پنجاب کے مسلمان وہاں کی اقلیت کے ساتھ بُرے برتاؤ کریں۔ اگر یو۔پی کے مسلمان، فرض کیجئے کہ تعلیم میں پچھڑے رہیں اور پنجاب و بنگال کے مسلمان بہت آگے بڑھ جائیں تو یو۔پی کے مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اسی طرح جس طرح یو۔پی کے ہندوؤں کو کوئی فائدہ نہوگا اگر بمبئی اور مدراس کے ہندو آگے بڑھ جائیں اور یہ پیچھے ہی پڑے رہیں۔ صوبائی حالات میں اختلاف ہوگا اور ہو سکتا ہے۔ صوبہ کی ترقی یا تنزل پر اُن سب کی ترقی و تنزل منحصر ہے جو صوبہ میں رہتے ہیں۔ مذہبی خیالات ان کے خواہ ایک یا مختلف ہوں۔

تیسری بات جس پر میں یہاں زور دینا چاہتا ہوں یہ ہے کہ جو لوگ آجکل ہندوستان میں یا ہندوستان کے کسی صوبہ میں فرقہ وارانہ اختلاف کی بنا پر سیاست کی تقلید کرنا چاہتے ہیں وہ وقت کی روانی کے خلاف تیرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اب زمانہ ہے بین الاقوامیت کا یا زبردست قومیت کا۔ یوروپ میں آج کل قومیت کا زبردست طوفان اُٹھ رہا ہے۔ یوروپ کا نقشہ اسی قومیت کے تصادم کے باعث نہایت تیزی سے بدل رہا ہے۔ کل کا نقشہ آج نہیں اور آج کا نقشہ کل نہیں رہیگا۔ لیکن وہاں پر وقت کے الٹ پھیر سے فرقہ وارانہ اختلاف نہ صرف بالکل مٹ گیا ہے بلکہ وطنیت کے پیچھے قومی اختلاف کا زبردست جذبہ کام کر رہا ہے۔ ہندوستان میں کچھ لوگ اُلٹی گنگا بہانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اُن بھولے ہوئے لوگوں میں مسٹر جناح کا بھی شمار ہمیں کرنا پڑتا ہے۔ کسی وقت اُنھیں کسی نے مسلم گوکھلے کا خطاب دیا تھا کسے خبر تھی کہ اس خطاب میں ایک پیشنگوئی پوشیدہ ہے۔ گوکھلے کے پاس جو کچھ تھا اسے اُنھوں نے قومیت کی قربانگاہ پر نثار کر دیا لیکن بدنصیبی سے مسٹر جناح گوکھلے تو نہ ثابت ہوئے اور وہ گوکھلے کے دکھائے ہوئے راستہ پر بھی بہت دن نہ چل سکے۔ جو کچھ اُنھیں وطن کے لئے دینا چاہئے تھا اُسے اُنھوں نے وطن میں باہمی اختلاف پھیلانے میں لگا دیا۔ مسٹر جناح صرف مسلمان رہ گئے، گوکھلے نہ ہوئے۔ مسلمانوں کو بھی متحد نہ کرسکے اُن میں بھی انکی پالیسی سے وہ اختلاف پیدا ہوگئے جو پہلے موجود نہیں تھے۔ یہی حال

ہمارے محترم مرحوم مولانا شوکت علی کا بھی تھا۔ کیا یہ افسوس کی بات نہیں کہ ایک مسلمان کو وطن کے بھائیوں سے اختلاف ہو۔ ہر غیر ملک کے تو وہ دوست ہو سکتے ہیں لیکن اپنے وطنی بھائیوں کے وہ دشمن ہی ہیں۔ یہاں پر یہ صاف کہہ دینا نامناسب نہ ہوگا کہ ایسے کثیر مسلمان آج بھی ہمارے درمیان میں موجود ہیں جو ہندوستان کو پہلا اور دوسرے ملکوں کو دوسرا درجہ دیتے ہیں۔ فرقہ پرستی سے انھیں کوئی سروکار نہیں۔ آزادی کی جنگ میں عربستان، ترکستان اور ایران سے تو ایشیائی مسلمانوں کو ہمدردی ہے لیکن اسکے تو یہ معنی نہ ہونے چاہئے کہ ہم غیروں کا تو ضرور ساتھ دیں لیکن اپنے ملک کو آزاد کرانے کے لئے جو لوگ میدان میں اتر آئیں اُن کا ساتھ نہ دیں اور ساتھ دینا تو در رہا اُلٹی ان کی مخالفت کریں۔

مسلم لیگ ملک کو آزاد کرنے میں ہمیشہ سے سرد مہری برتتی آئی ہے اور اپنی اس سرد مہری کا الزام لگاتی ہے ہندوؤں کے سر۔ اگر ہندوستانی مسلمان فلسطینی عربوں سے ہمدردی رکھتے ہیں تو یہ ایک فطری امر ہے کیوں کہ دنیا کے سبھی پرستاران آزادی کو فلسطینی عربوں سے ہمدردی ہونی لازمی ہے۔ اسلئے نہیں کہ وہاں کے عرب مسلمان ہیں بلکہ اس لئے کہ وہ آزادی کے لئے لڑ رہے ہیں۔ دنیا میں جہاں کہیں بھی کوئی غلام اور مظلوم قوم آزاد ہونے کی کوشش کر رہی ہو اسکے ساتھ ہم ہندوستانیوں کی ہمدردی ہونی لازمی ہے۔ لیکن اسکے ساتھ یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ فلسطین میں مسلمانوں اور عیسائیوں میں لڑائی نہیں ہے۔ وہاں لڑائی ہے عربوں اور یہودیوں میں۔ فلسطین میں قومی لڑائی ہے فرقہ وارانہ لڑائی نہیں یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ فلسطینی عربوں میں جہاں مسلمان ہیں وہاں عیسائی بھی ہیں۔ ہندوستان کے مسلمان عربوں کے ساتھ تو اظہار ہمدردی کریں لیکن ہندوستان کی جنگ آزادی میں بچے چندی کھیل کھیلیں یہ دکھ کی بات ہے۔ کیا عربوں کے ساتھ انھیں محض اسلئے ہمدردی ہے کہ وہاں کثیر عرب مسلمان ہیں؟ کیا انھیں صرف مسلمانوں کی غلامی کو دیکھکر درد ہوتا ہے کیا غیر مسلمانوں کی حالت میں انھیں سدھار کی کچھ فکر نہیں ہے۔

خلافت کے مسئلے کے ساتھ ہندوستانی مسلمانوں کو کافی ہمدردی تھی۔ اپنے مسلمان بھائیوں کی اِس ہمدردی کو ہندوستان میں رہنے والے ہندوؤں نے اپنایا اور نہ صرف اپنایا بلکہ اسکے لئے انھوں نے ہر قسم کا ایثار بھی کیا۔ لیکن ترکی نے خود خلافت کا خاتمہ کر دیا۔ ترکوں نے ہندوستانی مسلمانوں کی ہمدردی کی ذرہ برابر پروا نہ کی۔ اِن ہندی مسلمانوں کی ترکی مسلمانوں کو کیا پرواہ تھی؟ انھوں نے جو کچھ کیا اپنے ملک کی بہبودی کے لئے کیا محض ہندی مسلمانوں کو خوش کرنے کے لئے وہ لوگ فضول باتوں میں نہیں پھنسے۔ اسی طرح ابن سعود نے ہندی مسلمانوں کو مکہ میں ہونے والی کانفرنس میں پھٹکار دیا۔ عرب کے وہابیوں نے اُن باتوں کو اپنایا جو اُن کے ملک کی بہبودی کے لئے تھیں۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی بات انھوں نے سُنی اَن سُنی کر دی سُنی اَن سُنی اس لئے کر دی کیونکہ مسلمان ہوتے ہوئے بھی وہ وطن پرور تھے۔ اپنی قوم اور اپنے ملک کی حفاظت کرنا انھوں نے اپنا اولین فرض سمجھا۔ انھوں نے کبھی یہ بات قبول نہ کی کہ دنیا کے سب مسلمان ایک ہیں یا سب کے مفاد ایک ہیں ایران، ترکستان، عرب، افغانستان اور مصر اس بات کے زوردار ثبوت ہیں کہ مذہبی اتحاد کی بنا پر نہیں بلکہ قومی مفاد کی بنا پر قوم کا اتحاد ممکن ہے۔

یہی حال عیسائیوں کا ہے یورپ میں سب باشندے قریب قریب عیسائی ہیں۔ لیکن متحدہ مذہب رکھتے ہوئے مختلف ممالک کے عیسائیوں میں سیاسی اور مالی مفاد میں مخالفت کی وجہ سے سخت اختلاف ہے اور اس اختلاف کی بدولت یورپ میں آجکل جو تباہی پھیل رہی ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔

چین میں جاپانی حملے کے باعث ملک میں اتحاد کی جو لہر دوڑ گئی ہے وہ بیسویں صدی کا ایک حیرت انگیز واقعہ ہے۔ چین کے کچھ مسلمان نمائندوں کا ایک وفد ابھی حال میں ہندوستان آیا تھا لکھنؤ میں جب یہ وفد پہنچا تو ہمارے صوبے کے کچھ بڑے بڑے مسلمان لیڈروں نے یہ پوچھا کہ چین کے مسلمانوں کو چین میں

کیا خاص حقوق حاصل ہیں؟ انھوں نے کہا: "چین کے مسلمان خود غرض نہیں ہیں۔ ملک کی آزادی اور ملک کی ہتک کا سودا ہم نہیں کرنا چاہتے۔ ملک کو دشمنوں کے پنجے سے چھڑانا ہر چینی کا فرض ہے۔ خواہ وہ عیسائی ہو، بودھ ہو یا کسی اور مذہب کا ماننے والا ہو" فرقہ وارانہ اختلاف کی بنا پر خاص حقوق مانگنا اور اول جلول دعوے پیش کرنا اور اُن مانگوں کی پوری نہ ہونے پر وطن فروشی پر کمر کس لینا نہ کسی وطن پرور کا فرض ہے نہ ہونا چاہیئے۔

اسی طرح اس صوبے کے عیسائی بھائی بھی فرقہ وارانہ اختلاف کی بنا پر اپنے کو علیحدہ جماعت کا سمجھتے ہیں۔ عیسائی عوام میں رات دن اس جذبہ کو کچوکا دینے کی کوشش کیجا رہی ہے کسی علیحدہ مضمون میں ہم اس کا مفصل ذکر کرینگے لیکن یہاں پر اتنا کہہ دینا ضروری ہے کہ عیسائی فرقہ تعلیم کے لحاظ سے اس صوبے میں دوسرے فرقوں سے بہت آگے بڑھا چڑھا ہے۔ عیسوی مذہب کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ عیسائیوں نے ہمیشہ سے اپنے وطن کی آزادی کی جد و جہد میں سب سے آگے قدم بڑھایا ہے۔ چین میں عیسائیوں نے کوئی ضد نہیں کی۔ کوئی مخصوص مطالبہ نہیں پیش کیا اور نہ اُنھوں نے یہ کہا کہ جب تک اُنکے یہ مطالبے پورے نہ کر دیئے جائینگے تب تک وہ جاپان کے خلاف تلوار نہ اُٹھائینگے۔ اسی طرح جاپانی عیسائیوں نے بھی اپنے وطن پروری کا سودا کرنا اپنے اصولوں کے خلاف سمجھا۔ مصر کے قبطیوں کا بھی یہی نظریہ ہے۔ انھوں نے نہ کوئی مخصوص حقوق مانگے نہ کوئی خاص حق دیا گیا۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ اس صوبے کے عیسائی اپنے کو علیحدہ قوم سمجھیں۔ جنکو اس ملک کی آزادی یا غلامی سے کوئی سروکار نہیں ہے اور مذہب کے نام پر بغاوت کے لیڈر بنے ہیں۔ لیکن جب دیگر مذاہب کے پیرو انھیں کے بھائی آزادی کے نام پر قربانیاں کر رہے ہوں۔

اس اقلیت کے مسئلے کے نام پر آج ایک بہت بڑی بات دیکھنے میں آئی۔ پٹنے میں ابھی حال ہی میں مسلم لیگ کا جو اجلاس ہوا اُس میں دیسی ریاستوں کے متعلق ایک تجویز منظور ہوئی۔ اس تجویز کا اشارہ حیدرآباد کی کانگریسی تحریک کی طرف ہے۔ اُس میں کہا گیا ہے کہ مسلم لیگ کو دیسی ریاستوں کی رعایا کے ساتھ پوری ہمدردی ہے لیکن اگر انڈین نیشنل کانگریس اُن کی حمایت کریگی تو مسلم لیگ خاموش نہیں بیٹھے گی وہ تال ٹھونک کر کانگریس سے مورچہ لینے کو میدان میں آجائیگی۔ حیدرآباد کا طرز حکومت اُسی طرح ناقص ہے جس طرح گوالیار اندور یا بڑودہ کا۔ بھوپال اور رامپور کی وہی حالت ہے جو ٹیکم گڈھ۔ ریواں یا ٹہری (گڑھوال) کی ہے۔ ہم لوگ جو جمہوریت پسند ہیں اُن کے لئے حیدرآباد اور بڑودہ، بھوپال یا گوالیار سب برابر ہیں۔ چاہے اسلامی علم کے نیچے مطلق العنانی حکومت کرتی ہو یا ہندو جھنڈے کے نیچے۔ وہ مطلق العنانی ناقص ہی بنی رہے گی۔ ہر ایک آزادی پسند ہندوستانی کی نظر میں وہ ایک سی ناقص ہے۔ دیسی ریاستوں کی رعایا کے ساتھ ہمیشہ سے جو ظلم ہوتے آئے ہیں اور جس طرح اُن کے ہاتھوں کا خون چوسا جاتا ہے اسے دیکھکر کون آزادی پرست ہندوستانی ہوگا جس کے دل کو چوٹ نہ لگے۔ ہم اُنکا ساتھ دیں یا نہ دیں یہ ایک بات ہے لیکن اس حد تک گر جانا ہمارے لئے شرم کی بات ہوگی کہ وہاں کی ہندو یا مسلمان رعایا کے ساتھ خواہ کتنا ہی ظلم کیوں نہ ہو لیکن برطانوی ہند کے کسی ہندو یا مسلمان کو زبان ہلانے کا حق نہیں ہے۔ مسلم لیگ کا یہ دعویٰ ہے کہ حیدرآباد کی رعایا اگر آزادی کی لڑائی لڑے تو برطانوی ہند کے ہندو یا مسلمان وہاں کی رعایا سے ہمدردی ظاہر نہ کریں، سراسر غلط ہے۔ اور یہ اس بات کا سب سے بڑا ثبوت ہے کہ مسلم لیگ کا نظریہ ایک فرقہ وارانہ نظریہ ہے۔ وہ کوئی آزادی کی لڑائی لڑنے والوں کی جماعت نہیں وہ تو ان لوگوں کی جماعت ہے جو مذہب کے نام پر خاص حقوق پالنے یا جہاں پر یہ حقوق حاصل ہیں وہاں پر اُن کی حفاظت کرنے میں رشتے کو تیار ہے۔ مسلمان سرمایہ داروں اور ٹھیکیداروں کی تو وہ آج کل پناہ بن گئی ہے۔ غریبوں کا خواہ کتنا ہی خون چوسا جائے لیکن اگر خون چوسنے والے مسلمان ہیں تو ان کی طرف کسی کو انگلی اُٹھانے کی ہمت بھی نہ کرنی چاہیئے۔ اگر کوئی ایسی بھول کر بیٹھے تو مسلم لیگ اُس سے لڑنے کے لئے تیار ہو جائیگی۔ لیگ دعویٰ کرتی ہے کہ آزادی کی جد وجہد میں اُسے فلسطین کے عربوں سے ہمدردی ہے۔ فلسطین کے یہودیوں کو خاص حقوق نہیں

لئے چاہئیں حقوق ملنا تو درکنار انھیں وہاں رہنے بھی نہ دینا چاہئے وہاں پر اکثریت کی تو یہ لوگ دہائی دیتے ہیں لیکن ہندوستان میں یہ لوگ اکثریت کو بھول جاتے ہیں۔ یہاں پر اقلیت کا جھنڈا اونچا کرنا چاہتے ہیں۔ ہندوستان کے باہر مسلم ممالک میں مسلم لیگی اکثریت کے حامی ہیں لیکن ہندوستان کے اندر انکی نگاہ میں اکثریت کی کوئی وقعت نہیں۔ اُن صوبوں میں جہاں مسلمانوں کی تعداد آبادی کے لحاظ سے زیادہ ہے لیگ بہتوں کی موند ہے لیکن جن صوبوں میں مسلمانوں کی تعداد بلحاظ آبادی کم ہے وہاں یہ لوگ اکثریت کی دہائی نہیں دیتے وہاں اکثریت کا اصول ٹھکرانے کے لئے تیار ہیں اور اقلیت کا جھنڈا اونچا کرنا چاہتے ہیں کیا ان کا یہ دعویٰ ہے کہ اکثریت کا کوئی حق نہیں ہے اسکا کوئی اختیار نہیں ہے؟ وہاں اگر کسی کا کوئی حق مفاد اور اختیار ہے تو کیا صرف اقلیت کو یہ حاصل ہے؟

اس سیاسی نا اصولی کی ایک ہی وجہ ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستان میں اقلیت کے مسئلے کو مسلم لیگ شروع سے غلط سمجھتی آئی ہے۔ اُس کو صحیح طور پر عوام کے سامنے رکھنے کی اُس نے کبھی کوشش نہیں کی۔ وہ سرمایہ داروں کی حامی اور برطانوی سامراجی پالیسی کی پرورش کرتی تھی اور آج بھی ہے اسلئے مسٹر جناح چلّانے سے چلّاتے ہیں کہ سب مسلمانوں کی ایک قوم ہے ہندوستان کے مسلمان ان کے الفاظ میں ایک نیشن ہیں۔ ناگپور میں اسکے جواب میں ہندو مہاسبھا کے صدر مسٹر ونایک دامودر ساورکر ہونکار دیتے ہیں کہ ہندوستان کے ہندو اکثریت ہیں وہی ہندوستانی قوم کے خاص عضو ہیں مسلمان اور عیسائی تو بس عضو کے باہری ٹکڑے ہیں۔ دونوں ہی غلط راستے پر چل رہے ہیں۔ اور اپنے پیروؤں کو خندق میں ڈھکیلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ہندوستان میں نہ اسلامی حکومت ممکن ہے نہ ہندو حکومت۔ ہندوستان کی قومیت ہندی قومیت ہے۔ ہم ہندوستانی ہیں۔ یہاں پر ایک ہی ملک ہو سکتا ہے اور اُس ملک کی بنا ہندی قوم ہے۔ یہ قوم نہ ہندو ہے نہ مسلمان۔ اس میں ہندو مسلمان، عیسائی، سکھ، پارسی، یہودی اور بودھ سبھی شامل ہیں۔ اقلیت کا سوال یورپ میں مختلف ہے وہاں اسکی بنا قومی اختلاف ہے۔ ہندوستان میں بھی قومی اختلاف کے باعث صوبائی اختلاف ہو سکتا ہے لیکن فرقہ وارانہ اختلافات پر قومی تعمیر میں نہ تو جناح صاحب کامیاب ہونگے اور نہ ساورکر صاحب۔

اسی نظریہ سے ہم اس صوبے کی اقلیت کے مسئلے پر غور کرنے جا رہے ہیں۔ مسئلہ ہمارے سامنے موجود ہے اسکے وجود سے کسی کو انکار نہیں۔ جلد سے جلد اسکا حل ہونا میرے خیال میں نہایت ضروری ہے لیکن اسکا حل ہونا اُسی وقت ممکن ہے جب بنیادی باتوں کے متعلق ہم صحیح رائے قائم کریں اگر بنیادی معاملوں ہی میں ہم بھٹک گئے تو مسئلے کا صحیح حل ہونا ہمارے لئے ناممکن ہوگا اور بنیادی بات یہ ہے کہ اس صوبہ میں اقلیت فرقہ وارانہ ہے قومی نہیں۔

شہد کی مکھیاں اور پودے

(از شری آر - این مہتہ' بی - ایس - سی' ایل - ایل - بی ڈائرکٹر گورنمنٹ اپیئری
جیلی کوٹ)

یہ سوچکر ہم لوگوں کو بڑی خوشی ہوتی ہے کہ قدرت نے خوبصورت وخوش نما پھول پیدا کئے ہیں جن کی میٹھی خوشبو سے ہمارا دماغ معطر ہوتا ہے اور جن کی خوبصورتی آنکھوں کو سیر کرتی ہے۔

لیکن بے رحم سائنس داں ہماری اس خوشی کو بدل دیتا ہے۔ جب وہ کہتا ہے کہ انسان کو خوش کرنے کے لئے پھول میٹھی خوشبو نہیں نکالتا بلکہ وہ شہد کی مکھیوں کو اپنی طرف مبتلا کرنے کے لئے ایسا کرتا ہے۔ شہد کی مکھیوں کی خدمت چاہنے والا پھول اُن سبھی ذریعوں کو استعمال کرتا ہے جن سے اُسے مکھیوں کے آنے کا یقین ہو جاتا ہے۔ میٹھی خوشبو، خوشنما رنگ، دلفریب بناوٹ اور اچھی حالت کے ذریعے ہی پودے شہد کی مکھیوں کو اپنی طرف بلاتے ہیں۔

پھولوں میں اتنی جاذبیت ہونے پر بھی اگر مکھیوں کو اُن سے کچھ فائدہ نہ ہو سکے تو وہ پھولوں کے پاس نہ جائیں زندگی کی سخت جد وجہد میں مصروف مکھیوں کے پاس صرف ناک اور آنکھوں کو سیر کرنے کے لئے فضول وقت نہیں ہے مکھیوں کو مطمئن کرنے کے لئے پھول انھیں میٹھی خوشبو سے بھی بڑھکر چیزیں دیتے ہیں۔ مکھیوں کی خدمت حاصل کرنے کے لئے پھولوں کو انھیں کافی مقدار میں پراگ اور رمٹھاس دینا پڑتا ہے۔ پراگ کی ٹوکریوں میں جو اُن کے پچھلے پیروں میں بنی ہوتی ہیں، پراگ بھر لیتی ہیں۔ اور گھر پہنچنے سے پہلے رس پیٹ بھر کر پی لیتی ہیں۔ وہ اس رس کو شہد کی صورت میں بدل دیتی ہیں۔ اور پراگ سے چھوٹی مکھیوں کو پالتی ہیں۔

یہ نوٹ کرنا بہت ضروری ہے کہ ہر ایک موسم میں پودے اس رس کو باہر نکالا کرتے ہیں۔ شہد کی مکھیوں کے نہ ہونے پر یہ رس دھوپ میں سوکھ کر برباد ہو جاتا ہے۔ شہد کی مکھیوں کو نہ پال کر جو ہمارے لئے شہد مہیا کرتی ہیں۔ ہم ہر سال کئی کروڑ کی قیمت کا مقوی شہد کھو دیتے ہیں۔

سیب کا یہ درخت دیکھئے پھلوں سے لدا ہوا ہے۔ اتنے پھل اس میں اسی سبب سے آئے ہیں کہ اسکے نیچے شہد کی مکھیوں کا گھر رکھا گیا ہے۔

پودے شہد کی مکھیوں کو کیوں اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ پودے اپنی تعداد بڑھانے کے لئے ان چھوٹی چھوٹی مکھیوں پر منحصر ہیں۔ پراگ کے ذریعے اور پودے پیدا کرنے کے لئے پودوں کو ان مکھیوں کی مدد کی ضرورت پڑتی ہے۔ مکھیاں لال رنگ نہیں دیکھ سکتیں۔ ماہروں کا قول ہے کہ اسی وجہ سے لال رنگ کے پھولوں کی کمی ہے۔ وہ یا تو سوکھ جاتے ہیں یا زیادہ بڑھ نہیں پاتے۔

پھول کے پاس جانے پر پراگ کی ٹوکریاں بھر جانے کے علاوہ شہد کی مکھیوں کے پیر اور جسم میں پراگ کے بیج لگ جاتے ہیں۔ پراگ کی ٹوکریاں بھرنے کے لئے مکھیوں کو کئی پھولوں کے پاس جانا پڑتا ہے۔ قدرت نے کچھ

پالی ہوئی شہد کی مکھیوں کا چھتا — گورنمنٹ ... جیلی کوٹ۔

ایسا انتظام کر دیا ہے کہ ایک دورے میں مکھیاں ایک ہی قسم کے پودوں پر جاتی ہیں۔ اس طرح شہد کی مکھیوں کے ذریعے ایک پودے کے پراگ کے بیج دوسرے پودے کے پیٹ میں پڑ جاتے ہیں۔ اس طرح کا عمل پودوں کے لئے بہت فائدےمند ہے۔ اس سے پھل کی خوبی اور تعداد دونوں بڑھتی ہے۔

مضبوط نسل پیدا کرنے کے لئے پودے اور آدمی دونوں کو نئے خون کی ضرورت ہوتی ہے۔ لوگ فطرتاً اس بات سے بہت پہلے سے واقف تھے۔ سائنس نے اسے بہت دیر میں اصول کی صورت میں رکھا۔ بہت جگہوں میں دوسرے خاندان میں شادی کرنے کی قدیم رسم پائی جاتی ہے۔ کیونکہ اس سے اچھی اولاد پیدا ہوتی ہے۔

مغربی ممالک میں شاید ہی کوئی ترقی یافتہ پھل لگانے والا ہو جو شہد کی مکھیوں کی مدد نہ لیتا ہو۔ وہاں پھولنے کے موسم میں
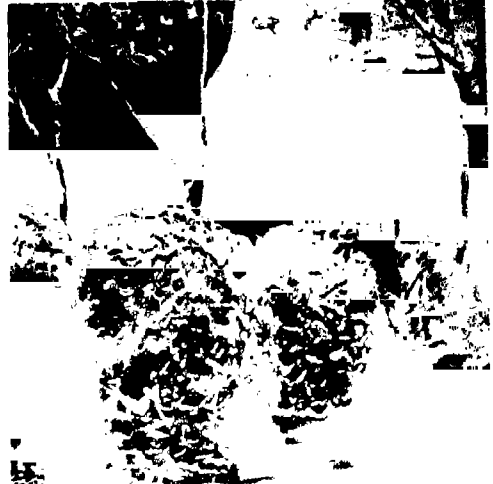
گورنمنٹ ... جیلی کوٹ جاڑے میں شہد کی مکھیوں کے گھروں کو پتوں سے ڈھک دیتے ہیں تاکہ انھیں سردی نہ لگے۔

شہد کی مکھی پالنے والے چھتے کے حساب سے اُس کا دام پاتے ہیں - وہاں اکثر پھل لگانے والے مکھیاں بھی پالتے ہیں۔

یورپ کے جنگ عظیم میں شہد کی مکھی پالنے کی طرف قطعی توجہ نہ کی گئی - ماہران کا قول ہے کہ لڑائی ختم ہو جانے پر اسی وجہ سے وہاں بہت دنوں تک پیداوار کم ہوئی۔ شہد کی مکھیوں کو پال کر حکومت روس سستے داموں میں زیادہ تعداد میں بیج پیدا کرنے میں کامیاب ہوئی ہے۔

المورڑا کے نزدیک شسیتلا کھیت میں راقم نے ایک پھل کے باغ میں شہد کی مکھیاں پالیں - نتیجہ یہ ہوا کہ چھتے سے قریب کے درختوں کے پھل دور کے درختوں کے پھلوں سے اچھے اور تعداد میں زیادہ پیدا ہوئے۔ مکھیوں کی قیامگاہ میں ایک سیب کا درخت تھا - اُس میں ریکارڈ قائم کرنے کی تعداد میں پھل لگے۔

یہ تعجب کی بات ہے کہ قدرت نے پودوں اور مکھیوں کی زندگی ایک دوسرے پر منحصر کر دی ہے۔ انسان دونوں کو ٹھیک طور پر رکھکر مالی فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔

یہ پیغام ہر ایک کسان کے گھر تک پہنچانے کی ضرورت محسوس کر کے محکمہ گرام سدھار کی طرف سے طالب علموں کو شہد کی مکھیاں پالنے کی ٹریننگ دینے کے لئے ایک اسکول کھولا گیا ہے - یہ اسکول جیل کوٹ (نینی تال) میں قائم ہوا ہے اور طالب علموں کی پہلی ٹکڑی کی ٹریننگ قریب قریب ختم ہو چکی ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ یہ نوجوان قومی جماعت کی شکل میں چاروں طرف لوگوں کو شہد کی مکھی پالنے کی ہدایات دیں گے۔

گھریلو دوائیں

کٹھیا

(۱) سونٹھ کے جوشاندے میں رینڈی کا تیل ملا کر پینے سے کمر کا درد دور ہوتا ہے۔

(۲) کریاری کی جڑ کا جوشاندہ گٹھیا اور لقوے کو دور کرتا ہے۔

(۳) مٹی کا تیل ملنے سے ریاح کا درد مٹتا ہے۔

(۴) مرچ کا لیپ کرنے سے جسم کا سُن ہو جانا جاتا ہے۔

سانس

(۱) انڈوسے کے پتے کو سکھا کر چلم پر رکھ کر پینے سے دمہ دور ہوتا ہے۔

(۲) گڑ اور کڑوا تیل ۲ تولہ استعمال کرنے سے سانس کا مرض دور ہوتا ہے۔

(۳) ہڑ کو کوٹ کر چلم پر رکھ کر پینے سے سانس کا مرض دور ہو جاتا ہے۔

دل کی بیماری

(۱) اگر کا چورن شہد کے ساتھ چاٹنے سے دل کا سکون بڑھتا ہے۔

(۲) ارجن درخت کی چھال دودھ میں اوٹا کر پینے سے دل کے امراض اچھے ہوتے ہیں۔

دمہ

(۱) شہد ملا کر تلسی کے پتوں کا رس پلانے سے بچوں کا دمہ چھوٹتا ہے۔

(۲) کالے دھتورے کی سوکھی جڑ کو چلم پر رکھ کر پینے سے یہ مرض دور ہوتا ہے۔

ساجھے کی کھیتی

(از شری ستی شنکر مشرا بی۔کام۔ انسپکٹر کوآپریٹو سوسائٹیز یو۔پی۔)

غریبی سے بڑھکر شاید اور کوئی دکھ نہ ہوگا حتی الامکان ہر شخص یہی کوشش کرتا ہے کہ چار پیسے زیادہ کمائیں۔ لیکن کسی کی آمدنی رفتہ رفتہ برابر بڑھتی جاتی ہے اور کسی کی گھٹتی جاتی ہے اور اس تیزی سے گھٹنے لگتی ہے کہ آمدنی سے گھر کا خرچ چلانا مشکل ہو جاتا ہے۔ اور قرض لے لے کر کام چلانا پڑتا ہے۔

ہمارے ملک کے کسانوں کی یہی حالت ہے۔ دوسرے ملکوں میں کسان خوب کھاتے پیتے ہیں، آرام سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ لیکن یہاں جو حال ہے وہ سب پر ظاہر ہے۔ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کے بہت سے زرعی ملکوں میں زراعت کا پیشہ اتنا برا نہیں ہے جتنا یہاں ہے۔ نئی زمینوں میں کھاد کم ہونے پر بھی اچھی پیداوار ہوتی ہے۔ دوسرے بہت سے ممالک میں وہاں کے باشندے صرف کھیتی ہی کے بھروسے پر نہیں رہتے۔ وہ مختلف کارخانوں میں کام کرتے ہیں وہاں دیہاتوں میں آدمی کم اور کھیت زیادہ ہیں۔ اس لئے کھیتی کرنے والے مزدوروں کی مزدوری بھی یہاں سے زیادہ ہے۔ اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ کل کارخانے والے بڑے بڑے شہروں میں کھیتی کی پیداوار کے دام بھی منہ مانگے ملتے ہیں۔ وہاں ایسے کسان کم ملیں گے جو کھیتی ہی پر گذارہ کرتے ہوں۔ کوئی بھیڑ بکریاں پالتا ہے کوئی گائے بیلوں کے ڈھور۔ کسی کے یہاں سینکڑوں مرغیاں پلی ہیں کوئی اپنے یہاں دس بیس چھتے پالتو شہد کی مکھیوں کے لگائے ہوئے ہے۔ بہت سے بیچنے کے لئے یا کم از کم اپنے کھانے ہی کے لئے پھل پھول ساگ ترکاری پیدا کر لیتے ہیں۔ جاپان و جرمنی وغیرہ ممالک میں گھریلو دستکاری کا بھی بڑا رواج ہے وہاں کھیت سے ذرا بھی فرصت ملتی ہے تو کوئی نہ کوئی چھوٹا موٹا کام شروع کر دیتے ہیں۔

ان ملکوں میں زراعت کا روزگار دو طریقوں سے ہوتا ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ کسی سرمایہ دار نے سینکڑوں بیگھہ زمین ایک چک میں خریدلی اس چک کے درمیان میں اپنا رہنے کا مکان بنا لیا۔ سینچائی کے لئے (اگر وہاں نہر نہ ہوئی) کنواں کھدوا لیا، مویشی پال لئے و نوکر رکھ لئے۔ نوکروں کی تنخواہیں بہت زیادہ ہوتی ہیں اسلئے مشینوں کا استعمال جہاں تک ارزاں ہوتا ہے کیا جاتا ہے۔ مالدار مالک عمدہ سے عمدہ بیج ڈالتا ہے۔ مناسب کھاد و سینچائی کا انتظام کرتا ہے۔ مویشیوں و فصلوں کو ان کی بیماریوں سے بچاتا ہے۔ اور اپنی فصل کو دور دور کی منڈیوں میں فروخت کرتا ہے۔ اس طرح کھیتی کی پیداوار تو بڑھ جاتی ہے مگر اس کا زیادہ فائدہ مالک کو ہوتا ہے۔ مزدوروں کو تو وہی بندھی بندھائی تنخواہ ملتی ہے اور ان کی وہی حالت ہے جو ہمارے یہاں ٹھاکر اور برہمنوں کی سیر جوتنے والے چماروں کی ہے۔ فرق یہی ہے کہ امریکہ میں ہلواہا پانچ روپیہ روز کماتا ہے اور یہاں مہینہ میں بھی اتنا مل جائے تو بہت ہے۔

دوسرا طریقہ کچھ کچھ ہمارے ہی ملک سے ملتا جلتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے کسان اپنی اپنی کھیتی علٰحدہ علٰحدہ کرتے ہیں۔ لیکن ان کے بھی کھیت ایک چک میں ہوتے ہیں۔ اور سرمایہ دار کاشتکاروں کا مقابلہ کرنے کے لئے

وہ لوگ اپنی تنظیم کرکے انجمن امداد باہمی بنا لیتے ہیں۔ اِن انجمنوں کے ذریعہ وہ اپنی وہ سب دِقتیں دور کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں جنکا سرمایہ داروں کے مقابلے میں اُنھیں اکثر سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً:-

(۱) سب لوگ ایک دوسرے کی ضمانت مہاجنوں سے کم سود پر اپنی انجمن کی طرف سے قرض لیکر آپس میں اپنی حیثیت و ضرورت کے مطابق تقسیم کر لیتے ہیں۔ پھر اپنی آمدنی سے رفتہ رفتہ قسطوں میں ادا کر دیتے ہیں۔ لیکن وہاں زیادہ تر کھیتی کی پیداوار بڑھانے ہی کے لئے قرض لیا جاتا ہے بیاہ شادی و مقدمہ بازی میں پھونکنے کے لئے نہیں۔

(۲) بیج، کھاد، ہل وغیرہ اکٹھا سستے نرخ پر خرید کر رکھ لیتے ہیں۔ اسی طرح روزمرّہ کے کام میں آنے والی کھانے پہننے کی چیزیں بھی انجمن خرید کر رکھتی ہے۔ پھر جسے جب جب ضرورت ہوتی ہے وہ نقد یا اُدھار انجمن سے خرید لیتا ہے۔

(۳) ایسی انجمنیں کھیتی کی پیداوار اپنے ممبروں سے خرید کر بڑی بڑی منڈیوں میں جب نرخ اچھا ہوتا ہے فروخت کرتی ہیں۔ جو نفع ہوتا ہے وہ باہم تقسیم کر لیتے ہیں۔ نقصان ہوتا ہے تو اُسے بھی باہم برابر برابر برداشت کر لیتے ہیں۔

(۴) ایسے بھی کام جیسے کنواں کھودنا، باندھ باندھنا وغیرہ جو تنہا ایک کسان نہیں کر سکتا، اِن انجمنوں کے ذریعہ کئے جاتے ہیں۔ رفتہ رفتہ ایسی انجمنیں دیہات میں میل محبت، ایک دوسرے کی امداد کا جذبہ پیدا کرتی ہیں۔ کھیل، کود، بالغوں کی تعلیم وغیرہ کا یہی انجمنیں انتظام کرتی ہیں۔ اور کسانوں کی انجمن گاؤں کی اسمبلی، ہائیکورٹ، اسپتال و کالج کا کام دینے لگتی ہیں۔ حالانکہ بہت چھوٹے پیمانے پر۔

کھیتی کا ایک تیسرا بھی طریقہ ہے۔ لیکن وہ صرف روس میں برتا جاتا ہے۔ وہاں نہ کسی کے اپنے کھیت ہیں نہ کسی کا نجی سرمایہ ہے۔ سب کچھ وہاں کی حکومت کا ہے۔ حکومت کو ہر صورت میں ہر ایک گھر کے کھانے پہننے کا انتظام ضرور کرنا پڑتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ حکومت کو بھی اختیار ہے کہ ہر ایک سے کام لے سکے۔ حکومت کا کام سب کے پیٹ بھرنا و سب سے کام لینا ہے نہ کوئی بھوکا رہ سکتا ہے نہ کام کرنے میں آنا کانی کر سکتا ہے۔ وہاں گاؤں والوں کو کھیت حکومت دیتی ہے۔ اور گاؤں والے انجمن امداد باہمی بنا کر کھیتی کرتے ہیں۔ کوئی ہل جوتتا ہے۔ کوئی چارہ کاٹتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جیسے گھر میں بھائی بھائی آپس میں اتفاق کرکے کھیتی کے سب کام کرتے ہیں اُسی طرح گاؤں بھر اپنے آپ کام بانٹ لیتا ہے۔ اور گاؤں میں جو فصل اچھی ہونے والی ہوتی ہے وہ بوئی جاتی ہے۔ یہاں کی طرح نہیں کہ ذرا سی کودوں بولی ذرا سی اُرد اور ذرا سی ارہر جس کھیت میں گیہوں پیدا ہو سکتے ہیں اُس میں بھی ہمارے ملک کے کسان چنا، مٹر اس لئے بو لیتے ہیں کہ شاید گیہوں کی فصل مر جائے تو چنے مٹر کا ہی سہارا رہے گا۔ جہاں گاؤں بھر کے ساجھے کی کھیتی ہو وہاں اِس کی ضرورت نہیں رہتی۔

اب ساجھے کی یا مشترکہ طرف ہماری توجہ بھی منعطف ہوئی ہے۔ کسانوں کی جان پنڈت جواہر لعل نہرو برابر یہی رائے دیتے رہے ہیں کہ مشترکہ طور پر اعلیٰ پیمانے پر کھیتی کی جائے جس سے خوب سرمایہ لگا کر نئے نئے کھیتی کے تجربوں کا فائدہ اُٹھا کر زیادہ سے زیادہ غلّہ پیدا کیا جائے۔ اور اب تو ہمارے صوبہ کی کانگریس کمیٹی نے بھی ہر ایک ضلع کانگریس کمیٹی کو اِس معاملے میں دلچسپی لینے کی رائے دی ہے۔

زمانہ بدل رہا ہے۔ ہمارے کسانوں کو بھی کھیتی اُس طریقے سے کرنی پڑے گی کہ وہ دوسرے ملکوں کے مقابلے میں اپنا مال فروخت کر سکیں کم سے کم سود پر قرض لے کر زیادہ سے زیادہ سرمایہ لگانا پڑے گا۔ عمدہ بیج، عمدہ کھاد اور کافی سینچائی کا انتظام کرنا ہے۔ کھیتوں کی چک بندی کرنی فصل کی پیداوار یکجائی مناسب نرخ پر فروخت کرنے کا انتظام کرنا ہے مویشیوں کی نسل سدھارنی ہے۔ مویشیوں و فصلوں کو

بیماری سے بچانا ہے۔ بغیر ان تدبیروں کے کام نہیں چل سکتا مگر یہ کام غریب کسان تنہا اپنے بوتے پر کر بھی نہیں سکتا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ کسان مل کر اپنی تنظیم کرکے اپنی مدد آپ کر نہ سکیں گے تو انھیں سرمایہ دار اور خود غرض مالکوں کی مزدوری ہی کرکے پیٹ پالنا ہوگا۔ ان کی حالت ان جولاہوں کی سی ہوگی جو پتلی گھروں میں سیٹھوں کی غلامی کرتے ہیں۔ کیوں کہ کرگھا مشینوں کے سامنے ٹھہر نہ سکا اور سرمایہ داروں نے سرمایہ کے زور سے مزدوروں کو غلام بنالیا۔

دیہاتی ضرب المثل ہے کہ "پڑھو تو پڑھو نہیں پنجرا خالی کرو"۔ کسان یا تو ترقی کریں یا غلامی۔ آگے بڑھیں یا پیچھے۔ درمیان میں نہیں ٹھہر سکتے۔ اور ترقی کا راز مشترکہ کھیتی میں ہے۔ ہمارے ملک میں روس کی طرح خواہ کھیتی نہ ہوسکے مگر بہت کچھ ہوسکتا ہے۔ شروع شروع میں میل جول کے ذریعہ چک بندی ہی کی جاسکتی ہے۔ فصلوں کے الگ الگ چک بنائے جاسکتے ہیں۔ تالاب، کنوئیں بناکر سینچائی کی جاسکتی ہے۔ پھر رفتہ رفتہ زیادہ مشکل کام بھی کئے جاسکتے ہیں۔

لیکن گاؤں میں تو لوگ کہتے ہیں کہ ساجھے کی کھیتی گدھے چرا کرتے ہیں۔ اگر یہی خیالات نہ ہوتے تو ہمیں باہری لوگ کیوں چرجاتے۔ بغیر ایک دوسرے کا اعتبار کئے۔ بغیر ایک دوسرے کی امداد کئے۔ بغیر دل سے خودغرضی اور بے ایمانی ہٹائے کہیں کچھ ہوسکتا ہے۔ دل میں ترقی کی خواہش کرنے سے پھر سب کچھ طریقے سوجھنے لگتے ہیں۔ اور سمجھائے بھی جاسکتے ہیں۔ اور جب دل میں یہ خیال ہو کہ سب کی جمع مار کر چھل و فریب سے کچھ کاٹ کپٹ لو تو پھر کون سی صلاح کام دے گی۔ اس بے ایمانی کا ایک نمونہ پیش کرکے میں اس چھوٹے سے مضمون کو ختم کرتا ہوں۔

ابھی چند دن ہوئے۔ ایک گاؤں میں گھریلو دستکاری کے متعلق بات چیت ہونے لگی۔ سیلاب میں گاؤں کے سب گھر گرگئے ہیں لوگ پھوس کی جھونپڑیوں میں رہتے ہیں۔ خریف کی فصل سب سڑ گئی۔ سرکاری تقاوی سے بیج بوئی گئی ہے۔ گاؤں شہر کے نزدیک ہے مگر اب شہر میں بھی مزدوری نہیں لگتی۔ خلاصہ یہ ہے کہ پوری تباہی ہے۔ میں نے گاؤں والوں کو گھریلو دستکاری کے متعلق بہت کچھ سمجھایا یہانتک کہ اگر وہ راضی ہوتے تو شروع میں کاتنے کے لئے روئی یا سن کا مفت انتظام کردیا جاتا۔ مگر سب نے ان باتوں پر دھیان نہ دیا۔ کہنے لگے "پنڈت جی! چرخا کتنی ہمارے کاتے نہ کاتا جائیگا۔ دس بیس روپے دیجئے تو ایک نیا روزگار چلائیں" میں خوش ہوا کہ انھیں کچھ سوجھی تو میں نے پوچھا "آخر کون سا روزگار سوچا ہے" تو ایک کہنے لگا "ایک دو پیسہ گھاس کا گھی (کوکوجم) اصلی گھی میں ملاکے بیچیں تو ایک کے دو روپئے کھڑے ہوں" میں بھونچکا سا رہ گیا۔ یہ ایک دیہاتی ذہنیت کا نمونہ ہے۔ جسے ہمیں پہلے بدلنا ہے۔ اور سدھار تو بعد کو ہونگے۔

اٹاوہ ٹریننگ کیمپ ۔ یہ اُس وقت کی تصویر ہے جب گرام سدھار ہفتہ کے سلسلے میں ہز ایکسیلنسی گورنر صاحب تشریف فرما تھے۔

گرام سدھار ٹریننگ کیمپ اٹاوہ

(از جناب وشوناتھ پرشاد انچارج)

[یوں تو صوبے کے سبھی ٹریننگ کیمپ قریب قریب ایک سے ہیں لیکن اٹاوہ ٹریننگ کیمپ اس معنی میں سب سے زیادہ کامیاب رہا کہ اس صوبے کے گورنر سر ہیری ہیگ، وزیر گرام سدھار ڈاکٹر کیلاش ناتھ کاٹجو، افسر گرام سدھار جناب منوہر لعل چترویدی اور دوسرے لیڈر تشریف لائے اور گرام سیوکوں کو اُن کی قربیت کا موقع حاصل ہوا]

گرام سیوکوں کا دوسرا جتھا تعلیم حاصل کر چکا۔ یہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۸ء سے یہاں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ اس کی تعداد ایک وقت میں ۵۶ تک ہو گئی تھی۔ مگر آخر میں ۵۳ رہی جن میں ۷ آنریری تھے جو ہر ضلع سے ۲ منتخب کرکے بھیجے گئے تھے۔ یہ اپنے خرچ سے ٹریننگ پا رہے تھے۔ اور کام کے قابل ہونے پر مستقبل میں گرام سدھار کے کام کے لئے، لے لئے جائیں گے۔

اس مرکز پر ٹریننگ پانے کے لئے بریلی، بجنور، بدایوں، مراد آباد، متھرا اور اٹاوہ، فرخ آباد و لکھنؤ سے گرام سیوک آتے ہیں۔ ان کے قیام کا انتظام گورنمنٹ انٹرمیجیٹ کالج کے راجپوت ہوسٹل میں کیا گیا ہے۔ اور اسی ہوسٹل میں (سرپرست) کلاس انچارج اور چرخہ انسٹرکٹر کے رہنے کی بھی جگہ ہے۔

یہاں پر ان سیوکوں کو انھیں موضوعوں پر تعلیم دی جاتی ہے جس کی ضرورت دیہاتوں میں پڑتی ہے۔ کھیتی، پرورش مویشیان، علاج، امداد باہمی، دیہاتی اقتصادیات، گھریلو صنعت و حرفت، اسکاؤٹنگ، حفظان صحت، تعلیم بالغان،

کیسر میں گاؤں والوں کے ذریعہ بنائے گئے ایک بیج بھنڈار کی افتتاح

شہریت، پنچایت، ایکٹ ۱۹۲۵ء وغیرہ۔ اِن موضوعوں پر تعلیم دینے کا مقصد صرف یہی ہے کہ یہ سیوک دیہاتیوں کے سچے دوست اور صلاح کار ثابت ہوں۔

روزانہ لوگ ٹھیک ۴½ بجے صبح کی گھنٹی کے ساتھ اُٹھ بیٹھتے ہیں۔ اور کچھ مطالعہ کرنے کے بعد ۶½ بجے صبح تک کسرت کرنے کے لئے میدان میں آجاتے ہیں۔ کسرت، بندے ماترم اور جھنڈے کی سلامی کے بعد کھیتی یا چرخے کے کلاس میں طالب علم جاتے ہیں۔ ۱۲ بجے سے ۴½ تک امداد باہمی، دیہاتی اقتصادیات، کھیتی۔ حفظانِ صحت اور مویشیوں کے متعلق لیکچر ہوتے ہیں۔ رات میں ۸½ سے ۹½ تک تفریحی کلاس دن بھر کی تکان مٹانے کے لئے بہت اچھا معلوم ہوتا ہے۔

اتوار کا روز دیہاتوں میں کام کرنے کے لئے رکھا جاتا ہے۔ سارے کلاس کو ۴ ٹولیوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے ایک ایک ٹولی کے سپرد قریب کا ایک ایک گاؤں چن کر کر دیا گیا ہے۔ وہاں پر گرام سیوک گرام سدھار کا کام آزادانہ طور پر کرتے ہیں۔

چرخہ کلاس میں ہر روز بنائی، دھنائی، پونی بنانے اور سوت کاتنے کا کام ہوتا ہے۔ کھیتی کی تعلیم چودھری کم پال سنگھ ایل۔ اے۔ جی انسپکٹر شعبہ زراعت و حفظانِ صحت ڈاکٹر دیوان چند جی دے رہے ہیں۔ جنرل لیکچر کے لئے

ہز ایکسلینسی گورنر صاحب، کوآپریٹو سوسائٹی کے سرپنچ اور رورل ڈویلپمنٹ انسپکٹر کے ساتھ گاؤں کا چکر لگا رہے ہیں۔

شہر کے معززین اور باہر سے آئے ہوئے حضرات سے درخواست کی جاتی ہے۔ مندرجہ ذیل حضرات کیمپ میں تشریف لا چکے ہیں۔

شری ستیہ نارائن دت جی صدر گرام سدھار کمیٹی اٹاوہ۔ شری مہاویر شکل ڈیویژنل سپرنٹنڈنٹ گرام سدھار۔ شری متی ودیاوتی راٹھور، ایم۔ ایل۔ اے۔ رائے صاحب ہری چند چترویدی کلکٹر اٹاوہ۔ سر ہیری ہیگ گورنر یو۔پی۔ شری آتمارام گووند کھیر پارلیمنٹری سکریٹری یو۔پی۔ ڈاکٹر کیلاش ناتھ کاٹجو وزیر گرام سدھار۔ مسز شیپرڈ، پروفیسر سکسینہ۔ شری مہنت جیمنی۔ شری منوہر داس چترویدی۔ افیسر محکمۂ گرام سدھار۔ ان کے علاوہ اور کتنے ہی حضرات نے کیمپ میں مختلف موضوع پر تقریریں کیں، اُن کی مشکلات سنیں اور اُن کی حوصلہ افزائی کی۔

صوبے کے گورنر سر ہیری ہیگ نے اِن الفاظ میں ٹریننگ کیمپ کی تعریف کی:۔

"ٹریننگ کلاس کا کام دیکھ کر مجھے بڑی مسرت ہوئی وہ مجھے منظم نظر آیا اور طالب علم مشتاق دکھائی دئے۔ میں نے محکمۂ صحت عامہ کے ڈسٹرکٹ میڈیکل آفیسر صاحب کا حفظانِ صحت پر دیا گیا لیکچر بھی سنا جو مجھے بہت پسند آیا۔ میں نے کلاس کے کئی طالب علموں کے روئی تیار کرنے اور سوت کاتنے

آنریبل ڈاکٹر کیلاش ناتھ کاٹجو، وزیر جسٹس اور ڈیویلپمنٹ یو پی کا بسر ہر ضلع اٹاوہ میں استقبال

آنریبل ڈاکٹر کیلاش ناتھ کاٹجو بسر ہر کے پنچائیت گھر کی بنیاد رکھتے ہیں

کے عملی کام بھی دیکھے۔ مجھے پوری امید ہے کہ یہ کلاس آرگنائزروں کو بہتر اور عملی تعلیم دینے کا مقصد پورا کریگا۔ جسے حاصل کر کے وہ گاؤں میں فائدہ اُٹھا سکیں گے۔ اس کام کا سہرا کلاس کے انچارج شری وشو ناتھ پرساد اور گرام سدھار ایسوسی ایشن کے چیرمین شری ستیہ اُتن دت کے سر ہے؟"

شری منوہر داس چترویدی افیسر محکمۂ گرام سدھار نے گرام سیوکوں کے فرائض پر ایک بڑی اہم اور حقیقت افروز تقریر کی جس کا گرام سیوکوں پر بہت کافی اثر ہوا۔

چترویدی جی کی صدارت میں رات میں ایک کیمپ فائر بھی بڑے اہتمام سے کیا گیا۔ ضلع کے دیگر افسران بھی شریک تھے جس میں شری دیبی لال شاہ فاریسٹ افیسر کا نام خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے۔ طالب علموں کے گیت، نظموں اور مکالموں سے چترویدی جی اتنے متاثر ہوئے کہ اُن کے خفیہ خیالات جاگ اُٹھے اور اُنھوں نے اُردو شاعری پر ایک حقیقت افروز تقریر کی اور اپنی نظمیں سُنا کر سب کو متحیر کر دیا۔ غالب کی شاعری کی نکتہ چینی اور اُن کی غلطیوں کی مناسب اصلاح تو ایک تعجب خیز بات معلوم ہوتی تھی۔ لندن کے باشندوں کی زندگی پر اپنی ایک نظم سُنا کر تو عام فہم، خوبصورت اور جذبات کی ایک زندہ تصویر کھڑی کر دی۔

۲۰ جنوری کو پنڈت جیوتی شنکر دیکشیت کی الوداعی تقریر کے ساتھ اِس جتھے کا کام ختم ہوا۔

گرام سیوکوں کو عملی تعلیم دینے کے لئے مختلف معاون کمیٹیاں اور گرام سدھار والے گاؤں جیسے کیس، گڈھپور، بسر ہر، بادی پورا، اور اکبر پور دکھلائے گئے جہاں پر اُنھیں ایسی انجمنیں بنانے اور چلانے کا کام پوری طرح دکھایا گیا ہے۔

آفیسر صاحب گرام سدھار کی مہربانی سے گرام سیوکوں نے جناب منظر علی سوختہ کی قیام گاہ بھی دیکھی یہ جگہ کانپور سے ۴ میل دور کانپور اٹاوہ روڈ پر ہے۔ آشرم کی خوبصورتی، پاکیزگی اور سادگی کی تعریف کرنا دشوار ہے۔ اِس کو دیکھ کر تو قدیم بزرگوں اور فقیروں کے آشرموں کی یاد آتی ہے۔ ویسی ہی شانتی۔ ویسے ہی درخت اور پودے۔ طالب علموں کا شور و غل اور ریاضت میں مشغول سوختہ صاحب۔ اس منظر کو دیکھ کر

اور روزانہ صبح سوختہ صاحب کی نصیحت سُن کر اُن میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو متاثر نہ ہوا ہو۔ سبھی وہاں کی پاکیزگی اور سادگی دیکھ کر مانوس ہو گئے۔ میرے خیال میں یہاں کی تعلیم کے بغیر سیوکوں کی تعلیم ادھوری رہجاتی۔ دل تو کہہ رہا تھا کہ کچھ دنوں تک یہیں سکون و شانتی کا مزہ لیں مگر دنیا کے دوسرے بندھن اپنی طرف کھینچ رہے تھے جس کے باعث دو ہی روز بعد وہاں سے بھاگنا پڑا۔

اس کیمپ میں دیگر موضوعوں کی تعلیم کے علاوہ خدمت، پختگی کردار اور حفظانِ صحت پر خاص توجہ کی گئی ہے جس سے یہ کامیاب خادم اور شدھارک بن سکیں۔ امید ہے کہ اس کیمپ کے طالب علم اپنے فرائض نہ بھولیں گے۔

پیغامِ عمل

اے نیند کے ماتے ہوش میں آ، یہ عالم ہے بیداری کا
پیغامِ عمل لے کر آیا ہے قافلہ صبحِ بہاری کا
اب خوابِ گراں کی بدمستی کی سحر طرازی ختم ہوئی
دُنیا کے جوان و پیر سبھی بھرنے لگے دم ہُشیاری کا
کھیتوں میں مشقت کرنے کو ہل بیل لئے دہقان چلے
رہگیر بھی چونکے وقت ہوا منزل کی طرف تیاری کا
آفاق سے شب کی ظلمت کے وحشت افزا پردے اُٹھے
ہر سمت ضیائیں لہرائیں در کھُل گیا لطفِ بہاری کا
گردوں پہ مصوّرِ فطرت نے تصویرِ شفق میں رنگ بھرا
بہتے دریا نے پیش کیا اِک منظر رقص نگاری کا
ہر سو کسی شاہدِ رعنا کے فردوسِ نظر جلوے چمکے
ہر دیدۂ بینا بھرنے لگا دم بیخودی و سرشاری کا
ذرّاتِ زمیں کے سینے میں جذباتِ ترقی جاگ اُٹھے
مشرق سے کرشمہ دکھلایا خورشید نے تابش باری کا
اُٹھ دیکھ کہ بزمِ ہستی کا انداز ہی اور سے اور ہوا
تو خود کو بدل کر کچھ کر کے دکھا اب وقت ہے کارگذاری کا

(زمانہ)

ہندوستان کی پُرانی اور آج کی پنچائتیں

از جناب محمد اختر صاحب ایم اے ایل ایل بی - ڈویژنل سپرنٹنڈنٹ گرام سدھار
روہیلکھنڈ ڈویژن بریلی

ہندوستان کی ۸۰ فیصدی آبادی مواضعات میں آباد ہونکی وجہ سے جب تک حکومت میں دیہاتوں کا خاص حصّہ نہ ہو اصل سوراج نہیں ہوسکتا۔ لیکن افسوس ہے کہ ان بیچاروں کی حالات اس قدر خراب ہوگئی ہے کہ وہ جلد اس چیز کو سمجھنے کی قابلیت بھی نہیں رکھتے کہ سوراج کیا چیز ہے اور اس سے کیا فوائد حاصل ہوسکیں گے۔ ان کی حالت کی درستی کے جو طریقے سمجھدار اصحاب سوچ رہے ہیں انکے منجملہ ایک یہ بھی ہے کہ ہر گاؤں میں پنچائتیں قائم کیجاویں تاکہ اسکی تمام ضروریات اپنے گاؤں ہی میں پوری ہوسکیں اور ہر گاؤں ایک چھوٹی میونسپلٹی یا سلطنت خود بن جائے۔

افسوس ہے کہ حوادثات زمانہ نے ہماری تمام مایۂ ناز چیزونکو ایسا ملیا میٹ کر دیا کہ اب اگر انکی یاد بھی کسی کو دلائی جاتی ہے تو اسکو یقین تک نہیں آتا۔

ہندوستان میں ہمیشہ سے پنچایت کا طریقہ رہا ہے اور پورانے زمانہ کی پنچائتیں ایسی تھیں کہ گاؤں کی تمام ضروریات اس ہی کے ذریعہ سے حل ہو جایا کرتی تھیں اور غالباً یہ تک کہنا غلط نہ ہوگا کہ سوائے چند بڑے اشخاص کے جنکا تعلق گورنمنٹ کے افسران سے رہتا تھا اور لوگ یہ تک نہیں جانتے تھے کہ ہمارا بادشاہ کون ہے اور اس کے حکام کون لوگ ہیں۔

یہ کہنا کہ پنچائتیں کامیاب نہیں ہوسکتیں میرے خیال میں بالکل غلط ہے اور اس بات پر مبنی ہے کہ ہم اس کے حلات سے پوری طور پر واقفیت نہیں رکھتے۔ اگر انکی اصلی شکل سمجھ لی جاوے اور ان کو صحیح راستہ پر چلانے کی کوشش کیجاوے تب کوئی وجہ نہیں ہے کہ وہ بہترین چیز نہ ثابت ہوں۔

تاریخی حیثیت سے پنچایت سسٹم تین زمانوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

اوّل - انگریزوں کے ہندوستان آنے سے بہت قبل کا زمانہ
دویم - جس زمانہ میں انگریز ہندوستان میں آئے۔ اور
سویم - زمانہ حال۔

حال کے زمانہ کے لئے تو میرے خیال میں کچھ زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے چونکہ سوائے نام کے آجکل کی پنچایتوں میں کچھ باقی نہیں ہے۔ کلکٹر صاحب ضلع ایک خاص حلقہ کے لئے چند آدمیونکا بطور پنچ کے تقرر کر دیتے ہیں اور ان کو بے انتہا معمولی معاملات طے کرنیکا اختیار ہوتا ہے۔ انکی علٰحدگی وغیرہ بھی بالکل حاکم ضلع کے ہاتھ میں ہے اور تقرری یا برطرفی میں کسی دوسرے شخص کی رائے کو کوئی دخل نہیں ہے۔

زمانہ اوّل کے متعلق بہت کم حالات کا علم ہے۔ لیکن بہرحال جو حالات معلوم ہوسکے ہیں ایسے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہر گاؤں میں ایک پنچایت ہوتی تھی اور گاؤں کے خاص لوگ مثلاً ہندو برہمن مسلمان مولوی۔ مندر کا مہنت جولاہہ دھوبی۔ نائی۔ چمار۔ بڑھئی۔ لوہار۔ پوسٹ مین۔ بھنگی۔ تیلی۔ مالی۔ زرگر وغیرہ اسکے ممبر ہوتے تھے اور گاؤں کا مقدم اس کا صدر ہوتا تھا۔ گاؤں کے تمام معاملات کا تعلق عموماً اور مذہبی و معاشرتی کا خصوصاً اس ہی پنچایت سے تھا۔ گاؤں کی ضروریات کے لئے جس قدر روپیہ کی ضرورت ہوتی تھی وہ قیمتی طور پر یہ ہی پنچایت بطور چندہ کے وصول کر لیا کرتی تھی۔ یہ پنچایت ایک مستقل چیز تھی اور اس سے ممبران کا گھٹانا بڑھانا عام لوگوں کی رائے پر منحصر ہوتا تھا۔ ہر گاؤں بذات ایک الگ چیز تھا اور اپنی کل ضروریات کا خود ذمہ دار ہوتا تھا۔

دوسرے زمانہ کے متعلق حالات کا علم کچھ زیادہ تفصیل سے ہے۔ مسٹر الفنسٹن نے اس زمانہ کی گورنمنٹ کے متعلق لکھا ہے کہ دکھن کی ملکی حکومت میں خاص چیز یہ ہے کہ وہ مواضعات اور

قصبوں میں منقسم ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک ایک چھوٹی سلطنت کا نمونہ ہے۔ اگر حکومت کے تمام عمّال کو ہٹا بھی لیا جائے تو ان میں سے ہر ایک گاؤں اپنے آدمیوں کی خود حفاظت کر سکتا ہے۔

اس زمانہ کی پنچایتیں عام طور پر مستقل نہیں ہوتی تھیں بلکہ جس وقت کسی معاملہ کو طے کرنے کی ضرورت پیش آتی تھی تو فوراً پنچایت قائم کر دی جاتی تھی۔

جو پنچایت مقدمات طے کرنیکے لئے قائم کیجاتی تھی اس میں عام طور پر مدعی اور مدعا علیہ کے ذات، برداری یا پیشہ کے آدمی ہوتے تھے۔ کچھ آدمی مدعی اپنی طرف سے مقرر کرتا تھا اور اسی قدر مدعا علیہ اپنی طرف سے مقرر کرتا تھا۔ اور ضلع کا حاکم اپنی طرف سے کسی کو اس پنچایت کا صدر مقرر کر دیتا تھا۔ پنچایت مقرر کرتے وقت اس بات کا خاص طور پر لحاظ رکھا جاتا تھا کہ فریقین کا متعلقہ قانون جاننے والے ایک یا دو آدمی اس میں ضرور شریک ہوں۔

ایک فریق کے مقرر کردہ پنچوں پر دوسرے فریق کو اعتراض کا حق ہوتا تھا اور جو اعتراضات ہوتے تھے وہ کوئی حاکم فیصل کرتا تھا۔ لیکن بغیر نہایت مضبوط وجہ کے مقرر کردہ پنچان میں تغیر تبدل مشکل سے ہوتا تھا۔ چونکہ وہ حاکم اس بات کا لحاظ رکھتا تھا کہ قدرتاً ہر فریق اپنے خاص دوستوں کو یا اپنے مخالف کے خاص دشمنوں کو اپنا پنچ مقرر کرے گا۔

برخلاف آجکل کی پنچایت کے معمولی مقدمات گورنمنٹ کے حکام طے کرتے تھے اور تمام بڑے معاملات پنچایت کی سپرد ہوتے تھے۔ چنانچہ گرانٹ صاحب نے لکھا ہے کہ بغیر پنچایت کے کوئی بڑا معاملہ طے ہونا ایک غیر معمولی اور خلاف قانون امر تھا۔

دیوانی اور فوجداری دونوں کے معاملات پنچایت کے ذریعہ سے طے ہوتے تھے اور پنچایتیں قتل کے مقدمات فیصل کر کے سزائے موت تک دیتی تھیں۔

بداخلاقی کے جرائم میں عام طور پر جو پنچایت بنائی جاتی تھی وہ یا تو ملزم کی ذات کے سرکردہ لوگوں پر مشتمل ہوتی تھی یا گاؤں کے بڑے لوگ اس میں مقرر کئے جاتے تھے۔ اور مذہبی قانون جاننے والوں کی رائے خاص طور پر شامل کیجاتی تھی۔

جو لوگ پنچ مقرر کئے جاتے تھے ان کو باقاعدہ حاضری کی اطلاع کیجاتی تھی۔ اور اگر پنچوں اور گواہاں میں سے کوئی کئی مرتبہ کے بلانے پر بھی بغیر کسی معقول وجہ کے نہیں آتا تھا تب کچھ لوگ اس کے لینے کے لئے بھیجے جاتے تھے اور جب تک کہ وہ چلنے کے لئے تیار نہ ہوتا وہ اسکے یہاں اسی کے خرچہ پر مستقل طور پر رہنا شروع کر دیتے تھے۔

پنچوں کو کوئی مقررہ فیس نہیں دیجاتی تھی بلکہ وہ فریقین سے یکمشت کچھ لے لیا کرتے تھے۔ اور اس میں کچھ ہرج بھی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ ہارنے والا فریق کم از کم ان کے اخراجات ضرور برداشت کرتا تھا اور بعض اوقات فریقین اپنے اپنے مقرر کردہ پنچوں و گواہان کے اخراجات علیحدہ علیحدہ برداشت کرتے تھے۔

معمولی مقدمات میں کوئی کورٹ فیس نہیں لیا جاتا تھا۔ بہت بڑی جائدادوں کے معاملات میں مدعی کو بوقت دائرہ مقدمہ جائداد کا چوتھائی حصہ دینا پڑتا تھا۔ لیکن حتی الامکان انصاف اس قدر سستا حاصل ہو سکتا تھا کہ بیان نہیں۔

پنچایت بن جانے کے بعد وہ فوراً اپنا کام شروع کر دیتی تھی اور جس قدر جلد ہو سکتا تھا معاملہ طے کر دیتی تھی بعض اوقات وہاں کا حاکم کوئی آخری دن جس تک فیصلہ ہو جانا چاہئے مقرر کر دیتا تھا اور یہ حکم دیدیتا تھا کہ اگر اس دن تک مقدمہ طے نہ ہو تب پنچان کوئی فیس یا خرچہ پانیکے مستحق نہ ہونگے۔ یہاں تک بھی بعض اوقات ہوتا تھا کہ پنچوں پر پہرہ بٹھا دیا جاتا تھا کہ جب تک وہ تجویز نہ دیدیں وہ کچھ کھا پی نہیں سکتے۔

عام طور پر مقدمہ کی کوئی تحریری کارروائی علاوہ عرضی دعویٰ، بیان تحریری و تجویز کے نہیں رکھی جاتی تھی۔ کارروائی نہایت سادہ طریقہ پر ہوتی تھی یعنی اوّل مدعی کا بیان لیا جاتا تھا۔ پھر مدعا علیہ اپنا جواب پیش کرتا تھا۔ پھر فریقین کے گواہان کے بیان سنے جاتے تھے اور اس کے بعد تجویز دیدی جاتی تھی۔

ایک خاص بات یہ تھی کہ وکیل وغیرہ اس زمانہ میں بالکل نہیں ہوتے تھے۔ اگر کوئی فریق اس قابل نہیں ہوتا تھا کہ وہ اپنے مقدمہ کی ٹھیک طور پر پیروی کر سکے تب اسکو یہ اجازت دیجاتی تھی کہ وہ اپنے کسی عزیز یا دوست سے اس کی پیروی کرا سکے۔

تجویز معہ تمام وجوہات کے صدر سناتا تھا اور اس پر تمام پنچان کے دستخط ہوتے تھے۔ تجویز مذکورہ بالا پر کسی دوسرے حاکم کے دستخطوں کی ضرورت نہیں ہوتی تھی اور اس کا کوئی اپیل بھی معمولاً نہیں ہوتا تھا۔

اس زمانہ کے پنچوں کی ایمانداری اس بات سے ظاہر ہوتی ہے کہ اکثر اوقات مقدمہ غیر حاضر فریق کے حق میں طے ہو جاتا تھا۔ ایک صاحب نے لکھا ہے کہ باوجود معمولی غلطیاں یا بے ایمانیوں کے اس میں شک نہیں ہے کہ عام طور پر پنچایتوں کی کارروائی نہایت آزادانہ اور عمدہ طور پر ہوتی تھی۔ شہادت اچھی طرح سنی جاتی تھی اور اس کا موازنہ کیا جاتا تھا۔ کاغذات غور سے پڑھے جاتے تھے اور زیادہ تر معاملات میں ڈگری صحیح اور غیر جانبدار ہوتی تھی۔

اکثر اوقات پنچایت مقدمہ جیتنے والے کو کچھ معاوضہ دلایا کرتی تھی۔ ان تمام باتوں کا موازنہ آجکل کے حالات سے کیا جاوے تو سوا اسکے ۔ میں کہا جا سکتا کہ آجکل مقدمہ بازی یا دوسرے الفاظ میں انصاف مانگنا ایک وبال جان ہے "جو جیتا وہ ہارا اور جو ہارا وہ مرا" کی جو مثل کہی جاتی ہے وہ بالکل صحیح ہے۔

ایک معمولی مقدمہ لڑانے کے لئے بیچارے فریقین کو ایک کافی تعداد روپیہ کی علٰحدہ رکھ لینا ضروری ہے۔ کورٹ فیس۔ طلبانہ فیس وکیل اور مختلف قسم کی رشوتیں وغیرہ ظاہر ہے کہ کس قدر بار گراں ہوتی ہیں۔ پھر افسوس ہے کہ قانون کی پیچیدگیاں ایسی ہوتی ہیں کہ تجربہ میں تو یہ آیا ہے کہ مقدمہ چاہے کتنا ہی سچا اور صحیح ہو جب تک اس میں جھوٹ کا نمک مرچ نہ لگایا جاوے کبھی کامیابی نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ ایک مرتبہ اگر دو شخصوں میں مقدمہ بازی ہو جاتی ہے تب ہارنے والا فریق اور اس کے بیٹے پوتے تک ہمیشہ اس ہی خیال میں رہتے ہیں کہ فلاں شخص نے ہمارے باپ یا دادا کو سزا کرائی تھی ہمیں اسکا بدلہ ضرور لینا چاہئے اور اس طرح دو خاندانوں میں ہمیشہ کے لئے عداوت قائم ہو جاتی ہے جو کہ یقیناً ان کی بربادی کا باعث ہوتی ہے۔ میں نے خود ایک نہیں کئی اس قسم کے مقدمات دیکھے ہیں کہ جنکا تعین تو صرف پچیس تیس روپیہ کا ہے لیکن ان فریقین کے ہزارہا روپیہ برباد ہو چکے ہیں اور کسی طرح سلسلہ ختم ہونے میں نہیں آتا۔

اگر کسان بھائی بھی اپنے اپنے گاؤں میں پنچایتیں قائم کر کے اپنے معاملات وہاں طے کرا لیا کریں تو ظاہر ہے کہ ان کو کس قدر فوائد ہوں۔ سب سے پہلے کورٹ فیس۔ طلبانہ فیس وکیل اور رشوتوں میں جو اپنی گاڑھی کمائی کا پیدا کردہ روپیہ پانی کی طرح بہاتے ہیں وہ بچ رہیگا۔ دوسرے یہ کہ ظاہر طور پر پنچ لوگ گاؤں ہی کے رہنے والے ہوتے ہیں اور انکو مقدمہ کے اصلی حالات کا صحیح علم ہوتا ہے۔ لہذا یقیناً وہاں انصاف ہونیکی زیادہ امید کیجا سکتی ہے۔ چونکہ وہاں قانون کی پیچیدگیوں کا بھی زیادہ جھگڑا نہیں ہوگا اور بالکل سیدھے سادھے طریقہ پر تمام معاملات طے ہو جایا کریں گے۔ پھر جو مقدمہ بازی کے سلسلہ میں آئندہ کی عداوت قائم ہو جایا کرتی ہے وہ بھی آسانی سے رفع کیجا سکتی ہے یعنی گاؤں کے پنچ اور دیگر بڑے لوگ بعد طے کرنے مقدمہ کے دونوں فریقین کو آپس میں گلے ملوا کر آئندہ کے جھگڑے ختم کرا سکتے ہیں۔ فقط۔

کہانی

ایک چینی بچہ نے اپنی دادی کے سامنے کتاب رکھکر کہا۔ پڑھو بوڑھی دادی بولی۔ میں تو مرنے پر ہوں۔ اب کیا پڑھوں؟

اس پر بچہ نے پوچھا۔ مرکر کہاں جاؤگی۔ دادی؟

دادی نے جواب دیا۔ سورگ (بہشت)

تب بچہ ہنسکر بولا۔ اگر سورگ کے دروازہ پر دربان تم کو روک کر دستخط کرنے کو کہے تو تم کیا کروگی؟

اس کا جواب بوڑھی کو نہ سوجھا اور وہ اسی دن سے بوڑھاپے میں ہی پڑھنا لکھنا سیکھنے لگی۔

(ہریجن)

اقبالی موٹر

(از جناب نارکنڈے باجپیئی ایم۔ اے۔ ایل ایل بی)

ایک قصبہ تھا۔ تھا تو دیہات ہی قسم کا مگر اسے دیہات کہدو تو وہاں کے رہنے والے ناراض ہوجائیں آس پاس کے گاؤں کے رہنے والے بھی ناراض ہو جائیں۔ قصبوں کو کون کہے ان کے لئے تو آس پاس وہی شہر ہے مگر اسے شہر کہہ دو تو شہر والے ناراض ہو جائیں۔ اچھا یہی ہے کہ آدھا تیتر آدھا بٹیر رکھکر اسے قصبہ کہہ دیا جائے۔ دیہات والے بھی خوش اور شہر والے بھی سچ پوچھو تو دنیا میں آدمی سب کو خوش نہیں رکھ سکتا گھر ہی کی باتیں لے لیجئے۔ بیوی بیچاری اگر بچوں کو خوش رکھتی ہے تو شوہر صاحب منہ پھلالیتے ہیں کہ ان کا کوئی خیال ہی نہیں کرتا۔ اب خیال کوئی کیا کرے؟ چوبیس گھنٹے کوئی سر پر چڑھاکر گھومے یا کندھوں پر لاد کر پھرے۔ مگر آخر باہر کا غصہ گھر میں اترنا تو چاہئے ہی، اور کوئی بہانہ نہ ملا تو یہی سہی۔ اگر شوہر کو خوش رکھے تو بچے ناراض۔ میری ایک چھوٹی سی بھتیجی نے ایک دن بڑے پیار سے اپنا چھوٹا سا دل مجھے کھول کر دکھلادیا۔ کہنے لگی کہ پتاجی مجھے پیار نہیں کرتے، ماتاجی کو ہی کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ پھول لاتے ہیں تو ماتاجی ہی کو دیدیتے ہیں مجھے کبھی نہیں پوچھتے۔ اسی طرح کی باتیں اپنی ماتاجی کی بتائیں۔ وہ نہ بتاؤں گا۔ بھائی سے تو نپٹ لونگا لیکن ان کی بیوی صاحبہ مجھ سے لڑنے آگئیں تو میں کیا کروں گا؟ عورتوں سے کون لڑائی مول لے؟ میں نے تو پہلے ہی کہدیا ہے کہ انسان سب کو خوش نہیں رکھ سکتا۔ پر فضول کسی سے لڑے بھی کیوں؟ خصوصاً جب ایک نام کے استعمال سے شہر والے بھی خوش اور گاؤں والے بھی۔

میرے ایک وکیل دوست اسی قصبے میں رہتے تھے۔ انھیں سے کچھ کام تھا اس لئے وہاں گیا ہوا تھا۔ اسٹیشن سے تانگہ لیا اور قصبے کی کھائیوں والی سڑک پر اپنا سارا کھایا پیا ہضم کرتا ہوا چلا جا رہا تھا۔

اتنے میں پیچھے سے دھڑ دھڑ، پڑ پڑ، ہڑ ہڑ کرتا ہوا ایک طوفان آیا اور پاس آکر کچھ دھیما پڑگیا۔ تانگے کا گھوڑا ایک بار چونکا اور پھر چلنے لگا غور سے دیکھا تو وہ طوفان میرے ایک دوست کا موٹر نکلا۔ انھوں نے اسے پچیس یا چھبیس روپئے کا خریدا تھا اور کسی برتے کا تو وہ تھا نہیں مگر میرے دوست مشینوں کے استاد ہیں۔ میرے دوست ہی اسے چلا رہے تھے۔ مجھے دیکھکر انھوں نے اسے روک بھی لیا تھا مگر وہ موٹر ایسا ویسا نہ تھا اسے چلتے چلتے تو دیر لگتی ہی تھی۔ پر چلتے چلتے تو بہت سے موٹروں کو دیر لگتی ہے، اس کو رکتے رکتے بھی دیر لگتی تھی۔ غبار کے بادل میں سے قریب آدھ میل بعد جب تانگہ نکلا تو میرے دوست اور ان کا موٹر دونوں ہی کھڑے ملے۔ پوچھنے لگے کہ کیسے آئے؟ رومال سے منہ پوچھتے ہوئے بتلایا کہ وکیل صاحب کے یہاں آیا تھا۔ انھوں نے تانگہ تو رخصت کر دیا اور مجھے ساتھ بٹھال لیا۔ ہم لوگ دھڑ دھڑاتے ہوئے وکیل صاحب کے یہاں پہنچے۔ اسی وقت وکیل صاحب کو انکا کوئی آسامی کچھ مرغیاں دے رہا تھا۔ سوغات لایا تھا۔ وکیل صاحب اپنے بنگلے کی سڑک پر کھڑے ہوئے انھیں دیکھ رہے تھے۔ اتنے میں ہم لوگ دھڑ دھڑاتے ہوئے پہنچے۔ مرغیاں جان لیکر بھاگیں اور آدمی انکے پیچھے پیچھے بھاگا۔ وکیل صاحب الگ گھبراگئے معلوم ہوا کہ وہ آدمی تو بعد کو آگیا مگر مرغیاں آج تک نہیں ملیں وکیل صاحب نے خفا ہوکر ہم لوگوں سے کہا کہ یہی وقت ہم لوگوں کو آنے کو ملا تھا۔ پھر انھوں نے چائے پلائی۔ مرغیاں ہوتیں تو انڈے بھی ملتے مگر مرغیوں کا تو تب تک کہیں نام نشان بھی نہ تھا۔ وہاں سے چلے تو میرے دوست نے کہ انھیں ایک گاؤں جانا ہے تھوڑی ہی دیر میں لوٹنے کا وعدہ بھی کیا۔ موٹر وہی چلا رہے تھے میں کر ہی کیا سکتا تھا۔ دھڑ دھڑ کرتی ہوئی موٹر

دیہات چل پڑی۔ میرے دوست نے موٹر خریدتے وقت
کہا تھا کہ دیہاتی راہوں کے لئے ہی وہ موٹر
انھوں نے خریدی تھی تبھی سے ہم لوگوں نے اس
کا نام ہی دیہاتی موٹر رکھ دیا تھا۔ ہم لوگ جب
چل چکے تو معلوم ہوا کہ تیرہ میل جانا ہے۔ انگریز لوگ
تیرہ کی گنتی بڑی منحوس سمجھتے ہیں۔ پھر بھی امریکہ کے
صدر ولسن کے لئے تیرہ تاریخ بہت دنوں تک مبارک
ثابت ہوئی۔ یہی سوچ کر صبر کیا۔

تین میل پختہ سڑک تھی اس کے آگے کچی میں پہنچتے
ہی بڑے زور کی بندوق چلنے کی سی آواز ہوئی اور ایک
پہیئے کا ٹائر پھٹ گیا۔ میرے دوست نے بڑی سادگی
سے فرمایا کہ "دیکھو میں کل اس ٹائر کو بدلنے والا تھا
اور شاید بدلنا بھول گیا" وہاں نہ آدمی نہ آدم زاد
میں نے کہا: "تین ہی میل آئے ہیں میں پیدل لوٹ
جاؤں گا" میرے دوست نے کہا: "نہیں ابھی چلتے ہیں"
اور وہ موٹر سچ مچ آگے چلنے لگی چار پہیوں سے چلنے
والی موٹر پر تو میں پہلے بھی چڑھا تھا لیکن تین پہیوں
سے چلنے والی موٹر پر چڑھنے کا وہ میرا پہلا اتفاق تھا۔
دھچکے کھاتے ہم لوگ آگے بڑھے۔ اُس سڑک پر موٹر
چلانے کی ہمت میرے دوست کے علاوہ کسی کو نہ تھی۔
کہیں نالے تھے، کہیں گھاٹیاں تھیں اور کہیں بہت
ٹیلے نما پہاڑ تھے۔ سامنے ایک دم اُتار تھا نالا تھا اور
پھر ایک دم چڑھاؤ تھا۔ میں نے اپنے دوست سے
پوچھا کہ اس میں سے موٹر کیسے جائے گی؟ انھوں
نے کہا: "ایسے" اور ہم لوگ سچ مچ ہی ان سب
کو پار کر گئے۔ کیسے گئے؟ یہ مجھے معلوم نہیں ایک بار زور
کا دھچکا کھا کر میں اُوپر اوچھلا اور موٹر کی چھت سے
میرے سر نے زور آزمایا اور پھر دونوں ہاتھوں
سے موٹر مضبوطی سے پکڑ کر میں نے آنکھیں بند
کر لیں۔ دیہات کی سڑکیں جب تک ٹھیک نہیں ہوتیں
اس وقت تک ایسی باتیں تو ہوں گی ہی انگلینڈ ایک
چھوٹا سا ملک ہے۔ اپنے صوبے سے کہیں چھوٹا ہے
مگر وہاں دیہاتوں میں بھی عمدہ سڑکیں ہیں سڑک
کاٹنے کے لئے وہاں بیل گاڑیاں تھوڑی چلا کرتی ہیں
وہاں تو سبھی سواری گاڑیاں ٹائر والی ہیں۔ نہ معلوم
کیسے ہم لوگ اُس گاؤں پہنچے میرے دوست نے وہاں
اپنا کام کیا اب تک میں کھیتوں کو دیکھتا رہا۔ گیہوں کو چنا
اور ارہر کو جوار سمجھتا تھا۔ شہر کا آدمی ان پودوں کو
کیسے پہچانے۔ اُسے ان کے دیکھنے کا موقع ہی کہاں
ملتا ہے۔ گاؤں والے میری بھولوں پر خوب ہنسے۔
انھیں بھی روز روز ایسا تماشا دیکھنے کو کہاں ملتا
ہے۔ پھر ہم لوگ واپس چلے وہ موٹر بلا ڈھکیلے ہوئے
چلنا پسند نہیں کرتا تھا دس بیس آدمیوں نے مل کر
اسے ڈھکیلا دو چار بار اس نے پٹاخے چھوٹنے جیسی
آواز لگائی اور پھر چل پڑی تین پہیوں پر۔ راستے
کے دونوں طرف لہلہاتے ہوئے کھیت تھے جہاں
تک نظر جاتی تھی ہریالی ہی ہریالی نظر آتی تھی کھیتوں
میں ہریالی کے علاوہ پھولوں کے سہانے رنگ بھی تھے
پیلا، نیلا، ہرا اور کہیں کہیں لال ہی رنگ دکھائی
دیتے تھے۔ میں خوبصورتی کا پجاری ہوں اسی لالچ
سے گاؤں جانے میں بہت آنا کانی بھی نہیں کی تھی کہ جی
بھر کر خوبصورتی دیکھ لونگا مگر راستہ ایسا ڈراونا تھا کہ
ساری خوبصورتی بھول گئی۔ جب اُتار چڑھاؤ پر پہنچے تو
میں نے اپنے دوست سے کہا: "یہاں اگر موٹر بند ہو جائے
تو کیا ہو؟" انھوں نے کہا: "یہ بھی دیکھ لو" اور جب
تک میں کچھ بولوں انھوں نے انجن بند بھی کر دیا۔ تب
تک ہم لوگ اُتار سے نکل کر چڑھاؤ پر پہنچ چکے تھے۔
انجن بند ہوتے ہوتے موٹر نے پیچھے چلنا شروع کیا
پیچھے نالا تھا اسی سے موٹر جا کر ٹکرائی۔ میں ایک بار آگے
اوندھا گرا، ناک میں چوٹ آگئی، پھر پیچھے گرا، سر میں چوٹ

گئی۔ تب تک موٹر رُک گئی میں نے گن کر سو گالیاں اپنے دوست کو دیں اور پھر جب سانس آئی تو پوچھا "اب کیسے چلو گے؟" انھوں نے کہا "ابھی چلتے ہیں، ذرا ہنڈل تو لگاؤ" میں نے جواب دیا "میں ہنڈل تو ہرگز نہ لگاؤں گا" وہ ہنسنے لگے۔ ایک بار انھیں کے ساتھ دوسری موٹر میں ہنڈل لگایا تھا۔ کبھی عادت تو تھی نہیں ایسا جھٹکا لگا تھا کہ چھ دن ہاتھ باندھے پڑا رہا تھا۔ انھوں نے جب مجھ سے کسی بات کی امید نہ دیکھی تب خود ہی ہنڈل لگانے لگے۔ وہ عجیب موٹر تھی، کہاں تو بلا دھکیلے چلنے کا نام ہی نہ لیتی تھی اور کہاں پہلی ہی بار ہنڈل لگانے پر وہ آگے کودی۔ غنیمت یہ ہوا کہ اس کی ناک چڑھائی کی طرف تھی ورنہ وہ میرے دوست کے اوپر ہی چڑھ گئی ہوتی۔ اور مجھے لے جاکر نہ جانے کہاں ڈالتی کیونکہ میں موٹر چلانا قطعی نہیں جانتا۔ میرے دوست آکر موٹر چلانے بیٹھے۔ ایک دم چڑھائی تھی موٹر چلتی بھی تو کیونکر؟ دو چار قدم آگے بڑھی اور پھر پیچھے ہوئی۔ اسی طرح دو چار دھکے دئے اور پھر دوڑ کر اوپر چڑھ گئی کچھ پختہ سڑک پر پہنچے تو ایک نئی آفت پیدا ہو گئی دھول بھری کچی سڑک پر تو پھٹا ہوا ٹائر کسی طرح چلا آیا تھا لیکن پختہ سڑک پر ذرا دور چلتے ہی وہ کٹ گیا اور ایک طرف سے نکل کر پیچھے آنے والوں کو آگاہ کرنے کے لئے سانپ کے پھن کی طرح کھڑا ہو گیا۔ آدھا پہئے سے باہر اور آدھا اندر اب موٹر کی اور سُریلی آوازوں کے ساتھ ایک اور آواز پیدا ہو گئی۔

(دھڑ دھڑ، پڑ پڑ، بھڑ بھڑ، کھڑکھڑ، اور سڑسڑ (یہ نئی آواز تھی) کرتے ہوئے ہم لوگ آگے پیچھے قصبہ کے پاس آ گئے۔ پہلے مکان کے پاس ایک یکہ بڑی شاہانہ رفتار سے چلا جا رہا تھا اُس میں ایک نو عمر دولہن اور ایک نوشہ صاحب بیٹھے تھے۔ باقاعدہ مَور بھی لگائے تھے۔ کچھ الم غلم یکے پر رکھا ہوا تھا۔ شادی میں تو الم غلم کی بہت ضرورت پڑا کرتی ہے۔ بیوی آسانی سے تھوڑی مل جاتی ہے۔ اس کے لئے سرکس کا پورا تماشا کرنا پڑتا ہے۔ گھوڑے نے ایک بار ہٹک کر پیچھے دیکھا اتنے میں ہم لوگ سر پر پہنچ گئے۔ گھوڑے کو یقین ہو گیا کہ ہم لوگ اسی کی جان کے گاہک ہیں وہ گھبرا کر مکان کی دیوار پر چڑھنے لگا یکہ الٹ گیا۔ دولہن صاحبہ زمین پر دراز ہو گئیں اور لگیں زور سے چلانے نوشہ صاحب دوسری طرف بھدّ سے منہ کے بھل گر پڑے۔ الم غلم سب سڑک پر بکھر گیا۔ مَور ٹوٹ گیا۔ یکے والا ہم لوگوں کے پیچھے چابک لے کر دوڑا۔ لیکن اُسے ہماری گرد ہی ملی۔ تب تک ہم لوگ قصبے کے اندر پہنچ چکے تھے۔ غنیمت تھی کہ شام ہو چکی تھی، بازار اُٹھ چکا تھا ورنہ خدا معلوم کیا ہوتا۔ پاس ہی اسکول تھا اور اُس کے سامنے بہت سے لڑکے کھیل رہے تھے بڑے زوروں کا میچ ہو رہا تھا مگر ہم لوگوں کے پہنچتے ہی میچ تو بند ہو گیا اور لڑکے دوڑ کر سڑک پر آ گئے۔ خوب تالیاں بجیں۔ میرے دوست نے کہا۔ ہنسو! نہیں تو بیوقوف بن جاؤ گے۔ سنتے ہیں کہ اُسے بھی نیند آجاتی ہے جسے پھانسی کی سزا دوسرے روز ہونے والی ہوتی ہے۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ مجبوراً ہنسنا پڑا۔ قصبہ کے افسران جان پہچان کے تھے۔ راہ میں کلب پڑتا تھا، وہ لوگ ٹینس کھیلنے جاتے ہوں گے یہ سوچ کر رومال سے مُنہ چھپائے بیٹھا تھا چاہتا بہت تھا کہ اتر کر دوسری سواری کروں یا پیدل چلا جاؤں مگر موٹر ایک بار رکنے پر پھر بڑی مصیبت سے چلتی تھی۔ اپنے نہیں تو اپنے دوست کے خیال سے ان سے موٹر روکنے کو کہہ بھی نہ سکتا تھا۔ یہ طے کیا کہ ایک دوست کے یہاں

چل کر موٹر درستی کے لئے چھوڑ دی جائے۔ مگر ان صاحب کے یہاں پہنچتے پہنچتے اُس موٹر نے ایک اور تماشہ کر ہی تو دیا۔ ایک صاحب گھوڑے پر سوار چلے جا رہے تھے، کوئی افسر تھے گھوڑا ذمہ دار تھا مگر شاید اتنی تیز آواز سے اُس کا واسطہ کبھی نہیں پڑا تھا جتنی ہماری موٹر کر رہی تھی۔ وہ مزے سے چلا جا رہا تھا ہم لوگ پیچھے سے پہنچے تو وہ اُلٹا کھڑا ہو گیا۔ اور ہم لوگوں کو گھورنے لگا۔ اتنی دیر میں سوار کو اُترنے کا موقع مل گیا۔ ہم لوگ پاس پہنچے تو گھوڑا دو پیر سے کھڑا ہو گیا اور اسی طرح بھاگا۔ سوار صاحب اس کی لگام پکڑے ہوئے لٹک گئے۔ گھوڑا اُونچا تھا۔ اس کے اور سوار صاحب کے ناچ کو دیکھکر بھالو کا ناچ یاد آگیا بچپن میں بہت دیکھا ہے۔ دیکھنے کی طبیعت اب بھی ہوتی ہے۔ مگر ڈر لگتا ہے کہ لوگ کہیں گے کہ بڑھاپے میں مداری کا تماشا دیکھنے چلے ہیں۔ سوار نے پچاسوں گالیاں تو ہم لوگوں کو دی ہوں گی اپنے دوست کے بنگلے میں پہنچے تو سارے گھر کو باغ میں کھڑے ہوئے مکان کی چھت کی طرف دیکھتے ہوئے پایا۔ آدھ میل ہی سے موٹر کا انجن بند کر دیا تھا۔ اُس موٹر کو روکتے رکتے بھی تو بڑی دیر لگتی تھی ان دوست کی چھوٹی لڑکی دوڑتی ہوئی آئی اور کہنے لگی۔ چاچا ابھی زلزلہ آیا تھا۔ جب زلزلہ آیا تھا تب بھی چھت کا ٹین گڑ گڑ بول رہی تھی اور آج سے زور سے بول ہے۔ دیکھو بابو جی وہی تو کھڑے دیکھ رہے ہیں۔ ہم لوگ سمجھ گئے کہ وہ زلزلہ ہماری موٹر ہی تھی۔ ہمارے دوست نے جب موٹر کی حالت دیکھی تو وہ بھی وہی مان گئے۔ کہنے لگے بڑا اقبالی موٹر ہے کہ تیس میل تین پہیوں سے چلا آیا۔ اب یہ فکر ہوئی کہ اسکا ٹائر اور ٹیوب بدلا جائے۔ اُس قصبے میں آسانی سے تو یہ چیزیں ٹھیک ناپ کی مل نہیں سکتی تھیں۔ میرے دوست کو آٹھ میل دیہات میں دوسری طرف جانا تھا۔ ٹیوب آیا تو معلوم ہوا کہ چھوٹا پڑتا ہے۔ میرے دوست بولے "آٹھ میل کے لئے بھی چھوٹا پڑتا ہے" انھوں نے اُسے کھینچ تانا اور اس اقبالی موٹر کے پہیئے پر وہ بیچ بیچ پڑھ گیا۔ موٹر سے فرصت پانے پر کچھ کھایا پیا اور کچھ تھوڑا سا گانا سنا۔ گھڑی دیکھی تو معلوم ہوا کہ رات کے ایک بجے ہیں۔ میں نے کہا کہ وکیل صاحب سے بھی رخصت لینی ضروری ہے مگر وہ یقیناً سو گئے ہونگے۔ میرے دوست بولے کہ سوتے سے جگانا کیا بڑی بات ہے" اور ہم لوگ اقبالی موٹر پر سوار ہو کر چل دئے۔ دن میں تو پھر بھی غنیمت تھا۔ رات کے سناٹے میں تو اُس موٹر نے غضب ہی کر دیا۔ زندہ تو کیا مردہ بھی ایک بار اس آواز کو سن لیتا تو ایک بار ضرور چونک پڑتا۔ وکیل صاحب ہم لوگوں کے بنگلے پہنچتے پہنچتے بنگلے کے باہر نکل آئے اور بہت بگڑ کر بولے "میرے بھائی! مہربانی فرما کر اس کمبخت ٹین کے پہیئے پر نہ آیا کیجئے۔ میری بیوی کے دل میں یہ خوفناک آواز سن کر دھڑکن پیدا ہو گئی ہے۔ ہم نے پوچھا "ڈاکٹر کے آئیں؟" انھوں نے کہا ایک دفعہ میں تو یہ حال ہے چار دفعہ آتے جاتے یہ آواز سنیں گی تو ڈاکٹر کو انکا علاج کرنے کے لئے ان کے پیچھے خداگنج جانا پڑے گا۔ اتنے میں انکی بیوی صاحبہ نے آکر ہنستے ہوئے کہا "کھانا رکھا ہے" ہم لوگوں کے پیٹ بھرے ہوئے تھے مگر اس وقت نہیں کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ کھا پی کر ہم لوگ روانہ ہوئے۔ میں نے اپنے دوست سے کہا کہ مجھے اسٹیشن پر چھوڑ دو۔ راستہ میں ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ شاید پاگل تھی۔ وہ ناچ ناچ کر گانے لگی کہ "آدھی رات ہے شیطان آئے ہیں" ہم لوگ موٹر روک کر اسکے پاس گئے تو اس نے "دور شیطان دور شیطان" کی رٹ لگا کر پتھر پھینکنا شروع کئے۔ سڑک بن رہی تھی کنکروں کا ڈھیر تھا اس عورت نے آخر ہم لوگوں کو آگے نہیں جانے دیا۔ گھوم کر ناہموار راستے میں سے ہمیں موٹر نکالنی پڑی۔ مگر اُس موٹر کے لئے کسی خاص راستے کی ضرورت نہیں تھی میرے دوست مجھے اسٹیشن اُتار کر اپنے گاؤں چلے گئے۔ اور میں پہریدار سے یہ کہکر لیٹا کہ لکھنؤ کی گاڑی آئے تو جگا دینا۔ دن بھر کی تکان اور اُس موٹر سے ٹوٹا ہوا بدن۔ صبح سات بجے آنکھ کھلی اور وہ بھی ٹھنڈے پانی کی مار سے۔ جاڑے کے دن اور ٹھنڈا پانی ایسے میں کون سو سکتا تھا۔ اسٹیشن ماسٹر صاحب جان پہچان کے تھے۔ وہی ٹھنڈے پانی کے چھینٹے منہ پر دے

رہے تھے۔ میری کھوپڑی بھنگی ہوئی تھی میرے آنکھ کھلتے ہی انھوں نے کہا " ہوش آیا" گویا میں اس سے پہلے بیہوش تھا۔ معلوم ہوا کہ جب رات میں کئی گاڑیاں آئیں اور چلی گئیں اور میں سوتا ہی رہا تو لوگ سمجھے کہ میں بیمار ہوں یا بیہوش ہوگیا ہوں اسٹیشن ماسٹر صاحب پوچھنے لگے "اب کیسی طبیعت ہے۔ ڈاکٹر بلاؤں ؟" میں نے کہا "ڈاکٹر کی ایسی کی تیسی مجھے لکھنؤ جانا ہے"۔ انھوں نے ایک چلتی ہوئی گاڑی کی طرف اشارہ کیا اور کہا " اس کے بعد دوپہر میں ڈاک گاڑی ہے" میں دوڑکر اُس گاڑی میں اُچکا۔ دوسرے درجہ کا ٹکٹ تھا۔ مگر اُس گاڑی میں دوسرا درجہ ہی نہ تھا۔ امریکہ کی گاڑیوں کی طرح اُس میں بھی ایک ہی درجہ تھا۔ اور وہ بھی تیسرا۔ دوپہر کو لکھنؤ پہنچا۔ شام کا ہرن علیحدہ ہوا آخر اقبال موٹر اپنا کچھ تو اثر چھوڑتی ہی بھیگے ہوئے سر کی وین زکام اور بخار تھی بستر پر پڑا ہوا اب چھینکتا جاتا ہوں اور موٹر کی یاد کرتا جاتا ہوں۔

مہاتما کا پُتلہ

(از مہاتما گاندھی)

مہاتما کے پُتلے کے خلاف جیساکہ لوگوں کا بیان ہے کہ کانگریس نگر میں ۲۵۰۰۰ کی لاگت سے بنایا جارہا ہے۔ میرے پاس لوگوں کے خط پر خط آرہے ہیں۔ اس پُتلے کے متعلق مجھے قطعی علم نہیں ہے۔ اس کے متعلق میں نے دریافت کیا ہے مگر تب تک میں انتظار نہیں کروں گا۔ یہ مان کر کہ وہاں پُتلہ بنایا جارہا ہے میں اپنے خط لکھنے والوں کی مخالفت کی پرزور تائید کرتا ہوں۔ اور اُن کی اس بات سے متفق ہوں کہ ایک انسان کے برابر مٹی یا دھات کا پُتلہ بنانے پر ۲۵۰۰۰ روپئے خرچ کرنا یقیناً پیسے کی بربادی ہے۔ ایک ایسے انسان کے پُتلے پر جو کہ خود ہی مٹی کا بنا ہوا ہے اور جو کانچ کی چوڑی سے بھی زیادہ نازک ہے کانچ کی چوڑی کی تو ٹھیک سے رکھا جائے تو وہ ہزاروں سال تک رہ سکتی ہے جب کہ انسان کی زندگی روز بروز کمزور ہوتی رہتی ہے اور معمولی عمر پوری ہونے کے بعد بالکل فنا ہوجاتی ہے۔ اپنے مسلمان دوستوں سے جنکے درمیان میری زندگی کا بہترین حصہ گذرا ہے، اپنے پُتلوں اور اپنی تصویروں سے ناپسندیدگی میں نے سیکھی ہے۔ اور اگر یہ رپورٹ صحیح ہے تو میں چاہوں گا کہ مجلس استقبالیہ اس بیکار چیز کے بنانے کا ارادہ ترک کردے۔ جتنا پیسہ مجلس استقبالیہ بچاسکے اُتنا اُسے بچالینا چاہئے۔ اگر یہ صرف افواہ ہے تو میری یہ سطور اُن لوگوں کے لئے بطور تنبیہ ہونی چاہئیں جو میرے جسم کے برابر پُتلے اور تصویریں بنواکر جنھیں میں دل سے ناپسند کرتا ہوں میری عزت کرنا چاہتے ہیں جو لوگ مجھپر اعتبار کرتے ہیں وہ اگر براہ کرم اپنی اُن عادتوں کو جنکے لئے کہ میں لڑرہا ہوں آگے بڑھائیں گے اور کم ازکم اُس روپئے کو جسے کہ وہ پُتلوں اور تصویروں پر خرچ کرنا چاہتے ہیں۔ ہریجن سیوک سنگھ، دیہاتی صنعت وحرفت سنگھ، چرخا سنگھ یا ہندوستانی تعلیمی سنگھ کے کام میں لائیں گے تو میں اُسے اپنا کافی اعزاز سمجھوں گا۔

(ہریجن سے)

رنگا سیار

(ازجناب پنڈت موہن لعل نہرو)

(۱)

میرے عزیز دوست چرن جیت سنگھ بہت اداس بیٹھے تھے۔ میں جب ان کے بالکل پاس پہنچ گیا تو انھیں میرے آنےکی خبر ہوئی۔ انھوں نے ہنسنے کی کوشش کی لیکن ان کی ہنسی سے بھی ان کی پریشانی ہی ظاہر ہوئی۔

میری اور ان کی دوستی اسکول کے زمانہ سے چلی آرہی تھی۔ میرا خیال تو یہ تھا کہ وہ مجھ سے کوئی بھی بات نہیں چھپاتے تھے۔ کم ازکم میں نے تو ان سے اپنا کوئی راز نہیں چھپایا تھا۔

"کیوں، آج کیسے اداس بیٹھے ہو؟ خیریت تو ہے؟" میں نے گھبرا کر پوچھا۔

"ہاں سب خیریت ہے۔ یوں ہی کچھ اداسی سی آگئی ہے" انھوں نے کہا۔

مجھے کچھ شک ہوگیا کہ کوئی ایسی بات ہے جو وہ مجھ سے بتا نہیں رہے ہیں۔ میں نے پھر کہا: "نہیں کوئی بات ضرور ہے۔ تمھیں بتانی ہوگی۔ میرے اور تمھارے بیچ کبھی بھید بھاؤ نہیں رہا۔ اب کیا کوئی نئی بات ہوگئی ہے؟"

انھوں نے کچھ مسکراتے اور کچھ شرماتے ہوئے کہا: "اپنی بیوقوفی کا کیا ذکر کروں؟ جیسا کیا ویسا پایا ہاں رنج ضرور ہے"

آخر میں بھی تو سنوں وہ کون سی بات ہے؟ شاید کچھ مدد کرسکوں کم ازکم تم سے ہمدردی تو ضرور کرسکوں گا" میں نے بڑے پریم سے کہا۔

"اچھا تو پھر سنو۔ تم ہنسوگے جیسے دنیا مجھ پر ہنسے گی۔ مگر سچ تو یہ ہے کہ اپنے وقت میں سبھی الو بن جاتے ہیں" انھوں نے کہا۔

میں دھیان سے اُن کی کہانی سننے لگا۔ مجھے گزشتہ ماہ کے یہ واقعات معلوم نہ تھے اسلئے کہ میں مہینے بھر سے باہر سیاحت کررہا تھا۔ باہر نہ جاتا تو شاید انھیں بچا لیتا۔ کم ازکم بچانے کی کوشش تو ضرور کرتا۔

(۲)

اُنھوں نے کہنا شروع کیا:۔

"تمھیں یہ تو معلوم ہی ہے کہ میرے والد میرے لئے بہت کافی دولت چھوڑکر مرے تھے تم سے یہ بھی چھپا نہیں ہے کہ وہ کئی کوٹھیاں بھی بنوا گئے ہیں جو میرے قبضہ میں آج تک ہیں ان میں سے ایک کوٹھی تو بہت پرانی ہے جو کبھی کرائے پر نہیں اٹھتی۔ وہ کبھی کبھی منگنی پر اُٹھا کرتی ہے اور دو ایک غریب آدمی اسکی باہر کی کوٹھریوں میں پڑے رہتے ہیں میں ان سے کرایہ نہیں لیتا کرائے کے بدلے میں وہ اسکی چوکیداری کیا کرتے ہیں۔ میرا منشی اجودھیا پرشاد کبھی کبھی کوٹھی کو کھلوا کر اس کی صفائی کرادیا کرتا ہے۔ بیس پچیس روز کی بات ہے کہ میرے پاس اجودھیا پرشاد نے آکر

کہا ۔حضور میری لڑکی سیانی ہو چکی ہے ۔ غریبی کی وجہ سے میں اس کی شادی نہیں کر سکتا ۔ برادری مجھ پر تھوکتی ہے ۔ بڑا روپیہ کہاں سے لاؤں جو اس کا بیاہ کروں ؟ اس وقت میری خوش قسمتی سے ایک شاہ صاحب آئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ سو روپیہ لاؤ تو اس کا دس گنا کر دیں ۔ مگر میرے پاس سو روپے بھی نہیں ہیں اگر حضور عنایت فرمائیں تو میرا بیڑا پار ہو سکتا ہے ۔ میری تنخواہ میں سے حضور ہر ماہ دس روپیہ کاٹتے جائیں ۔

میں نے ہنس کر کہا ۔ اگر وہ ایک کے دس بنا سکتے ہیں تو روپیہ ہی کیوں لگتے ہو ؟ منشی جی نے جواب دیا حضور انھیں کسی بات کی کمی نہیں ہے ۔ وہ تو پہنچے ہوئے فقیر ہیں دوسروں کی بھلائی کرتے ہیں مگر جو فائدہ اُٹھانا چاہے گا اسے کچھ خرچ کرنا ہی پڑے گا

مجھے ان میں چمکتی ہوئی اشرفیاں سی دکھائی دیں

میں نے پھر کہا ۔ کوئی لٹیرا ہوگا مفت میں پھنسو گے ۔ مگر اُو دھیا پرشاد نہ مانا وہ کہنے لگا ۔ کل انھیں حضور کے پاس لاؤنگا ۔ بڑی خوشامد سے وہ کہیں آتے جاتے ہیں مگر میں لاؤں گا حضور خود ہی جان لیں گے ۔

اپنے وعدہ کے مطابق وہ دوسرے دن انھیں میرے پاس لایا ۔ انکا قد لانبا اور ماتھا چوڑا تھا ۔ چاند گنجی تھی مگر کنپٹیوں پر بڑے بڑے بال تھے ۔ جو گردن تک لٹک رہے تھے ۔ گھٹنوں سے نیچے ایک کرتا پہنے تھے ۔ ٹخنوں تک پاجامہ تھا ان کی لبی

اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے مجھے گھورتے ہوئے میرے پاس آبیٹھے میں بھی انکے رعب میں آگیا۔ انھوں نے اپنی ترکی ٹوپی اتار کر میز پر رکھدی اور اجودھیا پرشاد کی طرف دیکھکر بولے۔ یہی تمھارے مالک ہیں؟ اجودھیا پرشاد نے مجھ سے کہا۔ بڑی مشکل سے شاہ صاحب کو یہاں تک لاسکا ہوں۔ ان کے پیچھے سیٹھ چھنامل پڑے ہوئے تھے مگر آپ نے جانے سے انکار کردیا۔ شاہ صاحب نے مجھ سے کہا۔ کسی گرہست کے گھر عام طور پر میں نہیں جاتا مگر اللہ تعالیٰ کی یہی مرضی تھی کہ میں آپ کی درخواست کو نامنظور نہ کروں۔ اسکے بعد وہ مجھ سے ادھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔

اس دن کی باتوں کا مجھ پر بہت اثر ہوا۔

داڑھی چھاتی تک لٹک رہی تھی مگر مونچھیں منڈی ہوئی تھیں۔ سر کے بال اور داڑھی مہندی سے رنگی ہوئی تھی۔ ہاتھ میں ایک ٹیڑھی میڑھی موٹی چھڑی لئے تھے بیٹھے اور گردن کو ذرا جھکا کر وہ

جب وہ اُٹھکر جانے لگے تو میں نے نہایت ادب کے ساتھ درخواست کی کہ کل پھر تشریف لائیں۔ اُنھوں نے مسکرا کر منظور کیا چلتے وقت بولے اب آپ میرے مرید ہیں میں آپ کو کچھ تبرک دیتا ہوں اتنا کہکر ہاتھ اوپر اُٹھایا اور آؤ کہکر ایک چھوٹا سا انناس میرے ہاتھ میں رکھدیا۔ تمھیں سوچو بے فصل کی چیز میری آنکھوں کے سامنے کوئی

بیٹھے بیٹھے منگا دے تو میں کیسے اُلّو نہ بنتا؟ اس وقت میں سچ مچ اُن کا پورا مرید ہوگیا۔ وہ کئی روز برابر آئے اور ہر روز کوئی نہ کوئی تبرک دے گئے۔ وہ سب چیزیں میرے سامنے کسی ایسی طاقت سے منگا دیا کرتے جو میں نہ سمجھ سکتا۔ اور مجھے ان پر پورا اعتقاد ہوگیا۔ شاید اس سے بھی زیادہ جتنی اجودھیا پرشاد کو اُن پر تھی۔

ایک دن شاہ صاحب نے کہا۔ میں تم سے بہت خوش ہوں اس سے تمھیں یہ بتا دینا چاہتا ہوں۔ تمھارے فلاں مکان میں خزانہ گڑا ہوا ہے مگر اسکے ملنے کے واسطے خرچ کرنا پڑیگا۔ میں فقیر آدمی ہوں مجھے تمھارے پیسے کی ضرورت نہیں مگر بہت دینا ہوگا۔ شاید کچھ گنگا جی کو بھینٹ کرنا پڑے۔ میں نے پوچھا روپیوں کو کتنا خرچ کرنا ہوگا اور کتنا حاصل ہوگا؟ اُنھوں نے کہا یہی دو چار ہزار خرچ ہوں گے ملنے کو لاکھوں مل سکتے ہیں اُس وقت تو اس خزانے پر سانپ بیٹھے ہیں۔

میرے منہ میں پانی آنے لگا۔ پرمیشور نے مجھے بہت کچھ دے رکھا تھا مگر جب میرے ہی گھر میں لاکھوں روپے گڑے پڑے ہیں تو انھیں کیوں چھوڑ دوں؟ شاہ جی نے کہا۔ تو کل جمعرات ہے مجھے اپنے اُستاد کی قبر پر حلوا چڑھانا پڑیگا محتاجوں کو بانٹنا ہوگا۔ آپ اجودھیا پرشاد کو بھیجدیں کہ وہ اپنے سامنے بنوا دیں۔ خود آپ کو تکلیف فرمانے کی ضرورت نہیں جب ضرورت ہوگی بتا دونگا۔

" جمعرات اور منگل کو حلوا بٹنے لگا۔ اس میں میرے پانچ سو روپے خرچ ہوئے۔ مگر پانچ سو یا پانچ ہزار کی لاکھوں کے آگے کیا حقیقت ہے؟ ایک بار کچھ دیر کو میں بھی گیا۔ بڑی بڑی دیگوں میں حلوا رکھا تھا محتاج جمع ہو رہے تھے اتنا میں نے بھی دیکھا۔

تین ہفتہ تک وہ کچھ پوجا پاٹ بھی کراتے رہے میرے پوچھنے پر بولے کہ جو سانپ بیٹھے ہیں انکے بھگانے کو پوجا کرا رہے ہیں۔ گذشتہ جمعرات کو وہ مجھے اُس مکان میں لے گئے اور ایک اندھیری کوٹھڑی میں لے جاکر بولے کہ اسی میں خزانہ ہے۔ اجودھیا پرشاد نے انکا حکم پاکر کھودنا شروع کیا۔ چراغ جل رہا تھا۔ اس کی روشنی سے کمرے کا اندھیرا کم ہوگیا تھا۔ کچھ دور کھود کر چلا اٹھا کہ ایک دیگ تو دکھائی دے رہی ہے میں نے بھی کوئی چمکتی ہوئی چیز دیکھی شاہ صاحب نے اپنا عصا مجھے دیا کہ ٹھونک کر دیکھو میں نے جیسے ہی ایک لکڑی سے دیگ کو ٹھونکا تھا کہ ایک سانپ پھپھکار مار کر نکلا اور پھن اُٹھا کر کھڑا ہوگیا۔

شاہ صاحب چلا اٹھے بس بس ابھی وقت نہیں آیا۔ گنگا جی کی بھینٹ باقی ہے۔ اِتنا کہکر اُنھوں نے میرے ہاتھ سے عصا لے لیا اور سانپوں کا خیال نہ کرتے ہوئے دیگ کا ڈھکن تھوڑا سا اُٹھایا۔ مجھے اس میں چمکتی ہوئی اشرفیاں سی دکھائی دیں۔ وہ عربی میں کچھ پڑھتے جا رہے تھے شاید سانپوں کو ساکت رہنے کا منتر تھا۔

" اس کوٹھڑی کو یوں ہی چھوڑ کر باہر سے تالا ڈالکر میں چلا آیا۔ شاہ جی نے کہا کہ تالے کی کوئی ضرورت نہیں اسے کوئی چھو نہیں سکتا۔ مگر میرا دل کب ماننے لگا۔

دوسرے روز اجودھیا پرشاد نے شاہ جی کی طرف سے مجھ سے کہا کہ سو تولے کی سونے کی گنگا جی کی مورت مجھے بیچ سنگم میں ڈالنی ہوگی۔ فوراً بننی چاہیئے۔ میں نے سنار کو بلاکر فوراً مورت بنانے کا حکم دیا۔ وہ ہنسنے لگا۔ میرے جیسے دہریہ سے اُسے کبھی یہ امید نہ تھی مگر اس کا کیا جاتا تھا؟ وہ دو تین دن میں بنا لایا اور ۳ ہزار کے نوٹ لیکر چلا گیا۔

شاہ جی نے مجھ سے کہلا بھیجا کہ میں ہردم ان کا انتظار کروں انھیں چار چھ دنوں میں وہ کسی وقت میرے پاس آئیں گے اور اسی وقت مجھے ان کے ساتھ جانا پڑے گا۔ ابھی وہ پوجا پاٹ میں لگے ہیں اور وقت آتے ہی آپہنچیں گے۔

سچ کہتا ہوں چار دن بڑی بےچینی سے گزرے۔ اتنی دولت میرے گھر میں اور میں چھو بھی نہیں سکتا۔ یہ کمبخت شاہ جی آتا ہی نہیں۔ میں گھر میں قید تھا نہ کہیں آنے کا نہ جانے کا کمرے میں اِدھر سے اُدھر ٹہلتا رہتا نہ بیٹھے چین نہ لیٹے چین۔ ٹہلتے ٹہلتے جب پیر تھک جاتے تو لیٹ رہتا۔

پھر اندر سے ہوک اٹھتی۔ اُٹھ کھڑا ہوتا اور ٹہلنے لگتا۔ میری بیوی میرا یہ حال دیکھ کر گھبراتی۔ ڈاکٹر کو بلانے کو کہتی مگر میں ڈانٹ پھٹکار دیتا۔ در اصل میں اپنے آپ میں نہ تھا وہ ٹھیک سمجھتی تھی کہ میں پاگل ہونے والا ہوں۔ پھر بھی میں نے اُس سے شاہ جی کا حال نہیں بتایا۔ میں یہ سوچتا تھا کہ جب اشرفیوں سے بھری ہوئی وہ دیگ دیکھے گی تو میری ہی طرح پھول کر کپّا ہو جائے گی۔ فکر کے بعد تھوڑی سی خوشی بھی اچھی لگتی ہے۔

پرسوں کا ذکر ہے رات کو بڑے زور کی آندھی آئی۔ شاید آٹھ بجے ہوں گے کہ شاہ صاحب پہنچے۔ اجودھیا پرساد اُن کے ساتھ تھا۔ وہ بولے۔ چلو یہی وقت ہے، جلدی کرو سامان ساتھ لے لو۔ ہم لوگ پانچ منٹ کے اندر گھر سے چل کھڑے ہوئے۔ میں اور شاہ جی تو خالی ہاتھ تھے اور منشی جی کے ہاتھ میں کپڑے میں لپٹی گنگا جی کی مورت تھی۔ بھائی ٹھاکر سنگھ تم میری اُس وقت کی خوشی کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ تھوڑی ہی دیر بعد میں لاکھوں کا آدمی ہونے والا تھا۔ میری رفیقہ حیات منع بھی کرتی رہی کہ کہاں آندھی میں جاؤ گے مگر میں کیوں ماننے لگا۔ تمھیں تو جادو سوار تھا یہ مجھے بعد کو معلوم ہوا کہ اُنھوں نے ڈرائیور سے چپکے سے کہدیا تھا کہ سرکار کا مزاج خراب ہے ذرا خیال رکھنا۔ وہ بیچارہ کیا خیال رکھ سکتا تھا۔

گنگا جی پہنچے تب تک آندھی میں کچھ کمی ہو گئی تھی۔ مگر دریا اُچھل کود رہا تھا۔ شاہ جی نے ناؤ والے کو آواز دی۔ ایک ناؤ دوڑ آئی۔ اندھیری رات اور ہوا کا زور۔ میں تیرنا جانتا نہیں تھا۔ ناؤ پر چڑھتے ہی ڈر معلوم ہوا مگر شاہ صاحب کڑک کر بولے کہ کیا تین ہفتے کی محنت کھو دینا چاہتے ہو؟ مجھے جرأت ہوئی اور میں ناؤ پر جا بیٹھا۔ ڈرائیور کو شاہ صاحب نے نہیں چڑھنے دیا اور میں کچھ کہہ بھی نہ سکا۔ سنگم تک جاتے جاتے شاہ جی نے کہا۔ کہاں ہے وہ مورتی لاؤ۔ اُس کی آخری پوجا کر لوں۔ اجودھیا پرساد نے مورتی اُنھیں دیدی۔ وہ پوجا کر ہی رہے تھے کہ سنگم آ گیا اُنھوں نے مورتی مجھے دی اور کہا کہ گنگا جی کا دھیان کر کے اُن کی مورتی اُنھیں کو چڑھا دو۔

میں نے بڑی سعیدت کے ساتھ مورتی کو پانی میں ڈالدیا وہ اُس میں جا کر غائب ہو گئی۔ شاہ صاحب نے کہا۔ میں کل شام کو تمہارے ساتھ چل کر خزانے کا قبضہ تمھیں دلا دوں گا۔ اُس رات اور دوسرا دن کس مشکل سے گزرا میں تم سے نہیں کہہ سکتا۔ شام کو اجودھیا پرساد بہت گھبرایا ہوا آیا اور بولا۔ حضور۔ میں شاہ صاحب کے گھر گیا تھا وہاں معلوم ہوا کہ وہ تو کل ہی سے نہیں لوٹے۔ بس کاٹو تو بدن میں خون نہیں۔ میں منشی کو ساتھ لیکر خزانہ کی کوٹھری میں پہنچا۔ وہ کھدی پڑی تھی نہ دیگ تھی نہ سانپ اُس شاہ صاحب نے مجھکو ہاں ہاں رائے صاحب چرنجیت سنگھ ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی زمیندار و آنریری مجسٹریٹ کو اُلّو بنا دیا۔

(۳)

یہ حال سُن کر میں اپنی ہنسی نہ روک سکا اور میں اتنا ہنسا کہ میری انکھوں میں پانی آ گیا۔ اخیر میں وہ بھی ہنسنے لگے۔ گویا دل کے پھپھولے پھوٹ جانے پر اُنھیں تسکین ہو گئی ہو۔ "اُس بے ایمان کو سات سال کے لئے جیل نہ بھجوا یا تو سہی"۔ وہ کہنے لگے۔ "میرے تو رو چار ہزار لے گیا تو لے گیا اُس غریب اجودھیا پرساد کے بھی سو لے گیا۔"

مجھے اس کے اس سیدھے پن پر کچھ ہنسی آئی۔ میں نے کہا۔ "بھائی صاحب آپ نرے بودم ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ منشی اس سازش میں شامل نہیں تھا۔ وہ بغیر اُس کے ملے آپ کو چکر کا نہیں دے سکتا تھا۔"

اُسے کچھ شک ہونے لگا اور ہم دونوں اِس معاملے کی تحقیقات کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔

اُس کوٹھی کے پھاٹک پر جو دو چار رہتے تھے اُنھوں نے بتایا کہ منشی جی اور شاہ صاحب کئی بار اِس کوٹھری میں ساتھ ساتھ آئے تھے۔ دو چار دفعہ ایک ٹھیلا بھی آتا جاتا اُنھوں نے دیکھا تھا۔ مگر کوٹھری میں کچھ کھودنے یا گاڑنے کی اُنھیں کوئی خبر نہیں ہوئی۔ جس رات کو آندھی آئی تھی اس رات شاہ جی اور منشی جی کوئی چیز اِس کوٹھری سے لے گئے تھے۔ ٹھیلا ساتھ آیا تھا۔

منشی پُرانا آدمی تھا - اس شہادت کے آگے اُردن جھکائے کھڑا رہا آخر کار بولا - "حضور میں خطاوار ضرور ہوں مگر اپنے بچوں کی قسم کھاتا ہوں کہ اس نے مجھپر بڑا ہی رُعب جمایا تھا - میں قطعی اپنے آپے میں نہیں تھا وہ جو چاہتا تھا مجھ سے کرالیتا تھا۔

میں نے اُسے کچھ دھمکا یا کچھ ڈرایا کچھ دلاسا دیا کہ سچ سچ بتادے کہ وہ مورتی پانی میں پھینکی بھی گئی تھی یا نظر بندی تھی؟" اجودھیا نے کہا "مورتی پھینکی ضرور گئی مگر وہ نہیں۔ پوجا کرنے کے بہانے جب وہ مورتی اُس نے لی تو وہی مورتی سرکار کو واپس نہیں کی - ایک دوسری پیتل کی مورتی چادر کے بھیتر سیسا بھر کر ناؤ پر رکھی گئی تھی وہی پھینکی گئی -

جس سنار نے وہ دوسری مورتی بنائی تھی اُس نے اُس کا بنانا قبول کیا مگر یہ بھی کہا کہ بنوایا تھا اجودھیا پرساد ہی نے۔

مجھے تو تھا ہی نہیں پر نجیت سنگھ کو بھی اجودھیا پرساد کے قصوروار ہونے میں کوئی شبہہ نہ رہا اور وہ اُسے پولیس میں دینے کو تیار ہو گئے - مگر میں نے ہی اس خیال سے پولیس کے سپرد نہیں کرنے دیا کہ مفت میرا دوست بیوقوف بنے گا - پیچھے پتہ چلا کہ شاہ صاحب نے منشی کو بھی چرکا دیا - اُسے اُس نے آدھے کا حصہ دار ٹھیرایا تھا مگر آندھی والی رات کو ہی وہ غائب ہو گئے - اجودھیا پرساد اسی لئے دوسرے دن گھبرایا ہوا آیا تھا - اُس کی وہ گھبراہٹ بناوٹی نہ تھی -

ندیوں کے پاس اُن گاؤں میں جہاں کنوئیں نہیں ہیں گاؤں کی عورتوں کو صاف پانی کے لئے کافی تکلیف اُٹھانی پڑتی ہے۔

یہاں ہم ہر ماہ کوئی نہ کوئی ایسا گیت شایع کیا کریں گے جو کسی نہ کسی ضلع کے گاؤوں میں رائج ہے۔ یہاں جو گیت شایع کیا جا رہا ہے وہ ضلع سیتاپور میں بہت رائج ہے اور وہیں کی بولی میں لکھا جاتا ہے۔

اب گاؤں سدھار کرو پوتوا

(ایک بوڑھا کسان اپنے پوتے کو نصیحت کر رہا ہے)

بھور ہیں اٹھ کے جھاڑو لگائے، کوڑا کرکٹ گوبر و اٹھائے
ردھا کھواے کھیتی منجھائے، ہرو میچیا دسے لو کر بلائے
موتیھن پر تاؤ دھرو پوتوا

دونی بردھا ایک بھینس راکھو، دس اکیڑ بڑھیا بھوئیں راکھو
پانھو گا نسو سبھیضے راکھو، نا دیہیں ماں آنسو راکھو
باقی جھنجھٹ چھاڑو پوتوا

آلو گھوئیاں ہردی، بوا وَو، تھوڑی پھلواری لگواؤو
کھانے بھر کا غلہ بوا وَو، تمھری نیّا تم خود کھیاؤو
پیدا سب چیز کرو پوتوا

گڑھا کھدوا وَو پانسی بھرو، گو بیتا کرکٹ سب جمع کرو
کھیتن ماں ڈارو ان بھرو، جلمن کا دارد دور کرو
بس نیکی راہ چلو پوتوا

بیگھے چک بندی کھیات لیوو، اور ٹھیک سے پرپوت دیوو
بھوکھے دو کھے کھبر لیوو، بیگاری دیو نا نجھر دیوو
گھر بیٹھے راج کرو پوتوا

جو پوت دیہے ماں پھلو رکھیہو، او بردھن کا ناپیٹ بھریہو
میہرارو سے نہ میلو کریہو، تو کبھوں نہیں ینپ سکیہو
یہو الوبھو سہاں سنؤ پوتوا

بچے کی بے ایمانی دوری کرو، دکھیا بھائی کی مدت کرو
نا آپس ماں کبھو جھگڑو، یہو بھیس میلوا دور کرو
بس اکڑی کے چلا کرو پوتوا

دس گھنٹہ لو ذنی سے کماؤ، اوکھوب کھواؤ وکھوب کھاؤ
ڈٹ کرو سکھو پیسہ بچاؤ، نا حاکم سے کبھو ڈراؤ
نا دن بھر مرا کرو پوتوا

چھوٹی بڑھیا کھری بنائے، چار یو گھائیں کیرا لگائے
او مہوادار گھر کی رکھائے، نردھا دیؤ پانجر کھدائے
میلا ٹنہ ہ ماں نہ سڑو پوتوا

ہندو مسلم او عیسائی، بھنگی چمار دھوبی نائی
ای سب تمھرے ویسی بھائی، لڑ ہو تو کام بگڑ جائی
جیو اپنے اس سمجھو پوتوا

اپنی کھیتی ماں چنت لگاؤ، دوسرے کی بھوئیں کا ناد ھاؤ
اپنی گلی آؤ جاؤ، او پڑھتے لکھے ماں من لگاؤ
سب سے ہنسی ہلا کرو پوتوا

نا دارو بھانگ نا چلم بھرو، نا گنڈن کا اعتبار کرو
نا بھوت پریت کی بھگتی کرو، او سوچ سمجھ کے بات کرو
یہو پھیسن چھوڑ دھرو پوتوا

اتم کھیتی تم گاوت ہو، ال وہما من نہ لگاوت ہو
تم تو نوکری کا دھاوت ہو، پرکھن کا نام دھراوت ہو
اب گھر کا کام کرو پوتوا

بیئے جمیندار او دوکاندار، بیٹھے تمھرے سر پر سوار
سب نوچیں لوٹیں کری گہار، ال تم سوؤ و ٹانگ پسار
اب ان کی فکر کرو پوتوا

(محکمہ گرام سدھار سیتاپور سے حاصل)

زمیندار و کسان

(از جناب لالہ چند رکیرتی سنگھ زمیندار)

زمینداریوں کے بننے کی ابتدا کب سے ہے؟ زمینداریاں کیسے قائم ہوئیں؟ ابتدا میں زمیندار کی شکل کیا تھی؟ زمیندار و کسانوں کے تعلقات کیا تھے؟ بعد میں کیوں، کس طرح اور کیا کیا تبدیلیاں ہوتی گئیں اور موجودہ حالت کب سے ہوئی؟ اگر ان حالات کی تاریخ پر غور کیا جائے تو یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ سب زمانہ کی ضرورتوں کے مطابق ہی ہوتا آیا ہے، ہوتا جا رہا ہے اور ہوتا جائے گا۔

تواریخ کے جن حصوں کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے اُن کی تشریح کے لئے ایک مفصل مضمون چاہئے۔ ادھر یہ نوٹ مختصر ہے لہذا یہاں صرف اتنا ہی لکھا جا سکتا ہے کہ زمینداروں و کسانوں کے جو تعلقات آج ہیں ابتدا میں ویسے نہ تھے۔

شروع میں زمیندار کسانوں کو اپنا حصہ دار سمجھتے تھے ہر ایک نفع نقصان میں ایک دوسرے کا پورا حصہ ہوتا تھا۔ سب طرح سے ایک دوسرے کی مدد کرتے، ہر قسم کی تکلیف آرام میں ایک دوسرے کے حصہ دار بنتے تھے۔ مختصر یہ کہ ہر طرح سے مساویانہ برتاؤ تھا۔ بڑے چھوٹے کا جو فرق آج ہے اتنا اُس زمانہ میں نہیں تھا۔

بعد میں کسان لوگ زمیندار کو اپنے سے بہت بڑا کہنے لگے اور کسانوں کے کہنے سے اُن کا بڑاپن بڑھنے بھی لگا۔ اور آگے اُن کا یہ بڑاپن اور بھی بلند ہو گیا۔

زمیندار، بادشاہ، شہنشاہ اوتار اور ایشور کے بنائے ہوئے بہت بڑے انسان مانے گئے اور اُن کے سامنے کسان بھیڑ، بکری، اور اُن کے غلام سمجھے جانے لگے۔ ظالم سے ظالم زمیندار کے ظلم کسان ویسے ہی برداشت کرنے کے عادی ہوتے گئے، جیسے کہ جانوروں کی قربان گاہ میں کچھ جانور ذبح کئے جاتے ہیں تو دوسرے جانور اُن کا تڑپنا چھٹپٹانا گہری خاموشی سے دیکھتے اور چپ چاپ کھڑے رہتے ہیں اور کچھ روکھے سوکھے بھوسے کا سڑا گلا حصہ ہی پا جاتے ہیں تو اُسی کو چاٹتے ہوئے آرام محسوس کرتے ہیں۔ ذبح ہوتے ہوئے جانوروں کو بچانے کی تو اُن میں طاقت ہی نہیں ہوتی اور ہاتھ پیر کھلے ہونے پر بھاگنا بھی نہیں جانتے۔ شاید وہ یہی سمجھتے ہوں گے کہ ہم ذبح نہ کئے جائیں گے ہمیں سڑا گلا بھوسا کھانے کا یہی آرام نصیب ہوتا رہے گا۔

کسانوں کی اسی حالت کی وجہ سے زمیندار شیر اور کسان بھیڑ بکری بنتے گئے۔ دماغی غلامی کی حالت یہاں تک بڑھتی گئی کہ اگر کسی زمیندار کا بدچلن لڑکا کسی کسان کی بہو بیٹی سے زنا کرتا تو وہ برداشت کرتے بلکہ اُلٹا وہی بدچلن نوجوان اگر کسی کسان کو پیٹنے کا نادرشاہی حکم صادر کرتا تو پاس پڑوس کے کسان اُس ظالم زمیندار کا حکم مان کر اپنے پڑوسی بھائی کو مارنے بھی لگتے۔ ایک معمولی زمیندار اکیلا سینکڑوں کسانوں کے جھنڈ میں گھس کر جسے چاہتا پیٹتا، سب دیکھتے اور چپ رہتے بلکہ اکثر وہ زمیندار کا حکم پا کر خود اپنے بھائی پر ٹوٹ پڑتے۔ وہ زمیندار کی ہر بات میں خواہ وہ اُن کے کسی بھائی کے خلاف ہی کیوں نہ ہو مگر ہاں میں ہاں ملایا کرتے۔ اُن کی یہ کمزوری دھیرے دھیرے عادت بن گئی۔

دنیا کی کوئی بھی بات ہو اُس کی ایک حد ہوتی ہے۔ حد پر پہنچ کر اُس کا رُکنا، لوٹنا ضروری ہے۔ یہ قانون قدرت ہے اور اسی قاعدے کے مطابق صبح سے دوپہر، دوپہر سے شام اور پھر رات ہوا کرتی ہے۔

آخر جب زمینداروں کی مطلق العنانی، اُن کے ظلموں کی حد ہو گئی تو وہ بھی آگے راستہ نہ پا کر رُک گئی اور اُسے مُڑنا پڑا۔

سیگاؤں نامی گاؤں سے ایک روحانی آواز اُٹھی اور ہندوستان جیسے بڑے ملک کے کونے کونے میں پہنچ گئی۔ اس طرح سیگاؤں کے فقیروں کی بدولت آج کسان اپنے آپ کو سمجھنے لگے ہیں۔ وہ آج اپنی دماغی غلامی سے بڑی حد تک آزاد ہو گئے ہیں۔ مگر پھر بھی ابھی اُنھیں مکمل آزاد نہیں کہا جا سکتا۔

یہی وجہ ہے کہ کچھ لوگ زمینداروں کے بہکانے سے کانگریسی کارکنوں کو تنگ کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ایسا کرنے سے زمیندار منتا

ہم پر خوش ہو جائیں گے۔ اُنھیں یقین ہوتا ہے کہ زمیندار ہماری پرورش کرے گا۔ لیکن اپنے ہی بھائیوں کے ساتھ غداری کرنے والوں کو اب ٹکڑوں کا لالچ چھوڑ دینا چاہئے۔ اُن حقیر ٹکڑوں کے سہارے جینے سے مر جانا ہزار درجہ بہتر ہے۔

ہمارا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ کسان زمینداروں کو تنگ یا تباہ کریں مطلب صرف یہ ہے کہ کسان ظالم زمینداروں کے ظلم نہ برداشت کریں۔ ظالموں کی مدد نہ کریں اُن ظلموں میں حصہ نہ لیں جو اُن کے بھائیوں پر کئے جاتے ہیں کیونکہ اپنے بھائیوں کے ساتھ بے ایمانی کرنا یا اُن کی مخالفت میں حصہ لینا بہت بڑی غداری ہے۔ اُنھیں اپنی دماغی غلامی سے بالکل آزاد ہونا چاہئے کسان زمیندار کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ رکھیں جیسا ایک شریف آدمی کو اپنے دوست سے رکھنا چاہئے۔

کوئی قاعدہ، کوئی قانون، کوئی قید یا مجبوری نہیں ہے پھر بھی کسان اپنے آپ غلامی کی دوڑ میں آگے جانے کی کوشش کرتے دیکھے جاتے ہیں۔ مضمون کی طوالت کے خیال سے یہاں صرف ایک نظیر پیش کرتا ہوں۔

زمیندار لوگ سال میں دو ایک بار اپنے یہاں کسانوں کو بلاتے اور بادشاہوں کی طرح دربار کرتے ہیں اور اُن سے نذر نذرانہ لیتے ہیں۔ ہندو زمینداروں کے یہاں یہ اجتماع اکثر دسہرے کے قریب ہوتا ہے۔ اور کبھی اکثر وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے۔ اگرچہ یہ نذر نذرانہ کوئی قانونی طور پر ضروری نہیں ہے۔ یہ صرف ایک سوشل رسم ہے مگر اکثر دیکھا جاتا ہے کہ کسان لوگ محض رسماً اور نمائش کے لئے نذر دینے میں ایک دوسرے کا مقابلہ کرتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ نذر دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

کانگریس کی خدمتوں کی بدولت جن کسانوں کی حالت پہلے حیوانوں سے بھی بدتر تھی اب انسانوں کی سی زندگی بسر کرنے کے قابل ہو رہے ہیں۔ لیکن اُسے دو سال میں چار آنے پیسے بھی نہیں دینا چاہتے۔ جن کے پاس بچوں کی پڑھائی کے لئے کتاب نہیں، جن کے ننگے بدن پر پورے کپڑے نہیں لیکن وہی کسان جب اپنے زمیندار صاحب کو راجہ اندر کی طرح اندر سبھا میں سنہری کارچوبی چاندنی کے نیچے لنگا جمنی کرسی پر بیٹھے دیکھتے ہیں تو نہ معلوم اُن کے پاس کہاں سے پیسے آجاتے ہیں۔

اگر ایک کسان ایک روپیہ نذر کرتا ہے تو دوسرا پانچ روپیہ دیتا ہے تیسرا اُس سے بھی بڑھکر دس روپئے نذر کرتا ہے چوتھا ۱۵ دیتا ہے۔ تو پانچواں ۲۵ تک پہنچتا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ اس مقابلے سے ہماری عزت و ناموری بڑھتی ہے اور ہم پر زمیندار صاحب کی مہربانی بڑھیگی۔ اس طرح آپس کے مقابلے کرنے میں وہ اسی طرح مٹتے رہتے ہیں اور پروا نہیں کرتے۔

پتہ نہیں کسان لوگ اپنے آپ کو کب تک سمجھ سکیں گے اور اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی کو کس طرح خرچ کرنا چاہئے یہ کب سوچیں گے اور جانیں گے۔

خدا کسانوں کو سمجھ دے اور کسانوں اور زمینداروں کے تعلقات نہایت خوشگوار بنے رہیں۔ یہی اچھی بات ہے اور ہر کسان و زمیندار کا یہی ارمان ہونا چاہئے۔

تحریک امداد باہمی

(از جناب جے۔ پی۔ مشرا ایم۔ اے۔ اسسٹنٹ آفس کوآپریٹو ڈپارٹمنٹ یو۔ پی۔)

مقاصد اور فائدے

کہا جاتا ہے کہ "کلو سنگھے بلم" یعنی زمانہ حال میں باہمی تعاون قوت ہے۔ دنیا میں چاروں طرف آرام و امن قائم کرنے کے لئے اس کو استعمال کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ہمارے رہنما وطن کے خیر خواہ بھی اسی کے گیت گاتے نظر آرہے ہیں۔

سچ ہے ہمارے جیسے غریب ملک کے لئے جتنی باہمی تعاون کی ضرورت ہے اتنی شاید اور کسی دوسرے ملک کے لئے نہ ہو۔ ہندوستان دیہاتی ملک ہے اور یہاں کے باشندے تقریباً ۸۰ فی صدی کسان ہیں جن کی خاص تجارت کھیتی ہے لیکن افسوس کی بات ہے کہ یہ زیادہ تر جاہل اور غریب ہیں اسلئے جس ذریعے اور سدھار سے کسانوں کی ترقی ہو وہی ملک کی ترقی کا ذریعہ کہا جائے گا۔

کمزور کا حربہ

علیحدہ علیحدہ کام نہ کرکے مشترک ہو کر کام کرنے کو تعاون یا امداد باہمی کہتے ہیں۔ یہ ایک قسم کی تنظیم ہے جس کا استعمال کرکے غریب اور کمزور انسان بھی وہی فائدے حاصل کر سکتے ہیں جو صرف دولتمندوں کو ہی حاصل ہیں۔ یاد رہے کہ باہمی امداد سے ہماری مراد خیرات نہیں ہے اور نہ صرف اُنس و محبت ہے۔ باہمی امداد تو روزانہ کام کرنے کا ایک طریقہ ہے جس کے ذریعہ کمزور اور غریب انسان مشترکہ محنت اور باہمی امداد کے ذریعہ قوی اور قابل ہو جاتے ہیں۔ دراصل امداد باہمی کمزور کا حربہ ہے۔ دولتمندوں کے پاس دولت و طاقت ہے جس میں اُن کی ترقی دن دونی و رات چوگنی ہوتی رہتی ہے۔ غریب اور کمزور کے پاس نہ تو طاقت ہے اور نہ دولت ہے۔ اگر یہ بھی اپنی مالی حالت سدھارنا چاہیں تو کیا کریں سوائے باہمی امداد کے دوسرا کوئی چارہ نہیں۔ تعاون سے قوت پیدا ہوتی ہے اور مشکلات دور ہوتی ہیں۔

عوام کی غلط فہمی

آج تحریک تعاون کو شروع ہوئے ۳۰ سال سے زیادہ عرصہ ہو چکا۔ ہمارے صوبے میں ۹۰۰۰ امدادی کمیٹیاں کھولی جا چکی ہیں جن کے ممبروں کی تعداد چار لاکھ ہے۔ لیکن اتنے سال کے بعد بھی عوام میں تعاون یا امداد باہمی کے اصلی مقصد اور فائدہ کے بارے میں غلط فہمی ہے۔ یہ عام طور سے کہا جاتا ہے کہ تعاونی کمیٹیوں کا کام صرف کم سود پر قرض دینا ہے۔ کہیں کہیں ایسا بھی سنا جاتا ہے کہ ان کا کام ممبروں کی آمدنی بڑھانا اور خرچ کو کم کرنا ہے۔ ان سب باتوں سے صاف ظاہر ہے کہ لوگ ابھی تک تعاون باہمی کے اصلی معنی نہیں سمجھے ہیں اور اکثر یہ بھی کہہ بیٹھتے ہیں کہ قرض کے علاوہ دوسرے کام کے لئے امداد باہمی کمیٹیاں نہیں بن سکتی ہیں۔

کھیتی کی ترقی

تحریک امداد باہمی کے پرچار کے تین خاص مقصد ہیں اور انہیں تینوں مقصدوں کے اوپر آئرلینڈ کے بہت بڑے معاون و بانی سرہورلیس پلینکٹ نے بہت مفصل تشریح کی ہے۔ اوّل کھیتی کی ترقی کرنا۔ ہمارے ملک میں کھیتی کی ترقی کی بہت سخت ضرورت ہے۔ ہندوستانی کسان ابھی لکیر کے فقیر بنے بیٹھے ہیں شہروں میں دورہ کرنے و بات چیت کرنے سے

یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان بھی دیگر مغربی ملکوں کی طرح بیسویں صدی کے راہ پر ترقی کرتا چلا جا رہا ہے۔ لیکن دیہاتوں میں گھوم کر دیکھا جائے اور دیہاتیوں سے بات چیت کی جائے تو یہ پتہ چل جائے گا کہ ہندوستان کی دیہاتی دنیا ابھی سولھویں صدی کی راہ پر ہے۔ کسانوں کے کھیتی کرنے کے طریقے۔ اُن کی طرز رہائش، تعلیم و خیالات کی ترقی میں ابھی بہت کم انقلاب ہوا ہے۔ گو کہ گذشتہ کئی سال سے بیداری کے کچھ آثار ضرور نظر آتے ہیں۔ کھیتی اُن کی جان ہے اور جب تک کھیتی کی ترقی نہیں ہوتی تب تک اُن کی حقیقی ترقی ہونا بہت مشکل ہے۔ امریکہ، کناڈا، ڈینمارک اور آئرلینڈ وغیرہ کے کسانوں نے کھیتی کے ہر ایک پہلو کے لئے انجمنیں کھول کر بڑی ترقی کی ہے۔ آپس میں تعاون کرکے اگریکلچرل فارم۔ دوسری جگہوں سے اچھے بیج منگانا، نئے ہلوں کا استعمال کرنا، گوبر کے اُپلے نہ بنا کر اُس کو کھیتوں میں کھاد دینے کے لئے گڑھے کھود کر جمع کرنا وغیرہ سب کاموں کے لئے تعاون کی ضرورت ہے۔ اِس میں شک نہیں کہ موجودہ قرض دینے والی کمیٹیاں کہیں کہیں پر اپنے ممبروں کے لئے یہ بھی کام کرتی ہیں مگر یہ بہت اچھی بات ہوگی اگر کسان زیادہ سے زیادہ تعداد میں کھیتی کی ترقی کی انجمنیں کھول کر اُن سے فائدہ اُٹھائیں۔

پیداوار فروخت کرنے کا انتظام

تحریک امداد باہمی کا دوسرا مقصد کھیتی کی پیداوار فروخت کرکے مناسب قیمت حاصل کرنا ہے۔ امدادی بینک ممبروں کو کھیتی وغیرہ دیگر تعمیری کاموں میں لگانے کے لئے کم سود پر قرض دیتے ہیں۔ ممبران قرض کی رقم کھیتی میں لگاتے ہیں۔ قرض دینے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ممبروں کی آمدنی قرض کے استعمال کرنے سے اتنی بڑھ جائے کہ وہ نہ صرف قرض ادا کر سکیں بلکہ قرض ادا کرنے کے بعد اُن کو کچھ بچ بھی رہے۔ اگر بڑھی ہوئی آمدنی سے قرض ادا کرنے کے بعد کچھ بھی نہ بچے تو قرض لینے سے کوئی زیادہ فائدہ نہیں ہے۔ کسانوں کی آمدنی اُن کی پیداوار کی فروختگی پر منحصر ہے۔ اکثر کسان اپنی پیداوار اپنے گاؤں والے مہاجن و تاجروں ہی کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں۔ ایک تو وہ اُن کے مقروض ہوتے ہیں دوسرے اُن کو یہ پتہ نہیں رہتا کہ بازار میں بیجوں کا ٹھیک نرخ کیا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُن کو اپنی پیداوار کا دام بہت کم ملتا ہے۔ اگر وہ اپنا غلہ لے کر شہر آتے ہیں تو وہاں کے رسم و رواج سے بھی ناواقف ہوتے ہیں۔ اور وہاں انھیں مختلف قسم کی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اُن کو اپنی پیداوار کا مناسب دام نہ گاؤں میں ملتا ہے نہ بازاروں میں۔ امریکہ، کناڈا اور آئرلینڈ وغیرہ ملکوں میں جب کوئی امدادی بینک قرض دینے کے لئے کھولا جاتا ہے تو پہلے ہی اِس بات کا بھی انتظام کر لیا جاتا ہے کہ ممبروں کی پیداوار فروخت کرنے کے لئے امدادی کمیٹی بھی قائم ہونی چاہئے۔ کیونکہ انھیں یقین ہے کہ جب تک کسانوں کی پیداوار فروخت کرنے کا مناسب انتظام نہ کیا جائے تب تک بینک کی کامیابی مشکل ہے۔

اب وقت آگیا ہے کہ امدادی فروختگی کمیٹیاں زیادہ سے زیادہ تعداد میں کھلیں اور موجودہ بینکوں کے ممبروں کے لئے بھی اُن کی پیداوار فروخت کرنے کا مناسب انتظام کیا جائے۔ علیحدہ علیحدہ پیداوار فروخت کرنے میں یقیناً کم دام ملیں گے لیکن اگر آپس میں تعاون کر کے کمیٹی کے ذریعے پیداوار فروخت کی جائے تو جو دام اُنکو اِس وقت پھٹکر ملتا ہے اُس سے کہیں زیادہ ملے گا۔ خوشی کی بات ہے کہ ہمارے صوبے کے محکمۂ امداد باہمی نے ایک پنج سالہ اسکیم تیار کی ہے۔ یہ اسکیم جلد ہی عملی جامہ پہننے والی ہے۔ اُمید ہے ہمارے کسان اس کام میں کام کرنے والوں کو ہر قسم کی امداد دیں گے اور اِس سے کافی فائدہ اُٹھانے کی کوشش کریں گے۔

زندگی سدھار

تحریک امداد باہمی کا تیسرا مقصد دیہاتیوں کی موجودہ زندگی کو خوش حال و کامیاب بنانا ہے۔ جنہیں دیہاتوں میں رہنے کا کئی سال موقع ملا ہے یا دیہات والوں سے اچھی طرح واقف ہیں وہ ضرور اس بات کو منظور کریں گے کہ دیہاتوں کی حالت قابل غور ہے وہاں پر تعلیم کی کمی ہے صحت و صفائی کا نام بھی نہیں ہے۔ کھیتی کی دن بدن تنزلی ہے۔ اور جگہ جگہ پر سہر دھری و سستی کا اڈا ہے۔ اس میں شبہہ نہیں کہ ہمارے دیہاتوں کی یہ حالت ۵۰ سال پہلے بھی نہ تھی۔ تعلیم کا فقدان تو ضرور تھا مگر دیہات کی زندگی زیادہ خوش حال تھی کھیل بھی ہوا کرتے تھے اور بڑے تیوہاروں کے دن لوگ اپنی اپنی ٹولیاں بنا کر ایک دوسرے کے ساتھ ملتے اور بات چیت کرتے تھے۔ دیہاتوں میں بھجن بھی ہوتے تھے رام لیلا بھی منائی جاتی تھی اور اکھاڑوں میں بچے و جوان سبھی کسرت کرتے تھے اور کشتی لڑتے تھے۔ ان میں اتحاد و امداد کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ آج یہ سب باتیں ختم ہو گئی ہیں۔ اور اب ہمیں پھر سے انھیں امداد باہمی کا مقصد سمجھا نا ہے۔ کیسے ہم زندگی سدھار کمیٹی سے تعلیم کی اشاعت و کھیتی کی ترقی کر سکتے ہیں۔ صفائی اور صحت کی طرف لوگوں کی توجہ منعطف کر سکتے ہیں اور ان کے درمیان پریم و اتحاد پھر سے پیدا کر سکتے ہیں یہی ہمارا کام ہے اور محکمۂ امداد باہمی نے تقریباً ۵۰۰ زندگی سدھار کمیٹیاں بنائی بھی ہیں۔ اگر ہمیں دیہات والوں کی امداد ملتی رہی تو امید ہے کہ مستقبل قریب میں دیہاتوں کے دن پلٹ جائیں گے اور دیہاتی زندگی ایک قابل تقلید زندگی بن جائے گی۔

کسان کا گیت

(از جناب سلام مچھلی شہری)

گھر اُجاڑ ہے تو کیا۔ ملک کو سجائے جا!
ہاں لہو بہائے جا۔ پھول پھل اُگائے جا!
دوسروں کے واسطے اپنا دُکھ بھلائے جا!

اے کسان! گائے جا۔ پیارے! ہل چلائے جا!!

آج دھوپ تیز ہے۔ ہو تجھے خبر کہاں:
چل رہی ہے لو۔ چلے۔ تجھکو اس کا ڈر کہاں!
سب ہیں اپنے گھر میں۔ ہوں ہائے تیرا گھر کہاں!

اے کسان! گائے جا۔ پیارے! ہل چلائے جا!!

ظالموں نے تیرا سب سکھ بھلا دیا تو کیا۔
تیرے آنسوؤں پہ گر مسکرا دیا تو کیا۔
تیری آہ آہ پر، واہ وا کیا تو کیا۔

اے کسان! گائے جا۔ پیارے! ہل چلائے جا!!

صبر کر کہ ایک دن تیرا راج آئے گا۔
تیرے ہاتھ دیکھنا تخت و تاج آئے گا
آئے گا۔ قسم ہے۔ دیش میں سوراج آئے گا!

اے کسان! گائے جا۔ پیارے ہل چلائے جا!!
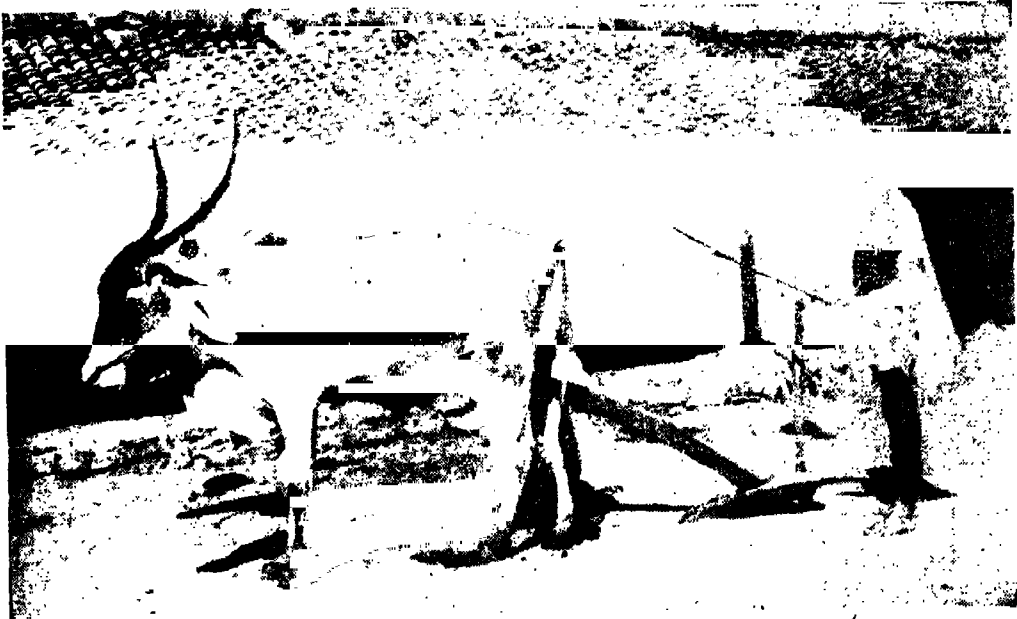
اچھی پیداوار کے لئے گہری جوتائی کی ضرورت ہے جو پرانے ڈھنگ کے ہل سے نہیں ہو سکتی

کسان کی حالت کیسے سُدھرے

(از جناب جے۔ ایم۔ لوبھو پربھو آئی۔ سی۔ ایس)

[ہمارے کسان کیوں غریب ہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسان کی جان کو سینکڑوں بھوت لگے ہیں۔ سرکار اُن سب بھوتوں کو قابو میں کرلے تب بھی کسان کی حالت اُس وقت تک نہیں سُدھر سکتی جب تک وہ خود اپنے اندر چھپے ہوئے دشمن کو نہ ہرا دے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے یہی اس مضمون میں بتلایا گیا ہے]

دنیا میں ہندوستان سب سے غریب ملک ہے۔ ہندوستانی کسان کی آمدنی کا اوسط امریکہ یا انگلینڈ کے کسان کی آمدنی کے مقابلے میں ۱/۲۰ ہے۔ اور اُس کی ملکیت ۱/۲۰ سے بھی کم ہے۔ ہمارے کسان زمین یا موسم کی شکایت نہیں کر سکتے کیونکہ ہمارے ملک کی زمین دنیا کی عمدہ ترین زمین ہے۔ وہ فصلوں کی بھی شکایت نہیں کر سکتے کیونکہ یہاں سے زیادہ کہیں بھی فصلیں نہیں ہیں۔ وہ سرکاری ملازمتوں کی بھی شکایت نہیں کر سکتے کیونکہ صرف کھیتی ہی ہندوستان کی قسمت میں لکھی ہے۔ اس اصول کے مطابق بہت سے ملکوں کی بہ نسبت یہاں کی سرکاری ملازمتیں خصوصاً محکمۂ آبپاشی یا محکمہ تحقیق کی بڑھائی گئی ہیں۔ اپنی غریبی کے لئے ہمارے کسان قدرت کی بھی شکایت نہیں کر سکتا وہ صرف آدمی کی ہی شکایت کر سکتا ہے۔

دو قسم کے دشمن ہمارے کسانوں کو غریب بنائے ہوئے ہیں۔ اِن میں پہلے وہ ہیں جو کسانوں کی کمزوری سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں اور جنھیں حکومت دور کر رہی ہے۔ دوسرے جو پہلے سے کم نہیں ہیں وہ خود کسانوں میں پائے جاتے ہیں۔ بڑی حد تک کسان خود اپنا دشمن ہے آپ خود اپنے دشمن ہیں۔ بیرونی دشمنوں پر فتح پاکر بھی سرکار غریبی اُس وقت تک نہیں دور کر سکتی جب تک آپ اپنے اندر چھپے ہوئے دشمن کو برباد نہ کردیں۔ یہ کام حکومت

۶

یہ عورت اپنی دیوال کو ہی بد صورت نہیں بنا رہی ہے اپنے کھیتوں کی کھاد کو بھی برباد کر رہی ہے۔

کے لئے آسان نہیں ہے کیونکہ یہ بات آپ ہی کے قابو میں ہے۔ اگر آپ اِس بات کو محسوس کر لیں تو آپ یہ مان لیں گے کہ مکمل گرام سُدھار ہر خاص و عام سے تعلق رکھنے والی تحریک ہے اور اِس کی کامیابی آپ ہی پر منحصر ہے۔

آپ خود اپنے دشمن ہیں، کیونکہ آپ اُس قابلیت کو استعمال نہیں کرتے جو آپ میں ہیں اور آپ اُن موقعوں کو چھوڑ دیتے ہیں جو آپ کو حاصل ہوتے ہیں۔ اِس قسم کی عادتیں قابل ملامت ہیں۔ کیوں کہ ایسی غریبی کی حالت میں قطعی فضول خرچ نہ ہونا چاہئے آپ کی ترقی پر ہی مادرِ ہند کی ترقی پر منحصر ہے اور یہ تبھی ہو سکتا ہے جب آپ پونجی جمع کر لیں۔ کم کام کرنے کے معنی سرکار کو دھوکا دینا ہے۔ مادرِ ہند

آپ کی کوششوں ہی کے ذریعہ سے اپنی پہلی عظمت حاصل کرنا چاہتی ہے۔ آپ اپنے موقعوں کا جائز استعمال کرکے آئندہ نسل کی زندگی خوش حال بنا سکتے ہیں۔ مَیں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اپنی سرکار، اپنی مادرِ گیتی اور آئندہ نسل کو ناکام نہ بنائیں۔

کھیتی کے معاملے میں آپ کئی طرح سے اپنے دشمن ہیں۔ مثال کے طور پر بہت معمولی بات لیتا ہوں۔ آپ کھاد اِس لئے برباد کر دیتے ہیں کہ آپ اسے گڈھے میں گاڑنے کی زحمت نہیں اُٹھانا چاہتے۔ اِس لئے ہَوا، دھوپ، جانور اور بچّے اُسے چاروں طرف بکھیر کر اُس کے فائدے کم کر دیتے ہیں۔ فصل اچھی کرنے کے لئے کچھ تھوڑی سی کھاد آپ کے پاس ہوتی بھی ہے تو اُسے آپ ایک روز کی محنت سے بچنے کے لئے اس طرح برباد

یہ بیل نہیں ۔ ٹھیک طور سے پالے گئے بچھڑے ہیں ۔ ہمارے ہندو بھائی گائے کی اتنی پوجا کرتے ہیں تو بھی اُس کو اس طرح نہیں پالتے جیسے بدیشی لوگ پالتے ہیں ۔ یہ تصویر برک شائر کی ہے ۔

کر دیتے ہیں ۔ اِس سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ آپ خود اپنے دشمن ہیں ۔ اب بیج کی بات لیجئے ۔ آپ میں سے بہت سے لوگ سوائے یا ڈیوڑھے پر ایسے بیج اُدھار لیتے ہیں جنھیں غلّہ کا بیوپاری کھانے کے لئے بیچ نہیں سکتا تھا ۔ اِس طرح کے بیج زیادہ تر ٹوٹے ہوتے ہیں اور اُن میں دوسرے بیج بھی ملے ہوتے ہیں ۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے پیداوار کم ہوتی ہے ۔ آپ مجبور ہو کر اچھے بیج فروخت کر ڈالتے ہیں اور بونے کے لئے خراب بیج اُدھار لیتے ہیں ۔ بیج ڈھونڈھتے وقت ذرا سی محنت سے جی چُرا کر آپ کم از کم آدھی پیداوار سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں ۔ جب آپ اِس طرح اپنا نقصان خود کر بیٹھتے ہیں تو آپ کی ۔ دکون کرے گا؟ اب جوتائی لیجئے ۔ آپ کے پاس اِس کے لئے کافی وقت ہے اور آپ میں سے بہتوں کے لئے صرف ایک یہی کام ہے ۔ پھر بھی آپ کھیت کو ادھر اُدھر کھرچ کر جلد بازی کے ساتھ بیج چھینٹ دیتے ہیں ۔ تقریباً اُتنی ہی کوشش کرنے پر جانور شدھارے ہوئے ہل کھینچ سکتے ہیں اور آپ تھوڑی اور محنت کرنے پر کونڈوں میں بیج بو سکتے ہیں ۔ اِس طرح کے ہلوں کی قیمت زیادہ نہیں ہے ۔ کیونکہ اِس سے پیداوار ڈیوڑھی ہوگی اور اس طرح کی کھیتی سیکھنے میں جو کچھ بھی وقت صَرف ہوگا وہ بیکار نہ جائے گا ۔ تھوڑی پونجی اور وقت صَرف

کرکے آپ چاندی کی جگہ سونا لے سکتے ہیں۔ آپ ایسا نہ کرکے خود اپنے دشمن بنتے ہیں۔ آپ اور بھی کئی طرح سے جنھیں میں کسی دوسری تقریر میں بتاؤں گا اپنی فصل کھو بیٹھتے ہیں۔ ان وجوہ سے اگر آپ غریب ہیں تو اس میں تعجب کیا؟ اِسی قسم کی یا اس سے کم زمین میں دوسرے ملک کے کسان آپ سے دوناغلہ پیدا کرتے ہیں۔ گرام سدھار تحریک کا یہ مقصد ہے کہ وہ آپ کو کھیتوں سے اتنی اُپج لینے پر مجبور کرے جتنی وہ دے سکتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ تحریک گرام سُدھار کا یہ بھی مقصد ہے کہ وہ کھیتوں میں آپ کو اپنی ترقی کا دشمن ہونے سے روکے۔

مویشیوں کے بارے میں بھی آپ لاپروا ہیں۔ دوسرے ملکوں کے کسان پالتو مویشیوں سے اتنی ہی آمدنی کرتے ہیں جتنی فصلوں سے۔ ہندوستان میں کھیتوں میں کام دینے کے سوا بہت سے مویشی اپنی کھال کی قیمت کے برابر بھی نہیں ہوتے۔ ہمارے ہندو بھائی گائے کی پوجا کرتے ہیں۔ ہر شخص کو کھیتی میں اس قدر مدد دینے والے جانوروں کی پوجا کرنی چاہئے۔ مگر اُسے بھوکا رکھنا یا غلط طریقہ پر استعمال کرنا قصائی کی طرح اُس کی قربانی کرنا ہے۔ میرے ہندو بھائی، جب تک ہماری گائیں اُن ملکوں کی گایوں کا مقابلہ نہیں کرسکتیں جہاں گایوں کی پوجا نہیں ہوتی تب تک ہم دھرم کا مضحکہ اُڑاتے رہیں گے۔

گایوں کو دیکھ کر کیوں ترس آتا ہے؟ اِس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ اُنھیں ٹھیک پوری خوراک نہیں دیجاتی۔ چارا بہت کم اُگایا جاتا ہے اور کہیں چرائی کی زمین ہوئی بھی تو وہ روٹیشن قاعدے کے مطابق جوت دی جاتی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جانوروں سے زیادہ کام لیا جاتا ہے۔ تیسری وجہ جو سب سے زیادہ قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ آپ چھوٹے اور خراب سانڈوں سے ہی گائے کو جفتی کھلاتے ہیں۔ آپ صرف ۲۲ روپے میں سُدھاری ہوئی نسل کا ایک سانڈ آسانی سے خرید سکتے ہیں۔ جس سے ہر سال ایک سَو بچھڑے ہوں گے۔ اِن میں سے ہر ایک بچھڑا خریدے ہوئے سانڈ یا ایک بڑی گائے کی قیمت کا ہوگا۔ آپ اپنی گائے کی نسل نہ سُدھار کر خود اپنے ساتھ دشمنی کرتے ہیں۔ آپ خود اپنے دشمن ہیں۔ اگر آپ گھٹیا قسم کے بَیل کو بہت پہلے آختہ نہیں کرتے۔ گرام سُدھار کے محکمہ کا یہ مقصد ہے کہ وہ آپ کو اِس قسم کے مویشی دے جو زیادہ محنت کرسکیں۔ پیداوار بڑھائیں اور جس کے رکھنے پر جہاں اس وقت خرچ ہوتا ہے فائدہ ہونے لگے۔

تعلیم کے لحاظ سے آپ اپنے سب سے بڑے دشمن ہیں کیونکہ ہم لوگوں کا ملک اُس وقت سے مہذب ہے جب دنیا کا زیادہ حصّہ غیر مہذب تھا۔ حالانکہ ہم لوگوں نے قوت اور سائنس کو بہت کچھ دیا ہے اور گو کہ ہلوگوں کا دماغ اوسط درجہ کا اور بہت سے دماغوں سے تیز ہے پھر بھی ہم لوگوں میں تعلیم بہت کم ہے اور مہذب قوموں میں ہم لوگ سب سے پست ہیں۔ ہم لوگوں نے گذشتہ بہت سی خوبیوں اور اچھے طریقوں کو بھلا دیا ہے۔ اِس معاملے میں آپ سرکار کو قصوروار نہیں ٹھیرا سکتے کیونکہ موجودہ اسکولوں میں داخل ہونے والوں کی تعداد بہت کم ہے۔ اور اِس پر خرابی یہ ہے کہ وہ برائے نام ہے۔ داخل ہونے والے چار لڑکوں میں ایک لڑکا بھی پوری طرح یا کافی تعلیم نہیں حاصل کرنے پاتا۔ کیونکہ جیوں ہی وہ مویشیوں کی دیکھ بھال کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں آپ اپنے کام کے لئے اُنھیں اسکولوں سے ہٹا لیتے ہیں۔ آپ اُن کی تعلیم کے اُن فائدوں کی بہ نسبت جن پر اُن کی زندگی کی کامیابی منحصر ہے اپنے چھوٹے کام کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔ وہ والدین جو اپنے بچّوں کو پڑھنے لکھنے کا موقع نہیں دیتے وہ نہ صرف اُن کے خلاف بلکہ ملک کے ساتھ بہت بڑی غدّاری کرتے ہیں۔ تحریک گرام سُدھار کا یہ مقصد ہے کہ والدین موجودہ اسکولوں سے اچھی طرح فائدہ اُٹھا سکیں

ہر شخص کو اسکولوں میں اپنے بچّوں کا نام لکھا دینا چاہئے ۔ اگر بچّوں کی تعلیم کے لئے اسکول ناکافی ہوئے تو حکومت نئے اسکولوں کا انتظام کرے گی ۔ نہ صرف آپ کے چھوٹے بچے بلکہ آپ کی چھوٹی بچیاں بھی اپنے بھائیوں کے ساتھ اسکول جائیں ۔ اگر آپ لڑکیوں کو ان کی دس سال کی عمر سے پہلے داخل کر دیں تو وہ اپنی پرائمری تعلیم پوری کر سکتی ہیں ۔ اِس وقت وطن کے لئے تعلیم یافتہ لڑکوں کی بہ نسبت تعلیم یافتہ لڑکیوں کی زیادہ ضرورت ہے ۔ کیونکہ اُن کے بغیر ترقی کی گاڑی میں صرف ایک ہی پہیہ رہیگا اور اِس باعث وہ نہ چل سکے گی ۔ دراصل بات تو یہ ہے کہ تعلیم یافتہ ماں اپنے پورے کنبے کو تعلیم یافتہ بنا سکتی ہے ۔ ہم لوگوں میں پوری رونق اُس وقت تک نہیں نظر آ سکتی جب تک ہمارے گھروں میں روشنی نہ ہو ۔ گاؤں کے گندے گھروں اور سڑکوں پر رہنے کی بہ نسبت ہماری لڑکیاں اسکولوں میں زیادہ محفوظ، خوش اور تندرست نظر آتی ہیں ۔

تحریک گرام سدھار کا مقصد بالغوں کو بھی پڑھانا ہے ۔ اگر کسی گاؤں میں ۲۰ آدمی ہیں جو پڑھنا چاہتے ہیں تو وہاں کے اسکول کے ماسٹروں کو تھوڑی سی فیس دیکر پڑھانے اور حساب سکھانے کا انتظام کیا جا سکتا ہے ۔ آپ کی تعلیم پر ہی ملک کی ترقی منحصر ہے کیونکہ جب تک آپ جاہل ہیں اُس وقت تک آپ آزاد نہیں ہو سکتے اور اپنے سے قوی لوگوں کے غلام بنے رہیں گے جب تک آپ جاہل ہیں تب تک آپ اپنے ملک کے سامان اور اپنی طاقت استعمال نہ کر سکیں گے اور غریب بنے رہیں گے ۔ جب تک آپ جاہل ہیں اُس وقت تک آپ رسم و رواج کے غلام بنے رہیں گے ۔ سرکار اسکول قائم کرے گی انھیں بھرنا آپ کے ہاتھ میں ہے ۔ آپ اُن اسکولوں کو اچھی طرح استعمال کریں تاکہ آپ کی محنت کمائی، جس سے اسکول کھولے گئے ہیں فضول نہ خرچ ہو ۔

دستکاری کے لحاظ سے بھی آپ اپنے دشمن ہیں ۔ کچھ صدیاں پہلے ہمارے ملک کی کپڑا بننے کی صنعت بہت ترقی پر تھی ۔ سینکڑوں سال تک یورپ اُن کپڑوں کے لئے ہندوستان پہنچنے کا خواب دیکھتا رہا جو ہمارے یہاں معمولی گھروں میں بنائے جاتے تھے آج ہم اپنے بہت سے کپڑے باہر سے خریدتے ہیں ۔ آج مہاتما گاندھی کی درخواست کرنے پر بھی آپ میں سے بہت کم لوگ چرخا چلا کر سوت تیار کرتے ہیں ۔ آپ مہاتما جی کی اُس آسان نصیحت پر عمل نہ کر کے اُن کی ناشکری کرتے ہیں ۔ آپ اپنے گھر کی عورتوں کے خالی وقت میں اپنی ضرورت کے مطابق کپڑے نہ تیار کر کے وہ وقت فضول ضائع کرتے ہیں ۔ دوسرے ملکوں کے کسان کھیتی سے بچے ہوئے وقت میں اور بھی کئی قسم کے کام کرتے ہیں آپ کو اُن کی نقل کرنی چاہئے ۔ گرام سدھار کی طرف سے آپ کو کئی قسم کی صنعتیں سکھائی جائیں گی جنھیں سیکھ کر آپ فائدہ اُٹھا سکیں گے ۔ اگر آپ اِن صنعتوں کو جاننے کے لئے اپنا وقت اور دماغ نہیں لگاتے جو آپ کے پڑوس ہی میں سکھائی جا رہی ہے تو آپ غریبی خود پیدا کر کے اپنے سب سے بڑے دشمن بن رہے ہیں ۔ آپ میں سے ایسے لوگوں کے لئے جو پہلے سے ہی کچھ نہ کچھ کام کر رہے ہیں نئیں سدھار کے طریقے بتلائے جا رہے ہیں جن سے زیادہ تعداد میں چیزیں بنائی اور فروخت کی جا سکیں گی ۔ مثال کے طور پر چمڑے کی رنگائی ہی لیجئے چمڑے کی اچھی طرح رنگائی اور صفائی کرنے سے دُگنی قیمت مل سکتی ہے ۔ ہمارے چار بھائی اِن آسان اور مفید طریقوں کو نہ سیکھ کر کیوں خود اپنے دشمن بنیں ؟

آپ اُن رواجوں اور عادتوں کے مطابق چل کر جو اس وقت بے معنی ہو گئی ہیں اپنا بہت زیادہ نقصان کرتے ہیں ۔ اِس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ آپ غریبی میں ہر چیز سے ڈرتے ہیں ۔ سب سے زیادہ رسم و رواج سے ۔ اِس کی خاص وجہ یہ ہے کہ بہت دنوں تک آپ کی سرکار باہری تھی اور اُس کی نصیحتوں کو آپ ہمیشہ شک و شبہہ کے ساتھ دیکھتے آئے ہیں لیکن اب زمانہ بدل گیا ۔ آپ کی غریبی دور کرنے کے لئے آپ کی ہی سرکار رسم و رواج کے بارے میں بھی نصیحت کر رہی ہے ۔ آپ اُسے غیر معتبر نہیں سمجھ سکتے ۔ آپ کو اسے ضرور ماننا چاہئے ۔ بچپن کی شادی سب سے خراب رسم ہے ۔ دنیا میں صرف ہمیں لوگ ایسا کرتے ہیں اسی سے دوسرے ملک والے ہمارا مذاق اُڑاتے

ایک کسان کی بیوی اور بچّے پردہ اور جہالت کی وجہ سے اپنے شوہر کے کام میں مدد نہیں دے سکتی اور نہ اپنے بچے کو کچھ تعلیم ہی دے سکتی ہے۔

ہیں۔ بچپن کی شادی کے انسداد کے لئے قانون بھی بنایا گیا لیکن آپ لڑکوں کی بچپن میں شادی کرنا اور لڑکیوں کی بھی کمسنی میں شادی کر کے اُنھیں بیوہ بنا دینا جاری کئے ہوئے ہیں۔ اب وہ زمانہ گذر گیا جب آپ حفاظت کے لئے لڑکیوں کی شادی کمسنی میں کرایا کرتے تھے۔ اب رگ وید کے وقت سے بھی محفوظ وقت آگیا ہے جب ۱۶ سال سے زیادہ عمر میں شادی ہوا کرتی تھی۔ دوسری رسم پردے کی ہے۔ بیرونی حملوں کے وقت خواہ اس کی ضرورت پڑا کرتی ہو لیکن اس وقت پردے کا رکھنا عورتوں اور گاؤں کے بھائیوں کو بے اعتبار سمجھنا ظاہر کرتا ہے۔ اس سے تندرستی خراب ہو جاتی ہے اور کبھی کبھی تپ دق ہو جاتا ہے۔ پردے کی وجہ سے عورتیں مزدوری نہیں کر سکتیں۔ اور اسی لئے دیہات میں بہت کم مزدور ملتے ہیں۔ آپ اپنی عورتوں کو پردے سے آزاد کر دیجئے جس سے وہ تندرست ہو کر آپ کی طرح زندگی بسر کر سکیں آپکی امداد کر سکیں اور آپکے ساتھ ملکر ملک کیحالت سدھا سکیں۔

سماجی رسموں کی وجہ سے پیدائش، موت اور شادی کے وقت خرچ کرنے باعث آپ قرض سے دبے ہیں۔ آپ میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جو اپنی لڑکی کی شادی میں ایک فصل کی آمدنی نہ خرچ کر دیتا ہو آپ کے لئے آرام کے لئے یہ سب خرچ کرتے ہیں۔ آپ کو قرض لینا پڑتا ہے۔ اور جن لوگوں کو آپ دعوت دیتے ہیں وہ اکثر اس بات کی شکایت کرتے ہیں کہ آپ کے یہاں آنے میں اُنکا حرج ہوا۔ دوسرے ملکوں میں ایک شادی میں ایک ہفتہ کی آمدنی سے بھی کم خرچ ہوتا ہے۔ اُنکے پاس روپیہ کم ہوتا ہے لیکن آپ خرچ زیادہ کرتے ہیں۔ آپ اپنے کھیت کے سدھار میں بہت کم خرچ کرتے ہیں اور قرض لے کر شادی بیاہ میں خرچ کرتے ہیں۔ آپ لوگوں میں بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جنھوں نے کسی تقریب کے لئے ہی قرض لینا شروع نہ کیا ہو۔ اس فضول کام میں دلچسپی لینے کی وجہ سے آپ مہاجنوں کے غلام ہیں۔ آپ کے اس نقصان کو روکنے کے لئے جو آپ خود اپنے لئے کرتے ہیں یہ مستقل عہد کر لینا چاہیئے۔ اگر آپ میں سے کسی ذات کے آدمی کافی تعداد میں ان صرفوں کو روکنے کا تہیہ کریں تو دوسرے لوگ بھی آپ کی تقلید کریں گے۔ گرام سدھار ایسے سدھاروں کے لئے زندگی سدھار سبھائیں کھولے گا۔

اگر آپ اپنی آمدنی بڑھانا چاہتے ہیں تو سب لوگ مل کر تقریبوں میں ہونے والے خرچ روک دیں نہیں تو جس طرح ناؤ کے پیندے میں سوراخ ہونے سے ناؤ ڈوب جاتی ہے اسی طرح یہ اخراجات آپ کو تباہ کر دیں گے۔ دوسرے رواج جیسے بچوں کو افیم دینا بیماریاں روکنے کے لئے پوجا کرنا اور بچّے پیدا ہونے پر زچہ کی خبرگیری کیلئے سب سے گندی عورتیں

رکھنا جن سے بیماریاں پھیلتی ہیں۔ آپ کی بیوقوفی ہی کی وجہ سے قائم ہیں ان فضول رسموں کو بند کر دیجئے جو آپ کو اپنا دشمن بنا دیتی ہیں۔

آپ کی معمولی عادتیں بھی نقصان دہ ہیں اسکی خاص وجہ آپ کی ناعقبت اندیشی ہے۔ مثلاً آپ اپنے گھر کا کوڑا کرکٹ سڑک پر پھینک کر اسے گندا کر دیتے ہیں۔ اس سے عوام کو تکلیف ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ آپ کو بھی کیونکہ آپ ہوا اور مکھیوں کو اپنے پاس گرد اور بیماری لانے سے نہیں روک سکتے آپ پڑوس ہی میں کوڑا کرکٹ پھینک کر اپنی غذا کو کس طرح صاف رکھ سکتے ہیں آپ تھوڑی سی زحمت برداشت کرکے کوڑے کو گھور میں پھینک کر اس قسم کی سبھی خرابیاں دور کر سکتے ہیں۔ اب سڑکوں کو لیجئے۔ وہ دھول سے بھری ہوئی، گندی اور ناہموار ہیں۔ اگر گاؤں والے سب لوگ صرف ایک دن محنت کریں تو سڑکیں درست ہو جائیں۔ تالابوں کو آپ گندہ کر دیتے ہیں اور اسی پانی میں نہاتے، منہ دھوتے اور کپڑے صاف کرتے ہیں۔ جب آپ خود اتنے گندے رہتے ہیں تو دوسرے کو کیوں اچھوت کہتے ہیں۔ جب آپ ایسے کام کرتے ہیں جنھیں آپ کے جانور بھی نہیں کرتے تو اس میں تعجب ہی کیا ہے کہ آپ کو ہمیشہ جرمی مرض ہوا کرتے ہیں اور آپ کبھی بھی دراز عمر یا تندرستی نہیں حاصل کر سکتے۔

تحریک گرام سدھار ایسی عادتیں سکھانا چاہتا ہے جن سے آپ کے گاؤں صاف رہیں گے اور آپ کا جسم اتنا صاف رہ سکے گا جتنا مذہب چاہتا ہے۔ اس سلسلے میں گرام سدھار اُن ابتدائی باتوں کو بتائے گا جنھیں زیادہ تر سبھی لوگ جانتے ہیں اور یہاں تک کہ جانور بھی ان باتوں کے مطابق چلتے ہیں۔

لڑکیوں سے برابر گھر کا کام لینا اور انھیں لکھنے پڑھنے کا موقع نہ دینا انکے ساتھ بڑی بے انصافی ہے

یہ تقریر سخت ہے لیکن اس کی سختی اُس وقت کم معلوم ہوگی جب آپ یہ سوچیں کہ آپ کے کھیتوں کی

پیداوار کی کمی روک کر اُسے بڑھانا ، اپنی مختصر آمدنی کو اس مد میں خرچ ہونے سے بچانا جس سے آپ کو کچھ بھی مسرت

اپنے خرچ اور آمدنی کے طریقے ضرور بدلنے چاہئیں۔ اگر آپکو اپنی مادرگیتی سے محبت ہے تو آپ اپنے بچوں کو اور اپنے آپکو تعلیم دیں۔ اگر آپ کو

گاؤں والے آپس میں ملکر گاؤں کی سڑک درست کر رہے ہیں۔ گرام سدھار کا جذبہ پیدا ہوجانے پر گاؤں کی کیا حالت ہوسکتی ہے۔ یہ عموماً اس ایک تصویر سے بہت کچھ اندازہ کرسکتے ہیں۔

نہیں ہوتی اسکول کھلنے پر بھی جاہل بنے رہنے سے روکنا کتنا ضروری ہے۔ اگر آپ اپنی مادرگیتی سے محبت رکھتے ہیں تو آپ کو وہ حماقت دیکھنی چاہئے جس کے درمیان آپ رہتے آئے ہیں اگر آپ اپنی مادرگیتی سے محبت رکھتے ہیں تو آپ کو

اپنی ماتربھومی سے محبت ہے تو آپ کو گرام سدھار کے جھنڈے کے نیچے ضرور آنا چاہئے۔ جو آپ کی زندگی کو خوش حال اور کامیاب بنانے میں آپ کو مدد دینا چاہتا ہے۔ آپ اس تحریک اور مادرِ ہند کو ناکام نہ بنائیں۔

بالغوں کی تعلیم

از جناب شری نرائن چترویدی
انسپکٹر محکمہ توسیع تعلیم
یو۔ پی

ڈاکٹر بینی پرشاد ایک بالغ شخص کو پڑھا رہے ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ وہ اسے ایک مہینہ میں پڑھنا سکھا دینگے۔

ریل، تار، ہوائی جہاز اور ریڈیو کی وجہ سے یہ دُنیا دن بدن چھوٹی ہوتی چلی جا رہی ہے۔ سائنس کی ترقی کے ساتھ انسان کی نئی ضرورتیں پیدا ہوتی جا رہی ہیں۔ اب گاؤں کے رہنے والے لوگ دنیا کے دوسرے کونے میں ہونے والے واقعات سے نہیں بچ سکتے۔ سیاسی ترقی کے ساتھ ساتھ گاؤں والوں کی ذمہ داری اور فرض بڑھتے جا رہے ہیں۔ اب دھیرے دھیرے اُنکے ہاتھوں میں حکومت کی باگڈور آ رہی ہے۔ یہ بات درست ہے کہ کلچر یعنی تہذیب میں ہمارے ملک کے دیہاتی بھائی اور بہن دنیا کی کسی قوم سے پیچھے نہیں ہیں۔ مگر یہ ماننا پڑیگا پڑھنے لکھنے کی قابلیت کے بغیر وہ اپنی نئی ذمہ داریوں کو پوری طرح نہ اُٹھا سکیں گے، ناخواندگی کی بنا پر وہ ناواقفیت میں ایسے بہت سے کام کر بیٹھتے ہیں جس سے اُنھیں کو نقصان پہنچتا ہے۔ عدم واقفیت کی وجہ سے وہ نہ تو اپنا ہی بھلا کر پاتے ہیں اور نہ ملک کی شکتی یا طاقت کو بڑھا سکتے ہیں۔

ناخواندگی دور کرنے کی آواز کم از کم پچاس سال پہلے اُٹھائی گئی تھی اور آنجہانی گوپال کرشن گوکھلے نے تعلیم کو جبریہ کر دینے کے لئے ملک میں احتجاج کیا تھا۔ توسیع تعلیم کی کوششیں بھی ہوئیں اور مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاح کے بعد صوبہ میں وزراء تعلیم نے جگہ جگہ جبریہ تعلیم جاری کی۔ پھر بھی اِس ملک میں خواندگی کی ترقی ۱۰ فی صدی بھی نہیں ہو پائی۔

ملک اب اِس نتیجے پر پہنچا ہے کہ ناخواندگی دُور کرنے کے لئے بچوں کا پڑھانا ہی کافی نہیں ہے ہمیں اُن لوگوں کو پڑھانا چاہئے جو آج بالغ ہیں۔ کانگریسی گورنمنٹ کی پالیسی یہ ہے کہ عوام کی دنیاوی و اخلاقی ترقی کی جائے۔ اور اِس ترقی کی جڑ ناخواندگی ہے کیونکہ اِس کے بغیر عوام میں کوئی کام نہیں ہو سکتا ہے۔ اس صوبے میں تقریباً ڈھائی کروڑ مرد ہیں۔ اگر اُن میں سے پڑھے لکھے بوڑھے اور بچے نکال دئے جائیں تب بھی ڈیڑھ کروڑ ایسے مرد ہیں جن کو خواندہ بنانا ضروری ہے۔

اس لئے حکومت نے سارے صوبے میں ناخواندگی دور کرنے کا کام شروع کر دیا ہے۔ اس کے لئے محکمۂ تعلیم کے ماتحت ایک نیا محکمہ توسیع تعلیم کھولا ہے۔ یہ

محکمہ پہلی اگست ۱۹۳۸ء کو کھولا گیا اور اس کا کام ہر ضلع میں ہو رہا ہے۔ اس نے صوبہ میں ۲۰۰۹ اسکول کھولے ہیں جس میں ۱۱ سال سے ۴۰ سال کے آدمیوں کو بلا کسی فیس کے تعلیم دی جاتی ہے۔ اُنکو کتابیں بھی مفت دی جاتی ہیں۔ لیکن ایک بار خواندہ بنا دینے سے ہی کام نہیں چل سکتا کیونکہ اگر اُنھیں پڑھنے کے لئے کتابیں یا اخبارات نہ ملیں گے تو وہ لوگ تھوڑے ہی دنوں میں پھر ناخواندہ ہو جائیں گے۔ اسلئے محکمۂ توسیع تعلیم نے ۳۰۰۰ اخبار گھر اور ۳۰۰۰ کتاب گھر کھولے ہیں۔ اخبار گھروں میں ہندی اور اُردو کے دو ہفتہ وار اخبار اور ایک ماہوار رسالہ دیا جا رہا ہے۔ اور کتاب گھروں میں ۳۰۰ ہندی اور اُردو کی کتابیں دی گئی ہیں۔ اسکول کے استادوں کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اُن لوگوں کو

آنریبل بابو پرشوتم داس ٹنڈن ایک سبھا میں بالغوں کو پڑھنے کے لئے ترغیب دے رہے ہیں۔

جنھیں وہ پڑھائیں اُنھیں پڑھانے کے بعد سال بھر تک برابر کتابیں دیتے رہیں۔ اس کے علاوہ وہ پرائیویٹ اسکولوں اور کتاب گھروں کو مدد بھی دی جائے گی۔ اور جو لوگ نجی طور پر پڑھانے کا کام کریں گے اُنھیں ایک آدمی کو خواندہ بنانے پر ایک روپیہ بونس دیا جائے گا۔

آج سارے صوبے میں یوم خواندگی منایا جا رہا ہے۔ یہ دن ملک کی تاریخ میں سنہرے حرفوں میں لکھا جانا چاہئے کیونکہ آج پہلے پہلے ایک ایسی اسکیم کی ابتدا ہو رہی ہے جو ناخواندگی کے مرض کو دور کر کے ملک میں علم کی روشنی کر دے گی۔ یہ اسکیم کسی خاص جماعت کی نہیں ہے۔ اس میں کانگریس

پڑھنا سیکھنے کے لئے کوئی عمر زیادہ نہیں ہے۔ ذرا اس بوڑھے کسان کا شوق دیکھئے۔

ہندو مہا سبھا، مسلم لیگ، ہریجن سیوک سنگھ، عیسائیوں کی جماعتیں، سیوا سمتیاں، سوشل سروس لیگ، زمیندار، تاجر، کسان مزدور سب ہی شامل ہیں۔ یہ ایک ایسا پلیٹ فارم ہے جس پر ہر فرقہ کے لوگ بلا کسی اختلاف کے کندھے سے کندھا ملا کر کام کر رہے ہیں۔ سب کا ایک مقصد اور ایک ارادہ ہے۔ وہ یہ کہ ملک سے جتنی جلد ہو سکے ناخواندگی دور کر دی جائے۔ ہمارے محترم رہنما پنڈت مدن موہن مالوی نے اس اسکیم کو دعا دی ہے۔ دیس کے رتن پنڈت جواہر لال نہرو نے اس کی تائید کی ہے۔ ہمارے پریمیر پنڈت گووند ولبھ پنت جی اس کی کامیابی کے لئے دعا گو ہیں۔ ہمارے کل وزرا اس کو کامیاب دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہمارے وزیر تعلیم شری سمپورنانند جی کے دماغ سے تو یہ اسکیم نکلی ہی ہے۔ اور تعلیم کی اصلاح کے لئے جو وہ بہت سے کام کر رہے ہیں اُس میں سے کسی میں اتنی دلچسپی نہیں ہے جتنی اس میں ہے۔

ہمارے صوبے کے زمینداروں کے سرتاج نواب صاحب چھتاری اور مسلم لیگ کے صدر نواب محمد اسماعیل خاں صاحب کی پوری ہمدردی اس اسکیم کو حاصل ہے۔ کنور سر مہاراج سنگھ اور صوبہ کے قابل حضرات ڈاکٹر بھگوان داس اور سر شاہ محمد سلیمان نے اس اسکیم کی تعریف کی ہے۔ ہمارے ہر دل عزیز

تعلیم کی اشاعت کے متعلق یو۔پی کے ایک شہر میں یہ جلوس نکالا گیا۔

گورنر ہز ایکسیلینسی سر ہیری ہیگ کو اس اسکیم سے پوری ہمدردی ہے۔ اور وہ پوری دلچسپی لے رہے ہیں۔

لیکن عوام کی کوئی بھی تحریک اُس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک کہ عوام خود اُس میں دلچسپی نہ لیں۔ یہ بہت ضروری ہے کہ آپ سب لوگ اس کام میں ہاتھ بٹائیں۔ ہر ایک پڑھا لکھا آدمی یہ عہد کر لے کہ میں سال بھر کے اندر کم از کم ایک مرد یا عورت کو خواندہ بنا دوں گا۔ یہی نہیں اُن جاہلوں کو پڑھنے کی ضرورت بھی سمجھانی چاہئے۔ آج اس ملک میں جو روشنی کی جا رہی ہے وہ اگر آپ امداد دینگے تو سارے ملک میں اُجالا کر کے اُسے دنیا کا سرتاج بنا دیگی۔ آج ہر ایک ہندوستانی کی صرف ایک دعا ایک خواہش ہونی چاہئے۔ وہ جیسا کہ قدیم بزرگوں نے کہا تھا کہ اے خدا ہمیں اندھیرے سے نکال کر اُجالے میں لے آ۔

گاؤں سدھار کا کام

از شری رگھوبیر سہلئے۔ چیرمین ڈسٹرکٹ
گرام سدھار ایسوسی ایشن بدایوں

حکومت صوبہ متحدہ کی گرام سدھار اسکیم کو جاری ہوئے ایک سال کے قریب عرصہ ہوا۔ اس سال بہت زیادہ کام تو نہیں ہوا پھر بھی اس اسکیم کے بارے میں ایک عام دلچسپی پیدا ہوگئی ہے۔

گرام سدھار کا کام آسان نہیں ہے۔ جس کام کو غیر ملکی حکومت نے اپنے ۱۵۰ سال کے عہد حکومت میں بالکل چھوڑ رکھا تھا اس کو آج کانگریسی حکومت اپنے ہاتھ میں لے رہی ہے۔ گاؤں والوں کی مالی، جسمانی اور روحانی سبھی حالتیں خراب ہو چکی ہیں۔ انکے پاس کھانے کو پیسہ نہیں ہے، پہننے کو کپڑا نہیں ہے۔ رہنے کو مکان نہیں ہے۔ نہ بچوں کی تعلیم کا کوئی انتظام ہے نہ بیماری میں علاج اور دوا ملنے میں کوئی آسانی ہے۔ سڑکیں اور راستے خراب ہیں۔ مقدمہ بازی کی عادت میں مبتلا اور برے رسم و رواج کے شکار بنے ہوئے ہیں۔ الغرض انکا کردار، انکی منظم قوت سبھی برباد ہوگئی ہے۔ وہ صرف پیسہ پیدا کرنے کی ایک مشین سمجھے جاتے ہیں۔ جو سردی گرمی، اور بارش میں محنت کرکے غلہ پیدا کریں اور ساری دنیا کا پیٹ بھریں۔ اور خود کوئی آرام نہ اٹھا سکیں آج ہمارے دیس کا کسان صرف نام کا انسان رہ گیا ہے ورنہ اُس کی زندگی میں کوئی انسانی خوبی نہیں رہ گئی ہے۔ گاؤں

میں آپ ہر چہار طرف گندگی ہی گندگی دیکھیں گے۔ آپ انسانوں اور حیوانوں کی بود و باش میں زیادہ فرق نہیں دیکھیں گے۔ وہی ہزار سالہ کھیتی کا پرانا طریقہ آج بھی اُنھوں نے اختیار کر رکھا ہے اور اس میں وہ کوئی تبدیلی نہیں چاہتے۔ یہ ساری باتیں گرام سدھار کے کارکنوں کے سامنے ہیں۔ اُن کو سال بھر کے اندر بدل دینا یا ان میں بہت بڑی تبدیلی کرنا ناممکن ہے۔ لیکن ہاں اگر چار یا پانچ سال برابر اسی طرح کام ہوتا رہا تو ایک انقلاب سا نظر آئے گا اور گاؤں کی کایا پلٹ ہو جائے گی۔

یہ کام محض باتوں کا نہیں ہے۔ اس میں اُن ہزاروں انسانوں کی ضرورت ہے جو اپنی زندگی کا حاصل ہی گرام سدھار سمجھتے ہیں ان کو اور کسی بات سے مطلب ہی نہ ہو۔ آج ہمارے آرگنائزر اور انسپکٹر خود کو صرف سرکاری نوکر نہ سمجھکر ملک کا خادم سمجھنے لگیں تو ہمارے کام میں بڑی ترقی ہو سکتی ہے۔ زیادہ تر آرگنائزرس کام کی اہمیت کو نہیں سمجھتے ہیں نہ وہ اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہیں۔ اُن کا پہلا کام گاؤں والوں میں گھوم کر اُنکا اعتماد حاصل کرنا ہے۔ اُس کے بعد گرام سدھار کے جو طریقے

حکومت کی طرف سے جاری کئے گئے ان پر عمل کرنا ہے آج ہمارے آرگنائزر اپنی تنخواہ کے لئے زیادہ مضطرب نظر آتے ہیں انکو اس سے غرض نہیں کہ ہم اپنے مقصد میں کہاں تک آگے پہنچے ہیں۔ اس وقت تک گرام سدھار کا کام زیادہ ترقی نہیں کرسکتا جب تک کہ آرگنائزروں کے اندر وطن کی سچی محبت نہ ہو اور اُن کے دل میں گاؤں والوں کی حالت سدھارنے جذبہ کی آگ نہ سلگتی ہو۔ آرگنائزرس ان میں رہکر اپنے عمل سے یہ ثابت کریں کہ وہ واقعی گاؤں والوں کے سچے دوست اور خیراندیش ہیں۔ وہ ہر قسم کی فرقہ بندی سے دور رہیں۔ وہ ہندو مسلمان، اونچی نیچی ذاتوں کو ایک نگاہ سے دیکھیں۔ اس میں بے غرضی سے کام کرنے کا جذبہ ہو۔ وہ ہمیشہ اس بات کا خیال رکھے کہ خواہ اس کے کام کی کوئی جانچ کرے یا نہ کرے وہ اپنے کام میں دن رات لگا رہے گا۔ وہ گاؤں والوں کا سچا دوست اور رہنما ہے۔ آج گاؤں میں جو سب سے بڑی کمزوری نظر آتی ہے اور جس کے باعث گرام سدھار کے کاموں میں رکاوٹ پڑتی ہے وہ گاؤں والوں کا خودغرضی کا جذبہ ہے۔

ویسے تو قریب قریب ہر انسان میں خودغرضی پائی ہی جاتی ہے لیکن گاؤں کے اندر یہ کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ گاؤں والے باہم متحد ہوکر کوئی کام نہیں کرنا جانتے۔ نہ وہ عام فائدے کی بات کو سمجھتے ہیں۔ اپنے گھر کے سامنے راستے چھوٹا کر دینے سے راہگیروں کو کیا تکلیف ہوگی یہ وہ نہیں سمجھتے۔ راستوں میں اپنے مویشی باندھ دینے یا لٹرو وغیرہ کھڑا رکھنے سے دوسروں کو کیا کیا تکلیف ہوتی ہے اس پر انکا کبھی دھیان ہی نہیں جاتا۔ اپنے مکان کے سامنے کوڑا کرکٹ جمع کرنے سے کیا کیا نقصانات ہوتے ہیں یہ بھی وہ نہیں سمجھتے۔ اگر گاؤں میں کوئی راستہ یا کنواں بے مرمت ہے تو گاؤں والے متحد ہوکر اس کی مرمت کا کبھی خیال ہی نہیں ظاہر کرتے نہ وہ یہ پسند کرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ کیا یہ میرا کام ہے؟ مجھے اکیلے اس سے کیا فائدہ ہے ان کے دل میں دوسروں کی بھلائی کرنے کا کوئی جذبہ نہیں ہے اُن کے دل میں یہ جذبہ بیدار کرنا ہمارے آرگنائزروں کا اولین فرض ہے۔ اور گرام سدھار اسکیم میں اسے بڑی اہمیت دی گئی ہے

سینکڑوں سال بدیسی سرکار کے سائے میں رہنے سے انسانیت ہی ختم ہوگئی ہے دیہاتی عوام نہ اپنے حقوق سمجھتے ہیں نہ اپنے فرائض۔ آج کانگریسی عہد حکومت میں انھیں دونوں ہی باتیں سمجھانی پڑتی ہیں۔ جو کام کانگریسی حکومت نے اپنے اوپر لیا ہے وہ بہت ہی بڑا ہے۔ اس میں مستقل مزاجی سے کام کرنا ہوگا۔ جلد بازی سے کچھ نہیں ہوسکتا۔ ایک سال کے اندر ہی گاؤں والے گرام سدھار کے نام سے واقف ہونے لگے ہیں۔ ان کو اس سے دلچسپی ہونے لگی جگہ جگہ دوا خانے گاؤں گاؤں میں مدرسے کھل جانے ضرورت کی جگہ کنوئیں بن جانے، زندگی سدھار سوسائٹیاں قائم ہو جانے گاؤں کے راستے اور سڑکیں بن جانے غرضیکہ گاؤں والوں کی موجودہ ضروریات پوری ہو جانے پر گاؤں آج کل کے گاؤں نہیں رہینگے۔ ان میں مرجھائے ہوئے، سوکھے، ٹھٹھرے ہوئے چہرے نظر نہیں آئیں گے بلکہ خوش و خرم نظر آئیں گے۔ جو اپنے دیس کا وقار بڑھائیں گے اور اپنے دیس کی دولت بڑھائینگے کانگریسی حکومت کے لئے یہ کام مشکل یا ناممکن نہیں ہے۔ لیکن کون شخص کس جگہ جائے اور وہ اُس جگہ کے لئے مناسب بھی ہے یا نہیں اس پر پوری توجہ رکھنے کی ضرورت ہے۔

(ازجناب رائے بہادر سکھ دیو بہاری مشر لکھنؤ)

جب سے ہم قارئین سے یہ گذشتہ مضمون لکھ چکے ہیں تب سے دنیا کے معاملے کافی تیزی سے چلتے آئے ہیں۔ ہمارا خیال تھا کہ مشرق کی جنگ میں جاپان گویا جیت ہی چکا تھا لیکن بیشتر حضرات کا خیال ہے کہ جاپان کی جیت ابھی دور ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جیسے جیسے وقت گزرتا جاتا ہے ویسے ویسے جاپان کی قوت جنگ کم ہوتی جاتی ہے۔ اُس کے روزگار کا منافع گویا آدھے کے برابر رہ گیا ہے۔ اور لڑتے لڑتے ستیسوں کے باعث لوگ لڑائی سے اوب سے رہے ہیں۔ جاپانی پچھلی مار نے کے سوال پر روس قریب قریب لڑنے کو تیار ہے۔ جاپان کا خیال تھا کہ باہر والوں کی چین سے تجارت قریب قریب بند کردی جائے۔ اس سے امریکہ، برطانیہ اور فرانس بہت بگڑ رہے ہیں اور جاپان بھی دبنے کو تیار ہو رہا ہے۔ پھر بھی پوری طرح نہیں دبتا۔ خوف یہ ہے کہ جیتے ہوئے چینی حصے پر اپنا قبضہ اچھی طرح جماکر وہ شاید پھر سے روزگار کا سوال اٹھائے۔ کل باتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ اس معاملہ میں لوگوں کی ایک رائے نہیں ہے۔ کچھ لوگ سمجھتے ہیں جاپان پوری طرح جیت چکا ہے اور کچھ مذکورہ بالا دوسری رائے رکھتے ہیں۔ چین ابھی دبنے کو تیار نہیں ہے۔ فلسطین کے معاملے میں لندن میں ایک کانفرنس بلائی گئی ہے جو عربوں اور یہودیوں کو باہم راضی کرنے کے لئے کوشش کرے گی۔ اگر یہ نہ ہو سکا تو حکومت اپنا فیصلہ سنائے گی۔ ہندوستانی مسلمانوں کی کوشش ہے کہ وہ بھی اُس میں شامل کئے جائیں لیکن اس کی اُمید کم ہے۔ عربوں اور یہودیوں کا فلسطین کے معاملے پر اتحاد ہونا نظر آتا ہے۔ دیکھئے کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ مصر اور دوسری عربی ریاستیں بھی عربوں کے ساتھ ہیں۔ ریاستہائے امریکہ کا لیما میں اجتماع ہوا تھا اُس میں ریاستہائے متحدہ کی کوشش سب کے ساتھ مل کر چلنے کی تھی۔ پھر بھی جنوبی امریکہ کی کئی ریاستوں میں اٹلی اور جرمنی کے لوگ کافی تعداد میں آباد ہیں اور اُن لوگوں کا وہاں اثر بھی کم نہیں ہے۔ انھیں وجوہ سے اجلاس میں باتیں تو اچھی ہوئیں اور کئی تجویزیں بھی اچھی پاس ہوئیں۔ لیکن اُس کے عمل میں پورے اتحاد کی اُمید کم ہے۔ ادھر جرمنی اور اٹلی میں ایک ایک شخص کا جو اقتدار ہے اور ان دونوں ملکوں کی طاقتیں اور خیالات جیسے ہیں اُن سے امریکہ یعنی ریاستہائے متحدہ کے صدر کے دل میں شبہ پیدا ہے۔ کئی وجوہ سے جن کا تذکرہ میں گذشتہ مضامین میں کرچکا ہوں۔ وہاں کے لوگ امریکہ کے باہر لڑائی میں شامل نہیں ہونا چاہتے۔ اُدھر صدر کو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اگر جرمنی اور اٹلی کے مقابلے میں برطانیہ اور فرانس کمزور پڑکر دب گئے، تو امریکہ کی بھی خیریت نہیں ہے۔ ان وجوہ سے وہ سمجھتے ہیں کہ اب ایسا وقت آگیا ہے کہ امریکہ کا بھی اثر اٹلی اور جرمنی کے خلاف ڈالا جائے۔ وہاں کی رعایا یہ خیال کہاں تک پسند کریگی اسی میں کچھ شبہ باقی ہے۔ پھر بھی فرانس نے علانیہ یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اس کی مدد میں امریکہ کا اثر بھی کام دیگا۔ صدر روزویلٹ کا کہنا ہے کہ لڑائی کی نوبت تو نہ آنی چاہئے لیکن اگر آگئی تو اور سبھی طریقوں سے امریکہ فرانس اور برطانیہ کی مدد کریگا۔ کیونکہ امریکہ کی اصلی سرحد گویا فرانس ہی ہے۔

ان دنوں سب کو یہ خیال ہے کہ جرمنی ملک گیری کی فکر میں مشرق کی طرف بڑھتا ہے یا مغرب کی طرف۔ آجکل جنرل فرانکو نے حکومت کو ہرا کر بارسیلونا پر قبضہ کر لیا ہے۔ اب وہاں کی حکومت کے پاس ملک کا قریب قریب چوتھا حصہ رہ گیا ہے۔ پھر بھی لوگوں کا خیال ہے کہ بہت جلد یہ بھی جنرل فرانکو کے قبضہ میں چلا جائے گا۔ حکومت ابھی تک لڑ رہی ہے اور نتیجہ پورے طور پر غیر مشتبہ ہے۔ پھر بھی جیت جنرل فرینکو ہی کی نظر آتی ہے اور وہ بھی جلد۔ اب اٹلی اور جرمنی علانیہ کہہ رہے ہیں کہ وہ فرینکو کی مدد پر ہیں۔ جرمنی بھی علانیہ یہ کہتا ہے کہ اگر فرانس اس معاملے میں اٹلی کی کچھ مخالفت کرے گا تو جرمنی بھی اس کی مدد کرے گا۔ اٹلی نے اسپین میں اپنی کافی فوج و دولت خرچ کی ہے۔ اس کا معاوضہ جنرل فرینکو سے کچھ لیکر ہی وہ فوج ہٹائے گا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اپنی مدد کے بدلے میں

یورپ کے ڈکٹیٹر جو رات دن لڑائی کا خواب دیکھا کرتے ہیں

وہ اسپین سے فوجی صلح کرے گا۔ فرانس سے جو مقبوضات اٹلی نے مانگے تھے اُنھیں دینے سے اس نے صاف انکار کر دیا۔ اس سوال کے طے کرنے میں اُس کی پارلیمنٹ کے ایک ایک ممبر نے حکومت کے حق میں رائے دی۔ اس سوال پر وہاں زرا بھی اختلاف نہیں ہے۔ ادھر برطانیہ نے بھی فرانس کی مدد کے معاملے میں اٹلی اور جرمنی سے بھی کہدیا ہے۔ اتنے پر بھی اٹلی جنگ کی صاف صاف دھمکی دے رہا ہے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ برطانیہ اور امریکہ کی مدد کا وعدہ اگر واقعی صحیح رہا تو اٹلی کو شاید لڑائی کا حوصلہ نہ پڑے۔ پھر بھی

کچھ مدبروں کا خیال ہے کہ جرمنی کے باشندے سوچتے ہیں کہ آسٹریا اور سوڈیٹین حاصل کر لینے سے ان کا مطلب تو پورا ہو ہی گیا ہے چنانچہ صرف اٹلی کے لئے وہ لڑنے کو تیار نہ ہوں گے۔ کیونکہ سوڈیٹن کے معاملے تک وہ لڑنا نہیں چاہتے تھے اور ہٹلر نے اپنی زبردست قوت سے جنگ کا سوال چھیڑ کر اُسے قریب قریب آخری حد تک پہنچا دیا تھا۔ ادھر برطانیہ کے وزیر اعظم بھی کسی صورت میں لڑائی نہیں کرنا چاہتے۔ کیونکہ ہوائی طاقت کی کمزوری کے باعث جرمنی کے بم ان کے ملک کو بہت نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اس لئے سوچا یہ جاتا ہے

روم میں اٹلی اور برطانیہ کے سمجھوتے پر وزیروں کے دستخط ہو رہے ہیں

کہ جرمنی اور برطانیہ دونوں شاید یہ طے کریں کہ دونوں اس لڑائی میں ایک دوسرے کے خلاف نہ پڑیں اور اسے صرف اٹلی اور فرانس کے درمیان ہونے دیں۔ اگر امریکہ کی امداد کا سوال ڈھیلا رہا تو شاید فرانس اور اٹلی کی لڑائی ہو جائے حالانکہ یہ بھی مشکل نظر آتا ہے۔ اٹلی جنگ کا شور شاید اس لئے مچائے ہوئے ہے کہ جس میں اسپین سے حسب مرضی صلح ہو جانے میں کوئی پیچ میں نہ پڑے۔ ادھر یوگو سلاویہ میں خود اٹلی اور جرمنی میں تجارت کے سلسلے میں مقابلہ ہو رہا ہے اور دونوں کے تاجر مال کے دام کم کر کر کے ایک دوسرے کے مقابلے میں اپنا اپنا سودا بیچنا چاہتے ہیں۔ ایسے سوال پر ان دونوں ملکوں میں تھوڑی بہت کشمکش ممکن ہے۔ حالانکہ معاملہ ابھی اس حد تک نہیں پہنچا۔

ان دنوں برطانیہ کے وزیر اعظم مسٹر چیمبرلین، لارڈ ہیلی فاکس کو لیکر اٹلی معاملہ طے کرنے گئے تھے۔ لیکن وہاں معاملہ قریب قریب بگڑ سا گیا۔ مگر پھر بھی دکھلانے کے لئے آخر کار میل قائم رہا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ نہ تو ابھی برطانیہ کسی سے لڑنا چاہتا ہے اور نہ کوئی اُس سے لڑنے کو مستعد ہے۔ یہ نتیجہ وزیر اعظم ہی کی کوششوں کا ہے۔ لیکن اس میں زیکو سلاویکیہ فرانس اور برطانیہ کی سرپرستی سے نکل کر جرمنی کی طرف چلا گیا اس بات سے میونچ کی کارروائی جس میں یہ معاملہ طے ہوا تھا بہتیرے لوگوں کو بری لگی اسلئے کہ انھوں نے اٹلی کے سلسلے میں اتنا اختلاف کیا اور فرانس کو بھی دبنا اتنا ناپسند تھا کہ برطانیہ اور اٹلی کی دوستی گھٹی نہیں تو بڑھ بھی نہ سکی۔ سمجھا جاتا ہے کہ برطانیہ کی پارلیمنٹ والے اور مدبروں کی سوسائٹی تو وزیر اعظم کے خلاف ہو گئے ہیں لیکن عوام ان کو بہت اچھا سمجھتے ہیں۔ اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ ملک میں اُنکا اقتدار کم نہ ہوگا۔ آجکل برطانیہ کا مقابلہ کرنے والے تین طاقتور ملک پیدا ہو گئے ہیں یعنی جرمنی، اٹلی اور جاپان ادھر میونچ کے معاملے میں برطانیہ اور فرانس نے روس کو الگ ہی رکھا تھا جس سے وہ اِن کی مدد کو مشکل ہی سے تیار ہوگا۔ اس لئے برطانیہ اور فرانس کی طاقت ان تینوں کے مقابلے میں بہت حاوی نہیں نظر آتی۔ حالانکہ مالی مضبوطی سے فتح بالاخر انھیں کی ہوگی ایسا معلوم ہوتا ہے۔ اگر امریکہ کی مدد کا خیال زور پکڑ جائے تو لڑائی کا خوف بہت کم ہو جائے۔ پھر بھی اسپین میں جنرل فرانکو کی فتح سے بحر روم میں کیا گل کھلتا ہے یہ وقت ہی بتلائے گا۔

آجکل جرمنی صلح کی طرف مائل ہے۔ لیکن اتنا ضرور کہتا ہے کہ اگر کسی سے اٹلی کی جنگ ہوئی تو اُسے اُس کا ساتھ دینا ہی

پڑیگا۔ لوگوں کا خیال ہے کہ جرمنی باتیں تو صلح کی کرتا ہے مگر اٹلی کی آڑ میں اپنی نو آبادیوں کا سوال طے کرنا چاہتا ہے۔ مشرق میں میل تو قریب قریب اُسے مل ہی چکا ہے اور ڈینزنگ بھی اُسے شاید مل جائے۔ رومانیہ کا سوال ابھی یونہیں پڑا ہوا ہے۔ یوکرین کی نئی ریاست جرمنی بنانا چاہتا ہے مگر یہ کام دھیرے دھیرے ہوگا۔ اِس وقت وہ روس سے تجارتی صلح کرنے کی کوشش میں ہے اور برطانیہ سے بھی اس کی گفتگو جلد شروع ہوگی اگر روس سے تجارتی معاہدہ خوشگوار صورت میں ہوگیا تو کچھ دنوں کے لئے جرمنی جنگ و جدل سے دور ہٹ جائے گا۔ کیونکہ آج کل اُس کے پاس روپئے کی کمی ہے اور اس معاملے کو طے کرنے کی وہ پوری کوشش کر رہا ہے۔ جنوبی اور وسطی یورپ سے اسکی تجارت اچھی چلنے بھی لگی ہے۔ اگر یہ معاملہ روس و برطانیہ سے بھی طے ہوگیا تو اُسکے لئے صرف نو آبادیوں کا سوال رہ جائیگا اٹلی اور جاپان کے لئے بھی روپئے کا سوال کافی مشکل ہے لیکن وہاں اسکے طے ہونے کا کوئی اچھا ڈول نظر نہیں آتا۔ اگر جاپان چین کا سوال جلد حل کر سکے تو وہ مزے میں ہو سکتا ہے۔

ہندوستان پر بھی جرمنی، اٹلی اور جاپان کی نظر ہے۔ جرمنی کا کابل سے جو ہوائی تعلق ہوا ہے اس کی تجارتی قیمت تھوڑی ہے اور سیاسی بہت ادھر برما اور آسام کے قریب تک جاپانی حد پہنچ رہی ہے۔ اٹلی کی بحری فوج تھوڑے ہی دنوں میں ہمارے ملک سے چار روز کے فاصلے پر رہ جائے گی۔ یہ سب باتیں بھی ہیں دور کی لیکن اخباروں میں دور اندیش لوگ اکثر اس کا ذکر کیا کرتے ہیں۔ صوبوں میں آسام میں تو کانگریسی حکومت مستحکم ہے مگر سندھ میں اللہ بخش وزارت سے کانگریس کا بگاڑ ہوگیا ہے۔ کانگریسی ممبران وہاں کی وزارت میں تھے تو صرف دس مگر وزارت کی حالت ایسی تھی کہ ان کی مدد پانے کو وہ بہت دور تک جانے کو تیار تھی پھر بھی جب معاملہ طے نہ ہو سکا تو اُس نے دوسرے طریقے سے اپنی قوت مضبوط کر لی اب بھی کوششیں ہو رہی ہیں مگر ابھی وزارت بہت مضبوط معلوم ہوتی ہے۔ بنگل میں بہت کچھ گڑبڑ نظر آتا ہے مگر ابھی تک وزارت کی مضبوطی میں کمی نہیں آئی ہے۔

لارڈ ہیلی فاکس وزیر خارجہ برطانیہ

پنجاب میں بھی کوشش ہے لیکن کامیابی کی صورت ابھی دور ہے ان دنوں سوشلسٹوں اور نرم پالیسی والوں کا جھگڑا کچھ زور پکڑ رہا ہے تری پوری میں ہونے والی کانگریس کی صدارت کا انتخاب اپنی نوعیت کے لحاظ سے بہتوں کے لئے تعجب کا باعث ہوا۔ دائیں بازو کی طرف سے ڈاکٹر پٹا بھی سیتا رمیہ کھڑے ہوئے اور سوشلسٹوں کی طرف سے بابو سبھاش چندر بوس۔ تقریباً ...۳ ووٹ تھے اور تقریباً ۴-۲ ووٹوں سے سوبھاش بابو کو فتح ہوئی۔ اس پر مہاتما گاندھی نے لکھا ہے کہ یہ ہار ڈاکٹر رمیہ کی نہیں بلکہ خود میری ہے کیونکہ انھیں نے ڈاکٹر صاحب کو کھڑا کیا تھا۔ یہ تو سب کو معلوم تھا کہ ڈاکٹر صاحب کی طرف مہاتما گاندھی تھے ضرور مگر مہاتما جی کھلے طور پر سامنے نہیں تھے اگر اُن کی طرف سے کوئی بڑا آدمی کھڑا کیا جاتا تو شاید ہار نہ ہوتی پھر بھی مہاتما جی تو مہاتما جی ہی ٹھہرے۔ اُنھوں نے صاف اعتراف کر لیا کہ ملک کو اب ان کی رائے کی ضرورت نہیں ہے۔ اُن کی ہدایت ہے کہ جو دائیں بازوں والے فاتح بازوں والوں کے خیالات سے اتفاق کرنے میں اپنے کو مجبور پائیں وہ جھگڑا اٹھانے کے بجائے کانگریس سے ہٹ جائیں۔ جس میں بائیں بازو والوں کو اپنی رائے کے مطابق کام کرنے کا موقع ملے۔ صلاح بالکل صحیح ہے مگر بائیں بازو والوں کو خوف ہے کہ مہاتما جی اور دائیں بازو والوں کے ہٹ جانے سے کانگریس کی طاقت ملک میں کم ہو جائے گی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی مہاتما جی سے کوئی نہ کوئی ایسا سمجھوتا کیا جائیگا جس میں وہ کانگریس سے نہ ہٹیں۔ نہرو صاحب خود بائیں بازو کی طرف

جھکتے تھے۔ پھر بھی انھوں نے مسٹر بوس کے خلاف رائے ظاہر کی تھی اس پر بھی یوپی کی اکثریت نے مسٹر بوس ہی کو ووٹ دئے کہنے کو تو یہ بھی کہا جاتا ہے کہ معاملہ جیسے کا تیسے چلایا جائیگا لیکن سوال بہت بڑا اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ ایک یہ بھی سوال ہے کہ مرکز میں بائیں بازو کا اقتدار ہے لیکن کئی صوبوں میں دایاں بازو با اثر ہے۔ ایسی حالت میں ان صوبوں کی وزارت کی پالیسی کیسی ہوگی؟ اس سوال پر موقع بے موقع ٹیڑھے سوال اٹھ سکتے ہیں۔ سمجھا جاتا تھا کہ صوبہ مدراس میں دائیں بازو والوں کا بڑا زور ہے لیکن وہاں بھی بائیں بازو والے بہت کافی نکل پڑے۔ ایک سلسلے میں خود مسٹر ستیہ مورتی کی شکست ہوگئی فیڈریشن کا معاملہ گورنر جنرل جلد طے کر دینا چاہتے ہیں ادھر کانگریس کی اکثریت اس کی موجودہ صورت کی بہت مخالف ہے۔ دیسی ریاستوں کے پاس نئے خیالات دہلی سے بھیجے جا چکے ہیں جن کا آخری جواب انھیں جلد دینا ہے۔ اس جلد کے معنی چھ مہینے تک سمجھے جاتے ہیں۔ اس کے سلسلے میں کئی معاملے ایسے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں جن پر ۱۹۳۵ء کے ایکٹ میں کچھ تبدیلی کرنی ہی پڑے گی۔ کانگریس اڑی ہوئی ہے کہ بلا کافی تبدیلی کے فیڈریشن نامنظور ہے ادھر وائسرائے کوئی تبدیلی کرنے سے کئی بار صاف انکار کر چکے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب تھوڑی بہت تبدیلی ہووے ہی گی تو آخر کار حکومت کچھ اور تبدیلی کر کے کانگریس کو راضی کریگی۔ اگر بائیں بازو والوں نے صوبائی وزارتوں کا کام ایسا سخت کر دیا کہ حکومت کو دست اندازی کرنی ہی پڑے تو معاملہ دیگر ہو سکتا ہے لیکن جہاں تک ہو سکے گا حکومت جھگڑا نہ اٹھائے گی۔ دیکھئے معاملہ کیسا چلتا ہے۔

کل باتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ یورپین اور امریکن سیاست میں ان دنوں دو بڑے واقعات ہوئے۔ یعنی میونخ کی وجہ سے برطانیہ اور فرانس سے روس کی دل شکنی اور امریکہ کا یوروپین معاملوں میں حصہ لینے کا ارادہ وہاں کے کچھ لوگ ابھی سے صدر روزویلٹ کا مقابلہ کر رہے ہیں لیکن انھیں بھی کافی اختیارات ہیں۔ امریکن مقابلے میں بھی کمزوری کی صورت نظر آتی ہے پریذیڈنٹ روزویلٹ نے اپنے کہے ہوئے الفاظ سے انکار کر دیا ہے لیکن لوگوں کا خیال ہے کہ پہلی بات ٹھیک ہے اور امریکہ والوں کا صرف شک دور کرنے کے لئے انکار کیا گیا ہے۔ اسپین میں فرانکو کی جیت بھی بہت بڑا واقعہ ہے۔ ہنگری علانیہ اٹلی اور جرمنی سے مل گیا ہے جس کی وجہ سے اُس سے روس نے کافی ناراضی ظاہر کی ہے۔ روس نے حکومت ہنگری سے یہ کہہ کر تعلقات ختم کر دئے ہیں جرمنی اور اٹلی سے اتنا میل کرنے سے گویا وہ آزاد ملک نہیں رہ گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو ایسا کرنے سے روکنے کے لئے روس نے یہ رویہ اختیار کیا ہے۔ پولینڈ سے جرمنی کا برتاؤ دن بدن کم ہوتا جاتا ہے۔ اور وہ اس سے مل رہا ہے و فرانس سے تعلقات بڑھانے کی فکر میں ہے۔ بلغاریہ اور رومانیہ کی کشیدگی بڑھ رہی ہے ہندوستان میں بائیں بازو کی فتح بھی ایک بڑا واقعہ ہے۔ سب باتوں پر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنگ کا سوال کچھ ڈھیلا پڑ گیا ہے۔

آجکل چیمبرلین، دلادیر، ہٹلر اور مسولینی ان چاروں عظیم شخصیتوں نے ۲۸ جنوری سے ۸ فروری سال رواں تک بڑے سد کی تقریریں کی ہیں۔ برطانیہ کی طرف سے وزیر اعظم صلح کی طرف جھکتے ہیں لیکن فرانس کا ساتھ دینے کی مستعدی کا بھی اظہار کر رہے ہیں۔ وزیر اعظم فرانس کا کہنا ہے کہ ہم کو کسی سے لڑنا نہیں ہے لیکن فرانس کی ایک انچ زمین بھی کوئی نہیں لے سکتا جرمنی کی طرف سے فیورر ہٹلر نے طویل مدت تک امن قائم رہنے کی رائے ظاہر کرتے ہوئے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ اٹلی کا ساتھ جرمنی ہر حال میں دیگا۔ ہم تاریخ کو اٹلی کی طرف سے تقریر ہونیوالی تھی جس میں لوگوں کا خیال تھا کہ فرانس کے مقابلے میں جنگ کی مستعدی ظاہر کی جانیوالی تھی۔ اتنے ہی میں صدر روزویلٹ کی مذکورہ بالا تقریر شائع ہوگئی جسکا اثر واپس لئے جانے پر بھی یہ ہوا کہ اٹلی نے فرانس کے مقابلے میں لڑنے کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ صرف اپنے اور جرمنی کی جانب سے افریقہ میں نو آبادیات حاصل کرنے کے لئے جنگ تک کی مستعدی کا اظہار کیا۔ ان باتوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کچھ دنوں سے جنگ کی جو تناتنی نظر آتی تھی وہ کم ہوگئی ہے۔

(دسمبر ۱۹۳۸ء کے کام کی تفصیل)

۱۹۳۸ء کا آخری مہینہ تحریک گرام سدھار کی تاریخ میں خاص جگہ رکھتا ہے۔ کیونکہ اس ماہ میں عوام کے فائدے کی آدھ درجن سے زیادہ اسکیموں پر عمل کیا گیا۔ اور عوام کو فائدہ پہنچانے والی انجمنیں قائم ہوئیں۔

صوبجاتی گرام سدھار بورڈ کی پچھلی بیٹھک کی سفارش کے مطابق گرام سدھار کے پروگراموں کو ہر دلعزیز بنانے کے لئے عورتوں کو منظم کرنے کا کام شروع کیا گیا۔ اس راہ میں ہونے والی رکاوٹوں کی وجہ سے چھوٹے پیمانے ہی پر کام شروع کرنے کا خیال کیا گیا اور صرف دس آرگنائزر عورتوں کی تقرری منظور کی گئی ضلع گرام سدھار ایسوسی ایشنوں کو ہدایت دی گئی ہے کہ وہ ایسی عورتوں کی سفارش کریں جو آرگنائزروں کے طور پر کام کرنے کے لئے تیار ہوں اور ایسے مرکز چنیں جہاں اس قسم کا کام شروع کیا جائے۔

پہلے پہلے صرف ۲۴ ضلعوں میں زچہ اور بچہ خانہ کھولنے کا کام شروع کیا گیا۔ ان مرکزوں میں ایک ٹرینڈ میڈوائف اور اس کے ساتھ ایک دائی رہیگی۔ یہ میڈوائف حاملہ عورتوں کی دیکھ بھال کریگی اور بچوں کو تندرست رکھنے میں مدد کریگی۔ یہ مقامی دائیوں کو ٹریننگ دے گی اور عورتوں کو گھریلو صفائی اور صحت کے ابتدائی اصول بتائے گی۔

اس ماہ میں حکومت نے ذریعہ پاس شدہ ڈاکٹری امداد کی اسکیم کے مطابق کام شروع کیا گیا۔ دیہاتی اسپتالوں میں تعیناتی کے لئے پبلک سروس کمیشن نے ۲۷ ایلوپیتھک ڈاکٹروں کی سفارش کی ہے۔ ان میں سے ۱۶ ڈاکٹر ۱۴ ضلعوں کے گشتی دواخانوں کا چارج لینے کے لئے تعینات ہوئے ہیں۔ یہ اسپتال صرف اُن مقامات پر بنائے جائیں گے جہاں کے لئے ضلع کی گرام سدھار ایسوسی ایشن رائے دے۔ میڈیکل افیسر چنے ہوئے حلقے کے کسی گاؤں میں اپنا ہیڈ کوارٹر بنائیں گے اور ہر ماہ میں کم از کم تین ہفتے تک حلقے کے گاؤں گاؤں میں جاکر مریضوں کو دوا دیں گے۔ لوگوں میں کنوئیں میں ڈالنے کی دوا تقسیم کریں گے اور تندرست رہنے کے طریقے بتائینگے باقی ۲۱ ڈاکٹر مستقل دواخانوں کے لئے تعینات کئے گئے۔ اسکیم کے مطابق یہ دواخانے ابھی حال میں ہی کھولے گئے ہیں۔ پبلک سروس کمیشن اس اسکیم کے مطابق قائم ہونے والے باقی ایلوپیتھک آیورویدک اور یونانی دواخانوں کے لئے ڈاکٹر، وید اور حکیموں کا انتخاب کر رہا ہے۔

مریضوں کو فوراً دوا پہنچانے کے لئے گرام سدھار حلقوں کو دواؤں کے بکس تقسیم کرنے کی اسکیم پر بھی عمل کیا جا رہا ہے۔ اس سے دیہاتی دواخانوں کو مدد مل رہی ہے۔ ۲۱۴۳ بکس پہلے ہی دئے جا چکے تھے۔ ۸۶۷ بکس اور بڑھا دئے گئے ہیں۔ ہر ایک گرام سدھار حلقے میں اوسطاً چار بکس رہیں گے جن سے دوائیوں کی ضرورت

فوراً رفع ہو جائے گی۔ محکمہ حفظانِ صحت کی امداد سے اِن بکسوں کو برابر بھروانے کا انتظام کیا گیا ہے۔ اور موجودہ سال میں خالی ہونے والے بکسوں کو بھرنے کے لئے ۱۸۰۰۰ روپیہ کی رقم علیٰحدہ کردی گئی ہے۔

رورل ڈولپمنٹ ٹریننگ کیمپ (فیض آباد) کے دوسرے سال کے آرگنائزروں کا کیمپ چھوڑنے کے پہلے لی گئی تصویر

امید کی جاتی ہے کہ ڈاکٹری امداد اور زچہ بچہ خانے قائم ہو جانے سے اِس صوبے کے دیہاتی رقبوں کی وہ کمی پوری ہو جائے گی جو بہت دنوں سے چلی آ رہی ہے۔ اِس سے گرام سدھار کی موجودہ اسکیم یقیناً کامیابی حاصل کرے گی۔

سرکار نے اس ماہ میں ضلع گرام سدھار کمیٹیوں کی نگرانی میں چلنے والے بالغوں کے اسکولوں کے لئے ۱۶۰۰۰۰ روپیہ کی رقم منظور کی۔ یہ رقم گرام سدھار کمیٹیوں کو دی گئی ہے اور یہ امید کی جاتی ہے کہ وہ نئے حوصلے اور ارادے کے ساتھ گاؤں والوں میں سے ناخواندگی کی لعنت دور کر سکیں گے۔

دیہاتی رقبوں میں آبپاشی کے باندھ باندھنے، تالاب بنانے اور کنوئیں کھودنے کے لئے ۵۵۰۹۰ روپیہ کی رقم منظور کی گئی اور کمیٹیوں کو دیدی گئی۔ عوام کے فائدے کے دیگر کاموں کے لئے بھی ضلع کی ہر گرام سدھار کمیٹی کو دو ہزار روپئے دئے گئے۔

متعدد ضلعوں کی ایسوسی ایشنوں نے اِس بات پر زور دیا کہ گرام سدھار آرگنائزروں کو محکمۂ زراعت کے مقامی افسروں سے رائے لیتے ہوئے بیج گودام چلانے کا موقع دیا جائے۔ تجربہ کے طور پر ہر ضلع میں تین بیج گودام کھولے جائیں گے جو قابل آرگنائزروں کے ذریعے چلائے جائیں گے۔ اور جن کی نگرانی ضلع کا گرام سدھار ایگزیکیٹو کرے گا۔ اس طرح کے آرگنائزروں کی ماتحتی میں ایک مستقل کامدار رہیگا اور بیج دینے والے موسم تک ایک اور کامدار رہیگا۔ بیج گودام چلاتے وقت کفایت شعاری پر خاص طور سے توجہ دی جائے گی۔

محکمہ صنعت و حرفت کی مدد سے گرام سدھار مرکزوں پر گاؤں کے نوجوانوں کو صنعت حرفت سکھانے کا انتظام کیا جائیگا ہر ضلع کی کمیٹیوں میں محکمۂ صنعت و حرفت کے ذریعہ ہونے والی نمائش میں حصہ لینے والے لوگوں کی فہرست اور اِس صوبے کی مختلف صنعتی کمیٹیوں کی فہرستیں بھیجی گئیں۔ ضلع کی ان کمیٹیوں سے یہ بھی کہا گیا کہ وہ اپنے ضلع کے مناسب مرکزوں پر کلاس کھولنے کا انتظام کریں اور وہیں کی کسی صنعتی کمیٹی کے ذریعہ ٹریننگ دلائیں۔

اِس ماہ میں انڈین پریس لیمیٹڈ الہ آباد سے "ہل" نام کا ماہوار رسالہ شائع ہوا۔ "ہل" ہندوستان کی دیہاتی کفایت شعاری کا نشان ہے۔ اور ٹھیک اسی طرح وہ اس صوبے کے محکمۂ گرام سدھار کا بھی نشان مان لیا گیا ہے۔ ہندی "ہل" کی ۲ ہزار اور اردو "ہل" کی ایک ہزار کاپیاں صوبے بھر میں تقسیم کی گئیں۔ اِس بات کی اطلاع ملی ہے کہ گاؤں والوں نے جن کے لئے یہ نکالا گیا ہے اِسے بہت زیادہ پسند کیا۔

مفصلات میں بھی پورے جوش کے ساتھ گرام سدھار کا کام ہوا۔

آرگنائزروں نے زندگی سدھار سبھا قائم کرنے کی کوشش جاری رکھیں۔ کین ڈولپمنٹ رقبوں میں کوآپریٹو کین مارکیٹنگ سوسائٹیاں قائم کرنے کی کوشش کی گئی۔ گڑ بنانے والے مقامات پر اصلاح شدہ بھٹوں کی مدد سے اچھی طرح گڑ بنانے کی نمائشیں کی گئیں۔ اچھی قسم کے اوزار اور اچھی نسل کے مویشی خریدنے کے لئے پرچار کیا گیا۔ اور خریداری کی خواہش رکھنے والوں سے اقرار نامے بھی لئے گئے۔ دیہاتی رقبوں میں کتائی، جالی بننا، ہاتھ سے کاغذ بنانا وغیرہ گھریلو صنعتیں جاری کرنے کے لئے کوشش کی گئی اور

مناسب مرکزوں پر ٹریننگ کلاسوں اور نمائشوں کا انتظام کیا گیا۔ ضلع کمیٹیوں نے مختلف ضلعوں کے لئے مختلف اسکیمیں پیش کی ہیں جن پر محکمہ صنعت حرفت غور کر رہا ہے اور ان میں سے کچھ منظور بھی ہو گئی ہیں۔

کمایوں ڈویژن نے پورا دسمبر پھل سدھار مہینے کے طور پر منایا اور بہت زیادہ تعداد میں پھلوں کے درخت لگائے۔ چوباٹیاں کے سرکاری باغ کی طرف سے درخت دئے گئے اور نئے باغوں کے کچھ مالیوں کو لیکر اُن سے درخت لگانے اور اُن کی حفاظت کے طریقے بتلانے میں گاؤں والوں کی مدد کی گئی۔

ضلع جون پور کے آدھ درجن مرکزوں میں پلیگ شروع ہوا اور بلیا میں چیچک کا حملہ ہوا۔ ان دونوں ضلعوں کے گرام سدھار عملہ نے ان متعدی مرضوں کو دور کرنے میں محکمہ صحت عامہ کے کارکنوں کی مدد کی۔

اس صوبے کے طالب علموں کی جماعت کو گرام سدھار کی طرف لانے کی حتی الوسع کوشش کی گئی۔ آگرہ کے کئی طالب علموں نے مل کر بڑے دن کی چھٹیوں میں سدھار کے کئی کام کرکے اچھی مثال پیش کی۔ انھوں نے چھٹی بھر گاؤں کی صفائی کی۔ گاؤں کی سڑکیں اور راستے درست کئے۔ گاؤں کے بچے نہلائے، کنوؤں کی گندگی دور کی، کھیل کود اور جلسوں کے انتظام کئے اور رات کے وقت ڈرامے کرکے، اخبار اور رامائن پڑھکر و میجک لالٹین کے ذریعہ گاؤں والوں کی تفریح کی۔

الہ آباد یونیورسٹی کے کچھ طالب علموں اور پروفیسروں نے ایک سوشل سروس لیگ قائم کی۔ وہ الہ آباد دُھمن غلہ بازار اور بلیا کے نزدیک گاؤں میں سدھار کا کام کر رہے ہیں۔ یہ لیگ صوبجاتی گرام سدھار کے پروگرام کے مطابق کام کر رہی ہے۔ مذکورہ بالا گاؤں میں اس کی طرف سے ایک مدرسہ شبینہ قائم ہوا ہے اور شام کو کھیل ہوا کرتے ہیں۔ محکمہ گرام سدھار کی طرف سے اس ماہ میں گرام سدھار کے جو کام ہوئے اُن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

یو پی کے مختلف ڈویژنوں میں دسمبر ۱۹۴۸ء میں گرام سدھار کے کئے گئے کام کی تفصیل

	میرٹھ	آگرہ	روہیلکھنڈ	الہ آباد	بنارس	گورکھپور	جھانسی	کمایوں	لکھنؤ	فیض آباد	میزان
۱۔ آرگنائزیشن۔ زندگی سدھار سوسائٹیاں											
(ا) جتنی قائم ہوئیں۔	۱۹	۰	۳۲	۷۴	۵	۰	۴۳	۶۴	۷۳	۳۱	۳۴۱
(ب) جتنی رجسٹرڈ ہوئیں۔	۱	۱	۱۲	۱	۵	۰	۰	۰	۲	۰	۲۲
زندگی سدھار یونین قائم ہوئیں۔	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۷	۰	۷
فروختگی کی سوسائٹیاں۔	۲	۰	۰	۰	۸	۰	۶	۰	۵	۰	۲۲
فراہمی کی " "	۰	۰	۲	۱	۱۳	۵	۰	۰	۲	۰	۲۳
قرض دینے والی رجسٹرڈ سوسائٹیاں	۰	۰	۰	۰	۴	۰	۰	۰	۰	۰	۴
دوسری قائم ہونے والی سوسائٹیاں۔	۰	۰	۴	۰	۴۴	۰	۰	۰	۳۰	۲	۸۰
۲۔ زراعت											
کھاد کھودے جانے والے گڑھے	۳۳۲	۹۵۲	۲۸۷	۴۸۵	۱،۰۸۰	۳۶۳	۳۶۴	۷۴	۵۲۱	۴۱۲	۴،۸۷۰
پیشاب جمع کرنے والے گڑھے	۱۷۴	۲۸	۱۶۰	۳۰۶	۵۰۴	۳،۴۳۵	۷۸	۳۷	۳۲۸	۹۹۵	۶،۰۴۵
آبپاشی کے کنوؤں کی مرمت	۱۸	۰	۰	۸۰	۱۴	۱۹	۴	۱	۲	۳	۱۴۱
آبپاشی کے لئے تعمیر ہونے والے کنوئیں۔	۰	۱۱	۰	۲	۴	۱۰	۱	۰	۸	۱	۳۷
تالاب بنے۔	۰	۰	۰	۰	۵	۰	۷۰	۰	۵	۰	۸۰

	میرٹھ	آگرہ	روہیلکھنڈ	الہ آباد	بنارس	گورکھپور	جھانسی	کمایوں	لکھنؤ	فیض آباد	میزان
گاؤں میں نئے اوزار رائج کئے گئے	۲۹	۷۴	۹۶	۱۳۵	۸۶	۴	۶۵	۲	۵۲	۳	۵۴۶
سدھاری ہوئی نسل کے سانڈ گاؤں میں دئے گئے	۵	۲۴	۰	۱	۱۴	۱	۱۲	۰	۰	۰	۵۷
اچھی نسل کے جو مویشی دئے گئے	۱۴	۰	۴۵	۲۸	۲۹۰	۲	۲۳	۰	۶۶	۷۱	۴۵۵
آختہ کئے جانے والے بیل	۰	۵۶	۲۴	۱۵۳	۴۲۳	۱۱	۱۷۸	۰	۵۹	۷۷	۹۸۱
بیمار مویشیوں کا علاج ہوا	۹۹	۸۷۳	۳۰۵	۶۶۷	۶۵۲	۹۷	۹۶۷	۱۰	۵۴	۴۵۴	۴,۱۴۸
مظاہرے ہوئے	۴	۳۰	۰	۸۹۹	۳۳۸	۱۵	۱۷	۰	۱۵	۰	۱,۳۱۸
نرسریاں کھولی گئیں	۱	۰	۰	۰	۳۸	۰	۰	۰	۰	۰	۳۹
پھلوں کے پودے لگے	۰	۰	۱۱۹	۰	۱,۱۳۸	۳۱۱	۰	۱,۰۴۶	۴۷	۰	۲,۶۶۱
جس زمین میں پھلوں کے پودے لگے (ایکڑوں میں)	۰	۰	۰	۰	۱۴۲	۰	۰	۰	۳	۰	۱۴۵
ایندھن کے درخت لگے (ایکڑوں میں)	۰	۰	۰	۰	۲,۶۷۰	۰	۰	۰	۲۰۰	۰	۲,۸۹۱
ربیع کے سدھارے ہوئے اچھے بیج جو دئے گئے	۳,۳۶۲	۰	۰	۴۷۵	۳۷۱	۰	۰	۰	۰	۰	۴,۲۰۸
۳۔ حفظان صحت											
سوکھنے والے گڑھے بنے	۵۵	۲۷۱	۹۳	۹۴۵	۵۵۹	۵۰۰	۲۷۷	۲۲	۴۴۴	۲۱۵	۳,۳۸۱
روشن دان بنے	۱۳۴	۷۱	۱۳۰	۱۰۴	۷۳۰	۶۵	۸۷	۱۸	۱۲۵	۳۴۷	۱,۸۰۱
کنوئیں صاف ہوئے	۱۵	۱۱	۴۹	۱۵	۸۸	۳۳۳	۲	۱۴۸	۱۸	۱	۶۸۰
عام غسل خانے یا گھیرے	۰	۶	۱۳	۷	۲۵	۵	۴	۴	۸	۲	۷۴
نالیوں کی لمبائی (گزوں میں)	۴۰۹	۱۲۴	۴۴۰	۱۵	۱۰۵	۹۰	۲	۹۶۶	۲۸	۱	۲,۱۵۰
سُوَر باڑے آبادی سے دور کئے گئے	۶	۳۵	۱	۲	۴۲	۳	۱۹	۰	۲۷	۲۲	۱۵۷
گھور صاف ہوئے	۴۴۶	۴۹۰	۴۲۴	۹۳۴	۱,۵۱۶	۸۲۷	۳۸۰	۶۷۸	۸۷۲	۷۵۴	۷,۵۲۱
پاخانے بنے	۱	۱	۲	۰	۱۶	۶	۰	۱۰۳	۲	۳۵	۱۶۶
پیشاب خانے بنے	۲	۲	۷	۷	۹	۲	۳	۶۳	۱۲	۵	۱۲۲
کھنڈر ہموار کئے گئے	۰	۰	۰	۰	۰	۱۶	۰	۰	۳۹	۷۷	۱۳۲
گڑھے پاٹے گئے	۵۲	۴۶	۱۲۹	۴۸	۱,۱۴۰	۱۲۶	۸۲	۳۸	۰	۵۹	۱,۶۳۰
راستے صاف ہوئے	۴۲	۱۱۴	۴۴	۹۵	۶۸۹	۸۷	۲۳۵	۲۲	۱۹	۳۷	۱,۳۸۴

	میرٹھ	آگرہ	روہیلکھنڈ	الہ آباد	بنارس	گورکھپور	جھانسی	کمایوں	لکھنؤ	فیض آباد	میزان
گاؤں صاف ہوئے	۸۱	۲۰۰	۵۸	۰	۳۳۶	۴۰	۲۵۰	۰	۱۴۶	۹۰	۱،۲۰۸
دوا کے کیس رکھے گئے	۸۴	۱۰	۱۲۸	۶	۹۰	۱۰	۸۹	۳۸	۹۲	۳۲	۵۸۱
ٹیکے لگے	۸۳۰	۱،۲۷۴۰	۲،۴۲۸	۱،۵۰۳	۲،۱۲۵	۱،۰۹۳	۹۷۳	۲۹۵	۵۰۴	۱،۲۳۶	۱۳،۴۴۱
مریضوں کا علاج ہوا	۵،۷۶۱	۱،۹۴۸	۴،۲۸۴	۲،۹۱۱	۳،۹۷۰	۱،۵۰۸	۲،۲۴۹	۱،۱۱۵	۳،۵۸۰	۱،۸۱۷	۲۸،۵۹۳
دائیوں کو ٹریننگ دی گئی	۶	۶	۰	۱۹	۱۳۹	۷	۲۹	۰	۲۹	۲۴	۲۵۷
فرسٹ ایڈ کی ٹریننگ دی گئی	۴۷	۵۵	۹۱	۳۳	۳۰۲	۱۰۶	۷۶	۶	۱۱۹	۱۴	۸۴۹
زچہ بچہ گھر کھولے گئے	۰	۰	۰	۰	۵	۰	۰	۰	۰	۰	۵
۴۔ تعلیم اور اشاعت											
جلسے ہوئے	۳۳۳	۳۳۶	۵۱۷	۳۰۳	۹۷۶	۲۷۹	۳۵۲	۳۲۹	۱،۰۷۰	۲۸۵	۴،۳۸۰
نمائشیں ہوئیں	۲	۴	۰	۳	۱۹	۲	۱	۱	۲	۱	۳۴
ڈرامے ہوئے	۲۵	۶	۳	۱۵	۴۷	۵	۲۰	۱۹	۹	۱۴	۱۷۷
بھجن منڈلیاں بنائی گئیں	۸	۳۰	۱۱	۱۸	۸۷	۵	۴۷	۰	۱۴	۱۰	۲۳۰
کتب خانے قائم ہوئے	۰	۱۰	۱۸	۱۱۸	۱۶	۰	۰	۰	۸۹	۰	۲۵۱
کلب کھولے گئے	۷	۰	۷	۰	۰	۰	۰	۰	۶	۰	۲۰
مدرسے بالغ لڑکوں کے لئے	۳۱	۷۹	۲۹	۴۷	۳۹۹	۷	۰	۳۱	۱۱۳	۲۹	۷۸۵
مدرسے بالغ لڑکیوں کے لئے	۴	۶	۰	۰	۳۴	۱	۸	۹	۶	۴	۷۲
سیوا دل بنے	۱۳	۰	۲۷	۳۸	۱۰۴	۰	۳۱	۰	۲۲	۴۵	۲۸۰
اسکاؤٹوں اور گرام سیوکوں کو تعلیم دی گئی	۵۵	۷۹	۵۲	۵۲	۴۸۹	۱۰	۹۵	۴۱	۱۶	۷۳	۹۲۹
کھیل: ورٹورنامنٹ ہوئے	۰	۰	۰	۰	۱۳۴	۰	۹	۰	۴	۱۲	۱۶۷
۵۔ متفرق کام											
پنچایت گھر بنے	۱	۰	۰	۱	۱۱	۰	۰	۰	۰	۱۰	۴۳
ماڈل گھر بنے	۰	۰	۰	۱	۳۵	۰	۵	۴	۰	۳	۴۸
صنعتی کاموں کے لئے لوگوں کو تعلیم دی گئی	۱۷	۳۲۲	۲۵۰	۶	۱۰۸	۱۹۷	۲۲	۲۸	۵۲	۱۱۳	۱،۰۸۷
دستکاریوں کے اوزار جاری کئے گئے	۸	۸	۹	۵	۵۳	۵۹	۳	۸	۱۱	۱۴	۱۶۸

ہمارے بچّے

(از شریمتی "ارا پانا" سے)

یہ بار بار کہا گیا ہے کہ عورتوں کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے بچّوں کو قابل بنانا۔ اُنھیں ایسی تعلیم دینا جس سے کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونا سیکھیں اور دنیا میں اچھے اچھے کام کرکے اپنے ملک کا وقار بڑھائیں۔

بچّے کی پیدائش ہوتے ہی ماں کے ذریعہ اس کی تعلیم شروع ہو جاتی ہے۔ ماں کو چاہئے کہ بچّے کا ہر ایک کام ٹھیک وقت پر ہو۔ وقت کی پابندی زندگی کے لئے بہت ضروری ہے وقت پر پیشاب پاخانہ کرانا، دودھ پلانا اور نہلانا وغیرہ۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ جب بھی بچّہ روتا ہے تبھی ماں اُسے اپنا دودھ پلا دیتی ہے۔ ایسا کرنے سے بچّہ کا ہاضمہ بگڑ جاتا ہے۔ وقت پر دودھ پلانے سے یہ گڑبڑی نہیں ہوتی۔ اور بچّے کی رونے کی وجہ بھی آسانی سے معلوم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ بلا وجہ بچّہ بہت کم روتا ہے۔

نہلانے سے بچّے کو ٹھنڈ لگے گی، یہ خیال بھی کوئی بنیاد نہیں رکھتا۔ صرف سردی، کھانسی، بخار یا اور بیماری میں نہلانے سے نقصان ہوتا ہے۔ تندرستی کی حالت میں اگر بچّے کو روز نہلایا جائے تو بچّہ ہمیشہ خوش رہے گا۔

بچّوں کے لئے نیند بھی بہت ضروری ہے۔ جتنا زیادہ ہو سکے بچّہ کو سُلانا چاہئے۔ لیکن اس کے لئے افیم یا کوئی اور نشیلی چیز کھلانے کی ضرورت نہیں۔ جیسا کہ اکثر ہماری دیہاتی بہنیں کیا کرتی ہیں۔

کتنی عمر میں کتنی نیند ضروری ہے یہ نیچے بتلایا جاتا ہے۔
چھوٹے بچوں کے لئے ۱۶ گھنٹے:۔

۵ سے ۷ سال کی عمر میں ۱۴ گھنٹے
۷ " ۱۱ " " ۱۰ "
۱۲ " ۱۶ " " ۸ سے ۱۱ گھنٹے تک سونا چاہئے۔

بچّوں کو ناک سے سانس لینے کی عادت ڈلوانی اچھی ہوتی ہے۔ کیونکہ اس سے ہوا صاف و گرم ہو کر پھیپھڑوں تک جاتی ہے۔ جو ہمیں تندرست رکھتی ہے یہی وجہ ہے کہ مُنہ ڈھانک کر سونا نقصان دہ ہے۔

بہت سے بچّوں کو اپنا انگوٹھا یا دوسری انگلی یا کپڑا چوسنے کی عادت پڑ جاتی ہے۔ یہ سب بُری عادتیں ہیں۔ اس لئے انھیں فوراً چھڑا دینا چاہئے۔

ہر وقت بچّے کو گود میں لئے رہنا بھی ٹھیک نہیں بہت سی عورتیں بچّے کو گود میں لیکر ہی گھر گرہستی کا سارا کام کرتی ہیں۔ اس سے ماں اور بچّے دونوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ بچّے کو آزادی

سے ہاتھ پیر پٹخنے کے لئے کافی جگہ چاہئے۔ اس سے ماں اور بچے دونوں کو آرام ملے گا۔

بچوں کے کپڑے عمدہ ہوں۔ یہ ضروری نہیں بلکہ صاف ستھرے اور ڈھیلے ہوں یہ زیادہ ضروری ہے۔ کپڑوں کے صحیح ہونے کا خیال رکھنا چاہئے معلوم ہو اور جاڑے یا گرمی سے جسم کو محفوظ رکھا جائے۔ ان باتوں سے بے فکر رہو اور موسم کے مطابق کپڑے پہنانا چاہئے۔

کھانا کھلانے کے وقت صفائی کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ تازہ اور صاف کھانا کھلانا چاہئے۔ پھل اور سبزی دیتے رہنے سے معدہ درست رہتا ہے۔ یہ ضرور دیکھتے رہنا چاہئے کہ بچہ زیادہ نہ کھائے۔ کھانے میں زبردستی کرنے سے نقصان کا اندیشہ ہے۔ کھانا کھانے کے بعد فوراً کلی کرنے کی عادت بہت اچھی ہوتی ہے۔ اس سے دانت ہمیشہ صاف اور تندرست رہیں گے۔

ناخونوں کی صفائی نہایت ضروری ہے۔ ناخونوں کے میلے رہنے سے کھانا کھاتے وقت میل کا کھانے کے ساتھ بچے کے منہ میں چلا جانا بہت ممکن ہے۔ اس لئے پہلے ہی سے ہوشیار رہنا اچھا ہے۔

ماں کی مسرت اور بچے کی کسرت

دانت نکلنے کا وقت بچے کے لئے اتنا نازک نہیں ہوتا جتنا کہ خیال کیا جاتا ہے۔ اگر بچے کی صحت ٹھیک رہے تو دانت آسانی سے نکل آتے ہیں۔ صرف تھوڑی سی ہوشیاری کی ضرورت ہوتی ہے جیسے بچے کا پیٹ صاف رکھنا اور ہمیشہ وقت پر ہی کھانا کھلانا یا دودھ پلانا۔

بچوں کو روز دھوپ اور کھلی ہوا میں کھیلنے کو دینا چاہئے۔ دھوپ اور صاف ہوا سے نئی زندگی ملتی ہے۔

کچھ دن بعد جب بچہ کچھ کچھ بولنے اور سمجھنے لگتا ہے تو وہ ہر چیز کو دکھا کر پوچھتا ہے کہ یہ کیا ہے؟ ہمیں چاہئے کہ بچہ کو سب باتیں بتائیں اس سے اُس کی معلومات میں اضافہ ہوگا۔ اُس کے ہر ایک سوال کا جواب دیدینا نہایت ضروری ہے۔ اس میں تساہلی برتنا

مناسب نہیں۔ کبھی کبھی طبیعت ضرور اوب جاتی ہے۔ لیکن بچے کو کبھی جھڑکنا نہ چاہیئے اس سے اس کے نازک جذبات دب جائیں گے اور وہ بیخوف ہو کر کچھ بھی پوچھنے میں جھجکے گا۔ بچے کو اسی وقت جھڑکنا ٹھیک ہے جب ہم سمجھیں کہ وہ فضول ضد کر رہا ہے دوسروں کی نقل کرنے کی عادت بھی بچوں میں بہت تیز ہوتی ہے۔ بچے کے سامنے وہی کام کرانا چاہیئے جو بچے سے کرانا ہو۔ اس کے سامنے وہی حرکتیں کرنی چاہئیں جو اسکی تربیت کے لئے مفید ہوں۔

بچوں کی چھوٹی چھوٹی باتوں کے سمجھنے کی عادت ہونے سے ان کی باتوں میں بڑی دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے۔

بچوں کو کہانی سننے کا بہت شوق ہوتا ہے اگر ہم کہانیوں کے ذریعے ہی انھیں تعلیم دیں تو بچے زیادہ سے زیادہ سیکھیں گے۔ اور بہت دنوں تک اس کا اثر رہے گا باتوں ہی باتوں اور کھیل ہی کھیل میں جتنا زیادہ سکھایا جا سکتا ہے اتنا زبردستی کرنے سے نہیں۔ روزمرہ کام میں آنے والی عملی تعلیم کوری کتابی تعلیم سے کہیں زیادہ ضروری ہے۔

بچوں کو "ایسا نہ کرو" کہنا ٹھیک نہیں بلکہ "ایسا کرو" کہنا مناسب ہے مثلاً:۔ "کبھی جھوٹ نہ بولو" نہ سکھا کر "ہمیشہ سچ بولو" سکھانا چاہئے۔

ہمارے بچے دوسرے ملکوں کے بچوں سے زیادہ تندرست زیادہ خوبصورت اور ہوشیار ہو سکیں ہمیں ایسی ہی کوشش کرنی ہے بچے ہی تو ملک کے معمار ہیں۔ اچھے بچوں کی تعمیر ہی ملک کی تعمیر ہے۔ گرام سدھار، دیس یا سماج سدھار سبھی کچھ ہمارے بچوں پر منحصر ہے۔

بنی اسکول کے لڑکے

مدراس میں بنی ملس نامی سوت کی کتائی بنائی کا ایک کارخانہ ہے جس میں تقریباً ۹۰۰۰ مزدور کام کرتے ہیں۔ اس کارخانے والے اپنے مزدوروں کی تعلیم تندرستی اور تفریح کا ہمیشہ خیال رکھتے ہیں مزدوروں کے بچوں اور مزدوری کرنے والے بچوں کے لئے ایک اسکول ہے جس میں انھیں تعلیم کے علاوہ یہ سب تعلیمیں دی جاتی ہیں۔ یہ بات نیچے کی تصویروں سے صاف معلوم ہو جائے گی۔

بنی ملس اسکول کے بچے اپنے لئے چٹائیاں بن رہے ہیں۔

یہ دھوبی گھاٹ نہیں ہے۔
بنی ملس کے اسکول کے
لڑکے اپنے کپڑوں کی صفائی
اپنے آپ کر رہے ہیں۔

آہا ! گرمی میں نہانے میں کیا مزا ہے ! اسکول کے لڑکے نہا رہے ہیں

دیہاتوں سے تعلق رکھنے والے سب سوالوں کا جواب بذریعہ ڈاک بھیجا جائیگا شرط صرف یہ ہے کہ سوال کرنے والے جوابی کارڈ بھیجیں۔ جو سوال عام لوگوں کی دلچسپی کے ہوں گے انکو اور ان کے جواب ہم یہاں بغیر نام اور پتہ وغیرہ کے چھاپیں گے لیکن ہر سوال میں سوال کرنے والوں کو اپنا نام اور پتہ صاف صاف لکھنا چاہئے۔

گائے بچھڑوں کی جوئیں

سوال - گائے بچھڑوں کی جوئیں کس طرح دور کی جا سکتی ہیں؟

جواب - جوئیں اتنی چھوٹی ہوتی ہیں کہ آسانی سے نظر نہیں آتیں۔ اگر گائے یا بچھڑے اپنے بدن کو کسی چیز سے رگڑتے یا کھجلاتے ہوں تو ان کے جسم میں جوئیں تلاش کرنا چاہئیں۔ تمباکو کے پانی سے نہلانے سے جوئیں مرجاتی ہیں۔ مٹی کے تیل سے بھی وہ مرجاتی ہیں۔ لیکن اس کا استعمال ہوشیاری سے کرنا چاہئے۔

آم کے گھن

سوال - آم کے چھوٹے یا بڑے پھلوں کی گھن سے کس طرح حفاظت ہوسکتی ہے؟

جواب - یہ اناج کے برابر کاسنی اور بھورے رنگ کا ہوتا ہے اس کی مادہ چھوٹے چھوٹے پھلوں پر انڈے دیتی ہے چھوٹے چھوٹے کیڑے انڈے سے نکلتے ہی چھلکے میں چھید کرکے گھس جاتے ہیں۔ جیسے جیسے آم بڑھتا جاتا ہے چھید بند ہوتا جاتا ہے۔ اور باہر سے کچھ بھی پتہ نہیں لگتا۔ یہ چھوٹے کیڑے اندر ہی اندر بڑھ جاتے ہیں اور بڑے ہونے پر دوسرے سال کی فصل پر حملہ کرنے کے لئے چھال یا مٹی میں پڑے رہتے ہیں۔

جسوقت بور آنے لگے اسوقت سے درخت کی سینچائی کی جائے۔ اور تنے پر مٹی کا تیل چھڑک دیا جائے سینچائی سے زمین کے اندر کے اور مٹی کے تیل سے چھال میں رہنے والے کیڑے مرجاتے ہیں۔ ایسے پھل جلا دینے چاہئیں جن پر گھن کا اثر ہو گیا ہو۔

فالسہ

سوال - میرا گاؤں ایک شہر کے قریب ہے میں تھوڑی سی زمین میں فالسہ لگا کر فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں۔ مہربانی فرما کر فالسہ لگانے کا آسان طریقہ بتائیے۔

جواب - فالسہ کے پودے بیج سے تیار ہوتے ہیں۔ برسات میں بیج بوکر پودے تیار کر لینا چاہئے۔ جب یہ پودے تین سال کے ہو جائیں تو انھیں کھیت میں لگانا چاہئے۔ یہ ریتیلی زمین چھوڑ کر باقی ہر جگہ لگائے جا سکتے ہیں ہر دو درختوں کے درمیان میں کم از کم دو فیٹ کا فاصلہ ہونا چاہئے اور قریب ڈیڑھ فیٹ کے گھیرے میں ایک اچھا گڈھا بنا کر اور ہڈی ملی کھاد ڈال کر جاڑے کے آخر میں اس میں درخت لگانا چاہئے۔ درخت لگانے کے ساتھ ہی پانی بھی دینا چاہئے اور بعد میں بھی حسب ضرورت پانی دیتے رہنا چاہئے درخت لگ جانے پر جاڑے میں چھوٹی چھوٹی ٹہنیاں اس طرح کاٹ دینی چاہئے کہ درخت کی بلندی تین فیٹ رہ جائے کاٹ چھانٹ کے بعد بھی کھاد دینی چاہئے۔ پانچ چھ سال کی عمر میں درخت پھل دینے لگتے ہیں۔ یہ ہر سال جاڑے میں پھولتے اور جیٹھ بیساکھ میں پھلتے ہیں۔ بازار میں ٹوکریوں میں رکھ کر پھل بھیجے جا سکتے ہیں۔

مُنہ پکّا کُھر پکّا

(انتخاب سول ترجمان ماوی گو سیوا سمیتی الہ آباد)

یہ مانی ہوئی بات ہے کہ انسان کی طرح حیوانوں کو بھی مرضوں کا شکار ہونا پڑتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہی ہے کہ انسان پر جب کسی مرض کا حملہ ہوتا ہے اس وقت علاج کرنے سے رفتہ رفتہ مرض سے نجات ملتی ہے لیکن دیکھا یہ گیا ہے کہ جانوروں کی بیماری جتنی جلدی بڑھتی ہے اتنی ہی جلد کم بھی ہو جاتی ہے۔ انسان کی طرح جانوروں کو بھی متعدی مرض یعنی چھوت والی بیماری ہوتی ہے۔ مویشیوں کے ماہر معالجوں کا خیال ہے کہ دودھ دینے والے جانوروں میں گائے کے اوپر تپ دق کے جراثیم اپنا اثر پوری طرح کرتے ہیں۔ مویشیوں میں خصوصاً دودھ دینے والے جانوروں یعنی گائے، بھینسوں کو ایسی بیماریاں ہوتی ہیں جنہیں لا علاج کہا جا سکتا ہے۔ جیسے چیچک، بائگی وغیرہ۔ ساتھ ہی ایسی بھی بیماریاں ہوتی ہیں جو دیکھنے میں بڑی تکلیف دہ ہوتی ہیں مگر ان سے مویشیوں کی موت بہت کم ہوا کرتی ہے۔ ہم اس مضمون میں "کھنگوا" نامی بیماری کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ اس مرض کو جنوبی بنگال میں "ایشو"، "ناتک متعدد میں" "کھر پکا" پنجاب میں "منہ کھر" بمبئی میں "کھرو" مدراس میں "کنہ یونگ" اور انگریزی میں "فٹ اینڈ ماؤتھ ڈیزیز" کہتے ہیں۔ زیادہ تر لوگ اس بیماری کو منہ پکا کھر پکا کے نام سے جانتے ہیں۔

لوگوں کا ایسا خیال ہے کہ یورپ وغیرہ سرد ملکوں میں اس مرض سے ۵۰ فیصدی مویشی مر جاتے ہیں۔ مگر ہندوستان میں ۹۹ فیصدی مویشی اس مرض کے ہونے پر اچھے ہو جاتے ہیں۔ پھر بھی دیکھا گیا ہے کہ یہ مرض ہو جانے پر اگر مویشی کی اچھی طرح نگرانی کی گئی تو مرض کو زیادہ تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ بیماری چھوت پھیلانے والی ہوتی ہے۔ جہاں ایک جانور کو ہوئی بس اس کے پاس پڑوس کے جتنے جانور ہوتے ہیں سب کو ہو جاتی ہے۔ اس بیماری میں جانور کے منہ میں زخم ہو جاتے ہیں کھر میں بھی زخم ہو جاتا ہے۔ جسم تھرانے لگتا ہے اور بعد میں بخار ہو جاتا ہے۔ پاؤں اور سینگ نرم ہو جاتے ہیں اور منہ چٹخارے کی آواز آتی ہے۔ منہ سے رال بھی بہت گرتی ہے۔ اور پیر میں تو آبلے پڑتے ہی ہیں تھنوں میں بھی آبلے پڑ جاتے ہیں۔ یہ آبلے کبھی کبھی ناک کے اندر کی جھلی میں بھی دکھائی دیتے ہیں۔ آبلوں کے درد کی وجہ سے مویشی کھانا چھوڑ دیتا ہے اور لنگڑاتا ہوا چلتا ہے۔ اگر بیل کو یہ بیماری ہوتی ہے اور اس سے کام لیا جاتا ہے تو بیماری خطرناک صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اور پیر سوج جاتے ہیں اور کھر گر پڑتے ہیں۔ کبھی کبھی پیر میں پھوڑے

کوئنس لینڈ میں مویشیوں کا ایک باڑا اسطرح باڑا بناکر بیمار مویشی اچھے مویشیوں سے الگ رکھے جاسکتے ہیں

بھی ہوجاتے ہیں۔ اگر دودھ دینے والی گائے کو یہ مرض ہو جائے تو اُسکا دودھ پینے والا بچہ بھی اس مرض میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ میرا تو یہ تجربہ ہے کہ ایسی بیمار گائے کا دودھ پینے والے کے منہ میں آبلے یا چھالے تو ضرور پڑ ہی جاتے ہیں۔

اس بیماری کا علاج زیادہ تر گاؤں والے خود ہی کرلیتے ہیں لیکن تھوڑی سی بھی لاپروائی برتنے سے بیماری لاعلاج ہوجاتی ہے۔ اس بیماری میں مبتلا مویشیوں کو جن کے پیر میں چھالے پڑجاتے ہیں انکو گاؤں والے کیچڑ میں یا گڑھا کھود کر پانی بھر کر اس میں مویشیوں کو باندھ دیتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ لوگ ایسا اس لئے کرتے ہیں کہ ساہی نام کی ایک مکھی ہوتی ہے جو پیر کے زخموں پر بیٹھتے ہی انڈے دیدیتی ہے اسکے انڈوں سے جلد ہی کیڑے نکلکر مویشی کو پریشان کرڈالتے ہیں۔ پہلے دوسرے دن کے بعد یہی کیڑے بڑے ہوجاتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ گاؤں والے اس مکھی کے خوف سے ایسا کرتے ہیں۔ لیکن میں اس طریقے کو مناسب نہیں سمجھتا اس لئے کہ گڑھے یا کیچڑ میں بندھے رہنے سے کبھی کبھی مویشیوں کے پیر میں درد ہونے لگتا ہے۔ اور وہ ریاحی مرضوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ اسلئے ایسے مویشیوں کے لئے سب سے سہل طریقہ یہ ہے کہ سیر بھر دھونے (کول تار) میں آدھی چھٹانک نیلا تھوتھا یعنی توتیا پیس کر ملا دے اور آنچ پر گرم کرکے نیم گرم مویشیوں کے چاروں پیروں میں پوت دے اس سے ساہی مکھی کے بیٹھنے کا خوف نہیں رہ جاتا۔ اس مرض کے بیمار مویشیوں کو حسب ذیل دوائیں پلانے سے فائدہ ہوتا ہے۔

(۱) پرانا گڑ ایک سیر۔ سونف پسی ہوئی ایک پاؤ دونوں چیزیں ایک سیر پانی میں جوش دیکر پلانا چاہیئے۔

(۲) آم کی سوکھی کھٹائی آدھ پاؤ کٹیلی بیلی کا پھول ایک چھٹانک ان دونوں کو جوش دے کر جوشاندہ بناکر پلانا چاہیئے۔

بخار زیادہ ہونے پر کافور ۹ ماشہ شورا ایک تولہ اور دیسی شراب آدھی چھٹانک دن میں دو بار دینا چاہیئے۔

منہ دھونیکے لئے سوکھے آلوؤں کو پانی میں بھگوکر اُسکے پانی سے مُنہ دھوئے یا ببول کی چھال کے کوڑھ سے منہ دھوئے پھٹکری کے پانی سے بھی منہ دھونا مفید ہے۔

پیروں کے زخم میں جیسا اوپر کہا گیا ہے کولتار پوت دیں یا نیم کا تیل لگائیں یا کھریا مٹی دو چھٹانک الکوتلہ آدھی چھٹانک توتیا چوتھائی چھٹانک یہ سب پیسکر زخم پر دن میں کئی بار چھڑکیں۔

مویشی کو کھانے کیلئے چوکر اور سوکھی گھاس یا آسانی سے ہضم ہونیوالا چارہ دیں۔ ہر ایک مویشی کی دونوں وقت اچھی طرح دیکھ بھال کریں مناسب تو یہ ہے کہ ایسی مریض گائے کا دودھ دوہ کر پھینک دے۔

مرض کو دوسرے جانوروں میں پھیلنے سے روکنے کیلئے اس مرض کے مریض مویشی کو اور مویشیوں سے دور باندھا جائے انکے کھانے سے بچا ہوا خراب چارہ جلادیا جائے اور انکا جھوٹا دوسرے مویشیوں کو نہ دیا جائے۔

گھاگھ کی ڈائری

اس ڈائری کے لکھنے والے جناب گھاگھ پرانے خیال کے ایک بوڑھے زمیندار اور کسان ہیں اور کسی قسم کی اصلاح پسند نہیں کرتے دیہات سدھار تحریک سے ان کے دل میں کیا کیا اضطراب پیدا ہے۔ ان کے اس خط میں پڑھئے

جناب اڈیٹر صاحب۔

کانپور میں جو ہندو مسلم فساد ہوگیا ہے اور جس کی خبر اخباروں میں چھپ رہی ہے اس کے متعلق مجھے یقین ہے کہ مجھ سے زیادہ آپ کو علم ہوگا۔ اپنے اس خط میں اس فساد کا ذکر میں اس لئے کر رہا ہوں کہ اس خبر کو پڑھ کر میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ابھی مایوس ہونے کی کوئی بات نہیں ہے ابھی بھی ہندوستان میں گڑنی بنانے والے بہت ہیں اور اب بھی اس ملک میں خدا کے نام پر مرنے والے، جان دینے والے اور جان لینے والے لوگ موجود ہیں۔ اگر آپ سچ پوچھئے تو سچی لڑائی دھرم ہی کی لڑائی ہے، باقی سب جھوٹ ہے جس روز سے میں نے سنا ہے کہ کانپور میں مذہبی لڑائی شروع ہوگئی اس روز سے میری خوراک بڑھ گئی ہے اور مجھے بھوک زیادہ لگنے لگی ہے۔

× × × × ×

پچھلے دنوں میں نے اخباروں میں پڑھا تھا کہ کانپور میں بہت سے لوگ لال جھنڈے لہرا رہے ہیں اور کسان مزدور کی پکار مچا رہے ہیں ان لوگوں کی باتیں سن سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو رہے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ ہندوستان میں غریبی کے سوا کوئی دوسرا سوال ہی نہیں ہے۔ روٹی کا سوال حل ہو جائے بس سب سوال حل ہیں۔ وہ لوگ یہاں تک کہہ رہے تھے کہ ہندوستان کی جو کچھ بھی دھن دولت ہے وہ سب ایک پنچایت کے سپرد کر دی جائے اور اسے اونچ نیچ اور امیر غریب کا خیال چھوڑ کر سب کو برابر تقسیم کر دیا جائے۔ مجھے معلوم نہیں کہ پولیس نے ان لوگوں پر لاٹھی چارج کیا تھا یا نہیں، اگر نہیں کیا تو اسے کرنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ وہ لوگ یہاں تک کہہ رہے تھے کہ غریبوں کو دولت کی ضرورت نہیں ہے۔ انھیں تو فقط روٹی ملنی چاہیئے۔ مجھے خوشی ہے کہ کانپور کے ہندو مسلمان بھائیوں نے آپس میں لڑ کر ایک دوسرے کی کھوپڑی توڑ کر اور گھر پھونک کر ان لوگوں کو اچھا جواب دیا۔ مجھے یقین ہے کہ لوگوں کو اب معلوم ہو جائے گا کہ اب بھی خدا ہے اور اگر اس صوبے میں کہیں اور نہیں ہے تو کانپور میں ضرور ہے۔

× × × × ×

مجھے یہ جان کر سخت افسوس ہوا کہ کانگریس سرکار نے خدا کے ان بندوں کی مذہبی لڑائی پر بری طرح روک لگا دی ہے اور وہ چاہتی ہے کہ کسی طرح یہ معاملہ یہیں دب جائے۔ اس کے یہ صاف معنی ہیں کہ کانگریس خدا کا چاہے جتنا نام لے اور ہندو مسلمانوں کا چاہے جتنا بھلا کرے لیکن اس کی اصلی خواہش یہی ہے کہ خدا کے ساتھ ہندو مسلمان دونوں رخصت ہو جائیں۔

اس بار اخبار والوں کو بھی نہ جانے کیا سوجھی ہے کہ وہ یہ نہیں چھاپتے کہ کہاں کتنے ہندو یا مسلمان مارے گئے یا ان کے گھر پھونکے

گئے۔ اب تک یہ سب باتیں تفصیل کے ساتھ نہیں شائع ہوئیں اور یہ مذہبی لڑائی اور زور سے نہ بڑھ سکی۔ اور افسوس تو یہ ہے کہ کوئی اخبار بھی ایسا نظر نہیں آتا جو اس قسم کی خبر شائع کرے۔ [illegible]

× × × × ×

بہت سے لوگ شہر سے بھاگ نکلے ہیں۔ در اصل وہی لوگ ہیں جو اپنی جان کو دھرم سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ ذرا ان بھاگنے والوں کی زیادتی بھی تو دیکھئے۔ ان لوگوں میں سے بہت سے لوگ ایسے تھے جن کے پاس تھرڈ کلاس کا ٹکٹ تھا اور کہیں جگہ نہ پانے کی وجہ سے ریل کے پہلے اور دوسرے درجہ میں بیٹھ گئے تھے جب ان سے کہا گیا کہ اس درجہ میں بیٹھ کر جاؤگے تو جہاں جاؤ گے پکڑ لئے جاؤگے اور جو کچھ تمھارے پاس مال اسباب ہے وہ جرمانہ کے طور پر تم سے چھین لیا جائیگا اور تم جیل خانے میں بند کر دئے جاؤگے تو اس کے جواب میں ان میں سے کچھ نے کہا کہ ہم کانپور سے دور جا کر گرفتار کر لئے جائیں یہ ہمیں منظور ہے لیکن کانپور میں رہنا ہمیں منظور نہیں ہے۔ ان بھلے آدمیوں نے یہ نہیں سوچا کہ جب کانپور میں خود ایشور آگئے ہیں اور اُن کے نام پر لوگ مرنے مارنے کو تیار ہیں تب کانپور تو سورگ بن گیا ہے۔ اپنی زندگی ہی میں سورگ پا لینے سے جو اُس سے بھاگے اس کو کیا کہا جائے یہ آپ ہی سوچ سکتے ہیں۔

× × × × ×

میں نے اخباروں میں یہ بھی پڑھا ہے کہ لوگ اپنے اپنے مکانوں کی چھت پر رات رات بھر جاگ کر "یا علی یا علی" اور "بجرنگ بلی" کے نعرے لگا رہے تھے لیکن یہ خدا کے نیک بندے جو بڑی عقیدت کے ساتھ نعرے لگا رہے تھے اُن سے وہاں کے مجسٹریٹ نے یہ کہا کہ وہ رات کو اگر اس قسم کے نعرے لگائینگے تو پولیس اُن کے گھروں میں گھس کر زبردستی انھیں گرفتار کریگی۔ اب اسی سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ کانگریسی حکومت خدا کی کتنی مخالف ہے یعنی جو "یا علی یا علی" اور "بجرنگ بلی" کے نعرے لگائے وہ تو گرفتار کر لیا جائے اور جو چپ چاپ اپنے گھروں میں بیٹھا رہے اُس کی تعریف کی جائے مجھے سخت افسوس ہے کہ اپنے گھروں کی چھتوں پر نعرے لگانے والے مجسٹریٹ کی اس دھمکی سے ڈر گئے اور اُنھوں نے نعرے نہیں لگائے۔ ڈر!

× × × × ×

مسلمانوں کے محلے میں بسے ہوئے ایک پنڈت جی کی میں تعریف کرونگا کہ انھوں نے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر بھی اپنا دھرم نہیں چھوڑا۔ یعنی جب ان کے گھر کو مسلمانوں نے گھیر لیا اور اُن کے لئے یہ خطرہ تھا کہ ان کی جان جائیگی تو ایک انگریز ان کے گھر پر گیا اور ان سے بولا کہ پنڈت جی آپ میری موٹر پر آکر بیٹھ جائیے میں آپ کو محفوظ جگہ پر پہنچا دونگا۔ پنڈت جی نے اس کی موٹر پر بیٹھنے سے انکار کر دیا۔ بھلا وہ نہائے دھوئے ہوئے چندن لگائے، پاک جسم اس کرشان کی موٹر پر بیٹھ کر کیسے بھرشٹ ہو سکتے تھے۔ ان کو یقین تھا کہ وہ جہاں ہیں ایشور ان کی حفاظت کریگا اور مجھ کو بھی یقین ہے کہ ایشور نے ان کی ضرور حفاظت کی ہوگی۔

× × × × ×

اخباروں میں میں نے ایک سادھو کی تصویر چھپی دیکھی۔ ا‌ور ہو رہا تھا، مار کاٹ مچی ہوئی تھی دونوں طرف سے اینٹ پتھر پھینکے جا رہے تھے مگر وہ سادھو بیٹھا ہوا تپسیا میں مصروف تھا۔ وہ اس طرح بیٹھا رہا ڈرا نہیں اور نہ ہٹا۔ میرا خیال ہے کہ وہ بھی زندہ بچا ہوگا اور اس نے بھی جیتے جی سورگ دیکھا ہوگا۔

× × × × ×

ایک اخبار میں یہ بھی چھپا ہے کہ پولیس والوں نے ایک ایسے مکان پر چھاپا مارا جس میں بہت سی لاٹھیاں اور گنڈاسے، کوڑے، بھالے اور ایسے دوسرے ہتھیار چھپا رکھے گئے تھے۔ پولیس والوں نے بیچارے مالک کو گرفتار کر لیا اور خدا کے نام پر جمع کئے گئے اسلحوں کو لوٹ لیا گیا۔ کہتے ہیں کہ جب اس واقعہ کی رپورٹ مجسٹریٹ کو دی گئی تو اُنھوں نے اس معاملے کی تحقیقات کرنے سے اور پولیس والوں کو کوئی سزا دینے سے انکار کر دیا پولیس والوں کی اس حرکت کو اس نے لوٹ نہیں سمجھا۔ سچ تو یہ ہے کہ خدا کے نام پر لڑنے والوں کے جمع کئے ہوئے اسلحات کی لوٹ سونا چاندی اور جواہرات کی لوٹ سے بھی بڑی لوٹ ہے۔ اور اگر انھیں دنیا میں سزا نہیں ملتی ہے تو مجھے یقین ہے کہ جب وہ دوسری دنیا میں جائیں گے تو

اسکا ضرور حساب دینا ہوگا۔

× × × × ×

اس میں شبہ نہیں کہ فساد کرنیوالوں سے کانپور والوں کو بیشمار تکلیفیں پہنچی ہوں۔ بیماروں کو دوائیں نہیں ملیں۔ بوڑھوں کو کھانا نہیں ملا۔ بچوں کو دودھ نہیں ملا۔ اور گھر میں بند عورتوں کو خوفناک مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ میں یہ بھی منظور کروں گا کہ عورتوں اور بچوں پر حملہ کرنا مردانگی نہیں ہے۔ اور جن لوگوں نے عورتوں یا بچوں کی جان لی ہے وہ سچے ہندو یا مسلمان ہو سکتے ہیں لیکن سچے بہادر نہیں ہیں کیونکہ بہادر کبھی عورتوں پر ہاتھ نہیں اُٹھاتا۔ میں نے دکھ اور درد کے ساتھ یہ بھی پڑھا ہے کہ ہندؤں نے زیادہ تر اُن مسلمانوں پر حملے کئے جو اُن کے محلوں میں تھے اور کم تعداد میں تھے۔ اسی طرح مسلمانوں نے بھی اُن ہندؤں پر حملے کئے جو اُنکے محلوں میں تھے اور کم تعداد میں تھے۔ ہماری سمجھ میں بھی کسی پڑوسی کو مارنا، اسکی جان لینا اور تکلیف پہنچانا کسی ہندو یا مسلمان کو نہ چاہیئے لیکن جب مذہبی جوش بڑھتا ہے تب آدمی اُس میں متوالا اور مست ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت میں وہ جو کچھ بھی کرے وہ معاف ہونا چاہیئے۔

× × × × ×

میرا اپنا خیال اِسکے پہلے بھی تھا اور اب بھی یہی ہے کہ ہندوستان کی تجارت کانگریس گرام سدھار سے نہیں کر سکتی۔ بلکہ وہ مذہب یا خدا کے نام پر جھگڑے کرا کے کر سکتی ہے کانگریس سرکار بہت ہی ہر دلعزیز ہو جائے اگر وہ سب جگہ نہ کر سکے تو کم از کم یوپی کے کسی ایک شہر میں مذہبی لڑائی کا ایک اکھاڑا کھولدے جس میں وہ جیسے گاؤں گرام سیوک بھیجتی ہے ویسے ہی اُن مقامات پر لڑنے کے لئے مذہبی رضاکار بھیجے۔ اگر کانگریسی سرکار ایسا کرے تو صوبے میں بہت زیادہ مذہبی ترقی ہو جائے۔

آپکا گماشتہ

برطانیہ کی سیاست

وزیراعظم برطانیہ مسٹر چیمبرلین مسولینی اور ہٹلر کے ہاتھ کی کٹھ پتلی بنے ہوئے ہیں۔

کچھ اِدھر اُدھر کی

آنجہانی پنڈت موتی لال نہرو اور کسان

پنڈت موتی لال نہرو کسانوں کے خاص دوست تھے۔ کسان انھیں دل سے پیارے تھے۔ انھوں نے گاؤں میں گھوم گھوم کر کسانوں کو نصیحتیں کی تھیں۔ ۱۹۲۱ء والی تحریک میں وہ صوبہ متحدہ کی کسان سبھا کے صدر تھے۔ صوبہ متحدہ کے کسانوں میں بیداری پیدا کرنے کا سہرا پنڈت موتی لال نہرو جی کے سر ہے۔

ان دنوں کسانوں کے کام کے سیکڑوں پرچے چھپوا کر انھوں نے گاؤں میں بنوا دئے تھے۔ کسانوں کو مہاتما گاندھی کے خیالات سے واقف کرنے کے لئے انھوں نے ایک پرچہ مہاتما گاندھی سے بھی لکھوایا تھا اور اُسے ہزاروں کی تعداد میں گاؤں میں بنوایا تھا۔ آج بھی وہ پرچہ بہت سے کسانوں کے پاس ایک عزیز دولت کی طرح موجود ہے اور آج بھی وہ انکے لئے اتنے ہی کام کا ہے جتنا پہلے تھا۔ اس موقع پر مہاتما گاندھی کی نصیحتوں سے بھرے ہوئے پنڈت موتی لال نہرو کے اس پرچے کو ہم پھر اپنے کسان بھائیوں کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

کسانوں کو مہاتما گاندھی کی ہدایت

جب تک آپ نیچے لکھی ہوئی باتوں کو سختی کے ساتھ نہ مانیںگے اس وقت تک مصیبت سے نکلنا مشکل ہے۔

(۱) کسی کو چوٹ مت پہنچاؤ۔ کسی پر لاٹھی مت اٹھاؤ۔ کسی کو گالی مت دو۔ کسی پر بیجا دباؤ مت ڈالو۔

(۲) اپنے مخالف کو محبت سے سمجھاکر اپنی طرف لاؤ۔ اس کے اوپر جسمانی طاقت کا استعمال کرکے یا اس کے کاموں سے نائی، دھوبی اور کہار کو الگ کرکے نہیں۔

پنڈت موتی لال نہرو آنجہانی

(۳) بیدھیان میں رکھو کہ ہمیں مزدوروں کو اپنا دوست بنانا ہے، دشمن نہیں۔

(۴) شراب، گانجا، بھنگ، چرس وغیرہ نشیلی چیزوں کا استعمال قطعی بند کردو۔

(۵) سب عورتوں کی ماں بہنوں کی طرح عزت کرو اور اسی لحاظ سے ان کی حفاظت کرو۔

(۶) ہندوؤں اور مسلمانوں میں میل بڑھاؤ۔

(۷) ہندوؤں میں کوئی ہندو دوسرے ہندو کو اپنے سے نیچ نہ سمجھے۔ سب میں بھائی بہن کا برتاؤ ہو۔ ہندوستان کے سب رہنے والوں کو اپنا بھائی بہن سمجھو۔

(۸) جوا مت کھیلو۔

(۹) چوری مت کرو۔

(۱۰) کسی نفع کے لئے بھی جھوٹ مت بولو۔ ہر کام سچائی کیساتھ کرو۔

(۱۱) ہر گھر میں چرخے کا رواج ڈالو۔ اور ہر بھائی بہن سے فرصت کیوقت اسے کاتنے کو کہو۔ لڑکوں اور لڑکیوں کو بھی کاتنا سکھاؤ۔

(۱۲) بدیسی کپڑے مت پہنو۔ اپنے ہاتھ کا کتا بنا کھدر پہنو۔

(۱۳) کچہریوں میں پیسہ برباد مت کرو۔ اپنا مقدمہ اپنے آپ طے کرو۔

کھیتی کے تین ستون

(از ڈاکٹر بالی رام کالا، اسسٹنٹ مارکیٹنگ افیسر یوپی - آگرہ)

کاشتکاری کی تاریخ میں پہلے پہلے گاؤں والوں کو محکمہ گرام سدھار کے ذریعہ یہ معلوم ہوا کہ کاشت کے تین خاص جز (۱) مویشی (۲) کسان اور (۳) کھیتی دیکھنے سننے میں مختلف لیکن دراصل ایک ہی چیز ہیں۔ جس طرح پانچ مختلف اعضا دیکھنے میں مختلف ہوتے ہوئے بھی دراصل ایک درخت کی شاخ کی طرح جسم کی ایک چیز ہیں۔ اسی طرح مویشی کسان اور زمین تینوں مختلف ہوتے ہوئے بھی کھیتی کی کامیابی کے لئے ایک دوسرے کے متحد معاون ہیں۔

کسان کے لئے طاقت دینے والی، عمر بڑھانے والی اور دکھ بیماریوں سے بچانے والی گھی دودھ کی غذا مویشی سے ملتی ہے۔ زمین کی اچھی جوتائی کرنے والا بیل اور زمین کی پیداوار کو بڑھانے والی کھاد بھی مویشی ہی سے ملتی ہے۔ گاؤں میں رہنے والے لوگ ان تین باتوں کی اہمیت اور ضرورت اچھی طرح محسوس کرنے لگے ہیں۔ جیسے جیسے گرام سدھار کا کام جوش اور ولولے سے آگے بڑھ رہا ہے ویسے ہی عوام کو گھر گھر جاکر اس کی اہمیت بتائی جارہی ہے اقتصادی نظریہ سے کسان کے لئے مویشی، ہل اور زمین کے اتحاد کی حقیقت اور بھی صاف صاف ظاہر ہوتی جارہی ہے۔

جب تک چھوٹا ناٹا اور کمزور بیل غریب اور کمزور کسان اور غیر زرخیز زمین اپنی کمیوں کے باعث ایک دوسرے سے پورا اتحاد نہ کرسکیں گے اس وقت تک کسان کی غریبی، کمزوری، بیروزگاری، دکھ، بیماری اور جسمانی تکالیف اسے صدیوں تک ستاتی رہیں گی۔ اسی سے اب تک دیہاتی عوام غریبی کا شکار بن کر کمزور ہوتے رہے ہیں۔

جب سے کمزور بیلوں کی جگہ طاقتور بیل لگنے لگے ہیں۔ اور غریب وکمزور کسان کو اچھی نسل کی گائے سے کافی دودھ ملائی، مکھن، مٹھا کچھ حد تک حاصل ہونے لگا ہے اور بلا کھاد والی زمین گائے کے گوبر اور پیشاب سے زیادہ زرخیز ہونے لگی ہے تبھی سے کسانوں کی مالی حالت سدھرنے لگی ہے اس سے ان کی زندگی میں نئی اُمیدوں کی لہر جھلکی شروعات پختہ طریقے سے ہوتی جارہی ہے۔ اُٹھنے لگی ہے

کسان آج پھر زراعت کے ان خاص اجزا کے اتحاد کی اہمیت سمجھکر اس سے پورا فائدہ اٹھانے لگا ہے۔ آج ایک طویل مدت کے بعد زراعت کے اجزاء ثلاثہ اتحاد کررہے ہیں۔ بیشک محکمہ گرام سدھار کی یہ عظیم کامیابی ہے۔

راستہ بتاؤ

مچھلی جال کے مُنہ میں پڑگئی - کیسے باہر نکلے۔
راستہ بتاؤ۔

چیچک، سیتلا اور کھسرا

ہر سال جاڑے کا موسم ختم ہونے پر ہمارے ملک میں چیچک کی بیماری پھیل جاتی ہے۔ خاص کر بچے اسکے شکار ہو جاتے ہیں اسلئے اس نمبر میں اس بیماری کے متعلق کچھ موٹی موٹی باتیں بتانا بلحاظ وقت مناسب ہوگا۔

چیچک

اسے انگریزی میں اسمال پاکس کہتے ہیں۔ اس میں پہلے بخار ہوتا ہے سر اور پیٹھ کی ریڑھ میں درد ہوتا ہے منہ اور آنکھیں لال ہو جاتی ہیں اور قے بھی ہوتی ہے۔ اس کے تین چار روز بعد مُنہ اور ماتھے پر لال دانے نکلتے ہیں۔ پھر چھاتی اور تمام جسم میں نکل آتے ہیں۔ چار پانچ روز بعد دانے ایک قسم کے پانی سے بھر جاتے ہیں اور اُسکے بعد ان میں پیپ پڑ جاتی ہے۔ جب یہ دانے پھوٹ کر سوکھ جاتے ہیں تب مریض اچھا ہوتا ہے۔ اس کی کئی قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک چیچک ہوتی ہے جسے کالی سیتلا کہتے ہیں اسکے دانے کالے پڑ جاتے ہیں اور اس سے کبھی کبھی مریض کی موت بھی ہو جاتی ہے کتنے ہی انسان اس مرض میں مبتلا ہو کر اندھے ہو جاتے ہیں۔

لڑکوں پر یہ مرض جلدی اثر کرتا ہے اسلئے اُنھیں اس سے بہت بچانے کی ضرورت ہے۔ جن لڑکوں کے گھر میں کسی کو چیچک ہو جائے انھیں اس وقت تک ہرگز اسکول نہ جانا چاہئے جب تک مریض اچھا نہ ہو جائے۔ پہلے تو ماسٹر ہی کا یہ فرض ہے کہ اُسے چھٹی دیدے اور اُسے ایک خاص وقت تک کے لئے اسکول آنے سے روک دے۔ چیچک پھنسی کی چھینپ سے، مریض کے پسینے یا کپڑے سے یا اسکے منہ سے نکلی ہوئی ہوا میں سانس لینے سے ایک سے دوسرے کو ہو جاتی ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ پھنسیوں سے جو مردہ چمڑہ سوکھ کر گر جاتا ہے اس میں لپٹے ہوئے چیچک کے جراثیم ہوا میں ادھر سے اُدھر اُڑا کرتے ہیں اور بہت دنوں تک نہیں مرتے۔ اس لئے مریض کے پاس جو خاص تیمار دار ہوں اُن کے علاوہ اور کسی کو نہ جانا چاہئے۔ اور مریض کے اچھے ہو جانے پر اسکے کپڑے وغیرہ جلا دینے چاہئے اور جو چیزیں جلائی یا مٹی میں گاڑی نہ جا سکیں انھیں اس مرض کے جراثیم مارنے والی دوا سے پاک کر لینا چاہئے۔

چیچک پہلے لوگوں کو بہت ہوا کرتی تھی اب اس کا زور بہت کم ہو گیا ہے بہت سے لوگ اس کی وجہ ٹیکہ بتاتے ہیں اور بہت سے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ صحت اور صفائی کے اصول سے واقف ہو جانے کے باعث یہ کم ہو گئی ہے پہلے وقت میں لوگ چیچک کو خدائی قہر سمجھتے تھے بہتوں کا خیال تھا کہ سیتلا دیوی ناراض ہونے پر اس طرح جسم میں ظاہر ہوتی ہیں اور لوگوں کو تکلیف دیتی ہیں اسی لئے اس کا نام بڑی سیتلا بھی پڑ گیا تھا اس وقت زیادہ تر لوگ جھاڑ پھونک اور پوجا پاٹ کی پناہ لیتے تھے اکثر رات بھر جاگتے تھے اور ناچ گانا کرتے تھے دیوی کے

اور زیادہ ناراض ہونے کے خوف سے دوا کے پاس نہ جاتے تھے اب بھی دیہاتوں میں بہت سے لوگ اسے خدائی قہر سمجھتے ہیں اور مناسب علاج نہ کرنے کے باعث تکلیف اُٹھاتے ہیں لیکن چونکہ قانوناً اس کا ٹیکہ لگوانا ضروری ہوتا ہے اس لئے جہاں وہ پُرانے خیالات قائم ہیں وہاں بھی اس سے زیادہ نقصان نہیں ہوتا۔

چیچک ہے کیا؟ یہ جسم کا زہریلا میل ہے جو چھالوں کی صورت میں کھال کے اوپر ظاہر ہوتا ہے اور جسے جسم زندہ رہنے کے لئے نکال پھینکنا چاہتا ہے۔

دیکھا گیا ہے کہ چیچک کے اکثر سبھی مریضوں کو دست نہیں ہوتا اگر دست ہو تو جسم کا بہت سا زہر اس کے ساتھ نکل سکتا ہے اس لئے سب سے پہلا کام یہ ہونا چاہئے کہ آنتیں اپنا صفائی کا کام بڑی مستعدی کے ساتھ کریں اس سے زہر کو کھال سے راستہ بنا کر نکلنے کی ضرورت نہ رہ جائے گی۔

پہلی حالت میں مریض کے پیٹ میں جتنا گرم پانی سما سکے اتنا اُسے پلا دینا چاہئے اس سے پہلے جلاب یا اینما کا عمل بھی کیا جا سکتا ہے مریض کے جسم سے خوب پسینہ نکالنے کی کوشش ہونا بھی ضروری ہے اسکے لئے سب سے سہل طریقہ یہ ہے کہ مریض کو بھیگی چادر میں لپیٹ دو اور اوپر سے خوب کمبل اڑھادو تب اسے گرم پانی سے بھری بوتلوں سے سینکو اس طرح کرنے سے جسم سے خوب پسینہ نکلے گا اور پسینہ کے ساتھ جسم کا بہت سا زہر نکل جائے گا پسینہ نکال چکنے پر صاف تولیہ سے مریض کا جسم سکھا دینا چاہئے اور صاف کپڑے پہنا کر اسے ایسی جگہ رکھنا چاہئے جہاں صاف ہوا کی کافی آمد و رفت ہو۔

غذا: دینا بالکل بند کر دینا چاہئے لیکن اگر مریض کو بہت بھوک معلوم ہو تو نارنگی یا انگور کا رس دینا چاہئے جسم میں صاف ہوا لگنے سے اس مرض کے اچھے ہونے میں کافی مدد ملتی ہے اس لئے ان کے جسم کو بہت دیر تک کھلا رکھنا زیادہ اچھا ہوگا۔

ہاتھ پر چیچک کے دانے۔

سیتلا

اسے بھی ایک قسم کی چیچک ہی سمجھنا چاہئے چیچک ہی کی طرح اس کے جراثیم بھی ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل ہو جاتے ہیں یہ مرض اکثر بچوں ہی میں زیادہ ہوتا ہے مگر اس میں موت ہونے کا بہت کم خوف رہتا ہے ہمارے ملک میں یہ بہت اچھی رسم ہے کہ سیتلا یا چیچک کے مریض کو لوگ کسی کو چھونے نہیں دیتے یہاں تک کہ جس کے گھر میں کسی کو سیتلا نکل آتی ہے تو وہ بھکاریوں کو بھیک دینا بھی بند کر دیتا ہے مگر یہ اس لئے کیا جاتا ہے کہ لوگ اس مرض کو دیوی کا قہر سمجھتے

ہیں۔ اسلئے اسکو سیتلا یا ماتا بھی کہتے ہیں۔ خواہ کسی طرح بھی ہو مگر یہ طریقہ بہت اچھا ہے سیتلا میں بھی جس لڑکے کو سیتلا نکل آئے یا وہ کسی سیتلا کے مریض کے پاس جاتا ہو تو اسکا اسکول آنا جانا بند کر دینا چاہیئے تاکہ اور لڑکوں کو بھی یہ مرض نہ ہو جائے۔

سیتلا چیچک کے مقابلے میں بہت ہلکی ہوتی ہے۔ اس میں پہلے سر میں درد ہوتا ہے کچھ پیاس لگتی ہے اور معمولی سا بخار بھی آجاتا ہے۔ اسکے ۲۴ گھنٹے بعد منہ اور ماتھے پر چھوٹے چھوٹے لال دانے دکھائی دیتے ہیں۔ اور پھر رفتہ رفتہ سارے جسم میں پھیل جاتے ہیں کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بغیر بخار کے ہی دانے نکل آتے ہیں۔ اس میں مریض کو ایک علیحدہ اور صاف کمرے میں صاف بستر پر لٹانا چاہیئے۔

زیادہ تر چھ یا سات سال کی عمر تک کے بچوں کو سیتلا نکلتی ہے۔ کبھی کبھی زیادہ عمر کے لڑکوں کو بھی یہ ہوتے دیکھی گئی ہے۔ دانوں کو دیکھ کر سیتلا کی شناخت کی جاسکتی ہے۔ اسکے دانے شروع میں لال نکلتے ہیں۔ بعد میں اُن میں پانی بھر آتا ہے۔ اور یہ ایک یا دو روز میں سوکھنے لگتے ہیں۔ دانے عموماً پہلے چھاتی پر نکلتے ہیں مگر کبھی کبھی ماتھے اور چہرے پر بھی نکلتے ہیں۔ اس کی تعداد درجن سے ایک سینکڑوں تک پہنچ سکتی ہے۔ اس میں بہت کھجلی ہوتی ہے اور اگر مریض کو کھجلانے سے باز نہ رکھا جائے تو داغ پڑجاتے ہیں۔

سیتلا اور چیچک میں فرق یہی ہے کہ سیتلا کے دانے موتی کی طرح گول اور سفید دکھائی دیتے ہیں اور کھال کے اوپر ہی اوپر ہوتے ہیں۔ لیکن چیچک کے دانے بڑے اور گہرے ہوتے ہیں اور اُن کے اندر کا پانی گاڑھا اور مواد کی طرح پیلا نظر آتا ہے۔

سیتلا کا علاج بالکل چیچک کی طرح کرنا چاہیئے۔ صاف ہوا کا اس میں بھی کافی انتظام ہونا چاہیئے۔ اس میں یہ ضروری نہیں کہ مریض کو بستر پر لیٹا ہی چاہیئے بلکہ اگر وہ چل پھر سکے تو اُسے چلنا پھرنا چاہیئے اور جہاں تک ہو سکے کھلی جگہ میں رہنا چاہیئے۔ اس سے مرض دور ہونے میں مدد ملے گی۔ پیٹ صاف رکھنا، کھانے میں پرہیز کرنا اور گرم پانی پینا اس میں بھی ضروری ہے۔ جہاں تک ہو سکے کھجلانا نہ چاہیئے۔ جس جگہ زیادہ کھجلی معلوم ہو اس پر پانی سے بھیگا کپڑا رکھنا چاہیئے۔ جب کپڑا سوکھ جائے تو اُسے پھر بھگو دینا چاہیئے۔

اچھے ہو جانے پر مریض کے بستر کو اگر جلایا جا سکے تو جلا دینا چاہیئے۔ ورنہ اُبلتے پانی میں کچھ دیر ڈال رکھنا چاہیئے۔ اور بعد کو کئی دن تک دھوپ میں سکھانا چاہیئے۔

کھسرا

یہ مرض چھوٹے بچوں کو بہت ہوتا ہے۔ اس میں پہلے زکام اور دردِ سر ہوتا ہے اور سردی معلوم ہوتی ہے چھینکیں بہت آتی ہیں۔ آنکھ اور ناک سے پانی بہنے لگتا ہے اور کچھ کھانسی بھی ہو جاتی ہے۔ اس کے تین چار روز بعد بخار کے ساتھ منہ اور ماتھے میں گول اور چھوٹے چھوٹے دانے نکلتے ہیں۔ یہ مرض منہ اور ناک کے میل کے ذریعے ایک لڑکے سے دوسرے لڑکے کو ہو جاتا ہے۔ چھوٹے بچوں کو بہت بچانا چاہیئے۔ کیونکہ یہ بہت جلد اُن پر اثر کرتا ہے اگر گھر میں یا پڑوس میں کسی بچے کو کھسرا ہو جائے تو دوسرے بچوں کو اس کے پاس ہرگز نہ بیٹھنے دینا چاہیئے۔

زکام کے ساتھ دردِ سر اور آنکھ و ناک سے پانی بہنا شروع ہونے پر سمجھ لینا چاہیئے کہ بچے کو کھسرا ہوگا اور اسی وقت سے علاج شروع کر دینا چاہیئے پانی میں نارنگی، لیموں، انار وغیرہ پھلوں کا رس ملا کر مریض کو پلانا چاہیئے۔ یہ پانی گرم کر کے بھی پلایا جاسکتا ہے اور ٹھنڈا بھی جیسا مریض پسند کرے۔ پسینہ نکلنے سے بھی مریض کو آرام ہوتا ہے۔ اس لئے پسینہ نکالنا چاہیئے۔ پسینہ نکالنے کی ترکیب چیچک کے بیان میں بتائی جاچکی ہے۔ اگر دست صاف نہ ہو تو ہلکا جلاب دینا چاہیئے۔

یہ مرض ایک بار جسے ہو جاتا ہے اُسے دوبارہ نہیں ہوتا۔ اس لئے جنھیں یہ ایک بار ہو چکا ہو انھیں اس سے بالکل نہ ڈرنا چاہیئے۔

تصویر کا مجموعہ

شریمتی وجے لکشمی پنڈت لکھنؤ کی دق کے خلاف نمائش میں۔ یہ نمائش حال ہی میں لکھنؤ میں ہوئی تھی۔

ڈھرہریا (الہ آباد) میں وہاں کے باشندوں کی کوششوں سے چھ سال سے گرام سیوا کا کام ہو رہا ہے۔ اس گاؤں کے لوگ دو مدرسہ شبینہ اور ایک کتب خانہ چلاتے ہیں۔ اور کتنے ہی اور مفید کام کر رہے ہیں۔

سلطانپور کی مویشیوں کی نمائش میں لائی جانیوالی کچھ بھینسیں۔ یہ نمائش پچھلے دنوں گرام سدھار ہفتہ کے سلسلے میں ہوئی تھی۔

سلطانپور کی مویشیوں کی نمائش میں لائی جانے والی کچھ گائیں۔ ڈپٹی کمشنر صاحب معائنہ فرما رہے ہیں۔

رورل ڈیولپمنٹ آرگنائزرس ٹریننگ کیمپ گورکھپور

وسط میں :۔ شری ایم ڈی چترویدی بی۔ایس سی (ٹیکس) آئی۔ایف۔ایس محکمۂ گرام سدھار یو۔پی۔

دائیں بائیں جانب :۔ شری ہری رام گپتا، انسپکٹر کوآپریٹیو سوسائٹیز کیمپ انچارج جناب ایس۔بی حسن انسپکٹر گرام سدھار انسپکٹر۔ شری۔آر۔آر۔ سنگھ فارم سپرنٹنڈنٹ۔ شری

بی۔سی گپتا۔ انچارج زراعت۔ جناب ایس ایم علی ویٹنری انچارج۔

داہنی جانب۔ شری بی۔بی دوبے ڈی ایس پرنسپل کنور بہادر، پروفیسر کے۔ این مہروترا۔ آر۔ ڈی۔ سنگھ ایس۔آئی۔ و۔ ے پرشاد، چیف انچارج۔

کسان کی درخواست

(از جناب پنڈت امیش چندر دیو)

مالک پرورش تمھاری ہے
خدمت میں عرض گذاری ہے
دل میں دہشت تو بھاری ہے
پڑتا ہوں لاچاری سے

میں سرکار بتاؤں کیا؟
خود سمجھ اور سمجھاؤں کیا؟
اپنا دُکھ درد سناؤں کیا؟
یہ خالی پیٹ دکھاؤں کیا؟

میں بھوکا ہوں میں پریشان
میں پھٹے حال ہوں میں کسان

کچھ نکالی اپنا پیچ یا پانچ
بیوی بچوں کا پیٹ کاٹ
جو کچھ پیسے کر پایا ہوں
خدمت میں لے کر آیا ہوں

سرکار آپ پروردگار
راجہ ہیں سے میں کاشتکار
ہو جائے مرضی مہربان
اس بار ذرا کم ہو لگان

مانا کم دینے سے لگان
ہونگے ضرور کچھ پریشان

ہیں خرچ بڑی بھاری سر پر
نوکر، چاکر، بجلی، موٹر
تشریف گورنر کا لانا
ہفتوں رہنا دعوت کھانا

راجہ لوگوں سے یارانہ
حاکم حضور عملہ تھانہ
ہر سال ولایت کا جانا
سب کا پینا سب کا کھانا

ریڈیو اسنیما، سیر سفر
تھوڑے میں ہو کس طرح گذر
کیا کروں مگر مجبوری ہے
مجھ پر بھی مصیبت پوری ہے

بیوپار دکھا کر بڑے بڑے
ہر روز الگ دھمکاتے ہیں
بے لئے دئے پٹواری جی
کاغذ بھی نہیں دکھاتے ہیں

دس پانچ دروغہ صاحب بھی
آکر جب تک لے جاتے ہیں
اولا، پالا، بارش، اکال
قرقی، بیدخلی، گول مال

ہر سال ستاتے جاتے ہیں
سب مل کر کھاتے جاتے ہیں

سنتے ہیں اس سال گورنمنٹ
کچھ دکھلاتی ہے چھوٹ چھاٹ
میں نے پٹواری سے پوچھا
پڑ[illegible] نے مجھے دیا ڈانٹ

سرکار آپ تو پڑھے لکھے
اخبار منگا کر پڑھتے ہیں
مجھ کو بھی بتلا دیں سچ سچ
کیا آپ نے پانسے پلٹے ہیں

سنتے ہیں سارے گاؤں میں
اسکول کھلائے جائیں گے
جن میں دیہاتی لڑکوں کو
کچھ ہنر سکھائے جائیں گے

سنتے ہیں دوسرے بات بات پر
ہم نہ عدالت جائیں گے
خود پنچ بنیں گے اپنے سب
جھگڑے مل جل نپٹائیں گے

سنتے ہیں ہم کو بھی لکھنا
پڑھنا سکھلایا جائیگا
خبریں قانون جاننے کو
اخبار دلایا جائیگا

ہم کو سرکاری بیج اور
آلات دلائے جائینگے
اور سنا ہے اپنے بچے بھی
اب روز ناشتہ پائینگے

اب حاکم پیادے بھی ہم پر
دکھلاتے ہیں اپنی دیا مایا
خود آ آ گاؤں صفائی کا
کرواتے ہیں بندوبست نیا

سرکار آپ کی عمر بڑی
کیسے کیسے پربندھ کئے
مالک راجہ ہی ہیں آخر
کیسے کیسے آرام دئے

ہیں بھاگ جگے "ماں باپ" ہوئے
یوں آج ہم پر مہربان
مالک کی مرضی ہو جائے
اس بار ذرا کم ہو لگان

۱۔ گرام سدھار سنگیت۔ (ہندی) مصنف و مرتبہ شری جگناتھ پرشاد مشر بی۔ اے۔ پبلشر۔ شری رام چندر رشنہ نمبر ۹ نیو کٹرہ ٹرنک روڈ الہ آباد۔ اس میں ۶۰ صفحے ہیں اور اس کی قیمت ۲ر آنہ ہے۔

اس کتاب کے مصنف و مرتب شری جگناتھ پرشاد مشر بی اے انسپکٹر کوآپریٹو سوسائٹیز ہیں۔ اس کتاب میں آپ نے ایسی ہی نظموں کو جگہ دی ہے جو گاؤں کے نوجوانوں کسانوں اور آرگنائزروں کے کام کی ہیں۔ دیہاتی تنظیم، زندگی سدھار سبھا، مسجد، مندر، پنچوں کے فرائض وغیرہ موضوعوں پر اچھی اچھی نظمیں لکھی گئی ہیں۔ کسانوں کے رجحان کے مطابق کجلی اور برہا بھی دئے گئے ہیں۔ زیادہ تر نظموں کی زبان عام فہم ہے۔

۲۔ ۱۹۳۴ء کا البم۔ ۱۹۳۹ء کا ایک البم ہمیں ڈاکٹر ایس ایس نہرو آئی۔ سی۔ ایس۔ کلکٹر ضلع مین پوری سے موصول ہوا ہے۔ اس البم میں تصویروں کے ذریعے الیکٹرو کلچر یعنی بجلی کی جالی یا پانی کا پودوں، درختوں، اور مویشیوں وغیرہ پر اثر دکھلایا گیا ہے۔ تصویریں صاف نہیں چھپی ہیں لیکن اُنکی تشریحوں سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اگر اس سے کھیتی میں مدد لیجائے تو بہت ترقی ہو سکتی ہے۔ اسکی ایجاد ڈاکٹر نہرو نے کی ہے اور تصویروں سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ساری دُنیا میں اسکا پرچار بڑی کامیابی سے ہو رہا ہے جو ناظرین اس میں دلچسپی رکھتے ہوں وہ اس کی ایک کاپی خط لکھ کر ڈاکٹر نہرو سے مفت منگا سکتے ہیں۔ ہم نہرو صاحب کی اس ایجاد کی کامیابی کے لئے دعاگو ہیں ہم اُن سے صرف ایک درخواست کرنا چاہتے ہیں اور وہ یہ کہ جب وہ دوسرا ایڈیشن چھپائیں تو اُس کی صاف چھپائی کا ضرور خیال رکھیں۔

۳۔ کاشتکار جدید۔ ماہوار (اُردو) اڈیٹر چودھری رحمت خاں تارڑ
ملنے کا پتہ: کسان اینڈ تخم کمپنی بیج و پودے فروش چیمبرلین روڈ لاہور ضخامت ۴۸ صفحات۔ قیمت سالانہ دو روپیہ فی پرچہ ۳ر

یہ ماہوار رسالہ ابھی جنوری ۳۸ء سے نکلنے لگا ہے۔ اسکے اڈیٹر چودھری رحمت خاں تارڑ فن باغبانی اور زراعت کے ماہر ہیں اور اس موضوع پر کئی کتابیں لکھ چکے ہیں جو بہت مقبول ہوئی ہیں ہمیں کاشتکار جدید کا جنوری نمبر تبصرے کے لئے موصول ہوا ہے۔ اس نمبر میں زیادہ تر مضمون خود چودھری صاحب ہی کے لکھے ہوئے ہیں۔ جنکو پڑھ کر ہم نے اندازہ لگایا ہے کہ یہ زراعت اور فن باغبانی سے دلچسپی رکھنے والے بھائیوں کے لئے مفید ہونگے۔ ہمیں اُمید ہے کہ چودھری صاحب آگے چل کر اس رسالے کو اور بھی ترقی دیں گے اور اس میں دوسرے تجربہ کار لوگوں سے بھی مضمون لکھوا کر ناظرین کو اُنکے تجربوں سے فائدہ پہنچائیں گے۔

۴۔ نگاہ ماہوار (اُردو) اڈیٹر احمد مشہدی صاحب۔
ملنے کا پتہ: ۱۰۷ جنجیکر اسٹریٹ بمبئی نمبر ۳ ضخامت ۵۰ صفحات سالانہ چندہ ایک روپیہ۔ فی پرچہ ۲ آنہ۔

یہ رسالہ احمد مشہدی صاحب کی ادارت میں ۱۹۳۷ء سے نکل رہا ہے۔ اور اسکی ترقی کی رفتار دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ بہت جلد یہ رسالہ اُردو کے اچھے رسالوں میں اپنی جگہ بنا لیگا۔ مضامین کا انتخاب اچھا ہے اور ناظرین کی دلچسپی کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ نظموں میں ولی شاہجہاں پوری کی غزل کافی اچھی ہے۔ سرورق پر ایک رنگین تصویر ہے جو کافی جاذب نظر ہے۔ رسالہ کی ضخامت دیکھتے ہوئے اسکی قیمت بہت کم ہے اوپر لکھے ہوئے پتہ سے نمونہ مفت منگایا جا سکتا ہے۔

پنڈت جواہر لعل نہرو کی کسانوں کو نصیحت

گذشتہ ۱۵ فروری کو الہ آباد ضلع سیاسی کانفرنس میں پنڈت جواہر لال نہرو نے ایک اہم تقریر کی انھوں نے تیتے ہوئے والے کسانوں کو خاص طور سے مخاطب کر کے کہا -

مَیں آپ لوگوں کی توجہ ایک نئے نکتے کی طرف دلانا چاہتا ہوں - آج ۱۵-۲۰ سال سے ہم لوگ عام طور سے عوام کی بھلائی اور خاص طور سے کسانوں کی بھلائی کے لئے لڑائی کرتے آرہے ہیں - اس درمیان میں ہم لوگوں کو بڑے بڑے تشددوں کا سامنا کرنا پڑا ہے اس کے علاوہ سال یا دو سال کا وقت ہو رہا ہے کہ یو - پی اور ہندوستان کے کچھ دیگر صوبوں میں کانگریسی رہنما جو پہلے جیل میں تھے وہ کرسئی وزارت پر متمکن ہو گئے یہ یقیناً عوام کی فتح کی نشانی ہے لیکن پھر بھی اسے کامل سوراج نہیں کہا جا سکتا - ہاں اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسکے ذریعہ کسانوں کی کچھ شکایتیں وزیر لوگ دور کر سکتے ہیں - یو - پی کی اسمبلی میں اسوقت حق آراضی بل تیار ہو رہا ہے - اس میں جو تاخیر ہو رہی ہے مخالف پارٹی ہی کی وجہ سے ہو رہی ہے - پھر بھی مجھے اُمید ہے کہ یہ بل جلد ہی پاس ہو جائیگا - لیکن آپ لوگوں کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ آپ لوگوں کی امداد ہی کے ذریعہ سے اس بل پر عمل کیا جا سکے گا -

آپ لوگوں کو یہاں سے باہر کے مقامات پر ہونے والے واقعات کی طرف بھی توجہ کرنی چاہئے - اور خاصکر دیسی ریاستوں میں آج کل جو حالات پیدا ہو رہے ہیں اُس کے متعلق غور کرنا چاہئے - اس وقت دیسی ریاستوں کے عوام میں بھی بیداری آگئی ہے اور وہ خود کو آزاد کرنے کی کوشش کر رہے ہیں - لیکن برطانوی سامراج کو انکی یہ تحریک پسند نہیں ہے وہ اسے دبانا چاہتا ہے - دیسی ریاستوں کے عوام میں بیداری پیدا ہونے سے کانگریس کی قوت اور بڑھیگی اسلئے اس بیداری کے باعث ہم

پنڈت جواہر لال نہرو

لوگوں کی سوراج کی لڑائی کے سلسلے میں ایک نئی بات پیدا ہوئی ہے آزادی کی لڑائی۔ ریاستوں میں بڑھ رہی ہے۔ ہمارے کسان بھائیوں پر تشدد ہو رہا ہے ایسی حالت میں ہم لوگ خاموش نہیں رہ سکتے۔ لہذا ممکن ہے کہ ہماری آزادی کی لڑائی ایک نئے جوش کے ساتھ سارے ملک میں چھڑ جائے اور اگر یہ لڑائی شروع ہو تو ہم لوگ اپنی پوری طاقت کے ساتھ لڑیں اور مجھے یہ اُمید ہے کہ اس لڑائی میں ہم لوگوں کی فتح ہوگی۔

ہندو مسلم سوال پر گاندھی جی کے خیالات

مسلم تہذیب، ہندو مسلم اتحاد، سرحد کی پالیسی وغیرہ سے متعلق گاندھی جی نے اپنے ایک مسلمان دوست سے جو خیالات ظاہر کئے ہیں انکی تفصیل ہریجن میں یوں شائع ہوئی ہے۔

سوال۔ کیا آپ مسلمانوں کے لئے اب بھی ویسے ہی اُن کے دوست، انکے باپ اور راہنما ہیں جیسے جنوبی افریقہ میں تھے؟

مہاتما گاندھی

جواب۔ میں جنوبی افریقہ میں کبھی بھی نہ تو انکے اور نہ کسی کے باپ ہونیکا اعزاز حاصل کرسکا لیکن انکا خیر خواہ اور رہنما ضرور رہا ہوں۔ مجھے لوگ وہاں بھائی کہکر پکارتے تھے۔ میں جیسا ۴۴ سال پہلے جنوبی افریقہ میں تھا ٹھیک ویسے ہی یہاں بھی ہوں۔ میں جیسا دوسروں کو مانتا ہوں مسلمانوں کو بھی ویسا ہی مانتا ہوں۔

سوال۔ آپ اسلامی تہذیب کی حفاظت کیا اُسی طرح کرنی چاہتے ہیں جس طرح اپنی ہندو تہذیب کی؟

جواب۔ بیشک میں ایسا ہی چاہتا ہوں۔ ورنہ میں ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ میرا اعتقاد ہے کہ اسلام اور دیگر عالمگیر مذہب ویسے ہی سچے ہیں جیسے میرا اپنا مذہب۔ آج ہندوستان بڑھا ہوا ہے اس لئے کہ اس میں اسلامی اور عیسوی تہذیب بھی آملی ہے۔ آج کا اختلاف وقتی ہے۔

سوال۔ میں صاف کہدینا چاہتا ہوں کہ اکبر کے خواب میں میں اعتقاد نہیں رکھتا۔ اُنھوں نے سبھی مذہبوں کو ملاکر ایک نیا مذہب جاری کرنے کی کوشش کی تھی۔ آپ بھی تو ایسا نہیں چاہتے؟

جواب۔ میں اکبر کا خواب نہیں جانتا۔ میں کسی کو ملانا نہیں چاہتا۔ انسانی سماج میں روشنی لانے کے لئے ہر ایک مذہب نے کوشش کی ہے۔ میں دنیا کے بڑے بڑے مذہبوں کو اُس درخت کی شاخوں کی طرح سمجھتا ہوں جو جڑ ایک ہوتے ہوئے بھی مختلف شکل کی ہوتی ہیں۔

سوال۔ اچھا یہ تو بتائیے کہ ہندوستانی سے آپکی کیا مراد ہے۔ کیا آپ سب کے لئے ایک لغت کی سفارش کرتے ہیں۔

جواب۔ میں آپ کا مطلب سمجھ گیا۔ مولوی عبدالحق صاحب نے ایک لغت تیار کی ہے۔ انھوں نے بنارس کی ہندی لغت سے سبھی اردو الفاظ لئے ہیں۔ اور عثمانیہ لغات سے ہندی الفاظ لئے ہیں۔ میں نے کانگریس سے مولانا کے لغات کے استعمال کی سفارش کی ہے۔ نئے الفاظ کے لئے مولانا آزاد اور راجندر بابو کا ایک بورڈ بنا دیا ہے۔

سوال۔ سرحدی قبیلوں کی کیا حالت ہے؟ آپ جانتے ہیں کہ وہ برطانوی پالیسی کے زیر اثر کچلے جارہے ہیں کیا ہندوستان کے ساتھ انکا تعلق محض علاقہ کے ذریعے طے ہونا چاہئے۔

جواب۔ ضرور! میں ادھر کوشش کر رہا ہوں۔ میں ایک

ایک زمیندار کی مالگذاری باقی رہنے پر اس کی زمینداری کا ایک حصہ بیچ دیا جاتا ہے۔ فالصہ میں ہی نہیں بلکہ ۲۵۰ روپیہ سے زیادہ مالگذاری دینے والے زمیندار کی سیر میں بھی کسانوں کا موروثی حق مل جائے گا کسان کی جتنی پیداوار ہوتی ہے، اس کا روپیہ میں سو۔ تین آنے لگان میں لیا جائیگا یعنی لگان پیداوار کے پانچویں حصے سے زیادہ نہیں لیا جائے گا کسان کو اپنی زمین میں کنواں یا مکان بنانے باغ لگانے کا پورا حق ہوگا۔ بری بیگار، نذرانہ وغیرہ لینا قانوناً جرم ہوگا لگان کی رسید دینا زمیندار کا فرض ہوگا۔ آپ کے حق بڑھانے کی کوشش کی جا رہی ہے لیکن اتنے سے ہی آپ کی ساری تکلیفیں نہیں دور ہو سکتیں آپ کی ضرورتیں اس سے بھی زیادہ ہیں اس کے بعد قرضہ کا قانون بھی بننے جا رہا ہے جس سے کسانوں اور چھوٹے زمینداروں کو کافی فائدہ ہوگا آپ کو اپنے گاؤں میں شرافت سے رہنا چاہئے۔ زمینداروں سے خواہ مخواہ لڑائی نہیں کرنی چاہئے محبت سے مل کر رہنا چاہئے۔ پریم اور عدم تشدد کانگریس کا اصول ہے اسلئے کسی کو بری بات مت کہو۔

آپ کو اپنا فرض ادا کرنا چاہئے۔ آپ کو ادھر کا بقایا لگان دیدینا چاہئے پہلے کا ملتوی شدہ لگان معاف ہی ہو جائے گا۔ آگے جو قانون آرہا ہے اس سے لگان باقی رکھنے سے فائدہ نہیں ہو سکتا آپ کو اپنا فرض تو ایمانداری سے ادا کرنا چاہئے۔

دیہاتوں میں ایک گرام سدھار کا محکمہ کھولا گیا ہے جو صفائی رکھنا، کھیتی کے نئے طریقے، کھیتی کے نئے ذرائع کا استعمال، اچھی کھاد ڈالنا، جانوروں کی نسل کی اصلاح وغیرہ کی باتیں بتاتا ہے۔

ابھی کچھ دن پہلے ہمارے صوبے میں یوم خواندگی منایا گیا جس میں بالغ جاہلوں کی تعلیم پر زور دیا گیا تھا۔ آپ لوگوں کو خود پڑھنا چاہئے اور اپنے بچوں کو بھی پڑھانا چاہئے۔ دیہاتوں میں ہندو اور مسلمانوں کو مل کر رہنا چاہئے۔ ایک ہندو کو ایک مسلمان کی بھلائی کا ایک ہندو سے زیادہ خیال رکھنا چاہئے۔ اسی طرح ایک مسلمان کو اپنے گاؤں کے ہندو کی بھلائی کا مسلمان سے زیادہ خیال رکھنا چاہئے کچھ سرپھرے لوگ غلط فہمی میں پڑ کر آپس میں جھگڑے کی بات پیدا کر دیتے ہیں۔ یہ امیروں کے چوچلے ہیں۔ ایک گائے کی قربانی پر کیوں ہندوؤں میں بے چینی پیدا ہو جاتی ہے۔ کیا ایک گائے کی قیمت دو چار ہندو مسلمانوں سے زیادہ ہے؟ اسی طرح باجے سے مسلمانوں کا کون سا نقصان ہوتا ہے جو وہ چڑھتے ہیں۔ محرم میں تو کافی باجے بجائے جاتے ہیں پھر باجے سے کیوں چڑھ ہے۔ کیا آپ گائے کا دودھ نہیں پیتے یا باجہ نہیں بجاتے ہو پھر کیوں گائے یا باجے کے نام پر جانیں دے ڈالتے ہیں۔ اسلئے بھائی چارے کے ساتھ مل کر رہیئے۔

ہم نے ابھی سوراج نہیں پایا ہے لیکن بہت جلد ہم مکمل آزادی حاصل کرنے جا رہے ہیں جس کے لئے ہمیں تیار ہو جانا چاہئے۔

چوری وغیرہ کے معاملات میں آپ پولیس کی امداد کیجئے۔ اگر ایسے معاملات میں آپ پولیس کی امداد نہیں کریں گے تو پولیس چوروں کو کیونکر سزا دلا سکتی ہے یہ آپ سب کی ذمہ داری ہے۔ رشوت دینا بھی پاپ ہے۔ جو سرکاری ملازم رشوت لیتے ہیں انکی خبر لینے کی میں کوشش کرتا ہوں۔ ساتھ ہی ساتھ میں ان لوگوں کو بھی سزا دلاؤں گا جو رشوت دیتے ہیں۔ ہمیں مکمل آزادی ملنی ہے گاؤں گاؤں میں قومی جھنڈا لہراتا ہے۔ اگر ہم سب مل کر ایک ہو جائیں تو بہت جلد کامیاب ہو سکتے ہیں۔

کستوربا بائی گاندھی راجکوٹ کیوں گئیں؟

مہاتما گاندھی ہریجن میں لکھتے ہیں:-

راجکوٹ کی لڑائی میں میری بیوی کے شریک ہونے کے بارے میں بہت سی باتیں میرے دیکھنے میں آئیں کہ غلط فہمی دور کرنا ضروری ہو گیا ہے۔ مجھے کبھی یہ خیال نہ ہوا تھا کہ وہ لڑائی میں جا کر شامل ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے وہ اتنی بوڑھی ہو گئی ہے کہ معمولی نافرمانی کی لڑائی میں مصیبتیں اس سے برداشت نہیں ہو سکتیں۔ نقادوں کو شاید تعجب ہو لیکن انھیں میری اس بات پر ضرور یقین کرنا چاہئے کہ حالانکہ وہ بیچاری پڑھی لکھی نہیں ہے

لیکن جو وہ کرنا چاہتی ہے اُسکے لئے وہ بالکل آزاد ہے اور برسوں سے رہی ہے جب اُس نے جنوبی افریقہ یا ہندوستان کی آزادی کی لڑائی میں حصّہ لیا تو ایسا اُس نے اپنی دلی خواہش ہی سے کیا تھا اور راجکوٹ کی لڑائی میں بھی یہی بات تھی۔ جب اس نے منی بین کی گرفتاری کا سُنا تو وہ خود کو قابو میں نہ رکھ سکی اور مجھ سے بولی کہ "مجھے آپ راجکوٹ جانے دیں" میں نے کہا۔ تم بہت زیادہ کمزور ہو۔ دہلی میں ابھی ابھی تم غسلخانے میں بیہوش ہوگئی تھیں اور دیوداس نے چٹخنی میں زور کا دھکا مار کر دروازہ نہ کھول دیا ہوتا تو وہیں تمھاری موت ہو جاتی۔ اس کے بعد میں نے اُسے سردار سے صلاح لینے کے لئے کہا۔ انھوں نے ایک نہیں سُنی لیکن اس بار انھیں جھکنا ہی پڑا ریزیڈنٹ کے اکسانے سے ٹھاکر صاحب کے ذریعہ وعدہ خلافی سے مجھے جو صدمہ ہوا اُسے اُنھوں نے محسوس کیا ناظرین کو یہ جاننا چاہیئے کہ راجکوٹ کے ساتھ میرا آبائی تعلق ہے۔ اور موجودہ ٹھاکر صاحب کے والد کے ساتھ تو ذاتی طور سے میرے بہت گہرے تعلقات تھے۔ کستورا بائی راجکوٹ کی لڑکی ہیں۔ اُسے یہ ذاتی بلاوا سا معلوم ہوا۔ راجکوٹ کی دوسری لڑکیاں وہاں کی رعایا کی آزادی کی لڑائی میں تکلیف اُٹھائیں اور وہ چپ چاپ بیٹھی رہے۔ یہ اس سے برداشت نہ ہو سکا۔ ہندوستان کے نقشے میں اس میں شبہ نہیں کہ راجکوٹ کوئی اہم جگہ نہیں ہے لیکن میرے اور میری بیوی کے لئے وہ اہم جگہ ہے۔ اسکی پیدائش گو کہ پوربندر میں ہوئی تھی لیکن تربیت راجکوٹ ہی میں ہوئی اور پھر

شریمتی کستورا بائی گاندھی

جو لڑائی اہنسا کی ہو رہی ہو اور جس میں اتنے معتبر ساتھی کارکنوں نے حصّہ لیا ہو اس سے کستورا بائی میں کوئی تعلق نہ رکھوں یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ جنگ آزادی میں راجکوٹ کی فتح ایک اگلی تمہید ہوگی۔ اور جب یہ لڑائی کامیابی کے ساتھ ختم ہوگی جلد یا بدیر وہ کامیاب ضرور ہوگی، تو میں اُمید کرتا ہوں کہ کستوربا کا حصّہ لینا اس جنگ آزادی میں ایک حقیر نذر مانا جائیگا۔ ستیہ گرہ کی لڑائی ایک ایسی لڑائی ہے جس میں اگر دل مضبوط ہو تو ضعیف سے ضعیف اور کمزور سے کمزور شخص بھی حصّہ لے سکتا ہے۔

چترویدی جی کی چٹھی سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کتب خانوں کے لئے کتابوں کا انتخاب ایک کمیٹی نے کیا۔ یہ کتابوں کے لئے چترویدی جی نے پبلشروں کے پاس آرڈر بھیج دیئے ہیں یہ کتابیں جلد ہی مجلد ہوکر کتب خانوں میں بھیج دی جائیں گی۔ چترویدی جی نے یہ بھی صلاح دی ہے کہ یہ کتب خانے بلا کرائے کی عمارتوں میں کھولے جائیں۔ جہاں پنچایت گھر بنے ہیں وہاں یہ پنچایت گھروں میں کھولے جائیں گے۔ اور کتابیں آرگنائزر کی نگرانی میں رہیں گی۔ جو لوگ اس کتب خانے سے کتابیں پڑھنے کے لئے لیں گے انھیں کچھ دینا نہیں پڑیگا۔ وہ کتب خانے کے ناظم کے پاس صرف ۴ آنے جمع کر دیں گے اور جب کتاب لینا بند کر دیں گے تو وہ اپنے چار آنے واپس لے سکیں گے۔ یہ رقم ڈاکخانوں میں جمع رہے گی اور اسے ضلع کے گرام سدھار انسپکٹر نکال سکیں گے۔

اگر کتابیں خراب ہوں گی یا گم ہوں گی تو لینے والوں کو ان کی قیمت دینی ہوگی اور اس حالت میں ان کی جمع شدہ رقم ضبط ہو جائیگی۔ اس کتب خانے کے لئے الماریاں اور ڈیسکیں وغیرہ بریلی کے گاؤں میں بنیں گی۔ ایک الماری تقریباً ۸ روپئے اور ایک ڈیسک میں تقریباً ۳ روپئے چار آنے صرف ہوں گے۔ لکڑی مضبوط شیشم کی ہوگی یہ سب سامان بریلی گرام سدھار سنٹر میں تیار ہوں گے۔ وہاں سے یہ سب سامان بنوانے کی غرض یہ ہے کہ وہاں کے گاؤں والوں کا اس کام کے لئے ... بڑھے۔ جہاں جہاں یہ کتب خانے کھولے گئے ہیں وہاں کے کارکنوں کو اس کے لئے گورنمنٹ سنٹرل ووڈ ورکنگ انسٹی ٹیوٹ بریلی" کے پاس آرڈر بھیجنا چاہئے۔ ضلع کماؤں میں جہاں مقامی کارپنٹری اسکول ہیں یہ فرنیچر وہیں تیار کئے جاسکتے ہیں۔

کتابوں کا انتخاب کسانوں کے فائدہ کو پیش نظر رکھکر کیا گیا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ جن مرکزوں میں کتب خانے کھلے ہیں وہاں کے کسان بھائی ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے۔

مہاراجہ بڑودہ کا انتقال

افسوس کہ گذشتہ ۶ رفروری کو مہاراجہ بڑودہ سیاجی راؤ گائیکواڑ کا انتقال ہوگیا۔ آپ اپنی صحت درست کرنے کے لئے یورپ گئے ہوئے تھے۔ لیکن جب صحت کچھ بھی درست نہ ہوئی تو وطن لوٹ آئے اُس وقت سے برابر بیمار تھے۔

ایسے وقت میں جبکہ دیسی ریاستوں کے راجہ اور پرجا میں مقابلہ بڑھ رہا ہے مہاراجہ بڑودہ کو ابھی اور بھی زندہ رہنے کی ضرورت تھی۔ ہندوستانی ریاستوں میں وہی سب سے پہلے والئی ریاست ہیں جنھوں نے اپنی ریاست میں مفت

آنجہانی مہاراجہ بڑودہ

اور جبریہ تعلیم جاری کی تھی۔ اس وقت آپ کی کوششوں سے بڑودہ میں تقریباً ۲۵۰۰ اسکول کھلے ہوئے ہیں۔ یعنی ہر تین مربع میل پر ایک اسکول ہے۔ اپنی حکومت میں آپنے وزارت اسمبلی میونسپل کونسل اور چھوٹے چھوٹے گاؤں تک میں ایک گاؤں کی پنچایت قائم کی۔ یعنی رعایا کی طرف سے کسی تحریک کے پہلے ہی انھوں نے

رعایا کی بھلائی کیلئے یہ سب کام کئے۔ اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کتنے دور اندیش تھے۔ ہمیں اُمید ہے کہ دیگر والیان ریاست بھی مہاراجہ بڑودہ کی تقلید کریں گے اور ریاستوں میں مناسب اصلاح کر کے اور رعایا کے جائز مطالبات منظور کر کے اپنی ریاستوں کو عظیم مصیبتوں سے بچالیں گے۔

کسان کی نظر میں ایک اہم فیصلہ

الہ آباد ہائی کورٹ میں ضلع میرٹھ سے تعلق رکھنے والے مقدمہ کا حال ہی میں فیصلہ ہوا ہے۔ جو کسانوں کی نظر میں بہت اہم کہا جاتا ہے۔ معاملہ یہ تھا کہ وہاں کرتار سنگھ نامی ایک شخص ایکھ تولنے کا کام کرتا تھا اور پرس رام نامی دوسرا شخص اس تول کے مطابق رقم چکتی کرتا تھا۔ ۱۲ر مارچ ۱۹۳۸ء کو ایکھ کی کئی گاڑیاں وہاں آئیں اس وقت یہ معلوم ہوا کہ ترازو میں شیشے کا ایک ٹکڑا ڈال کر کرتار سنگھ فی گاڑی ڈیڑھ من ایکھ زیادہ مار لیا کرتا تھا۔ کرتار سنگھ اور اس کے ساتھی پر اس طرح کسانوں کے ٹھگنے کا معاملہ چلایا گیا۔ اپنی کوشش سے دونوں ملزم سیشن جج کی عدالت سے چھوٹ گئے لیکن ہائی کورٹ میں جب اس کی اپیل کی گئی تو دونوں ملزموں کو ننانوے۔ ننانوے روپئے جرمانہ اور ایک ایک ماہ کی سخت قید ہوئی ہے۔ ہائی کورٹ کے اس فیصلے سے ضلع میرٹھ کے ایکھ بیچنے والے کسانوں کو آسانی ہوگی اس میں شبہ نہیں۔ بہت ممکن ہے کہ کسانوں سے ایکھ یا اور قسم کے غلے خریدنے والے لوگ اور جگہوں میں بھی انھیں اسی طرح ٹھگتے ہوں۔ کسانوں کو چاہئے کہ وہ میرٹھ والے اس فیصلے سے فائدہ اٹھائیں۔ ایسے ٹھگوں پر نظر رکھیں اور جہاں انھیں دیکھیں وہاں انھیں گرفتار کرانے کی کوشش کریں۔

کانپور کا فساد

گذشتہ ۷ر فروری کو کانپور میں خوفناک ہندو مسلم فساد ہو گیا ایک ہندو کی بارات نکل رہی تھی جب بارات بانس منڈی کی ایک مسجد کے پاس پہنچی تو مسلمانوں نے باجہ روکنے کو کہا اور یہ مطالبہ پیش کیا کہ نماز کے وقت ہی نہیں بلکہ ہر وقت اس مسجد کے سامنے باجہ بند ہونا چاہئے ہندو بارات والے اس بات پر [illegible] ہوئے اور انھوں نے باجہ بجاتے ہوئے بارات لیجانے کی [illegible] نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں فساد ہو گیا [illegible] دونوں ہی طرف کے کتنے ہی آدمی زخمی ہوئے اور بہت [illegible] مال واسباب لٹ گیا۔

مسلمانوں کے اس مطالبہ پر کہ اس مسجد کے سامنے کبھی باجا بجا ہی نہیں مجسٹریٹ نے ان سے اس کا ثبوت مانگا اور ان کو اسکے لئے دو دن کا موقع دیا۔ بارات وہیں پر رکی رہی آخیر میں مجسٹریٹ نے یہ فیصلہ کیا کہ جب مسلمانوں کے پاس اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ اس مسجد کے سامنے کبھی باجہ نہیں بجایا گیا تو یہ بارات باجے کے ساتھ نکلے گی اور وہ امن قائم رکھنے میں سختی سے پیش آئینگے اسی درمیان میں ایک دوسرے محلے میں ایک بارات پر باجے کا سوال لیکر حملہ ہوا اور شہر کے ایک بڑے حصے میں پھیل گیا کتنے ہی گھر جلائے گئے اور کتنی ہی عورتوں اور بچوں پر حملہ ہوا۔ تقریباً ۵۰ شخص اس فساد میں اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ اور تقریباً ۲۵۰ شخص زخمی ہوئے کتنے ہی لوگ شہر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ یہ فساد ۷ر فروری کو شروع ہوا تھا اور اگرچہ اس وقت کانپور میں کافی امن ہے پھر بھی ہندو مسلمان ایک دوسرے کو مشکوک نظروں سے دیکھ رہے ہیں اور اگر انتظام میں ذرا سی بھی غفلت ہوئی تو کسی بھی وقت فساد ہو سکتا ہے۔

آج سے تقریباً آٹھ سال قبل کانپور میں اسی طرح کا ایک خوفناک فساد ہو چکا ہے جس کو فرو کرنے میں کانپور کے مشہور لیڈر شری گنیش شنکر ودیارتھی کو اپنی جان قربان کرنی پڑی تھی۔ افسوس تو ہمیں اس بات کا ہے کہ اتنی بڑی قربانی کے بعد بھی کانپور کے ہندو مسلمانوں کا جذبۂ خونخواری ٹھنڈا نہ ہوا اور وہ اب بھی ذرا ذرا سی بات پر ایک دوسرے کی جان لینے اور گھر پھونکنے کو تیار ہیں۔

رپورٹوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فساد میں زیادہ تر غریب اور بیقصور لوگوں کی جانیں گئی ہیں اور گھر کے اندر بند

عورتوں اور بچوں کے اوپر حملے ہوتے ہیں۔ ہندوؤں نے ان دانوں پر حملے کئے ہیں جو ان کے محلوں میں تھے اور کم تعداد میں تھے اور مسلمانوں نے ان ہندوؤں پر حملے کئے جو ان کے علاقوں میں آباد تھے اور کم تعداد میں تھے۔ یہ کہنے میں ہمیں ذرا بھی لحاظ نہیں ہے کہ اس طرح کے حملے بہادرانہ نہیں ہیں اور جو ہندو یا مسلمان اس قسم کے حملے کرتے ہیں وہ اپنے مذہب کے سچے خادم نہیں ہیں بلکہ اُسے نقصان پہنچاتے ہیں ہندو مہا سبھا اور مسلم لیگ کے خود غرض لیڈر جو اس فسادی آگ سلگاتے ہیں وہ ایسے فسادوں سے خوش ہو سکتے ہیں لیکن اس قسم کے فساد کر کر وہ ہمیشہ اس طرح عزت نہیں حاصل کر سکتے۔ اب وقت آ رہا ہے جب کہ عوام یہ محسوس کریں گے کہ اس قسم کے فساد فضول ہیں۔ دو پڑوسی جنھیں ساتھ رہنا ہے اور جن کی قسمت ایک ہی ہے آپس میں لڑ کر کبھی خوش نہیں رہ سکتے اور وہ وقت قریب ہے جب ہندوستانی ہندو اور مسلمان مانیں گے کہ ملکر رہنے میں ہی بھلائی ہے۔

اس موقع پر ہم صوبے کے وزیر اعظم پنڈت گووند بلبھ پنت کانپور کے مجسٹریٹ اور سپرنٹنڈنٹ پولیس کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتے کیونکہ یہ انھیں کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ یہ فساد کانپور کے گذشتہ فساد کی صورت نہ اختیار کر سکا۔ کانپور کے کانگریس مینوں اور ان ہندو و مسلمانوں کی بھی ہم تعریف کریں گے جنھوں نے اس موقع پر ضبط سے کام لیا اور امن قائم کرنے میں حکام کی جی جان سے مدد کی۔ ہمیں اُمید ہے کہ آئندہ حکام اور کانپور کے امن پسند ہندو اور مسلمان ایسا انتظام کریں گے کہ اس شہر میں ایسا فساد ہمیشہ کے لئے ناممکن ہو جائے گا۔

امداد باہمی کمیٹیوں کے ذریعہ گاؤں کا سُدھار

گذشتہ ۱۸ فروری کو لکھنؤ میں یو پی کوآپریٹو کانفرنس ہوئی تھی جس میں محترم ڈاکٹر کیلاش ناتھ کاٹجو نے ایک اہم تقریر کی آپ نے کہا ہر ایک گاؤں میں زندگی سدھار سبھا اور دوسری امدادی کمیٹیاں قائم کرنے پر زور دینا اور بتایا کہ ہر گاؤں میں صفائی ڈاکٹری امداد، صاف پانی، سڑکوں اور تعلیمی آسانیوں کی کمی ہے۔ دیہاتوں میں امدادی کمیٹیاں قائم ہونے پر یہ تکلیفیں دور ہو سکتی ہیں۔

ڈاکٹر کیلاش ناتھ کاٹجو

ڈاکٹر صاحب صوبے بھر میں امدادی کمیٹیاں کھولکر گاؤں والوں کی زندگی منظم کر دینا چاہتے ہیں آپ کا خیال ہے کہ یہ کمیٹیاں گاؤں والوں کو اپنے پیروں پر کھڑے ہونے اور گاؤں میں صفائی کی تعلیم دیں گی۔ آپکی تقریر کا خلاصہ یہ ہے ہر گاؤں میں کھیتی اور گھریلو صنعت وحرفت میں اصلاح کرنیکے لئے گاؤں والوں کی ایک امدادی کمیٹی بنائی جائیگی جو گاؤں کے سارے مسئلوں کو ہاتھ میں لیگی اور انھیں حل کرنے کیلئے کئی کمیٹیاں مقرر کریگی۔ امدادی کمیٹی کے سبھی بالغ ممبر ہونگے۔ اگر سبھی بالغ نہ رہ سکیں گے تو کم از کم ایک گاؤں کے سبھی خاندان رہینگے کمیٹی اپنا فنڈ رکھے گی سبھی کارروائیوں کی نگرانی گاؤں والوں کے ہاتھ میں رہے گی۔

کمیٹی کی طرف سے سدھارے ہوئے بیج اور اوزار دینے کا انتظام ہوگا۔ اس کے پاس تھی یا پاس والے گاؤں کے ساجھے میں ایک بیج گودام ہوگا۔ اسکے پاس قرضہ سوسائٹی بھی ہوگی جس کے ممبر اس بات کی نگرانی رکھیں گے کہ قرضہ سوسائٹی سے لیا جانے والا قرض ٹھیک کام میں صرف کیا جا رہا ہے یا نہیں؟ امدادی کمیٹی پیداوار کو اچھی طرح فروخت کرنے اصلاح شدہ طریقوں پر گڑھ اور چینی بنانے ڈیری کی چیزوں کو مناسب دام پر فروخت کرنے اور گاؤں کی گھریلو صنعت و حرفت میں مدد دینگی۔ اس کمیٹی کے ممبر عمدہ نسل کے مویشی پیدا کرنے پر زور دیں گے۔ ہر گاؤں کے باشندے مل کر پنچایت گھر بنائیں گے۔ ان پنچایت گھروں میں امدادی کمیٹیوں کی ہر ماہ نشست ہوا کریگی اور پنچایت بھی انھیں پنچایت گھروں میں ہوا کریگی۔ گاؤں کی عورتوں کے لئے ہر گاؤں میں زنانہ مدرسے ہونگے۔ بالغوں کے لئے شبینہ مدرسے ہونگے۔ پنچایت گھر منڈی کا کام بھی کریگا جہاں گاؤں والے اپنی چیزیں فروخت کر سکیں گے یا تبادلہ کر سکیں گے۔ پنچایت گھر کے احاطے میں ایک کنواں، ایک پھلواری، ایک اکھاڑا اور ایک کسرت گاہ رہیگی۔ اس میں معمولی مرضوں کے لئے دوا تقسیم کرنے کا انتظام بھی رہیگا۔ ۲۰ تیس گاؤں کی امدادی کمیٹیاں مل کر ایک یونین بنائیں گی اور اس طرح ہر ضلع کی سبھی یونینیں مل کر ڈسٹرکٹ فیڈریشن آف یونینس قائم کریں گی۔ دیہاتیوں کی کمیٹیوں کو مدد دینے کے لئے کوآپریٹو بینک بھی قائم ہونگے۔

ہمیں اُمید ہے کہ ہمارے کسان بھائی ڈاکٹر کنجو کی ان باتوں پر توجہ کریں گے اور اپنے فائدہ کے اس کام میں پورے قابل بنیں گے۔

گاؤں میں دوا کا انتظام

ہمارے دیہاتوں میں دوا کا انتظام قریب نہیں کے برابر ہے۔ زیادہ تر لوگ ڈاکٹروں کی امداد کے بغیر بہت تکلیف اُٹھاتے ہیں اور کبھی کبھی جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ حکومت کی توجہ اس طرف رہی ہے پھر بھی جیسا چاہیئے ویسا انتظام اب تک نہیں ہوا۔ خوشی کی بات ہے کہ کانگریسی حکومت نے اس طرف خاص طور سے توجہ دینی شروع کی ہے۔ ہل کے کسی گذشتہ نمبر میں ہم صوبائی حکومت کی ڈاکٹری امداد کی اسکیم شائع کر چکے ہیں اس سے قارئین کو یہ معلوم ہوا ہوگا کہ محکمۂ گرام سدھار کی طرف سے گاؤں میں دوا خانے کھولنے کا انتظام اس طرح ہو رہا ہے کہ ہر گاؤں کے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ پانچ میل چلنے پر ڈاکٹری امداد حاصل ہو سکے۔ اس کام میں ڈاکٹروں کے علاوہ ویدوں اور حکیموں سے بھی امداد لیجائیگی اور گشتی دوا خانے کھولنے کا بھی انتظام ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ سارے صوبے کے خاص خاص مقامات پر دوا کے بکس رکھے جائیں گے جس سے گاؤں والوں کو ضرورت پر ڈاکٹری امداد مل سکے۔ یہ بکس آبادی کے حساب سے نہیں بلکہ لوگوں کی ضرورت کے لحاظ سے رکھے جائیں گے۔ نیچے ہم سب ضلعوں میں کتنے بکس رکھے گئے اور کتنے اور رکھے جانے والے ہیں اس کی فہرست شائع کرتے ہیں:-

دوا کے بکسوں کی تعداد

نام ضلع	بکس جو تقسیم کئے گئے	بکس جو تقسیم کئے جائینگے
۱- دہرہ دون	۷۲	..
۲- سہارنپور	۵۹	۲۱
۳- مظفر نگر	۱۳۵	...
۴- میرٹھ	۶۰	۲۰
۵- بلند شہر	۷۲	۵
۶- علیگڑھ	۷۲	۸
۷- متھرا	۷۲	۸
۸- آگرہ	۷۲	۸
۹- مین پوری	۷۲	۸
۱۰- ایٹہ	۷۲	۸
۱۱- بریلی	۶۲	۲۰
۱۲- بجنور	۷۲	۸
۱۳- بدایوں	۷۲	۸
۱۴- مرادآباد	۷۲	۸
۱۵- شاہجہانپور	۵۴	۱۶
۱۶- پیلی بھیت	۷۲	۸
۱۷- فرخ آباد	۷۲	۸
۱۸- اٹاوہ	۷۲	۸
۱۹- کانپور	۷۲	۸

۲۰ - فتح پور	۶۲	۸
۲۱ - الہ آباد	۸۶	۱۴
۲۲ - جھانسی	۶۲	۱۰
۲۳ - جالون	۶۲	۸
۲۴ - حمیر پور	۶۲	۸
۲۵ - باندہ	۶۲	۸
۲۶ - بنارس	۶۲	۸
۲۷ - مرزاپور	۶۲	۸
۲۸ - جونپور	۶۲	۸
۲۹ - غازیپور	۶۲	۱۸
۳۰ - بلیا	۶۲	۸
۳۱ - گورکھپور	۶۳	۴۷
۳۲ - بستی	۶۲	۳۰
۳۳ - اعظم گڑھ	۴۱	۲۵
۳۴ - لکھنؤ	۶۲	۸
۳۵ - اُناؤ	۶۲	۸
۳۶ - رائے بریلی	۶۲	۸
۳۷ - سیتاپور	۵۰	۳۰
۳۸ - ہردوئی	۶۲	۸
۳۹ - کھیری	۶۱	۹
۴۰ - فیض آباد	۵۶	۱۱
۴۱ - گونڈہ	۶۲	۱۸
۴۲ - بہرائچ	۶۲	۱۸
۴۳ - سلطانپور	۶۲	۸
۴۴ - پرتاپگڑھ	۶۰	۸
۴۵ - بارہ بنکی	۶۲	۸
۴۶ - المورہ	.	۷۰
۴۷ - نینی تال	...	۷۰
۴۸ - گڑھوال	...	[illegible]
	۳۱۳۱	۷۹۰

ہمیں امید ہے کہ ہمارے ہندوستانی کسان بھائی دوست ان ٹکسوں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے۔

صدر کانگریس کا انتخاب اور اسکے بعد

قومیت کو شروع ہوئے... اس سال کانگریس کا سالانہ اجلاس جو تری پوری میں ہونے والا ہے اور اس کے صدر بابو سبھاش چندر بوس پھر سے منتخب ہوئے ہیں۔ ایک ہی شخص کے دو بار منتخب ہونے کا یہ پہلا موقع نہیں ہے۔ اس سے پہلے پنڈت جواہرلال نہرو بھی کانگریس کے لگاتار دو سال صدر رہ چکے ہیں۔ لیکن اُن کے انتخاب میں کانگریس کے سبھی طبقوں میں اتفاق تھا۔ اور بابو سبھاش چندر بوس کے انتخاب میں ان سب طبقوں میں اتفاق نہیں تھا۔ اتنا ہی نہیں خود مہاتما گاندھی اور ورکنگ کمیٹی کے ۱۲ ممبر بھی یہ نہیں چاہتے تھے کہ سبھاش بابو پھر سے صدر منتخب ہوں۔ ان لوگوں نے سبھاش بابو سے یہ درخواست کی تھی کہ وہ صدارت کے لئے نہ کھڑے ہوں اور اس سال ڈاکٹر پٹابھی سیتا رمیّہ کو ہمیشہ کی طرح بلامقابلہ صدر ہونے دیں۔ سبھاش بابو نے اس سے اپنا اصولی اختلاف ظاہر کیا اور اس درخواست کی پروا نہیں کی۔ انھوں نے انتخاب کی لڑائی

سبھاش چندر بوس

لڑی اور اس میں وہ کامیاب ہوئے۔ اس پر مہاتما گاندھی نے اخباروں میں ایک طویل بیان شائع کرایا اور اسے اپنی شکست سمجھا۔ گاندھی جی نے فرمایا کہ اس انتخاب کے یہ معنی ہیں کہ ملک کو میرے اصولوں اور طریقوں پر اعتبار نہیں ہے۔ اس لئے ان لوگوں کو جو مجھ پر اعتبار کرتے ہیں یہ کہنا مناسب ہے کہ وہ سبھاش بابو کو یہ موقع دیں کہ وہ اپنی حسب پسند ورکنگ کمیٹی بنائیں اور اپنی مرضی سے کام کریں۔ چنانچہ کانگریس ورکنگ کمیٹی

کے بارہ ممبروں نے استعفیٰ دیدیا ہے اور اب کانگریس میں پھوٹ کے آثار صاف نظر آ رہے ہیں۔ حالانکہ کہا یہ جا رہا ہے کہ گاندھی جی کی پارٹی تعمیری کاموں میں لگ جائیگی یا ریاستی تحریک میں پڑ جائیگی اور کوئی بھی کام نہ کریگی جس سے کانگریس کمزور پڑے پھر بھی یہ ظاہر ہے کہ ان تجربہ کار رہنماؤں کی امداد اور گاندھی جی کے مشورے کے بغیر سبھاش بابو کو کانگریس کے کاموں کو انجام دینا اگر محال نہیں تو مشکل ضرور ہوگا۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے بھی استعفیٰ دیدیا ہے اور نئی ورکنگ کمیٹی میں وہ بھی نہیں رہیں گے۔ ادھر سبھاش بابو کی صحت اتنی خراب ہے کہ واردھا میں جو ورکنگ کمیٹی کا اجلاس بلایا گیا تھا اس میں بھی وہ حصہ لینے کے لئے نہیں پہنچ سکے۔ ایسے وقت میں جب کہ نصف سے زیادہ صوبوں میں کانگریسی حکومتیں قائم ہیں۔ ریاستی معاملات میں کانگریس دست اندازہو رہی ہے اور دنیا کے اہم حالات کا ہندوستان پر بھی اثر پڑ رہا ہے۔ کانگریس میں اس قسم کی حالت پیدا ہونا افسوسناک ہے۔ مہاتما گاندھی نے کئی بار ملک کو گرتے گرتے بچایا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اس بار بھی وہ ایسا کوئی راستہ ڈھونڈھ نکالیں گے جو کانگریس کو کمزور ہونے سے بچا سکے گا اور ملک کے لئے مفید ہوگا۔

برہج کا دیہاتی صنعتی میلہ

گورکھپور کے قومی کارکن بابا راگھوداس جی کی کوشش سے گزشتہ دو سال سے برہج میں دیہاتی صنعتی میلا ہوتا آرہا ہے۔ اس میلے میں چکّی، ڈھینکی، کولھو چلانا، گڑ بنانا، روئی دھننا، سوت کاتنا، کپڑے بنانا وغیرہ دکھلایا جاتا ہے، جڑی بوٹی کی نمائش، بیجوں کی نمائش، اور زراعت سے متعلق نمائشیں کی جاتی ہیں اور مویشیوں کا بازار لگایا جاتا ہے۔ گاؤں والوں کو رہنے کے لئے اچھے نمونے وغیرہ بھی دکھائے جاتے ہیں۔ اس سال بھی یہ میلہ

۴ نومبر سے ۳۰ نومبر تک ہوا۔ ہمارے ملک میں دیہاتوں میں ہر موسم میں اکثر سبھی جگہ میلے ہوتے رہتے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو ان میلوں کو دیہات میں پرچار کرنیکا اچھا ذریعہ بنا سکتے ہیں۔

ان میلوں میں اچھی نسل کے گائے بیل، اچھے مکانوں کے نمونے، چرخہ، دھنائی، کتائی، بنائی، ڈھینکی، کولھو وغیرہ کی نمائش کرکے گاؤں والوں کو کچھ باتیں بتا سکتے ہیں۔ اس سال بابا راگھوداس نے برہج کے میلے میں آلھا، برہا، دیسی کھیل اور کُشتی وغیرہ کا بھی انتظام کیا تھا۔ ان طریقوں سے میلوں کو بہت مفید اور دلچسپ بنایا جا سکتا ہے۔

ہمیں اُمید ہے کہ دیہاتوں کے کارکن اس طرف بھی دھیان دیں گے اور دیہاتوں کے میلوں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھانے کی کوشش کریں گے۔

گرام سیوک سنگھ

صوبہ متحدہ میں اس وقت تقریباً ۱۰۰۰ آرگنائزر محکمۂ گرام سدھار کی طرف سے مختلف ضلعوں میں کام کر رہے ہیں۔ ان سب آرگنائزروں کو ایک سلسلے میں منسلک کرنیکے لئے صوبائی گرام سیوک سنگھ (فیڈریشن) قائم ہوا ہے۔ اس سنگھ کا اجلاس اجودھیا (فیض آباد) میں گزشتہ ۳۱ دسمبر کو ہو چکا ہے۔ اسکی ممبری کا چندہ ایک روپیہ سالانہ رکھا گیا ہے۔ صوبے کے سارے گرام سیوکوں کی ایک کانفرنس جلد ہی آچاریہ نریندر دیو کی صدارت میں ہونیوالی ہے۔ جو گرام سیوک ابھی سنگھ کے ممبر نہیں ہوئے ہیں اُنھیں چاہئے کہ وہ اپنے ضلع میں گرام سیوک سنگھ بنا کر اس کے ممبر بن جائیں۔ یہی ممبر صوبائی گرام سیوک سنگھ کے بھی ممبر سمجھے جائیں گے۔ اس کے متعلق زیادہ واقفیت کے لئے سنگھ کے جنرل سکریٹری شری سورج پرشاد ترویدی، وشارد، صوبائی گرام سیوک سنگھ مسواسی اُناؤ سے خط و کتابت کرنا چاہئے۔

اُردو مطبوعات انڈین پریس لمیٹڈ - الہ آباد

ضروری ہدایات (۱) صاحب فرمائش کو اپنا نام اور پتہ خوش خط اور مفصل لکھنا چاہئے (۲) جو کتابیں کسی فرمائش کی بنا پر روانہ ہوں گی وہ کسی صورت میں واپس نہ ہو سکیں گی (۳) بعض کتابیں بہت کم تعداد میں باقی رہ گئی ہیں۔ اسلئے اگر فرمائش میں دیر کی گئی اور وہ کتابیں ختم ہو گئیں تو انکا مہیا کرنا مشکل ہوگا۔ (۴) کتابیں منگا کر اُن کو بلا انکار واپس کر دینا ایک قسم کا دھوکا دہی کا جرم ہے۔ اگر کسی وجہ سے مجبوراً ایسا کرنا پڑے تو صرف روانگی بھیجدیا چاہئے۔ (۵) چھوٹی قیمت کی فرمائشوں کی تعمیل کرتے ہیں، ہمیں کچھ عذر نہیں مگر مناسب یہ ہے کہ اگر فرمائش ایک روپیہ سے کم کی ہو تو قیمت نقد بھیجدیجائے (۶) اگر آٹھ روز تک آپ کی فرمائش کا جواب نہ ملے تو خیال کر لینا چاہئے کہ ہمیں آپ کا آرڈر نہیں ملا۔ (۷) صرف روانگی (پیکنگ و محصول ڈاک وغیرہ) ذمہ خریداران ہوگا (۸) جملہ فرمائشات پتہ ذیل پر روانہ کی جائیں

منیجر صاحب بکڈپو انڈین پریس لمیٹڈ - الہ آباد

روح انیس مرحوم

فردوسی ہند میر انیس اعلی اللہ مقامہ کے [illegible] سلاموں اور رباعیوں کا مجموعہ۔ ملک کو سید مسعود حسن صاحب رضوی ادیب ایم اے صدر شعبۂ فارسی و اردو لکھنؤ یونیورسٹی کا شکرگزار ہونا چاہئے کہ انھوں نے متعدد قلمی نسخوں کے مقابلہ کے بعد اس مجموعہ کو مرتب فرمایا ہے۔ شروع میں ۲۰ صفحہ کا مقدمہ ہے جس میں میر انیس مرحوم کے حالات زندگی اور کلام پر مختصر تبصرہ کے علاوہ حضرت امام حسین علیہ الصلاۃ والسلام کی شہادت کا مختصر بیان، مرثیہ اور اخلاص مرثیہ کے تحت میں نہایت ضروری اور قابل قدر معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں۔ آخر میں ۸ صفحات میں ضروری فرہنگ اور توضیحی حواشی ہیں۔ کتاب کا یہ حصہ اور بھی زیادہ ضروری ہے۔ شروع میں میر انیس مرحوم کی سہ رنگی تصویر ہے علاوہ ازیں جناب انیس مرحوم کی تحریر، مکان، مدفن اور ایک مجلس کی تصویر دی گئی ہے۔ جلد پر کربلائے معلی کا سنہرا نقشہ ہے۔ دیدہ زیب طباعت، خوبصورت جلد ۴۰۳ صفحات تقطیع کلاں۔ قیمت تین روپئے۔

جذبات بسمل

منشی [illegible] دیو پرشاد صاحب سنہا بسمل (الہ آبادی) کا مجموعہ کلام ہے۔ کتاب کا نام جذبات بسمل بہت موزوں ہے کیونکہ جذبات ہی مصنف کے کلام کا بہترین امتیاز ہیں۔ زبان کی سادگی اور سلاست اُن کے کلام کی دوسری خصوصیت ہے اور کیوں نہ ہو، فن شاعری میں آپ ناخدائے سخن حضرت نوح ناروی مدظلہ کے شاگرد ہیں جو فصیح الملک حضرت داغ دہلوی مرحوم کے بلند پایہ تلامذہ میں ہیں۔

جناب بسمل زمانہ حال کے مقبول شعرا میں شمار کئے جاتے ہیں۔ زبان کی سادگی کی وجہ سے اُن کا کلام بہت پسند کیا جاتا ہے۔ [illegible] اردو رسالے چھپتے ہیں [illegible] بسمل صاحب کا کلام [illegible] عبد القادر [illegible] مقدمہ تحریر فرمایا ہے [illegible] "جذبات بسمل" مزین ہے جس میں زیادہ سہ رنگی تصاویر ہیں [illegible] ہندوستانی فن تصویر کا بہترین نمونہ ہیں۔ لکھائی چھپائی کے متعلق صرف اتنا بتا دینا کافی ہے کہ اتنی نفاست و خوشنمائی سے کوئی کتاب اُردو زبان کی آج تک شائع نہیں ہوئی۔ کوئی کتب خانہ اس کتاب سے خالی نہ ہونا چاہئے۔ قیمت ساڑھے چار روپیہ۔

پیام نوح

[illegible]

از آنریبل سر شاہ محمد سلیمان صاحب ایم ۔ اے ایل ایل ۔ ڈی
چیف جسٹس الہ آباد ہائی کورٹ و "مقدمہ" از میاں بشیر احمد صاحب
بی ۔ اے (آکسن) بیرسٹر ایڈیٹر رسالہ "ہمایوں" لاہور۔

میرے خیال میں ظاہری صورت اور باطنی خوبیوں کے لحاظ سے یہ مجموعہ اس قابل ہے کہ اُسے زبان اُردو کی بہترین اور پائدار تصنیفات کے ساتھ جگہ دی جائے اس ظاہری و معنوی محاسن پر میں لایق شاعر کو ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں۔ اور اُمید کرتا ہوں کہ پبلک انھیں وہ داد دے گی جس کے وہ مستحق ہیں"۔ (میاں بشیر احمد بی ۔ اے (آکسن) بیرسٹر، ایڈیٹر "ہمایوں" لاہور۔)

"افسر کا نام اور کلام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ اُن کی شہرت خود ان کی مقبولیت کا ثبوت ہے۔ پیام رُوح ان کی تمام نظموں اور غزلوں کا مجموعہ ہے اس کی اشاعت سے شاعری میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوگا"۔

(آنریبل سر شاہ محمد سلیمان صاحب ایم ۔ اے ایل ایل ڈی ۔ چیف جسٹس ہائی کورٹ الہ آباد۔)

کاغذ دبیز لکھائی چھپائی دیدہ زیب ۔ چھ ہاف ٹون تصویریں جن میں تین سہ رنگی ہیں ۔ یہ مجموعہ سے کتب خانہ خالی نہ رہنا چاہئے ۔ قیمت صرف تین روپیہ۔

صبح وطن و مضامین چک بست

صبح وطن ۔ یعنی مجموعۂ نظم پنڈت برج نرائن چکبست لکھنوی (مرحوم) "چک بست کی شاعری کی تحریک کا باعث کبھی تو حب وطن کا جوش ہوتا ہے ۔ اور کبھی کوئی گزشتہ یا حال کا تاریخی واقعہ اُن کے طائر خیال کو پرواز میں لاتا ہے۔ کبھی قدرت کے نظاروں یا مذہبی رازوں کے انکشاف سے وہ اپنی نظموں کو آراستہ کرنے میں مدد لیتے ہیں اور کبھی انسانی جذبات اور احساس کی سچی تصویریں کھینچ کر عبرت کا سبق دیتے ہیں۔ قومیت کا خیال ان کی شاعری کی ساخت کا جزو اعظم ہے۔

برج نرائن چکبست دور جدید کے صرف ترجمان ہی نہیں بلکہ اس دور کے نمائندوں میں ان کا پایا بہت بلند ہے جس قدر زمانہ گذرتا جائے گا اور اُردو شاعری مصنوعی قیود سے آزاد ہوتی جائیگی نیز آزادی کی ہوا میں اس کو نشو و نما پانے کا موقع ملے گا اسی قدر برج نرائن چکبست کی شہرت بتدریج بڑھتی جائے گی اور آیندہ نسلیں اس امر کو تسلیم کریں گی کہ وہ دور جدید کے رہنماؤں میں سے ہیں۔

(سر تیج بہادر سپرو)

مضامین چکبست ۔ پنڈت برج نرائن چکبست مرحوم بلند پایہ شاعر ہونے کے علاوہ بہترین مضمون نگار بھی تھے۔ انکی وفات کے بعد ان کے مضامین نثر کا مجموعہ بھی شائع کیا گیا ہے ۔ اس مجموعہ میں سوانحی، تنقیدی، تاریخی، قومی وغیرہ مضامین ہیں، اور بہت خوب ہیں۔

صبح وطن ۔ مجلد ۔ قیمت دو روپئے۔
مضامین چکبست ۔ حجم ۳۵۰ صفحات قیمت عہ

یادگار نسیم

یعنی منشی دیاشنکر نسیم کی مشہور و معروف مثنوی گلزار نسیم و انتخاب "دیوان نسیم" مع حواشی و تبصرہ کلام مرتبہ مولوی اصغر حسین صاحب اصغر گونڈوی ۔ آنریبل ڈاکٹر سر شاہ محمد سلیمان ایم ۔ اے ۔ ایل ۔ یل ۔ ڈی ، چیف جسٹس الہ آباد ہائی کورٹ تحریر فرماتے ہیں :-

"یادگار نسیم جو مولوی اصغر صاحب نے تصحیح کے بعد شایع کی ہے مشہور و معروف شاعر نسیم کی مثنوی جسے انھوں نے مصلحتاً نامناسب اشعار کو حذف کرنے کے بعد شایع کیا ہے۔ غزلیات میں سے جن غزلوں کا انتخاب کیا ہے وہ شاعر موصوف کی بہترین غزلیں ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ حواشی کا بھی اضافہ کیا گیا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس کتاب کا مقدمہ بجائے خود ایک عالمانہ تصنیف ہے ۔ مجھے یقین کامل ہے کہ اس کتاب کی قدر کماحقہ ہوگی جو ہونا

شایان شان ہے" طباعت دیدہ زیب، خوشنا جلد۔قیمت دو روپئے

کلام الملوک

یعنی شہزادگان دہلی کے کلام کا مجموعہ۔ ایک زمانہ میں قلعہ دہلی زبان اُردو کا مرکز تھا۔ یہاں وہ لوگ جمع تھے جو الفاظ کو بہت ہی صحت کے ساتھ بولتے اور بہت ہی اچھے اور زور دار معنی میں استعمال کرتے تھے اور انھیں کی زبان آج صحیح اور مستند سمجھی جاتی ہے۔شہزادگان دہلی کا کلام بھی اس لحاظ سے قابل قدر ہے۔ محاورات و اصطلاحات، روانی صحت وزن، سلسلہ خیالات، بلند آوازی، نازک خیالی، جوش بیان، نشست الفاظ، اور عمدہ بندش کے علاوہ زبان صاف اور فصیح تکلف اور ابتذال نام کو نہیں۔ اگر زبان کا خاص رنگ اور شاعری کی اصل حقیقت معلوم کرنا چاہتے ہیں تو اس مجموعہ کو ضرور ملاحظہ فرمائیے قیمت دس آنہ

معراج سخن

جناب سید خورشید حسن صاحب عروج مرحوم المتخلص بہ "دولھا صاحب" نبیرۂ ناخدائے سخن میر انیس اعلی اللہ مقامہ کے تین مرثیوں کا نادر مجموعہ میں حسب ذیل مراثی ہیں:-

۱- ہے زیور عروس فصاحت سخن مرا - ۱۱۹ بند

۲- خلق میں خلقت آدم کا سبب کون ہوا - ۱۴۰ بند

۳- صبح عاشور محرم ہے قیامت کی سحر ۹۵ بند

اس کتاب پر ہندوستانی اکیڈیمی صوبجات متحدہ قابل مصنف کو پانسو روپیہ انعام عطا فرمایا ہے۔ زبان کے فدائیوں کے لئے نادر تحفہ ہے۔قیمت ڈیڑھ روپیہ۔

کہانی کیسے لکھنا چاہیئے ؟

(مرتبہ و مولفہ منشی کنھیا لال صاحب ایم اے ٹی ایل)

کہانی کیسے لکھنا چاہئے ؟ اس کتاب کا موضوع اس کے نام ہی سے ظاہر ہے مختصر فسانوں کے باب میں ساری باتیں بہت اچھی طرح سمجھائی گئی ہیں۔مختصر ہونے کے باوجود جامع ہے۔ ایڈیٹروں، مضمون نگاروں، اور مبتدیوں کو ضرور مطالعہ کرنا چاہیئے۔قیمت آٹھ آنہ۔

بہترین ناول و افسانے

فردوس خیال

منشی پریم چند کے گیارہ افسانوں کا مجموعہ منشی پریم چند کے افسانے ہمیشہ اصلاح اخلاق و معاشرت پر مبنی ہوتے ہیں، اور ان کا مقصد شریفانہ جذبات مثلاً غیرت، حیا خوف خدا، شجاعت اور آزادی ضمیر وغیرہ کا برانگیختہ کرنا ہوتا ہے۔ غیر ممکن ہے کہ کوئی سمجھدار منشی صاحب موصوف کی تصنیف پڑھے اور آپ کی جادو بیانی اور سحر نگاری کا قائل نہ ہو جائے اگر آپ نے اب تک اس مجموعہ کو ملاحظہ نہیں فرمایا تو آج ہی طلب فرمائیے۔ سرورق پر تین رنگ کی نہایت خوبصورت تصویر ہے۔ ۲۷۳ صفحہ کی کتاب ہے اور قیمت صرف ایک روپیہ۔

جلوۂ ایثار

بالاجی کے قومی کارناموں سے ہندوستان کا بچہ بچہ واقف ہے۔ "جلوۂ ایثار" میں اُن حالات اور واقعات کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جو اس کارنامے کے متحرک ہوئے تھے۔ حالات اور واقعات دلچسپ و دلکش ہونے کے علاوہ حب قومی وجودت روحانی سے معمور ہیں۔ اس پر منشی پریم چند صاحب کی جادو نگاری سونے پر سہاگا ہے واقعی قابل مطالعہ ناول ہے۔ ۲۳۲ صفحات کی کتاب اور قیمت صرف بارہ آنہ۔

ڈال کا جوگ

(اور دوسرے افسانے) مسٹر حامد اللہ افسر (میرٹھی) کے گیارہ فسانوں کا مجموعہ۔ یہ تمام فسانے مختلف اوقات میں بعض اردو جرائد میں شایع ہو کر خلعت قبولیت حاصل کر چکے ہیں۔ ان میں سے بعض اس قدر مقبول ہو گئے ہیں کہ انگریزی، ہندی، اور گجراتی میں بھی ترجمے ہوئے فوٹو بلاک کی چند تصویریں بھی شامل ہیں۔ قیمت ایک روپیہ۔

شاما

مصنفہ پنڈت کشن پرشاد صاحب کول (ممبر سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی لکھنؤ)

یہ ایک دکھیاری کی درد بھری داستان ہے۔ اقبال کا یہ شعر اس پر صادق ہے۔

محبت کے شرر سے دل سراپا نور ہوتا ہے
ذرا سے بیج سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے

سرورق پر سہ رنگی تصویر اور کتاب کے شروع میں بھی ایک تصویر (فوٹو بلاک) لگائی گئی ہے۔

قیمت ڈیڑھ روپیہ

سادھو اور بیسوا

یعنی دو حرماں نصیبوں کی کایا پلٹ۔ ایک عجیب نئی کہانی۔ مصنفہ پنڈت کشن پرشاد صاحب کول ممبر سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی لکھنؤ۔ فرانسیسی اناطول فرانس کے ایک تاریخی ناول "تائیس" کو پڑھنے کے بعد اس کی تصنیف کا خیال پیدا ہوا۔ "سادھو اور بیسوا" میں اسی خیال کی پیروی اور اسی تصور کے تائید کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو "تائیس" کا امتیازی جوہر ہے۔ اس کے باوجود نہ یہ اس کا ترجمہ ہے نہ خلاصہ بلکہ دلچسپ ناول ہے۔ سرورق پر سہ رنگی تصویر ہے۔ قیمت بارہ آنے۔

"انور"

"شمیم" کے مشہور و معروف مصنف مسٹر فیاض علی ایڈوکیٹ فیض آباد کا دوسرا بے نظیر۔ دلپذیر۔ انقلاب انگیز شاہکار۔ ادب .... زبان اردو کا بہترین ناول..... ۵۷۰ صفحے۔ کاغذ۔ کتابت۔ طباعت نہایت عمدہ جلد۔ بید نفیس۔ ۶ عدد تصویریں بہت ہی دلکش اور خوبصورت ...... قیمت عہ

گھر بیٹھے دنیا کی سیر

کرنے والوں کو "تحفہ سیریز" کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے! اس سلسلہ کی ایک ایک کتاب ایک ایک ملک کے متعلق ہے۔ ملک کی مفید اور کار آمد معلومات ہر کتاب میں بہم پہنچائی گئی ہیں۔ کوئی ضروری بات نظر انداز نہیں کی گئی۔ کتابوں کو زیادہ مفید اور دلچسپ بنانے کے لئے مکالمہ کا طرز اختیار کیا گیا ہے جس کے باعث نوعمر لڑکوں اور لڑکیوں کو ان نئے مضامین پر بہت جلد عبور ہو جاتا ہے۔

مندرجہ ذیل کتابیں تیار ہیں۔

(۱) تحفہ جاپان (۲) تحفہ چین
(۳) تحفہ مصر و حبش (۴) تحفہ انگلستان
(۵) تحفہ فرانس (۶) تحفہ جرمنی
(۷) تحفہ آسٹریلیا (۸) تحفہ قطبین
(۹) تحفہ امریکہ (۱۰) تحفہ روس

ہر کتاب میں متعدد تصاویر ہیں اور سرورق نہایت خوبصورت۔ قیمت ہر کتاب کی چھ آنے۔

آئی۔ سی۔ ایس

اردو کے بہترین فسانہ نگار پروفیسر علی عباس حسینی ایم۔ اے مصنف رفیق تنہائی، سرسید احمد پاشا، وغیرہ کے چودہ انقلاب انگیز افسانوں کا تازہ ترین مجلد دیدہ زیب مجموعہ

قیمت صرف عہ

مینیجر بکڈپو انڈین پریس لمیٹڈ الہ آباد

خدمتِ خلق

(مرتبہ مولوی نیاز محمد خاں صاحب معلم نارمل اسکول الہ آباد) اس کتاب میں خدمت خلق کے عملی طریقے بتائے گئے ہیں جس سے دل پر پورا اثر ہوتا ہے۔ کتاب بہت اچھی، اور عجیب وغریب اخلاقی نکات و روحانی لطائف پر مشتمل ہے۔ حکومت صوبجات متحدہ نے اس کتاب پر مؤلف کو انعام بھی عطا فرمایا تھا۔ قیمت صرف بارہ آنہ

بچوں کی دلچسپی

کا لوگ بہت کم خیال کرتے ہیں، اور شاید یہی وجہ کہ اردو زبان میں ایسی کتابیں بھی بہت کم ہیں جنھیں بچے دلچسپی اور شوق سے پڑھیں تاہم انڈین پریس لمیٹڈ الہ آباد نے چند کتب خاص طور پر بچوں کے لئے چھاپی ہیں۔ جن کو بچوں کی دلچسپی کا سامان کہا جا سکتا ہے۔

الف بے کا کھلونا

یہ پیاری کتاب ننھے منے بھائی بہنوں کے لئے ہے۔ کھیل ہی کھیل میں وہ حروف تہجی سے آشنا ہو جاتے ہیں۔ ہر حرف کے لئے ایک رنگین تصویر اور ایک شعر ہے۔ زبر، زیر، اور پیش وغیرہ کا بھی خیال رکھا گیا ہے چھپائی رنگین اور بہت صاف۔ ۳۰ عکسی تصویریں ہیں۔ اگر آپ کے یہاں کوئی بچے ہوں تو متعدد نسخے طلب فرمائیے ورنہ بچے آپسمیں لڑیں جھگڑیں گے۔ قیمت صرف تین آنے

انوکھی کہانیاں

یہ کتاب بہت پسند کی گئی ہے گیارہ نصیحت آموز کہانیاں اس میں درج ہیں۔ زبان بہت آسان۔ ممکن نہیں کہ کوئی بچہ اسکو ختم کئے بغیر چھوڑ دے۔ ہر کہانی کے ساتھ ایک تصویر ہے۔ خوبصورت کتاب ہے۔ بچے اس کو دیکھتے ہی مچل جاتے ہیں۔ ہر ورق پر تین رنگ کی تصویر ہے۔ قیمت ۴ر آنہ

مفید ایجادات کی کہانی

"یہ منشی پیارے لال صاحب شاکر (میرٹھی) کی قابل قدر تصنیف ہے۔ یہ کتاب اردو میں اپنی وضع کی بالکل انوکھی تصنیف ہے اور مفید معلومات کے لحاظ سے اس قابل ہے کہ ہر شخص کے مطالعہ میں آئے۔ کاغذ، کتابت، طباعت اور سرورق بے انتہا نفیس ہے۔ اس قدر اچھے اہتمام سے بہت کم کتابیں اردو میں چھپی ہیں۔ تشریح مطالب کے لئے جا بجا بے شمار تصاویر دی گئی ہیں"

قیمت علاوہ محصول ڈاک ۱۲ر

ایسپ کی کہانیاں

ایسپ ایک مشہور حکیم گزرا ہے جو مورخین کے بیان کے مطابق حضرت مسیح سے ۲۶۰ برس قبل پیدا ہوا تھا۔ حکیم ایسپ انسان کی پند و نصیحت کے لئے مختلف قسم کی فرضی حکایات اور کہانیاں بیان کیا کرتا تھا۔ انھیں کہانیوں کی وجہ سے دنیا میں اس کا نام اب تک زندہ ہے۔ اس مجموعہ میں ایسپ کی تین سو کہانیاں یکجا شائع کی گئی ہیں۔ چھیاسی تصویریں بھی شامل کتاب ہیں جن کے باعث یہ مفید کتاب اور زیادہ دلچسپ ہوگئی ہے۔ لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے یہ ایک اچھا تحفہ ہے۔ کتاب مجلد ہے۔ قیمت دو روپئے۔

میرے وطن کی کہانی

تاریخ ہند کے کئی خاص اور روشن ابواب طلباء کو اسکولوں میں نہیں پڑھائے جاتے، حالانکہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے ان کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ اس کتاب میں بعض اسی قسم کے واقعات نوعمر لڑکوں اور لڑکیوں کے تفریحی مطالعہ کے لئے بیان کئے گئے ہیں بیس ہاف ٹون عکسی تصویریں قیمت ۸ر

شیخ چلی کی کہانیاں

شیخ چلی کا نام آپ نے ضرور سنا ہوگا۔ یہ وہ جادو بیتی

ہے جو ہر ملک اور ہر زمانہ میں ہمیشہ موجود رہتی ہے۔ اس کتاب میں آپ ہی کے کارنامے درج ہیں جو گیارہ کہانیوں میں بیان کئے گئے ہیں۔ ہر کہانی اس قدر پرلطف ہے کہ انسان بھوک پیاس بھول جاتا ہے۔ پڑھتے جائیے اور ہنستے جائیے۔ لکھائی چھپائی ایسی عمدہ ہے کہ بچوں کو بطور انعام دی جاسکتی ہے۔ دو سو صفحات کی کتاب کی قیمت صرف دس آنے۔

داستان عجم

بچے بادشاہوں کے قصے بہت شوق سے پڑھتے ہیں لیکن جھوٹے بے اصل قصوں سے یہ بہتر ہے کہ انھیں بادشاہوں کے تاریخی قصے پڑھنے کو دئے جائیں۔ اس مقصد کے لئے داستان عجم بہت اچھی کتاب ہے خلاق سخن فردوسی کے "شاہ نامہ" میں جن بادشاہوں اور بہادروں کے کارنامے بیان کئے گئے ہیں انھیں کو اس کتاب میں بچوں کے لئے بہت سلیس اور عام فہم عبارت میں لکھا گیا ہے۔ ضرور منگائیے۔ قیمت حصہ اول دس آنے حصہ دوم دس آنے۔

رابنسن کروسو

ایک نوعمر لڑکا گھر سے فرار ہوکر بحری سفر اختیار کرتا اور طرح طرح کی مصائب اٹھاتا ایک غیر آباد جزیرہ میں پہنچتا ہے اور وہاں پچیس برس تک مجبوراً وہیں رہتا ہے اتنی مدت اس نے کیونکر بسر کی؟ اور پھر یہاں سے کیسے نکلا؟ وغیرہ واقعات نہایت دلچسپ ہیں اس کتاب کو نوعمر بچے بہت شوق اور دلچسپی سے پڑھتے ہیں۔ ہاف ٹون بلاک کی چھ تصویریں شامل کتاب ہیں جن میں ایک سہ رنگی ہے حجم ڈھائی سو صفحات سے زیادہ اور قیمت صرف بارہ آنے۔

لال کنھور

اس کتاب میں "بہرام" کو بالکل نئے لباس میں پیش کیا گیا ہے۔ اس کے جدید کارنامے اس قدر دلچسپ ہیں کہ کتاب شروع کرکے ختم کئے بغیر ہاتھ سے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے۔

کھیل تماشا

یہ کتاب کچھ نظم میں ہے اور کچھ نثر میں۔ اس میں چھوٹی چھوٹی نصیحت آموز حکایتیں اور چٹکلے ہیں۔ بچے اس کو بہت شوق سے پڑھتے ہیں، کیونکہ یہ انھیں کی زبان میں اور انھیں کے مذاق کے موافق لکھی گئی ہے۔ مضمون کی وضاحت کے لئے تصویریں بھی دی گئی ہیں۔ چھپائی رنگین اور صاف۔ قیمت ۳ آنہ۔

ہونہار لڑکا

(مؤلفہ شاکر میرٹھی)

یہ کتاب ایک غریب لڑکے کی سچی داستان پر مشتمل ہے جس نے اپنی بلند ہمتی اور نیک طبعی کے باعث بڑی عزت و شہرت حاصل کی۔ عبارت سلیس اور عام فہم۔ قصہ اتنا دلچسپ کہ بچے نہایت شوق سے پڑھتے ہیں۔ بچوں کی دلچسپی کے لئے کتاب کو تصاویر سے مزین کیا گیا ہے، اور سرورق پر تین رنگ کی تصویر ہے۔ قیمت صرف پانچ آنے۔

تالیفات مولوی ظفر عمر

بہرام کی گرفتاری

"نیلی چھتری" کے نامور مؤلف ظفر عمر صاحب بی اے نے اس کتاب کے ہیرو "بہرام" کو اس عمدگی سے اردو پبلک سے روشناس کرایا ہے کہ لوگوں نے اپنے فسانوں میں اس کا چربہ اتارنے کی خوب خوب کوشش کی۔ مگر وہ بات کہاں؟ اصل ہے "بہرام کی گرفتاری" نہایت دلچسپ اور پسندیدہ ناول ہے۔ ضرور منگائیے۔ قیمت ایک روپیہ۔

چوروں کا کلب

اس کلب کے ممبر دنیا بھر کے لہو ولعب سے سیر ہوگئے ہیں اور معمولی مشاغل میں چنداں تفریح حاصل نہیں ہوتی۔ اور محض دل بہلانے اور چوری کے خطرات سے لطف اٹھانے کے لئے یہ کلب قائم کیا گیا ہے۔ یہ کتاب اس قدر دلچسپ ہے کہ تیسری بار شائع ہوئی ہے۔ قیمت ۹ آنے۔

منیجر بک ڈپو۔ انڈین پریس لمیٹڈ الہ آباد

ہل کے قواعد

۱۔ 'ہل' ہر ماہ میں ہندی اُردو دونوں زبانوں میں شائع ہوتا ہے۔

۲۔ محصول ڈاک سمیت اسکی سالانہ قیمت چار روپیہ آٹھ آنہ پیشگی ہے۔ ایک نمبر کی قیمت ۶ آنہ ہے۔ ہندوستان کے باہر سالانہ قیمت ۶ روپیہ ۱۲ آنہ ہے۔ برما کے لئے ۵ روپیہ آٹھ آنہ ہے۔

۳۔ جن صاحب کو کسی ماہ میں 'ہل' نہ ملے اُنھیں پہلے اپنے ڈاکخانہ میں دریافت کرنا چاہئے۔ پتہ نہ لگنے پر ڈاکخانہ کے جواب کے ساتھ ہمیں اگلے ماہ کی ۱۵ تاریخ تک لکھنا چاہئے۔

۴۔ خط لکھتے وقت نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہئے۔ ورنہ جواب ملنا مشکل ہوگا۔

۵۔ مضمون، تصویر، تبصرہ کے لئے کتابیں اور تبادلے کیلئے اخبارات وغیرہ بنام اڈیٹر 'ہل' انڈین پریس لمیٹڈ، الہ آباد کو بھیجنا چاہئے۔

۶۔ 'ہل' میں صرف دیہاتوں کی دلچسپی اور گاؤں سے تعلق رکھنے والی چیزیں چھپتی ہیں اور اس کی زبان ہندوستانی یعنی آسان اُردو یا آسان ہندی ہے۔ 'ہل' کے لئے مضامین بھیجنے والوں کو اس بات کا ضرور خیال رکھنا چاہئے۔

۷۔ کسی مضمون یا نظم کے شائع کرنے یا نہ کرنے اور اُسے واپس کرنے یا نہ کرنے کا اختیار بھی اڈیٹر کو ہے۔ واپس شدہ مضامین کا ڈاک خرچ اور رجسٹری خرچ مضمون نگار کے ذمہ ہوگا۔ بغیر اس کے مضامین نہ واپس ہوں گے۔

۸۔ نامکمل مضامین نہیں شائع ہوتے۔ جگہ کے مطابق مضامین ایک یا زیادہ تعداد میں شائع ہوتے ہیں۔

۹۔ جن مضامین میں تصاویر ہوں گی اُن تصاویر کے ملنے کا جب تک مضمون نگار انتظام نہ کر دینگے تب تک وہ مضامین نہ شائع ہوں گے۔ اگر تصاویر حاصل کرنے میں خرچ ضروری ہوگا تو دیا جائے گا۔

ہل کی اُجرت اشتہارات

سرورق کا دوسرا صفحہ	۴۵	روپیہ ماہوار
" " تیسرا صفحہ	۴۵	" "
" " چوتھا صفحہ	۸۰	" "
مضامین کے اختتام کے سامنے کا صفحہ	۳۵	" "
" " " کا ایک کالم	۱۸	" "
سرورق کے دوسرے صفحہ کے سامنے والا صفحہ	۳۵	" "
" " " " ایک کالم	۱۸	" "
سرورق کے تیسرے صفحہ کے سامنے والا صفحہ	۳۵	" "
" " " " ایک کالم	۱۸	" "
رنگین تصویر کے سامنے والا صفحہ	۳۵	" "
" " " ایک کالم	۱۸	" "

عام اُجرت

ایک صفحہ یا دو کالم کی اُجرت	۳۰	روپیہ ماہوار
½ یا ۱ کالم	۱۶	" "
¼ یا ½ کالم	۹	" "
⅛ یا ¼ کالم	۵	" "

۱۔ 'ہل' میں غیر اخلاقی اشتہارات نہیں شائع ہوتے لہٰذا گندے اور عُریاں اشتہار نہ بھیجئے۔

۲۔ ایک کالم یا اس سے زیادہ اشتہار دینے والے کو 'ہل' بلاقیمت بھیجا جاتا ہے۔

۳۔ اُجرت اشتہارات جو اُوپر درج کی گئی ہے وہ (Final) ہے۔ اسکے لئے خط وکتابت کرنی بیکار ہے۔

۴۔ جتنے وقت کیلئے کنٹریکٹ کیا جائیگا اُس وقت تک اشتہار چھپانا ہوگا۔ اشتہار نہ چھپانے پر اُسکی قیمت ادا کرنی ہوگی۔

خط وکتابت کا پتہ

مینیجر 'ہل' شعبہ اشتہار

انڈین پریس لمیٹڈ۔ الہ آباد

کسان کي دولت

باهتمام کے - متراً پرنٹرز انڈین پریس لمیٹڈ الہ آباد نے چھپوا کر شایع کیا

ہل

یو پی گورنمنٹ کے محکمہ گاؤں سدھار کا خاص رسالہ

اپریل سنہ ۱۹۳۹ء　　باتصویر ماہوار رسالہ　　نمبر ۵

پبلشر

انڈین پریس لمیٹڈ الہ آباد

سنہ ۱۹۳۹ء

سالانہ قیمت [illegible]　　ایک پرچہ [illegible]

"ہل" کے متعلق معزز اخبارات کی رائیں

ریاست دہلی

ہل رسالہ ماہنامہ بابت دسمبر ۱۹۳۰ء

سائز ۲۰×۳۰ صفحات ۱۰۰ سالانہ قیمت چار روپیہ فی پرچہ ۶ آنہ
ملنے کا پتہ انڈین پریس لمیٹڈ الہ آباد

یہ رسالہ بابو شری ناتھ سنگھ جی کی ادارت میں نکلنا شروع ہوا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ سادہ اور صاف زبان میں اہل دیہات کے لئے اصلاحی لٹریچر شائع کیا جائے پیش نظر نمبر پر ایک نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کارکنان رسالہ اپنے مقصد میں بہت کچھ کامیاب ہیں۔ اور انھوں نے دلچسپ پیرایہ میں ایسی بہت سی باتیں پیش کر دی ہیں جو ہل کے قارئین کے لئے بہت مفید ثابت ہوں گی۔ رسالے کا سرورق مصور ہے اور بلاک کی تعداد بھی کافی تعداد میں جن کا نہ چھپنا رنگ لگایا ہے۔ لکھائی چھپائی خاصی ہے۔

آنند لاہور

یہ رسالہ دیہات سدھار کے پروگرام کو لے کر جاری ہوا ہے اور ہم بلاخوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ اس میں سرکاری و غیر سرکاری دونوں نکتہ نگاہ سے گرام سدھار کے متعلق کافی مضامین ہیں جو دیہات میں رہنے والے بھائیوں کو فائدہ دیں گے۔ دیگر متعدد تصاویر کے علاوہ رنگین بلاک کی تصویر میں سنت کبیر کو کھڈی پر کام کرتے دکھایا گیا ہے۔ ہم رسالہ ہذا کی ترقی کے ساتھ دل سے خواہاں ہیں بابو شری ناتھ سنگھ جی آزمودہ کار ادیب ہیں۔ ان کی زیر ادارت یہ رسالہ ضرور کامیاب ہوگا۔

مشعل سرحد پشاور

ہل - ماہ دسمبر ۱۹۳۰ء کا مصور ماہانہ "ہل" اس وقت ہمارے زیر مطالعہ ہے یہ رسالہ اردو زبان میں ماہوار باتصویر الہ آباد سے شائع ہوتا ہے ضخامت ۱۰۰ صفحے ٹائیٹل پیج نہایت دلکش اور دیدہ زیب۔ موزوں "ہل" اور عورت اور لڑکی کی تصویر ٹائیٹل پیج کی زینت ہے غالباً اس سے مراد یہ ہے کہ ہندوستان میں ضرورت ہے کہ کاشتکاری کو معراج کمال تک پہنچایا جاوے۔ عورت کو تعلیم دی جاوے تربیت دی جاوے تاکہ بہتر ماں ثابت ہو۔ اور اولاد کی حالت سدھر جائے بس ملک سدھر گیا۔ پاؤں میں کڑیاں جب تک ہیں اور ہو کر بیٹھ گھر کی درستی میں لگ جاتی ہیں۔ گویا آوارگی کو روکا ہے۔ پاؤں ننگے دکھائے گئے ہیں مجھے اس کی وجہ معلوم نہ ہو سکی۔ پچھلے صفحہ پر ایک کسان کی تصویر دکھائی گئی ہے جو کھلیان پر کھڑا گندم صاف کر رہا ہے گویا ہل کا نتیجہ دکھایا ہے۔ فراوانی آمدنی خوشحالی یہ تو بیرونی نقشے ہیں۔ اب اندرون خانہ آیئے۔

تفصیل کیا لکھوں۔ دیہات سدھار کی تمام تحریکات کامیاب ترقی ہوتی دکھائی ہیں ملک کے سربرآوردہ لیڈروں کے پیغامات ہیں۔ غرضیکہ دریا کو کوزہ میں بند کر دیا ہے۔

"ہل" عربی میں اس کے معنی ہیں "کیا" یعنی اس رسالہ میں کیا؟
"ہل" پنجابی میں اس کا مفہوم ہے حرکت کر یعنی نہیں حرکت میں برکت ہے۔

"ہل" اردو میں ایک آلہ کا نام ہے جو زمین کو زیر و بالا کرتا ہے اور مخفی خزانہ نکالتا ہے۔

"ہل" تھوڑی سی تبدیلی کے بعد حل ہو جاتا ہے۔ فارسی میں حل کے معنی ہیں مشکلات کو رفع کرنا۔ گویا ہل میں تمام مشکلات کا حل ہے غرضیکہ یہ رسالہ ظاہری اور باطنی محاسن سے پُر ہے قیمت سالانہ چار روپیہ (للعہ) فی پرچہ ۶ر

ضرورت ہے کہ ملک میں اس قسم کے رسائل شائع ہوں ہم ایڈیٹر صاحب کو مبارکباد عرض کرتے ہیں کہ اس نے اردو زبان میں ایک معتد بہ اضافہ کیا۔ یہ رسالہ منیجر بک ڈپو انڈین پریس لمیٹڈ الہ آباد سے مل سکتا ہے۔

باتصویر ماہوار رسالہ

اپریل ۱۹۳۹ء نمبر ۵ جلد ۱

مفلس ہندوستان

(از جناب وحدی الٰہ آبادی)

اے زمینِ ہند اے غیرت دہ باغِ جناں — تیری رفعت کے مقابل ہیچ ہیں ہفت آسماں
وادیاں سرسبز تیری پھول تیرے عطر بیز — سرزمیں کا تیری ہے ہر ایک خطہ کیف خیز
اسکے دن راحت فزا ہیں اسکی راتیں کیف بار — اسکے معمولی سے گلشن پر بھی ہے جنت نثار
ایک ساعت میں یہاں گرمی بھی ہے سردی بھی ہے — یہ خصوصیت کسی اقلیم نے دیکھی بھی ہے
ہوتے ہیں پیدا پہاڑوں میں یہاں لعلِ یمن — قعرِ دریا میں یہاں پوشیدہ ہیں دُرِّ عدن
یہ ہمالہ جو بلندی میں نہیں رکھتا جواب — ندیاں جاری ہیں کتنی اس سے محوِ پیچ و تاب
رہتے ہیں مصروفِ نغمہ طائرانِ خوش نوا — الغرض ہے گوشہ گوشہ ہند کا راحت فزا

پھر بھی باشندے یہاں کے کس قدر مجبور ہیں
رات دن جنت میں ہیں اور پھر بھی اس سے دور ہیں

ایک مدت سے یہاں کا نظم ہے بگڑا ہوا — ہے بہت دل سوز انکے درد و غم کا ماجرا
ہیں یہ جنت میں مگر آرام سے محروم ہیں — عیش و عشرت انکے دل سے مطلقاً معدوم ہیں
پرورش کرتے ہیں اپنے خون سے یہ باغ کی — انکی رکھوالی میں کر دی وقف اپنی زندگی
اپنی محنت کا ثمر پھر بھی یہ پا سکتے نہیں — اور شکوہ غاصبوں کا لب پہ لا سکتے نہیں
انکی دولت آ نہیں سکتی ہے انکے کام میں — نام راحت کا نہیں ہے انکی صبح و شام میں
انکے بچوں کو میسر پیٹ بھر کھانا نہیں — باوجود ان دقتوں کے تنگ ہے انپہ زمیں
آدمی ہو کر یہ بدتر ہو گئے حیوان سے — ہو رہے ہیں فطرتاً بیزار اپنی جان سے

یا الٰہی رحم کر تو ان کے حالِ زار پر
قہر کی بجلی گرا دے خرمنِ ادبار پر

گنے سے رس نکالا جا رہا ہے۔ (گرام سدھار گاؤں رام پور۔ مرزاپور)

صوبہ متحدہ میں گرام سدھار

(از جناب نوبہ داس چترویدی۔ بی۔ ایس۔ سی (آکسن) آئی۔ ایف۔ ایس۔ افسر
محکمہ گرام سدھار)

تمہید- ان صوبوں کے تقریباً ۹۰ فی صدی باشندے دیہاتی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ موجودہ حکومت کا گاؤں کی سماجی، تمدنی اور اقتصادی زندگی کی طرف خاص توجہ کرنا قدرتی امر ہے۔ کیونکہ اِن صوبوں کی ترقی دیہاتوں کی ترقی ہی پر منحصر ہے۔ دیہاتوں میں ہی اِن صوبوں کے زیادہ باشندے رہتے ہیں۔ گاؤں والوں کی موجودہ حالت بہت قابل رحم ہے۔ مفلسی کی دلدل میں پھنسے ہوئے بیچارے دیہاتی نہایت معمولی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان کے مٹی کے بنے ہوئے گھر صحت بخش نہیں ہوتے ایسے جھونپڑوں کے جھنڈ یعنی گاؤں اس بیسویں صدی میں انسان کے لئے ایک کلنک ہیں۔ جاہل ہونے کے باعث دیہاتی آسانی سے مہاجنوں کے شکار ہو جاتے ہیں۔ ہر ایک اُن سے بیجا فائدہ اُٹھاتا ہے کھیتی ہی گاؤں والوں کا خاص پیشہ ہے۔ لیکن اس کے لئے وہ پُرانے اوزار اور طریقے استعمال کرتے ہیں۔ وسطاً کھیتی کے ذریعے کسانوں کی پرورش نہیں ہوتی۔ اسی لئے اُن میں خود اعتمادی نہیں رہی۔ اور اُن کی مالی حالت کی اصلاح کے لئے جو کچھ کیا جاتا ہے اُسے وہ شبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ رسم و رواج، ذات پات، روڑھیاں، بیوقوفی قسمت پر

(گرام سُدھار گاؤں ۔ رام پور ۔ مرزا پور) پختہ بنائے گئے راستے اور دیواروں پر دبی نابے دیکھئے۔

بھروسہ کرنا وغیرہ باتوں نے انھیں دبا رکھا ہے۔

اٹھارویں اور انیسویں صدی کے سیاسی مدبر حکومت کے ذریعہ ذاتی فعلوں میں دست اندازی نہ کرنے کی پالیسی میں یقین رکھتے تھے۔ اُس وقت دولت اور ایسے لوگوں کی حفاظت کرنا ہی حکومت کا واحد فرض سمجھا جاتا تھا جو اُس دولت کے قانوناً مالک ہوں۔ وہ مقابلہ کا زمانہ تھا۔ اُس وقت حکومت کے ذریعے ذاتی کاموں میں دست اندازی کرنے کی پالیسی کی نہ تو کوئی قدر ہی کرتا تھا اور نہ تو اُس کے لئے کوئی مشتاق ہی تھا۔ یورپ کی جنگ عظیم نے اُس زمانے کو بدل دیا۔ اُس نے تین عظیم الشان سلطنتوں کا زوال اور ایک نئے سیاسی اصول کی پیدائش دیکھی۔ موجودہ زمانے میں حکومت اپنی ذمہ داری سے نہیں بچ سکتی۔ اگر حکومت قائم رہنا چاہتی ہے تو اُسے ایسے لوگوں کی حفاظت اور اُن کے ذاتی کاموں میں دست اندازی کرنا ہوگی جنھیں "روسو" "مجمع منتشر" کہتا تھا۔ فی الحال ہم سلطنت سے متعلق حقیقی دردور میں رہ رہے ہیں۔

سرکاری دست اندازی کی اہمیت کو قبول کرتے ہوئے بھی اس بات پر زور دیا جانا قدرتی امر ہے کہ گاؤں والوں میں اپنے پیروں پر کھڑے ہونے اور باہمی امداد کا جذبہ پیدا ہو۔ یہ جوش خود اُن میں پیدا ہونا چاہئے۔ اپنی قسمت سُدھارنے کے لئے خود اُن میں

گاؤں کے صاف کنوؤں کا ایک نمونہ۔ نہانے کے لئے چبوترا بھی بنا یا گیا ہے۔
(گرام سدھار گاؤں رام پور، مرزاپور)

حوصلہ ہونا چاہئے اُن میں اصلاح کا شوق ہونا چاہئے۔ کیونکہ باہر سے جو باتیں اُنھیں سمجھائی جاتی ہیں اُن میں بہت کم کامیابی ہوتی ہے۔ گاؤں والوں کی مالی حالت سُدھارنے کے لئے زیادہ اخراجات والے طریقے استعمال میں لانے جانے کی ایسی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں جن سے کچھ بھی فائدہ نہیں ہوا۔ نمونے کے گاؤں نمونے کے گھر، پنچایتیں، زندگی سدھار سبھائیں، بالغوں کے مدرسے وغیرہ اصلاحی کام ایسی زمین میں جڑ نہیں جما سکتے جو پہلے ہی سے موزوں نہیں کی جاتی۔ اسی لئے جب تک زمین تیار نہ ہو جائے اُس وقت تک انتظار کرنا جلد بازی کر کے ناکام ہونے سے کہیں اچھا ہے۔ کیونکہ ناکامی آگے کے کاموں کو اور بھی مشکل بنا دیتی ہے۔ ہمارا مقصد گاؤں والوں کو زمانے کی نیند سے جگانا، مثالوں کے ذریعے اُن کے دل میں یقین پیدا کرنا کہ وہ امداد باہمی کے ذریعے اپنی قسمت کی اصلاح کر سکتے ہیں اور اُنھیں عملی بنانا ہے۔

پروگرام۔ ہم اقتصادی عمل زمانہ میں رہ رہے ہیں۔ روس، اٹلی، جرمنی، ممالک متحدہ امریکہ اور دیگر ممالک کا اپنا طرزِ عمل ہے۔ اِن صوبوں میں کھیتی ہی خاص پیشہ ہے اور یہی پیشہ بہت دنوں تک رہے گا بھی۔ لہذا کھیتی میں سائنٹفک اصولوں پر اصلاح ضرور ہونی چاہئے۔ اِس مسئلے کو ہر طرف سے حل کرنا چاہئے۔ کھیتی کے علاوہ حکومت کے ذریعے مجوّزہ گرام سدھار کے پروگرام میں سانڈوں کا تقسیم کرنا

گاؤں کا زنانہ گھاٹ (گرام سُدھار گاؤں، رام پور۔ مرزاپور)

مویشیوں کی حفاظت، ایندھن اور چارے کے درخت اگانا، تعاون پیداواروں کا فروخت کرنا، خانگی صنعتیں، ڈاکٹری امداد تعلیم اور تمدنی اصلاح وغیرہ موضوع رکھے گئے ہیں۔ اس طرح ہمارے سامنے ایک عظیم کام ہے۔

حکومت ہند نے ۱۹۳۵ء میں گرام سدھار کی ایک اسکیم شروع کی تھی۔ اس اسکیم کے مطابق ان صوبوں کو ۱۵ لاکھ روپئے کی امداد دی گئی۔ ۵ ہزار روپئے سالانہ افسران ضلع کو عوام کے لئے مفید کاموں میں خرچ کرنے کے لئے دیئے گئے۔ اس کے علاوہ آبادی کے مطابق کچھ طے شدہ کاموں کے لئے مثلاً پانی کا انتظام، دیہاتی راستوں اور بیج کے انتظام کے لئے ضلعوں کو رقمیں دی گئیں۔ گرام سدھار کا کام ۲۷۰ حلقوں میں محدود رہا۔ ہر ایک حلقہ میں تقریباً ایک درجن گاؤں تھے۔ اس میں آج تک تقریباً ¼۱۴ کروڑ روپئے صرف ہوئے۔

گرام سدھار کے لئے پروگرام کے مطابق جو حکومت ہند کی اسکیم کی ایک بڑی شکل ہے اس وقت ۱۰۶۰ مرکز ہیں۔ ہر ایک مرکز کے ماتحت تقریباً ۲۵ گاؤں ہیں۔ اس طرح ان صوبوں کے دیہاتوں کا چوتھائی حصہ محکمۂ گرام سدھار کی حد میں آگیا ہے۔

تنظیم۔ اس اسکیم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ گرام سدھار کے کاموں میں سرکاری اور غیر سرکاری ہر دو قسم کے لوگوں کا اشتراک ہے۔ مختصر یہ کہ اس تنظیم کے لئے مرکز میں ایک صوبائی گرام سدھار بورڈ، ہر ایک ضلع میں ایک گرام سدھار ایسوسی ایشن ہر ایک حلقے کے لئے ایک یونین اور ہر ایک گاؤں میں ایک زندگی سدھار جماعت قائم ہے۔ ایسوسی ایشنوں کے سبھی ممبر غیر سرکاری

ہیں اور پنچایت کے ممبروں کا انتخاب ہوتا ہے۔ مگر ضلع ایسوسی ایشن کے سکریٹری سرکاری ہوتے ہیں اور اُنکے صدر غیر سرکاری۔ اُن کی مجلس عاملہ میں دو غیر سرکاری ممبر، چیرمین ایسوسی ایشن کے سکریٹری اور محکمۂ گرام سدھار کے ڈویژنل سپرنٹنڈنٹ ہوتے ہیں۔ گرام سدھار کے محترم وزیر صاحب صوبائی گرام سدھار بورڈ کے چیرمین ہیں۔ اور گرام سدھار افیسر اس کے سکریٹری ہیں۔ اس بورڈ میں گرام سدھار کے مختلف شعبوں کے صدر، لیجسلیٹو اسمبلی کے ذریعہ منتخب ۵ ممبر، لیجسلیٹو کونسل کے ذریعے منتخب ۳ ممبر اور گرام سدھار کے کاموں سے دلچسپی لینے والے دیگر حضرات شامل ہیں۔

عملہ۔ محکمہ گرام سدھار کے کارکن یوں ہیں۔

ہر ایک حلقہ میں ایک آرگنائزر، ہر ایک ضلع میں ایک انسپکٹر، ہر ایک کمشنری میں ایک ڈویژنل سپرنٹنڈنٹ اور مرکز میں گرام سدھار افسر اور اُن کے معاون آرگنائزروں کو تعلیم دینے کے لئے ۸ مقامات پر کیمپ قائم ہوئے ہیں جہاں انھیں کھیتی، امداد باہمی، صحت عامہ، دیہاتی اقتصادیات، فرسٹ ایڈ، گھریلو صنعتیں، مویشیوں کی حفاظت اور اسکاؤٹنگ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ نصاب ۱۲ ہفتے کا رکھا گیا ہے۔ ۶۰ فی صدی آرگنائزروں کو تعلیم دی جا چکی ہے۔ ۱۰ نمائندوں آرگنائزروں کی بھی منظوری ہو چکی ہے۔

گرام سدھار کا موجودہ پروگرام گذشتہ ۱۴ جون ۱۹۳۸ء کو منظور کیا گیا تھا۔ بجٹ میں ۱۹۳۸-۳۹ء کے لئے ۶،۲۰،۰۰۰ روپئے کا انتظام تھا۔ گرام سدھار کے تمام کاموں، مثلاً اصلاح زراعت، مویشیوں کی حفاظت، پانی کا انتظام، ڈاکٹری امداد، امداد باہمی، صحت، تعلیم، خانگی صنعتوں کی حکومت ایک اسکیم پہلے ہی قبول کر چکی ہے جس میں تقریباً ۲۵ لاکھ روپئے صرف ہوں گے۔

یہ بتلانا مشکل ہے کہ گرام سدھار سے دیہاتیوں کے نظریے میں کتنا فرق ہوا ہے مگر اس کے لئے جو کوشش کی گئی وہ اختصار کے ساتھ بتلا سکتے ہیں۔ ۱۹۳۸ء میں کئے جانے والے گرام سدھار کے کاموں کی تفصیل درج ذیل کی جاتی ہے۔

تعلیم۔ گاؤں سے جہالت دور کرنے کے لئے طوفانی تحریک ہوئی۔ ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے مطابق تعلیم یافتہ لوگوں کی اوسط تعداد ۵ - ۴ فی صدی ہے۔ حکومت کی طرف سے توسیع تعلیم کے لئے ایک خاص افسر مقرر ہوا ہے۔ جس کے سپرد گرام سدھار حلقوں سے باہر کے دیہاتوں میں توسیع تعلیم کا کام ہے۔ اُس کی نگرانی میں ۹۶۰ بالغوں کے مدرسے ۶۰۰، ۴ اخبار گھر اور ۷۰۶ کتاب گھر قائم ہوئے ہیں۔ ایک استاد کے ذمے ۱۰ گاؤں ہیں۔ جن میں اُسے سلسلے وار کام کرنا ہے مقصد یہ ہے کہ ایک اُستاد ۶ ماہ میں کم از کم تیسرے درجے تک کی تعلیم دے۔ اس کام میں ایسی انجمنوں سے بھی فائدہ اُٹھایا جا رہا ہے جو توسیع تعلیم سے تعلق رکھتی ہیں۔ اخبار گھر اس لئے بنائے جا رہے ہیں کہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد بالغ طالب علم جو کچھ پڑھ چکے ہیں وہ بھول نہ جائیں ہر ایک اخبار گھر میں ہندی اور اُردو دونوں زبانوں کے ہفتہ وار اور ماہوار اخبار رکھے جا رہے ہیں اور ہر ایک کتاب گھر میں ۲۵۰ روپئے کی کتابیں رکھی جا رہی ہیں۔ ایک کتاب گھر سے ۲۰ سے ۲۵ گاؤں تک فائدہ اُٹھا سکیں گے۔

مذکورہ بالا مدرسوں کے علاوہ محکمہ گرام سدھار کی طرف سے ۱۰،۶۱ بالغوں کے مدرسے اور ۱۳۲ لڑکیوں کے مدرسے کھولے گئے ہیں۔ ضلع ایسوسی ایشنوں کی نگرانی میں ۹۸۸ کتاب گھر کھولے گئے ہیں۔ اور وہ ۱۴۷ اخبار خریدتے ہیں۔

گرام سدھار کے حلقوں میں خاص بیداری پیدا کرنے کے لئے ۴ موٹر لاریاں رکھی گئی ہیں جن میں میجک لالٹین، سینما، لاؤڈ اسپیکر اور فونوگراف لگے ہوئے ہیں کچھ ضلع ایسوسی ایشنوں کے پاس اُن کی اپنی لاریاں ہیں۔ کئی مقامات پر ریڈیو سیٹ بھی لگائے گئے ہیں۔ تحریک گرام سدھار میں مدد دینے کے لئے کئی پیشہ ور گویئے بھی رکھے گئے ہیں۔

نئے پروگرام کو شروع کرتے ہوئے گذشتہ نومبر کے شروع میں

گڑ بنانے کے لئے اصلاح شدہ بھٹی کا نمونہ۔ (گرام سدھار گاؤں، رام پور، مرزاپور)

ایک گرام سدھار ہفتہ منایا گیا۔ مشہور رہنماؤں نے سیاسی پارٹی بندی سے بلند ہو کر اپنے پیغام بھیجے۔ اس ہفتہ میں دیہاتوں میں دیہاتی کھیل، کشتیاں، زراعت کی نمائشیں اور گاؤں کی صفائی کے مظاہرے ہوئے۔ عوام ان جلسوں کو دیکھنے کے لئے بڑی تعداد میں جمع ہوئے۔ ان کاموں میں سرکاری اور غیر سرکاری سبھی قسم کے لوگوں نے تعاون کیا۔ محنت کی اہمیت ثابت کرنے کے لئے کئی معزز حضرات نے گاؤں کی صفائی میں ہاتھ بٹایا۔ گرام سدھار کے کئی حلقے گود لئے گئے۔ گرام سدھار کے کام کے لئے ۱۰ ہزار سے کچھ زائد رضاکار بھرتی کئے گئے۔ ان صوبوں میں ۱۵ جنوری کو یوم خواندگی منایا گیا "ایک کو ایک پڑھاؤ" کے نعرے لگائے گئے۔ ہزاروں اشخاص نے کم از کم ایک شخص کو پڑھانے یا دو روپئے دینے کے لئے عہد نامے پر دستخط کئے۔

پنچایت گھر - دیہاتوں میں پنچایت گھر بنانے پر خاص طور سے زور دیا گیا ہے۔ ان پنچایت گھروں کی خاص اہمیت ہے۔ کیونکہ ان کے ذریعے میں بڑھے گا اور عوام کی اقتصادی تمدنی اور معاشرتی ترقی ہوگی۔ پنچایت گھر کا ایک اچھا نقشہ مرکز کی طرف ہر ایک ضلع کو دیا گیا ہے ۴۵ پنچایت گھر بن چکے ہیں۔ اور متعدد بن رہے ہیں۔

گاؤں والوں کو اصلاح کی طرف مائل کرنے کے لئے بہت بڑی تحریک ہوئی۔ تقریباً ۲۰،۰۰۰ جلسے ہوئے، ۷،۰۰۰ نمائشیں ہوئیں اور ۷۰۰ ناٹک کھیلے گئے۔ دیہاتوں میں تقریباً ۲۰۰۰ بھجن منڈلیاں قائم کی گئیں۔ گرام سدھار کی تحریک کو ہر دلعزیز بنانے کے لئے مختلف مقامات پر ہونے والے میلوں سے بھی فائدہ اُٹھایا گیا۔ صحت سدھارنے کے لئے ۱۰۰۰ اکھاڑے کھولے گئے۔

گرام سدھار کا رسالہ - محکمہ گرام سدھار اپنا خاص رسالہ "ہل" ہندی اور اُردو میں شائع کرتا ہے۔ اس کا پہلا نمبر گذشتہ دسمبر ۱۹۳۸ء کو شائع ہوا تھا۔ اس کی ۳۰۰۰ کاپیاں

دیہاتوں میں پڑھی جاتی ہیں۔ گرام سدھار کا پیغام دیہاتوں میں گھر گھر پہونچانے کے لئے یہ رسالہ ایک بہترین ذریعہ ہے۔

دیہاتوں میں تنظیم کا کام ۔ دیہاتوں میں ابتدائی تنظیم کی طرف خاص توجہ کی گئی ہے۔ تقریباً ۹۰ زندگی سدھار سبھائیں اور ۱۵ زندگی سدھار یونین قائم ہو چکے ہیں جن میں ۱۳۵ سبھائیں رجسٹرڈ ہو چکی ہیں۔ ۹۳ قرض دینے والی سوسائٹیاں بھی رجسٹرڈ ہو گئی ہیں۔ ۱۲۹ فروختگی کی سوسائٹیاں، فراہمی کی سوسائٹیاں اور ۱۳۱ متفرق سوسائٹیاں زیر غور ہیں۔ میرٹھ۔ بجنور اور ضلع گونڈہ میں ایسی سوسائٹیوں کا انتظام ہو رہا ہے جو چکبندی پر زور دینگی۔ ان میں کچھ نے قابل تعریف کام کئے ہیں جمیر پور میں گرام سدھار کمیٹیوں نے مہتر لگا کر دیہاتوں کی صفائی کرائی اور اپنے خرچ سے راستوں میں لالٹین لگائی۔ زندگی سدھار سبھاؤں کو کامیاب بنانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ انھیں اقتصادی پروگرام دیا جائے اور ساتھ ساتھ انھیں اصول کے خلاف ورزی کرنے والوں کو بزور قوت روکنے کا اختیار بھی دیا جائے۔ انھیں دیہاتوں کے لئے بیج بانٹنے، پانی پہنچانے اور دیگر مفید کاموں کے لئے رقم منظور کی جا رہی ہے جہاں زندگی سدھار سبھائیں کام کر رہی ہیں۔ حکومت مددگار کی حیثیت سے ہی مالی مدد دیتی ہے۔ نقد غلہ یا مزدوری کی صورت میں گاؤں والے جو کچھ بھی کریں گے اس میں انھیں نہ صرف سرکاری امداد ہی حاصل ہوگی بلکہ گاؤں والوں میں امداد باہمی کا جذبہ بھی پیدا ہوگا۔

کھیتی ہی بہت سے لوگوں کا خاص پیشہ ہونے کے باعث محکمۂ زراعت کی جانب سے کھیتی کی ایک پانچ سالہ اسکیم تیار کی گئی ہے دیہاتی رقبوں میں اچھے بیج بانٹنے اور جمع کرنے کے لئے ۵،۳ بیج گودام کھولے گئے ہیں۔ یہ بیج گودام ان ۳۰۲ بیج گوداموں کے علاوہ کھل رہے ہیں جو محکمۂ زراعت کی جانب سے پہلے ہی سے کام کر رہے تھے۔ اس سال سوائی، بدلے یا نقادی کی شکل میں تقریباً ۲¾ لاکھ من ربیع کے بیج تقسیم کئے گئے۔ تقریباً ۴۰۰ دیہاتوں میں مکمل طریقے سے اچھے بیج بوئے گئے ہیں۔ بیجوں کو صاف رکھنے کے لئے تقریباً ۲۰۰۰ بڑے بڑے اور مضبوط بیج گودام بنائے گئے ہیں۔ بیج گودام کھلنے کے پہلے گرام سدھار کے کارکنوں نے تقریباً ۲۸۰۰۰ من خریف کے بیج تقسیم کئے تھے۔

تمام بیج تقسیم کرنے اور بڑھانے کے علاوہ بیج گودام کے کارکنوں نے کھیتی کے متعلق اصلاح کے طریقے بھی بتائے ہیں۔ یہ اشاعت کسانوں کے کھیتوں میں حقیقی مظاہروں کے ذریعے بھی کی جاتی ہے۔ دیہاتی رقبوں میں کئے جانے والے اس قسم کے مظاہروں کی تعداد ۲۰۰۰ ۔ ۳۰۰ سے کم نہ ہوگی۔ ان مظاہروں میں اصلاح شدہ اور دیسی بیجوں کا مقابلہ بونے کے اصلاح شدہ طریقے جاری کئے جانے والے اچھے اوزاروں کے ذریعے مٹی کی تیاری، گوبر کی کھاد کی حفاظت ملی ہوئی کھاد تیار کرنا، چاول کی فصل تیار کرنا، درختوں کی بیماریوں کو روکنا وغیرہ باتیں دکھلائی گئی ہیں۔ اس سال کھاد کے ۱۵۰۰۰ گڑھے کھودے گئے۔ کھاد کے لئے مویشیوں کا پیشاب جمع کرنے کے لئے ۸۰۰۰ مٹی کی کیاریاں بنائی گئیں۔ نئے پروگرام کے شروع ہونے کے وقت سے ابتک ۹ ہزار سے زیادہ کھیتی کے اچھے اوزار جاری کئے گئے۔

دیہاتوں میں اچھے پھل پیدا کرنے کے لئے شروع ستمبر میں پھلوں کی ترقی کا ہفتہ منایا گیا۔ اس ہفتے کم از کم ¼ ۱ لاکھ پھل کے درخت لگائے گئے۔ پھلوں کے پودے تیار کرکے تقسیم کرنے کے لئے گرام سدھار کی طرف سے تقریباً ۵۰ نرسریاں لگائی گئی ہیں۔ بڑے بڑے شہروں اور قصبوں کے پاس کے دیہاتوں میں ترکاریاں لگانے کے لئے بھی حوصلہ افزائی کی جا رہی ہے۔

ایندھن کے درخت ۔ گوبر کو چولھوں میں جلانے کے بجائے کھاد کی صورت میں استعمال کرنے کے لئے محکمۂ جنگلات کے اشتراک سے دیہاتوں میں ایندھن اور چارے کے درخت لگانے کا انتظام کیا گیا جس میں گاؤں والوں کو جلانے کے لئے کافی مقدار میں سستا ایندھن مل سکے۔ جبتک گاؤں والوں کو اُپلے کی جگہ سستا ایندھن نہ ملے گا اس وقت تک یہ امید نہ کرنا چاہئے کہ وہ گوبر کو کھاد کی صورت میں استعمال کریں گے۔ اسلئے میرٹھ اور روہیلکھنڈ کمشنریوں میں ایندھن کے درخت لگانے کے لئے بہت زیادہ تحریک کی گئی۔ گذشتہ جولائی کو سات ضلعوں میں ۱۶۲ ایکڑ زمین میں ایندھن کے ۹۳ جنگل لگائے گئے۔ اسکے علاوہ پرتاب گڈھ، میرٹھ اور بریلی میں ۳ مرکزی اور ۹ مقامی نرسریاں اور بیج گودام کھولے گئے جس سے جنگلی درختوں کے ۲۵ من بیج اور کئی ہزار پودے مفت تقسیم کئے گئے۔ ایندھن کے درخت متھرا (۱۰۳ ایکڑ)۔ ایٹہ (۱۱۰ ایکڑ)، بلیا (۱۴ ایکڑ) اور جھانسی میں بھی (۲۰ ایکڑ) میں لگائے گئے ہیں۔

گاؤں کا ایک خوبصورت اکھاڑا (گرام سدھار گاؤں نرام پور، مرزاپور)

چراگاہ - چراگاہوں کی اصلاح بھی خاص کر اودھ کی چراگاہوں میں کی گئی - چراگاہوں کی نگرانی کرنے کے نوائد بتلانے کے لئے بلند شہر اور میرٹھ میں تین تین عمل جاری کئے گئے - بدایوں کی چراگاہوں میں مویشیوں کا چرنا بند کرا کے مٹی کی کٹائی روکنے کا تجربہ کیا گیا۔

پانی کا انتظام - ۳۵۳ کنوؤں کی بورنگ اور مرمت کی ۔ ۳۳ نئے کنوئیں تعمیر ہوئے - جھانسی اور گورکھپور کے ضلعوں میں ۷۷ تالاب اور باندھ بنائے گئے بنارس اور روہیلکھنڈ کے ضلعوں میں پانی نکالنے کے ۲۰۰ سے زیادہ آلات جاری کئے گئے۔

مویشیوں کی حفاظت - دودھ دینے والے اور دوسرے قسم کے مویشیوں کی افزائش کے لئے کئی مرکز قائم ہوئے ہیں۔ اس اسکیم کے مطابق مویشیوں کا علاج کرنے والے ٹرینڈ ڈاکٹروں کے نہ ملنے پر ڈسٹرکٹ بورڈوں کے مویشیوں کے شفاخانوں کے عملے کی امداد لی جائے گی - گرام سدھار کے ذریعے مویشیوں کے لئے کھولے جانے والے مرکزوں میں آکر معائنہ کرنے کے لئے ہر ایک ڈسٹرکٹ بورڈ کے مویشیوں کے شفاخانوں کے لئے ۴۰ روپئے ماہوار کا خرچ حکومت کی طرف سے منظور ہوا ہے - کیری، گڑھوال، گونڈہ، حمیر پور [illegible] جالون کے مویشیوں کے شفاخانے کی اصلاح کے لئے [illegible] بورڈوں کو امداد کی صورت میں [illegible] رقم منظور کی گئی ہے - ۱۹ آدمیوں کے ایک جتھے کو مویشیوں کے متعلق سبھی باتیں سکھائی گئی ہیں اور [illegible] ابھی سیکھ رہا ہے - دیہاتی رقبوں میں تقسیم کرنے کے لئے ایک ہزار سانڈ تقسیم کئے گئے ہیں۔

بیسٹن ہل سے کھیت کی جوتائی کا نمونہ (گرام سدھار گاؤں رام پور)

انھیں گاؤں میں بھیجنے کے لئے رینڈر پسٹ وغیرہ متعدی امراض سے بچانے کے لئے الگ کھنڈل کی جگہ بنائی گئی ہے۔ گرام سدھار مرکزوں کو ۱۹۴ سانڈ اور اصلاح شدہ نسل کے ۶۶۵ دوسرے مویشی دئے گئے چھوٹی ذات کے تقریباً ۹ ہزار بیل آختہ کئے گئے اور تقریباً ۵۰۰،۰ مویشیوں کا علاج ہوا۔ قحط کے باعث سستے داموں کئی گائیں خرید کر دیہاتوں میں بھیجی گئیں۔

گھریلو صنعت و حرفت ۔ اس بات کی خاص کوشش کی جارہی ہے کہ کسانوں کو کسی نہ کسی قسم کی گھریلو صنعت حرفت ضرور سکھا دی جائے تاکہ وہ فرصت کے اوقات میں کام کرکے کچھ آمدنی بھی کرسکیں۔ گاؤں کی صنعتوں کو پھر سے زندہ کرنے کے لئے مختلف صنعتیں سکھانے والے اُستادوں کی ضرورت ہے۔ ایسے اُستادوں کو جو دیہاتوں میں صنعتوں کا پرچار کریں زیادہ تعداد میں پانا آسان نہیں ہے۔ گھریلو صنعتیں سکھانے کے لئے گنگا گھاٹ (اناؤ) اور ریتوا (فیض آباد) میں دو صنعت گھر کھولے گئے ہیں۔ دیہاتی رقبوں میں صنعت و حرفت کی تعلیم دینے کے لئے تقریباً ۱۰۰ اُمیدوار سوتی اور اونی کتائی، رنگائی چھپائی، غالیچے بُننا کمبل بنانا، مونج کی چٹائیاں بنانا، بڑھئی گیری، لوہاری، کھال کی پکائی چمڑے کے کام، کاغذ اور ٹوکریاں بنانا سیکھ رہے ہیں۔ بُنائی اور کتائی کے استادوں کو برج گورکھپور اور پرتاب گڈھ میں تعلیم دینے کا انتظام کیا گیا ہے۔ دری بُننے کی تعلیم دینے کے لئے ضلع سیتا پور میں انتظام کیا گیا ہے۔ دیہاتوں کے لئے کئی صنعتی اسکیمیں منظور کی گئی ہیں۔ جن میں کتائی، بُنائی، کھال کی پکائی اور بڑھئی گیری خاص ہیں۔

شہد کی مکھی گھر ۔ شہد کی مکھیاں پالنے کی تعلیم دینے کے لئے جیلی کوٹ میں ابھی حال ہی میں ایک شہد کی مکھی گھر

مورخہ ۴ دسمبر کو لی گئی مٹر کے کھیت کی ایک تصویر (گرام شدھار گاؤں رام پور)

بنایا گیا ہے یہاں تین ماہ میں مکھیاں پالنا اور شہد نکالنا سکھایا جاتا ہے۔ طالب علموں کا پہلا جتھا ٹریننگ پا چکا ہے شہد کی مکھی پالنے کی اسکیم نینی تال، دیرہ دون اور آگرہ ضلعوں کے لئے منظور کی گئی ہے۔

چمڑہ گھر۔ لکھنؤ، کانپور، اٹاوہ، ایٹہ مرزا پور ضلعوں میں چمڑہ گھر بنائے گئے ہیں۔ جہاں چمڑہ صاف کرنے کا کام سکھایا جاتا ہے۔ ضلع مین پوری کے نوشیوہ اور سرس گنج کے جوتہ بنانے والوں کی کوآپریٹیو سوسائٹی کے ممبروں کے فائدے کے لئے یو پی کے چمڑے کے ماہرین نے چمڑہ صاف کرنے کی تعلیم دینے کا انتظام کیا گیا ہے۔

ڈاکٹری امداد۔ دیہات میں پانچ پانچ میل کے اندر دوا دینے کی کوشش کی گئی ہے اس کے لئے شروع ۱۴۹ ویدک ۲۰۴ یونانی اور ۴۸ ایلوپیتھک کے مستقل اور ۱۶ گشتی دوا خانے منظور کئے گئے۔ گشتی دوا خانوں کے ڈاکٹر اپنے اپنے حلقوں میں دوا دینگے اور لوگوں کی صفائی و دیگر امور کی طرف بھی دھیان دینگے۔ وہ پرائیوٹ پریکٹس نہیں کر سکیں گے۔ ایسے ڈاکٹر بیل گاڑیوں کے ذریعے گشت کریں گے۔ اس سے وہ نہ صرف گاؤں کی غیر ہموار سڑکوں کو دیکھ سکیں گے بلکہ گاؤں والوں پر اچھا اثر ڈالیں گے۔ دیہاتوں میں ۴ ہزار دواؤں تقسیم کئے جا چکے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ۵۰ ہزار روپیہ ڈسٹرکٹ بورڈوں کو دیا گیا ہے کہ وہ اس سے اپنے دوا خانوں کو ضروری دوائیں منگا کر دیں جس سے گاؤں والوں کو پوری طرح مدد مل سکے۔

صفائی۔ ۱۹۳۸ء میں گاؤں سے صاف کئے جانے والے گھوروں کی تعداد کم از کم ۱۲۶۰۰۰ ہوگی۔ کھاد کے ۵۱۰۰۰ نئے گڑھے کھودے گئے۔ تقریباً ۴۵۰۰ سوکھنے والے گڑھے بنائے گئے ۱۰۰۰ کھنڈہر ہموار کئے گئے۔ اور بیماری پھیلانے والے ۲ ہزار گڑھے پاٹے گئے۔ گاؤں کے

۹۰۰۰ راستے صاف کئے گئے۔ اور ۳ میل لمبی نالیاں بنائی گئیں۔ ۳۰۰۳ پیشاب خانے اور ۵۰۰۲۳ پاخانے بنائے گئے۔ پچپن اور دیگر متعدی امراض سے بچنے کے لئے ۲۰۰۰۰ آدمیوں کے ٹیکے لگائے گئے۔ ۳۰۰۰ دائیوں کو ٹریننگ دی گئی اور ۴۰۰۰ آدمیوں کو فرسٹ ایڈ کی تعلیم دی گئی۔ دوائیوں کے بکسوں کے ذریعے تقریباً ۱½ لاکھ مریضوں کو دوائیاں تقسیم کی گئیں۔

گھروں کی حالت سدھارنے کیلئے تقریباً ۲۰ ہزار روشن دان تقسیم کئے گئے اور ۱۰۸ تعمیر شدہ گھر نمونے کے گھروں کی شکل میں بنائے گئے۔ تقریباً ۴ ہزار کنوؤں کا پانی صاف کیا گیا اور نہانے کے لئے ۵۵۰ گھیرے بنائے گئے۔ ہریجنوں کو پانی پہنچانے کے لئے ۴۰ ہزار روپے کی خاص رقم منظور ہوئی۔

ہمارے سامنے بہت بڑا کام ہے۔ ابھی ہم لوگوں نے اس کی بسم اللہ کی ہے عوام میں بیداری پیدا کرنے کے لئے انھیں بار بار جھنجھوڑنا پڑے گا۔ پرچار کی الوٹ لگن اور پوری دلچسپی کے ذریعے ہی حکومت گاؤں والوں میں بیداری پیدا کر سکتی ہے۔ جس سے انھیں عروج حاصل ہوسکتا ہے۔ صرف روپے سے مستقل اہمیت نہیں حاصل کی جا سکتی۔

اب وطن سے جہالت مٹا دینگے ہم!*

(از جناب سلام مچھلی شہری)

(۱)

اب وطن سے جہالت مٹا دینگے ہم!
اپنے بھارت کو پھر جگمگا دیں گے ہم
علم کا اک ستارہ بنا دیں گے ہم
زیور علم و حکمت پنھا دیں گے ہم
اب وطن سے جہالت مٹا دیں گے ہم!

(۲)

اب وطن سے جہالت مٹا دینگے ہم!
علم کا ہم بنائیں گے اک گلستاں
جس میں پھولیں پھلیں گے یہی نوجواں
کون کہتا ہے جاہل ہے ہندوستاں
اب وطن سے جہالت مٹا دینگے ہم!

(۳)

اب وطن سے جہالت مٹا دیں گے ہم!
علم ہی پر موقوف شانِ وطن
علم فخرِ وطن - علم جانِ وطن
آؤ روشن کریں بوستانِ وطن
اب وطن سے جہالت مٹا دیں گے ہم!

(۴)

اب وطن سے جہالت مٹا دیں گے ہم!
علم کو ایک سورج بنائیں نہ کیوں
اسکے جلوے میں منزل کو جائیں نہ کیوں
اے سلام! اسطرح سکھ منائیں نہ کیوں
اب وطن سے جہالت مٹا دیں گے ہم!

---

* جناب سلام کی یہ نظم یوم خواندگی کے موقعہ پر فیض آباد کے تمام اسکولوں کی طرف سے پڑھی گئی تھی۔

کسانوں کے مسئلے

(جناب جے۔ پی۔ مشر۔ ایم۔ اے پبلسٹی افیسر کواپریٹو ڈپارٹمنٹ۔ یو۔ پی)

۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے مطابق ہندوستان کی کل آبادی ۳۵ کروڑ ۲۸ لاکھ ہے جس میں تقریباً ۷۵ فیصدی کسان ہیں۔ یہاں شہروں کی تعداد بہت کم ہے لیکن دیہاتوں کی تعداد ۷ لاکھ ہے۔ اسی لئے ہندوستان اپنے شہروں میں نہیں بلکہ اپنے دیہاتوں میں آباد ہے۔ مرکزی و صوبجاتی حکومتوں کی آمدنی کا نصف حصہ کسان دیتا ہے اور کسان ہی کے اوپر سرکاری ملازم، وکیل ڈاکٹر، مِل مالک، مزدور و تاجر سبھی کی تجارت و روزی منحصر ہے۔ ۳۳-۱۹۲۹ء کی اقتصادی مشکلات کے وقت حکومت کی آمدنی گھٹ جانے کے باعث سرکاری ملازموں کی تنخواہیں کم ہوگئی تھیں۔ وکیلوں کی وکالت کم چلنے لگی تھی، ڈاکٹر اپنے لئے پریشان تھے، اور تاجروں و مِل مالکوں کے کام میں بھی کمی نظر آنے لگی تھی، چاروں طرف مصیبت اور بیچینی کا دور دورا تھا اور غریب مزدوروں کو تو نوکری ہی ملنی مشکل ہوگئی تھی۔ ان سب باتوں کا باعث محض غلّے کے نرخ میں بیحد ارزانی ہوجانے سے کسان کی ریڑھ کا ٹوٹنا تھا۔ اس لئے کسان ہی ملک کی جان ہیں اور وہی ہمارے رزق دینے والے ہیں۔ کسان کی ترقی ملک کی ترقی ہے اور کسانوں کی تنزلی ملک کی تنزلی ہے۔

اسوقت کے کسان

ایک وقت تھا جب ہندوستان کا کسان سب سے زیادہ خوشحال سمجھا جاتا تھا دکھ درد کا کہیں نام تک نہ تھا دودھ و گھی انکے گھر ہی میں ضرورت سے کہیں زیادہ ہوتا تھا۔ ٹیکس اس وقت بھی تھے مگر وہ بہت آسانی سے ادا کردیئے جاتے تھے۔ قرض کا بوجھ نہ تھا اور اُن کی ڈھیکیاں و کھتیاں سالوں غلّہ سے بھری رہتی تھیں اس وقت کا تذکرہ ڈیبرن نامی ایک انگریز سیاح نے یوں لکھا ہے:۔ "سورت سے میں نے گھاٹوں کو پار کیا۔ جب میں مرہٹوں کے ملک میں داخل ہوا تو میں نے محسوس کیا کہ میں سنہرے زمانے کے سادے اور مسرت افزا ملک میں پہنچ گیا ہوں..... جنگ اور قحط کا کسی کو پتہ نہ تھا۔ لوگ خوش مزاج اور محنتی اور بہت تندرست تھے۔ مہمان نوازی کا جذبہ ہر ایک کے دل میں موجود تھا۔"

بمبئی کے گورنر سر جان مالکم نے نانا فرنویس کی حکومت پر اپنی رائے کا یوں اظہار کیا ہے:۔ مجھے ایسے ملکوں کے دیکھنے کا کبھی موقع نہیں ملا جہاں اتنی اچھی کھیتی ہو۔ غلّہ اور تجارت کی چیزیں اتنی زیادہ تعداد میں پیدا کی جاتی ہوں۔

لیکن اب کے

کسانوں کی حالت دیکھتے ہوئے مندرجہ بالا سبھی باتیں ایک خواب سی معلوم ہوتی ہیں۔ ان میں لاکھوں کی تعداد ایسی ہے جن کو صرف ایک ہی وقت کھانا ملتا ہے اور وہ بھی جوار، مکا و باجرا جس میں جسم و خون بڑھانے کی کوئی طاقت نہیں ہوتی۔ دودھ و گھی تو کھانے کو کیا سونگھنے تک کو نہیں نصیب ہوتا اور کسانوں کے ننھے بچے ان کے لئے ترستے ہی رہتے ہیں۔ تن ڈھانکنے کے لئے ان کے پاس ایک دھوتی اور ایک انگوچھے کے علاوہ دوسرے کپڑے نہیں ہوتے اُن کی عورتوں و بچوں کے پرانے کپڑوں میں کئی پیوند لگے رہتے ہیں۔ موسم گرما میں تو کسی طرح عزت کی حفاظت ہوجاتی ہے مگر پوس اور ماگھ کے کڑاکے کی سردی میں انھیں ٹھٹھرتے

ہی بنتی ہے زیادہ تر اُن کے دالان و چوپالیں ہی اُنکے گھر ہیں جو کچی مٹی کے بنے ہوتے ہیں اور جن کے اُوپر گھاس پھوس کے چھپّر پڑے ہوتے ہیں۔ اُن میں نہ کھڑکی ہے نہ دروازے صرف ایک چوڑا دروازہ ہوتا ہے جس سے آمد رفت ہوتی ہے۔ وہ جاہل ہیں۔ ان کے اُوپر قرض کا بوجھ لدا ہوتا ہے اور انھیں صفائی، صحت کا ذرا بھی خیال نہیں ہوتا۔ آرنلڈ لیپٹن کا قول ہے:- گھاس پھوس یا تاڑ کی پتیوں سے چھایا ہوا مٹی کا گھر کسان کا محل ہے۔ اُس کا بچھونا پودوں کا ڈنٹھل یا پوال کا ہوتا ہے جو مشکل سے اونچا ہوتا ہے۔ چٹائی ہوتی ہے تو اُسے بچھونے پر ڈال دیتا ہے ورنہ یوں ہی سوتا ہے۔ اُسکے گھر میں نہ دروازہ ہوتا ہے نہ کھڑکیاں ہوتی ہیں ایک مٹی کا چبوترہ باہر بنا ہوتا ہے اور وہی اس کی آرام کرسی ہے بیٹھنے کے لئے۔ اس کے پاس دوسری دھوتی نہیں ہوتی، وہ کسی جشن میں حصہ نہیں لیتا۔ اس کا مذہب اُسے ضبط کی تعلیم دیتا ہے۔ اسی لئے وہ اس وقت تک صابر زندگی بسر کرتا ہے جب تک قحط اُسے پیٹھ کے بل نہیں گرا دیتا۔"

۱۸۸۸ء میں آسام کے چیف کمشنر سر چارلس ایلیٹ نے لکھا تھا "مجھے یہ لکھنے میں ذرا بھی جھجھک نہیں کہ آدھے سے زیادہ کسان سال کے ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک یہ بھی نہیں جانتے کہ پیٹ بھر کھانا کسے کہتے ہیں" شاید لوگ یہ کہیں کہ یہ ذکر ۵۰ پچاس سال پہلے کا ہے لیکن اب کسانوں کی حالت ایسی نہیں ہے۔ جو کسان ہیں یا جو کسانوں کے درمیان میں رہنے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ یقیناً اس بات کا اعتراف کریں گے کہ کسانوں کی حالت آجکل اور بھی بگڑی ہوئی ہے۔ اس سے زیادہ اور کیا دکھ کی بات ہو سکتی ہے کہ جو کسان دوسروں کو رزق دے اُسے خود پیٹ بھر روٹی نہ ملے، جو دوسروں کو کپڑے پہنائے وہ خود ننگا رہے۔ اور جو دوسروں کے سے محل بنانے میں مدد دے خود اُسے رہنے کے لئے ٹوٹی پھوٹی جھونپڑیاں ہی نصیب ہوں۔ ہائے، گاڑیواں اناج پیدا کرنیوالے کی ملکیت - قرض - انھیں سب فکروں کی وجہ سے اُس میں اُمید کی ذرا بھی جھلک نہیں نظر آتی۔ اسکے برعکس اُداسی اور حوصلے کی کمی نے اُسکے دل میں گھر بنا لیا ہے۔ سچ ہے ہندوستانی کسان اب زندہ نہیں ہے بلکہ اس کا صرف زندوں میں شمار ہے۔

سرکاری محکمہ ترقی

اب سوال یہ ہے کہ کسانوں کی حالت کیسے سدھرے؟ گذشتہ ۳۵ برسوں میں سرکاری محکمہ ترقیات نے کسانوں کی حالت سدھارنے کے لئے کافی کوشش کی ہے۔ محکمہ زراعت نے مصنوعی کھادیں، مقوی بیج، نئے ہل و کھیتی کے اوزار، عمدہ نسل کے مویشی اور زیادہ فائدہ پہنچانے والی فصلوں وغیرہ کی اشاعت کی۔ محکمہ امداد باہمی کے ذریعے سے کسانوں کیلئے بینک کھولے گئے جس سے انھیں کم سود پر نہ صرف قرض ملے بلکہ کھیتی کے لئے سامان باہم ملکر خریدے جائیں، انکی فصل کی فروختگی کا مناسب انتظام کیا جائے اور ان میں کفایت شعاری کی عادت پیدا ہو اور فضول خرچوں میں کمی ہو۔ محکمہ صنعت حرفت نے گھریلو صنعتوں کی ترقی کی کوشش کی۔ تاکہ کسانوں کی آمدنی میں کچھ اور اضافہ ہو اور دیہاتی صنعتوں کی ترقی ہو۔ ان سبھی محکموں سے یقیناً کسانوں کو فائدہ پہنچا ہے۔ یہ بات دوسری ہے کہ عوام کی ترقی کی خواہش تک انکے کام نہ ہو سکے ہوں۔ یہ سچ ہے کہ کسانوں میں تنظیم نہ ہونے کے باعث زیادہ سے زیادہ کسانوں کو فائدہ نہ ہو سکا اور ہر ایک محکمہ کے الگ الگ کام کرنے سے انکی پوری زندگی پر اثر نہ پڑ سکا۔

تنظیم کی ضرورت

ترقی کے زینے کی پہلی سیڑھی تنظیم ہے جس ملک کے لوگ آپس میں منظم ہونا نہ جانیں اُس ملک کے لوگوں کو بھلا کون اٹھا سکتا ہے۔ آج سے تقریباً ڈیڑھ سو سال پہلے ہر ایک گاؤں میں پنچایتیں تھیں جنکے سلسلے میں سارا گاؤں منسلک تھا۔ پنچایتیں صرف آپس کے جھگڑوں ہی کو طے نہیں کرتی تھیں بلکہ گاؤں کی صفائی و صحت تعلیم کا مناسب انتظام، گاؤں کے بھنڈار میں غلّہ جمع کرنا، ٹیکس لگانا، وصول کرنا اور اس کو مفید کاموں میں صرف کرنا کنوئیں و تالاب بنوانا وغیرہ سبھی کام ان کے ہاتھ میں تھے۔ اُنکا اثر اتنا زیادہ تھا کہ تاجروں یا مہاجنوں کی ہمت نہیں تھی کہ وہ گاؤں

والوں کے ساتھ سود خوری یا اور کسی قسم کا نامناسب سلوک کریں۔ یہ گاؤں والوں کے لئے حکومت کا ایک جزو تھیں اور بچے سے لیکر بوڑھے تک اس پر اعتماد کرتے تھے گاؤں کے بزرگ ہردلعزیز اور معزز پانچ آدمی پنچ چن لئے جاتے تھے جو بادشاہ کی طرح مانے جاتے تھے اور جنکے فیصلے ماننے کے لئے لوگ مجبور تھے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ خوش حال تھے اور چاروں طرف سکھ اور مسرت تھی۔ مرکزی انگریزی حکومت اور اسکے ماتحت شہروں میں کچہریاں کھل جانے کے باعث پنچایتوں کے وقار کو بڑا دھکا لگا۔ وہ کمزور ہوکر دھیرے دھیرے ٹوٹنے لگیں یہاں تک آج ہمارے گاؤں اُن پُرانی پنچایتوں کا صرف نام ہی نام سنا جاتا ہے۔ پنچایتوں کے ٹوٹنے پر گاؤں والے منتشر ہو گئے اور خود غرض لوگوں نے اس کمزوری کا ناجائز فائدہ اُٹھایا۔ تنظیم کے بجائے پھوٹ پیدا ہوگئی حسد اور بے اعتمادی بڑھی اور لوگ سماجی رسموں کے شکار بن گئے۔ آج ہمارے دیہاتوں کا ٹھیک یہی حال ہے۔ اگر ہمیں کسانوں کی حالت سدھارنی ہے تو وہ تنظیم ہی سے ہو سکتی ہے تنظیم سے قوت بڑھتی ہے۔ مالی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں۔ اور مشکلوں وبری رسموں سے نجات ہوتی ہے۔

تنظیم کی جگہ

یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ کسانوں کے درمیان تنظیم قائم کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اور نہ وہ تنظیم کرنے والے کی مرضی کے مطابق جلد ہی قائم ہو سکتا ہے۔ ہوشیار تنظیم کرنے والوں کا یہ تجربہ ہے کہ تنظیم کرنے میں جہاں جلد بازی کی گئی یا کارکن نے یہ چاہا کہ اس کی محنت کا ثمرہ جلد مل جائے وہاں فائدے کے بجائے نقصان ہونے کا زیادہ اندیشہ ہے۔ ہماری تنظیم کی صورت خواہ زندگی سدھار سبھا ہو یا پنچایت یا اور کوئی دوسری کوشش سبھی میں تنظیم کے اصولوں کو استعمال کرنے کی بڑی ضرورت ہے۔ اگر کسی قسم کی تنظیم سرکاری افسروں وبیرونی کارکنوں کے ذریعے دیہاتیوں کے اوپر لاد دی جائے اور اگر ایسی تنظیم میں دیہات والوں کا کوئی ہاتھ نہ ہو تو وہ کبھی مستقل نہ ہوگی اور نہ اس سے کسی قسم کا فائدہ ہی ہوگا۔ مختصر یہ کہ تنظیم کی بنیاد کا مستحکم وکامیاب ہونا باہمی امداد واتحاد پر منحصر ہے۔ یعنی کسان خود ہی اپنے پیروں پر کھڑے ہوں اور وہی ہر کام میں آگے بڑھکر کافی دلچسپی لیں۔ سرکاری ملازموں و اندرونی کارکنوں کا تو یہی فرض ہے کہ وہ ان کو (دیہات والوں کو) اتنی مدد اور راستے دیں کہ جس سے وہ خود ہی اپنا کام کرنے لگیں نہ کہ وہ (سرکاری ملازم) انکے لئے کام کر دیں

گرام سدھار

امدادی تنظیم ہی دراصل گرام سدھار کی بنیاد ہے۔ گرام سدھار کا کام اس وقت سارے صوبہ میں بڑے جوش کے ساتھ ہو رہا ہے اور اس کے لئے حکومت نے ایک نیا محکمہ گرام سدھار قائم کیا ہے جگہ جگہ پنچایتیں وزندگی سدھار سبھائیں کھولی جا رہی ہیں اور بیج گوداموں کا کافی استعمال کیا جا رہا ہے۔ حکومت کے دوسرے محکمے ترقی جیسے امداد باہمی صنعت وعلاج مویشیان وغیرہ سبھی گرام سدھار کے ساتھ ساتھ ملکر کام کرتے ہیں۔ ایسی پالیسی کا اثر کسانوں پر بہت گہرا پڑے گا اور ان کی ہر پہلو سے ترقی ہوگی۔ کسان کا مسئلہ یہی ہے کہ اسے پیٹ بھر روٹی ملے پہننے کو کپڑے ملیں اور رہنے کے لئے ایک اچھا گھر ہو۔ جسم تندرست رہے اور عام طور سے تعلیم اور روزمرہ کی باتوں کا علم ہو نہ کہ کتابی تعلیم گرام سدھار کی یہی منزل مقصود ہے اور ہم ہندوستانیوں کا یہی فرض ہے کہ انھیں پستی سے بلندی کی طرف لے جانے میں تن من دھن سے مدد پہنچائیں۔

ویدجی کے چوہے

(از جناب [illegible] واجپئی ایم - اے - ایل ایل - بی)

چوہے میں نے بہت دیکھے ہیں - دیسی ولائتی شہری دیہاتی۔ موٹے پتلے سبھی قسم کے چوہے دیکھے ہیں مگر ویسے چوہے میں نے کبھی نہیں دیکھے۔ آپ نے بھی نہ دیکھے ہوں گے۔ آپ تو ہیں نہیں ! آپ کو دکھلا سکوں مگر اُن کا حال ضرور بتلا سکتا ہوں اس روز سویرے ہی سویرے مجھے ایسا معلوم ہوا کہ قریب ہی کہیں فساد ہوگیا ہے۔ تمام لوگوں کے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ "اب کہاں جانے گا"۔ "وہ بھاگا" "وہ پکڑا" وغیرہ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ بڑی بھیڑ تھی کہیں پر پہلے تو میں سمجھا کہ ڈاکوؤں نے میرے مکان پر دھاوا بول دیا ہے تب تک میری صبح نہیں ہوئی تھی۔ ہاتھ پیر کانپنے لگے۔ جلدی جلدی گائتری منتر پڑھتے ہوئے میں نے رضائی سے تھوڑا سا سر نکالا۔ کچھ دھوپ دکھائی دی۔ گھڑی دیکھی تو آٹھ بج چکے تھے۔ دن میں بڑا جادو ہوتا ہے ڈاکوؤں کا خوف نہیں ہوتا۔ مگر آٹھ بجے تو بہت سویرا ہوتا ہے۔ یہ سمجھ کر میں کوئی خوفناک خواب دیکھ رہا تھا میں نے کروٹ بدلی اور پھر رضائی کے اندر منہ ڈال لیا۔ پہلا ہی خراٹا لیا ہوگا کہ پھر آوازیں آنی شروع ہوگئیں۔ اُس وقت مجھے فساد کا شبہ ہوا پھر کسی نے زور سے دروازہ بھڑ بھڑانا شروع کیا۔ میں نے بہت چڑھ کر پوچھا "کیا ہے ؟" یہ تو پہلے ہی سوچ لیا تھا کہ کوئی خاص بات ضرور ہوگی میرے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹانے کی جرأت میرے گھر میں سب کو نہیں ہوسکتی۔ اپنے گھر والوں کے لئے تو میں بدمزاج مسوبینی یا بدمزاج ہٹلر ہوں۔ مجھ سے چھوٹے چھوٹے میرے نام ہی سے تھراتے ہیں ہر ایک واقف ہے کہ میں بڑی جلدی کاٹ کھاتا ہوں۔ بدتمیز کا دنیا میں بول بالا ہے اور کسی سے ہنسکر بولنا میں نے سیکھا ہی نہیں۔ والدین کو دیکھکر بھی غراتا رہتا ہوں۔ چھوٹوں کو کاٹ کھانا کون سی بڑی بات ہے اور گھر والوں کی بدقسمتی سے والدین کو چھوڑ کر میں ہی گھر میں سب سے بڑا ہوں اسی لئے گھر بھر کے لئے ہاؤ بابا ہوں۔ میرے کمرے کے قریب سے گذرتے ہوئے لوگ سانس روک کر چلتے ہیں دروازہ کون کھٹکھٹا سکے؟ میرے بگڑے ہوئے لہجے کے جواب میں کچھ دیر رک کر کوئی سہما ہوا سا بولا "ویدجی بلا رہے ہیں" میں نے کہا "کہدو ابھی سو رہے ہیں" اس نے پھر دبی زبان میں کہا "چوہے لائے ہیں" "لو آئیں" کہتا ہوا میں بستر سے اُٹھا اور دروازہ کھولکر لڑکے کے کان اینٹھنے کے ارادے سے باہر نکلا۔ لڑکا اُس وقت تک غائب ہوچکا تھا۔

ویدجی کو کوستا ہوا میں دو منزلے سے نیچے اترا۔ نیند اچھی طرح کھل گئی تھی بلانے پر بھی نہ آتی۔ زینے پر پہنچکر پھر سب لوگوں کے بولنے کی آوازیں آئیں۔ باہر پہنچکر جو نظارا دیکھا وہ زندگی بھر یاد رہے گا۔ آدمیوں کا جم غفیر لگا تھا۔ عورتیں اوپر چھتوں سے نیچے جھانک رہی تھیں۔ بچوں نے شور مچا رکھا تھا اس بھیڑ میں ٹھیک میرے دروازے کے سامنے ہی ویدجی کھڑے تھے۔ انکے ایک ہاتھ میں چھ سات ڈوروں کے سرے تھے اور دوسرے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ سات یا آٹھ خوب موٹے موٹے چوہے اُن ڈوروں میں کمر سے بندھے ہوئے تھے اور اگر وہ بھاگنے کی کوشش کرتے تھے تو چھڑی انکی پیٹھوں پر پڑتی تھی۔ اتنے بڑے چوہے میں نے دیہات میں کبھی بھی نہیں دیکھے۔ انکی شکلیں بیحد ڈراونی تھیں۔ اور انکی دمیں دیکھکر گھن معلوم ہوتی تھی۔ وہ چوہے طرح طرح کے ناچ دکھا رہے تھے اور ڈوریاں کاٹنے کی جب کوشش کرنے پر چھڑی کی مار کھا رہے تھے۔ لڑکے تالیاں پیٹتے ہوئے اُن چوہوں کو ڈرا رہے تھے۔

چوہوں کے پاس سے ایک قسم کی بدبو آرہی تھی۔ میرے پہنچتے ہی ویدجی نے ایک چھڑی ان چوہوں کو لگائی اور مجھ سے پوچھا: "اب تو یقین ہو گیا؟" کچھ لمحے تو مجھے اُس عجیب نظارے کے معنی سمجھنے میں لگے اس کے بعد مجھے تماشا ہنسی آگئی۔ بڑی مشکل سے ہنسی ضبط کر کے میں نے کہا "ہاں ویدجی مان گیا۔ مگر مہربانی کر کے اس بلا کو یہاں سے جلد ہٹائیے ورنہ میرے لئے مصیبت ہو جائے گی۔ میرے یہاں چوہوں کی کمی نہیں ہے۔ اتنے چوہے اگر کہیں چھوٹ کر میرے یہاں پہنچ جاتے تو قیامت ہی مچا دیتے۔ اتنے میں ایک کتا کہیں سے آگیا اور ویدجی کے دہشت دہشت کرتے رہنے اور ایک چھڑی مارنے پر بھی ایک چوہے کا صفایا کر ہی تو گیا۔ ویدجی بحث کرنا چاہتے تھے مگر میں نے یہ کہکر کہ "شام کو باتیں ہوں گی" اپنی جان چھڑائی اور ویدجی اپنے چوہوں کو چھڑی سے ہانکتے ہوئے اور مرے چوہے کو گھسیٹتے ہوئے نہر کی طرف چلے گئے۔

پچھلی شام کو ویدجی سے بڑی گرم بحث چھڑ گئی تھی کہ شہری چوہے بڑے ہوتے ہیں یا دیہاتی چوہے۔ میں شہری ہوں اور شہر کی نفاست کا حامی ہوں۔ چوہے مجھے بہت ناپسند ہیں، موقع ملتے ہی میں ان کا شکار کر ڈالتا ہوں۔ پھر بھی مجھے چوہوں سے بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ رات کو آنکھ کھلنے پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گھر میں مہابھارت ہو رہا ہے یا ڈاکو نقب لگا کر اندر آنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ ہوتے ہوئے بھی شام کو تاش کی محفل میں میں نے یہی کہا تھا کہ چوہے دیہات ہی میں بڑے ہوتے ہیں۔ انکا مقابلہ شہر والے کبھی کر ہی نہیں سکتے۔ ہر چیز اوقات کے مطابق ہوتی ہے۔ دیہات کے آدمی ڈیل ڈول میں شہر والوں سے کہیں لمبے چوڑے ہوتے ہیں۔ ان کا مقابلہ شہر والے کبھی کر ہی نہیں سکتے۔ پھر انکے کھلیانوں کے پلے ہوئے چوہوں کا شہری چوہے کیونکر مقابلہ کر سکتے ہیں۔ قاعدے سے دیہاتی چوہوں کا ڈیل ڈول شہری چوہوں سے کہیں زیادہ بڑا ہونا چاہئے۔ پھر چوہے تو ایک بلا ہیں میں شہر کا ہو کر کیسے کہتا کہ شہر میں بلا زیادہ ہے۔ رہنے والے ویدجی بھی اب شہر ہی کے ہیں انھوں نے لکھنؤ میں مکان بنوالیا ہے اور ہم لوگوں کو اپنے چوہے والے ویدجی پر ناز ہے۔ گو آئے تھے ویدجی دیہات ہی سے ہیں اور نئے مسلمان کی طرح اپنے مذہب یعنی شہری پن کے بڑے حامی ہیں۔ انھیں یہ برداشت نہ ہوا کہ کوئی بھی شہر کی چیز دیہات سے کم کہی جائے۔ بڑے جوش میں وہ بولے کہ شہری چوہے دیہاتی چوہوں سے کہیں زیادہ موٹے تازے ہوتے ہیں۔ بحث چھڑ گئی۔ سنسکرت کے پنڈتوں اور فارسی کے مولویوں سے بحث چھڑتے دیر ہی کتنی لگتی ہے۔ بات شروع بھی ایک چوہے نے ہی کی تھی۔ وہ خود آکر بولا نہ تھا۔ شہری چوہے خواہ کتنے ہی باکمال ہوں ابھی بولنا نہیں جانتے وہ چوہا بجلی کے تاروں کی پٹری کے سہارے دھیرے دھیرے نیچے اترا۔ دیوار سے لگے ہوئے ہمارے ویدجی بیٹھے ہوئے تھے انکی صفاچٹ کھوپڑی کو اس بیچارے نے غلطی سے دیوار ہی کا ایک حصّہ سمجھا۔ ویدجی نے سر ہلا کر اپنے پیٹ پر رکھا ہوا تکیہ پھینکا اور چوہا دو چار بار ہوا میں ہاتھ پیر ہلا کر "چوں چوں چوں چوں" کرتا ہوا اُن کی گود میں گرا۔ ویدجی "دہشت تیری کی" کہتے ہوئے کود کر کھڑے ہو کر دھوتی جھاڑنے لگے اور چوہا تو چھلانگیں مار کر پاس کی ایک کوٹھڑی میں گھس گیا۔ ہم لوگ ہنستے ہنستے لوٹ گئے اور ویدجی ناراض ہو گئے۔ کچھ دیر بعد وہ بولے: "یہ چوہے بڑے پاجی ہوتے ہیں روزانہ آٹھ بجے جیسے ہی گھڑی کا گھنٹہ بجتا ہے ویسے ہی ایک بڑا بھاری چوہا سرسر کرتا ہوا چوکے میں اترتا ہے اور میرے اوپر سے کود کر بھاگ جاتا ہے۔ میں بڑا پریشان ہوں میرا وہی کھانے کا وقت ہے اور اُس کا وہی نکلنے کا وقت ہے۔ اتنا بڑا چوہا ہی میں نے نہیں دیکھا اور میرے یہاں اس کے بہت سے بھائی بند ہیں" میں نے کہا: "ویدجی ابھی آپ نے دیہاتی چوہے دیکھے نہیں ہیں بڑے خوفناک ہوتے ہیں انھیں دیکھکر ڈر لگتا ہے میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہاں رہنے والے لوگ انھیں کیسے برداشت کرتے ہیں۔ ابھی دیہات گیا تھا۔ وہاں میں نے بڑے

بڑے چوہے دیکھے" بس اسی پر لمبی بحث چھڑ گئی۔ میں نے دیہاتی چوہوں کی طرفداری کی وید جی نے شہری چوہوں کی۔ شام کو وید جی سے ہاتھ تاش کوئی نہیں جیتا سکتا۔ مگر چوہوں میں وہ تاش بھی بھول گئے۔ اپنی بات کی تائید میں انھوں نے چوہوں سے اپنی لڑائی کے بہت سے قصے سنا ڈالے۔ انھوں نے اپنے مکان میں ایک تہ خانہ بنا رکھا ہے جس میں ان کی دوائیں بنائی اور رکھی جاتی ہیں۔ ایک روز وہاں بہت کھٹ پٹ سنکر وہ اندر گئے۔ دیکھا تو پانچ چھ چوہے انگوری شراب پیے ہوئے مست کھیل رہے ہیں۔ خالی بوتلیں رکھی ہوئی ہیں۔ ان کے کاگ کھلے ہوئے پڑے ہیں اور ایک چوہا ایک بوتل میں اپنی دم ڈال ڈالکر اُسے بھگو کر عرق چاٹ رہا ہے۔ وید جی نے انھیں بھگانا چاہا تو وہ بھاگے نہیں شراب کے نشے میں مست تھے۔ غصے میں وید جی نے ایک ڈنڈا مارا تو سب کی چھچھڑ دار کھڑکی سے نکل بھاگے لیکن کئی بوتلیں شہید ہوگئیں۔ نقصان میں وید جی ہی رہے۔ اس مصیبت سے تنگ آکر وید جی نے ایک بلی کا بچہ پالا۔ اُسے دودھ پلا پلا کر خوب موٹا کیا۔ دو چار چوہوں کا اس نے شکار بھی کیا پھر ایک رات کو وید جی اسے تہ خانے میں بند کر آئے۔ آدھی رات کے قریب زور کی آواز سنکر انھوں نے دروازہ کھولا تو بلی چلاتی ہوئی نکل بھاگی اور اُسکے پیچھے دس بارہ چوہے اُسے دوڑاتے ہوئے بھاگے کوئی اس غریب بلی کے کان کتر رہا تھا کوئی آنکھیں کاٹے ڈالتا تھا اور کوئی پیٹھ پر گوند سے چپکا ہوا سا معلوم ہوتا تھا یہ نظارہ دیکھکر وید جی کے ہوش گم ہوگئے سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ وہ بلی کا بچہ آج تک نہیں نظر آیا۔ خدا معلوم زندہ ہے کہ مر گیا۔ اسکے بعد وید جی نے اُن چوہوں کو سنکھیا کھلا دیا۔ آٹھ دن تک بدبو کے مارے انھیں گھر چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ مگر جب لوٹے تو مکان کو چوہوں سے صاف پایا۔ اطمینان کی گہری سانس لیکر کچھ دن انھوں نے چین کی بنسی بجائی۔ مگر بیوی صاحبہ کا حکم ہوا کہ اب کبھی ایسا نہ کرنا کہ گھر چھوڑنے کی نوبت آئے۔ وید جی کے آس پاس کے لوگ نہ جانے انھیں کیوں تنگ کرتے ہیں ایک روز کوئی چوہے لاکر انکے تہ خانے میں چھوڑ گیا۔ وید جی نے سینکڑوں گالیاں دیں مگر یہ پتہ نہ چلا کہ شرارت کس نے کی۔ اس چوہے چھوڑنے کی عادت نے زور باندھا اور کچھ ہی دنوں میں وید جی کے تہ خانے میں پھر چوہے ڈنڈ پیلنے لگے۔ وید جی بیچارے بہت پریشان ہونے لگے۔ بیوی کے ڈر کے مارے سنکھیا پھر نہ کھلا سکے۔ جب ایک کے بعد دوسری بوتل خالی ہونے لگی تب انھوں نے بوتلوں پر ٹین کا پتر کاگ سمیت اوپر چڑھا دیا مگر چار چھ دن بعد ان پتروں میں بھی چھید ملے اور دواؤں کے بدلے عرق پیا جانے لگا۔ عرق فولاد پی کر ایک چوہا وید جی پر جھپٹ پڑا۔ اور وید جی کو بھاگنا پڑا۔ ہم لوگوں نے بہت سمجھایا کہ جب عرق فولاد پیکر چوہا آدمی پر جھپٹ سکتا ہے تو اس عرق فولاد کو اگر آدمی پی لے تو نہ جانے کیا کر ڈالے۔ مگر وید جی کو ہم لوگوں کی یہ ہنسی پسند نہ آئی ان بیچارے کا چوہوں کے پیچھے بڑا نقصان ہو گیا۔ اُس پر سے وہ کمبخت چوہا انکی کھوپڑی کو دیوار سمجھا۔ ناراض ہونے کی بات ہی تھی۔ جب دو گھنٹے کی گرم بحث کے بعد وید جی مجھے ہرا نہ سکے تو کہنے لگے "دیہاتی چوہوں میں اتنی ہمت نہیں ہو سکتی کہ وہ ایک وید کو اتنا دق کر سکیں" اور اسکے بعد کچھ اور تاؤ کھاکر وہ بولے "اچھا اگر آپ کو یقین نہیں ہوتا تو میں کل صبح آپ کو کچھ چوہے پکڑ کر دکھلا دوں گا" مجھے کیا معلوم تھا وہ سچ مچ چوہوں کو ہنکاتے ہوئے صبح ہی صبح تشریف لے آئیں گے۔ اُن چوہوں کو دیکھکر تو میں تو مان گیا کہ واقعی شہری چوہے دیہاتی چوہوں سے بڑے ہوتے ہیں۔ لیکن میں تو اب بھی یہ سمجھتا ہوں کہ وید جی کے چوہے عرق پی پی کر موٹے ہوئے تھے۔ اصلی شہری چوہے نہیں تھے۔

مٹی کا کٹنا

اور باڑھ

از جناب اسی - اے اسمتھیز آئی - ایف ایس
چیف کنزرویٹر آف فاریسٹ

مینچائی کا سنٹرل بورڈ اُن خطروں کو سمجھ چکا ہے جن سے گنگا کے میدان کو اندیشہ ہے اور جن پر پنجاب اور یو-پی کے محکمۂ جنگلات کئی سال سے زور دے رہے ہیں - اس لئے اس پوری حالت کی مختصر نگرانی دلچسپ ہوگی اور اسکے ذریعے اس خطرے کا بھی پتہ چلے گا جو دھیرے دھیرے بڑھتا ہی جا رہا ہے اور جس سے یوپی اور اسکے پڑوسی پنجاب و بہار کے صوبوں کو بھی اندیشہ ہے۔ گنگا کے بیسن میں ایسی قدرتی حالتیں پائی جاتی ہیں کہ اگر خود رو پیداوار ایک بار برباد کر دی جائے جس سے واقعی بچاؤ ہوتا ہے تو سطح کی مٹی کی کٹائی اور پودوں کا سوکھ جانا نہیں روکا جا سکتا۔

قدرتی حالات یہ ہیں :-

(۱) گرمی اور خشکی زیادہ دنوں تک پڑتی ہے پھر تھوڑے دنوں زبردست بارش ہوتی ہے جس کی وجہ سے قدرتی پیداوار رُک جاتی ہے۔

(۲) خاص ندیوں کے بالائی حصّے میں اونچے پہاڑوں کی قطاریں ہیں جن کے باعث نقصان دہ طغیانیاں آتی ہیں - اور موسمی ہوا بند ہو جانے پر پانی بہت کم ہو جاتا ہے جس سے خود رو پیداوار کم یا برباد ہو جاتی -

(۳) گنجان آبادی کے کچھار کی مٹی آسانی سے بہ جاتی ہے اور یہاں کے خود رو پودے غائب ہو چلے ہیں -

(۴) مویشی جو بہت زیادہ تعداد میں پالے

ای - اے اسمتھیز آئی ایف ایس چیف کنزرویٹر آف فاریسٹ

جاتے ہیں وہ بنجر اور بلا بوئی ہوئی زمین کو بہت زیادہ چر ڈالتے ہیں اور جن کے باعث خود رو پودے بڑھ نہیں پاتے حالانکہ اس وقت دنیا کے پانچوں براعظموں کی سطح کی مٹی بہ جانے سے لوگوں کی ترقی اور زندگی تک کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ محسوس کیا گیا ہے - پھر بھی میرا خیال ہے کہ دنیا کا شاید ہی ایسا ہی کوئی رقبہ ہو جہاں گنگا کے میدان سے زیادہ خطرہ ہو اور اس خطرے کو دور کرنے کے لئے بہت کم کوشش کی جا رہی ہو اور جہاں کی کئی کروڑ کی آبادی پر اس کا اثر ہونے کا اندیشہ ہو۔

مسٹر ریڈمس نے آبپاشی کے سنٹرل بورڈ کے سامنے خود رو پودوں کے برباد ہونیکے باعث سطح کی مٹی بہ جانے کی مثالیں پیش کی ہیں "امپیریل بیورو آف سوائل سائنس

مویشیوں کے چرنے کی وجہ سے مٹی کا کٹنا شروع ہے (پھیڑوا کے پاس گونڈا کمشنری)

سنے حال ہی میں اس مسئلے کی مختصر تفصیل (ٹکنیکل کمیونیکیشن نمبر ۲۶) شایع کی ہے جس میں پانچوں براعظموں کے تیس سے زیادہ ملکوں کا ذکر ہے اور ہندوستان کو خاص جگہ دی گئی۔ ہوشیار پور کی پہاڑی کی مثال دیکر یہ ثابت کیا گیا ہے کہ کس طرح صرف چرائی کی وجہ سے پہاڑیوں کے پودوں کے برباد ہو جانے سے میدانوں کی کھیتی برباد ہو جاتی ہے۔ بھوڑ کا رقبہ ۱۸۵۲ء میں ۴۸۰۰۰ ایکڑ تھا اور ۱۸۹۷ء میں ۹۴۰۰۰ ایکڑ یعنی ۴۵ سال میں دونا ہوگیا آج یہ ۴۵۰۰۰۰ ایکڑ کا ایک بڑا رگستان بن گیا ہے۔ (۴۰ سال میں پنچ گنا ہوگیا ہے)، ۷۰۰۰۰ ایکڑ کی زرخیز زمین والے ۹۴۰ گاؤں برباد ہوگئے ہیں۔

نہروں کو بھی بہت نقصان پہنچا ہے۔ ضلع سہارنپور میں بالکل برعکس بات ہوئی ہے۔ یہاں شوالک کی پہاڑیاں ۵۰ سال سے محکمہ جنگلات کی نگرانی میں رکھی گئی ہیں۔ اُن کی آگ سے حفاظت کی گئی اور مویشیوں کے نہ چرسکنے کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔ اس سے ریتیلا رقبہ کم ہوگیا ہے اور گنگا و جمنا کی نہروں کو بہت کم نقصان پہنچا ہے۔

جمنا و چمبل جہاں ایک ساتھ بہتی ہے وہاں سطح کی مٹی بہجانے کی دوسری مثال دی گئی ہے۔ یہاں بھی چرائی کی زیادتی کے باعث خودرو پودوں کے برباد ہو جانے سے سطح کی مٹی کٹ گئی ہے۔ جون ۱۹۵۱ء کے پبلک انفارمیشن، کے ایک مضمون میں یہ نوٹ شایع ہوا تھا: "مثلاً

کمایوں میں ڈھالوں پر جہاں بھی ہموار زمین مل جاتی ہے وہاں کھیتی اور باقی زمین میں خوب چرائی ہوتی ہے۔ زمین کھل جانے سے لینڈ سلپ ہوتے ہیں اور محفوظ جنگلوں کے علاوہ اور بھی درخت گرا کر برباد کر دیے گئے ہیں۔

نما اور بنبس کے بیسن کو لیجئے۔ یہاں تقریباً پانچ لاکھ ایکڑ زمین کی ۲۰ فیٹ سے ۴۰ فیٹ تک سطح کی مٹی بہ گئی اس طرح مٹی کی دھار ایک منٹ بھی رکے بغیر لگاتار دن رات بہتی ہوئی گذشتہ ایک ہزار سال سے آدھ ٹن فی سکنڈ کے حساب سے سطح کی مٹی بہ رہی ہے۔ ۲۵ سالہ تجربہ کے بعد محکمۂ جنگلات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اس طرح سطح کی مٹی کا بہنا درت چرائی روکنے سے کچھ حد تک روکا جا سکتا ہے۔ ایسا کرنے سے ایک یا دو سال میں خود رو پودے اور خصوصاً چرائی کے لئے اچھی گھاس اُگ آئیں گی اس طرح نہ صرف سطح کی مٹی کا بہنا ہی رک جائیگا بلکہ ساتھ ہی ساتھ چارہ بھی بڑھیگا۔ اور ایک ایسے صوبے میں جہاں ۴۰ کروڑ مویشیوں کے لئے خوراک کی بہت کمی ہے دوہرا فائدہ ہوگا۔

اخبار اسٹیٹسمین نے حال ہی میں اپنے ایک افتتاحیہ مقالے میں تحریر کیا ہے۔ مقامی دلیلیں اُسی وقت دی جا سکتی ہیں جب نقصان اس قدر بڑھ گیا ہو کہ اُسے پورا کرنا مشکل ہو جائے۔ مقامی دلیلیں مذکورہ بالا دونوں مثالیں پیش کرتی ہیں اور حالانکہ جو نقصان پہنچ چکا ہے وہ پورا نہیں کیا جا سکتا پھر بھی چرائی کی زیادتی روک کر خود رو پیداوار کی حفاظت کرنے سے وہ نقصان روکا جا سکتا ہے جو مناسب انتظام نہ ہونے کے باعث بڑھتا ہی جائیگا مناسب انتظام کے یہ معنی نہیں کہ انجینئرنگ سے کثیر خرچ کے

(اٹاوا ضلع میں مٹی کے کٹنے کا ایک منظر (ایک گاؤں خطرے میں ہے)

کام شروع ہوں۔ یا جنگل اور درخت لگائے جائیں۔ خودرو گھاس، جھاڑیوں اور پودوں ہی سے حفاظت ہوسکتی ہے اگر ہم قدرت سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائیں تو وہ اُن تمام چیزوں کو مہیا کر دے گی جن کی ہمیں ضرورت ہے۔

مٹی کی کٹائی سے دور کے رقبوں کو بھی نقصان پہنچتا ہے۔ اس طرح پہاڑ کے باشندوں کے کاموں کا اثر میدانی باشندوں پر پڑتا ہے۔ ہمالیہ اور گنگا کے بالائی بیسنوں میں جو کچھ ہوتا ہے وہی بہار میں بھی ہوتا ہے۔ زیادہ بارش کی حالت میں کیچڑ سے بھری ہوئی ندیاں پانی تیزی سے نہیں نکال سکتیں۔ اسی لئے سارے ملک میں سیلاب آجاتے ہیں۔ بالائی حصّے میں کافی تعداد میں درختوں اور پودوں کے نہ ہونے کے باعث ممالک متحدہ امریکہ کی ٹینسی کی گھاٹی اور پنجاب کی اہل کی گھاٹی کو جس میں انجینئرنگ کے کافی کام ہوئے ہیں بہت نقصان پہنچا ہے خودرو پودوں کے برباد ہوجانیکے باعث ممالک متحدہ امریکہ کے پریری کے میدانوں کی مٹی خراب ہورہی ہے اور کناڈا کے پریری کے صوبوں میں خشکی بڑھ رہی ہے۔

جنگل کاٹ دینے سے شمالی افریقہ کا گیہوں کا وہ صوبہ جو قدیم روم کا غلّہ پیدا کرنے والا ملک تھا صدیوں سے ریگستان بن گیا ہے۔ تائیگریس کی گھاٹی جو بیبابن کے دنوں میں زرخیز تھی پہاڑی کے جنگلوں اور پودوں کے کٹ جانے سے ریگستان کی شکل میں بدل گئی ہے چین کی پیلی اور یانگ ٹسی ندیوں میں نقصان رساں سیلاب بالائی پہاڑیوں میں جنگل نہ ہونے کے باعث ہی آیا

کوہٹ دوارالینس ڈاون سڑک پر ۶ میل پر لینڈسلپ

کرتے ہیں۔

اِس قسم کی پرانی اور نئی مثالیں اور بھی دیجا سکتی ہیں اور یہ بتاتی ہیں کہ اس طرف سے لاپروائی برتنا خطرناک ہے۔ یہ یقین کیا جاتا ہے کہ حکومت پنجاب اس کام کو بڑی سنجیدگی سے ہاتھ میں لے رہی ہے اور آئندہ اپریل سے ایک افسر اعلیٰ کو ڈائرکٹر آف انتی اردشن کے طور پر مقرر کرنے کی تجویز کر رہی ہے خصوصاً پہاڑیوں کے نیچے کے رقبوں کو کٹا سے سے بچانے کے لئے اس افسر کے ماتحت کئی گزٹیڈ افیسر اور عملے رہیں گے۔

خوش قسمتی سے یو پی میں پہاڑیوں کے نیچے کا حصہ زمین پہلے سے محفوظ ہے کیونکہ دہرادون کے شمالی حصہ کو چھوڑ کر جمنا سے شاردا ندی تک کا حصۂ زمین محکمۂ جنگلات کی طرف سے محفوظ ہے۔ لیکن کمایوں کی اونچی پہاڑیوں میں جنگل کے بڑے رقبے ہیں جن کا میزان دو ہزار مربع میل ہے۔ یہاں جنگلوں کی حفاظت کے لئے گذشتہ پندرہ سال سے عملے نہیں رکھے گئے اور گاؤں کے قریب کے جنگل تیزی سے برباد ہو رہے ہیں۔ مسٹر نور ڈ رابرٹسن نے اپنی "آور فاریسٹ" نامی کتاب کے آخری کئی صفحوں میں اس بربادی سے پیدا ہونے والے نتیجوں کے متعلق زوردار لفظوں میں تاکید کی ہے۔ اس کا نقصان پہاڑی باشندوں پہ بلکہ میدانی باشندوں پر بھی اثر پڑے گا۔

شاردا ندی کے مشرق کی طرف نیپال میں ۴۰ یا ۵۰ مربع میل پہاڑ ہیں جہاں سے شاردا، گھاگھرا، راپتی، گنڈک، کوسی وغیرہ ندیاں نکلتی ہیں۔ (۳) سیلاب روکنے کے لئے یہ جگہ حکومت یو۔ پی۔ اور بہار کے لئے بہت اہم ہے۔

یو۔ پی۔ کے حدود کے اندر گنگا کے میدان میں ۱۲ ہزار سے لیکر ۱۵ ہزار مربع میل، دسر، بھوڑ، گھاٹی اور بنجر زمین ہے جہاں بہت زیادہ چرائی اور تودوں پودوں کے برباد ہو جانے کے باعث مٹی بہہ جانے کا خطرہ ہے۔ اس وقت حکومت یو۔ پی۔ مٹی کی کٹائی روک کر ان کٹے ہوئے بنجر قطعوں پر جو پیداوار روکتے ہیں اور ندیوں میں کیچڑ ڈالتے ہیں چارہ لگانے کی اسکیم پر غور کر رہی ہے۔

یہ نہیں معلوم کہ حکومت بہار اس بارے میں کیا کر رہی ہے یا دراصل کیا کر سکتی ہے کیونکہ ہمالیہ، گنگا کے بالائی میدان اور وسط ہند سے ہی بہار میں سیلاب آتے ہیں اس طرح بہار میں زیادہ تر دوسرے صوبوں سے ہی سیلاب آتے رہتے ہیں۔ غریب بہار!

اب مٹی کی کٹائی اور سیلاب کے وجوہ جس سے شمالی ہندوستان کو بہت زیادہ خطرہ ہے، مختصراً یہاں بیان کیا جا سکتا ہے۔ یہ ہے اس کے زمین کے تین حصوں میں خودرو درختوں اور پودوں کا برباد ہونا۔

(۱) پنجاب کا ہمالیہ والا حصہ کمایوں اور نیپال۔

(۲) گنگا کی معاون ندیوں کی ترائی سے راجپوتانہ اور وسط ہند کے پٹھار اور پہاڑیوں تک کی زمین۔

(۳) گنگا کے میدان کی وہ غیر بوئی ہوئی زمین جہاں کی مٹی کٹ کر تیزی سے بہہ جاتی ہے۔ اسٹیٹسمین نے ۲۵ نومبر کے مقالہ افتتاحیہ میں اس پیچیدہ مسئلہ کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اور آبپاشی کے سنٹرل بورڈ نے اتفاق رائے سے اعلیٰ پیمانہ پر فوراً کارروائی کرنے کا مطالبہ پیش کیا ہے۔

اس مختصر مضمون میں اس ضروری مسئلے کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے جس پر کروڑوں لوگوں کی ترقی منحصر ہے۔ یہ بھی دکھلایا گیا ہے کہ یہ مسئلہ کئی صوبوں ریاستوں اور ایک بیرونی طاقت کے ذریعہ ہی حل ہو سکتا ہے۔ کوئی بھی تنہا صوبہ اس مسئلے کو حل نہیں کر سکتا۔ مرکزی حکومت میں مٹی کی کٹائی کے مسئلے کو حل کرنے کے لئے محکمہ کی ایک شاخ قائم ہونی چاہئے جو اس مسئلے سے دلچسپی رکھنے والی جماعتوں کی ایک کانفرنس منعقد کرے کارروائی کے لئے حوصلہ افزائی کرے اور اس موضوع کی واقفیت بڑھائے۔ اگر اس کے لئے کچھ کارروائی نہ کی گئی اور بربادی یوں ہی بڑھتی ہی گئی تو گنگا کے میدان کے باشندوں کے لئے یہ بہت خطرناک ثابت ہوگی۔

ٹھیک نہیں

(محمد امتیاز علی رضوی، پرکانوں (جھانسی))

جو جاہل مورکھ ہونکا دیتے ہیں اُن کا کہنا ٹھیک نہیں　　بھارت کے سپوتو دکھلا دو یہ ان کا کہنا ٹھیک نہیں
دیکھو تو بہی رخ ندی کا پتوار سنبھالو کشتی کا　　اب سوچ بچار کا وقت نہیں لہروں میں بہنا ٹھیک نہیں
اے نیند کے ماتو! چونک پڑو جاگو جاگو۔ اُٹھو اُٹھو　　لو سورج سر پہ آپہنچا اب سوتے رہنا ٹھیک نہیں
جو پاکے سے کچھ چوک گیا وہ عمر ہی بھر پھر پچھتایا　　اگلوں کا یہ اپنے کہنا تھا کیا ان کا کہنا ٹھیک نہیں

اے ہندو مسلم یاد رہے ماتا پہ نہ کوئی حرف کسے
یہ بازو بایاں ٹھیک نہیں یا بازو دہنا ٹھیک نہیں

گرام سُدھار اور دیہاتی ترقی

(از جناب رودردت بھٹ، چیرمین رورل ڈیولپمنٹ ایسوسی ایشن الموڑہ)

آج ہندوستان کی ہر ایک صوبجاتی حکومت متفقہ طور پر "گاؤں میں لوٹ چلو" کا نعرہ بلند کر رہی ہے۔ گرام سُدھار کی ابتدا صابرمتی کے فقیر نے کی ہو۔ اس کی اشاعت کھیتی کی ترقی چاہنے والے ایک وائسرائے نے۔ نتیجہ یہ ہوا آج اس ملک کی قریب قریب بھی ہر دلعزیز حکومتوں نے اسے اپنے ترقی یافتہ پروگراموں میں خاص جگہ دی اور کچھ ترقی یافتہ ریاستوں نے بھی اسے اپنے یہاں جگہ دی ہے۔

ہر ایک صوبہ کے بجٹ میں مالی کمی ہوتے ہوئے بھی جس کی وجہ پولیٹیکل ایکانمی اور پولیٹیکل سائنس کے طالب علم بخوبی سمجھتے ہیں، ہزاروں دیہاتوں میں اندھیرا اور غریبی میں رہنے والے لاکھوں عوام کی حالت سدھارنے کے لئے صوبوں کو کافی رقم بچانی پڑی ہے۔ بڑے بڑے شہروں کو دیکھکر متعجب ہونے والے اور اونچی اونچی چمنیوں سے دھواں نکلتے ہوئے دیکھکر متحیر ہونے والے دیہاتیوں کو بہت دنوں نظر انداز کیا گیا ہے۔ اس ملک میں ۹۰ فیصدی سے بھی زیادہ تعداد میں رہنے والے غریب صبح سے شام تک محنت کرتے تھے مگر اُنھیں بدن ڈھانکنے کو کپڑا اور پیٹ بھر کھانا میسر نہیں ہوتا تھا۔ فقیر نے ملک کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک یہ پیغام پہنچایا کہ محنت کر کے پسینہ بہانے والے ہی ملک کی ریڑھ ہیں اور انھیں کی ترقی پر ملک کی ترقی منحصر ہے۔

ہمارے کسان جن پر ہمارا ملک فخر کرتا ہے وہ بیوقوفی کی کیچڑ میں دھنسے رہنے، وہموں اور چھل فریبوں کے آسانی سے شکار ہو جانے والے صدیوں سے نظرانداز کئے جانے والے، اٹھنے کی خواہش نہ رکھنے اور بہت مایوس ہو جانے کے باعث اتنی پستی میں گر گئے ہیں کہ جب تک اُنکے دل میں ترقی اور عروج کی خواہش نہیں پیدا ہوتی اُس وقت تک صرف بیرونی مدد ان کے لئے ایسی ہوگی جیسے درخت بڑھانے کے لئے اس کی پتیاں سینچی جائیں۔

اس لئے محکمہ گرام سُدھار پہلے پہلے گاؤں میں رہنے والے لوگوں کے لئے ایسی کوشش کر رہا ہے کہ جن سے گاؤں والوں کے خوابیدہ خیالات بیدار ہوں اور وہ ترقی کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔

ان صوبوں کی ہر دلعزیز حکومتوں کے ذریعہ تقریباً ۱۲۰۰ آرگنائزروں نے جو خود کو گرام سیوک کہنا زیادہ پسند کرتے ہیں گذشتہ سال کا بیشتر حصہ جو ابھی گذرا ہے خواب دیکھنے والے کسانوں کو سُستی اور کاہلی کی نیند سے بیدار کر کے اُنکے دلوں میں ترقی کرنے کا خیال پیدا کرنے میں صرف کیا۔

اگر کسانوں کے دل میں ایک بار بھی ترقی کرنے کا مستقل جذبہ پیدا کر دیا گیا تو وہ منزل تک پہنچنے کے پہلے نہیں رکینگے مدبروں نے گرام سُدھار پروگرام اس طرح بنایا ہے کہ اس میں قریب قریب بھی ضروری باتیں آگئی ہیں۔ اور اس سے اُن لوگوں کا فائدہ ہو رہا ہے جو ابھی تک نظر انداز کئے جا رہے تھے۔

گاؤں کے راستوں کی صفائی سے کر کنوئیں یا تالابوں کی صفائی تک اصلاح شدہ اوزاروں کے ذریعہ سائنٹفک اصولوں پر کی جانے والی کھیتی سے لیکر اصلاح شدہ بیجوں کے استعمال تک، صفائی کے ساتھ رہنے سے لیکر آسانی سے ڈاکٹری امداد پہنچانے تک عمدہ نسل کے مویشیوں سے لیکر علاج مویشیاں کے شفا خانوں تک، ناخواندگی کو قطعی طور سے نیست نابود کرنے سے لیکر دیہاتی اخبار گھر و کتاب گھر تک، کھیتی میں تندرست مزدوروں سے لیکر گاؤں کی کسرت گاہوں تک

امداد باہمی سے لیکر گاؤں کی پنچایتوں کے ذریعے جھگڑوں کو طے کرانے تک بیرونی دنیا کی خبروں سے لیکر فرصت کے وقت چرخا چلانے یا دوسری گھریلو نعمتوں میں حصہ لینے تک کے موضوع بھی گرام سدھار کے پروگرام میں رکھے گئے ہیں۔ بہت سے لوگوں کو یہ شاید صرف خیالی منصوبے معلوم ہوں لیکن یہ خیالی منصوبے ایسے ہیں جو عملی صورت اختیار کر سکتے ہیں

لیکن اِن صوبوں کے کئی ہزار دیہاتوں میں جاکر تقریباً ۱۲۰۰ صرف گرام سیوک کیا اس عظیم پروگرام کے ایک حصے کو بھی پورا کر سکتے ہیں؟ جیسے دیہاتی ضرورتوں کا مطالعہ کرنے والے ماہرین نے اس ملک کو بھی ترقی یافتہ ممالک کی صف میں لانے کے لئے ترتیب دیا ہے؟ اس کا جواب نفی میں دیا جا سکتا ہے لیکن گرام سدھار کا پیغام چاروں طرف پھیل چکا ہے اور ہزاروں ایسے لوگ جنھوں نے مختلف صورتوں میں اِس ملک کی خدمت کی ہے گرام سدھار کے ذریعے گاؤں کی اصلاح کے مبارک مقصد کو کامیاب بنانے کے لئے مدعو کئے گئے ہیں

گرام سیوک نوجوانوں کی خوابیدہ طاقت کام میں لا رہے ہیں اور اُن کے پیغام کو ہر ایک گاؤں کے گوشہ گوشہ میں پہنچانے کے لئے پُرجوش گرام سدھار رضاکاروں کی تعداد دن بدن بڑھ رہی ہے لیکن قصبوں اور شہروں میں رہنے والے اور اپنے کو ایک قدیم اور مہذب ملک کا باشندہ بنانے کی تیاری کرنے والے نوجوانوں سے اِس کی بہت امید کی جاتی ہے کہ وہ چھٹیوں میں دیہات جاکر بڑھی ہوئی معلومات کے ذریعے اپنے ان بھائیوں کی مدد کریں گے جو اپنے پیروں پر کھڑا ہونا سیکھ رہے ہیں۔

اس طرح قومی خدمت کے لئے اُن کے سامنے وسیع میدان ہے۔ ملک کی خدمت کرنے والے حضرات کا فرض ہے کہ وہ اِس قسم کی شروع کی جانے والی کوششیں اس وقت تک جاری رکھیں جب تک سارے ملک میں نئی زندگی اور طاقت نہ پھیل جائے اور ہندوستان نیا اور ترقی یافتہ نہ بن جائے۔

ہندو مسلم اتحاد

اے شیخ و برہمن ہوش کی لو اس دنیا میں گر رہنا ہے
کیوں بھولتے ہو کیوں بھولتے ہو یہ دنیا چھوٹا گھنا ہے

کس بات پہ ظالم لڑتے ہو کیا چیز ہے جس پر مرتے ہو
یہ بھول نہیں تو اور ہے کیا یہ ظلم نہیں جو کرتے ہو

وہ رام کہیں تو کہنے دے کیوں طیش تجھے آجاتا ہے
تو مست رہ اللہ اللہ میں کس بات پہ یوں گھبراتا ہے

وہ عادی سنکھ ہیروں کا ایمان سمجھتا ہے اُن میں
تو گھنٹے بجا دن رات پڑا گر رام گرجتا ہے ان میں

تو غیر نہیں وہ غیر نہیں ہو ایک وطن کے باشندے
یہ لڑنا بھڑنا ٹھیک نہیں ہو دونوں ایک ہی کے بندے

(ہمدرد سے)

پھلوں کی پیداوار

(از جناب آر۔ ڈی۔ فورڈھم ڈپٹی ڈائرکٹر گارڈنس یو۔پی)

سوال اُٹھتا ہے کہ دیہاتوں میں پھل پیدا ہی کیوں کئے جائیں؟ اس کے متعلق طرح طرح کے لوگوں نے اس شخص کے سامنے اعتراضات پیش کئے ہیں جس کے سپرد گذشتہ دو سال سے ۱۲ ضلعوں کے دیہاتوں میں پھلوں کی پیداوار بڑھانے کا کام تھا۔ کچھ اعتراضات جو بہت معمولی ہیں وہ یہ ہیں کہ کسان درختوں میں پھل آنے کے لئے پانچ سال تک انتظار نہیں کرسکتا۔ وہ اپنی زرخیز زمین جس میں وہ اناج یا دوسری فصلیں اُگاتا ہے۔ اس کام کے لئے علیحدہ نہیں کرسکتا پھر پھل کے درختوں کے لئے دیہاتوں میں کافی پانی بھی نہیں ملتا۔

ان میں سے بیشتر اعتراضات غلط شبہات پر مبنی ہیں اور کچھ تو اس کام میں نہ پڑنے کے لئے صرف بہانے ہیں۔ اس سلسلے میں ناکامی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ لوگوں نے غذا میں پھلوں کی اہمیت ابھی تک نہیں سمجھی۔ میرا اس وقت یہ موضوع نہیں ہے کہ غذا کی صورت میں پھلوں کے مختلف فوائد گناؤں۔ یہاں صرف اتنا ہی کہہ دینا کافی ہوگا کہ مختلف شعبوں میں ایسے تجربے ہوئے ہیں جن سے بلا کسی شبہ کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ جہاں کہیں بھی کسی قوم کے لوگوں نے پھلوں کا استعمال کیا وہاں اس قوم کو کچھ خاص قسم کی بیماریوں سے مستقل نجات مل گئی ہے اور اس قوم کے لوگوں کی صحت بہت بہتر ہوگئی ہے۔ مختصر یہ کہ ہمیں یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ پھل کوئی عیاشی کی چیز نہیں ہے بلکہ زندگی کے لئے بہت ضروری چیز ہے جو ہمیں قدرت نے عطا کی ہے۔ آیئے اب ہم کچھ اعتراضات کا امتحان کریں۔ اِن اعتراضوں میں جہاں تک میرا خیال ہے کوئی بھی اعتراض ٹھیک نہیں ہے۔ دنیا میں کوئی بھی ایسا مقام نہیں ہے جہاں اگر انسان بس سکتا ہو تو کسی نہ کسی قسم کے پھل آسانی سے اور قدرتی طریقے سے پیدا نہ کئے جاسکیں۔ آسانی اور قدرتی طور پر میں جان بوجھ کر کہتا ہوں کیونکہ مصنوعی ذریعوں سے تو نایاب چیزیں بھی پیدا کی جاسکتی ہیں۔ لیکن میں صرف اُن چیزوں پر اظہار خیال کر رہا ہوں جو بہت آسانی سے پیدا کیجا سکتی ہیں اور جہاں تک ہمارے صوبے کا سوال ہے متعدد قسم کے پھل آسانی سے اُگائے جاسکتے ہیں۔ پھلوں کے درختوں کو آسانی سے اُگانے کے لئے خاص باتیں یہ ہیں (۱) جگہ کا انتخاب (۲) زمین کی تیاری اور تھالے (۳) بعد کی احتیاطیں جس میں پانی دینا اور فالتو گھاس ہٹانا، پالا اور گرم ہواؤں سے پودے کی حفاظت کرنا وغیرہ کچھ اور بھی توجہ طلب باتیں ہیں مثلاً موزوں موسم میں پودے لگانا، درختوں کی قسموں کا انتخاب کرنا۔ لیکن ان کے لئے گارڈن سرکل سے اور محکمہ زراعت سے شائع ہونے والے پھل کے متعلق کتابوں سے مدد لی جاسکتی ہے جو لوگ دیہات میں رہتے ہیں اور پھلوں کے درخت لگانا چاہتے ہیں انھیں پورا مشورہ برابر مل سکتا ہے۔

اسلئے آیئے یہاں ہم صرف ان باتوں پر غور کریں جو کسانوں کو خود کرنی ہیں (۱) جگہ کا مناسب انتخاب موجودہ حالات میں اسکے لئے بہت گنجائش نہیں ہے کیونکہ زمین زمینداروں کی ہوتی ہے اور بہت جگہ میں نے لوگوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ زمیندار کسانوں کو زمین پر درخت لگانے کی اجازت نہیں دیتے۔ چاہے وہ اُن کے گھر کے پاس یا

پھلوں کے درختوں کی پالے وغیرہ سے حفاظت (صحیح طریقہ)

باقاعدہ تھالے تیار کئے جائیں راقم کا یہ تجربہ ہے کہ کوئی چیز بونے کے پہلے زمین میں ہری کھاد دینا بہت مفید ہے لیکن اگر جلدی ہے تو ہری کھاد بعد میں بھی دی جا سکتی ہے۔ تھالے بنانا اور کھاد دینے کے سلسلے میں خاص باتیں حکومت کے بلیٹنوں اور پرچوں سے معلوم ہوسکتی ہیں۔ جب ہم واقعی پھل لگانا شروع کریں تو یہ بات طے ہوسکتی ہے پھلوں کے درخت لگانے کے لئے زمین تیار کرنے اور تھالے بنانے میں کسانوں کو کوئی دقت نہیں ہوتی انکے لئے جیسے کھیتی کرنا آسان ہے اسی طرح یہ کام بھی اُنھیں آسان معلوم ہوگا اس کام میں کوئی خاص صرفہ نہیں ہوتا صرف پودوں کا دام ادا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن اگر دیہاتوں میں مستحکم پنچائتیں ہیں تو پودوں کا انتظام گاؤں والے خود بیجوں سے کر سکتے ہیں۔ مثلاً وہ پپیتا،
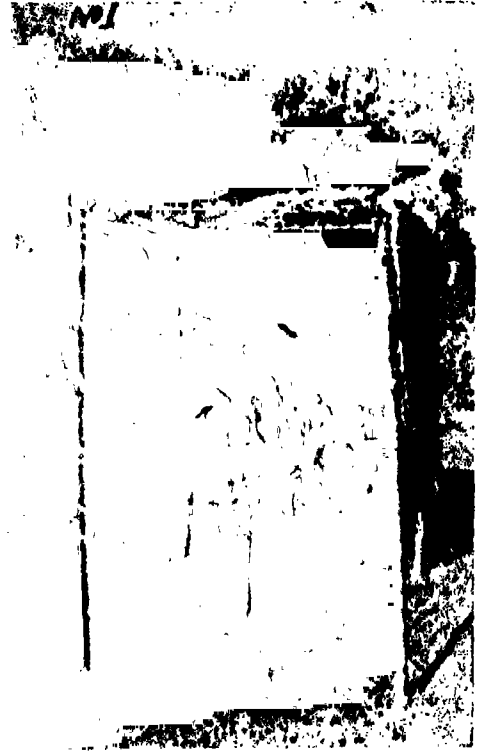
پھل کے درختوں کی پالے وغیرہ سے حفاظت (غلط طریقہ)

یا گاؤں سے باہر فالتو یا بیکار ہی کیوں نہ پڑی ہو۔ غالباً اس میں کچھ مبالغہ ہے اگر مشکلات ہوں بھی تو وہ مال کے مالکوں سے یا جہاں پنچائتیں قائم ہوں وہاں پنچائتوں کی مدد سے حل کی جا سکتی ہیں۔ خیر امیرا تو یہ کہنا ہے کہ کسی بھی زمین میں جو آسانی سے مل سکتی ہے کوئی نہ کوئی پھل دار درخت لگا دیا جاسکتا ہے۔ خاص بات جو غور کرنے کی ہے وہ یہ ہے کہ سینچائی اور جانوروں سے حفاظت کی آسانی ہونی چاہئے زمین کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے گھروں کے بیچ میں یا دیہاتوں سے دور کنوؤں کے پاس پائے جاسکتے ہیں۔ کہیں بھی کوئی بیکار زمین کا ٹکڑا پڑا ہو تو وہ کام میں لایا جاسکتا ہے کیونکہ ہر قسم کی زمین میں اُگنے کے قابل پودے مل سکتے ہیں۔ دوسری توجہ طلب بات یہ ہے کہ زمین باقاعدہ تیار کی جائے اور اس میں

کاغذی لیموں، امرود اور فالسے کے پودے لگا سکتے ہیں اور اُن کو تقسیم کرسکتے ہیں۔ اگر پودے لگاکر انھیں بیچنے کی ضرورت ہو تو اس ذریعہ سے کافی آمدنی ہوسکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ کسان پھل کے لئے کچھ سرمایہ نہیں لگا سکتا۔ اس چھوٹے سے مضمون میں میرے لئے یہ بتانا مشکل ہے کہ پودے کیسے حاصل کئے جائیں یہ ایک بڑا مسئلہ ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ گاؤں کے اور بھی بڑے مسئلوں کے ساتھ یہ بھی حل کیا جاسکتا ہے لیکن کچھ ضروری نہیں کہ اُس وقت تک ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہیں اور اس درمیان میں جو کچھ کرسکتے ہیں نہ کریں آخری اور نہایت اہم بات پودوں کی حفاظت ہے۔ یہ بات آسان بھی ہے اور بہت مشکل بھی بلاشبہ اس میں کچھ ٹکنیکل واقفیت کی ضرورت ہوتی ہے مگر یہ واقفیت آسانی سے حاصل ہوسکتی ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ پودے کس جوش کے ساتھ لگائے گئے ہیں۔ کچھ لوگوں میں اگر پودے لگانے کا جوش پیدا کر دیا جائے تو اس میں شک نہیں کہ وہ زمین بھی تیار کرلیں گے اور ان میں پودے بھی لگالیں گے لیکن وہ جب تک بخوبی یہ نہیں جان لیتے کہ ان درختوں سے دراصل انھیں کچھ فائدہ ہوگا تب تک اُنکے لئے یہ ناممکن ہوگا کہ وہ درخت کی پوری پوری نگہداشت اور حفاظت کریں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ پودے برباد ہو جائیں گے اور یہ خیال اور ترقی کریگا کہ کسان گاؤں میں پھل نہیں لگا سکتے۔ پھر بھی میں پوری ذمہ داری کے ساتھ کہتا ہوں کہ پھل لگانے کے فن میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو کسانوں کی وسعت سے باہر ہو۔ مَیں تو یہاں تک کہہ سکتا ہوں کہ گاؤں میں پھل لگانا اور بھی آسان ہے۔ بیں وسیع پیمانے پر زمینداروں کے ذریعے یا امداد باہمی کمیٹیوں کے ذریعے پھل لگانے کے موضوع کو یہاں چھوڑے دیتا ہوں۔ وسیع پیمانے پر پھل لگانے میں ویسی ہی آسانی ہوگی جیسی کہ چھوٹے پیمانے پر لگانے میں۔ فرق صرف یہ ہے کہ اُس میں دوسری طرز پر کام کرنا ہوگا۔ لیکن دیہات کی خوبصورتی اور حالات میں بہت کچھ اصلاح ہوسکتی ہے اگر کسان پھل اور سبزی بھی اُسی طرح اُگانا شروع کر دیں جیسی کہ وہ کھیتی کرتے ہیں اور اس کام کو ضرورت اور معمول کا ایک جز سمجھ کر کریں۔ یہ ٹھیک ہے کہ یہ باتیں درحقیقت اُنکی آسانیوں پر منحصر ہیں جو کسانوں کو زمینداروں یا دیگر لوگوں سے جو اُن کی زندگی اور کام پر اثر ڈال سکتے ہیں مل سکتی ہیں۔

لطیفہ

ہندوستان کے مشہور قومی رہنما آنجہانی پنڈت موتی لعل نہرو کے یہاں ایک دن ان کے دوست آکر ٹھہرے ہوئے تھے۔ پنڈت جی نے اُنھیں لیکر ایک روز گنگا جمنا کا اتصال (سنگم) دکھلانے لے گئے۔ کشتی پر بیٹھے ہوئے آپ نے اپنے دوست سے کہا۔ دیکھئے یہی وہ مقام ہے جسے دیکھنے کے لئے ہندوستان بھر سے لوگ آیا کرتے ہیں۔ یہاں گنگا، جمنا اور سرسوتی تین دریا آکر ملتے ہیں۔ دیکھئے گنگا کا پانی خاکی ہے اور جمنا کا سبزی مائل ہے۔

اور سرسوتی کہاں ہے پنڈت جی؟ ان کے دوست نے دریافت کیا۔

پنڈت جی کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا جواب دیں۔ وہ بول اٹھے "یہ تو کسی پنڈے سے پوچھئے میں پنڈا نہیں ہوں"۔

غریب کسانوں کا لگان کیسے معاف ہو؟

(از جناب دیا شنکر دوبے ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی۔ اُستاد
اقتصادیات الہ آباد یونیورسٹی)

صوبہ متحدہ کی تین چوتھائی سے بھی زیادہ آبادی کا ذریعہ معاش زراعت ہے۔ کسانوں کی حالت آج کل بہت خراب ہے زیادہ تر کسان بہت غریب ہیں اور اُن کے کھیت اتنے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بنٹے ہوئے ہیں کہ اُن سے کھیتی کا لگان و خرچ نکالنے کے بعد اُن کے پاس زندگی بسر کرنے کے لئے کافی غلہ نہیں رہ جاتا اور اُنھیں اکثر آدھا پیٹ کھانا کھاکر بسر کرنا پڑتا ہے۔ ایسی حالت میں اُن سے جب لگان وصول کیا جاتا ہے تو ان کی حالت اور بھی خراب ہو جاتی ہے زیادہ تر کسان یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ سوراج حاصل ہونے پر وہ لگان کی قید سے آزاد ہو جائیں گے میرے خیال میں اُن کا یہ خیال صحیح ہے نیا حق آراضی بل زیادہ تر کسانوں کو اپنے کھیتوں پر مالکانہ حقوق دیتا ہے۔ پھر کھیت کے مالک سے لگان کسی بھی اصول کے مطابق وصول نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں اُن سے محصول ضرور وصول کیا جا سکتا ہے اور وہ بھی محصول کے قاعدوں کے مطابق۔ زمینداروں کو اسی محصول کا حصہ ملنا چاہیئے۔ مَیں اس مضمون میں ایک ایسی اسکیم پیش کرتا ہوں جس پر عمل کرنے سے غریب کسانوں کا لگان بالکل معاف ہو جائے گا، صوبجاتی حکومت کی مالگذاری سے ہونے والی آمدنی میں کمی نہ ہوگی اور زمینداروں کی آمدنی میں بھی کوئی خاص کمی نہ ہوگی۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ اس صوبے کی اسمبلیوں کے ممبران، صوبجاتی حکومت اور بہی خواہانِ وطن اس تجویز پر سنجیدگی سے غور فرمائیں گے۔

اپنی تجویز پیش کرنے کے قبل زمین پر لگنے والے محصول

پروفیسر دیا شنکر دوبے

اور لگان کا فرق سمجھا دینا نہایت ضروری ہے۔ اقتصادیات کے اُصول کے مطابق زمین سے ہونے والی آمدنی میں سے پیداوار کا کل خرچ اور کسان کے کھانے پینے کا خرچ نکال دینے پر جو کچھ بچ جاتا ہے اُسے لگان کہتے ہیں۔ اس سے زیادہ جو لیا جاتا ہے وہ محصول کہلاتا ہے۔ اس صوبے میں ایسی زمین کا رقبہ زیادہ ہے جس سے کچھ بھی بچت نہیں ہوتی اور اس قسم کی زمین کے لئے جو کچھ لگان دیا جاتا ہے وہ دراصل لگان نہیں بلکہ محصول ہی ہے۔ اسی طرح بہت سے ایسے کسان بھی ہیں جو اچھی زمین ہوتے ہوئے بھی بچت سے زیادہ لگان کی صورت میں دیتے ہیں۔ اس طرح دئے جانے والے لگان کا زیادہ حصہ محصول ہی ہوتا ہے۔ اسی لئے ہم یہ بات آسانی سے کہہ سکتے ہیں کہ جو کچھ لگان کی شکل میں دیا جاتا ہے اُس کا وہ حصہ جو بچت سے زیادہ ہے محصول ہے۔

اب ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ کسانوں کے ذریعے دیا جانے والا لگان زیادہ تر محصول ہی ہے۔ عجیب بات تو یہ ہے کہ حکومت اور ہم لوگ دونوں اسے لگان ہی سمجھ رہے ہیں نئے حق آراضی بل کے مطابق اس صوبے کے زیادہ تر کسان حق دخل کاری حاصل کرلیں گے۔ یہ دخل کار کسان زمین کے اصلی مالک ہوجائیں گے اور زمینداروں کی معرفت حکومت کو جو یہ رقم دیں گے اُسے محصول ہی سمجھنا چاہئے۔ زمینداروں کو بھی اس محصول کا حصہ ملنا چاہئے مستقبل میں دخل کاری (موروثی) کسانوں سے حاصل ہونے والا لگان، محصول کے قاعدوں کے مطابق ہی طے ہونا چاہئے۔

اگر یہ بات اچھی طرح سمجھ لی جائے تو مختلف قسم کے کسانوں پر مناسب طور پر محصول لگانے کا کام آسان ہوجائے۔ صوبۂ متحدہ کے وزیر اعظم محترم پنڈت گوبند ولبھ پنت نے بھی اس بات پر زور دیا ہے کہ دُنیا کے تقریباً سبھی ملکوں میں آمدنی کے لحاظ ہی سے محصول لگانے کا اصول رائج ہے۔ ہمیں مالگذاری اور لگان مقرر کرنے میں اس قاعدے کا استعمال کرنا چاہئے۔ وہ رقم جو زمین کا مالک موروثی کسان زمیندار کو دیتا ہے دراصل زمین کا محصول ہے۔ اور آگے ہم لگان کی جگہ 'محصول' لفظ ہی استعمال کریں گے۔ کسی کسان پر اس قسم کا محصول لگانے کے پہلے یہ دیکھ لینا چاہئے کہ اس کے پاس کس قسم کی زمین ہے اور اُس کا رقبہ کا کتنا ہے۔

پہلے ہمیں زمین کی قسم پر ہی توجہ کرنا چاہئے۔ ہم اسے تین یا چار حصّوں میں تقسیم کرسکتے ہیں۔ بہت اچھی، اچھی معمولی اور خراب ان زمینوں کے لئے ہم الف، ب، ج اور د، حرفوں کا استعمال کریں گے۔ مٹی کے ماہرین کی امداد سے ہم مختلف قسم کی زمین کا رقبہ آسانی سے نکال سکتے ہیں۔ یہ مان کر کہ ایک ایکڑ (ب) قسم کی زمین ۱½ ایکڑ (ج) قسم کی زمین کے برابر ہے یا ایک ایکڑ (الف) قسم کی زمین ۲ ایکڑ (ج) قسم کی زمین کے برابر ہے یا ایک ایکڑ (د) قسم کی زمین ۴ ایکڑ (ج) قسم کی زمین کے برابر ہے یا ایک ایکڑ (د) قسم کی زمین ½ ایکڑ (ج) قسم کی زمین کے برابر ہے، ہم ہر ایک قسم کی زمین کا رقبہ (ج) قسم کی (معمولی) زمین کی شکل میں نکال سکتے ہیں۔ اس طرح ہم کسی قسم کی زمین کا رقبہ معمولی یعنی (ج) قسم کی زمین کے رقبہ کی صورت میں نکال سکتے ہیں۔ مٹی کے ماہرین کے خیالات کے مطابق ہم مذکورہ بالا اندازہ بدل بھی سکتے ہیں۔ اپنے خیالات کو واضح طور پر سمجھانے کے لئے ہی میں نے یہ اندازے کئے ہیں۔

اب میں ایک مثال لیکر یہ بات واضح کردوں گا کہ کس طرح مختلف زمینوں کا رقبہ (ج) قسم کی زمین کی صورت میں نکالا جاسکتا ہے۔ فرض کیجئے، کسی کسان کے پاس (الف) قسم کی ۲ ایکڑ (ب) قسم کی ۳ ایکڑ، (ج) قسم کی ۴ ایکڑ اور (د) قسم کی ۲ ایکڑ زمینیں ہیں۔ کل زمین ۱۱ ایکڑ ہوگی۔ مذکورہ بالا اندازہ کے مطابق اُس کے پاس (ج) قسم کی زمین کی صورت میں ۱۲½ ایکڑ زمین ہوگی۔

فہرست نمبر ۱

قسم زمین	رقبہ	زمین قسم (ج)
قسم (الف)	۲ ایکڑ	۴ ایکڑ
" (ب)	۳ "	۴½ "
" (ج)	۴ "	۴ "
" (د)	۲ "	۲ "
میزان	۱۱ ایکڑ	۱۲½ ایکڑ

اس طرح ہر ایک کسان کے کھیتوں کا رقبہ (ج) قسم کی زمین کی شکل میں نکالا جاسکتا ہے اور اس سے صوبے بھر کے کھیتوں کا رقبہ (ج) قسم کی زمین کی شکل میں اندازہ کیا جا سکے گا۔ یہ کام محکمۂ مال کے افسروں کے ذریعے یا لینڈ ریکرڈ میں افسروں کے ذریعے آسانی سے ہوسکتا ہے کیونکہ ان دفتروں میں کھیتوں کے طول عرض کی تفصیل رکھی جاتی ہے۔ صوبہ متحدہ میں ۱۹۳۵ء میں تقریباً چار کروڑ ایکڑ زمین میں کھیتی ہوئی۔ ہم اسے بھی

قسم (ج) کی زمین کے حساب سے اس طرح نکال سکتے ہیں۔

فہرست نمبر ۲

قسم (ج) کی زمین کا رقبہ	میزان کا فیصدی	قسم (ج) کی زمین کے رقبہ کا اندازہ
۰ – ۲½ ایکڑ	۵ فیصدی	۳۰,۰۰,۰۰۰ ایکڑ
۲½ – ۵ "	۱۵ "	۹۰,۰۰,۰۰۰ "
۵ – ۱۰ "	۳۵ "	۲,۱۰,۰۰,۰۰۰ "
۱۰ – ۱۵ "	۲۰ "	۱,۲۰,۰۰,۰۰۰ "
۱۵ – ۲۰ "	۱۵ "	۹۰,۰۰,۰۰۰ "
۲۰ ایکڑ سے زائد	۱۰ "	۶۰,۰۰,۰۰۰ "

موٹے طور پر ۴ کروڑ ایکڑ زمین میں کھیتی ہوتی ہے۔ لیکن قسم (ج) کی زمین کی شکل میں اس کا رقبہ ۶ کروڑ ایکڑ مانا جا سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی قسم کی زمین میں قسم (الف) اور قسم (ب) کی زمین بھی شامل ہے۔ بہت ممکن ہے کہ صحیح میزان اس سے کچھ کم یا زیادہ ہو لیکن اس فرق کا ہماری اسکیم پر کوئی اثر نہ ہوگا۔

کس قسم کے کسانوں پر محصول لگایا جائے اور کس قسم کے کسان اس سے آزاد ہیں اس کے لئے میری تجویز حسب ذیل ہے۔

(۱) ایسے کسان جن کے پاس زمین قسم (ج) ۲½ ایکڑ سے کم ہو اس محصول سے بری کر دئے جائیں۔ اس پر عمل کرنے سے کیا نتیجہ ہوگا یہ بھی اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہئے۔ تقریباً ۲۵ سے ۳۰ فیصدی ایسے کسان ہیں جن کے پاس ۲½ ایکڑ سے کم زمین ہے۔ ایسے کسانوں کے قبضہ میں کل زمین کا ۵ فیصدی حصّہ ہے اس قسم کی زمین قسم ذیل کی ہے اس اسکیم کا یہ نتیجہ ہوگا کہ تقریباً ایک چوتھائی کسانوں کا محصول یا لگان بالکل معاف ہو جائے گا۔ زمینداروں کا بھی زیادہ نقصان نہ ہوگا کیونکہ اس اسکیم کے مطابق وہ آمدنی کا ۵ فیصدی حصّہ کھو بیٹھیں گے لیکن یہ رقم انھیں صاحب حیثیت کسانوں سے مل جائیں گی اس طرح اس اسکیم سے زمینداروں کو قطعی نقصان نہ ہوگا۔

(۲) ایسے کسان زمینداروں کو ایک روپیہ فیصدی کے حساب سے محصول زمین دیں جن کے پاس ۲½ ایکڑ سے پانچ ایکڑ تک قسم (ج) کی صورت میں زمین ہو۔ فہرست نمبر ۲ میں دئے جانے والے اعداد کے مطابق ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے کسان ۹۰ لاکھ ایکڑ زمین کے مالک ہیں۔ موجودہ قانون کے مطابق اس قسم کے کسانوں کو بھی دیگر کسانوں کی طرح چھوٹ اور اسی قسم کی آسانیاں حاصل ہوں گی۔ اس اسکیم کا یہ نتیجہ ہوگا کہ تقریباً ۲۵ سے لیکر ۳۰ فیصدی کسان زمینداروں کو بہت کم محصول زمین دیں گے۔ یہ بات صحیح ہے کہ اس قسم کے کسانوں کو کھیتی سے بہت کم بچت ہوتی ہے لیکن صوبائی آمدنی دیکھتے ہوئے اس قسم کے کسان محصول سے بری نہیں کئے جا سکتے۔ صوبائی حکومت اور زمینداروں کی آمدنی میں اصلاح ہو جانے پر اس طرح کے کسانوں کا محصول آمدنی چھوڑ دیا جا سکتا ہے۔

(۳) میری تیسری تجویز یہ ہے کہ باقی قسم کی زمین کے مالکوں پر اس طرح محصول لگایا جائے۔

قسم (ج) کی زمین کا رقبہ	محصول زمین کا در
۵ سے ۱۰ ایکڑ تک	الف
۱۰ سے ۱۵ " "	۳ الف / ۲
۱۵ سے ۲۰ ایکڑ تک	۲ الف
۲۰ ایکڑ سے زائد	۳ الف

مندرجہ بالا دروں میں کمی بیشی کی جا سکتی ہے۔ ۱۰ ایکڑ سے ۱۵ ایکڑ تک کے لئے در ۳ الف / ۲ یا ۵ الف / ۴ مقرر کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح ۱۵ ایکڑ تک یا ۲۰ ایکڑ سے زائد کے لئے ۲ الف، ۳ الف یا اور کوئی بھی در مقرر کیا جا سکتا ہے۔ اس اسکیم کی یہ خوبی ہے کہ ہم مالگذاری میں کمی بیشی آسانی سے کر سکیں گے۔ الف کا در مقرر کرکے حکومت مختلف رقمیں حاصل

سکتی ہے۔ یہ بات کس طرح ممکن ہے اسے ہم مثال کے ساتھ آگے سمجھائیں گے۔

(۴) میری چوتھی تجویز یہ ہے کہ متذکرہ بالا اصولوں کے مطابق جو کچھ محصول زمین لگایا جائے۔ اُسکی ۵۰ فیصدی مالگذاری مقرر کی جائے اگر میری تجویز قبول کی گئی تو ۲۵ سے ۳۰ فیصدی تک کسانوں کو زمین کے لئے کچھ بھی محصول یا لگان نہ دینا ہوگا۔ اس سے تحصیل وصول کا خرچ بھی کم ہو جائے گا۔ زمینداروں کو چاہیئے کہ وہ دوسرے لوگوں کی طرح کچھ ایثار کریں جس سے صوبائی حکومت عوام کی آسانی کے لئے رقم دے سکے۔ اگر یہ تجویز منظور کر لی جائے اور زمین کی مالگذاری سے ہونے والی آمدنی حکومت کم نہ کرے جو اس وقت ۶ کروڑ روپیہ ہے تو کسانوں سے محصول زمین لینے کا اس طرح انتظام کر دیا جائے کہ اُس سے زمینداروں کو ۱۲ کروڑ کی رقم مل سکے۔

اب ہمیں تیسری تجویز میں آئے ہوئے الف کی قیمت مقرر کر دینا چاہیئے۔ دوسری تجویز کے مطابق ½ ۲ ایکڑ سے ۵ ایکڑ تک کے کھیتوں سے ۸۰ لاکھ روپیہ محصول زمین کی شکل میں ملنا چاہیئے۔ سارے صوبے بھر میں ۱۲ کروڑ کی زمین کی آمدنی ہونی چاہیئے۔ اس لئے ۱۱ کروڑ ۱۰ لاکھ کی رقم ۵ ایکڑ سے زیادہ رقبہ کے کھیتوں سے ملنی چاہیئے زمین کے رقبہ کا اندازہ اور اُس پر لگنے والا محصول یوں ہے۔

قسم (ج) کی صورت میں کھیتوں کی حد	رقبہ کا اندازہ	در	محصول زمین کا اندازہ
۵ سے ۱۰ ایکڑ تک	۲۱۰	الف	۲۱۰ الف
۱۰ سے ۱۵ " "	۱۲۰	۳/۲ الف	۱۸۰ الف
۱۵ سے ۲۰ " "	۹۰	۲ الف	۱۸۰ الف
۲۰ ایکڑ سے زائد	۶۰	۳ الف	۱۸۰ الف

محصول زمین کا کل میزان ۷۵۰ الف ہوتا ہے۔ اب اگر کل رقم ۱۱۵ کروڑ ہو تو الف کی قیمت ڈیڑھ روپیہ ہوگا۔ اس طرح محصول کا سب سے زیادہ در ۴ روپیہ آٹھ آنہ فی ایکڑ ہوگا۔ اس وقت محصول زمین ۱۰ روپیہ فی ایکڑ سے لیکر ۱۵ روپیہ فی ایکڑ لیا جاتا ہے۔ میری تجویزوں کے مطابق نہ صرف غریب کسانوں کا ہی محصول کم ہوگا بلکہ امیر کسانوں کا بھی جو اس وقت بہت زیادہ محصول دیتے ہیں۔

میری تجویز سے ناجائز فائدہ اُٹھانے والے اپنے کھیتوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرنا اس لئے شروع کر دیں گے کہ وہ محصول سے بری ہو جائیں۔ اس بات کو روکنے کے لئے یہ قانون بنا دیا جائے کہ ۲۰ ایکڑ کے نیچے کی زمین تقسیم نہ کی جائے گی۔ اس طرح قانون کی امداد سے کھیتوں کا ٹکڑے ٹکڑے کیا جانا روکا جا سکے گا۔

(۵) اس لئے میری آخری تجویز یہ ہے کہ ۲۰ ایکڑ سے کم زمین کی تقسیم کی جانا بند کر دیا جائے۔ وارثوں سے کہا جائے کہ ۲۰ ایکڑ سے کم زمین کی تقسیم میں زمین اسی کو دیجائے گی جو آپس میں زیادہ دام لگائے گا۔ باقی لوگوں کو روپیہ اُن کے حصے کے مطابق ملے گا۔ ضرورت پڑنے پر ایسے وارث کو جو پوری جائداد لینا چاہتا ہے۔ لینڈ مارگیج بینک (زمین کا انتظام کرنے والا بینک) کے ذریعہ روپیہ بھی قرض ملنا چاہیئے۔ جس سے وہ دوسرے وارثوں کو زمین کی قیمت دے سکے۔ اگر یہ تجویز منظور کر لی جائے تو کھیتوں کا چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہونا بند ہو جائیگا۔

میری تجویزوں کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) ایسے کسان محصول سے بالکل بری کر دئے جائیں جن کے کھیتوں کا رقبہ قسم (ج) کے کھیت کی شکل میں ½ ۲ ایکڑ سے کم ہو۔

(۲) ایسے کسان زمینداروں کو ایک روپیہ فی ایکڑ کے در سے کر دیں جن کے کھیتوں کا رقبہ قسم (ج) کے کھیت کی شکل میں ½ ۲ ایکڑ سے ۵ ایکڑ تک ہو۔

(۳) باقی کھیتوں کے مالک حسب ذیل قاعدے کے مطابق زمین کا محصول دیں۔

کھیتوں کا قسم (ج) کی شکل میں رقبہ	محصول زمین کا دَر
۵ سے ۱۰ ایکڑ تک	الف
۱۰ سے ۱۵ " "	۳ الف / ۲
۱۵ " ۲۰ " "	۲ الف
۲۰ ایکڑ سے زائد	۳ الف

یہ مان کر کہ حکومت کو ۲ کروڑ روپیہ مالگذاری سے ملنا چاہیئے ہمیں الف کی قیمت مقرر کر لینی چاہیئے۔

(۴) مذکورہ بالا قاعدوں کے مطابق جو کچھ محصول زمین لگایا جائے اُس کا ۵۰ فیصدی مالگذاری مقرر کیجائے۔

(۵) ۲۰ ایکڑ سے کم کی زمین کی تقسیم وارثوں میں نہ کی جائے۔ اس قسم کی زمین کے لئے جو وارث سب سے زیادہ دام لگائے اُسے وہ دے دی جائے اور باقی وارثوں کو روپیہ دیدیا جائے۔

ان تجویزوں کے ذریعے حسب ذیل فائدے ہو سکتے ہیں۔

(۱) کسانوں پر محصول کا بار حسب حیثیت پڑے گا۔

(۲) تقریباً ایک چوتھائی کسان مالگذاری اور محصول سے بری ہو جائیں گے۔

(۳) مالگذاری سے ہونے والی سرکار کی آمدنی کم نہ ہوگی۔ وہ در بدل کر کسی بھی تعداد میں مالگذاری وصول کر سکے گی۔

(۴) مالگذاری وصول کرنے کے قاعدوں میں آسانی سے تبدیلی ہو سکے گی۔

(۵) ۲۰ ایکڑ کے نیچے کی زمین کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے نہ ہو سکیں گے۔

(۶) زمیندار بھی زیادہ گھاٹا نہ اُٹھائیں گے۔ تحصیل وصول کرنے میں اُنھیں بہت کم خرچ کرنا ہوگا اور انھیں ملنے والا لگان جو اب محصول زمین کہلائے گا تھوڑی ہی تعداد میں کم ملے گا۔

مذکورہ بالا فائدوں کے ہوتے ہوئے بھی اگر حکومت میری ان تجویزوں کو قبول نہ کرے تو کانگریسی حکومت سے میں پُر زور الفاظ میں درخواست کروں گا کہ وہ میری پہلی تجویز منظور کر کے ایسے کسانوں کو لگان یا محصول زمین سے بری کر دئے جائیں جن کے پاس قسم (ج) کی زمین ۱/۲ ۲ ایکڑ سے کم ہو۔ ایسے غریب کسانوں کے لئے اس قسم کی درخواست کرنا درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ اُن کے پاس کھانے پہننے کے لئے اور کھیتی کے دوسرے اخراجات کے باعث کچھ بھی رقم نہیں بچتی جسے وہ محصول زمین یا لگان کی شکل میں زمینداروں کو دے سکیں۔ اُن کے اوپر لگان یا محصول لگانا مناسب نہیں ہے۔ مجھے پوری اُمید ہے کہ کانگریسی حکومت جو عوام کی نمائندہ ہے جلد ہی اِن غریب کسانوں کی مصیبتوں کو دور کرے گی۔

تو ہی سب کا داتا ہے!

تو سورج چمکاتا ہے — تو ہی مینہ برساتا ہے
تو ہی باغ کھِلاتا ہے — تو ہی سب کا داتا ہے
یارب! ہم سب ہیں بندے — وہ ہوں چھوٹے خواہ بڑے
کوئی پِتا یا ماتا ہے — تو ہی سب کا داتا ہے
سارے جگ پر راج ترا — راجہ بھی محتاج ترا

تجھ سے لیکر کھاتا ہے — تو ہی سب کا داتا ہے
تو نے کیا کیا نعمت دی — عقل ہنر کی دولت دی
تو ہی علم سکھاتا ہے — تو ہی سب کا داتا ہے
مسجد بھی استھان ترا — مندر میں بھی دھیان ترا
کرشن ترے گُن گاتا ہے — تو ہی سب کا داتا ہے

مصیبت زدہ خاندان

[illegible] ناتھ سنگھ

صبح ہو گئی تھی ابھی کچھ دیر تھی سورج نہیں نکلا تھا لیکن راستہ صاف دکھائی دیتا تھا اور لوگ چلتے پھرتے بھی نظر آرہے تھے چیتن بازار میں آکر کھڑا ہوا تھا اور اس انتظار میں تھا کہ کوئی ادھر نکلے تو اس سے قصبے کے اسکول کا راستہ پوچھیں چیتن کو جیل سے چھوٹے قریب ایک مہینہ ہوا تھا اسکے پہلے وہ لگاتار اکیس سال تک مختلف جیلوں کی ہوا کھاتا رہا کچھ عرصے کے لئے وہ ہندوستان سے باہر ایک جزیرہ میں جسے لوگ کالا پانی کہتے ہیں رہنے کے لئے بھیج دیا گیا تھا مگر وہ وہاں سے کچھ دنوں کے بعد بلا لیا گیا تھا چیتن کھڑا کھڑا سوتے ہوئے بازار کے راستے اور پیڑ پودوں کو دیکھ رہا تھا اور یہ اندازہ کر رہا تھا کہ اکیس سال پہلے کی بھی کوئی نشانی وہاں ہے یا نہیں؟ زیادہ تر نئی عمارتیں بن گئیں تھیں اور پرانی گر گئیں تھیں چوراہے پر ایک بہت بڑا پیپل کا درخت کھڑا تھا چیتن نے دل میں سوچا کہ ضرور یہ وہی پیپل کا درخت ہے جو اکیس سال قبل ایک امرود کے درخت کے برابر تھا خاص سڑک تو وہ سمجھ گیا تھا لیکن عمارتیں تقریباً سب نئی ہو گئیں تھیں اور دکانوں پر بجائے بانس کے ٹین یا لکڑی کے دروازے نظر آرہے تھے سڑک کے کنارے ایک بھڑ بھونجے کی دکان تھی جو بدستور موجود تھی یہ بازار اسکے گاؤں سے تقریباً دس میل کے فاصلے پر تھا اور یہاں وہ اکثر آیا کرتا تھا۔

چیتن کو اپنے گاؤں جانے کی اب بھی خواہش نہ تھی کیونکہ اس کا خیال تھا کہ گاؤں میں اب اسکا ہوگا ہی کون اس کے دو بڑے بھائی بھی اسی معاملے میں گرفتار ہوئے تھے جنھیں پھانسی کی سزا دی جا چکی تھی اور اس کے باپ جیل ہی میں فنا ہو گئے تھے اس کی بھاوجوں کی بھی مرنے کی خبر آ چکی تھی اور ان تینوں بھائیوں کے درمیان میں جو ایک چھوٹا سا لڑکا تھا وہ مقدمے کے دوران ہی میں اپنی ماں کے ساتھ ننہال چلا گیا تھا اسی لئے چیتن کے لئے اپنے گاؤں میں کوئی کشش نہ تھی پھر بھی جیسے ہی اُس نے کرتارپور کے بازار میں قدم رکھا ویسے ہی اس کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ اپنے گاؤں جائے اور گاؤں والوں سے اپنے تعلقات پھر سے تازے کرے۔

چیتن کرتارپور کے اسکول میں کرگھا ماسٹر مقرر ہو کر آیا ہوا

تھا یہ کام اس نے جیل میں سیکھا تھا اور چونکہ حکومت نے اپنی نئی اسکیم کے مطابق اسکول میں کتائی بنائی سکھلانے کے لئے ایک درجہ کھول دیا تھا اس لئے چیتن کو کرگھا ماسٹری کی جگہ مل گئی تھی اس کی تنخواہ ۲۲ روپیہ ماہوار مقرر ہوئی تھی اور اسکے جیسے تنہا شخص کے لئے یہ رقم بہت کافی تھی اپنے گذشتہ زندگی کے واقعات کو یاد کرتا اور اپنے روشن مستقبل کا تصور کرتا ہوا چیتن بازار کے چوراہے پر کھڑا تھا کہ یکایک اس کی نظر دو لڑکیوں پر پڑی دونوں چھوٹی بڑی بہنیں معلوم ہوتی تھیں اور بہت میلے کچیلے اور پھٹے کپڑے پہنے ہوئے تھیں بڑی بہن کے سر پر ادھر کے ایک جھابے میں گوبر تھا اور چیتن کو یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ دونوں بہنیں صبح اٹھکر گوبر کو اکھٹا کرنے نکلیں ہیں جب وہ جیل خانے نہیں گیا تھا اس وقت بھی اس نے غریب لڑکیوں کو یہ کام کرتے ہوئے دیکھا تھا چیتن نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور سوچا کہ وہی حالت آج بھی بدستور ہے اور پھر اس کا دھیان اپنی بیوی کی طرف منتقل ہوا جسکے متعلق کبھی اس نے کچھ سوچا ہی نہیں تھا کیونکہ جب وہ جیل خانے میں تھا اور جب مقدمہ چل ہی رہا تھا تب ہی اسکے سسر نے اسکی شادی ایک دوسرے شخص کے ساتھ کردی تھی پھر بھی نہ معلوم کیوں ان دونوں لڑکیوں کو دیکھکر اُسے اپنی بیوی یاد آگئی اور وہ کچھ اداس سا ہوگیا۔

روشنی کچھ اور بڑھی اور دونوں لڑکیاں گوبر اکٹھا کرتی ہوئی اور ادھر کے جھابے میں رکھتی ہوئی اس کے پاس آپہنچیں بڑی بہن کی عمر پندرہ بیس سال کی معلوم ہوتی تھی اور چھوٹی کی سات یا آٹھ سال کی اُنھیں دیکھنے سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ اُنھوں نے کبھی سکھ کے دن دیکھے ہی نہیں ہیں انکے جسم پر کپڑوں کے ساتھ گوشت کی بھی کمی نظر آرہی تھی دل کی اداسی میل کی صورت میں جسم پر بکھری ہوئی تھی اور وہ بلاکسی اُمنگ کے اپنے کام میں مشغول تھیں چیتن نے اُنھیں مخاطب کرتے ہوئے پوچھا "اسکول کا راستہ کونسا ہے؟"

بڑی بہن نے سر اٹھایا اور غور سے چیتن کی طرف دیکھکر

چیتن نے ایک لمبی سانس لی اور سوچا کہ وہی حالت جوں کی توں بنی ہے۔

پھر سر نیچا کرلیا۔

چھوٹی بہن نے کہا "چل اپنا کام کر انھیں راستہ معلوم ہے" دونوں بہنیں آگے بڑھیں اور چیتن وہیں کھڑا ہوکر سوچنے لگا کہ اس میں شبہ نہیں کہ اس نے ایک دوشیزہ سے سوال کیا ہے لیکن اس قسم کا سوال کرتے وقت اُس کے دل میں کوئی بُرا خیال نہیں تھا پہلے تو وہ سوچتا رہا پھر آگے بڑھکر لڑکیوں کو روکا اور زور سے کہا "ٹھہرو" دونوں لڑکیاں گھبرا سی گئیں اور کھڑے ہوکر دونوں نے بڑے غور سے چیتن کی طرف دیکھا اور سر نیچا کرلیا چیتن نے کہا میں اس بازار کے لئے کوئی نیا آدمی نہیں ہوں لیکن اسکول کا راستہ میں واقعی نہیں جانتا اس بازار میں آج اکیس سال بعد آیا ہوں اسکے پہلے اس بازار

میں کوئی اسکول نہ تھا اسلئے اگر میں اسکول کا راستہ پوچھوں
تو تم کو بُرا نہ ماننا چاہیئے۔

چھوٹی لڑکی نے اپنی بڑی بہن کو مخاطب کرتے ہوئے
کہا۔ چل گھر چل ایسے چھیڑ چھاڑ کرنیوالے روز ہی ملا کرتے ہیں۔
بڑی بہن نے کوئی جواب نہ دیا اور دونوں بہنیں آگے بڑھ گئیں

(۲)

اس واقعہ کو ہوتے ایک ہفتہ ہوگیا تھا ماسٹر چیتن سروپ
برآمدے میں کھاٹ ڈالے ہوئے پڑے ہیں چاروں طرف سناٹا
ہے صرف انکے کان میں تھپ تھپ کی آواز آرہی ہے جیسے
کوئی اپلے پاتھ رہا ہو انھوں نے گھڑی دیکھی ابھی رات کے
صرف دو بجے تھے اور کافی رات باقی تھی مگر اس تھپ تھپ
کی آواز کی وجہ سے انکا سونا دشوار ہو رہا تھا نیند لانے کی
جب ساری کوششیں بیکار ہوئیں تو انھوں نے لالٹین جلائی
اور اسکول کے باہر نکل کر اُس طرف چلے جہاں سے تھپ تھپ
کی آواز آرہی تھی سامنے انھوں نے اپنی لالٹین کی روشنی میں
دیکھا کہ تین انسانی صورتیں رات کے اندھیرے میں جلدی جلدی
اپلے بنا کر دیوار پر چپکا رہی ہیں چیتن سروپ نے اُن میں سے
دو کو فوراً پہچان لیا۔ وہ دونوں وہی بہنیں جن سے ان
کی دن میں ملاقات ہوئی تھی انھوں نے کہا "تم ساری بستی
کا گوبر لاکر اسکول کی دیوار کیوں خراب کر رہی ہو؟" دونوں
عورتیں خاموش رہیں لیکن چھوٹی لڑکی نے کہا "ہم تو اس دیوار
پر برسوں سے برابر اسی طرح اُپلے لگاتے آئے ہیں لیکن کبھی بھی
دیوار خراب نہیں ہوئی اب کیسے خراب ہو جائیگی۔ آپ ہیں کون
جو ہمیں اس طرح روک رہے ہیں۔

"میں اس اسکول کا ماسٹر ہوں"

"رہنے دیجئے ہمیں اس اسکول کے سب ماسٹروں کو
جانتی ہوں"

"ہو سکتا ہے، مگر میں ایک نیا ماسٹر ہوں اور ابھی حال
میں آیا ہوں"

"تو آپ کو بھی پُرانے ماسٹروں کی طرح رہنا چاہئے اور
کسی غریب کو رات میں آکر یوں نہ ستانا چاہیئے۔

لڑکی کی یہ باتیں چیتن سروپ کو پسند نہ آئیں۔ انھوں نے

کہا "کچھ بھی ہو لیکن میں اس طرح اُپلے پاتھ کر اسکول کی دیوار نہ خراب کرنے دونگا۔ اگر تم سیدھے طریقہ سے نہ مانوگی تو میں پولیس میں رپورٹ کرونگا اور زبردستی تمہیں یہ کام کرنے سے روکونگا کیونکہ ایک تو تم اسکول کی دیوار خراب کرتی ہو اور دوسرے میری نیند بھی۔"

اسطرح انھیں ڈانٹ ڈپٹ کر جیتن اسکول میں لوٹ آیا اور اپنی چارپائی پر لیٹ کر پھر سونے کی کوشش کرنے لگا۔ اُسکی آنکھوں کے سامنے بڑی لڑکی کی رنجیدہ اور معصوم تصویر گھوم گئی۔ اس لڑکی کے چہرہ میں اسے اپنی بیوی کی صورت کچھ جھلکتی نظر آئی جسے اس نے جیل خانہ جانیکے پہلے صرف ایک بار دیکھا تھا اور اس لڑکی کے ساتھ اسکی ہمدردی اور بھی بڑھ گئی۔

جیتن پڑے پڑے سوچنے لگا کہ کیا درحقیقت سارے بازار سے گوبر اکٹھا کرکے اُسکے اپلے بنا کر بیچنے کے سوا انکے لئے زندگی گذارنے کا دوسرا کوئی ذریعہ ہی نہیں ہے۔ جیتن جیسے جیسے یہ سب باتیں سوچتا ویسے ویسے ان لڑکیوں سے اسکی ہمدردی اور بڑھتی جاتی تھی۔ مگر پھر بھی اس نے سوچا کہ خواہ کچھ بھی ہو انھیں اس حرکت سے تو باز رکھنا ہی پڑیگا۔

دوسرے روز صبح ہونے پر جیتن نے اسکول کے چاروں طرف گھوم کر دیکھا۔ اسکول کا سامنے کا حصہ چھوڑ کر باقی تینوں طرف کی دیوار گوبر سے رنگی ہوئی تھی اور بہت خراب معلوم ہوتی تھی۔ سامنے کی طرف بھی دروازے سے کچھ فاصلے پر اُپلے بکھرے ہوئے تھے۔ جیتن نے اسکول کھلنے پر دوسرے ماسٹروں کو بھی اس طرف متوجہ کیا اور رات کا واقعہ سنایا کئی ماسٹروں نے کہا کہ وہ اسکے روکنے کی بہت کوشش کرچکے ہیں لیکن کامیاب نہیں ہوئے۔ محلّے کی اور اسکول کے قریب کی دیواریں اس طرح خراب کیجاتی ہیں ایک بار گوبر کے اُپلے پھینک بھی دئے گئے اور ایک شخص کو پولیس نے ڈانٹا پھٹکارا بھی لیکن یہ رواج بند نہ ہوا اور اب تو پتہ ہی نہیں چلتا کہ کون اور کب یہ اُپلے پاتھ جاتا ہے اور کب انھیں لے جاتا ہے۔

ماسٹروں کی شکایت اور جیتن کے خاص جتن کرنے پر یہ معاملہ طول پکڑ گیا اور ایک روز پولیس کے سپاہیوں نے وہاں آکر وہ تمام دیواریں صاف کروا ڈالیں۔ تمام اُپلے پھینک دئے گئے اور جو سوکھے اُپلے تھے انھیں جمع کرکے اُن میں آگ لگا دی۔ جب اُپلے جلنے لگے تو جیتن نے دیکھا کہ وہ دونوں لڑکیاں ایک تھیلے میں کچھ اُپلے بھر کر لیجانے کی کوشش کر رہی ہیں اور پولیس والوں کی جھڑکیوں اور بیہودہ مذاق کا شکار بن رہی ہیں۔ جیتن کو بڑی لڑکی کے یہ الفاظ سُنائی دئے۔ "دیوان جی! ان اپلوں کو لے جانے دیجئے اب ہمیں یہاں اُپلے نہ پاتھوں گی" اور اس ایک بار ان اُپلوں کو پھر للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا اور کچھ اُداس سی ہوکر واپس لوٹ گئی۔

اُس روز سے اسکول کے پاس اُن لڑکیوں کا اُپلے پاتھنا بند ہوگیا اور جیتن مرزوپ کو نیند آنے لگی۔ مگر اُسکے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا رہا کہ آخر وہ عورتیں اپنے اُپلے اب کہاں پاتھتی ہونگی اور کیا کرکے کھاتی ہونگی ایک روز جب وہ اسکول کے قریب ہی کی ایک گلی سے گزر رہا تھا تو اُس نے گلی کے پاس ہی ایک چھوٹی سی کوٹھری کے دروازے پر ایک چارپائی بچھی ہوئی دیکھی جس پر بہت سے گیلے اُپلے رکھے ہوئے تھے اور دونوں لڑکیاں اُسے وہاں سے اُٹھا کر دھوپ میں لے جا رہی تھیں جیتن کو محسوس ہوا کہ گویا اُن عورتوں کو اپنی زندگی بسر کرنے کے لئے محض ایک کام کی بھی بازار میں ممانعت ہے وہ گوبر جمع کرکے اُپلے پاتھتی ہیں اور اسی کو بیچتی ہیں۔ لیکن کہیں بھی وہ خالی جگہ نہیں پاتیں جہاں وہ اپلے پاتھتیں اور اسی لئے وہ اب اپنی چارپائی پر اُپلے رکھکر اُسے اِدھر سے اُدھر رکھتی پھرتی ہیں۔

دن کا وقت تھا اور اُن لڑکیوں کو دیکھکر جیتن کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ کہیں یہ انھیں کی تو سوتیلی لڑکی نہیں ہے وہ ان لڑکیوں کے بارے میں کچھ جاننے کے لئے بے چین ہو اُٹھا اور انکے پاس گیا اور جاکر پوچھا "تم اس کوٹھری میں کب سے رہتی ہو؟"

بڑی لڑکی نے اُسکی طرف دیکھا اور سر جھکا لیا۔

چھوٹی لڑکی نے اپنی بہن کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "چل اپنا کام کر لوگ اسی طرح پوچھا کرتے ہیں"۔ دونوں بہنیں پھر اپنے کام میں مصروف ہوگئیں اور چیتن ناراض ہوکر اسکول لوٹ آیا۔

(۳)

ایک ماہ بعد چیتن کو تنخواہ کی شکل میں ۲۲ روپے ملے۔ تقریباً ۳۰ سال کی عمر میں یہ پہلا ہی موقع تھا جب چیتن نے اپنی روزی خود کمائی تھی۔ اگر وہ اس کے پہلے اس قابل ہوا ہوتا کہ اپنی روزی خود پیدا کرسکتا۔ جو بات اس نے جیل خانے میں سیکھی اسے سیکھنے کا موقع اگر اسے باہر ہی ملا ہوتا تو اسکی اتنی بڑی عمر فضول نہ ضائع ہوتی اور اس کے عزیز و اقارب اس طرح نہ بکھر جاتے۔ چیتن اپنی کوٹھری میں بیٹھا ان روپیوں کو بار بار گنتا اور جیب میں رکھتا۔ جیل خانے جانے سے پہلے اسکے ہمسن نوجوان روزی کمانے میں لگے ہوئے تھے اور انھیں ایک کامیاب گرہست کہلانے کا حق حاصل تھا اس وقت اسکی گنتی آوارہ گردوں میں تھی۔ نہ تو اس نے کچھ پڑھا لکھا تھا اور نہ کوئی کام ہی سیکھا تھا اور نہ اسے کہیں کوئی ملازمت ہی ملتی تھی۔ کام کی تلاش میں وہ مارا مارا پھر ہی رہا تھا کہ اپنے بھائیوں کے ساتھ ڈاکہ زنی اور قتل کے الزام میں گرفتار ہوگیا اور جیل خانے میں بند کر دیا گیا۔

ان روپیوں کو کیا کرنا چاہئے یہ سوال بار بار چیتن کے دل میں اٹھ رہا تھا جب وہ جوان تھا اور جب کبھی پہلے وہ خیال کرتا تھا کہ نوکری یا روزگار کرنے میں جب کچھ آمدنی ہوگی تو وہ ان روپیوں کو اپنی بیوی کے ہاتھ میں لاکر رکھیگا اور اس سے کہے گا "لو میں اپنا کام کرچکا۔ اب تم اپنا کام کرو۔ لیکن آج کوئی بھی رفیق زندہ نہ بچا تھا جسکے ہاتھ پر چیتن ان روپیوں کو رکھتا۔ اسلئے چیتن کو زندگی میں پہلی بار تنخواہ پانے پر بھی خوشی اور رنج دونوں کا احساس ہو رہا تھا۔

یکایک چیتن کو خیال ہوا کہ ان روپیوں سے کچھ مدد اُن عورتوں کی کرنی چاہئے جنھیں خاص اسکی وجہ سے تکلیف اُٹھانی پڑی ہے۔ یہ ارادہ کرکے نصف تنخواہ یعنی گیارہ روپئے ایک چیتھڑے میں باندھ کر اس کوٹھری کی جانب گیا جس میں وہ دونوں دنیں اپنی ماں کے ساتھ رہتی تھیں کوٹھری کا دروازہ آدھا کھلا ہوا تھا۔ ساری کوٹھری دھوئیں سے بھری تھی۔ چیتن نے چیتھڑے میں بندھے روپے کوٹھری کے اندر پھینکے اور اپنے قدم اس طرح بڑھا دئے جیسے کوئی شخص کسی دشمن پر پتھر پھینک کر بھاگتا ہو۔

اسی طرح چیتن نے ہر ماہ اپنی آدھی تنخواہ اس کوٹھری میں پھینکنی شروع کی۔ اب وہ اس بات کا منتظر رہنے لگا کہ دیکھے کہ اس کا اس غریب خاندان پر کیا اثر پڑتا ہے۔

(۴)

گرمی کے دن تھے۔ اسکول میں چھٹی ہو گئی تھی لیکن کہیں گھر نہ ہونے کے باعث چیتن اسکول ہی میں رہتا تھا۔ اس سے ملنے کے لئے اس کا ایک جیل کا ساتھی آیا تھا جو کسی دوسرے اسکول میں اسی کی طرح لڑکوں کا ماسٹر تھا چیتن نے اس کی خاطر کی اور یہ جس وقت کا ذکر ہے اسی وقت وہ اسکے تواضع کے لئے بازار چینی خریدنے نکلا تھا۔

یکایک انھیں دونوں لڑکیوں کی طرف چیتن کی توجہ منعطف ہوئی جنھیں اس نے بازار میں پہلی بار دیکھا تھا اور جنھیں وہ پوشیدہ طور سے ہر ماہ اپنی آدھی تنخواہ دیا کرتا تھا۔ اس نے دیکھا کہ بازار میں ایک پنساری کی دکان ان تینوں عورتوں نے مل کر کھول رکھی ہے گڑ، تمباکو، چنا، نمک اور اس قسم کی کسانوں اور مزدوروں کے کام کی چیزیں ہیں اور تینوں عورتیں بیٹھی فروخت کر رہی ہیں۔ چیتن نے دکان کے پاس رک کر پوچھا "کیا تھوڑی چینی دے سکتی ہو؟"

"کتنی چاہئے؟" چھوٹی لڑکی نے چلا کر پوچھا۔

"ایک پاؤ"

بڑی لڑکی نے چینی تول دی۔ چیتن نے پیسے دئے اور جب چلنا چاہا تو لڑکی نے کہا۔ ماسٹر صاحب! آپ روز یہیں سے چینی خرید لیجئے۔ ہمارے یہاں سے آپ کو بہت اچھا مال ملے گا۔ دیکھئے جس دن سے آپ نے اسکول کے پاس

ہم لوگوں کو اُپلے پاتھنے سے روکا ہے اُس روز سے ہماری قسمت جاگ گئی ہے۔"

اس طرح چیتن اُنکی دوکان سے روزانہ کچھ نہ کچھ خریدنے لگا اور ان کے متعلق زیادہ سے زیادہ جاننے کی کوشش کرنے لگا۔ ایک روز ان نے چیتن سے کہا۔ ماسٹر صاحب میں بہت غریب ہوں۔ لیکن اگر آپ میری لڑکی کو تھوڑا بہت پڑھا لکھا دیں تو میں آپ کو پان پھول کے لئے کچھ ضرور نذر کروں گی۔"

چیتن خود بہت پڑھا لکھا نہیں تھا۔ لیکن اُس نے دوستوں سے جیل میں کچھ پڑھنا لکھنا سیکھ لیا تھا۔ اس نے اس کی یہ فرمایش قبول کر لی اور چھوٹی لڑکی کو پڑھانے لگا۔ اس طرح چیتن کے اور انکے تعلقات بڑھنے لگے تعلقات بڑھ جانے پر ایک روز چیتن نے دیکھا کہ اس گھر میں ان تین عورتوں کے سوا ایک شخص اور ہے جو لقوہ کا مریض ہے اور دن رات بستر پر لیٹے رہنے کے سوا وہ اور کسی کام کے قابل نہیں ہے وہ ان دونوں لڑکیوں کا باپ ہے۔ ملاقات ہونے پر ایک روز اس نے اپنے مجبور ہو جانے کے کل واقعات سُنائے کس طرح وہ کھیتی کر کے بڑھا تھا اور کس طرح لقوہ کا شکار ہو جانے پر ادر قرضے اور لگان نہ دے سکنے کی وجہ سے اُسکے ہاتھ سے کھیت اور مویشی نکل گئے اور اخیر میں کس طرح اُسے گاؤں چھوڑ کر بازار میں آنا پڑا۔

اخیر میں اُس شخص نے کہا " ماسٹر صاحب مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے اس عورت کی قسمت میں آرام کبھی لکھا ہی نہیں ہے اسکی شادی ایک بہت اچھے کسان کے لڑکے کے ساتھ ہوئی تھی۔ مگر گاؤں میں فوجداری اور قتل کے واردات ہونیکے باعث وہ خاندان کا خاندان تباہ ہو گیا۔ باپ سے لڑکی کا دکھ دیکھا نہ گیا اور اُس نے اسکی شادی میرے ساتھ کر دی ان دنوں میں ایک اچھا تندرست نوجوان تھا اور خواب میں بھی یہ خیال نہ ہوا تھا کہ میری یہ حالت بھی ہو سکتی ہے مگر اُسکی قسمت دیکھئے کہ آج میری یہ حالت ہے کہ میں خود اپنی بیوی اور لڑکیوں کی کمائی کھا رہا ہوں۔ ابھی تک یہ تینوں مجھے اُپلے پاتھ پاتھ کر کھلاتی تھیں مگر اب میری گھر والی یہ کہتی ہے کہ نہ جانے کہاں سے روپیہ آ جاتا ہے۔ نہ جانے کون روپئے ڈال جاتا ہے مجھے تو بہت شک ہوتا ہے کبھی کبھی تو میں یہ سوچتا ہوں کہ جو عزت اس عورت نے پہلے محفوظ رکھی تھی شاید اب وہ گنوا بیٹھی ہے۔ مگر پھر سوچتا ہوں کہ یہ سب سوچکر مجھے پریشان نہ ہونا چاہئے کیونکہ میرے جیسے اپاہج اور مجبور کا یہ گھر اب مجھے اپنی عزت اور بےعزتی متعلق سوچنے کا موقع نہیں دیتا۔

اب چیتن کو یقین ہو گیا کہ وہ اس کی بیوی ہے مگر اُسے پہچانتی نہیں ہے۔ زندگی میں صرف ایک ہی بار ملاقات ہوئی تھی اور اُس ملاقات کو ایک زمانہ گذر گیا تھا۔ اتنے عرصے کے بعد وہ کیسے پہچان سکتی ہے۔

چیتن کے دل میں تو آیا کہ وہ سارے واقعات بتلا دے پھر اُس نے سوچا کہ اس خاندان میں جو تھوڑا بہت سکون نظر آتا ہے اُس میں پھر طوفان آ جائیگا۔ اس لئے چیتن نے اپنے دل کی بات اپنے دل میں ہی رکھی اور باہر ہی باہر پوشیدہ طور پر وہ جب تک زندہ رہا اس خاندان کی امداد کرتا رہا اُس کی ہمدردی پاکر وہ لڑکیاں اب صرف گوبر پاتھنے والی ہی لڑکیاں نہیں رہ گئی تھیں بلکہ پڑھ لکھکر ہوشیار ہو گئیں اور اچھی دلہنیں بنکر اپنی سسرال میں گئیں جہاں اُن کو دنیا کی نفرت سے نجات مل گئی ان لڑکیوں سے ملاقات کرنے چیتن جب کبھی ان کی سسرال جاتا اور جب وہ لڑکیاں اپنی ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے پتا کہتیں اور اُس کے قدموں سے لپٹ جاتیں چیتن مسرور ہو جاتا یہ ایک بہت بڑی مسرت تھی جو اُسے اپنی اتنی بڑی ناکام زندگی میں حاصل ہوئی تھی۔

یہاں ہم ہر ماہ کوئی نہ کوئی گیت شایع کیا کریں گے جو کسی نہ کسی ضلع کے دیہاتوں میں رائج ہے۔ یہاں جو گیت شائع ہو رہا ہے وہ ضلع سلطان پور میں بہت رائج ہے اور وہیں کی بولی میں لکھا ہے۔

رکھ دیہن نام بُدّھو گنوار

(از رام کیول مسر آرگنائزر گرام سُدھار۔ ضلع سلطان پور)

سب لوٹ لوٹ دولت ہمار — رکھ دیہن نام بُدّھو گنوار

جمیندار سبھو کے مورکھ ہیں — جھوٹا کاگج دکھلائی ہیں
کہہ دیہن چھوٹ کے برچھ آ — جونے مان چھوٹ بہت کم با
لے لیہن ہم سے بہت لگان
کہہ کہہ ہم کا بُدّھو کسان

کوؤ جب اخبار سناوت ہے — کوؤ جب رامائن گاوت ہے
ڈکیہارا جب چٹھی لاوت ہے — تب من ماں پچھتاوا آوت ہے
ایک گھنٹہ چھوڑ کے ٹکر ٹکر
نت بدّھیا پڑھبے بِنا اُجر

دے دیہن ہمیں جھوٹی رسید — ہوکے ہم سے پھر تو وعید
بے دخلی پر کس لیہن کمر — کہیں سسرو لاوا ہمیں نجر
بدّیا بن پھوٹی یہ گتی ہمار
بکیگا ہمار سب گھر دوار

ہم سے سب جن لیت ہن بیگار — چپراسی سے لے جمیندار
ہوئی گئیں ودّیا بن ہم گنوار — ہم کا سبجھی کا حق ہمار
ارگنیجر کا ہے کون کار
ہم کا سبھی گنوئیں سُدھار

ارجی داوا میں بیس تیس — لکھوائی مانگے بائی کھیس
پرچہ لکھی کے لے لیہن پچیس — ہوئیگیں اپنے بابو رئیس
اینٹھ اینٹھ ہم سے سب پیس
بنی گے رئیس عرجی نویس

جب کرج مہاجن سے لے لئی — پھر سات کے ستر تب دے لئی
دن رات رہی پر کے ادھین — ہم کا سمجھا ہے دھرم دین
کرا کی ملے آوے جب ایہن
ہم سے کے بڑھ کے بھاگ ہیں

جب کھوں گواہی جائت ہئے — تب اُدنھا ترت لگائت ہے
ہم اپنین ہاتھن سے بھیّا — ٹیکا کلنگ لگوائت ہے
اب چھوڑ کے جی کے دھکڑ پکڑ
ہم ودّیا پڑھبے بِنا اُجر

چھتوے جب ایہن ٹکر ٹکر — تب ہوئی دل ماں پکڑ پکڑ
جب چپراسی دوڑے ہُلر ہُلر — تب بھری روؤے بلر بلر
ڈنڈا نا کھائت ٹھکر ٹھکر
جو پڑھت ہم ودّیا بنا اُجر

جب ریل پہ ہم سب جائت ہے — تب ترتی دھکا کھائت ہئے
بھاپیچ میں [illegible] سے کے — آسن مشکل سے پائت ہئے
نیتا جب بولیں ٹکر ٹکر
تب ان کا دیکھی ہم ٹکر ٹکر

جارٹے ماں بابو جب ہُرر ہُرر — چلت ہے بیا جب گھرر گھرر
مہری جب سووے گھرر گھرر — تب ہم کانپت ہے تھر تھر
لاکر یا بندھان ہم کا اُبار
اب نہ بنئی بُدّھو گنوار

ہمارے جانور

مویشیوں کے کھلانے کے چارے کے متعلق ہدایتیں

(از جناب مایا داس - آئی - اے - ایس جائنٹ ڈائرکٹر آف ایگریکلچر)

مویشیوں کو چارہ دینا

بغیر عمدہ نسل کے اور اچھی طرح پرورش پائے والے بیلوں کے کھیتی کی اصلاح ممکن ہے۔ گاؤں والوں کی صحت بھی زیادہ سے زیادہ دودھ ملنے پر منحصر ہے۔ مغربی ضلعوں کے علاوہ باقی صوبہ متحدہ میں مویشیوں کو بہت کم چارہ دیا جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کسان اپنے بیلوں سے بہت زیادہ کام نہیں لے سکتا اور اس کے دودھ دینے والے مویشی اچھی طرح پرورش نہ ہونے کے باعث کمزور رہتے ہیں۔ اس لئے پہلی ضروری بات یہ ہے کہ مویشیوں کو اچھی طرح چارہ دیا جائے۔ مویشیوں کے چارے دو قسم کے ہوتے ہیں:- (۱) کھو کھلا چارہ۔ مثلاً بھوسہ، کربی، گھاس اور سائلیج۔ اس میں چکنائی کے اجزا بہت کم یا نہیں کے برابر ہوتے ہیں اور مناسب پروٹین بھی نہیں ہوتا۔ ان میں زیادہ مقدار میں معدنیات شامل ہوتی ہیں جس سے طاقت پیدا ہوتی ہے۔ (۲) ٹھوس چارہ۔ مثلاً کھلی، کھلی، غلہ، غلے سے متعلق چیزیں۔ مویشیوں کی پرورش، افزائش اور ان میں دودھ پیدا کرنے کے لئے ان کے چارے میں مناسب مقدار میں چکنائی اور پروٹین بھر دیتی ہیں۔ مویشیوں کی عمر، ان کا وزن اور ان کی محنت کی مطابقت ہی سے ان کے لئے کھوکھلے چارے کی مقدار مقرر کی جا سکتی ہے۔ ٹھوس چارے کے لئے بھی یہی کہا جا سکتا ہے لیکن وہ چارہ مہنگا ہونے کے باعث مختلف مویشیوں کیلئے ان کی ضرورت کے مطابق کم سے کم مقدار میں دینا چاہئے۔ مندرجہ ذیل فہرست میں (ا) دودھ دینے والے اور (ب) دودھ نہ دینے والے مویشیوں کے چارہ کی مقدار بتائی گئی ہے۔

چارے کا نام	دودھ نہ دینے والے مویشی: چھوٹے قد کے مویشی	منجھلے قد کے مویشی	بڑے قد کے مویشی	دودھ دینے والے مویشی: ۳ سیر دودھ دینے والے چھوٹے قد کے مویشی	۶ سیر دودھ دینے والے منجھلے قد کے مویشی	۱۰ سیر دودھ دینے والے بڑے قد کے مویشی
۱۔ ٹھوس چارہ	ایک سیر	۱½ سیر	۲ سیر	۱½ سیر	۳ سیر	۵ سیر
۲۔ بھوسا یا سوکھی گھاس	۴ سیر	۵ سیر	۶ سیر	۳½ سیر	۴ سیر	۶ سیر
۳۔ ہرا چارہ	۹ سیر	۱۲ سیر	۱۶ سیر	۹ سیر	۱۲ سیر	۱۶ سیر
۴۔ نمک	½ چھٹانک	½ چھٹانک	½ چھٹانک	½ چھٹانک	½ چھٹانک	½ چھٹانک

(۷) مقدار... ان کے علاوہ مویشیوں کو کچھ نہ کچھ کھلے میدان میں ضرور چرنا چاہئے جس میں چرتے وقت اُن کو کچھ ورزش بھی ہو جائے۔ سوکھے چارے میں کئی قسم کے سوکھے چارے کی ملاوٹ ہونی چاہئے۔ مثلاً کھلی ایک حصہ، جو ۲ حصہ اور دلا ہوا غلہ ۲ حصہ۔ دودھ دینا بند کر دینے پر مویشیوں کے سوکھے چارے کی خوراک میں ایک تہائی کمی کر دینی چاہئے۔ روزانہ ۵ سیر سے زیادہ دودھ دینے والے مویشی کو پاؤ چھٹانک ہڈی کا بے ضرر آٹا دینا چاہئے۔ سوکھے چارے میں کچھ مقدار ہرے چھیمی دار چارے کی بھی شامل کرنی چاہئے۔ مثلاً مٹر، گوار یا دوہری، ارہر، مونگ، ارہر، مونگ پھلی، سویابین وغیرہ۔ اگر مل سکے تو ہرے چارے کی جگہ سائیلج دیا جا سکتا ہے جس کا ذکر ہم آگے کریں گے۔

چارہ تیار کرنے کی چند ہدایتیں

(۱) سوکھا اور ہرا چارہ تقریباً ۲ اور ۱ کی مناسبت سے دینا چاہئے۔ اس سے چارہ خوش ذائقہ اور طاقت بخش ہو جاتا ہے۔

(۲) کھلانے کے پہلے سخت ڈنٹھلوں کے ٹکڑے کر لینا چاہئیں تاکہ مویشی اُنھیں آسانی سے ہضم کر سکیں۔

(۳) گیہوں کا سوکھا بھوسا کھلانے کے پہلے دھو لینا چاہئے تاکہ اُس کی گرد اور گندگی دور ہو جائے۔

(۴) ہرے چارے کو چھوٹا چھوٹا کاٹ لینا چاہئے اور تازہ ہی کھلانے کو دینا چاہئے۔ دیر تک رکھنے سے اُس میں کیڑے پڑ جاتے ہیں۔ برسات میں زہریلے کیڑوں کو نکالنے کے لئے چارے کی جانچ کر لینی چاہئے۔

(۵) بنولا اگر اُبال کر دیا جائے تو وہ بہترین چارا ہوگا۔ اناج دل کر اُسے ۴ گھنٹہ پانی میں بھگو کر سوکھے چارے میں خوب ملا کر کھلانا چاہئے۔ گوار اور ارہر کے دانے کھلانے کے پہلے اُبال لینے چاہئیں۔

(۶) دلے ہوئے دانے برسات میں زیادہ عرصے تک نہ رکھے جائیں۔

(۷) کھلی، گیہوں کی بھوسی، ارہر کا چوکر اور چونی کھلانے سے پہلے تین چار گھنٹے تک پانی میں بھگو کر نرم کر لینا چاہئے۔

حصار کی ایک گائے اور اُس کا جیتنے بھر کا بچھڑا

(۸) ۲۴ گھنٹے میں ۲ بار چارہ دینے کے بجائے ۳ یا چار بار چارا دینا اچھا ہے۔

(۹) مویشیوں کے پینے کے لئے اچھا صاف اور تازہ پانی صحت بخش ہے۔

(۱۰) مویشیوں کو جن ناندوں یا برتنوں میں چارہ دیا جائے وہ خوب صاف رکھے جانے چاہئیں۔

ہرے چارے کا انتظام

ہرے چاروں میں وٹیمن ہوتے ہیں اور اُن میں ذائقہ اور پھلیوں میں زیادہ پروٹین ہونے کے باعث وہ زیادہ مقوی ہوتے ہیں۔ سال بھر تک ہرے چارے کا سلسلہ جاری رکھنے کے لئے مندرجہ ذیل طریقہ پر فصلیں لگانی چاہئیں۔

(۱) پھلی دار چارے کی فصلیں۔
خریف۔ گوار، کاؤپیز، سویابین اور موٹھ۔
ربیع۔ لوسرن، برسیم، شفتال، سینجی، میتھی اور مقامی مٹریں۔

(۲) چارے کی دوسری فصلیں اور گھاسیں۔
خریف۔ جوار، مکا، باجرا، نیپیر، گنی اور رودس گھاس۔
ربیع۔ جئی اور گاجر۔

ولایت کی ایک رعتی نمائش میں آیا ہوا سانڈ۔ اس کی قیمت ۵۰۰۰ پونڈ ہے۔

ہرے چاروں کے متعلق مختصر نوٹ

(۱) جوار، مکا اور باجرے کے ساتھ زیادہ پھلی دار گوار، کاؤپیر، موٹھ اور سویابین بوئے جاتے ہیں۔ پھلی دار ہرے چارے جوار یا باجرے کے ساتھ کاٹ لئے جاتے ہیں۔ کھلانے کے لئے انھیں پھولتے وقت ہی کاٹ لینا چاہیئے۔

(۲) برسیم، شفتال، سینجی اور میتھی زیادہ تر ربیع کے موسم میں علٰحدہ بوئی جاتی ہے۔ ان سبھی چاروں کے پودوں سے اور خصوصاً برسیم سے عمدہ ہرا چارہ زیادہ مقدار میں ملتا ہے۔ اور ان سے اگلی فصل کے لئے زمین اچھی بن جاتی ہے۔

(۳) لوسرن ایک سال بھر برابر پیدا ہونے والی فصل ہے ایک بار بوئے جانے پر یہ ۴ پانچ سال تک لگا رہتا ہے۔ جاڑے اور گرمی میں جب دوسرے ہرے چارے بہت کم ملتے ہیں اُس وقت اِسے کاٹنے سے بہت زیادہ ہرا چارہ ملتا ہے۔ دودھ دینے والے مویشیوں کے بجائے دودھ نہ دینے والے مویشیوں کو اور گھوڑوں کو سرن کھلانا چاہیئے۔

اگر ہرے پھلی دار چارے مل سکیں تو انھیں سوکھے بھوسے یا کربی میں ملا کر کھلانا چاہیئے۔ اس قسم کے چارے ۵ سے ۱۰ سیر تک فی مویشی کے حساب سے دئے جائیں۔ اس سے زیادہ مقدار میں دینے سے مویشیوں کے پیٹ میں جا کر چارہ سڑنے لگتا ہے اور اس سے ایک قسم کی بیماری ہو جاتی ہے۔

(۴) جوار، مکا اور باجرہ پھلی دار فصلوں کے ساتھ بونے چاہئیں۔ لیکن برسات کے پہلے ہرے چاروں کے لئے جوار اور باجرے کی چری بھی بوئی جا سکتی ہے۔ جوار اور مکا کے پودے جب بہت چھوٹے ہوتے ہیں تو اُن میں زہریلے اجزا ہوتے ہیں۔ ایسے پودے مویشیوں کو کھلانے سے اُن کی موت ہو جاتی ہے۔ جوار کی چری پھولتے وقت کاٹ لینے پر برسات کے پہلے کھلائی جا سکتی ہے۔

(۵) لوسرن کی طرح نیپیر، گنی اور رودس گھاسیں بھی

ہمیشہ پھولنے والی ہیں۔ مگر ان میں پھلی نہیں ہوتی۔ ایک بار بو دینے پر یہ گھاسیں چار پانچ سال تک لگی رہتی ہیں اور پورے سال بھر تک، یہاں تک کہ برسات میں بھی انھیں کاٹنے سے بہت زیادہ ہرا چارہ ملتا ہے۔ اگر لوسرن کاٹا نہ جائے تو اس سے برسات میں چارہ نہیں مل سکتا۔

سائیلیج

برسات میں جمع کئے جانے والے ہرے چارے کا بچا ہوا حصہ گرمی کے لئے آسانی سے اور بہت ارزاں طور پر محفوظ کیا جا سکتا ہے۔ اس کے لئے مناسب سائز کا ۶ سے ۸ فیٹ تک کا ایک گہرا گڑھا کھودا جاتا ہے۔ یہ گڑھا جوار، مکا، نیپیر گھاس، دوب اور دیگر گھاس سے لبالب بھر دیا جاتا ہے اور پکنے کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اس قسم کا محفوظ چارہ قریب قریب چار ماہ میں استعمال کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ اگر ستمبر میں یہ گڑھا بھر دیا جائے تو دسمبر میں چارا تیار ہو جائے گا۔ محفوظ چارہ صرف گرمی میں استعمال کرنا چاہئے کیونکہ اس وقت ہرے اور رس دار چارے کی قلت رہتی ہے۔ یہ چارہ ہر ایک مویشی کو ۲۰ سیر تک دیا جا سکتا ہے۔ دودھ دینے والے اور دودھ نہ دینے والے دونوں قسم کے مویشیوں کے لئے یہ چارہ مفید ہے۔

چرانا

ہر قسم کے پالتو مویشیوں کو چرانا ضروری ہے۔ اس سے مویشیوں کی کسرت ہوتی ہے اور وہ قدرتی طور پر پرورش بھی پاتے ہیں۔ دیہاتوں کے پاس کی بنجر زمینیں جو چرائی کے لئے ہی استعمال کی جاتی ہیں۔ زیادہ چرائی کے باعث خراب ہو جاتی ہیں۔ اس خرابی کو دور کرنے کے لئے چرائی کا رقبہ گھیر کر محفوظ کر لیا جائے۔ اس میں سلسلے سے چرائی کی جائے جس سے چرائی کا ہر ایک بلاک مویشیوں کے منہ اور کھر سے بچے اور اس میں ٹھیک طور سے گھاس پیدا ہو۔ کبھی کبھی کھاد دینے اور کھیتی کرنے سے چراگاہوں کی یہ حالت سدھر جائے گی۔ اگر سینچائی ہو سکے تو پانچویں پیرے میں جن گھاسوں کا ذکر آیا ہے وہ چراگاہ کے کچھ حصوں میں اگائی جا سکتی ہیں۔

گایوں کو جُفتی کھلانا

آجکل دیہاتوں میں گایوں کے گرم ہونے پر جو سانڈ مل گیا اسی سے لوگ جُفتی کھلاتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ سانڈ جنکو آختہ ہونا چاہئے تھا۔ ناقص نسل کے مویشی پیدا کرنے کے لئے استعمال کئے جا رہے ہیں۔ یہ حرکت دو طرح سے روکی جا سکتی ہے۔ پہلے ہر ایک گاؤں میں جہاں ایک سانڈ کے لئے کافی تعداد میں گائیں ہوں۔ ۵۰ پچاس گایوں کے لئے ایک عمدہ نسل کا سانڈ رکھا جائے حصار، سہوال، مُرّا بھینسا، کھیری اور پنوار نسل کے سانڈ محکمۂ زراعت کے ذریعے ۲۲ روپیہ فی سانڈ کے حساب سے خریدے جا سکتے ہیں۔ خریداروں کو سانڈوں کے لئے ریلوے کا کرایہ نہ دینا ہوگا۔ دوسرے چھوٹے اور ناقص نسل کے بیلوں کو آختہ کیا جائے تاکہ ناقص نسل کے بچھڑے نہ پیدا ہو سکیں۔ اوپر بتلائے ہوئے قاعدوں کے مطابق وسیع پیمانے پر نسل سدھارنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ صرف خراب نسل کے بیل ہی نہ آختہ کئے جائیں بلکہ بچھڑے بھی آختہ کئے جائیں اور بعد میں بیل کی جگہ کام میں لائے جائیں۔ علاج مویشیان اور محکمۂ زراعت آختہ کرنے کے لئے سہل طریقے ہی استعمال میں لاتے ہیں۔ اگر گاؤں والے خود آختہ نہیں کر سکتے تو انھیں سب سے قریب گھوڑے کے نائب ڈاکٹر یا انسپکٹر زراعت کے یہاں درخواست دینی چاہئے درخواست دینے پر اسکا انتظام ہو جائیگا۔

اگر خاندان کا کوئی فرد رسم و رواج کے مطابق کسی متوفی رشتہ دار کی یاد گار میں ایک سانڈ چھوڑنا چاہتا ہے تو خراب سانڈ کی جگہ سرکاری فارم سے ۲۲ روپیہ میں ایک اچھا سانڈ خرید کر چھوڑنا کہیں اچھا ہے۔

دیہاتی پنچایتوں کا یہ فرض ہے کہ وہ اس بات پر توجہ کریں کہ جب ایک سانڈ ناقص ہو جائے تو اس کی جگہ نیا سانڈ رکھ لیا جائے۔ ایک سانڈ ایک ہفتہ میں ۳ چار گایوں سے زیادہ جُفتی کھلانے سے زیادہ استعمال نہ کیا جائے۔

گایوں کو جُفتی کھلانے کا بہترین وقت وہ ہے جب وہ گرم ہوں گایوں کے گرم ہونے کی شناخت یہ ہے کہ وہ ہونکارنے لگتی ہیں۔ کچھ گائیں بہت شرمیلی ہوتی ہیں اور یہ پتہ لگانا آسان نہیں ہوتا کہ وہ گرم ہیں۔ تجربہ کار چرواہے ان اوصاف سے بخوبی واقف ہوتے ہیں۔ گائیں تقریباً ۱۱ گھنٹے تک گرم رہتی ہیں۔ اس لئے گائے کے گرم ہوتے ہی اسے فوراً کسی سانڈ کے پاس لے جانا چاہئے۔

جُفتی کھلانے کے بعد یہ بات معلوم کر لینا چاہئے کہ وہ گابھن (حاملہ) ہوئی ہے یا نہیں۔ پہلے ۳ یا ۴ دن تک اُسے ایسی چیزیں نہ دینی چاہئیں جنکا اثر گرم ہو مثلاً بہت زیادہ ٹھوس چارے، مسالے، کھلی وغیرہ وغیرہ۔

جب تک بچھیا خوب بڑی نہ ہو جائے تب تک اُسے جُفتی نہ کھلانا چاہئے۔ زیادہ تر ۳ سال میں گائیں جُفتی کھلانے کے قابل ہوتی ہیں۔ اسکے پہلے ایسا کرنے سے کمزور نسل کے بچھڑے یا بچھیا پیدا ہوتے ہیں۔

پلیگ اور اُس سے بچنے کی تدبیریں

پلیگ کا نام سنتے ہی کتنے ہی آدمی کانپ اُٹھتے ہیں۔ شروع میں جب یہ مرض پھیلا تھا تو گھر کے گھر اس سے تباہ ہو گئے تھے۔ کچھ روز تک ڈاکٹر، حکیم سبھی کو تعجب تھا۔ اب بڑے بڑے تحقیق سے ڈاکٹروں نے اس کے متعلق پوری واقفیت حاصل کر لی ہے اور وہ تدبیریں تلاش کر لی ہیں جن پر عمل کرنے سے انسان بچ سکتا ہے۔ ہمارے صوبے میں کچھ ضلعوں میں اکثر پلیگ ہو جاتا ہے اسلئے یہ ضروری ہے کہ ہم اِس وبا کے بارے میں کچھ واقفیت حاصل کریں۔ یہ مضمون اِسی مقصد سے ہم یہاں شائع کر رہے ہیں۔

پلیگ کا حملہ پہلے چوہوں پر ہوتا ہے پھر انسان پر۔

یہ بیماری گندگی سے پیدا ہوتی ہے۔ کبھی کبھی دیکھا گیا ہے کہ نالوں، پاخانوں اور موریوں کی گندگی ہوا کو کثیف کر کے خراب کر دیتی ہے اور وہی خراب ہوا مرض کا باعث ہوتی ہے۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ زمانۂ قدیم میں مصر اور سپین وغیرہ ممالک میں طاعون بہت ہوتا تھا۔ اس کی خاص وجہ یہ تھی مردوں کو زمین میں اچھی طرح دفن نہ کیا جانے سے برسات کا پانی قبروں میں بہہ جاتا تھا اور لاشوں کے سڑنے سے ہوا گندی ہو کر پلیگ پیدا کرتی تھی۔

ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ گندی ہوا سے پلیگ کے جراثیم پیدا ہوتے اور پرورش پاتے ہیں۔ یہ جراثیم اتنے چھوٹے ہوتے ہیں کہ آنکھوں سے نہیں دکھائی دیتے۔ انھیں دیکھنے کے لئے خوردبین کی مدد لینی پڑتی ہے۔ یہ جراثیم مرطوب اور سرد زمین میں زیادہ مضبوط ہوتے ہیں۔ پہلے اِس بیماری کا حملہ چوہوں پر ہوتا ہے۔ لہٰذا جب چوہے بلا وجہ مرنے لگیں تو یہ سمجھ کر کہ اب پلیگ آ گیا ہے گھر چھوڑ دینا چاہیئے۔ چوہوں کے بالوں میں ایک قسم کے ننھے پسو ہوتے ہیں۔ جب یہ پسو کسی ایسے چوہے کا خون چوستے ہیں جو پلیگ کا مریض ہوتا ہے تو وہ خون کے ساتھ پلیگ کے جراثیم بھی چوس لیتے ہیں اور اس کے بعد جب وہ کسی آدمی کو کاٹتے ہیں تو اُسے بھی پلیگ ہو جاتا ہے۔ جب سب چوہے مر جاتے ہیں تو یہ بھوکے پسو آدمی پر ہی حملہ کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ چوہوں کے مرنے کے بعد آدمیوں کے مرنے کی تعداد بڑھ جاتی ہے۔

بہت سے مقامات پر دیکھا گیا ہے کہ وہاں باہر سے کوئی پلیگ کا مریض آکر مرا اور اُس کے مرتے ہی ساری بستی میں پلیگ پھیل گیا۔ پلیگ کے مریضوں کو ایک بستی سے دوسری بستی میں منتقل ہونے سے اس کے پھیلنے کا بہت ڈر رہتا ہے۔ اس لئے ان باتوں کو روکنا چاہیئے۔ پلیگ کے مریضوں کو علٰحدہ رکھنا چاہیئے اُس کے تیمارداروں کو بھی دوسروں سے نہ ملنا چاہیئے۔ فنائل کے پانی سے فرش دھونا۔ مرے ہوئے چوہوں کو بستی سے دور لے جا کر جلا دینا یا گاڑ دینا چاہیئے۔ کپڑوں کو دھوپ میں سکھا کر پہننا۔ مرطوب اور گندی جگہوں پر چونا چھڑکنا وغیرہ باتیں ایسی ہیں جن سے پلیگ کا زور کم ہو جاتا ہے۔ اسلئے اُس کا حملہ ہونے پر اِن ہدایات کو کبھی نہ بھولنا چاہیئے۔ کچھ لوگ تو پلیگ کی گھبراہٹ اور خوف ہی سے مر جاتے

پلیگ سے بچنے کے لئے بستی سے باہر بنائے گئے پھونس کے جھونپڑوں کا ایک نمونہ۔

ہیں۔ اس لئے پلیگ شروع ہونے پر گھبراہٹ دور کر کے مستقل مزاجی سے علاج کرنا چاہئے۔ پلیگ میں بڑے زور سے بخار آتا ہے، منہ لال ہو جاتا ہے، ہاتھ اور سر میں درد ہوتا ہے، بغل، جانگھ اور گلے میں گلٹھیاں نکل آتی ہیں۔ اس مرض میں آدمی آن کی آن میں ختم ہو جاتا ہے، جو بچ جاتے ہیں اُن کی گلٹھیاں یا تو بیٹھ جاتی ہیں یا پک کر پھوٹ جاتی ہیں۔ اگر گلٹھی میں پیپ پڑ جائے، بخار کم ہو جائے یا گلٹھی بیٹھی ہوئی معلوم ہو تبھی اس سے بچنے کی امید کرنی چاہئے ورنہ نہیں۔

پلیگ کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک وہ جس میں گلٹھی نکلتی ہے دوسری وہ جس میں گلٹھی نہیں نکلتی۔ پہلی قسم کے پلیگ میں سوجن ہمیشہ نظر آتی ہے مگر دوسری قسم کے پلیگ میں سوجن نہیں ہوتی۔ اس کی جگہ سینہ جکڑا سا نظر آتا ہے جب گلٹھی باہر کی طرف پھوٹ جاتی ہے تو مریض کے بچنے کی امید ہو جاتی ہے۔ لیکن جب گلٹھی نہیں پھوٹتی یا اندر کی طرف پھوٹتی ہے تو خون میں زہر پھیل جانے سے مریض مر جاتا ہے۔ اس میں بخار کی رفتار تو بڑھتی ہی ہے سانس بھی بند ہو جاتی ہے اور نبض کی رفتار بھی تیز ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹروں کا قول ہے کہ گلٹھی والے پلیگ میں فی صدی ۱۰ دس آدمی بمشکل بچ جاتے ہیں لیکن دوسری قسم کے پلیگ میں اتنے آدمی بھی نہیں بچتے۔

پلیگ سے بچنے کے لئے سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ جس مقام پر یہ ہونے لگا ہو اُسے اُسی وقت چھوڑ دینا چاہئے۔ اور آبادی کے باہر باغوں میں یا کسی کھلی اور صاف ہوا میں رہنا چاہئے۔ اگر کسی ضروری وجہ سے ایسا نہ ہو سکے تو گھر کی صفائی کا پورا انتظام کرنا چاہئے گرمی سے پلیگ کے کیڑے تلملا جاتے ہیں اور اُن کا زور کچھ کم ہو جاتا ہے اسلئے

پسو (مکھی) کا پیو پا اور لاروا بڑھا کر دکھائی گئی شکلیں۔

گھر کے ہر حصے میں دھوپ پہنچانے کا انتظام کرنا چاہئے۔ کپڑوں کو روزانہ دھوپ میں سکھانا چاہئے۔ پاخانہ، نابدان اور نالیوں کو صاف رکھنا چاہئے اور ان میں فنائل ڈال دینا چاہئے۔ پاس پڑوس کا کوڑا اُٹھا دینا چاہئے۔ خوب دھوپ نکل آنے پر دروازے کو کھول دینا چاہئے اور شام کو بند کر دینا چاہئے۔ گرم پانی سے غسل کرنا، گرم پانی پینا اور گرم کھانا کھانا چاہئے۔ جس جگہ پر کوئی چوہا مرا ملے وہاں خوب آگ جلانی چاہئے۔ چوہے کو چمٹے سے پکڑ کر بستی سے باہر جلا دینا چاہئے۔

پلیگ جس تیزی کے ساتھ جسم میں بڑھتا ہے اور جتنی جلد مریض کی موت ہوتی ہے اس کو دیکھتے ہوئے اس کا کوئی مناسب علاج کرنا مشکل ہے۔ اکثر حالات میں تو ڈاکٹروں کے یہاں جاتے جاتے اور دوا مہیا کرتے کرتے جان نکل جاتی ہے۔ اس لئے اِس مرض کے علاج کے بجائے اس کو ہونے ہی دینا زیادہ مفید ہے پلیگ کا مرض اندرونی اور بیرونی صفائی پر ہی منحصر ہے جو انسان تازہ کھانا کھاتا ہے۔ صاف ہوا میں سانس لیتا ہے، صاف جگہ میں رہتا ہے۔ رات کو کھلے کمرے میں سوتا ہے باقاعدہ ورزش کرتا ہے

اُسے پلیگ سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں پلیگ کیا اُسے کوئی بھی مرض نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

جس قسم کے علاج میں دل کو اطمینان ہو اُس طرح کا علاج کیا جا سکتا ہے۔ لیکن بیمار کی حالت میں گھبرانا یا ڈرنا نہیں چاہئے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ اصول صحت پر عمل کرتے ہیں اور گھبراتے یا ڈرتے نہیں ہیں اُنھیں اوّل تو پلیگ ہوتا نہیں اور ہوتا بھی ہے تو اچھا ہو جاتا ہے اگر کوئی پلیگ سے بچنا چاہتا ہے تو اُس کا فرض ہے کہ ٹیکا لگوائے جب چوہے مرنے لگیں اُس وقت گھر چھوڑ دے، پلیگ کے مریضوں سے بچے چوہوں کو بھگا دے اور اپنے گھر اور گاؤں کو صاف رکھے۔

ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ چوہے اور پسو ہی پلیگ پھیلاتے ہیں۔ چوہوں کو مارنے کے لئے آٹے کی گولیوں کی مدد لی جا سکتی ہے یہ گولیاں حکومت کی طرف سے مفت ملتی ہیں، ان میں زہر ملا ہوتا ہے۔ یہ زہریلی گولیاں ایسی جگہ رکھی جائیں جہاں چوہے زیادہ آتے ہوں۔ چوہوں کو مارنے کے لئے بلی بھی پالنی چاہئے۔ پسوؤں کو مارنے کے لئے "پیسٹرین" نامی دوا مکان میں چھڑک دینی چاہئے۔ مکان کی چھتوں سے چھپر اور کھپریل ہٹا دینے پر مکان بھر میں دھوپ پھیل جائے گی اور پسو مر جائیں گے۔ پسوؤں سے بچنے کے لئے روزانہ لینے کپڑے اور بستر کو ۲ یا ۳ گھنٹے دھوپ میں رکھ دیا جائے اور خصوصاً اُس وقت جب گاؤں میں بیماری ہو یا آپ کسی ایسے گاؤں سے آئے ہوں جہاں پلیگ پھیلا ہو۔ پسوؤں کے کاٹنے سے بچنے کے لئے چارپائی پر سونا چاہئے اور چلتے وقت جوتے کا استعمال کرنا چاہئے کیونکہ پسو زمین سے ایک بالشت سے زیادہ اونچے نہیں اُچھل سکتے۔

کھاد

(از جناب حلیم - ایم - اے علیگ)

آدمی کو زندہ رہنے کے لئے کھانے و پانی کی ضرورت ہوتی ہے کھانا ایسا بھی ہوسکتا ہے جو آدمی کو خوب تندرست بنا دے اور ایسا بھی ہوتا ہے جو اسکو صرف زندہ رکھنے کے لئے کافی ہو۔ لیکن یہ ماننا پڑیگا کہ زندہ رہنے کیلئے کھانا ضروری ہے۔ بالکل اسی طرح غلّہ پیدا کرنے والی زمین کو بھی خوراک کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسی خوراک جو زمین کو تندرست رکھ سکے۔ زمین کی تندرستی یہ ہے کہ وہ اس قابل رہ سکے کہ اس میں اچھی فصل پیدا ہوسکے جس زمین کو اسکی خوراک نہیں ملتی وہ فاقہ کرنے والے انسان کی طرح کمزور ہو جاتی ہے۔ زمین کے فاقہ کے یہ معنی ہیں کہ انسان کو فاقہ کرنا پڑیگا کیونکہ انسان نے اب چاہے جتنی بھی ترقی کیوں نہ کرلی ہو اسکو زمین سے پیدا کی ہوئی چیزوں سے قطع تعلق کرنا ممکن نہیں۔

پہلے زمانہ میں کھیتوں میں کھاد آدمیوں کے بول و براز مویشیوں کے گوبر اور درختوں کی پتیوں سے دی جاتی تھی اس زمانہ میں لوگ چونکہ خود اپنے استعمال کے لئے غلّہ پیدا کیا کرتے تھے اسلئے انکے بدن سے نکلا ہوا فضلہ مویشی کا گوبر اور دوسری چیزوں کے ذریعہ سے کھیت کی طاقت واپس ہو جاتی تھی یعنی انکے یہاں کھاد کے معاملہ میں نقد سودا تھا۔ ایک ہاتھ لے ایک ہاتھ دے۔ کھیت سے ان کو غلّہ ملتا تھا اور کھیت کو غلّہ کے بدلے میں کھاد۔

مگر زمانہ نے ترقی کی۔ صنعت و حرفت نے جنم لیا۔ دیہات قصبوں اور شہروں میں تبدیل ہونے لگے۔ شہروں میں آبادی بڑھنے لگی گو یہاں کھیت غلّہ کے مقدار کو پورا نہ کرسکے اس لئے دور دراز مقامات سے غلّہ لاکر ضروریات پوری کیجانے لگیں اور جب غلّہ دوسری جگہ جانے لگا تو پھر غلّہ کے بجائے کھیت کو جو بدل ملتا تھا اس میں کمی آنے لگی۔ کھیت سے غلّہ پیدا کیا جاتا تھا مگر اسکی کمی کو پورا نہیں کیا جاتا تھا۔ دوسرے معنوں میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ غلّے کی شکل میں ہم کھیت کی زرخیزی فروخت کرنے اور اپنے کھیتوں کو کمزور بنانے لگے یہ کمزوری اس شکل میں ظاہر ہوئی کہ کھیتوں نے لگاتار ایک ہی فصل پیدا کرنے میں کوتاہی شروع کردی نتیجہ یہ ہوا کہ فصلوں کو ادل بدل کر بونا شروع کیا۔ اسکے علاوہ یہ بھی طریقہ شروع ہوا کہ لوگ اگر ایک مرتبہ کھیت میں عمدہ قسم کا اناج بوتے تو دوسری مرتبہ موٹے قسم کا اناج بو دیتے تاکہ اچھے غلّہ کے بونے کی وجہ سے جو کیمیاوی اجزا کھیت سے نکل گئے تھے معمولی غلّہ کی وجہ سے اسکا بدل ہو جائے یہی نہیں لوگوں نے آخر میں جاکر کھیت کو "پڑوتی" چھوڑنا شروع کردیا تاکہ ایک غلّہ کے بونے کی وجہ سے کھیت جو تھک گیا ہے وہ سستانے کے بعد دوبارہ صرف میں لایا جاسکے کھیت کے "تھکنے" کا مطلب یہ ہے کہ اس میں کھاد کی کمی کی وجہ سے جو کمی آگئی ہے وہ دوسری فصل سے خالی رہنے کی وجہ سے دور ہوجائے بعض اضلاع میں گیہوں اور باجرا وغیرہ کے لئے علٰحدہ علٰحدہ کھیت مقرر کردئے جاتے ہیں۔ جب اس کے بعد بھی غلّہ کی کمی ہوئی اور کھیت کی کمزوری بڑھتی گئی تو کسان کو تشویش ہوئی اسلئے اس نے "بناوٹی کھاد" کا استعمال شروع کردیا جس سے اس میں شبہ نہیں کہ فصل میں اضافہ ہوگیا اور کھیت کی کمزوری بھی دور ہوگئی مگر یہ دوری ایسی ہی ہے جیسے کمزور مریض کو طاقتور غذائیں کھلاکر عارضی قوت دی جائے۔

سب سے اہم سوال جو ہر کسان کے سامنے ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ کھیت میں کس طرح کم از کم محنت اور سرمایہ کے ساتھ وہ زیادہ سے زیادہ غلّہ حاصل کرسکتا ہے جس سے نہ تو کھیت کو اور نہ کھیت والوں کو کوئی نقصان ہو۔ اسکا علاج صرف ایک ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ضرورت کے مطابق کھیت میں کھاد دی جائے اور ہر فصل کے بعد زمین کو خوب جوتا جائے تاکہ مٹی

آپس میں مل جائے۔

عقلمند کسان اس بات کو بھی مانتے ہیں کہ مختلف پودوں کی راکھ کے اجزا میں بہت فرق ہوتا ہے اسلئے ان پودوں کو اگانے کیلئے بھی مختلف قسم کی کھاد کی ضرورت ہوگی یہی وجہ ہے کہ بناوٹی کھاد میں ان ساری باتوں کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ مثلاً گیہوں کپاس گنا وغیرہ کیلئے مختلف کھاد تیار کی گئی ہے۔ مگر اس سلسلہ میں ایک بات کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ بناوٹی کھاد کی خرید کے وقت جس کھیت کے متعلق خریدی جارہی ہے اس کا خیال رکھنا بہت ہی ضروری ہے۔ کیونکہ دنیا میں زمین ہی ایک ایسی چیز ہے جسکے اجزا میں بہت کم یکسانیت پائی جاتی ہے قریب ہی قریب آپ کو دو ایسے کھیت نہ ملیں گے جو اپنی مٹی کے اعتبار سے بالکل ایک سے ہوں۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ ایک کھیت میں بھی آپ کو بہت کچھ اختلاف ملے گا اسلئے بناوٹی کھاد کا استعمال بلا کھیت کا خیال رکھے ہوئے بجائے فائدہ پہنچانے کے نقصان دہ ہوجاتا ہے۔ ایک ماہر فن کا خیال ہے کہ کھاد اپنا بہترین اثر اسی وقت دکھلائیگی جب غلہ اور کھیت کے کیمیاوی اجزا کا خیال رکھا جائے کیونکہ مختلف پودوں کو مختلف قسم کی غذا کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً گیہوں کے پودے کو ایک خاص مقدار میں فاسفورک اسڈ اور پوٹاس کی ضرورت ہوتی ہے۔ اب اگر آپ اس سے زیادہ کوئی جز بھی دیدیں تو فصل کو بجائے فائدہ کے نقصان ہوگا۔

اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ ہندوستان میں کھاد کے استعمال کا کیا طریقہ رائج ہے۔ یہاں کسان بجائے کھیت سے حاصل کئے ہوئے منافع پر اپنی زندگی بسر کرنے کے کھیت کے اندر جو کچھ سرمایہ موجود ہے اسکو ختم کرکے اپنی زندگی بسر کررہا ہے۔ سوائے ان جگہوں کے جہاں دریا اور نہروں کی آبپاشی نے سرمایہ کی لوٹ کو روک دیا ہے ہندوستان کے کسی گاؤں کی طرف نکل جایئے آپکو دبلے پتلے مویشیوں کے گوبر کے ڈھیر نظر آئیں گے جو جلانیکے کام میں آتے ہیں۔ اناج کے ڈنٹھل جو کھیت کا حق ہے آپ اسے جانوروں کھلاتے ہیں اور مویشیوں کے گوبر کو ایندھن کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ گوبر کے جلانیکا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے کھیت کی زرخیزی کو آگ میں جھونکتے ہیں۔ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ گوبر کو جلانے سے کوئی نقصان نہیں ہوتا اور کھاد کے اجزا میں کوئی فرق نہیں پڑتا مگر تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ ایک من گوبر میں ۲۰ سیر کھاد کا سب سے قیمتی جز نائٹروجن موجود ہوتی ہے اور جلانیکے بعد ۲۹ سیر ضایع ہوجاتی ہے اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ گوبر کے جلانے سے کسان کے کھیت کو کتنا نقصان ہوتا ہے اور کسان کے کھیت کے نقصان کا مطلب کسان کی فاقہ کشی ہے۔ یعنی کسان گوبر کو جلا کر اپنے لئے بھوکوں مرنیکا سامان کرتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ گوبر کو کنڈوں کی شکل میں تبدیل کرکے جلانیکے لئے کسان مجبور ہے کیونکہ اسکے لئے ایندھن کا کوئی سامان موجود نہیں ہے جلانے کیلئے لکڑی دیہاتوں میں مشکل سے مل سکتی ہے اور اکثر دیکھا گیا ہے کہ قیمت دینے پر بھی جلانے کے لئے لکڑی نہیں ملتی اسکی وجہ یہ ہے کہ گاؤں کے گرد کے جنگلات کھیت بنانے کیلئے کاٹ ڈالے گئے ہیں دوسری وجہ یہ ہے کہ کسان کے پاس اتنے پیسے نقد نہیں ہوتے کہ لکڑی خرید سکے اسلئے باوجودیکہ وہ سمجھتا ہے کہ کنڈے جلانے سے کھیت کی روزی ماری جارہی ہے مگر پھر بھی وہ مجبور ہوکر اسکو جلا دیتا ہے۔ اسکے لئے ضروری ہے کہ گاؤں کے گرد درخت بوئے جائیں۔ تاکہ انکی پتیاں کھاد کے لئے کام میں آسکیں اور انکی لکڑیاں جلانیکے مصرف میں اور کھیت کا حصہ۔ گوبر کھیت کو ملے۔

کھاد کے لئے سب سے اچھی چیز جسکا ہندوستان میں بہت کم جائز استعمال کیا جاتا ہے وہ فضلہ ہے اس میں بہت سے اجزا کھیت کو مضبوط بنانے والے پائے جاتے ہیں۔ چین اور جاپان میں اسکا استعمال بہت اچھی طرح سے کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں کے کھیتوں میں زرخیزی بھی قائم ہے۔ ہم لوگوں کو بھی چاہئے کہ اپنے بدن سے نکلے ہوئے فضلہ کو اس کھیت تک پہنچانے کا انتظام کریں جس سے غلہ ملتا ہے اسکی صورت بہت آسان ہے۔ قصبوں اور دیہاتوں میں یہ ترکیب

دیکھا گیا ہے کہ کھیتوں میں بھیڑوں کا جھنڈ لگاتار کئی دن رکھنے سے انکی پیداوار بڑھ جاتی ہے۔

بہت آسانی کے ساتھ انجام پاسکتی ہے۔ آبادی سے دور تین بڑے بڑے گڈھے کھودے جائیں۔ گڈھے اتنے بڑے ہوں کہ ان میں سال نا فضلہ کا دونا سما سکے۔ گاؤں کا سارا فضلہ۔ کوڑا کرکٹ راکھ اس میں ڈال دیا جایا کرے۔ اوپر خشک مٹی ڈالدینی چاہئے تاکہ بدبو سے بچ سکیں۔ اگر ان گڈھوں پر ایک چھپر بھی ڈالدیا جائے تو بہت اچھا ہے۔ اس سے برسات میں بڑا فائدہ ہوگا۔

جب ایک گڈھا بھر جائے تو اسکو چھوڑ دینا چاہئے تاکہ بالکل سڑ گل کر سیاہ ہو جائے۔ سال بھر کے بعد اس میں کوئی ایسی بات باقی نہیں رہتی جس سے گھن لگے۔ یہ ذخیرہ باڑی کے فصلوں نے لئے بہت مفید ہوگا۔ کاشتکاروں کو اس کھاد کے استعمال سے بڑی خوشی ہوگی۔ اس کھاد پر برائے نام کچھ قیمت بھی لگا دینی چاہئے تاکہ انتظام کے مصارف وصول ہو جائیں۔ ہر گڈھے میں ایک سال کی کھاد ہوگی پہلے میں وہ کھاد ہوگی جو کھیتوں میں استعمال کی جائیگی۔ دوسرے میں آئندہ سال کے لئے تیار ہو رہی ہوگی اور تیسرے گڈھے میں گاؤں کا سارا فضلہ جمع کیا جا رہا ہوگا۔ اس طرح کے انتظام سے کسان کو بہت ہی اچھی کھاد اپنے کھیتوں کے لئے مل سکتی ہے۔

کھیت کو کھاد دینے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ بکری بھیڑ اور دوسرے مویشیوں کو کھیت ہی میں رکھا جائے تاکہ اسکا پیشاب مینگنی اور گوبر سب کھیت کو پہنچ سکے۔ اسکا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ پیشاب ضائع نہیں ہونے پاتا۔ بدقسمتی سے ہندوستان میں جانوروں کے پیشاب کے متعلق بالکل پرواہ نہیں کیجاتی اور اس طرح ہماری کھاد کا ایک بہت بڑا حصہ پانی ہوکر بہہ جاتا ہے اور زمین میں سوکھ جاتا ہے۔ یا ان گڈھوں میں پڑا رہتا ہے جو مویشیوں کے کھر سے بن جاتے ہیں۔ اگر مویشی کھیت میں رکھے جائیں تو پیشاب کا نقصان نہیں ہوتا لیکن اگر مویشی کہیں اور باندھے جاتے ہیں تو اس وقت اس کا مطلق خیال نہیں کیا جاتا۔ اگر پیشاب کی قدر کا اندازہ کسان کو ہو جائے تو وہ ہرگز اسکو بیکار نہ جانے دے۔ گوبر اور لید سے زیادہ اچھا کھاد پیشاب کی ہوتی ہے

اسکو اچھی طرح استعمال کا طریقہ یہ ہے کہ جہاں مویشی باندھے جائیں توانکے نیچے پتی یا سوکھی گھاس ڈال دینی چاہئے تاکہ انکا پیشاب جذب ہو کر کھاد کے کام میں آسکے۔ یہاں اعتراض ہوسکتا ہے کہ مویشی کو کھلانے کے لئے تو گھاس ملتی نہیں۔ بچھانے کیلئے کہاں سے لائیں مگر کاشتکار خود گواہ ہیں کہ یہ اعتراض غلط ہے کیونکہ جو گھاس اور پتیاں گھوروں پر ڈالدی جاتی ہیں وہی اسکے لئے کام میں لائی جاسکتی ہیں

ہڈی کی کھاد کا یہاں بہت کم رواج ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ مذہبی بندشوں کی وجہ سے کاشتکار اسکو ناپاک سمجھتے ہیں اور اسکو چھونا پسند نہیں کرتے۔ دیہاتوں میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ مرے ہوئے جانور کھیتوں کے کنارے پڑے رہتے ہیں۔ اور ان کو پوچھنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ اس زمانہ میں جب چمڑے کی چیزوں کا رواج بڑھتا جا رہا ہے اور کھالیں باہر بھی روانہ کیجا رہی ہے تو اسی نسبت سے ہڈی کے استعمال میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ اب ہڈی کے کھاد کی تجارت شروع ہوگئی ہے مگر یہ صرف اسی جگہ محدود ہے جہاں ریلوے لائین کے ذریعے ایک جگہ سے دوسری جگہ روانہ کیجا سکتی ہے۔ بڑا اچھا ہوتا کہ دیہاتوں میں ہڈی کی کھاد کا استعمال شروع ہو جائے۔ ہڈی کی کھاد نہ صرف مفید بلکہ بہت قیمتی بھی ہوتی ہے اور بعض پودوں کے لئے بہت ہی اچھا خیال کیجاتی ہے۔ تمام ہندو کسان چونکہ ہڈی چھونا پاپ سمجھتے ہیں اس لئے اگر گاؤں کے چمار کے ذریعہ سے کسی خاص مقام پر ہڈی جمع کرادی جائے اور بڑی بڑی چکی میں یا اوکھلی موسل سے اسکو باریک کراکر کھاد کے لئے فروخت کرائی جائے تو میرا خیال ہے کہ عام کسان اسکے فائدہ سے بہت جلد مطلع ہوجائینگے اور وہ خود ہی اسکے انتظام میں حصہ لینے لگیں گے۔

یہاں اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ گاؤں میں اتنی بہت سی ہڈیاں کہاں مل سکتی ہیں کہ باقاعدہ تجارت شروع کر دی جائے مگر اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ گوشت کھانیوالوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے اسلئے ہڈیاں بھی کافی دستیاب ہوسکتی ہیں۔ یہ کاروبار اسی جگہ شروع کرنا چاہئے جہاں بوچڑ یا قصائی رہتے ہوں اور بہت سے گاؤں کو ملا کر ایک ایسی جگہ مقرر کیجائے جہاں اس کھاد کے بنانیکا انتظام ہو تو بہت آسانی ہوگی۔

ہندوستان میں ہری کھاد کا فقدان ہے۔ لیکن پھر بھی بعض جگہوں پر کھیتوں میں فصل بو دیتے اور جب پودے اگ آتے ہیں تو فصل کو لوٹ دیتے ہیں۔ اس طرح کھیت کو ان پودوں کی کھاد مل جاتی ہے۔ عام طور پر سنئی بوتے ہیں۔ اسکی کھاد اچھی ہوتی ہے سب سے آخر میں جس چیز کو میں بتائے بغیر مضمون ختم کرنا نہیں چاہتا وہ کھاد کا لاپرواہی کے ساتھ جمع کیا جانا ہے۔ کھاد ہمیشہ کھلی ہوئی جگہ میں رکھتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دھوپ اور ہوا کی گرمی کی وجہ سے بہت سے قیمتی اجزا ضایع ہو جاتے ہیں اور اوپر ایک موٹی پپڑی پڑ جاتی ہے۔ نیچے کی کھاد بالکل گیلی رہتی ہے جیسا میں اوپر بیان کرچکا ہوں کھاد کو جمع کرنے کیلئے گڈھے کھودنا چاہئے اور اس کو کبھی کبھی الٹ پلٹ دینا چاہئے۔

اگر کھاد کے تیار کرنے اور اس کے استعمال میں ہم لاپرواہی کریں گے تو ہمارے کھیتوں کو فاقہ کرنا پڑیگا جسکی وجہ سے کسان کو سوائے بھوکوں مرنے کے کوئی چارہ نہیں لیکن جو ان اصولوں پر عمل کرے گا وہ بغیر کسی محنت کے بہت آسانی کے ساتھ اپنے کھیتوں کا پیٹ کھاد سے بھر سکتا ہے۔

بچّوں کی تعلیم

(از شریمتی تارا پانڈے)

انگلینڈ کی ایک تین سال کی لڑکی بحر اٹلانٹک کے پار امریکہ جانے کے لئے تیار کھڑی ہے۔ اتنا لمبا سفر یہ اکیلی ہی طے کرے گی۔ راستے میں کھیلنے کے لئے اس نے اپنی گڑیا ساتھ لے لی ہے۔

بچّے ہماری زندگی میں خوشی اور محبت کو بڑھاتے ہیں۔ ملک کی آزادی یا غلامی بھی بچّوں ہی پر منحصر ہے۔ بچّے ہی بڑے ہو کر ملک کی تعمیر کرتے ہیں۔ اسی لئے بچّوں کی اچھی تربیت میں ہمیں ساری قوت صرف کر دینی ہوگی۔

ہر والدین کا فرض ہے کہ بچّوں کی طرف سے اپنی ذمہ داری سمجھیں۔ چونکہ بچپن میں بچّے ماں کے پاس ہی زیادہ رہتے ہیں اسلئے ماں ہی کے ذریعے پہلی اور بڑی تعلیم انہیں ملتی ہے جو بچّوں کی زندگی کی تعمیر کرتی ہے۔

شروع کے ۶ سال میں بچّے کی جتنی جسمانی اور دماغی ترقّی ہوتی ہے اتنی اور کبھی نہیں۔ انہیں دنوں اس کی زندگی میں حقیقی تعلیم ملتی ہے۔ عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ پانچ سال کا بچّہ کچھ نہیں جانتا یا سمجھتا لیکن یہ غلط ہے۔ بچّہ کی تعلیم ۶ سال سے پہلے ہی ہو جاتی ہے۔ جہاں تک صرف حروف شناسی سے تعلق ہے وہاں تک پانچ سال کی عمر ٹھیک ہے۔ لیکن ہمیں تو تعلیم کے معنی ایک عظیم شکل میں لینا ہے۔ جسمانی تعلیم، دماغی تعلیم اور اخلاقی تعلیم زندگی میں مساوی طور پر ضروری ہیں۔

یہ بات ہر ایک نفسیاتی ڈاکٹر و استاد تسلیم کرتے ہیں کہ بچّوں کی مستقبل کی ترقی ۲ سے ۵ سال تک ایک خاص اہمیت رکھتی ہے۔ اس عمر میں بچّوں کی اچھی تربیت ہی سے ہم انہیں ایک تندرست

پہلا سبق

اور شکل مرد یا عورت بنا سکتے ہیں۔ اسی عمر میں وزن اور قد میں جتنا کوئی بچہ بڑھتا ہے اُتنا کسی اور ۲۰ سال میں بچہ نہیں بڑھتا۔ اس وقت وہ صرف جسمانی ہی ترقی کرتا ہو یہ بات نہیں بلکہ دماغی ترقی بھی اسی وقت زیادہ ہوتی ہے۔ اسی وقت وہ آنے والی زندگی کے لئے وہ اپنے آپ کو تیار کرتا ہے اور اس کا اثر تا عمر رہتا ہے۔

اکثر ہماری بہنیں گاؤں میں ہی نہیں بلکہ شہروں میں بھی بچوں کو چُپ کرانے کے لئے اُنھیں ڈراتی ہیں۔ کوئی "ہوّا آیا" کہکر اور کوئی "کنکٹا آیا" کہکر یا کوئی اور ڈراونی چیز کہہ کر اُنھیں ڈراتی رہتی ہیں۔ اُس وقت بچہ تھوڑی دیر کے لئے چُپ ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کا اثر اُن بچوں پر ہمیشہ کے لئے ہو جاتا ہے اور اُنھیں بزدل بنا دیتا ہے۔ یہ بچے زندگی میں کبھی بہادر نہیں بن سکتے۔ اُنھیں اپنے اوپر کبھی یقین ہی نہیں ہوتا۔

بچے قدرتاً نڈر ہوتے ہیں۔ ماں کا فرض ہے کہ وہ بچوں کو ہمت ور اور اپنے پیروں پر کھڑا ہونا سکھائے۔ بچپن کی تعلیم عمر بھر ساتھ دیتی ہے۔

اسی عمر میں اُن کی عادتیں بھی بنتی ہیں۔ اس لئے ہمیشہ اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ اُن کی بُری عادتیں چھوٹ جائیں اور اچھی عادتیں فطری بن جائیں۔

یہ خیال رکھنا چاہئے کہ تجربہ ہی سے ساری باتیں سیکھی جاتی ہیں۔ ٹھیک وقت پر ٹھیک جگہ اور ٹھیک کام کرنے کی عادت ڈالنے سے عادتیں ٹھیک رہتی ہیں۔

بچے نقل کرنا جلدی سیکھتے ہیں۔ کیونکہ نقل کر کے ہی وہ سب کچھ سیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ خواہ وہ جان بوجھ کر کریں یا بلا سمجھے کریں۔ مگر نقل ضرور کریں گے۔ اس لئے یہ بھی بہت ضروری ہے کہ بچوں کی صحبت اچھی ہو تاکہ وہ اچھی باتیں ہی سیکھیں۔

سب سے ضروری چیز ہے صاف اور تازی ہوا۔ لوگوں میں یہ غلط فہمی ہے کہ بچے کھُلی ہوا میں گھومیں گے تو ٹھنڈ ہو جائے گی اور بیمار ہو جائیں گے۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ کھُلی ہوا میں رہنا بہت اچھا ہے اور بچوں کو تندرست رکھنے کے لئے صاف اور تازی ہوا نہایت ضروری ہے۔ اس سے بچے نہ صرف صاف ہوا میں سانس لیتے ہیں بلکہ اُن میں

جس کو غرض ہو وہ بولے

دوسری بیماریوں کو روکنے کی طاقت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔
کھلی ہوا میں چھوڑ دینے سے بچوں کی کسرت بھی ہو جاتی ہے۔ وہ خوش ہو کر ادھر اُدھر دوڑتے ہیں اور اچھلتے کودتے ہیں۔

فطرت کے آغوش میں پلا ہوا بچہ کتنا صحت مند، خوش اور فراخ دل ہو گا اس کے لئے ہمیں ایک بار شہر کی گندی دھوئیں دار ہوا اور دیہات کی صاف و تازہ ہوا کا مقابلہ کرنے پر ہی نتیجہ معلوم ہو گا۔

ہر ایک قصبے و گاؤں میں کچھ کھلی ہوا ایسی رکھنی چاہئے جہاں پر چھوٹے بچے بے فکری سے صاف ہوا میں دوڑ سکیں۔ کھیلنے کے لئے میدان بنائے جائیں۔ کم از کم ہر ایک دیہاتی سکول کے ایک طرف چھوٹے بچوں کے کھیلنے کے لئے اور دوسری طرف کچھ بڑے بچوں کے لئے میدان ہوں۔

بچوں کے لئے باغ بھی بہت ضروری ہیں۔ روز روز باغ میں کھیلنے سے انھیں باغبانی کا شوق ہو جاتا ہے۔ اس سے بھی بہت کچھ تعلیم و ترقی ہوتی ہے۔ کیونکہ کسے معلوم کہ کب کس کا دماغ کس طرف لگ جائے اور اُس طرف وہ کوئی نئی بات دریافت کر سکے۔ ویسے ہی پھول اور پودے دنیا میں بچوں ہی کی طرح ہماری خوشی اور محبت کو بڑھاتے ہیں۔ ہمارے دکھوں کو دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کیونکہ پھولوں کو دیکھ کر ہمارے دل میں قدرتی خوشی ہوتی ہے۔ کھلونے، تصویر اور تصویروں کی کتاب یا اور کسی دلچسپ چیزوں کے ذریعے انھیں نئی نئی باتیں سکھانی چاہئیں۔ اس سے کھیل ہی کھیل میں وہ بہت سی باتیں سیکھ لیتے ہیں۔ سہل اور نصیحت آمیز کہانیوں کے ذریعے بھی انھیں بہت سی باتیں بتائی جا سکتی ہیں۔ بچوں سے انھیں کہانیوں کو پھر سے دوہرانا چاہئے اس سے اُن کی قوت حافظہ بڑھتی ہے۔

گانے کی تعلیم بھی بہت مفید ہے۔ اس سے اُن کے پھیپھڑے مضبوط ہوتے ہیں۔ اچھے اور آسان گیت بچوں کو سکھائے جائیں۔ سلاتے وقت اچھی اچھی لوریاں سننے سے بچے بہت خوش ہوتے ہیں۔

یہ ٹھیک ہے کہ ہمیں وہ سب آسانیاں حاصل نہیں ہیں جو ایک آزاد ملک میں ملتی ہیں لیکن کیا ہم یہی سوچ کر خاموش ہو جائیں؟ ہم پچھڑ گئے ہیں تو کیا ہوا؟ ہمارے بچے تو آگے بڑھ کے آزاد ماحول میں پل کر ہی اُن میں آزادی کی جدوجہد کرنے کا جذبہ پیدا ہو گا اور وہ آزادی حاصل کریں گے اس میں شبہ نہیں۔

عقل کی باتیں

ڈرائنگ کے اوزار

ڈرائنگ کے ننھے اوزار۔ ڈرائنگ کھینچنے کے لئے اب تمہیں اوزاروں کے لئے بار بار ڈرائنگ بکس کھولنے کی ضرورت نہیں۔ ایک کاریگر کی بدولت اب یہ سب دسوں انگلیوں پر پہنے جا سکتے ہیں۔ اِن میں برش، پنسل، قلم، چمٹی، کیل بھی ہیں۔ ان کو انگلیوں پر پہن کر کام کرنے سے اوزار بدلنے میں جو وقت لگتا ہے وہ بچ جاتا ہے۔

پیڑ کاٹنے کی قینچی

پیڑ کاٹنے کی قینچی - پیڑ کاٹنے کی ایک عجیب قینچی امریکہ میں ایجاد ہوئی ہے - یہ قینچی ایک دن میں دوسو(۲۰۰) آدمیوں کے برابر کام کرتی ہے - جس طرح ہم معمولی قینچی سے بال کاٹتے ہیں اُسی طرح یہ بڑے بڑے پیڑوں کو ایک ہی دفعہ میں کاغذ کی طرح کاٹ دیتی ہے - قینچی ہی کی طرح اس میں دو دانتے ہوتے ہیں - یہاں جو تصویریں دی گئی ہیں اُن پر غور کرو - ایک تصویر میں قینچی پیڑ کاٹنے کے لئے اپنا منہ کھول رہی ہے - دوسرے میں اُس نے ایک پیڑ کو دانتوں سے پکڑ لیا ہے -

نیا چوہیدان - ایک کاریگر نے یہ نئے ڈھنگ کا چوہیدان بنایا ہے - اس میں انگلی دبنے کا ڈر نہیں رہتا - نیچے کی تصویر کی طرح روٹی لگا کر اسے رکھ دینے پر جیوں ہی چوہا روٹی کھانے آتا ہے - اس میں پکڑ جاتا ہے - پھر جب چوہے کو پھینکنا ہوتا ہے تب اوپر کے تصویر کی طرح اُس کا دوسرا سرا دباتے ہیں اس سے چوہا چھوٹ جاتا ہے -

نیا چوہیدان -

دیہاتوں میں صاف پاخانے بنانا

(از جناب ڈاکٹر اے - این - داس، ایم - بی - بی - ایس - ڈی - پی - ایچ)
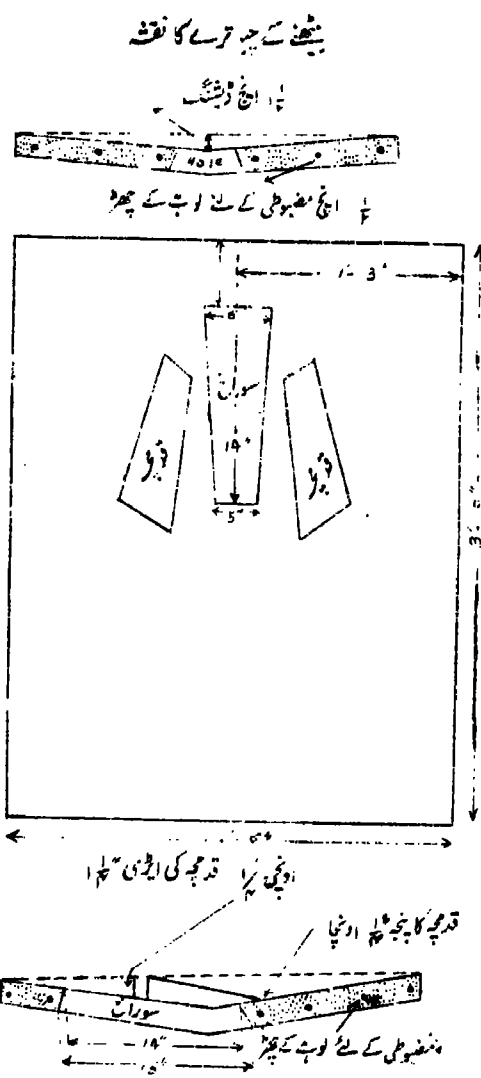
پورکئے جانے والے پاخانوں کی ضرورت۔ اس صوبے میں ایک ایسے بہتر ذریعے کی ضرورت بہت عرصے سے محسوس کی جارہی ہے جس سے دیہاتوں میں گھریلو پاخانوں کا کام تو لیا جاسکے لیکن انھیں صاف کرانے کے لئے مہتر کی ضرورت نہ ہو۔ اس کے قبل کھائی نما، یا نالی نما، پاخانوں کی صلاح دی گئی تھی جن میں ۲ سے ۳ انچ تک گہرائی کی نالیاں کھودی جاتی تھیں اور انھیں استعمال کرنے والے ہر شخص سے یہ اُمید کی جاتی تھی وہ استعمال کے بعد ہر بار کچھ مٹی ڈال دیگا لیکن تجربہ سے ظاہر ہوا کہ اس قسم کے پاخانوں سے بدبو اور مکھیوں کے پیدا ہونے کے باعث گندگی پھیلتی ہے۔ ان کے باہری ڈھانچے کو جو نالیوں کو چھوٹی کوٹھریوں کی صورت میں علیحدہ کرنے کے لئے ارہر کی ٹٹیوں کا بنایا جاتا تھا، مویشیوں اور ہوا کے تیز جھونکوں سے نقصان پہنچ سکتا تھا۔ اسلئے چند روز چلنے والے میلوں کے علاوہ جہاں عام طور سے مہتروں کو اس کے لئے مقرر کیا جاسکتا ہے کہ وہ یہ دیکھتے رہیں کہ پیشاب پاخانہ مٹی سے اچھی طرح ڈھنک دیا ہے یا نہیں) اور مقامات پر اس قسم کے پاخانوں کا استعمال بند کردیا گیا ہے۔

بور کئے ہوئے پاخانے کہاں ہوں؟

کھدے ہوئے گڈھے نما پاخانوں کا استعمال جاوا، لنکا، کینیا اور پنجاب، مدراس اور کچھ محدود علاقے میں صوبہ متحدہ میں بھی ہو رہا ہے۔ یہ پاخانے سطح زمین سے ۱۵ سے ۲۰ فیٹ تک کی گہرائی کے کھدے ہوئے ہیں اور اُن کا حلقہ ۱۶ انچ کا ہے۔ استعمال کرنے والے کے لئے گڈھے کے چاروں طرف ایک پردہ لگا دیا جاتا ہے۔ یہ پاخانے بڑے مفید ثابت ہوئے ہیں اور یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ معمولی دیکھ بھال رکھنے سے ان میں بدبو بھی پیدا نہیں ہوتی۔ ان پاخانوں کے لئے بالو

بیٹھنے کے چبوترے کا نقشہ

½ انچ ڈھلان

¼ انچ مضبوطی کے لئے لوہے کے چھڑ

سوراخ ۱۵"

قدمچہ

اونچی ½ قدمچہ کی ایڑی ½ ۱"

قدمچہ کا پنجہ ½ اونچا

سوراخ

مضبوطی کے لئے لوہے کے چھڑ

ملی ہوئی چکنی مٹی کی زمین سب سے اچھی ہوتی ہے۔ لیکن زمین کنکر اور پتھریلی سطح سے صاف ہونی چاہئے زیادہ بالودار زمینیں ان کے لئے موزوں نہیں ہوتیں کیونکہ دیواریں عموماً

گر جاتی ہیں۔ زمین کے اندر ۱۵ فیٹ نیچے کی پانی کی سطح بہت اچھی ہوتی ہے۔ جہاں زمین کے نیچے کی سطح کا پانی بہت پھیلا یا زیادہ گہرا ہوتا ہے وہاں یا تو بدبو سے یا مکھیوں کے پیدا ہونے کے باعث گندگی پھیلنے کا اندیشہ رہتا ہے۔

گڈھا کھودنے کی جگہ کا انتخاب بھی ٹھیک ہونا چاہئے۔ یہ گھر کے پچھواڑے دروازے کے پاس ہونا چاہئے لیکن پانی پینے کے کنوئیں سے اس کا فاصلہ کم سے کم پچاس فٹ دور ہونا چاہئے۔

ان گڈھوں کو اپریل کے مہینے میں کھودنا چاہئے جبکہ زمین کے نیچے کے پانی کی سطح کم از کم ہوتی ہے تاکہ گڈھے میں پانی ہمیشہ موجود رہے۔ گڈھے کے اوپر بیٹھنے کا چبوترہ بنا دینا چاہئے یہ پکی (اینٹ کا ۱ فٹ لمبا ۲½ فٹ چوڑا اور ۱۲ انچ اونچا ہونا چاہئے بیٹھنے کے چبوترے میں ایک سوراخ ہوتا ہے جو ٹھیک طور سے کھدے ہوئے گڈھے کے وسط میں آجاتا پیر رکھنے کی جگہ بھی بنی ہوتی ہے اور بیٹھنے کا چبوترہ وسط میں ڈھا رہتا ہے جس سے آب دست وغیرہ کا پانی بھی سوراخ میں چلا جاتا ہے۔ (دیکھو تصویر نمبر ۱ -)

لوگوں کی نظر سے بچنے کے لئے باہری ڈھانچوں کی ضرورت ہوتی ہے یہ ارہر کی ٹٹیاں سرپت، پھونس یا مٹی اور ٹھٹروں وغیرہ کے بنائے جا سکتے ہیں۔ اچھے مکانوں میں یہ اینٹ اور چونے، لکڑی کے تختوں یا لوہے کی چادروں وغیرہ سے بنائے جا سکتے ہیں۔ مٹی کی دیواروں یا تختوں وغیرہ کو بیٹھنے کے چبوترے کے سامنے لگانا چاہئے تاکہ گھیرے کا سائز ۴ × ۲½ ہو جائے اور بیٹھنے کے چبوترے سے گھیرے کا فرش بن جائے بغل کی دیواروں میں بیٹھنے کے چبوترے کے پاس سوراخ بھی رہنے چاہئیں تاکہ آب دست کا پھیلا ہوا پانی جلد سوکھ جائے دھوپ اور برسات سے بچنے کے لئے چھت کا رہنا بھی ضروری ہے چھت کے پاس بھی سوراخ

آڑ کے ساتھ پاخانوں کے نمونے

رہنے چاہئیں تاکہ ہوا اور روشنی بھی گھیرے میں پہنچ سکے۔ (دیکھئے تصویر نمبر ۲)

بنانے کا خرچ

پرتابگڈھ (اودھ) کے محکمہ حفظانِ صحت کے ماتحت دیہاتوں اور قصبوں میں اسی قسم کے متعدد گڈھے نما پاخانے کھودے گئے ہیں حلقے کے ڈاکٹر کے پاس گڈھے کھودنے کے سب سامان موجود رہتے ہیں تقریباً ۲۵ روپیہ میں کھودنے کا آلہ مل جاتا ہے بورر، شیفٹ، چین، پائپ، رینچ وغیرہ سامان آئی ون جونس لیمیٹڈ ڈلہوزی کلکتہ کے یہاں سے مل سکتے ہیں لیکن ان چیزوں کے خریدنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس محکمہ کی طرف سے سب سامان ادھار دیا جا سکتا ہے کھودنے کا اوسط خرچ تقریباً ۱½ روپیہ ہے بیٹھنے کے بنے ہوئے چبوترے کا خرچ ا روپیہ ۱۲ آنہ ہے اسے لگانے کا خرچ ۱۲ آنہ اور اوپر کے ڈھانچے (پھونس) کا خرچ ا روپیہ ہوتا ہے ایک پاخانے کے بنانے میں کل تقریباً ۵ روپیہ خرچ ہوتے ہیں۔

ایسے پاخانوں کا وقت

سات افراد کے ایک گھر کے لئے ایک گڈھا ڈیڑھ سے دو سال تک زمین کی خاصیت کے مطابق کام دیتا ہے گڈھے

کا استعمال کرتے کرتے جب پیشاب پائخانہ چھ سے آٹھ فٹ
رہ جاتا ہے تب اس میں بد بو پیدا ہونے کا اندیشہ ہوجاتا
ہے۔ اس کے بعد گڈھے کا استعمال بند کرکے ایک نیا گڈھا
کھود لینا چاہئے اس گڈھے کے پائخانے کو چھ ماہ کے بعد
اچھی کھاد کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے اور گڈھے کا
استعمال پھر سے جاری کیا جا سکتا ہے

ریتیلے مقامات کی زمین کے لئے کئی ذرائع کام میں
لائے جاتے ہیں مثلاً گہرے تارکول سے پتے ہوئے ۱۶/۲
کے چونگے جن کا منہ پھیلا ہو لگائے جا سکتے ہیں یا ایک دو
گولائی کے چونگے کام میں لائے جا سکتے ہیں ان سے گڈھوں
کے کنارے نہیں کٹتے۔

کچھ اعتراض

گڈھے نما کھدے ہوئے پائخانوں کے متعلق یہ شکایت
ہے کہ ان سے بد بو پھیلتی ہے اور مکھیاں بھی پیدا ہوتی ہیں
لیکن یہ دیکھا گیا ہے کہ جن جگہوں میں گڈھے دس فٹ سے
زیادہ گہرے ہیں اور جہاں نیچے تلے میں پانی موجود ہے
وہاں بد بو نہیں پھیلتی جن جگہوں میں
گڈھوں کی گہرائی ۶ سے ۱۰ فٹ تک ہے
لیکن پانی نہیں ہے بد بو ضرور پھیلتی ہے
لیکن وہ پائخانے کے باہر نہیں پھیلتی عموماً
مکھیاں ایسے کچے گڈھوں میں پیدا ہوتی
ہیں جن کا پانی سوکھ گیا ہو لیکن فنائل
کلئی راکھ مٹی کا تیل اور موبل آئل ہفتے
میں ایک بار چھڑک دینے سے کم ہوجاتی ہے۔

سنگاپور میں ڈاکٹر گرانگر اور لکھنؤ صوبائی ہائی جین انسٹیٹیوٹ
کے ڈاکٹر کورنلس نے اس نظریہ سے تحقیق کی ہے کہ پینے والے
پانی کے قریب کھودے جانے والے گڈھے نما پائخانوں سے
کسی حد تک پانی خراب ہوجاتا ہے لیکن یہ طے ہوگیا کہ اگر اس
قسم کے پائخانے کنوؤں سے سو فٹ کے فاصلے پر بنائے
جائیں تو پانی کے خراب ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں رہتا انکے
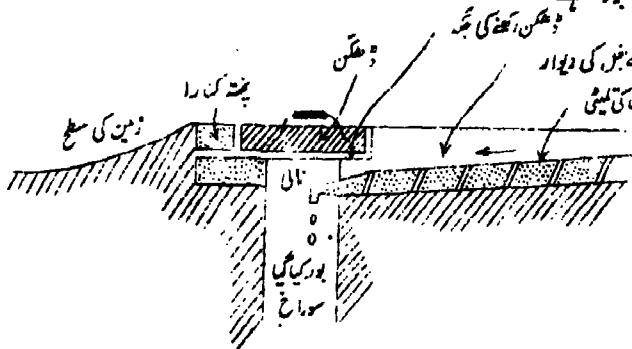
"پانی نو دورا ہیلتھ یونٹ" میں اس قسم کے پائخانوں کا وسیع پیمانے پر استعمال
کیا گیا ہے اور وہاں کی حکومت نے رسالے نکال کر گڈھے نما پائخانوں کے
فوائد بتلائے ہیں اسی طرح حکومت مدراس نے بھی پرچے نکال کر بور
کئے جانے والے گڈھے نما پائخانوں کا تخمینہ وغیرہ بتلایا ہے یوپی میں بھی
انکا استعمال "نینی اگریکلچرل انسٹیٹیوٹ" اور پرتاب گڈھ میں وسیع پیمانے
پر کیا گیا ہے یوپی کے محکمہ صحت عامہ کے ڈائرکٹر نے بھی اس سلسلہ
میں گشتی چٹھی نکال کر لوگوں کی توجہ منعطف کی ہے۔

پانی سوکھنے کے لئے گہرے کھدے ہوئے گڈھے

کچھ دنوں سے دیہاتوں کے گھروں کے گندے پانی کے لئے کھودے جانے والے گڈھے استعمال میں لائے جارہے ہیں معمولی گڈھے نما یا تہخانوں کی طرح یہ گڈھے بھی بیس فٹ گہرے اور سوا فٹ چوڑے ہونا چاہئیں۔ گڈھے کی بغلیں دھنس نہ جائیں اس کے لئے ٹین یا چولی اینٹ یا آدھی گولائی کی دیہاتی کھپریل گھر کی نالی کے سرے سے لیکر گڈھے کے بیچ تک لگائے جاسکتے ہیں گھر کی جو نالی کھدے ہوتے گڈھے تک لے جائی جائے اس میں اینٹ جوڑ دینی چاہئے اور وہ آس پاس سطح سے ذرا اونچی ہونا چاہئے۔ گڈھے کا منہ پتھر کی پٹلی سے بند کیا جاسکتا ہے۔ (دیکھئے تصویر نمبر ۳) ایک اور چھوٹا راستہ بنادینا چاہئے جس سے گڈھے سے کوڑا کرکٹ ہٹایا جاسکے۔ گڈھے گھر کی دیواروں سے دور ہونا چاہئیں۔ انھیں گاؤں کے راستے یا پگڈنڈی پر نہیں بنانا چاہئے اگر اس میں پائدان بنادیا جائے تو پیشاب خانے کے طور پر بھی ان کا استعمال ہوسکتا ہے یہ گڈھے عام طور پر کئی سالوں تک کام دیتے ہیں دیہاتوں میں عام سے چہ بچہ سے یہ بہتر ہیں۔ ان گڈھوں کو دو یا تین گھروں کی نالیوں سے ملایا جاسکتا ہے ان کے بنانے کا اوسط خرچ تقریباً ڈھائی روپیہ فی گڈھا ہوگا۔

دو مسرور کسان

برت توڑنے کے بعد گاندھی جی کا بیان

راجکوٹ میں راجہ اور پرجا کے درمیان چلنے والی لڑائی کے سلسلے میں مہاتما گاندھی نے اس بنا پر تامرگ فاقہ کشی شروع کی تھی کہ راجکوٹ کے ٹھاکر صاحب نے وعدہ خلافی کی ہے۔ مہاتما گاندھی کا یہ فاقہ وائسرائے کے درمیان میں پڑنے سے ٹوٹ گیا ہے۔ ۷ مارچ کو فاقہ توڑتے وقت مہاتما گاندھی نے حسب ذیل بیان شائع کیا تھا:—

میری رائے میں فاقہ کا یہ خوشگوار خاتمہ کروڑوں انسانوں کی دعا کا نتیجہ ہے۔ میں اپنے اُن کروڑوں افراد کو پہچاننے کا دعویٰ کرتا ہوں۔ اُن کی حمایت کرنا میرا پہلا اور آخری کام ہے کیوں کہ میں کسی اور خدا کو نہیں صرف اُس خدا کو مانتا ہوں جس کا کروڑوں دلی خاموش دلوں میں قیام ہے۔ وہ لوگ خدا کی موجودگی نہیں پہچانتے میں پہچانتا ہوں اور میں اُسی خدا کی پرستش کرتا ہوں جو حق ہے یا اُس حق کی جو اُن کروڑوں افراد کی خدمت کے ذریعے خدا ہے میں یہ بھی جانتا ہوں کہ مجھے اُن کے علاوہ دنیا بھر کی ہمدردی حاصل تھی۔ تعلیم یافتہ طبقے کی مسلسل کوشش تھی کہ باعزت تصفیہ ہو جائے اور اِس فاقہ کا جلد ہی خاتمہ ہو۔ انگریزوں نے بھی اس میں ایسا ہی اشتراک کیا جیسا ہندوستانیوں نے۔ سیاسی حیثیت سے اِس تصفیہ کے ذمّہ دار وائسرائے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ انگریز لوگ فاقہ کے اصول کو نہیں سمجھتے۔ خصوصاً جبکہ وہ ایک سیاسی سوال پر کیا جاتا نظر آتا ہے۔ وہ اکثر اس طریقے پر اظہار ناراضگی بھی کرتے ہیں مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ ایسے ہندوستانی

مہاتما گاندھی

بھی ہیں جو فاقہ کے طریقہ کی قدر نہیں کرتے۔ مجھے امید ہے کہ جب قوت حاصل ہو جائیگی اُس وقت میں فاقہ کے موضوع پر لکھوں گا کیونکہ گذشتہ ۵۰ سالہ تجربے نے مجھے یقین دلایا ہے کہ ستیہ گرہ کے پروگرام میں فاقہ کو ایک خاص جگہ حاصل ہے۔

میں یہاں فاقہ کا ذکر کیوں کر رہا ہوں؟ اِس کی وجہ یہ ہے کہ میں وائسرائے کے اشارے کی پوری قدر کرنا چاہتا ہوں وہ انگریزوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اُن کے لئے کھُلا راستہ تھا اور میں اُن کی اِس کارروائی کو مناسب کہتا اگر وہ یہ کہتے کہ "میں اِس آدمی کے کام کو نہیں سمجھتا۔ اس کے فاقوں کا تو کہیں خاتمہ ہی نہیں نظر آتا۔ کہیں نہ کہیں تو انتہا ہونی چاہئے۔ وہ اس کی

کوئی گارنٹی نہیں دیگا کہ یہ اُس کا آخری فاقہ ہے اُس سے ہم اُس وقت تک بات نہیں کریں گے جب تک کہ وہ اپنا فاقہ نہیں توڑتا" مَیں سمجھتا ہوں کہ وہ غلطی ہی کرتے اگر انھوں نے ایسا رخ اختیار کیا ہوتا لیکن سیاسی حیثیت سے اور انگریزوں کے نظریئے سے حالات کا مطالعہ کرتے ہوئے میں اُن کی کارروائی کو مناسب ہی تسلیم کرتا اگر وہ نہ جھکتے۔ میں امید کرتا ہوں کہ ایسے خوشگوار خاتمے سے اور اس طریقے کی تعریف سے، جو انگریزوں کے دماغ میں نہیں آئی نہ صرف وہ بات درست ہو جائے گی جسے میں غلطی مانتا آرہا ہوں بلکہ ماحول بھی صاف ہو جائے گا اور ایسی ریاستوں کے مسائل کے حل میں مدد بھی ملے گی۔

میرے کہنے کا یہ مقصد نہیں ہے کہ سبھی دیسی ریاستیں راجکوٹ کی مثال کی تقلید کریں گی۔ راجکوٹ کی بات خاص تھی اور اُسے ایک الگ معاملہ سمجھنا چاہئے۔ اور بھی ریاستیں ہیں جن کے مسئلوں پر اُن کے حالات کی بنا پر غور کرنا چاہئے۔ عوام کی توجہ ریاستوں کی طرف منعطف ہوگئی ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ تسلیم کیا جائے گا کہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جس پر غور کرنے میں دیر نہ ہونی چاہئے۔ میں چاہوں گا کہ والیان ریاست مجھ پر اعتبار کریں جبکہ میں انھیں اطمینان دلاتا ہوں کہ میں راجکوٹ بطور اُن کے دوست کے اور امن قائم کرنے والے کی حیثیت سے آیا ہوں۔ میں نے دیکھا کہ راجکوٹ کے ستیاگرہی مستقل مزاج تھے اور ایسا ہی ہونا تھا اُن کی عزت کی بازی لگی ہوئی تھی۔ میرے کان ظلموں کی کہانیوں سے بھر گئے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ معمولی سے معمولی لوگوں کے لئے بھی راستہ کھل جائیگا اگر میں نے سول نافرمانی جاری رہنے دی۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ راجکوٹ اور ستیہ گرہیوں میں ہی سخت لڑائی نہ ہوتی بلکہ جس طرح انسان کا دل خاص سے عام پر کود پڑتا ہے تمام والیان ریاست اور پرجا میں ایک تلخ لڑائی چھڑ جاتی

میں جانتا ہوں کہ جیسے حالات ہیں ایسے خیالات کے لوگوں کی جماعت ہندوستان میں بڑھ رہی ہے جسے پورا یقین ہے کہ والیان ریاست اصلاح سے مستثنیٰ ہیں اور ہندوستان اُس وقت تک آزاد نہیں ہو سکتا جبتک کہ عہد ماضی کی بربریت کی ان نشانیوں کو مٹا نہ دیا جائے۔ مَیں سچے طور پر اُن سے اختلاف رکھتا ہوں۔ اہنسا پر اعتبار کرتے اور انسانی فطرت کی خوبیوں میں اعتقاد رکھنے کے باعث میں اور کچھ نہیں کر سکتا۔ والیان ریاست کی ہندوستان میں جگہ ہے۔ ماضی کی سبھی رسموں کو مٹا دینا ٹھیک نہیں ہے اس لئے میرا خیال ہے کہ اگر والیان ریاست ماضی کا مطالعہ کریں گے اور وقت کے رجحان کا صحیح جواب دے سکیں گے تو بہتری ہی ہو گی۔ لیکن یہ کافی نہیں ہوگا کہ مسئلوں سے کھیلا جائے۔ انھیں بہادری کے ساتھ انتظام کرنے ہونگے۔ انھیں راجکوٹ کی مثال کی تقلید کرنے کی ضرورت نہیں لیکن انھیں رعایا کے حق میں اپنے کچھ بیجے اور ٹھوس حقوق سے ضرور دستبردار ہونا ہوگا۔

جہانتک میں جانتا ہوں حالات کو قابو میں لانے اور خونریزی سے ہندوستان کو بچانے کے لئے اور کوئی درمیان کا راستہ نہیں ہے۔ فرمانرواؤں کے متعلق مجھے جو خط ملے ہیں انھیں شائع کرنے کا مجھے حق نہیں ہے۔ لیکن اس کے متعلق میں آئندہ اور زیادہ کہوں گا۔ اپنی موجودہ کمزوری کی حالت میں یہ بیان دینے میں بھی مجھ پر زور پڑ رہا ہے۔ پھر جب تک میرے اوپر فاقے کا اثر ہے اور جب تک میں جیسا کہ میرا قول ہے۔ روحانی نور سے معمور ہوں مجھے ابھی ہی اپنے خیالات کے بیشتر حصہ کا اظہار کر دینا چاہئے۔

پھر بھایات اور گراسیا ہیں۔ انھوں نے مجھ سے اپنے معاملے کی پیروی کی۔ میں نے انھیں بتایا کہ مجھے اُن سے ہمدردی ہے وہ مجھے اپنا دوست سمجھ سکتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ گرسیا اور بھیات کی حیثیت سے رہیں۔ لیکن انھیں بھی وقت کے ساتھ چلنا ہوگا۔ انھیں اپنی زندگی کے طور طریقے پھر سے بنانے ہونگے انھیں اپنے لوگوں کے ساتھ اتحاد محسوس کرنا ہوگا جن پر کہ وہ ایک قسم کا دباؤ ڈالتے ہیں۔ میرے مسلمان احباب بھی میرے پاس آئے اور انھیں یہ بتانے میں بغیر کسی مباحثے کے مجھے انھیں یہ بتانے کی جرأت نہیں ہوئی کہ اُن کے خاص حقوق کی حفاظت ہو گی اور اگر وہ راجکوٹ میں محفوظ نشستوں کے ساتھ جداگانہ انتخاب کا مطالبہ کریں گے تو میں دیکھوں کہ اُن کا یہ مطالبہ پورا ہو جائے۔

اُنکے مانگے بغیر اُن نیہ اس میں کوئی رُکاوٹ بھی نہ ڈالی۔ بیگی میں نے
اُن سے کہا کہ اگر ں کہ ایسی حالت میں مختلف ریاستوں بغیر ہوں گا
نہیں۔ مجھے پتہ ہیں بنائیں گے وہ ایک دوسرے سے بھن بھرے
مسلمانوں کو اطر ریاستوں کے حالات مختلف ہیں۔ ظاہر کانگریس
اس بات کی گنجائش نہ حکومت مرتب کرتے وقت اس ر ہب د
تمدن کی حفاظت پر پوری توجہ کر ضروری ہوگی حالت جا ئے
مجھے یہ بتا باشہ ریاستوں کی آئینی اسکیموں میں مرا کے
موصول ہونے وا۔ ن مجھے یقین ہے کہ ایسا ہوتے ہو۔ سے نے
کیوں شائع ہونے دی کہ ایسی حالت میں جب انتظام سلطنت کا اشارہ
ہے۔ وائسرائے کے حصول میں ہو تو راعی اور رعایا میں شائع نہیں
کرا رہا ہوں۔ ہز ایکسیلینسی نے انھیں شائع کرنے سے مجھے روکا
نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں کہ عوام کے کام کرنے والوں کو وہ
مخفی پیغام بھیجنے میں یقین نہیں رکھتے۔ لیکن کچھ وجہوں سے
جن کا تذکرہ کرنے کی یہاں ضرورت نہیں میں نے اس دلیل کی
طاقت محسوس کی کہ غرض کے لئے انھیں شائع کرنا سمجھداری کا
کام نہیں ہوگا۔ میں امید کرتا ہوں کہ انھیں کبھی بھی شائع کرنے
کی ضرورت نہ ہوگی۔ میری خط کتابت میں کچھ ایسی باتیں ہیں
جو اس موضوع سے متعلق ہیں۔ لیکن وہ عوام کے لئے نہیں ہے۔
اس لئے پچھلی خط وکتابت کو روکنے کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔

ایک جملہ کانگریس کے متعلق بھی میرا دل وہاں ہے لیکن میں
دیکھتا ہوں کہ میں وہاں پہنچ نہ سکوں گا۔ میں بہت کمزور ہوں۔
اس کے علاوہ اگر راجکوٹ کے معاملے اور اس سے ظاہر ہونے
والے معاملات کو آخری طور سے طے کرنا ہے تو مجھے تریپوری اور
راجکوٹ کے درمیان اپنا دھیان نہیں بٹانا چاہئے۔ مجھے موجودہ
وقت میں پورے طور سے راجکوٹ ہی کی طرف اپنی توجہ کرنی
چاہئے۔ مجھے یہاں کام کرنا ہے۔ جیسے ہی میں اس قابل ہو جاؤں
مجھے دہلی جانا چاہئے۔ میں صرف یہی امید کرتا ہوں کہ تریپوری
میں سب اچھا ہی ہوگا۔ میرے لئے یہ عجیب تجربہ ہے کہ اس
سال کانگریس کے اجلاس میں میں غیر حاضر رہوں گا۔ لیکن یہ
اچھی بات ہے مجھے اتنا غرور کیوں ہونا چاہئے کہ میں یہ خیال کروں
کہ میرے بغیر کوئی بھی سنجیدہ بات نہیں ہو سکتی۔ تریپوری میں ایسے
حضرات موجود ہیں جو اتنے ہی باہمت قربانی کرنے والے اور
لگن والے ہیں جتنا کہ میں۔ اس لئے مجھے بالکل شبہ نہیں ہے کہ
اگر دوسری پالیسی بھی طے ہو جائے تو بھی اس میں تلخی نہیں ہوگی
اور اُن کے خیالات، الفاظ اور عمل میں کوئی تشدد آمیز جذبہ
نہیں ہوگا۔

آخری بات جو میں کہنا چاہوں گا وہ یہ ہے کہ میں سب ہی
اخباری نمائندوں کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں اُن پر مجھے
فخر ہے اُنھوں نے اخباری دنیا کے بہترین طریقوں پر عمل
کیا ہے۔ انھوں نے چھوٹی موٹی خبریں نہیں اُڑائیں۔ بلکہ
میرے لئے امن کے پیغام بر بنے رہے۔ انھوں نے میرا بہت
لحاظ کیا۔ اُنھوں نے کبھی مجھے دق نہیں کیا۔ میں اُن ڈاکٹروں
کا بھی شکریہ ادا کروں گا جنھوں نے خوشی کے ساتھ میری
خدمت کی

میں امید کرتا ہوں کہ اُن لوگوں کی دعائیں جو دعاؤں
میں اعتقاد رکھتے ہیں جاری رہیں گی ایک صورت سے تو
میرا کام تو اب سے شروع ہوتا ہے۔ میں اپنی دنیاوی زندگی
شروع کر رہا ہوں۔ مجھے نازک گفتگو چلانی ہے۔ میں اُس نیک
خواہش کو نہیں چھوڑنا چاہتا جو اس وقت میرے ساتھ موجود
ہے۔ میں ٹھاکر صاحب کا خیال کرتا ہوں، میں دربار ویرا
والا کا خیال کرتا ہوں۔ میں نے اُن کی تنقید کی ہے لیکن بطور
دوست کے۔ میں دوہراتا ہوں کہ میں ٹھاکر صاحب کے باپ کی جگہ ہوں میں نے
اُنکے ساتھ اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا۔ جتنا ایک گمراہ لڑکے کے لئے کرتا۔
میں چاہوں گا کہ اُنکے سامنے جو کچھ ہوا وہ اسکی اہمیت سمجھیں اور اس فاقہ کا
بہترین خاتمہ تب ہوگا جبکہ میں نے جو کچھ کیا ہے وہ اُسکی تعریف کریں اور اسکا
جواب ملے جس کی کہ میں امید کرتا ہوں۔ راجکوٹ۔ کاٹھیاواڑ کی دُھری ہے
اگر راجکوٹ میں ہردلعزیز حکومت قائم ہو جاتی ہے تو کاٹھیاواڑ کے دوسرے
والیِ ریاست اپنی خواہش سے بلا سول نافرمانی کے اسی لائن میں آ
جائیں گے۔ اس زمین پر ایسی اکمل ترین روح نام کی کوئی چیز نہیں ہے
اسکا حسن تو اسکے لاتعداد اختلاف میں ہے۔ اسلئے کاٹھیاواڑ کی ریاستوں
میں مختلف آئین ہونگے لیکن اُنکی بنا سچائی پر ہوگی۔

وائسرائے کی تقریر

گذشتہ ۱۴ مارچ کو نریندر منڈل کی بیٹھک میں ہز ایکسیلینسی وائسرائے نے فیڈ ریشن اور والیان ریاست کے فرائض کے متعلق ایک اہم تقریر کی جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:۔

حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ اس قسم کے غلط اعتراض اکثر کئے گئے ہیں لیکن پھر بھی مجھے یقین ہے کہ آپ میری اس رائے سے متفق ہیں کہ موجودہ زمانہ میں اور اس بدلتی ہوئی دنیا میں یہ خاص طور سے ضروری ہوگیا ہے کہ ہر ایک والی ریاست انتظام حکومت کے معاملے میں اپنی رعایا کی واجب شکایتوں کو جانے اور انھیں دور کرنے کی کوشش کرتا رہے۔ آپ میری اس رائے سے متفق ہونگے کہ اپنی ریاستوں کے معاملات میں اپنے ملازموں کے کام میں اور اپنی رعایا کی زندگی میں خود نجی دلچسپی رکھتے ہوئے رعایا کو مطمئن بنانے اور رعایا کو ریاست یا ناقابل ملازموں کے ناروا مظالم سے بچانے اور واجب شکایتوں پر جلد ہی متوجہ ہونے میں ہی فرمانرواؤں کی بھلائی ہے۔ یہی نہیں بلکہ ایسا کرنا ان کا فرض بھی ہے۔ زمانہ حال میں امور سلطنت کا ایسا ہونا نہایت ضروری ہے جس کی مدد سے رعایا کی شکایتیں دربار تک پہنچ سکیں رعایا کے دل میں یہ یقین رہنا کہ اس کی ضرورتوں پر اس کی مشکلوں پر اور اسکی شکایتوں پر پوری ہمدردی کے ساتھ غور کیا جائیگا نہایت ضروری ہے۔ دیسی ریاستوں کے خلاف کئے جانے والے اعتراضات خواہ کسی مطلب سے کئے جاتے ہوں لیکن یہ طے ہے کہ اگر رعایا کی واجب شکایتیں دور نہ ہوئیں اور تحریک کرنے والوں کو رعایا کی بے چینی سے فائدہ اُٹھانے کا موقعہ دیا گیا تو ریاستوں کا پلہ یقیناً زیادہ کمزور ہو جائے گا۔ اگر اس سلسلے میں والیان ریاست پوری طرح ہوشیار بھی رہیں تو بھی انھیں یہ امید نہ رکھنی چاہئے کہ ان کے کاموں کی تنقید ایک دم بند ہو جائیگی آجکل انتظام سلطنت اور سرکاری آمدنی کے استعمال وغیرہ کے سلسلے میں رعایا کی دلچسپی بڑھ رہی ہے ایسی حالت میں کسی بھی ملک کی حکومت تنقید سے نہیں بچ سکتی۔

ہو سکتا جبتک کہ عہد ماضی کی بربریت
ئے۔ میں سچے طور پر ان سے اختلاف رکھ
نسانی فطرت کی خوبیوں میں اعتقاد رکھے
سکتا۔ والیان ریاست کی ہندوستان میں
ں کو شاد بنا ٹھیک نہیں ہے اس لئے میرا
است ماضی کا مطالعہ کریں گے اور دفعہ
دے سکیں گے تو بہتری ہی ہوگی۔ لیکن
سے کھیلا جائے۔ انھیں بہادر کی کے
میں راجکوٹ کی مثال کی تقلید کرنے
رعایا کے حق میں اپنے کچھ پیچھے ا

لارڈ لنلتھگو

مگر اپنے جانب کی باتوں کو شائع کرنے کی اہمیت پر آپ نے ضرور دھیان دیا ہوگا ریاستوں کے انتظام کی بے بنیاد تنقید کا جواب دینے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ سچی باتیں شائع کر دی جائیں۔ کئی ریاستیں ایسی ہیں جو اپنے انتظام سلطنت کی قابل تعریف رپورٹیں شائع کرتی ہیں جن میں ریاستوں کے حقیقی حالات کا مفصل ذکر کیا جاتا ہے اور جن کو سبھی دیکھ سکتے ہیں۔ میری رائے میں ان ریاستوں کے لئے بھی جن میں کہ ایسا قاعدہ نہیں ہے اس سلسلہ میں دوسروں کی تقلید کرنا مناسب ہوگی دیسی ریاستوں میں آئینی تبدیلی یا ترقی کے سوال پر حکومت برطانیہ نے جو اعلان حال میں کیا ہے جنکو کہ میں نے عام تقریروں میں دہرایا ہے آپ لوگوں نے ضرور دیکھا ہوگا حکومت برطانیہ کا اس معاملے میں کیا رخ ہے یہ ان بیانوں سے ظاہر ہو گیا ہوگا میں اس بات کو پھر دُہراتا ہوں کہ اس سلسلے میں حکومت برطانیہ کا رخ یہی ہے کہ اپنی ریاست اور اپنی رعایا کی ضرورتوں کو پوری کرنے کے لئے بہترین آئین مرتب کرنے کا حق ہر ایک والی ریاست کو ہے اور حکومت برطانیہ اس سلسلے میں والی ریاست پر کوئی دباؤ نہیں ڈالے گی اور اگر کوئی والئے ریاست عہد ناموں کے مطابق اپنی ذمہ داری کا خیال رکھتے ہوئے آئینی اصلاح کرنا چاہیگا

توحکومت برطانیہ اس میں کوئی رکاوٹ بھی نہ ڈالے گی۔ میں
تسلیم کرتا ہوں کہ ایسی حالت میں مختلف ریاستوں کے حکمران
جو آئینی اسکیمیں بنائیں گے وہ ایک دوسرے سے مختلف ہونگی
کیونکہ مختلف ریاستوں کے حالات مختلف ہیں۔ظاہر ہے کہ ہر
ریاست کا آئین حکومت مرتب کرتے وقت اس ریاست کے
خاص حالات پر پوری توجہ کرنی ضروری ہوگی حالت یکساں نہ
ہونے کے باعث ریاستوں کی آئینی اسکیموں میں بھی فرق
ہو سکتا ہے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ ایسا ہوتے ہوئے بھی آپ
یہ تسلیم کریں گے کہ ایسی حالت میں جب انتظام سلطنت کسی
خاص فرد کے ہاتھوں میں ہو تو راعی اور رعایا کے درمیان
قربت ہونا ضروری ہے۔جس راعی کو رعایا کے لئے 'باپ'
کی صورت میں بن کر رہنا ہے اُسے یہ ضرور دیکھنا چاہئے کہ رعایا
کے سبھی طبقوں کو اس کی حکومت سے واجب فائدہ پہنچتا ہے
یا نہیں ایسے راعی کو اس بات کا خیال رکھنا ہوگا کہ کہیں وہ
ریاستی آمدنی کا نامناسب حصہ اپنے ذاتی مصرف میں تو نہیں لاتا۔

اس کے علاوہ ایک بات اور ہے جو اتنی واضح ہے
کہ میں اس پر خاص طور سے زور دینا ضروری نہیں سمجھتا اور
وہ یہ ہے کہ ہر ایک والئی ریاست کو اپنی ریاست ہی کو ہی
اپنا کام کرنے کا حلقہ سمجھنا چاہئے۔کسی بھی حکمران کا اپنی حکومت
سے باہر رہنا ایک ایسی بات ہے جس کی مناسبت ثابت کرنا
ہمیشہ مشکل رہا ہے۔ آج تو یہ بات خاص طور سے نامناسب
معلوم ہوتی ہے۔میں تسلیم کرتا ہوں کہ کبھی کبھی ایسے مواقع
آسکتے ہیں جبکہ حکمران کو کافی وقت کے لئے اپنی ریاست سے
باہر رہنے کے لئے مجبور ہونا پڑے۔مگر میری رائے یہ ہے کہ ایسی
حالت میں جب کہ حکمران کو اپنی حکومت سے باہر جانے کے
لئے مجبور ہونا پڑے اُسے یہ دیکھنا چاہئے کہ اپنی عدم موجودگی
میں انتظام سلطنت کا بار وہ جن لوگوں پر چھوڑ رہا ہے وہ
قابل اعتبار ہیں یا نہیں۔

آپ لوگوں کو حال ہی میں یقین دلایا جا چکا ہے کہ
عہدناموں کے مطابق ذمہ داریوں کے پورا کرنے میں حکومت
برطانیہ آپ لوگوں کی مدد کرنے کے لئے تیار ہے لیکن اس کے
یہ معنی نہیں کہ اپنی قدیم اور عظیم حیثیت کو محفوظ رکھنے کا بار حکومت
کے ساتھ والیان ریاست پر نہیں ہے۔ دیسی حکمرانوں کے
بہی خواہوں نے متعدد بار حکمرانوں کو سمجھایا ہے کہ اُن کی
ریاستوں کی نجات اور خود اُن کے آرام و روحی سکون
کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ آپس کے اختلافات کو ختم کر دیں۔
اور ایک ساتھ مل کر کام کریں۔لیکن گذشتہ سالوں پر نظر ڈالتے
ہوئے کیا ایمانداری کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ حکمرانوں نے
یہ صلاح مانی ہے؟

دنیا میں ایسا کوئی طبقہ اور فرقہ نہیں ہے جس میں کچھ
لوگ اوروں کی بہ نسبت کمزور نہ ہوں۔مگر آپ لوگ جانتے
ہیں کہ تھوڑے ہی سی مثالوں کی بنا پر ایک عام رائے قائم
کر لینا انسانی فطرت ہے اور اگر ایک بھی حکمران اپنی رعایا
کے مفاد کو بھلا دیتا ہے تو لوگ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ دوسرے
حکمران بھی اُسی کی طرح ہیں۔ایسی حالت میں کیا یہ ممکن نہیں
ہے کہ حکمران طبقہ میں جو دوراندیش ہوں وہ متحدہ طور پر
اُس کو اس کی غلطی سے آگاہ کر دیں تاکہ حکمرانوں کا سارا
طبقہ بدنام نہ ہو جائے۔

اور اس قسم کے تعاون کی سب سے زیادہ ضرورت
تو چھوٹی ریاستوں کو ہے۔ جن ریاستوں کی آمدنی اتنی
کم ہے کہ اُن کے لئے رعایا کی ضروریات پوری کرنے کے
موجودہ طریقے کا انتظام تنہا کرسکنا ممکن نہیں ہے۔اُنکے
پاس تو اس قسم کے تعاون کو چھوڑ کر دوسرا کوئی ذریعہ ہی
نہیں ہے۔میں اس موقعہ پر اُن چھوٹی ریاستوں کو زور دیکر
یہ سمجھانا چاہوں گا کہ حتی الامکان انتظام کے لئے کارکنوں کا
متحدہ انتظام جلد ہی کریں۔اس کام میں اگر وہ تعاون کرینگے
تو انہیں یقیناً اس کام میں میری اور میرے مشیروں کی امداد
حاصل ہوگی۔اُن کے لئے ایسا انتظام کرنا اور جلد ہی کرنا نہایت
ضروری ہے۔چھوٹی ریاستوں کا مفاد اسی میں ہے کہ وہ ایسا
نظام قائم کرنے کے لئے ضروری کارروائی کرنے میں قطعی دیر نہ کریں۔

اپنی اس مختصر تقریر میں میں نے آپ لوگوں کی توجہ جس طرف دلائی ہے وہ ریاستوں اور اُن کے حکمرانوں کے لئے نہایت اہم ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میں نے جو کچھ کہا ہے اُس کی اہمیت کو آپ نظر انداز نہ فرمائیں گے۔ خصوصاً اس موقعہ پر جو تاریخ ہند میں ایک خاص موقعہ ہے۔ میں آج آپ کا اور زیادہ وقت نہیں لینا چاہتا۔ آپ لوگوں سے ملاقات کا موقع حاصل کرنے کے لئے میں آپ کا پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اور آپ کے منڈل کے اجلاس کی کامیابی اور مفید ہونے کی دعا کرتا ہوں۔

محترمی پنت جی کی تقریر

تری پوری کانگریس کی سبجیکٹ کمیٹی میں محترمی پنڈت گووند ولبھ پنت نے کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کے اُن ۱۳ ممبروں پر صدر کے انتخاب کے بعد مستعفی ہوگئے تھے، اعتماد اور مہاتما گاندھی کی رہنمائی کی تجویز پیش کی تھی جس پر کافی بحث ہوئی تھی۔ بحث میں اعتراضات کا جواب پنڈت جی نے اس طرح دیا تھا۔

میں نے اس لئے تجویز پیش کی ہے کہ کانگریس کے سبھی طبقوں میں اتحاد قائم ہو سکے اور ہمارے آگے جو مشکلات ہیں وہ دور ہو جائیں مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ تجویز پر اس لحاظ سے غور نہیں کیا گیا اور تجویز پر جو تقریریں کی گئیں اُس میں سے کچھ ضروری طور پر تلخی دکھائی گئی۔ تجویز میں جن ترمیموں کی تجویز ہوئی ہے اُن میں سے میں کسی کو منظور نہیں کر سکوں گا کیونکہ جو مقصد ہم نے اپنے سامنے رکھا ہے اُسے حاصل کرنے کے لئے تجویز کے اندر رکھے گئے مطالبات کسی حالت میں گھٹائے نہیں جا سکتے۔ تجویز میں کم سے کم مطالبات کئے گئے ہیں۔ یہ سوچنا غلط ہے کہ یہ تجویز صدر پر عدم اعتماد ظاہر کرنے کے ووٹ کی صورت میں ہے۔

اس تجویز کا مقصد صرف گاندھی جی کی رہنمائی حاصل کرنا ہے جنھوں نے یہ طے کر لیا ہے کہ وہ کانگریس کے باہر رہیں گے

جناب پنڈت جی

اس تجویز کے پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم پھر وہی ماحول پیدا کرنا چاہتے ہیں جو پہلے تھا۔

اگر آپ لوگ دراصل پرانی ورکنگ کمیٹی کے ممبران پر اعتبار کرتے ہیں تو میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ ورکنگ کمیٹی کے ممبروں پر جو الزامات لگائے گئے ہیں اُن کے لئے افسوس ظاہر کرنے میں آپ کو ہچکچاہٹ کیوں ہونی چاہئے۔

تجویز میں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ الزام کس نے لگائے۔ سبھاش بابو کے بیان میں یہ کہا گیا تھا کہ ملک میں ایسا عام خیال ہے اور اگر ایسا تھا تو ہم لوگوں کو خاموش بیٹھنا کیسے ممکن ہو سکتا تھا۔ کیا آپ لوگ اپنے لیڈروں کی خدمات کا یہی صلہ دینے جا رہے ہیں۔ جو مادر گیتی کی خدمت کرتے کرتے بوڑھے ہوگئے ہیں اُن کے اوپر جب اس قسم کے حملے کئے جائیں گے تو کیا آپ اس کے لئے افسوس بھی نہیں ظاہر کر سکتے؟ ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم دنیا کے سامنے اعلان کر دیں

یہ سارے الزامات بے بنیاد تھے۔ ہم لوگ اُن پر یقین نہیں کرتے نہ برداشت ہی کرسکتے ہیں۔

سبھاش بابو نے جو بیان دیا ہے اُسے میں حالات کو واضح کرنے کے لئے کافی نہیں سمجھتا۔ اُنھوں نے خود اپنے ایک بیان میں کہا تھا کہ عوام کا کام کرنے والوں کی حیثیت سے ہم اُن باتوں کی مخالفت نہیں کر سکتے جو عوام کہتے ہیں۔

اِسی باعث ہمیں اُن باتوں پر متوجہ ہونا پڑا جو فیڈریشن کے سوال کے بارے میں عوام کا عام عقیدہ بتایا گیا۔ جب تک یہ حالات واضح نہیں ہو جاتے تب تک ورکنگ کمیٹی کے ممبروں کا تعاون حاصل کرنا ممکن نہیں ہو سکتا اور نہ کانگریس کا وہ وقار ہی قائم رکھا جا سکتا ہے جو پہلے تھا۔ اگر ہم ایسا نہیں کرتے تو کانگریس کے لئے آئندہ کوئی ترقی کرنا ناممکن ہو جائیگا۔

مَیں اُن لوگوں سے پوری طرح متفق ہوں جو کانگریس میں متحدہ محاذ قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ اُن کے لیڈروں پر جو الزام لگائے گئے ہیں اُنسے اوپر افسوس ظاہر کرنے میں متحدہ محاذ کو کیا نقصان پہنچ سکتا ہے۔ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ یہ ذاتی معاملہ ہے اور اس کا نپٹارا لیڈروں کو آپس میں مل کر کر لینا چاہیئے۔ کانگریس کے لئے ضروری ہے کہ وہ لیڈروں پر اپنا پورا اعتماد ظاہر کرے۔ یہ کہنا غلط ہے کہ لیڈروں میں بدلہ چکانے کی عادت ہے۔ یہ لیڈر خواہ بائیں بازو والے کہے جائیں خواہ اعتدال پسند کہے جائیں لیکن ملک کی خدمت کرنے اور اُس کے لئے قربانیاں کرنے میں وہ کبھی پیچھے نہیں رہے ہیں۔ اُن کا یہ رویّہ اِتنا ایماندارانہ ہے کہ اُنھیں کوئی نیچے نہیں گرا سکتا۔ تجویز کو پاس کرنے کی ضرورت اسلئے ہے کہ ہمیں اِن لیڈروں کی خدمات اور مہاتما گاندھی کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔

اِس الزام کا ذکر کرتے ہوئے سردار پٹیل نے اپنے بیان میں کہا تھا کہ سبھاش بابو کا پھر سے صدر منتخب ہونا ملک کے لئے نقصان دہ ہوگا۔ وہ بیان عام شکل میں نہیں دیا گیا تھا بلکہ سبھاش بابو اور سردار پٹیل کے درمیان جو تاروں کے ذریعہ لکھا پڑھی ہوئی تھی اُس میں سردار پٹیل نے اِس بات کا ذکر کیا تھا اور اس خط کتابت کو وہ شری شرت چندر بوس کی درخواست کرنے پر شائع کرنے کے لئے راضی ہوئے تھے۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اگر سردار پٹیل اس پر کچھ اعتراض کرتے تو اس کا غلط مفہوم سمجھا جاتا اور کہا جاتا ہے کہ سبھاش بابو کے انتخاب کی تحریک میں رکاوٹ ڈالی گئی۔

اس بات کی ہمیشہ ہر شخص کو آزادی رہتی ہے کہ وہ اس بارے میں جو رائے چاہے رکھے کہ کوئی بات ملک کے لئے نقصان دہ ہے کہ نہیں۔ سردار پٹیل نے تار میں جو بات کہی تھی اُس کے ذریعے سبھاش بابو پر ذاتی طور پر کوئی الزام نہیں لگایا گیا تھا۔

یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ہم سوبھاش بابو کو صدر نہیں رکھنا چاہتے۔ انتخاب کے پہلے ہمارے خیالات خواہ کچھ بھی رہے ہوں لیکن اب جب وہ منتخب ہوگئے ہیں تو ہم یہی چاہتے ہیں کہ وہ عہدۂ صدارت پر متمکن رہیں۔ ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ وہ ملک کے لئے مفید ثابت ہوں اور ایسا اُسی وقت ہو سکتا ہے جب اُن کے لئے مہاتما گاندھی کا تعاون حاصل کر لیا جائے جو ہمیں گذشتہ کئی سال سے حاصل ہوتا رہا ہے میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ تجویز کو پاس کرکے آپ لوگ ایک بار پھر مہاتما گاندھی کو کانگریس کے اندر بلائیںگا۔

از جناب رائے بہادر شکدیو بہاری مشر

اس ماہ میں واقعات تو بڑے بڑے ہوئے لیکن کوئی نئی بات تھوڑے ہی ہوئی چین جاپان کی جنگ بدستور جاری ہے ان دونوں جنگ کچھ کمی ہو رہی ہے چین کو امید ہے کہ جنگ کی یہی رفتار رہی تو خرچ کی زیادتی کے باعث جاپان کو آخیر میں دبنا پڑیگا۔ اس نے ان دنوں جزیرہ ہینان پر بھی قبضہ کر لیا ہے جس کے باعث فرانس کے انڈو چائنا کے لئے خطرہ محسوس ہونے لگا ہے اور امریکہ کے جزیرہ فلپائن پر بھی خطرہ نظر آنے لگا ہے۔ برطانیہ فرانس اور امریکہ کے کہنے پر جاپان نے جواب دیا کہ وہ ہینان پر ہمیشہ کے لئے قبضہ نہیں چاہتا بلکہ جنگ کے سلسلہ میں ایسا کیا گیا ہے جس بات پر اوروں کو پورا اعتبار نہیں ہے جاپان سے روس کی بھی چھیڑ چھاڑ بڑھ رہی ہے ادھر چین ینگون کی راہ سے ہندوستان اور یورپ وغیرہ سے تجارت جاری رکھنے کا انتظام کر رہا ہے۔ جاپان اٹلی سے دوستی بڑھانے کی فکر میں ہے۔

جرمنی کی پولینڈ سے کشیدگی بڑھ رہی ہے اور وہ آجکل خاموش ہے حالانکہ نوآبادیوں کے متعلق کچھ نہ کچھ کہتا جاتا ہے۔ ہنگری میں یہودیوں کے خلاف کارروائی ہونے والی ہے حالانکہ ابھی اس نے زیادہ ترقی نہیں کی ہے ہنگری اور جرمنی کے اٹلی سے دوستانہ تعلقات قائم ہیں آجکل اٹلی پولینڈ سے تعلقات بڑھانیکی فکر میں ہے لیکن وہ فرانس کی طرف مائل ہے۔ برطانیہ جرمنی سے تجارتی معاہدے کی کوشش میں ہے اور وہیں سے ایسے ہی معاہدے کے لئے روسی نمائندے بھی جائینگے یہ بات جرمنی کو پسند نہیں ہے اٹلی فرانس سے جو کچھ صوبے مانگتا ہے۔ اسکا معاملہ اس کشیدگی میں کچھ ڈھیلا پڑ گیا ہے لیکن لارڈ ہیلی فاکس کی تقریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ اندر ہی اندر برطانیہ کی طرف سے صلح کی کوشش ہونے والی ہے۔ اٹلی کے مقابلے میں فرانس کو مدد دینے کا وعدہ برطانیہ نے بالکل صاف صاف کر لیا ہے۔ ادھر امریکہ کے صدر روزویلٹ نے یہ رائے ظاہر کر دی ہے کہ فرانس اور برطانیہ کے کمزور ہو جانے سے امریکہ کی بھی خیریت نہیں ہے۔ چنانچہ لڑنیکا تو سوال نہیں ہے لیکن جنگ ہونے کی صورت میں وہ فرانس اور برطانیہ کی مدد ضرور کریگا۔ یہ دیکھکر اٹلی اور جرمنی کا بھی جنگ کا ارادہ کمزور ہو گیا ہے۔ روس کے مسئلے میں تو امریکہ خاموش ہے لیکن فرانس اور برطانیہ کے دبنے کی صورت میں اپنے اوپر بھی خطرہ محسوس کرتا ہے یہ بات درست بھی معلوم ہوتی ہے ان وجوہ سے دنیا میں اس وقت جنگ کے آثار کم ہو گئے ہیں۔

اسپین میں جنرل فرینکو کی تقریباً قریب فتح ہو گئی ہے صوبہ کیٹالونیا پر اس کا قبضہ ہو چکا ہے اب صرف دار الحکومت میڈرڈ باقی ہے جو جلد بغیر جنگ کے اسکے قبضہ میں آ جائیگا۔ برطانیہ اور فرانس نے بھی اب اسپین پر جنرل فرینکو کا اقتدار تسلیم کر لیا ہے اور ان دونوں کی اب یہ کوشش ہے کہ اسپین جرمنی اور اٹلی کے زیر اثر نہ رہے۔ فرینکو نے بھی وعدہ کیا ہے کہ وہ آزاد رہیگا یوں کہنے کو اٹلی اور جرمنی بھی یہی کہتے ہیں لیکن اسپین کو اپنے زیر اثر رکھنے کی دل خواہش ہے اگر برطانیہ اور فرانس کی شطرنج کی سی یہ چال چل گئی تو اٹلی اور جرمنی کی یہ کوشش بیکار جائیگی۔

بظاہر تو فرینکو ان دونوں سے ملا رہے گا لیکن اندر ہی اندر اُس کا طرزِ عمل کیسا ہوگا یہی مسئلہ قابل غور ہے۔ اس طویل جنگ سے حکومت اسپین کا بہت کافی نقصان ہو چکا ہے۔ اُسے پورا کرنے اور ملک کو تباہی سے بچانے میں کافی انتظام و اخراجات کی ضرورت ہے اور آئندہ جنگ میں شریک ہونے کے لئے اسپین کی حالت ظاہر ہے انتظام کے لئے قرض کی کافی ضرورت پڑے گی۔ جرمنی اور اٹلی خود مفلس ہیں ادھر برطانیہ اور فرانس مالدار ہیں۔ اس سے خواہ مخواہ اسپین کو ان کی طرف تھوڑا بہت جھکنا ہی پڑیگا۔ دیکھئے آئندہ کیا گل کھلاتا ہے۔ ابھی یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اٹلی اسپین میں جو اپنا اقتدار بڑھا رہا ہے۔ یہ فرینکو کو کچھ ناگوار ضرور معلوم ہوتا ہے پھر بھی دونوں ہی طرف جھکنے کی صورتیں موجود ہیں۔ واقعات کا رُخ جدھر بھی پہلے وہی ہونے لگے گا۔ اگر فرینکو بظاہر فرانس اور برطانیہ کی طرف جھکنے لگے گا تو اٹلی اور جرمنی والے بھی کوئی کارروائی کرینگے ہی۔ معاملہ ہے دو رُخا۔ اگر برطانیہ فرانس اور اٹلی کی دوستی کرا سکے گا تو سب باتیں بہت کچھ سلجھ جائینگی۔ اسپین میں ایک یہ بھی سوال ہے کہ اب انتظام سلطنت کیونکر ہوگا۔ پہلے اسپین کے بادشاہ شاہ الفانسو تھے جو گدی سے اتارے جا چکے ہیں اور آجکل اٹلی میں موجود ہیں انکے تعلقات جنرل فرینکو سے خوشگوار ہیں۔ یہ بھی خیال تھا شاید وہ پھر بادشاہ بنا دئے جائیں اور حکومت کے اصلی اختیارات جنرل فرینکو ہی کے ہاتھ میں رہیں۔ لیکن یہ معاملہ ابھی کسی طرح ٹھیک نہیں ہے۔

فلسطین کا معاملہ یہودیوں اور عربوں کے درمیان ولایت میں پیش ہے اور ابھی تک کچھ طے نہیں ہوا۔ جب آپس میں راضی نامہ نہیں ہو پاتا تو حکومت ہی اپنے حکم سے طے کرے گی۔ ابھی کچھ دن یہ جھگڑا چلے گا حالانکہ عرب یہود لڑتے لڑتے تھکتے سے نظر آتے ہیں اور معاملہ طے ہو ہی جائیگا۔ برطانیہ نے طے کرنیکا جو مسودہ پیش کیا ہے وہ یہودیوں کو بہت ہی ناپسند ہے برطانیہ بھی اس سلسلے میں ضد نہیں کرنا چاہتا۔ دیکھئے اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے؟

آجکل برطانیہ کی طاقت رفتہ رفتہ بڑھ رہی ہے اب وہ کمزوری نہیں

تری پوری میں کانگریس کا جھنڈا اونچا کیا جا رہا ہے۔

نظر آتی جو ستمبر ۱۹۳۸ء میں زیکوسلوویکیا والے جھگڑے سے، وقت نظر آتی تھی۔ اب یورپ کا معاملہ بہت کچھ سلجھا سا ہے اور ٹھیک طور پر دیتا نظر آتا ہے۔ روس کی مدد اور فرانس و برطانیہ کے اتحاد کی وجہ سے یہ خوشگوار صورت پیدا ہوئی ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ وزیر اعظم برطانیہ کا یورپ میں اقتدار کم ہو رہا ہے لیکن حال میں جتنے نئے انتخابات ہوئے ہیں ان میں فتح انھیں کی پارٹی کی ہوئی ہے۔ اس سے انکے خیالات بدل گئے آجکل فرانس کے صدر برطانیہ عظمیٰ کے دورے پر جا رہے ہیں ظاہر ہے اس سے ان دونوں ممالک کا اور بھی زیادہ اتحاد ہوگا۔

ہندوستان میں کانگریس میں آپس کا جو اختلاف سامنے آیا تھا وہ ابھی کم نہیں ہوا ورکنگ کمیٹی کے ۱۲ ممبروں نے جو استعفے دئے ہیں ان میں پنڈت جواہر لال نہرو بھی شامل ہیں اس سے سبھاش بابو کی طاقت کچھ کمی پر نظر آتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کانگریس کے مارچ کے اجلاس میں یہ معاملہ آپس ہی میں طے

ہو جائیگا۔ مہاتما گاندھی کا اثر تو کم نہیں ہوگا لیکن سوشلسٹوں کا زور ضرور بڑھ جائے گا۔ معاملہ ٹھہرا ہے لیکن شروجی کی مدد سے ضرور سلجھ جائیگا ایسا معلوم ہوتا ہے۔ اس وقت بنگال پنجاب اور سندھ کے علاوہ بقیہ آٹھ صوبوں میں کانگریس حکومت ہے اگر ان میں مصالحت نہ ہوئی تو ان صوبوں کی وزارت کے انقلاب کا خوف ہے۔ بمبئی وغیرہ میں انسداد شراب کی تحریک زوروں سے چلنے والی ہے جس کے باعث خاص شہر کے مکانات پر ۱۰ فیصدی ٹیکس لگائے جانے کا چرچا ہو رہا ہے۔ یہ معاملہ ذرا سخت ہے اور خاص بمبئی میں شراب بندی کے باعث ہوٹلوں کی بربادی ظاہر ہے۔ پھر بھی کانگریس ماننے کے لئے تیار نہیں نظر آتی۔ یو۔پی میں بڑی تنخواہ والوں پر دس فیصدی ٹیکس لگنے والا ہے اور کم تنخواہ والوں کی کچھ ترقی ہونے والی ہے۔ حکومت ہند کا بجٹ بالکل معمولی ہے۔ صرف کپڑے بنانیوالونکا کچھ نقصان ہوا ہے۔ امید ہے کہ امسال ہندوستانی تجارت کی کچھ ترقی ہوگی۔

آجکل سب سے بڑا یہ مسئلہ جو سامنے آرہا ہے کہ جرمنی کی بہت بڑی فوج اخیر مارچ تک جنگ کے لئے تیار ہو جائیگی اس تیاری میں خرچ بہت کافی ہے مگر لڑائی کسی سے نہیں ہے۔ گذشتہ ستمبر میں زیکوسلاوکیہ کے موقع پر جیسی صورت پیدا ہوئی تھی وہی پھر پیدا ہوگی ایسا لوگوں کا خیال ہے۔ بغیر کسی وجہ کے جرمنی کیوں اتنی فوج تیار کر رہا ہے اسکا کوئی سیدھا جواب نہیں ملتا اسی لئے وہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ اُس موقع پر جیسی دھمکی سے جرمنی نے اپنا کام نکال لیا تھا وہی حالت یا کم از کم کوشش ایک بار پھر ہوگی کس سوال پر ہوگی یہ ابھی صاف نہیں ہے اٹلی اور فرانس کی گفت وشنید جاری ہے۔ اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ فرانس کی فوجی طاقت کا مقابلہ کرنا اٹلی کے لئے آسان نہیں ہے اسکے لئے ایکاایک فرانس سے لڑ بیٹھنا ٹیڑھی کھیر ہے۔ آجکل ٹیونس کے معاملے پر خاص کشیدگی ہے وہ چھوٹا سا صوبہ اٹلی کے لیبیا اور فرانس کے الجیریا کے درمیان بیچ سا دبا ہوا ہے شمال میں بحر روم سے ملا ہوا ہونے کے باعث وہ بھی ایک اہم سوال بن گیا ہے وہاں سو سال قبل اٹلی کا قبضہ تھا۔ ۱۸۸۱ء میں اٹلی اسے لینے کی فکر میں تھا ہی کہ اسی وقت اسے فرانس دبوچ بیٹھا۔ اٹلی اسوقت کمزور تھا چنانچہ کھسیا کر رہ گیا اور کچھ نہ کرسکا اب خود کو طاقتور بنا کر اس نے یہ سوال اٹھایا ہے۔

ٹیونس میں افریقیوں کے علاوہ ۱۰۸۰۰۰ فرانسیسی اور ۹۴۰۰۰ اطالوی آباد ہیں۔ وہاں فرانس نے ان ۶۰ سالوں میں کافی روپیہ لگا کر ترقی کی ہے وہاں جو اطالوی ہیں وہ عموماً پہلے کاریگر کی حیثیت سے گئے تھے اب ان میں سے بیشتر امیر ہوگئے ہیں۔ اٹلی لیبیا میں فوج بہت بھیج چکا ہے اور فرانس اپنی فوج ٹیونس بھیج چکا ہے۔ جب اسی مارچ میں جرمنی کی بھی فوجی تیاری شروع ہوگی تب کسی جانب کوئی خاص گفت وشنید ہوگی۔ اس بار جنگ کی دھمکی سے مطلب براری کی صورت کم نظر آتی ہے مگر اٹلی اور جرمنی کا رجحان اسی طرف نظر آتا ہے۔ امریکہ نے ابھی جنرل فرینکو کا اسپین پر قبضہ تسلیم نہیں کیا ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ کچھ عرصے میں وہ بھی تسلیم کرے گا۔ جنوبی امریکہ میں اسپین کا کچھ اثر ہے۔ امریکہ کو خیال ہے کہ اسپین کی آڑ میں کہیں اٹلی اسکی طرف نہ پیر پھیلانے لگے۔ جب اسے اس طرف سے اطمینان ہو جائے گا اس وقت شاید امریکہ بھی فرینکو کی حکومت تسلیم کرلے جمہوریہ اسپین کے صدر نے صدارت سے استعفیٰ دے دیا ہے۔ اب وہاں کے باشندے لڑائی فتح رکھنے یا جاری رکھنے پر غور کر رہے ہیں ابھی پانچ لاکھ کے قریب ان کے پاس فوج باقی ہے۔ مگر لڑائی کی صورت کم نظر آتی ہے۔

(جنوری ۱۹۳۹ء کے کام کی تفصیل)

نئے سال نے اس بیسویں صدی میں دیہاتیوں کی سب سے بڑی لعنت جہالت کو دور کرنے کے لئے صوبے بھر میں ایک ایک عظیم جوش کی لہر دوڑا دی۔ محکمہ گرام سدھار کے کارکنوں نے محکمہ تعلیم کے کارکنوں کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر اس تحریک کو مفید اور موثر بنانے میں مدد دی۔ اس ماہ کے پہلے دو ہفتوں میں جہالت کے خلاف جد و جہد کرنے کے لئے ہر طبقے اور ہر فرقے کے لوگوں کی امداد حاصل کرنے کے لئے زبردست جد و جہد کی گئی۔ ہزاروں تعلیم یافتہ مردوں اور عورتوں سے ایسے عہد ناموں پر دستخط کرائے گئے۔ کہ یا تو وہ روزانہ اپنا کچھ وقت بچا کر ناخواندہ بھائیوں اور بہنوں کو پڑھائیں گے یا توسیع تعلیم کی تحریک کی کچھ مالی مدد کرینگے۔ طاقتور ہونیکے سبھی ذریعے حاصل کر لئے گئے اور لڑائی شروع کرنے کے لئے میدان تیار کر لیا گیا۔ یہ لڑائی ۱۵ جنوری ۱۹۳۹ء کو صبح شروع ہوئی۔ اس وقت دور دور کے گاؤں کے بچے بھی جاڑے میں چارپائی چھوڑ کر صبح کے گشتوں میں شامل ہوئے جن میں لوگ گا کر حماقت اور جہالت کو اعلان جنگ دیتے تھے اس روز دیہات بھر میں لوگ دن بھر خواندگی اور تعلیم کے متعلق بات چیت کرتے اور نعرے لگاتے رہے۔ صوبہ بھر میں ایک قسم کی بیداری اور جوش کی لہر چھا گئی تھی۔ جاہل دیہاتی بڑے بڑے جلسوں میں شامل ہوئے اور انھوں نے تحریک خواندگی میں کام کرنیوالوں کا ساتھ دیا۔ ایک ہی دن میں صوبے کے ایک کونے سے لیکر دوسرے کونے تک ہر ایک گاؤں میں مدرسے کھل گئے جن میں ایک ایک آنریری یا تنخواہ دار ماسٹرہ سے ۴۰ یا ۵۰ طالب علموں کو تعلیم دے گا۔ اس صوبے میں ایک بھی ایسا گاؤں نہیں بچا ہے جہاں کے لوگوں نے عوام کی جہالت اور حماقت دور کرنے کے لئے کئے جانے والے جلسے اور جلوس نہ دیکھے ہوں۔

ضلع گرام سدھار کمیٹیوں نے بالغوں کے مدرسوں کے لئے ضروری امداد منظور کی اور ان مدرسوں کو سامان دینے کا بھی بندوبست کر رہی ہیں۔ ضلعوں کے مطابق یہ سبھی مدرسے اخبار گھر اور کتاب گھر اس بات کا لحاظ رکھتے ہوئے کھولے جا رہے ہیں کہ سبھی گاؤں والے اُن سے فائدہ اُٹھا سکیں ہر ایک گرام سدھار مرکز میں اس کام کے خوبی کے ساتھ شروع کئے جانے کی اطلاع ملی ہے۔

اس محکمہ کی کچھ اور مجوزہ سب اسکیموں پر عمل کیا گیا۔ اس ماہ کے آخر میں گرام سدھار سیوکوں کے ایک تیسرے جتھے کی تعلیم شروع ہوئی۔ مہینے بھر اس صوبے کے مشرقی ضلعوں میں کنوؤں کی بورنگ کا کام پورے طور سے جاری رہا۔ بونے کے لئے عمدہ قسم کی ایکھ فراہم کی گئی۔ اصلاح شدہ بھٹوں اور گڑھ بنانیکے بہتر طریقوں کو ہر دلعزیز بنانے کے لئے مظاہرے جاری رکھے گئے کئی ضلعوں میں تاڑی تیار کرنے کے خلاف مظاہرے کئے گئے۔ اور

۱۰

گاؤں بنانے نیز تاڑی سے گڑ بنانے کے متعلق ہے۔ اس لئے کئے گئے کہ لوگ تاڑ کا رس تاڑی بیچنے والوں کے ہاتھ نہ بیچیں۔

پیشہ [illegible] ایسوسی ایشنوں نے اپنے اپنے ضلعوں کی صنعت و حرفت کی ترقی کے لئے اپنی اسکیمیں بنائی ہیں۔ ان میں سے کئی اسکیمیں سرکاری طور سے منظور بھی ہو چکی ہیں سوتی کپڑوں کی تیاری اور [illegible] ہو رہی ہے۔ گورکھپور کے ضلع ایسوسی ایشن نے وسیع پیمانے پر کھادی تیار کرنے کا کام شروع کر دیا ہے۔ مذکورہ ایسوسی ایشن کے ماتحت [illegible] مرکز کام کر رہے ہیں اور [illegible] کتائی کر کے ۲ سے ۳ آنے تک روزانہ پیدا کر لیا کرتے ہیں [illegible] چٹائیاں و غالیچے تیار کرنے اور کاروبار چلانے کی اسکیم تیار کر رہا ہے۔ الہ آباد، کانپور، فتح پور اور اناؤ میں گھریلو پیمانے پر [illegible] اور سوتی اور اونی کپڑے تیار کرنے کی تجویز ہو رہی ہے۔ [illegible] اپنی آمدنیوں اور ضرورتوں کے مطابق صنعت و حرفت [illegible] کر رہا ہے۔

دیہاتوں میں زندگی سدھار سبھائیں، اور پنچایت گھر بنانے کی تحریک پوری طرح جاری ہے۔ ہز ایکسلنسی گورنر یو پی نے ضلع ہردوئی کے ایک مرکزی پنچایت گھر کی بنا ڈالی۔ محترم وزیراعظم نے بھی ضلع ایٹہ میں ایک ایسے ہی مرکزی پنچایت گھر کا سنگ بنیاد رکھا۔ دیہاتوں میں سینکڑوں پنچایت گھر بنائے جانے کی اطلاع موصول ہوئی ہے۔

اس محکمہ کے تحت کھولے جانے والے دیہاتی دواخانے قابل افسروں کی نگہداشت میں رکھے گئے ہیں۔ یہ افسر بھی چیزوں کو کام کرنے کے قابل رکھنے میں مصروف ہیں۔ زچہ بچہ گھر کے لئے بنائی جانے والی اسکیم کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش ہو رہی ہے۔ اس شعبہ کے لئے انڈین ریڈ کراس سوسائٹی یو پی کی شاخ کے شعبہ چائلڈ اینڈ میٹرنٹی ویلفیئر کے ڈائرکٹر دایاں بھرتی کر رہے ہیں۔

گرام سدھار کی اشاعت بدستور جاری رہی۔ کانپور کے مویشیوں کے سالانہ میلے، الہ آباد کے ماگھ میلے اور ضلع الموڑہ میں باگیشور کے اترینی میلے میں وسیع پیمانے پر مظاہرے کئے گئے اس محکمہ کی طرف سے اس ماہ میں جو کام ہوئے انکی تفصیل نقشہ ذیل میں دی جاتی ہے۔

صوبہ متحدہ کی مختلف کمشنریوں میں جنوری ۱۹۳۹ء میں گرام سدھار کیلئے جانیوالے کاموں کی تفصیل

	میرٹھ	آگرہ	روہیلکھنڈ	الہ آباد	بنارس	گورکھپور	جھانسی	کمایوں	لکھنؤ	فیض آباد	میزان
۱۔ آرگنائزیشن											
(الف) جتھی قائم ہوئیں	۲۲	۳۰	۱۰۵	۴۹	۸۲	..	۲۵	۱۵	۸۹	..	۴۱۶
(ب) جتھی رجسٹر ہوئیں	۹	۵	۵	..	۱۲	۱	..	..	۷	۴۴	۹۰
قائم ہونیوالی زندگی سدھار جماعتیں	..	..	۱	..	..	..	..	..	..	..	۱
فروختگی کی قائم ہونیوالی جماعتیں	..	..	۱	..	..	..	..	۳	..	..	۴
فراہمی کی سوسائٹیاں	۳	..	۱۴	۱	..	..	..	۱۳	..	..	۳۱
قرضہ سوسائٹیاں رجسٹرڈ	..	..	..	..	۳	..	..	..	..	..	۳
متفرق قائم ہونے والی سوسائٹیاں	۲	..	۳	..	..	۱	..	..	..	۹	۱۵
۲۔ زراعت۔											
کھاد کے کھدنے والے گڑھے	۲۲۰	۲۰۵	۲۸۳	۵۸۸	۱۳۵۳	۳۸۲	۱۲،۱۵۶	۱۰۹	۳۸۶	۱۰۱۹	۱۶،۸۰۱
پیشاب جمع کرنے کے گڑھے	۱۱۲	۶۰	۱۱[illegible]	۲۶۳	۱،۲۵۳	۳،۳۹۵	۱۹۰	۵۱	۳۹	۲۸۵	۶،۱۶۹

	میرٹھ	آگرہ	روہیلکھنڈ	الہ آباد	بنارس	گورکھپور	جھانسی	کمایوں	لکھنؤ	فیض آباد	میزان
آبپاشی کے لئے بورنگ یا مرمت ہونیوالے کنوئیں	۱۳	۳	۱	۱۹	۲۳	۱۱	۶	۷	۱	۲۰	۹۸
آبپاشی کے لئے کھودے جانیوالے کنوئیں	۵	۱۰	۰۰۰	۶	۵	۰۰	۱۲	۰۰	۴	[illegible]	۴۸
بنے ہوئے تالابوں کی تعداد	۰۰	۰۰	۱	۰۰	۱۰	۰۰	۸۲	۱	۰۰	۰۰	۹۴
نئے جاری کئے جانیوالے وہ آلات	۱۳۱	۱۲	۶۲	۳۶	۱۸۰	۲۲	۳۰	۶۴	۳	۲۹	۵۴۰
اصلاح شدہ نسل کے سانڈ جو دئے گئے	۸	۱۱	۳	۱۸	۳۶	۳	۱۴	۲	۱	۱	۹۷
عمدہ نسل کے مویشی جو دئے گئے	۱۳۴	۴۸	۴۹	۷۷	۲۱۱	۰۰	۸۸	۰۰	۱۵	۴۸	۶۷۰
بیل اختہ کئے گئے	۶	۳۰	۹۰	۱۲۱	۷۰۳	۱۱۶	۳۹۰	۶	۰۰	۱۸۴	۱۶۴۶
بیمار مویشیوں کا علاج ہوا	۱۰۰۳	۷۱	۱۰۰۰	۹۰۳	۱۰۱۸	۱۰۶	۴۴۹	۱۳۴	۳۵	۷۷۵	۵۴۹۴
سانڈ بھرے	۰۰	۰۰	۲۴	۰۰	۳۴	۹۰	۰۰	۴	۰۰	۰۰	۱۵۰
زمیر یاں کھاتیں	۰۰	۱۰	۰۰	۰۰	۲	۰۰	۳۲	۱	۰۰	۰۰	۴۵
پھلوں کے پودے لگے	۱۰۳	۰۰	۴۵۶	۰۰	۵۱۱۰	۷۱	۳۸	۲۰۷۵	۰۰	۰۰	۷۸۵۳
زمین میں پھلوں کی کاشت کی گئی (ایکڑوں میں)	۰۰	۰۰	۰۰	۰۰	۸۹	۱	۰۰	۰۰	۲	۰۰	۹۲
ایندھن کے لئے درخت لگے (ایکڑوں میں)	۰۰	۸۸	۰۰	۰۰	۰۰	۰۰	۰۰	۰۰	۱	۲۵	۱۱۴
ترقی شدہ ایکھ بوئی گئی	۰۰	۰۰	۱۳۸۳۸	۰۰	۰۰	۰۰	۰۰	۰۰	۰۰	۰۰	۱۳۸۳۸
۳۔ صحت عامہ											
سوکھنے والے گڑھے	۹۴	۲۰۴	۹۴	۷۶۰	۳۸۲	۲۵۴	۹۶۱	۱۱	۱۹۴	[illegible]	۳۵۰۰
روشندان بنے	۲۰۳	۷۴	۱۵۶	۱۳۴	۱۳۲۸	۲۳	۳۸۵	۲۶	۴۲	۳۴۶	۲۷۵۰
کنوئیں صاف ہوئے	۱۹	۱۰۴	۶۰	۳۱	۹۰	۲۵	۹	۱۴۰	۲۵	۳۱	۵۹۰
عام غسلخانے یا گھیرے	۶	۱۰	۲۰	۱۵	۲۶	۵	۱۲	۷	۵	۲۱	۱۳۷
نالیاں بنیں (گزوں میں)	۳۳۶	۱۹۵	۸۲	۲۳	۲۹۳	۲۵۵	۷	۸۲	۹۰	۱۱	۱۳۸۵
مویشیوں کے باڑے آبادی سے دور کئے گئے	۱۱	۱	۴	۶	۱۱۰	۱	۱۴	۰۰	۲۱	۴۴	۲۱۲
گھور صاف ہوئے	۹۲۰	۲۶۲	۷۱۱	۹۷۷	۱۴۱۹	۷۸۲	۱۹۹۱	۸۹۸	۳۴۹	۱۰۲۱	۹۱۱۹
پاخانے بنائے گئے	۴	۰۰	۱	۰۰	۰۰	۱	۰۰	۹۸	۰۰	۱۹	۱۲۰
پیشاب خانے بنائے گئے	۱۱	۸	۳	۱۲	۵۲	۳	۱۳	۱۳۸	۰۰	۰	۲۴۰
کھنڈر ہموار ہوئے	۳۵	۰۰	۵۶	۲۵	۵۴	۸	۰۰	۱۶	۰۰	۰۰	۲۰۴
گڈھے پاٹے گئے	۰۰	۸۸	۰۰	۰۰	۱۴۳	۸۹	۲۵۲	۰۰	۸	۸۰	۶۶۱
راستے صاف ہوئے	۱۵۷	۵۸	۴۵	۹۲	۳۳۳	۱۳۵	۱۹۵	۰۰	۹	۲۹	۱۰۲۳
گاؤں صاف کئے گئے	۸۰	۱۰۲	۷۶	۷۹	۹۸۱	۹۵	۲۰۴	۱۸۱	۵۲	۱۸۰	۱۸۴۷
دوا کے بکس رکھے گئے	۱۴۳	۸۰	۱۵۵	۹۵	۵۷	۵۹	۱۴	۷۰	۳۸	۳۷	۷۱۱

	میرٹھ	آگرہ	روہیلکھنڈ	الہ آباد	بنارس	گورکھپور	جھانسی	کمایوں	لکھنؤ	فیض آباد	میزان
ٹیکے لگے	۹۷۶	۱،۲۰۴	۲،۴۲۲	۱،۲۹۵	۳،۲۶۵	۱،۵۹۷	۱۳۹۸	۲۰۳	۹۵۲	۱۹۸۴	۱۵،۱۹۴
مریضوں کا علاج ہوا	۹۷۶۸	۴۵۰۳	۹۱۲۲	۴۴۹۸	۵۸۲۳	۳۲۸۵	۲۲۸۸	۳۶۹	۲۴۷۲	۱۰۴۴	۴۷،۹۴۴
دائیوں کو ٹریننگ دی گئی۔	۲	۱۵	۳۳	۲۷	۹۷	۸۲	۹	..	..	۱۲۵	۲۹۰
فرسٹ ایڈ کی تعلیم دی گئی	۲۰۳	۱۰۳	..	۹	۹۹	۲۹	۱۹۷	۱۸	۳	۲۴	۷۱۴
زچہ بچہ گھر کھولے گئے	..	..	..	..	۸	..	..	..	..	۱	۹
۴- تعلیم اور اشاعت											
جلسے ہوئے	۵۰۱	۲۳۰	۴۲۶	۲۹۶	۷۴۰	۲۹۴	۳۵۸	۱۹۴	۱۹۲	۲۹۹	۳۵۰۳
نمائشیں	۲	۱۱	۱۰	..	۹	۳	۲	..	..	۱	۳۸
ناٹک	۲۷	۱۵	۴۸	۱۲	۳۰	۸	۱۷	۲۳	۲	..	۱۸۲
بھجن منڈلیاں بنیں	۹	۲۱	۱۰	۲۲	۱۳۳	۱۷	۳۰	۲	۴	۱	۲۴۹
کتاب گھر کھلے	..	۱۳	۱۹	۱۴	..	۲۰	..	۵	۱۴	۱۵	۱۰۰
کلب کھولے گئے	۹	..	۱	..	۱۵۹۵	..	..	..	..	..	۱۶۰۵
اسکول											
لڑکوں کے لئے	۱۰۷	۸۰	۵۱	۱۱۱	۲۶۸	۴۸	..	۲۲	۷۲	۱۳۲	۸۷۱
لڑکیوں کے لئے	۱۱	۶	۲	۶	۱۴	۱۴	۵	۱	۴	۱۲	۷۶
سیوا دل بنے	۱۰	۳۳	۸	۲۷	۱۲۳	۲۲	۳۱	۳	۲	۱	۲۶۱
اسکاوٹوں اور رضاکاروں کو ٹریننگ دی گئی	۸۱	۳۳۵	۱۰۷	۲۲	۱۲۶	۱۹۹	۳۱	۲۷	۲۹	۱۵۰	۱۱۰۷
ٹورنامنٹ اور کھیل	..	..	۱۲	۱۰	۷۳	۶	۴۰	..	..	۱	۱۴۹
ریڈیو لگائے گئے	..	..	..	..	۱	..	..	..	..	..	۱
۵- متفرق کام											
پنچایت گھر	..	۶	..	۳	۸	..	۲	۲	..	۱۱	۳۲
نمونہ گھر	..	۸	۲	۲	۱۹۹	..	۷	۴	..	۵	۲۲۸
صنعتوں کی تعلیم دی گئی	۳۲	۴۰	۱۷۸	۲	۱۰۲	۲۲۵	۲۵	۷۲	۴۰	۸	۷۲۴
دستکاریوں کے آلات جاری کئے گئے	..	..	۱۴	۷	۷۷	۲۴۶	۵	۱۸	..	..	۳۶۷

کچھ اِدھر اُدھر کی

حکومت صوبۂ متحدہ کا نیا بجٹ

گذشتہ ۲۴ فروری کو آنریبل پنڈت گووند ولبھ پنت نے حکومت یوپی کا ۳۹-۱۹۳۸ء کے نئے سال کا بجٹ اسمبلی میں پیش کرتے ہوئے جو تقریر فرمائی اس کا خلاصہ یہ ہے۔

نئے سال میں ۱۲،۲۱،۴۴،۹۸۷ کی آمدنی اور ۱۲،۲۲،۹۹،۳۰۲ کے خرچ کا اندازہ کیا گیا ہے۔ اس طرح اس سال ۲،۷۷،۹۲،۴۳۵ روپئے کا خسارہ ہوگا۔ خسارہ دراصل ۴۳۵، ۳۰،۹۹،۵۴ کا ہوتا لیکن پٹرول کی فروخت پر ۲ آنہ فی گیلن لگنے والے ٹیکس کی آمدنی کا ۸ لاکھ روپیہ آمدنی میں شامل کرلیا گیا ہے اس وجہ سے خسارہ کی رقم میں ۸ لاکھ کی کمی ہوگئی ہے۔ اس کے علاوہ ایک دوسرے ٹیکس سے ۲۰ لاکھ کی آمدنی ہوگی اور اس صورت میں صرف ساٹھ لاکھ روپئے کا خسارہ رہ جائے گا اور اس خسارہ کے لئے بھی وزیر اعظم کو یہ اُمید ہے کہ وہ سال کے اختتام تک اسے پورا کرلیں گے۔

غریبوں کی امداد میں خرچ

جناب وزیر اعظم نے فرمایا:۔ قریب قریب کل خرچ جو کہ گذشتہ سال اور اس سال ہوا ہے جو ۳۹-۱۹۳۸ء کے کچھ خرچوں سے قریب ایک کروڑ اور ۵۳ لاکھ روپیہ زیادہ ہوا ہے غریبوں کی امداد اور عوام کی معاشرتی زندگی کو پستی سے اُٹھانے میں لگایا گیا ہے۔ ہم لوگوں نے یہ طے کرلیا ہے کہ عوام کی حالت کی اصلاح کرینگے اور انھیں زیادہ خوشحال اور صاف ستھرا بنائیں گے۔ ہم چاہتے ہیں کہ عوام کی غریبی، جہالت اور بیماری دور کرنے کے لئے سب طرف سے ایک ساتھ کوشش کریں۔ ہم لوگ قانون کے ذریعے زمین پر مالکانہ حقوق کے مسئلے کو بھی حل کر رہے ہیں تاکہ کاشتکاروں کو زیادہ حفاظت اور آزادی حاصل ہو ہم اُمید کرتے ہیں کہ کسانوں کو بےخوف بنانے کی ہماری آرزو پوری ہوگی اور کسان ایسے ہوجائیں گے جن پر ہمارا ملک فخر کرسکے۔

قانون کے ذریعے اور دیگر قسم کی ہماری متعدد اسکیمیں ہیں جنمیں کھیتوں کی چک بندی، جس کے لئے قانون جاری کیا جارہا ہے، کھیتوں کی اشتراک والی اسکیم جاری کرنا اور اوسر زمینوں کو سدھارنے کی باتیں شامل ہیں۔ گرام سدھار کے کاموں کو بڑھانے کی غرض سے ایک گرام سدھار سے متعلق بل پیش کیا جائیگا اور کسانوں کی قرض داری کو دور کرنے کے لئے بھی ایک بل پیش ہوگا۔ ۵۰ ہزار روپئے ایک کوآپریٹو بینک کھولنے کے لئے رکھے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ متعدد زراعت کے متعلق انتظام کیا گیا ہے جس میں بیج اور زیادہ گوداموں کا رکھنا، زراعتی کالجوں میں اور زیادہ طالب علموں کو تعلیم دلانا، مظاہروں کے کھیتوں کا سامان مہیا کرنا، کسانوں کو کھیتی کے آلات دینا۔ پھلوں کی پیداوار کی ترقی، جلانے کی لکڑی کے لئے درختوں کے لگانے اور مویشیوں کے لئے چارے بونے کا انتظام کرنا، مویشیوں کی اصلاح کا انتظام کرنا، دودھ مکھن وغیرہ کی تجارت میں اصلاح کرنا اور کرگے کی صنعت کو ترقی دینا ہے۔

گرام سدھار اسکیم میں دوا کے متعلق امدادوں، ذرائع آمدرفت میں ترقی میں اور پانی فراہم کرنے کے لئے انتظام کیا گیا ہے۔ ۱۰ لاکھ روپیہ تعلیم بالغان اور توسیع تعلیم کے لئے رکھا گیا ہے۔ سڑکوں اور پلوں کے بنانے کی اسکیم میں جو ۳ یا ۴ سال میں پوری ہوگی ۲ کروڑ روپئے خرچ ہوں گے اور اس کے لئے اس سال ۲۰ لاکھ روپئے رکھے گئے ہیں۔

سرکاری سڑکوں کی وسعت اور استعمال میں آسانی پہنچانے اور پابندی کے لئے بھی ایک بل جلد ہی پیش کیا جانے والا ہے۔ نشہ آور اشیاء کے قطعی بند کرنے کے پروگرام کو

آگے بڑھانے کے لئے حکومت نے یہ طے کیا ہے کہ بدایوں فرخ آباد بجنور اور جونپور میں نشیلی چیزیں بند کرنے کے پروگرام میں شامل کیا جائے۔ باقی ضلعوں میں بھی نشیلی چیزوں کی دوکانیں ۲۰ فیصدی اور توڑدی جائیں گی نشیلی چیزوں کی فروخت کا انتظام کچھ صنعتی علاقوں میں سرکاری طور پر کئے جانے کا طریقہ جاری کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ طریقہ موثر ثابت ہوا ہے اور چرس کی پھٹکر فروخت میں فی تولہ ۴ آنہ قیمت بڑھادی جائے گی۔ آبکاری سے حکومت کو ہونے والی آمدنی اس سال اور زیادہ گھٹ گئی ہے۔ پار سال اس سے حکومت کو ۰۰۰،۰۰۰،۱ ۵۲ روپئے کی آمدنی ہوئی تھی لیکن اس سال یہ اور بھی گھٹ کر ۰۰۰،۰۰۰،۱ ۵ روپیہ رہ گئی ہے۔

حکومت نے بنیادی تعلیم کی اسکیم منظور کرلی ہے اور اس کے لئے فیاضانہ امداد دیگئی ہے۔ جیلوں کی اصلاح کی طرف بھی حکومت خاص توجہ کر رہی ہے اور ساتھ ہی جرائم پیشہ طبقے کی اصلاح کی جانب بھی۔ کم تنخواہ پانے والے پست طبقے کے سرکاری ملازموں کی حالت سدھارنے کا بھی حکومت نے تہیہ کرلیا ہے۔ ان لوگوں کی تنخواہیں بڑھائی جائیں گی، چھٹی اور پنشن دینے کا انتظام کیا جائیگا اور تنخواہ کے اسکیل جاری کئے جائیں گے۔ جیلوں کے وارڈروں اور پولیس کانسٹبلوں کی تنخواہ کم از کم ۱۵ - ۲۰ کردی جائے گی۔

وزیر اعظم نے یہ اعلان کیا کہ پولیس کی از سر نو تنظیم کی جائے گی۔ محکمۂ عدل وانصاف کے کام الگ الگ کر دیئے جائیں گے۔ نہر شاردا مشرقی ضلعوں میں بھی لیجائی جائے گی اور ٹیوب ویلوں کا طریقہ رائج کیا جائے گا۔ ممبران اسمبلی کے قیام گاہوں کے بڑھانے کا بھی انتظام کیا جائے گا۔

۴۰-۱۹۳۹ء کے دوسرے حصے میں نئے اخراجات کی مدوں کی طویل فہرست دی گئی ہے۔ ان مدوں کی کل رقم ۵۴ لاکھ روپیہ ہوتی ہے جس میں سے ۳۹ لاکھ روپئے مستقل خرچ کے لئے ہونگے اور ۱۵ لاکھ روپئے غیر مستقل خرچ کے لئے۔ یہ خرچ اس طرح ہونگے۔ ۱۲ لاکھ روپئے کم تنخواہ پانے والے ملازموں کی تنخواہ بڑھانے کے لئے ۲۵ ہزار روپئے محکمۂ عدل وانصاف کے کام علیحدہ کرنے کے لئے۔ ۱۸،۳۵۰ روپئے جیلوں کی اصلاح کے لئے ۶۵ ہزار روپئے پست اقوام کو وظیفے دینے کے لئے ۷۵ ہزار روپئے ہندو یونیورسٹی کو دینے کے لئے ۲۵ ہزار روپئے نسوانی تعلیم کے لئے، ایک لاکھ روپئے دواؤں کی فراہمی میں آسانی کے لئے۔ ۲ ہزار روپئے بنارس میں امپرومنٹ ٹرسٹ قائم کرنے کے لئے ۷۵ ہزار روپئے کھیتوں کی چک بندی کے لئے ۵۰ ہزار روپئے ادسر زمینوں کی اصلاح کے لئے ایک لاکھ روپئے شیشے کی صنعت کی ترقی کے لئے ۶۰ ہزار روپئے گڑ کی تجارت کی ترقی کے لئے ۲۵ ہزار روپئے چھاتے کی موٹھ بنانے کی صنعت کے لئے، ۴۰ ہزار روپئے نوجوانوں کو نئی صنعتیں سکھانے کے لئے ۱۴،۶۰۰ روپئے اون کی تجارت کی ترقی کے لئے ۱۵ ہزار روپئے پھلوں کی پیداوار کی ترقی، ان کی حفاظت، استعمال اور فروختگی کے انتظام کے لئے؛ ۲۱،۵۸۱ روپئے کی تجارت میں اصلاح کے لئے ۲۸۱،۴۳۵ روپئے ضلعوں میں اصلاح صحت سے تعلق اسکیمیں بڑھانے کے لئے، ۷۲ ہزار روپئے پرانی انجمنوں کو امداد دینے کے لئے ۵۰۰، ۷ روپئے شہتیروں کے درخت لگانے کے لئے ۴۴،۲۸۲ روپئے کونین خریدنے اور تقسیم کرنے کے لئے اور ۴۰ ہزار روپئے چمڑے کی صنعت کی ترقی کے لئے۔

گرام سدھار ٹریننگ کیمپ مینی (الہ آباد) میں ہندو مسلم اتحاد کی لہر

(از جناب جگنناتھ پرشاد مشر انچارج)

"نئی" کے جنوری نمبر میں اس کیمپ کی تنظیم پر روشنی ڈالی گئی تھی اور قارئین کو یہ بتلانے کی کوشش کی گئی تھی کہ یہاں پر ہمارا کل کام اجتماعی طور پر امداد باہمی کے اصولوں کے مطابق ہوتا ہے۔ ہمارا اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، کھانا پینا، ہنسنا رونا، کھیلنا کودنا، گانا بجانا، لکھنا پڑھنا اور خریدنا وغیرہ ایک ساتھ ملکر ہوتا ہے۔ کیونکہ انھیں اصولوں کی اشاعت اور عمل ہمیں دیہاتوں

میں کراتا ہے۔ موجودہ کلاس ۱۳ جنوری ۱۹۳۹ء سے شروع ہوا دوسرے ہی روز سے مختلف مقاصد والی سوسائٹی ہمارے درمیان قائم ہوگئی اور ہماری روزمرہ زندگی پر روشنی ڈالنے لگی اس بار کل پچاس پڑھنے والے اور تین پڑھانے والے یہاں پر مقیم ہیں۔ ۱۴ چھپیس چھوٹے بڑے کمرے ہمارے قبضے میں ہیں۔ ان سب کو ہم نے ایک گاؤں مان لیا ہے جس کی آبادی تقریباً ساٹھ آدمیوں پر مشتمل ہے۔ اس گاؤں کا نام ستی پور، یا اتحاد گنج، رکھا گیا ہے۔ گرام سدھار کی موجودہ اسکیم کے مطابق ہماری اتحاد گنج کی مختلف اغراض والی سوسائٹی اس گاؤں کو ہر طرح سے ایک بہترین گاؤں بنانے کی کوشش کر رہی ہے جسے دیکھ کر قریب کے گاؤں بھی اپنی ترقی کے لئے سبق حاصل کر سکیں۔

یوں تو اس کیمپ میں صبح پانچ بجے سے لیکر ۱۰ بجے رات تک روزانہ چہل پہل رہتی ہے اور چشمۂ زندگی رواں رہتا ہے مگر گذشتہ ہفتہ سے اس چشمے نے تیز روانی کی شکل اختیار کر لی ہے۔

گذشتہ ۱ فروری کو شوراتری کے دن پنڈت گورکھ ناتھ چوبے ایم۔ اے۔ نے ہمارے کیمپ کا اچھی طرح معائنہ فرمایا آپ کی نصیحتوں سے گرام سیوکوں کے دل بہت متاثر ہوئے یہاں کا ماحول دیکھ کر انھیں بڑی مسرت ہوئی جیسا کہ انھوں نے اپنے معائنے میں تحریر فرمایا۔ آپ کے جانے کے ۳ روز بعد گزشتہ ۲۰ فروری کو صوبے کی گرام سدھار اسکیم کی روح آچاریہ شری جگل کشور ایم۔ ایل۔ اے۔ پارلیمنٹری سکریٹری بغیر کسی اطلاع کے تشریف لائے۔ اس روز تعطیل تھی اور سب لوگ اپنے اپنے ذاتی کاموں میں مشغول تھے۔ آپ کے پہنچتے ہی کیمپ میں ایک قسم کی جان سی آگئی۔ کیمپ کا سارا پروگرام انھیں سمجھا دیا گیا۔ اور عملی کام جو ہو رہے ہیں وہ خود انھوں نے ملاحظہ فرمائے۔ روانگی کے قبل آپ نے ہم لوگوں کی توجہ اپنے فرائض کی طرف دلاتے ہوئے۔ مدبرانہ اور اثر انگیز نصیحتیں کیں۔ حالانکہ وقت بہت کم تھا مگر آپ نے کوزہ میں دریا بھر دیا۔ ہمارا اندازہ ہے کہ کیمپ کے حالات دیکھ کر آچاریہ جی کافی مطمئن ہو کر گئے۔

ملک کی بدنصیبی سے کچھ برسوں سے ہر جگہ فرقہ وارانہ اور قومی جھگڑے بڑھتے جا رہے ہیں اور ہمارے مسئلے مضبوطی سے الجھتے جا رہے ہیں تعجب تو یہ ہے کہ جس سرزمین پر صدیاں تک میل کر کے متحد ہو کر دنیا کو نجات دلانے کا سبق ہم کو دیا ہی ہیں وہاں پر بھی اکثر ایسے جھگڑے ہوا کرتے ہیں۔ یہ شہر ان بدنصیب شہروں میں سے ایک ہے جہاں معمولی معمولی باتوں پر ہم حیوانوں کی سی حرکتیں کر کے دنیا کے سامنے اپنی جہالت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اگر غور و خوض سے سائنس دیکھا جائے کہ ہر ایک مذہب کے بنیادی اصول ایک ہی ہیں مگر ان سے واقف نہ ہونے کے باعث ہم لوگ تیوہاروں کی خوشی کو منحوسیت میں بدل دیتے ہیں۔ اسی بات کا خیال رکھتے ہوئے آئندہ ہولی و محرم قریب آتے دیکھ کر ہماری پنچایت نے کل میلاد شریف کا اہتمام کیا۔ خوش نصیبی سے محکمۂ گرام سدھار کے جناب عبدالحی صاحب و پنڈت مہابیر پرشاد شکل بھی پہنچ گئے تھے۔ کل شام کا کام شروع ہونے سے پہلے جناب عباسی نے محکمہ گرام سدھار نے اب تک جو کام کئے ہیں یا جو کرنے جا رہا ہے نیز گرام سدھار کے کارکنوں کو ان کے فرائض بڑی خوبی و جوش کے ساتھ سمجھائے۔ یہاں کی بود و باش اور کام دیکھ کر وہ بہت خوش تھے جیسا کہ انھوں نے یہاں کئی بار خود اظہار فرمایا۔

ہماری خوش قسمتی سے کل کے ہمارے اس نئے طرز کے جلسے میں وعظ دینے کے لئے مولانا شاہد فاخری صاحب تشریف لے آئے تھے۔ مولانا موصوف کی قابلیت خوش خلقی اور حب الوطنی سے شہر کے ہر طبقہ کے لوگ واقف ہیں۔ آپ کے ساتھ شہر کے کئی مسلم حضرات اور بھی تشریف لائے تھے۔ کئی مقامی حضرات بھی اس موقع پر موجود تھے روزانہ ہونے والی "تعریف ہند" پر حضرت اقبال کی مشہور نظم "سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا" اجتماعی طور سے

پڑھی گئی۔ اس کے بعد ۷ بجے سے میلاد شروع ہوئی۔ عباسی صاحب نے مختصراً میلاد شریف کے معنی، اس کے بار بار منانے کا مقصد اور جو تعلیم حضرت محمد صلعم کی زندگی سے ملتی ہیں۔ خوبصورتی کے ساتھ سمجھایا۔ اس کے بعد ہمارے خاص مہمان مولانا صاحب نے حضرت محمد صلعم کی زندگی کے واقعات پر بڑی ہی خوبصورتی اور فاضلانہ طور پر ایسی زبان میں تقریر فرمائی کہ سننے والوں کے دلوں میں اس کا جادو کا سا اثر ہوا آپ نے بتلایا کہ غریبوں سے ہمدردی، بے انصافوں کا مقابلہ، مظلوموں کی پاسداری اور کسانوں کی خدمت کا بہت اچھا سبق ہمیں آنحضرت کی زندگی سے ملتا ہے۔ آپ نے تمام ہندو مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے پرزور الفاظ میں فرمایا کہ آنحضرت جیسی پاکیزہ ہستیاں کسی ایک خاص قوم کی چیزیں نہیں ہیں۔ اسلام کے خاص خاص بنیادی اصولوں پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ قرآن شریف میں صاف صاف لکھا ہے کہ ایک سچے مسلمان کو ہر ایک مذہب کی عزت کرنی چاہئے۔ آخر میں آپ نے دونوں قوموں سے میل کی اپیل کی اس کے بعد ہمارے کیمپ کے لوگوں نے معزز مہمانوں کو اکثر کیمپ میں ہونے والے گرام سدھار، ہندو مسلم اتحاد وغیرہ سے متعلق گیت سنائے۔ جسے سن کر سبھی لوگ متاثر ہوئے۔ جب تک آپ حضرات یہاں پر موجود رہے اس وقت تک ایک عجیب چہل پہل رہی اور اس طرح ہمارا پروگرام ختم ہوا اور ہمارے ہفتہ کا بھی بخیر خوبی خاتمہ ہوا۔

صوبائی گرام سدھار کانفرنس میں منظور تجویزیں

ضلع گرام سدھار ایسوسی ایشنوں کے چیرمینوں کی کانفرنس گذشتہ ۱۱-۱۲ فروری کو کانسل ہاوس (لکھنؤ) کے کمرہ نمبر ۸ میں ہوئی۔ اس میں حسب ذیل تجویزیں پاس ہوئیں۔

۱- یہ طے ہوا کہ دوسری کانفرنس لکھنؤ میں ہو۔

۲- یہ طے ہوا کہ کام کو جاری کرنے کے لئے حسب ذیل ممبروں کی ایک کمیٹی بنائی جائے (۱) مسٹر یوسف امام چیرمین (۲) سردار جوگیندر سنگھ ممبر اور (۳) شری گوپی ناتھ شری واستو، سکریٹری۔

۳- طے ہوا کہ یہ کانفرنس حکومت سے سفارش کرتی ہے کہ اصلاح کے متعلق دوسرے محکموں کے کام مثلاً زراعت صحت، تعلیم، ویٹرنری، جنگل، پنچایت، نہر، گھریلو صنعتیں وغیرہ گرام سدھار، اصلاحی حلقوں میں اور دوسری جگہ بھی گرام سدھار ایسوسی ایشن کی رائے اور اس کی نگہداشت میں چلائی جائیں تاکہ کام ٹھیک سے ہو اور فضول خرچ نہ ہو۔

۴- کانفرنس کو افسوس ہے کہ ان ڈپٹی کلکٹروں کا کام جو اپنے ضلعوں کے گرام سدھار ایسوسی ایشنوں کے سکریٹری ہیں کچھ ہلکا نہیں کیا گیا۔ اس سے وہ اطمینان کے ساتھ اپنے کام انجام نہ دے سکے۔ اسلئے یہ کانفرنس جناب وزیر گرام سدھار سے درخواست کرتی ہے کہ وہ اپنے ڈپٹی کلکٹروں کے سرکاری کام جتنے کم کرسکیں کردیں تاکہ وہ گرام سدھار کے کام میں کافی وقت صرف کرسکیں۔

اس کانفرنس کی رائے ہے کہ ایسوسی ایشن کے سکریٹری کے انتخاب میں چیرمینوں کا بھی ہاتھ رہے۔

۵- طے ہوا کہ گرام سدھار کے وزیر سے درخواست کی جائے کہ ایسوسی ایشن کے آزادانہ خرچ کرنے کی رقم بڑھا دیں۔ اور دوسری مدوں کے خرچ میں بھی ایسوسی ایشن کے مختلف شعبوں کو آزادی دیں۔

۶- طے ہوا کہ گرام سدھار افیسر صاحب سے درخواست کی جائے کہ وہ سب ضلعوں کے ایسوسی ایشنوں کے پاس ایک گشتی چٹھی بھیجکر مقامی میلوں کی فہرست تیار کرائیں اور ان میں تحریک گرام سدھار، کھلے دنگل اور بڑے بڑے جلسے کرائیں نیز یہ بھی طے ہوا کہ گرام سدھار افیسر صاحب سے درخواست کیجائے کہ وہ فی میلہ ۲۵ روپئے سے ۵۰ روپئے کے خرچ کی منظوری دیں۔

۷- محکمۂ زراعت اور محکمۂ توسیع تعلیم کی اسکیم کے مطابق تقرری میں ضلع گرام سدھار کے حکام کی رائے نہیں لی گئی ہے اس وجہ سے گرام سدھار کے آنریری کارکنوں

کی حق تلفی ہوئی اس لئے طے ہوا کہ آئندہ جب ایسی جگہیں خالی ہو تو حکام گرام سدھار کی بھی رائے لیجائے۔

۸۔ طے ہوا کہ گرام سدھار کے کارکنوں کو اچھا پراسپکٹ دیا جائے اور انھیں میعاد کی طرف سے اطمینان دلایا جائے تاکہ وہ اچھے کام کر سکیں۔ اور اپنی قابلیت کے مطابق محکمہ کے اندر انھیں ترقی کرنے کا حق ہو۔ انکی ملازمت سرکاری ملازمت بھی جائے اور انکی سالانہ ترقی ہو۔

۹۔ اس کانفرنس نے یہ محسوس کیا ہے کہ حقیقی اور موثر کام اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک عوام کی مالی حالت سدھارنے کے لئے مستقل اور منظم کوشش نہیں کیجاتی اس لئے یہ کانفرنس حکومت سے سفارش کرتی ہے کہ وہ خاص اور قابل حضرات کی رائے لیکر گھریلو صنعتوں کی اسکیم تیار کرے اگر ضروری ہو تو ایک مقررہ وقت کے اندر ٹھوس نتیجہ دکھانے کے لئے ایک بڑی رقم قرض دے۔ کانفرنس کی یہ بھی رائے ہے کہ جب تک کوئی اسکیم نہ بنجائے تب تک سنٹروں میں جہاں تک ممکن ہو سکے کھادی کی اشاعت کا کام شروع کر دیا جائے اور ہر ضلع میں کھادی کے لئے خاص تقرر کیا جائے اور اس کے لئے مناسب نرخ مقرر کر دیا جائے۔

۱۰۔ کانفرنس کی رائے میں گرام سدھار کا کام ٹھیک سے کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ پنچایت اور گرام سدھار کا قانون جلد سے جلد پاس کر دیا جائے۔

۱۱۔ اس کانفرنس کی رائے ہے کہ دفتر کا موجودہ عملہ ناکافی ہے اسلئے انسپکٹر کو جو زیادہ کام کر سکتا ہے، دفتر میں لگا رہنا پڑتا ہے۔ اس لئے یہ کانفرنس سفارش کرتی ہے کہ اکاونٹنٹ اور کلرک کا جو اسٹینوگرافی جانتا ہو تقرر کیا جائے اور ایک چپراسی بھی مقرر کیا جائے۔

۱۲۔ یہ کانفرنس سفارش کرتی ہے کہ پرانی اور جدید اسکیم ملا کر ایک کر دی جائے۔

۱۳۔ یہ کانفرنس حکومت سے سفارش کرتی ہے کہ وہ سب ضلعوں کے افسروں کو ہدایت کرے کہ وہ سبھی سرکاری اور نیم سرکاری ملازموں اور سول اور ملٹری پنشنروں اور دوسرے شخصوں یا انجمنوں پر حکومت سے کبھی نہ کسی صورت میں مدد پاتے ہیں زور دے کہ وہ گرام سدھار کے کام میں تعاون کریں اور خود ایک بہترین دیہاتی بنیں اور ان کا یہ کام حکومت کی نظر میں ایک خوبی سمجھا جائے۔

۱۴۔ یہ کانفرنس سفارش کرتی ہے کہ جناب وزیر مال سے یہ درخواست کیجائے کہ وہ چھوٹے کاشتکاروں کے حق میں چک بندی کے لئے جلد سے جلد کارروائی کریں کیونکہ اسکے بغیر زراعت کی کوئی ٹھوس ترقی نہیں ہو سکتی۔

۱۵۔ یہ کانفرنس سفارش کرتی ہے کہ حکومت سے درخواست کیجائے کہ وہ گرام سدھار کے چیرمین کو اگریکلچرل فارم اینڈ وائزری کمیٹی، ٹریفک کنٹرول کمیٹی اور ڈسٹرکٹ کینال اینڈ وائزری کمیٹی میں ایک آفیسر کے طور پر نامزد کریں۔

۱۶۔ یہ کانفرنس حکومت سے سفارش کرتی ہے کہ گاؤں میں مویشیوں کے چرانے اور چارے کی مانگیں پورا کرنے کے لئے حسب ذیل کارروائی کریں۔

(ا) ضلع گرام سدھار ایسوسی ایشنوں کو مدد دی جائے تاکہ وہ چاروں کی اصلاح شدہ فصلوں اور گھاسوں کی کھیتی کو ترقی دیں اور برسات میں بچے ہوئے چارے کی حفاظت کریں تاکہ وہ سردی میں کام دے۔

(ب) چاروں کی فصلوں کے لئے نہروں کے ذریعہ آبپاشی کے موجودہ محصول میں کمی ہو۔

(ج) ہر گاؤں میں چراگاہ کے لئے جو زمین مل سکے اسکا ضلع کے محکمۂ مال کے ملازموں کے ذریعے سروے کرایا جائے اور اسکی اطلاع ضلع ایسوسی ایشن کو دی جائے تاکہ وہ چراگاہ کے لئے ایک اسکیم بنائیں۔

۱۷۔ طے ہوا ہے کہ ضلع ایسوسی ایشن کی ورکنگ کمیٹی کو اختیار دیا جائے کہ وہ جہاں ضروری سمجھے وہاں آنریری جائنٹ سکریٹری مقرر کرے اور سکریٹری کے کام کا کچھ حصہ اُسے

سونپ دے۔

یہ بھی طے ہوا ہے کہ جب آنریری جائنٹ سکریٹری کہیں دورے پر جائیں تو ان کے سفر خرچ دیا جائے۔

۱۸۔ گرام سدھار کے کام میں صوبے کے تمام لوگوں کی دلچسپی پیدا کرنے کے لئے اور انکی خدمات قبول کرنے کی غرض سے یہ کانفرنس زور کے ساتھ حکومت سے سفارش کرتی ہے کہ وہ تمام ضلعوں کے افسروں کے پاس ایک گشتی چٹھی بھیجے کہ وہ کمیٹیوں کا تقرر کرنے اور گاؤں والوں کو اسلحہ دینے میں گرام سدھار ایسوسی ایشن کی ورکنگ کمیٹی کی سفارش کو اہمیت دیں۔

۱۹۔ یہ کانفرنس حکومت سے سفارش کرتی ہے کہ ضلع کمایوں میں جو فاریسٹ پنچائتیں بنی ہیں یا بنیں گی وہ سب گرام سدھار ایسوسی ایشن کے سپرد کر دی جائیں۔

۲۰۔ یہ کانفرنس ملازمان گرام سدھار کی توجہ اس طرف دلاتی ہے کہ وہ دیہاتوں میں کتائی بنائی اور صنعت و ذات کی ترقی کے لئے کھادی پہنیں اور گاؤں والوں کے لئے ایک نظیر پیش کریں۔

۲۱۔ طے ہوا کہ گرام سدھار افیسر سے درخواست کیجائے کہ وہ زراعت، حفظان صحت اور ویٹنری محکمہ کی طرز کے پوسٹر چھپوائیں اور سب آرگنائزروں کے پاس بھیجیں۔

۲۲۔ کانفرنس نے حکومت سے گرام سدھار کے سلسلے میں کچھ اصولوں میں ترمیم و تبدیلی کی سفارش کی۔ مثلاً یہ کہ عام انتظام اور اختیارات ورکنگ کمیٹی کے ہاتھ میں رہیں۔ اور سکریٹری اور عملے انکے ماتحت کام کریں چیرمین اور ورکنگ کمیٹی کے اختیارات پر پابندی رکھنے والی کوئی بات ان قواعد میں نہ سمجھی جائے۔ ملازموں کے تقرر کرنے والے قاعدے میں اصلاح کی سفارش کی گئی۔ اسی طرح ملازموں جرمانے وغیرہ کے قاعدوں میں اصلاح ہوئی ایکٹ ۲۱ میں بھی جس میں ملازموں کو ۱۴ روز کی چھٹی دینے کا ذکر ہے اصلاح ہوئی۔ اسی طرح اور بھی کئی قاعدوں میں حسب ضرورت اصلاح کی گئی۔

۲۳۔ کانفرنس کی رائے ہے کہ بالغوں کی تعلیم کا کوئی باقاعدہ اور یکساں ڈھنگ حکومت نکالے اور خاص جگہوں پر اسکے لئے استاد ٹرینڈ کئے جائیں۔ تاکہ اس کام کے لئے جو مد ہر ضلعوں میں الگ کر دی گئی ہے وہ ٹھیک سے خرچ ہو۔

کچھ اور بھی تجویزیں جو کانفرنس کے سامنے باقاعدہ نہیں پیش کی گئی تھیں ان کے متعلق یہ طے ہوا ہے کہ وہ حکومت کے پاس بھیج دی جائیں وہ یہ ہیں پہلی ضلع چیرمینوں کے ذریعہ کی سڑک کام میں لانے کے متعلق ہے۔ دوسری نہر کے کنارے کنارے پٹری سے ہٹ کر کسانوں کو بیل گاڑی لیجانے کے لئے اجازت دینے کے متعلق ہے اور یہ بھی کہ نہروں کی پٹری کے ساتھ ایسے راستوں کی موقعہ بموقعہ مرمت ہوتی رہے۔ تیسری تجویز میں حکومت سے کچھ ایسے انتظام کرنے کی سفارش ہے کہ جو لوگ آئندہ سرکاری ملازمت میں لئے جائیں انکے بارے میں گرام سدھار کے کام سے واقفیت رکھنا خصوصیت سمجھی جائے چوتھی تجویز صدر دفتر سے گرام سیوکوں کے پاس گشتی چٹھی کا ہندوستانی میں ترجمہ بھیجنے کے بارے میں ہے۔ کیونکہ جو گشتی چٹھی انگریزی میں آتی ہے انھیں ضلع انسپکٹروں کو ہندوستانی میں کرکے گرام سیوکوں کے پاس بھیجنی پڑتی ہے اگر یہ چٹھیاں براہ راست ہندوستانی میں ہوکر آئیں تو بڑی آسانی ہو۔ پانچویں تجویز کا یہ مقصد ہے کہ حتی الامکان مقامی لوگ ہی گرام سیوک مقرر کئے جائیں۔ اور جو لوگ اپنے صرفہ سے ٹریننگ حاصل کریں ان کی منظوری ضلع گرام سدھار کی ورکنگ کمیٹی سے لی جائے۔

تصویروں کا مجموعہ

آگرہ میں ہونے والی اسٹوڈنٹ کانفرنس کے موقعہ پر لیا گیا شریمتی وجیا لکشمی پنڈت کا ایک فوٹو

گرام سدھار نیتی ٹریننگ کیمپ۔ پہلا بیچ درمیان میں شری جگننا تھ پرساد مشر انسپکٹر انچارج کیمپ کرسی پر بیٹھے ہیں۔

کانگریس کی مجلس استقبالیہ کے کچھ کارکن، جنھوں نے کانگریس نگر کی صفائی پر بڑا زور دیا تھا۔ ان کے ہاتھوں کی جھاڑوؤں پر غور کیجئے۔

تریپوری کی وہ پہاڑی جسے کاٹ کر گاندھی جی کا مجسمہ بنایا جانے والا تھا۔ کتنے ہی لوگوں نے اس پہاڑ پر چڑھ کر کانگریس کا اجلاس دیکھا۔

کیلے کی پتیاں زمین چھوڑ رہی ہیں - یہ سنگاپور کے ایک باغیچے میں لگے ہوئے پیڑ کی تصویر ہے -

گھاگھ کی ڈائری

جناب ادیب صاحب

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میری ہی عقل ماری گئی ہے یا سارے گاؤں والوں کی۔ کیونکہ جس کو گاؤں والے سدھا کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں وہ مجھے صاف گدھا نظر آ رہا ہے ابھی حال ہی کی بات ہے کہ مجھے اپنے ایک دوست کے یہاں دعوت میں جانا پڑا۔ انکی لڑکی کی شادی تھی وہ عزت دار دھرماتما اور نیک زمیندار ہیں۔ بارات میں آنے والے ہزاروں مہمانوں کی انھیں خاطر تواضع کرنی تھی۔ مگر وہاں جاکر میں نے دیکھا کہ کچھ سدھار والے انکی بےعزتی کرانے پر تلے ہوئے تھے۔ ایک ایسے موقع پر جبکہ انکے دروازے پر ناچ گانا ہونا چاہئے تھا، تقریباً ۳۰ - ۴۰ مزدور بے دھڑک کھڑے ہوئے "ہائے ہائے" کر رہے تھے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ مزدور بیگار میں پکڑ کر لائے گئے تھے۔ بہتر تو یہ تھا کہ وہ چپ چاپ چلے جاتے مگر نہ معلوم کس نے اور کیسے اُنھیں بہکا دیا کہ کسی شخص کو قانوناً یہ حق نہیں ہے کہ وہ کسی سے بیگار یا مفت میں کام لے وہ آدمی اتنے جوش میں آئے کہ ہائے ہائے کرنے لگے۔ دوست کی بےعزتی کا خیال کرکے میں نے کچھ پیسے دلواکر اُنھیں وہاں سے ہٹوا دیا۔

× × × × × × × × ×

اس واقعہ کا ذکر میں اس لئے کر رہا ہوں کہ اس نئے زمانے میں مزدور، کسان، اور پست قوم والے اس قدر بھگائے جا رہے ہیں کہ زمینداروں، رئیسوں اور باعزت لوگوں کا کوئی خیال ہی نہیں کرتا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر یہی حال رہا یعنی زمیندار لوگ بیگار وغیرہ نہیں لے سکتے تو ہندوستان کی حالت اور بھی کتنی خراب ہو جائیگی۔ میں تو اس کا نتیجہ صاف یہ دیکھتا ہوں کہ ولایت میں ہندوستان کے رئیسوں اور راجاؤں کی جو تھوڑی بہت دھاک بھی ہے اس تحریک سے وہ بھی چوپٹ ہو جائیگی۔ اور جب ولایت میں راجہ اور رئیسوں ہی کی دھاک نہ جمیگی تو عوام ولایت پر کیا دھاک جمائیں گے۔ مان لیجئے کہ امیر اور غریب میں کوئی فرق ہی نہ رہا تو بڑے بڑے آدمیوں کو دعوتیں اور پارٹیاں کون دے گا اور جو سوسائٹی کے مزے ہیں وہ سب کہاں جائینگے لاٹ صاحب، کمشنر صاحب یا کلکٹر صاحب کو پارٹیوں کی جتنی ضرورت ہے اُس سے بھی زیادہ ضرورت آپکے کانگریسی وزیروں کو ہے۔ جب سے کانگریسی حکومت قائم ہوئی ہے آپ حساب لگاکر دیکھ لیجئے کہ کانگریسی وزیروں کو کس نے دعوت دیکر انکی عزت افزائی کی ہے؟ میرا تو یہ خیال ہے کہ اگر اور کسی غرض سے نہیں تو کم از کم کانگریسی وزیروں کی دعوت کرکے انکی شان بڑھانے کے لئے بڑے بڑے زمینداروں کی ضرورت ہے اور زمیندار انکی شان اسی وقت بڑھا سکتے ہیں جب اُنھیں اپنی ریاست میں ہر قسم کی مطلق العنانی کا حق ہو۔

× × × × × ×

اِدھر میں ایک نئی بات اور دیکھ رہا ہوں۔ ابھی تک

صرف پست قوم کے لوگ ہی ہل چلایا کرتے تھے اور شیخ جی پنڈت جی یا لالہ جی ہل کی مٹھیا نہیں پکڑتے تھے۔ لیکن اب تو دیکھتا ہوں کہ سدھار کرنے والے یہ بھی تحریک کرتے ہیں کہ ہل کا چلانا کوئی پاپ نہیں ہے۔ پاپ نہ ہو نہ سہی لیکن بے عزتی تو ہے۔ گھاگھ نے کیا مزے کی بات کہی تھی۔

ستھنا پہنے ہل جوتیں
اور پولا پہنے نرادیں
گھاگھ کہے یہ تینوں بھکوا
سر بوجھا اور گاویں

صاف کپڑے پہننے والے محفل میں بیٹھنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں نہ کہ ہل چلانے کے لئے۔ مگر اب دیکھتا ہوں کہ جنھیں بھگوان نے صاف کپڑے پہننے کو دیئے ہیں وہ بھی سدھار کے جوش میں ہل پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھا رہے ہیں اور اس طرح اپنے بزرگوں کا نام ڈبو رہے ہیں۔ اور مزہ تو یہ ہے کہ اسی کو وہ کہتے ہیں کہ انقلاب ہو رہا ہے۔

× × × × ×

ادھر اخباروں میں بھی کافی سنسنی خیز خبریں پڑھنے میں آئیں۔ سنا کہ ترپوری کانگریس میں کافی ہو ہلّا مچا اور مارپیٹ ہوتے ہوتے بچی۔ راجکوٹ کے بارے میں تو آپ نے سنا ہی ہوگا کہ کافی گڑبڑی مچی ہوئی ہے۔ ادھر یورپ میں انگریز لوگ ہٹلر اور مسولینی سے دبتے ہی چلے آ رہے ہیں۔ مجھکو تو ان سب باتوں کی ایک ہی وجہ معلوم ہوتی ہے اور وہ گھاگھ کے الفاظ میں یوں ہے:-

لڑکا ٹھاکر بوڑھ دیوان
معاملہ بگڑے سانجھ بہان

کانگریس کے صدر یعنی بابو سبھاش چندر بوس ایک طرح سے ابھی لڑکے ہی ہیں اور بیمار ہیں۔ اور بیمار لڑکے سے بھی گیا گزرا ہوتا ہے اور ان کے دیوان یعنی مہاتما گاندھی شاید ۷۰ سال کے ہو رہے ہیں۔ اس لئے یہ مثل کانگریس پر پوری طور سے صادق آ رہی ہے۔ راجکوٹ میں بھی وہاں کے ٹھاکر صاحب کی تصویر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی لڑکے ہی ہیں اور اُن کے دیوان بوڑھے ہیں اور یہی بات ولایت میں بھی ہے۔ یعنی بادشاہ کی عمر کم ہے۔ اور انکے وزیر اعظم چیمبرلین سٹھیائے ہوئے ہیں۔ میرے خیال میں دنیا بھر میں جہاں کہیں بھی گڑبڑی ہے یہ بات ضرور صحیح ثابت ہو رہی ہوگی۔ میں تو جہاں دیکھتا ہوں یعنی راجکوٹ میں جیپور میں، حیدرآباد میں ولایت میں اور کانگریس میں سبھی جگہ یہی بات ہے اور اس لئے سب جگہ کھٹ پٹ مچی ہوئی ہے۔

× × × × ×

شاید اسی بگاڑ ہی کا یہ نتیجہ کہ صوبائی ہندوستان والوں کو صوبائی آزادی مل گئی اور میرے ایسے سکون پسند انسان کو اسکی سزا مل رہی ہے۔ ایک مثال لیجئے یہ آواز اُٹھ رہی ہے کہ گاؤں میں ایک پنچایت گھر کھولنا چاہئے اور گاؤں والوں کو سب کام ملکر کرنا چاہئے۔ کچھ لوگ تو یہاں تک خواب دیکھ رہے ہیں کہ سب گاؤں والے آپس میں چندہ کرکے پاتال توڑ کنواں بنوائیں گے جس سے کھیتوں کی سینچائی ہوگی۔ بڑے بڑے مشین والے ہل منگوائیں گے جن سے کھیتی ہوگی اور ساجھے میں ایک بینک کھول لیں گے۔ جس سے سب کو قرض وغیرہ ملا کرے گا۔ میرا خیال ہے کہ اسی طرح کے خواب دیکھکر گاؤں کے جاہل باشندے یہ سمجھ بیٹھے کہ اب راجہ رئیسوں کا زمانہ گیا اور انکا زمانہ آ رہا ہے۔

× × × × ×

مگر انھیں یاد رکھنا چاہئے کہ :-

کانٹوں بڑا کریل کا
اور بدری کا گھام
سوت بُری ہے چون کی
اور ساجھے کا کام

کیا بات کہی ہے گھاگھ نے
مگر آج کل کے زمانے میں گھاگھ کی کون پوچھے۔

سارے کام پنچایت کے ذریعے، تمام کام اونچے نیچے امیر غریب کے امتیاز کے بغیر ہونے جا رہے ہیں اور کچھ ایسی ہوا چلی ہے کہ نہ کوئی سمجھانے سے سمجھتا ہے اور نہ کوئی ڈرانے سے ڈرتا ہے۔ بڑے بڑے اونچی ذات کے لوگ اب سڑکوں پر جھاڑو لگانے تک سے نہیں جھجکتے۔ مزا یہ ہے اس سب کو سُدھار کہا جاتا ہے۔

× × × × ×

کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ جس طرح گاندھی جی فاقہ کرکے سب سے اپنی بات منوا لیتے ہیں اسی طرح میں بھی فاقہ شروع کر دوں اور اس وقت تک کھانا نہ کھاؤں جب تک گاؤں کے سارے کام میری مرضی کے مطابق پرانے طریقے پر چلنے لگیں۔ آپ کو تعجب ہوگا یہ سُنکر کہ جب میں نے اس بات کی اپنے گھر والوں کو دھمکی دی تو بجائے چونکنے اور ڈرنے کے وہ لوگ میرا مذاق اڑانے لگے۔ اور کہنے لگے کہ تمہارے نہ کھانے سے ہماری بچت ہی ہوگی۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر میں فاقہ کرکے مر جاؤں تو کوئی آنسو بہانے کو بھی میرے گھر نہ آئے گا۔ اور گاؤں سُدھار والے اسی طرح مجھے خوشی خوشی اٹھا کر پھینک آئیں گے جس طرح میرے دروازے کے گھور کو وہ اٹھا کر پھینک چکے ہیں۔ اس لئے سوچتا ہوں کہ اور کچھ کہنے کے بجائے یہ دوہا یاد کرکے چپ ہو جانا ٹھیک ہے:-

رحمن چپ ہی بیٹھئے، دیکھ دنن کے پھیر

(آپکا گھاگھو)

دوڑو، دوستو! دوڑو، زرعی بل پاس ہوجانا چاہتا ہے۔

کام کی کتابیں
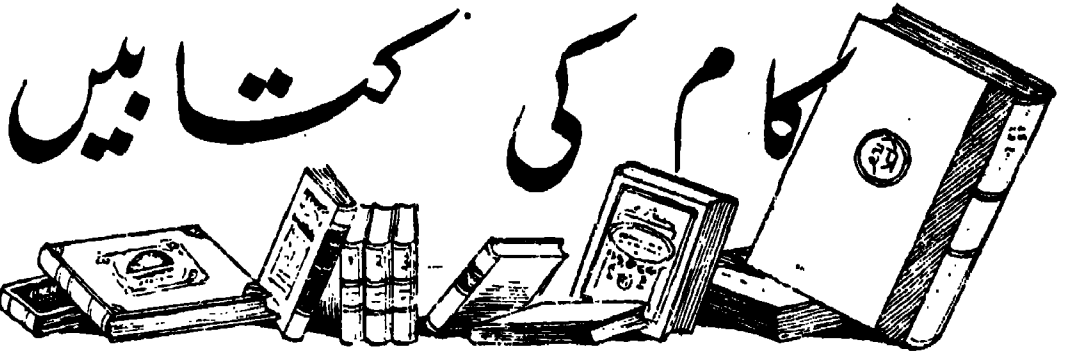
ہندی

گاؤں سدھار کیسے ہو ۔ مصنف : شری رام چند۔ ترویدی ۔ پبلشر : پٹنہ پبلشرس، بانکی پور پٹنہ ضخامت ۱۱۴ صفحات قیمت ۱۲ ر

اس کتاب کے مصنف شری رام چند۔ ترویدی صوبہ بہار کے ایک تجربہ کار کارکن اور ہندی کے اچھے مصنف ہیں زمانہ قدیم میں ہمارے ملک کی کیسی اچھی حالت تھی اس پر آپ نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ پہلے باب میں روشنی ڈالی ہے۔ تعلیم، زراعت، انتخاب، صحت، قرض اور تمثیلی اشیاء وغیرہ گاؤں سے تعلق رکھنے والے مسئلوں پر الگ الگ بابوں میں روشنی ڈالی ہے آخری بات میں آپ لکھتے ہیں :-

ترقی دیہات کی کسی بھی اسکیم کا منشا گاؤں والوں میں جذبہ خود اعتمادی پیدا کرنا ہے ۔ اُنھیں اس قابل بنانا ہے کہ وہ اپنے روز مرہ کے مسئلوں کا حل آپ سوچ سکیں انکی اس غریبی اور ملک کی موجودہ حالت میں بھی اُنھیں اس لائق بنانا ہے کہ وہ سیدھی سادی ہی سہی لیکن انسان کی سی زندگی بسر کر سکیں ۔ اُنکی قوت عمل کچھ ترقی کرے' وہ اپنی ضرورتیں سمجھیں اور زندگی کی ایک صاف اور خوبصورت مثال سے زندگی ڈالکر اپنے حاصل شدہ ذریعوں سے فائدہ اُٹھا سکیں۔

ہم ایسی مفید کتاب لکھنے کیلئے مصنف کو مبارکباد دیتے ہیں

گرام سدھار کی لہر ۔ مصنف، شری پرتھوی سنگھ۔ پرتیمی پبلشر پنڈت امادت شرما وید، پوسٹ پریچھت گڈھ میرٹھ ضخامت ۵۰ صفحات قیمت ۲ر

اس کتاب میں چھوٹی بڑی سبھی ملاکر ۴۰ نظمیں ہیں ۔ یہ نظمیں گرام سدھار سے تعلق رکھنے والے موضوعوں پر لکھی گئی ہیں ۔ فرونگی کمیٹی، امدادی کمیٹی، زچہ خانہ، کھاد، بیج نمونہ گاؤں وغیرہ پر اچھی نظمیں لکھی گئی ہیں ۔ ان میں سے بیشتر نظمیں دیہاتی طرز پر ہیں اور اُنھیں گرام سیوک اور کسان آسانی سے گا سکتے ہیں ۔ نظموں کی زبان بھی آسان ہے ۔ شری پرتھوی سنگھ نے نظمیں لکھنے کا یہ نیا موضوع منتخب کیا ہے اور اس طرح صوبے کے دوسرے شاعروں کو ایک نئی راہ دکھائی ہے اُنھیں اپنی کوششوں میں کافی کامیابی حاصل ہوئی ہے اور ہمیں اُمید ہے کہ اس سلسلے میں وہ اور بھی کامیاب ہونگے۔

اُردو

پیام نسواں (ماہوار رسالہ) مدیرہ محترمہ رالعیہ سلطانہ نگار و شمیم آرا بیگم نجمہ مینجر ایڈیٹر جناب جلیل قائد ضخامت ۴۰ صفحات قیمت سالانہ دو روپیہ فی پرچہ ۳ر پتہ زنجور لکھنؤ یہ ماہوار رسالہ عورتوں کیلئے ابھی حال ہی میں لکھنؤ سے شائع ہونے لگا ہے ۔ رسالہ کا مارچ نمبر ہمیں بغرض تبصرہ موصول ہوا ہے ۔ اسمیں اُردو کے مشہور اور ترقی پسند مصنفوں کے متعدد مضامین ہیں ۔ مضامین کے انتخاب میں اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ اُن سے سبھی لوگوں کی دلچسپی ہو ۔ ۳ صفحوں میں عورت لڑکیوں کیلئے مضمون ہیں تندرستی سے متعلق بھی ایک مضمون ہے ۔ کشیدہ کاری کے بھی اچھے نمونے پیش کئے گئے ہیں بحیثیت مجموعی رسالہ کامیاب ہے اور ادارہ کی کوششیں لائق داد ہم اس رسالہ کا خیر مقدم کرتے ہیں اور اسکی کامیابی کے متمنی ہیں۔

اپنے خیالات

تری پوری کی کانگریس

کانگریس کا باون واں سالانہ اجلاس تری پوری میں بخیریت ختم ہوگیا۔ جن لوگوں نے یہ اُمید کی تھی کہ تریپوری میں کانگریس میں پھوٹ ہو جائیگی انھیں مایوس ہونا پڑا۔ تریپوری کے اجلاس کے پہلے صدر کے چناؤ کو لیکر جو بحث چھڑ گئی تھی اُسکے تذکرہ کی یہاں ضرورت نہیں۔ تریپوری میں جو کچھ ہوا اُسے دیکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر صدر کانگریس بابو سبھاش چندر بوس مہاتما گاندھی کے حکم کے مطابق صدارت کے لئے انتخاب نہ لڑتے تو اور کسی خیال سے نہیں تو کم از کم انکی صحت کو دیکھتے ہوئے انکے لئے بہت اچھا ہوتا۔ جب ڈیلیگیٹوں کو معلوم ہوا کہ کانگریس کو مہاتما گاندھی کی امداد اُس وقت تک حاصل نہ ہوگی جب تک وہ ظاہرا طریقہ پر اسکے لئے تجویز نہ کرینگے تو انھوں نے بہت بڑی کثرت رائے سے اس جلسے کی یوپی کے وزیراعظم آنریبل پنڈت گووند ولبھ پنت کی تجویز پاس کی۔ اس سے یہ ثابت ہوگیا کہ اب بھی ملک کو صرف مہاتما گاندھی ہی کے اصولوں اور اُنھیں کی رہنمائی پر بھروسہ ہے اس موقع پر صدر سوبھاش بابو کے موافقین نے کانگریس کے کھلے اجلاس میں جو خلاف قاعدہ مظاہرہ کیا وہ کسی بھی منظم جماعت یا پارٹی کے لئے باعثِ شرم ہے۔ اُنکے مظاہرے کا یہ نتیجہ ہوا کہ انھوں نے وہاں کے بہت سے شریک ہونے والوں کی ہمدردی بھی کھو دی۔ ان کے اس خلاف قاعدہ اور بے موقع مظاہرے پر پنڈت جواہر لال نہرو نے حاضرین سے یہ اپیل کی کہ سب لوگ اپنی اپنی جگہ پر خاموش بیٹھیں اور دانش سے جو بات کہی جائے وہ سُنیں اور ایک عظیم جماعت کے وقار کو صدمہ نہ پہنچائیں پنڈت جواہر لال جی کی اپیل کا سب پر اثر ہوا اور سبھاش بابو کے تھوڑے سے ناسمجھ موافقین کا بے قاعدہ مظاہرہ ختم ہوگیا۔ یہ اچھا ہی ہوا کہ جو لوگ اپنے کو سوشلسٹ یا کمیونسٹ کہتے ہیں انھوں نے اپنے کو اس پارٹی سے الگ رکھا۔ کوئی بھی سیاسی جماعت جسکے کچھ اصول ہوں اگر وہ غصہ، بدمزاجی اور جوش کا اس طرح غیر ذمہ دارانہ مظاہرہ کرتی ہے اور اپنے آپ کو ایک منظم مجمع میں بدل دیتی ہے تو وہ کبھی کسی حالت میں بھی اپنا وقار قائم نہیں رکھ سکتی۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ سوشلسٹ لیڈروں نے تری پوری میں یہ بات محسوس کی۔ اسے ہم تری پوری کانگریس کی سب سے بڑی کامیابی سمجھتے ہیں۔

سوبھاش بابو پہلے صدر ہیں جنکے استقبال کے ساتھ کانگریس کے اجلاس میں لاپرواہی برتی گئی پنڈت گووند ولبھ پنت کی تجویز پاس ہو جانے سے انکے لئے اب دو ہی راستے ٹھیک ہو سکتے ہیں یعنی یا تو وہ عہدۂ صدارت سے استعفیٰ دیدیں۔ یا گاندھی پارٹی سے پوری طرح تعاون کریں اگر انھوں نے استعفیٰ نہ دیا اور تعاون بھی نہ کیا تو مہاتما گاندھی کی مرضی کے مطابق جو نئی ورکنگ کمیٹی بنے گی اُس میں وہ عہدۂ صدارت پر متمکن ہوتے ہوئے بھی بے عزت اور بے وقار رہیں گے ہمیں اُمید ہے کہ سوبھاش بابو اور دیگر لیڈر اپنے اختلافات بھلا دینگے اور اپنی ساری قوت ملک کو اس روشن مستقبل کی طرف بڑھانے میں لگائینگے جس طرف مہاتما گاندھی اشارہ کر رہے ہیں۔

مہاتما گاندھی کا برت

راجکوٹ کے سلسلہ میں مہاتما گاندھی نے اپنا برت توڑتے وقت جو بیان دیا ہے وہ ہم دوسری جگہ شائع کر رہے ہیں۔ گاندھی جی کے اس فاقہ کو توڑ دینے سے ملک نے ایک بار پھر اطمینان کی سانس لی ہے۔ اب یہ معاملہ ملک کی سب سے بڑی عدالت کے سامنے ہے اور ناظرین کے ہاتھوں میں جب تک 'ہل' کا یہ نمبر ہوگا تب تک وہ فیصلہ بھی ہو چکے گا۔ ہمیں اُمید ہے کہ وہ فیصلہ طرفین کے لئے اطمینان بخش ہوگا۔ مہاتما گاندھی نے کئی بار لکھا تھا کہ اگر ایک بھی سچا ستیہ گرہی ہو تو وہ اکیلے ہی اپنے ستیہ گرہ سے بڑے سے بڑی ناانصافی کو مٹانے کے لئے کافی ہو سکتا ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ راجکوٹ کے معاملہ میں انھوں نے اپنے ذاتی ستیہ گرہ کا استعمال کیا ہے اور ہمیں اُمید ہے کہ انھیں غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ اُنکی اس فتح سے ملک میں ایک بار پھر سے اُمید اور خوشی کی ایک نئی لہر دوڑ گئی ہے۔ ہماری دُعا ہے کہ وہ ابھی طویل عرصہ تک زندہ رہیں اور ملک کی رہنمائی کرتے رہیں۔

اسکاؤٹنگ کی تعلیم

گرام سیوکوں کو اسکاؤٹنگ کی تعلیم دینے کے لئے حکومت نے ۲۰۰۰۰ روپیہ کی امداد دی ہے۔ یہ رقم ۸ اسکاؤٹ ماسٹروں کی تنخواہ وغیرہ میں جو چھ ماہ کے لئے مقرر کئے جائینگے خرچ ہوگی۔ جناب ایم۔ ڈی چترویدی افیسر محکمہ گرام سدھار نے ہندوستان اسکاؤٹ ایسوسی ایشن کے سکریٹری کے نام ایک خط لکھا ہے اور اس میں آرگنائزر بن ٹریننگ کیمپوں کے علاوہ گونڈہ، الموڑہ، سلطانپور، پرتاپگڈھ، جھانسی، نینی تال اور ہردوئی گرام سیوکوں کو اسکاؤٹنگ کی تعلیم دینے کے لئے اسکاؤٹ ماسٹروں کو تقرر کرنے کے لئے کہا ہے۔ ان میں تین آرگنائزر بھی، جو اپنے ضلعوں میں اسکاؤٹنگ کا کام کر رہے ہیں شامل کر دیئے جائینگے اور انھیں ۴۰ روپیہ ماہوار تنخواہ اور ۲۰ روپیہ ماہوار سفر خرچ ملے گا۔ وردی کے لئے حکومت نے کچھ رقم طے نہیں کی اسلئے جب تک اس سلسلے میں کچھ طے نہ ہو جائے تعلیم کے وقت لڑکے سفید کرتا اور دھوتی پہنیں گے۔ یہ لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ اسکاؤٹ ماسٹر مرکزوں میں جا جا کر گرام سیوکوں کو یہ تعلیم دینگے۔

اس سلسلے میں جناب چترویدی صاحب نے اپنے خط میں ہدایت کر دی ہے جو اس طرح ہے۔

۱۔ جسمانی صحت پر خاص توجہ کی جائے۔ افراد کے بھی اور اجتماع کے بھی۔

۲۔ کسرت، اکھاڑوں میں کشتی، ہتھیار چلانا اور جہاں ممکن ہو تیرنے کی تعلیم۔

۳۔ پیر کی قواعد۔

۴۔ لاٹھی، لازم، بانا اور گتکا کی تعلیم۔

۵۔ اکھاڑہ اور جیم خانہ۔

۶۔ جو جتسو۔

۷۔ گرام سیوکوں کی خدمت کے لئے تنظیم۔

۸۔ گاؤں کے راستے صاف کرنے کی تعلیم۔

۹۔ باغبانی کے ذریعے قدرتی خوبصورتی میں دلچسپی۔

۱۰۔ سماجی اور سیاسی کام۔

۱۱۔ فرسٹ ایڈ۔

۱۲۔ کتھا اور میلاد۔

۱۳۔ موسیقی، انفرادی اور اجتماعی۔

۱۴۔ دیہاتی ناچ اور ناٹک۔

۱۵۔ اجتماعی کھیل۔

چترویدی جی نے اکھاڑوں پر خصوصیت کے ساتھ زور دیا ہے اور کہا ہے کہ ہر ایک مرکزوں میں اکھاڑے ضرور کھل جانے چاہئیں اور ان کا انتظام اس طرح ہونا چاہئے کہ گرام سیوکوں میں اپنے اکھاڑے کا فخر ہو اور وہ فرقہ داری سے بالکل دور ہوں۔

آنریبل ڈاکٹر کاٹجو

شری گیانند ساہتیہ رتن، گرام لیکھک جار ز (متھرا) سے لکھتے ہیں:۔

"گذشتہ ۲۷ جنوری کو وزیر گرام سدھار محترمی ڈاکٹر کیلاش ناتھ کاٹجو

گرام سدھار مرکز جارڈ (متھرا) میں آنریبل ڈاکٹر کاٹجو اور آچاریہ جگل کشور کی آمد۔

آنریبل کاٹجو کے ہاتھوں پنچایت گھر کا سنگ بنیاد رکھا جا رہا ہے۔

جارڈ (متھرا) مرکز میں آنریبل ڈاکٹر کاٹجو کا استقبال

نے پارلیمنٹری سکریٹری آچاریہ جگل کشور جی کے ساتھ گرام سدھار کیندر جارؤ (متھرا) کا معائنہ فرمایا۔ اس وقت ہزاروں کسان وہاں جمع تھے اور لوگوں میں بڑا جوش تھا۔

صنعت گھر جارؤ (متھرا) کا ایک منظر

قومی جھنڈے کی سلامی کے بعد آپ حضرات دیہاتی صنعت گھر کا معائنہ فرمانے تشریف لائے جہاں دُھنیا روئی دُھن رہا تھا۔ کوئی کھادی بُن رہا تھا اور کہیں موڑھے دچکیں بنائی جا رہی تھیں۔ ایک طرف ۲۰-۲۵ عورتیں بیٹھی چرخا کات رہی تھیں۔ کاٹجو صاحب نے ان دست کاریوں کے معائنے میں بڑی دلچسپی لی۔ یکے بعد دیگرے سب کو دیکھا۔ چرخا کاتنے والیوں سے آپ نے دریافت کیا: "ایک دن میں کتنا سوت کات لیتی ہو؟ یہ سوت جو تم کات رہی ہو یہ بکتا رہا ہے یا گرام سدھار کھادی بھنڈار کا؟ پچھلے ماہ کتنا سوت کاتا اور کیا مزدوری ملی؟ ایک بڑھیا سے یہ جواب سن کر کہ دو عورتوں کے درمیان ۵ روپئے ملے آپ بہت خوش ہوئے اور ان سب کی حوصلہ افزائی فرمائی۔

اس کے بعد آپ نے جلسے میں تشریف لیجا کر اسٹیج کو اعزاز بخشا۔ نعرہائے مسرت کے درمیان آپ نے بڑی مسرت کے ساتھ پنچایت گھر کا سنگ بنیاد رکھا اور فرمایا:-

"پیارے بھائیو، بہنو! یہاں پنچایت گھر کا سنگ بنیاد رکھا گیا ہے۔ اس کی مجھے بہت خوشی ہے۔ پنچائتیں ملک کی جان ہیں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس پنچایت گھر کے بنانے کے لئے یہاں کے غریب لوگوں نے

جارؤ میں جمع ہوئے کسانوں کے درمیان آنربل ڈاکٹر کاٹجو کی تقریر

چار چار آنٹھ آنٹھ آنے چندہ دیا ہے۔ غریب لوگوں کا یہ پیشہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ سبھی طبقے کے لوگ اس پنچایت گھر کی پیسہ سے اور محنت سے مدد کریں میں اپنے دوست ڈاکٹر مشری ناتھ بھا۔گوپیرمین کی توجہ خاص طور سے اس طرف دلاتا ہوں کہ وہ اس دیہات میں جبکہ یہاں کی مٹی بہت خراب ہے پختہ پنچایت گھر بنانے میں زیادہ سے زیادہ مدد دیں گے۔ یہاں پر میٹھے پانی کا پختہ کنواں بنوانے کے لئے ۳۰۰ روپیہ منظور کرتا ہوں۔ اس میں آپ بھی کچھ اپنے ہاتھوں سے کام کریں۔ انگلینڈ وغیرہ دوسرے ملکوں میں میں نے دیکھا ہے کہ وہاں کے عوام مہینے میں ایک بار خود اپنے ہاتھوں سے کام کرتے ہیں اور اس طرح کسی بھی کام کو ادھورا نہیں چھوڑتے۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ بھی ایسا کریں گے۔ مجھے آپ کی مفلسی دیکھ کر بہت تکلیف ہوتی ہے۔ ہماری کانگریسی حکومت جو قانون بنا رہی ہے اُس سے آپ کا لگان ضرور کچھ کم ہو جائیگا۔ مگر جب تک آپ اپنی گھریلو صنعتوں کو نہیں زندہ کرینگے، آپس کے تنازعات کا پنچایتوں کے ذریعے تصفیہ نہ کریں گے، تعلیم حاصل نہ کریں گے تب تک حقیقی اصلاح ناممکن ہے۔ میں اپنے دورے میں جہاں کہیں بھی گیا ہوں وہاں آبپاشی کے متعلق عام شکایت کی گئی ہے۔ جس سے مجھے بہت دکھ ہوا ہے۔ اگر بھائی جمنا گنگا میں پانی نہیں ہے تو مجبوری ہے۔ ہم خدا نہیں ہیں جو پانی بنا سکیں۔ لیکن اگر پانی ہے تو میں اپنے بھائی حافظ محمد ابراہیم صاحب سے آپ کی تکلیفوں کا ذکر کروں گا اور وہ اس کا مناسب انتظام کرینگے۔ آراضی پل سے بہت فائدہ ہوگا۔

ڈاکٹر صاحب نے آدرش گرام بوہرے کے باس کو اور گرام سدھار کتبخانہ و ہریجنوں کے لئے کھولا جانیوالا مندر بھی ملاحظہ فرمایا۔ اس سفر میں ڈاکٹر صاحب کے استقبال کی تیاری گاؤں والوں نے خوب کی تھی۔ ۱۲ دروازے بنائے گئے تھے اور پھول پتی کی سجاوٹ بھی تھی۔

ایسے پنچایت گھروں کی ہر جگہ ضرورت ہے ہمیں اُمید ہے کہ ہمارے کسان بھی انکی تعمیر میں مصروف ہونگے۔ پنچایت گھر کا نقشہ محکمہ گرام سدھار کے دفتر سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

شہد کی مکھیاں پالنے کی تعلیم

شہد کی مکھیاں پالنا اور اس طرح شہد تیار کرنا ایک اچھی تجارت ہے جسے دیہات والے آسانی سے کر سکتے ہیں اس سلسلے میں دلچسپی رکھنے والے لوگوں کو یہ جان کر خوشی ہوگی محکمہ گاؤں سدھار کی طرف سے جیلی کوٹ (نینی تال) میں شہد کی مکھیوں کو پالنا اور شہد تیار کرنا سکھانے کا ایک اسکول کھولا گیا ہے۔ اور ۲۵ فروری سے اس میں ٹریننگ بھی شروع ہوگئی ہے۔ گذشتہ ۶ فروری کو جناب ایم ڈی چترویدی افیسر محکمہ گاؤں سدھار نے ہر ضلع کے گاؤں سدھار ایسوسی ایشنوں کے سکریٹریوں کے نام ایک گشتی چٹھی بھیجی تھی جس میں موصوف نے اس اسکول کا ذکر کیا تھا اور اس کے قواعد کے متعلق بتایا تھا۔ چترویدی جی نے چٹھی میں یہ فرمایا ہے کہ جو لوگ اس اسکول سے ٹریننگ پاکر نکلیں گے اُن سب کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اُنھیں حکومت ملازمت ضرور دیگی۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ کام ایسا ہے کہ صرف نوکری ہی نہیں بلکہ آزاد تجارت کرنے کی غرض سے بھی سیکھا جا سکتا ہے۔ ہمارے جو تعلیم یافتہ نوجوان بیکار ہیں اُن کے لئے ہم سمجھتے ہیں کہ یہ بہترین موقع ہے۔ اس ٹریننگ کے لئے مندرجہ ذیل ضلعوں سے اس لحاظ سے ٹریننگ پانے والوں کا انتخاب ہوگا۔

المورڑہ ۳	دہرہ دون ۱	سیتاپور ۱۱	براہ راست درخواستیں
گڑھوال ۳	بجنور ۱	لکھنؤ ۱	کے ذریعہ جیلی کوٹ
نینی تال ۳	اعظم گڈھ ۱	گورکھپور ۲	کو ۹
سہارنپور ۱	بریلی ۱	ترائی اور بھاور اسٹیٹ ۳	کل ۳۰

جو لوگ اس سے فائدہ اُٹھانا چاہتے ہیں اُنکی واقفیت کے لئے ہم ذیل میں پورے قواعد درج کر رہے ہیں :۔

موضوع تعلیم

(۱) شہد کی مکھیوں کے پالنے کا اصول (۲) شہد کی مکھیوں کی حفاظت اور اُنکے پالنے کی عملی واقفیت (۳) شہد پیدا کرنے کا قاعدہ (۴) شہد فروخت کرنے کا قاعدہ (۵) شہد دینے والے پھولوں کی تحقیقات اور ان کا امتحان (۶) چھتّے بنانا

میعاد تعلیم

پہلی میعاد ۱۵ فروری سے ۱۴ مئی تک۔
دوسری ” ۲۲ مئی سے ۲۱ اگست ”
تیسری ” ۱ ستمبر سے ۳۰ نومبر تک

قواعد داخلہ

(۱) ہر ایک میعاد تعلیم کے لئے ۳۰ طلبا تک لئے جاسکینگے
(۲) درخواست داخلہ، میعاد تعلیم شروع ہونے سے کم از کم ۱۵ روز پہلے ڈائرکٹر کے پاس آجانی چاہئے۔
(۳) داخلہ کے کیلئے کسی خاص قابلیت کی ضرورت نہیں ہے۔ پھر بھی طلبار کا تعلیم یافتہ ہونا ضروری ہے تاکہ وہ لیکچر سمجھ سکیں اور نوٹ بھی کرسکیں۔ انٹرنس یا اسی قسم کے دوسرے امتحان پاس کرنے والوں کو ترجیح دی جائیگی
(۴) نیک چال چلن کا ایک سرٹیفکٹ دینا ہوگا جس پر یا تو اُس اسکول کے ہیڈ ماسٹر کا دستخط ہو جہاں اُس طالبعلم نے تعلیم پائی ہو یا کسی ایسے معزز شخص کا دستخط ہو جو اُس طالبعلم کی قیامگاہ کے پاس رہتا ہو۔
(۵) ڈائرکٹر کے دفتر سے عرضی فارم منگانے جاسکتے ہیں۔
(۶) پوری مدت تعلیم کے لئے ۱۵ روپئے فیس کی صورت میں دینے ہوں گے۔ اس میں پڑھائی اور رہنے کا خرچ شامل ہے۔ یوپی کے باہر کے طالب علموں کو ہر ایک میعاد تعلیم کے لئے ۴۵ روپئے ہونگے۔ پانچ سے زیادہ بیرونی طالب علم ایک میعاد میں نہ لئے جائینگے۔
(۷) ہوسٹل میں ایک سپرنٹنڈنٹ رہے گا جو قاعدے اور نظم قائم رکھنے کا ذمہ دار ہوگا۔
(۸) ایسے طالب علم نکال دئے جائینگے جو بلا تعطیل کے غیر حاضر رہیں گے۔ یا جنکے کردار سے ڈائرکٹر کو اسکول کے قاعدوں کو توڑنے کا اندیشہ ہوگا۔
(۹) سرکاری چیزوں کو نقصان پہنچانے والوں کو ہرجانہ دینا پڑے گا۔
(۱۰) تعلیم کے بعد ایک امتحان ہوگا اور کامیاب طلبار کو سند دیجائیگی طلبا کی قابلیت کا ذکر کرتے وقت اُنکے زمانۂ تعلیم کے کارناموں پر بھی اظہار خیال کیا جائیگا۔

آر۔ این ۔ متو ڈائرکٹر

قواعد وضوابط سے ناظرین کو یہ معلوم ہوگا کہ طلبار کو ۱۵ روپئے فیس کے علاوہ ۱۰ روپیہ ماہوار اپنی خوراک پر بھی صرف کرنا ہوگا۔ قیام کا انتظام اسکول کی جانب سے ہے لیکن جو طالب علم چاہیں وہ خود یا ایک ساتھ کئی ملکر اسکول کے پاس ہی الگ مکان لیکر رہ سکتے ہیں فیس ہر حالت میں پیشگی دینی ہوگی۔

فی الحال اس اسکیم میں ابھی وہی ضلع شامل کئے گئے ہیں جن میں شہد کی مکھیاں آسانی سے پالی جاسکتی ہیں۔ اس سلسلے میں جو لوگ زیادہ واقفیت حاصل کرنا چاہیں وہ براہ راست ڈائرکٹر جیلی کوٹ، یہیری پوسٹ جیلی کوٹ، نینی تال کو لکھیں۔

موٹر لاریوں کے ذریعے پروپگنڈہ

محکمۂ گرام سدھار نے پروپگینڈے کیلئے تین موٹر لاریاں تیار کرائی ہیں۔ یہ لاریاں دیہاتوں میں جائینگی اور گاؤں سدھار کا پروپگنڈہ کرینگی لاریوں میں میجک لالٹین، سینما لاوڈ اسپیکر اور گاؤں والوں کی دلچسپی کیلئے کچھ نمائش کی چیزیں ہیں کسی کسی میں اچھے گانے والونکا بھی انتظام ہے۔ گاؤں سدھار افسر جناب ایم۔ ڈی چترویدی نے ان لاریوں کے متعلق ہر ایک ضلع کے گاؤں سدھار ایسوسی ایشن کے سکریٹری کے نام ایک گشتی چٹھی بھیجی ہے۔ جس میں انھوں نے یہ بتایا ہے کہ وہ ان گاڑیوں سے اپنے حلقے میں کہاں اور کیسے فائدہ اٹھاسکتے ہیں گشتی چٹھی میں چترویدی جی نے ایک منظور شدہ پروگرام بھی شائع کیا ہے اسکا اقتباس ذیل میں درج کر رہے ہیں تاکہ ناظرین اس پروپگنڈے کی ہمہ گیری کا اندازہ کرسکیں اور اس سے فائدہ بھی اٹھاسکیں۔

(ل)

بلیا	فروری	۱۶	سے	۱۹	
غازیپور	”	۲۰	”	۲۳	
اعظم گڈھ	”	۲۴	”	۲۷	
جونپور		۲۸	”	۳	مارچ
بنارس	مارچ	۴	”	۷	

الہ آباد	مارچ	۴	سے	۱۱
پرتاب گڈھ	"	۱۲	"	۱۵
سلطانپور	"	۱۶	"	۱۹
رائے بریلی	"	۲۰	"	۲۳
فتح پور	"	۲۴	"	۲۰
باندہ	"	۲۸	"	۳۱
حمیر پور	اپریل	۱	"	۴
کانپور	"	۵	"	۱
اناؤ	"	۹	"	۱۲
لکھنؤ واپس	"	۱۳		

(ب)

ہلدوانی	فروری	۱۶	سے	۲۰
بہیڑی	"	۲۱	"	۲۴
مراد آباد	"	۲۵	"	۲۹
[illegible]	مارچ	۱	"	۴
مظفر نگر	"	۵		۹
دہرہ دون	"	۱۰	"	۱۴
سہارنپور		۱۵	"	۱۹
میرٹھ	"	۲۰		
بلند شہر	"	۲۱		۲۵
علیگڈھ	"	۲۶	"	۳۰
بدایوں	"	۳۱	"	اپریل ۳
بریلی	اپریل	۴		
شاہجہان پور	"	۵	سے	۸
سیتاپور	"	۹	"	۱۲
لکھنؤ واپس	"	۱۳		

(س)

بارہ بنکی	فروری	۱۵	سے	۱۸
فیض آباد	"	۱۹	"	۲۳
گونڈہ	"	۲۴	"	۲۷
بہرائچ	"	۲۸	"	مارچ ۳
بستی	مارچ	۴	"	۷
گورکھپور	"	۸	"	۱۵
لکھنؤ واپس	"	۱۷		

فرخ آباد	مارچ	۲۱	سے	۲۵
مین پوری	"	۲۶	"	۳۰
ایٹہ	"	۳	"	۴ اپریل
آگرہ	اپریل	۵	"	۹
جھانسی	"	۱۰	"	۱۶
اورئی	"	۱۷	"	۲۰
اٹاوہ	"	۲۱	"	۲۴
لکھنؤ واپس		۲۶		

دیہاتوں کے راستے

یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ گاؤں کے راستے بہت خراب ہوتے ہیں۔ پختہ سڑکوں کی بہت کمی ہے اور جو کچی سڑکیں ہیں بھی وہ نام ہی نام کو ہیں۔ ان پر بیل گاڑیاں بمشکل چل سکتی ہیں اور راہیوں کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔ اگر گاؤں والے چاہیں تو آپس میں مل کر بہت سے اپنے کچے راستے درست کر سکتے ہیں اور اچھے

راستہ ٹھیک کرنے کا ایک منظر

کام کے بنا سکتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان میں اپنے راستے اچھے بنانے کا شوق ہو۔ اس سلسلے میں بھی افیسر صاحب گاؤں سدھار نے ضلع گاؤں سدھار ایسوسی ایشنوں کے سکریٹریوں کے پاس ایک گشتی مراسلہ ارسال فرمایا ہے۔ ضلعوں کے لوگ کس طرح تحریک کریں یہ بات اُن ہی کے اوپر چھوڑ دی گئی ہے۔ تحریک کے لئے وہ پوسٹروں اور ریل سے کافی فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ ہم اس سلسلے میں ہر ضلعوں کے کارکنوں کی اطلاعات وغیرہ کا خیر مقدم کرتے ہیں۔

اُردو مطبوعات انڈین پریس لمیٹڈ - الہ آباد

ضروری ہدایات (۱) صاحب فرمائش کو اپنا نام اور پتہ خوش خط اور مفصل لکھنا چاہئے (۲) جو کتابیں کسی فرمائش کی بنا پر روانہ ہوں گی وہ کسی صورت میں واپس نہ ہو سکیں گی۔ (۳) بعض کتابیں بہت کم تعداد میں باقی رہ گئی ہیں۔ اسلئے اگر فرمائش میں دیر کی گئی اور وہ کتابیں ختم ہو گئیں تو انکا مہیا کرنا مشکل ہوگا۔ (۴) کتابیں منگا کر ان کو بلا عذر واپس کر دینا ایک قسم کا دھوکا دہی کا جرم ہے۔ اگر کسی وجہ سے مجبوراً ایسا کرنا پڑے تو صرفہ روانگی بھیجدینا چاہئے۔ (۵) چھوٹی قیمت کی فرمائشوں کی تعمیل کرنے میں ہمیں کچھ عذر نہیں مگر مناسب یہ ہے کہ اگر فرمائش ایک روپیہ سے کم کی ہے تو قیمت نقد بھیجدیجائے (۶) اگر آٹھ روز تک آپ کی فرمائش کا جواب نہ ملے تو خیال کر لینا چاہئے کہ ہمیں آپ کا آرڈر نہیں ملا۔ (۷) صرفہ روانگی (پیکنگ و محصول ڈاک وغیرہ) ذمہ خریداران ہوگا (۸) جملہ فرمائشات پتہ ذیل پر روانہ کی جائیں

منیجر صاحب بکڈپو انڈین پریس لمیٹڈ - الہ آباد

رُوح انیس مرحوم

فردوسی ہند میر انیس اعلی اللہ مقامہ کے بہترین مرثیوں، سلاموں اور رباعیوں کا مجموعہ۔ ملک کو سید مسعود حسن صاحب رضوی ادیب ایم اے صدر شعبۂ فارسی و اُردو (لکھنؤ یونیورسٹی) کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ انھوں نے متعدد قلمی نسخوں کے مقابلہ کے بعد اس مجموعہ کو مرتب فرمایا ہے۔ شروع میں ۴۸ صفحات کا مقدمہ ہے جس میں میر انیس مرحوم کے حالات زندگی اور کلام پر مختصر تبصرہ کے علاوہ حضرت امام حسین علیہ الصلاۃ والسلام کی شہادت کا مختصر بیان، مرثیہ اور اشخاص مرثیہ کے تحت میں نہایت ضروری اور قابل قدر معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں۔ آخر میں ۷۰ صفحات میں ضروری فرہنگ اور توضیحی حواشی ہیں۔

کتاب کا یہ حصہ اور بھی زیادہ ضروری ہے۔ شروع میں میر انیس مرحوم کی سہ رنگی تصویر ہے علاوہ ازیں جناب انیس مرحوم کی تحریر، مکان، مدفن اور ایک مجلس کی تصویر دی گئی ہے۔ جلد پر کربلائے معلیٰ کا سنہرا نقشہ ہے۔ دیدہ زیب طباعت، خوبصورت جلد ۶۰۸ صفحات تقطیع کلاں قیمت تین روپئے۔

جذبات بسمل

منشی سکھ دیو پرشاد صاحب سنہا بسمل الہ آبادی کا مجموعہ کلام "کتاب کا نام جذبات بسمل بہت موزوں ہے کیونکہ جذبات ہی مصنف کے کلام کا بہترین امتیاز ہیں۔ زبان کی سادگی اور سلاست ان کے کلام کی دوسری خصوصیت ہے اور کیوں نہ ہو، فن شاعری میں آپ ناخدائے سخن حضرت نوح ناروی مدظلہ کے شاگرد ہیں جو فصیح الملک حضرت داغ دہلوی مرحوم کے بلند پایہ تلامذہ میں ہیں۔"

جناب بسمل زمانہ حال کے مقبول شعرا میں شمار کئے جاتے ہیں۔ زبان کی سادگی کی وجہ سے اُن کا کلام بہت پسند کیا جاتا ہے۔ آجکل جتنے اچھے اُردو رسالے چھپتے ہیں وقتاً فوقتاً بسمل صاحب کے کلام سے مزین ہوتے ہیں۔ شروع کتاب میں آنریبل جسٹس سر عبدالقادر جج ہائی کورٹ لاہور نے مقدمہ تحریر فرمایا ہے۔ ۲۱ تصویروں سے "جذبات بسمل" مزین ہے جس میں زیادہ سہ رنگی تصاویر ہیں اور بعض ہندوستانی فن تصویر کا بہترین نمونہ ہیں۔ لکھائی چھپائی کے متعلق صرف اتنا بتا دینا کافی ہے کہ ایسی نفاست و خوشنمائی سے کوئی کتاب اُردو زبان کی آج تک شایع نہیں ہوئی کوئی کتب خانہ اس کتاب سے خالی نہ ہونا چاہئے۔ قیمت ساڑھے چار روپیہ۔

پیام رُوح

یعنی مجموعہ کلام مسٹر حامد اللہ افسر۔ بی اے مع تقریب

از آنریبل سر شاہ محمد سلیمان صاحب ایم۔ اے ایل ایل۔ ڈی۔ چیف جسٹس الہ آباد ہائی کورٹ و مقدمہ از میاں بشیر احمد صاحب بی۔ اے (آکسن) بیرسٹر ایڈیٹر رسالہ "ہمایوں" لاہور۔

میرے خیال میں ظاہری صورت اور باطنی خوبیوں کے لحاظ سے یہ مجموعہ اس قابل ہے کہ اسے زبان اردو کی بہترین اور پایہ تصنیفات کے ساتھ جگہ دی جائے اس ظاہری و معنوی محاسن پر میں لایق شاعر کو ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں۔ اور امید کرتا ہوں کہ پبلک انھیں وہ داد دے گی جس کے وہ مستحق ہیں۔ (میاں بشیر احمد بی۔ اے (آکسن) بیرسٹر ایڈیٹر ہمایوں لاہور۔)

"اثر کا نام اور کلام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ ان کی شہرت خود ان کی مقبولیت کا ثبوت ہے۔ پیام روح ان کی تمام نظموں اور غزلوں کا مجموعہ ہے اس کی اشاعت سے شاعری میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوگا۔"

(آنریبل سر شاہ محمد سلیمان صاحب ایم۔ اے ایل ایل ڈی۔ چیف جسٹس ہائی کورٹ الہ آباد۔)

کاغذ دبیز لکھائی چھپائی دیدہ زیب۔ چھ ہاف ٹون تصویریں جن میں تین سہ رنگی ہیں اس مجموعہ سے کتب خانہ خالی نہ رہنا چاہئے۔ قیمت صرف تین روپیہ۔

صبح وطن و مضامین چکبست

صبح وطن۔ یعنی مجموعہ نظم پنڈت برج نرائن چکبست لکھنوی (مرحوم) "چکبست کی شاعری کی تحریک کا باعث کبھی تو حب وطن کا جوش ہوتا ہے۔ اور کبھی کوئی گزشتہ یا حال کا تاریخی واقعہ اُن کے طائر خیال کو پرواز میں لاتا ہے۔ کبھی قدرت کے نظارے یا مذہبی رازوں کے انکشافات سے وہ اپنی نظموں کو آراستہ کرنے میں مدد لیتے ہیں اور کبھی انسانی جذبات اور احساس کی سچی تصویریں کھینچ کر عبرت کا سبق دیتے ہیں۔ قومیت کا خیال ان کی شاعری کی ساخت کا جزو اعظم ہے۔ برج نرائن چکبست دور جدید کے صرف ترجمان ہی نہیں بلکہ اس دور کے نمائندوں میں ان کا پایا بہت بلند ہے جس قدر زمانہ گذرتا جائے گا اور اردو شاعری مصنوعی قیود سے آزاد ہوتی جائے گی نیز آزادی کی ہوا میں اس کو نشو و نما پانے کا موقع ملے گا اسی قدر برج نرائن چکبست کی شہرت بتدریج بڑھتی جائے گی اور آیندہ نسلیں اس امر کو تسلیم کر لیں گی کہ وہ دور جدید کے رہنماؤں میں سے ہیں۔

(سر تیج بہادر سپرو)

مضامین چکبست۔ پنڈت برج نرائن چکبست مرحوم بلند پایہ شاعر ہونے کے علاوہ بہترین مضمون نگار بھی تھے انکی وفات کے بعد ان کے مضامین نثر کا مجموعہ بھی شائع کیا گیا ہے۔ اس مجموعہ میں سوانحی، تنقیدی، تاریخی، قومی وغیرہ مضامین ہیں، اور بہت خوب ہیں۔

صبح وطن۔ مجلد۔ قیمت دو روپئے۔

مضامین چکبست۔ مجلد ۳۵۰ صفحات قیمت صرف عہ

یادگار نسیم

یعنی منشی دیاشنکر نسیم کی مشہور و معروف مثنوی گلزار نسیم و انتخاب "دیوان نسیم" مع حواشی و تبصرہ کلام مرتبہ مولوی اصغر حسین صاحب اصغر گونڈوی۔ آنریبل ڈاکٹر سر شاہ محمد سلیمان ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ ڈی، چیف جسٹس الہ آباد ہائی کورٹ تحریر فرماتے ہیں:۔

"یادگار نسیم جو مولوی اصغر صاحب نے تصحیح کے بعد شائع کی ہے مشہور و معروف شاعر نسیم کی مثنوی جسے انھوں نے مصلحتاً نامناسب اشعار کو حذف کرنے کے بعد شائع کیا ہے۔ غزلیات میں سے جن غزلوں کا انتخاب کیا ہے وہ شاعر موصوف کی بہترین غزلیں ہیں۔۔۔۔ حواشی کا بھی اضافہ کیا گیا ہے۔۔۔۔ اس کتاب کا مقدمہ بجائے خود ایک عالمانہ تصنیف ہے۔ مجھے یقین کامل ہے کہ اس کتاب کی قدر کما حقہ ہوگی جو اسکے

شایانِ شان ہے" طباعت دیدہ زیب، خوشنما جلد۔ قیمت دو روپئے

کلام الملوک

یعنی شہزادگانِ دہلی کے کلام کا مجموعہ۔ ایک زمانہ میں قلعۂ دہلی زبانِ اردو کا مرکز تھا۔ یہاں وہ لوگ جمع تھے جو الفاظ کو بہت ہی صحت کے ساتھ بولتے اور برتتے تھے۔ جیسے اور جو روزمرہ صحیح معنی میں استعمال کرتے تھے اور انھیں کی زبان آج صحیح اور مستند سمجھی جاتی ہے۔ شہزادگانِ دہلی کا کلام بھی اسی لحاظ سے قابلِ قدر ہے۔ محاورات و اصطلاحات، روانی، صحتِ زبان، سلسلۂ خیالات، بلند آوازی، نازک خیالی، جوشِ بیان، نشستِ الفاظ اور عمدہ بندش کے علاوہ زبان صاف اور فصیح، تکلف اور ابتذال نام کو نہیں۔ اگر زبان کا خاص رنگ اور شاعری کی اصل حقیقت معلوم کرنا چاہتے ہیں تو اس مجموعہ کو ضرور ملاحظہ فرمائیے۔ قیمت دس آنہ

معراجِ سخن

جناب سید خورشید حسن صاحب عروج مرحوم (متخلص بہ ... دولھا صاحب) نبیرہ خدائے سخن میر انیس اعلی اللہ مقامہ کے تین مرثیوں کا نادر مجموعہ ہے جس کے حسب ذیل مراثی ہیں:-

۱۔ ہے زیورِ عروسِ فصاحت سخن مرا - ۱۱۹ بند

۲۔ خلق میں خلقتِ آدم کا سبب کون ہوا - ۱۴۰ بند

۳۔ صبحِ عاشورِ محرم ہے قیامت کی سحر ۹۵ بند

اس کتاب پر ہندوستانی اکیڈیمی صوبجات متحدہ قابل مصنف کو پانسو روپیہ انعام عطا فرمایا ہے۔ زبان کے فدائیوں کے لئے نادر تحفہ ہے۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ۔

کہانی کیسے لکھنا چاہئے؟

(مرتبہ و مؤلفہ منشی کنھیا لال صاحب ایم اے ایل ایل بی) کہانی کیسے لکھنا چاہئے؟ اس کتاب کا موضوع اس کے نام ہی سے ظاہر ہے مختصر فسانوں کے باب میں ساری باتیں بہت اچھی طرح سمجھائی گئی ہیں مختصر ہونے کے باوجود جامع ہے - ایڈیٹروں، مضمون نگاروں، اور مبتدیوں کو ضرور مطالعہ کرنا چاہئے۔ قیمت آٹھ آنہ۔

بہترین ناول و افسانے

فردوسِ خیال

منشی پریم چند کے گیارہ افسانوں کا مجموعہ منشی پریم چند کے افسانے ہمیشہ اصلاحِ اخلاق و معاشرت پر مبنی ہوتے ہیں، اور ان کا مقصد شریفانہ جذبات مثلاً غیرت حیا خوفِ خدا، شجاعت اور آزادیِ ضمیر وغیرہ کا برانگیختہ کرنا ہوتا ہے۔ غیر ممکن ہے کہ کوئی سمجھدار منشی صاحب موصوف کی تصنیف پڑھے اور آپ کی جادو بیانی اور سحر نگاری کا قائل نہ ہو جائے اگر آپ نے اب تک اس مجموعہ کو ملاحظہ نہیں فرمایا تو آج ہی طلب فرمائے۔ سرورق پر تین رنگ کی نہایت خوبصورت تصویر ہے - ۲۷۳ صفحہ کی کتاب ہے اور قیمت صرف ایک روپیہ -

جلوۂ ایثار

بالاجی کے قومی کارناموں سے ہندوستان کا بچہ بچہ واقف ہے -"جلوۂ ایثار" میں اُن حالات اور واقعات کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جو اس کارنامے کے متحرک ہوئے تھے۔ حالات اور واقعات دلچسپ و دلکش ہونے کے علاوہ حبِ قومی وجودتِ روحانی سے معمور ہیں - اس پر منشی پریم چند صاحب کی جادو نگاری! سونے پہ سہاگا ہے واقعی قابلِ مطالعہ ناول ہے - ۲۳۲ صفحات کی کتاب اور قیمت صرف بارہ آنہ۔

ڈالی کا جوگ

(اور دوسرے افسانے) مسٹر حامد اللہ افسر (میرٹھی) کے گیارہ فسانوں کا مجموعہ۔ یہ تمام فسانے مختلف اوقات میں بعض اُردو جرائد میں شایع ہو کر خلعت قبولیت حاصل کر چکے ہیں۔ ان میں سے بعض اس قدر مقبول ہو گئے ہیں کہ انگریزی، ہندی، اور گجراتی میں بھی ترجمے ہوئے فوٹو بلاک کی چند تصویریں بھی شامل ہیں۔ قیمت ایک روپیہ۔

شاما

مصنفہ پنڈت کشن پرشاد صاحب کول، ممبر سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی (لکھنؤ)

یہ ایک دکھیاری کی درد بھری داستان ہے۔ اقبال کا یہ شعر اس پر صادق ہے۔

محبت کے شرر سے دل سراپا نور ہوتا ہے
ذرا سے بیج سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے

سرورق پر سہ رنگی تصویر اور کتاب کے شروع میں بھی ایک تصویر (فوٹو بلاک) لگائی گئی ہے۔

قیمت ڈیڑھ روپیہ

سادھو اور بیسوا

یعنی دو حرماں نصیبوں کی کایا پلٹ۔ ایک جگ بیتی کہانی
مصنفہ پنڈت کشن پرشاد صاحب کول، ممبر سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی لکھنؤ۔ فرانسیسی اناطول فرانس کے ایک تاریخی ناول "تائیس" کو پڑھنے کے بعد اس کی تصنیف کا خیال پیدا ہوا۔ "سادھو اور بیسوا" میں اُسی خیال کی پیروی اور اسی تصور کی تائید کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو "تائیس" کا امتیازی جوہر ہے۔ اس کے باوجود نہ یہ اُس کا ترجمہ ہے نہ خلاصہ۔ نہایت دلچسپ ناول ہے۔ سرورق پر سہ رنگی تصویر ہے۔ قیمت بارہ آنے۔

"انور"

"شمیم" کے مشہور و معروف مصنف مسٹر فیاض علی ایڈوکیٹ فیض آباد کا دوسرا بے نظیر۔ دلپذیر۔ انقلاب انگیز شاہکار۔ اور ...... زبان اُردو کا بہترین ناول ...... ۵۰۷ صفحے۔ کاغذ۔ کتابت۔ طباعت نہایت عمدہ جلد بہت نفیس۔ ۶ عدد تصویریں بہت ہی دلکش اور خوبصورت ...... قیمت عہ

گھر بیٹھے دنیا کی سیر

کرنے والوں کو "تحفہ سیریز" کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے! اس سلسلہ کی ایک ایک کتاب ایک ایک ملک کے متعلق ہے۔ ملک کی مفید اور کارآمد معلومات ہر کتاب میں بہم پہنچائی گئی ہیں۔ کوئی ضروری بات نظر انداز نہیں کی گئی۔ کتابوں کو زیادہ مفید اور دلچسپ بنانے کے لئے مکالمہ کا طرز اختیار کیا گیا ہے جسکے باعث نوعمر لڑکوں اور لڑکیوں کو ان کے مضامین پر بہت جلد عبور ہو جاتا ہے۔

مندرجہ ذیل کتابیں تیار ہیں۔

(۱) تحفہ جاپان (۲) تحفہ چین
(۳) تحفہ مصر و حبش (۴) تحفہ لندن
(۵) تحفہ فرانس (۶) تحفہ جرمنی
(۷) تحفہ آسٹریلیا (۸) تحفہ فلسطین
(۹) تحفہ امریکہ (۱۰) تحفہ روس

ہر کتاب میں متعدد تصاویر ہیں اور سرورق نہایت خوبصورت۔ قیمت ہر کتاب کی چھ آنے۔

آئی۔ سی۔ ایس

اُردو کے بہترین فسانہ نگار پروفیسر علی عباس حسینی، ایم۔ اے مصنف رفیق تنہائی، سر سید احمد پاشا، وغیرہ کے چودہ انقلاب انگیز افسانوں کا تازہ ترین مجلد دیدہ زیب مجموعہ

قیمت صرف عہ

خدمتِ خلق

(مرتبہ مولوی نیاز محمد خاں صاحب معلم نارمل اسکول الہ آباد) اس کتاب میں خدمت خلق کے عملی طریقے بتائے گئے ہیں جس سے دل پر پورا اثر ہوتا ہے۔ کتاب بہت اچھی اور عجیب وغریب اخلاقی نکات و روحانی لطائف پر مشتمل ہے۔ حکومت صوبجات متحدہ نے اس کتاب پر مؤلف کو انعام بھی عطا فرمایا تھا۔ قیمت صرف بارہ آنہ

بچوں کی دلچسپی

کا لوگ بہت کم خیال کرتے ہیں اور شاید یہی وجہ کہ اردو زبان میں ایسی کتابیں بھی بہت کم ہیں جنھیں بچے دلچسپی اور شوق سے پڑھیں تاہم انڈین پریس لمیٹڈ الہ آباد نے چند کتب خاص طور پر بچوں کے لئے چھاپی ہیں۔ جن کو بچوں کی دلچسپی کا سامان کہا جا سکتا ہے۔

الف بے کا کھلونا

یہ پیاری کتاب ننھے منے بھائی بہنوں کے لئے ہے۔ کھیل ہی کھیل میں وہ حروف تہجی سے آشنا ہو جاتے ہیں۔ ہر حرف کے لئے ایک رنگین تصویر اور ایک شعر ہے۔ زیر، زبر، اور پیش وغیرہ کا بھی خیال رکھا گیا ہے چھپائی رنگین اور بہت صاف۔ ۳۲ عکسی تصویریں۔ اگر آپ کے یہاں کئی بچے ہوں تو متعدد نسخے طلب فرمائیے ورنہ بچے آپس میں لڑیں جھگڑیں گے۔ قیمت صرف تین آنے

انوکھی کہانیاں

یہ کتاب بہت پسند کی گئی ہے گیارہ نصیحت آموز کہانیاں اس میں درج ہیں۔ زبان بہت آسان۔ ممکن نہیں کہ کوئی بچہ اسکو ختم کئے بغیر چھوڑ دے۔ ہر کہانی کے ساتھ ایک تصویر ہے۔ خوبصورت کتاب ہے، بچے اس کو دیکھتے ہی مچل جاتے ہیں۔ سرورق پر تین رنگ کی تصویر ہے۔ قیمت ۴ر آنہ

مفید ایجادات کی کہانی

"یہ منشی پیارے لال صاحب شاکر (میرٹھی) کی قابل قدر تصنیف ہے۔ یہ کتاب اردو میں اپنی وضع کی بالکل انوکھی تصنیف ہے اور مفید معلومات کے لحاظ سے اس قابل ہے کہ ہر شخص کے مطالعہ میں آئے۔ کاغذ، کتابت، طباعت اور سرورق بے انتہا نفیس ہے۔ اس قدر اچھے اہتمام سے بہت کم کتابیں اردو میں چھپی ہیں۔ تشریح مطالب کے لئے جا بجا بے شمار تصاویر دی گئی ہیں"

قیمت علاوہ محصول ڈاک ۲ر

ایسپ کی کہانیاں

ایسپ ایک مشہور حکیم گزرا ہے جو مورخین کے بیان کے مطابق حضرت مسیح سے ۶۰۰ برس قبل پیدا ہوا تھا۔ حکیم ایسپ انسان کی پند و نصیحت کے لئے مختلف قسم کی فرضی حکایات اور کہانیاں بیان کیا کرتا تھا۔ انھیں کہانیوں کی وجہ سے دنیا میں اس کا نام اب تک زندہ ہے۔ اس مجموعہ میں ایسپ کی تین سو کہانیاں یکجا شائع کی گئی ہیں۔ چھیاسی تصویریں بھی شامل کتاب ہیں جن کے باعث یہ مفید کتاب اور زیادہ دلچسپ ہو گئی ہے۔ لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے یہ ایک اچھا تحفہ ہے۔ کتاب مجلد ہے۔ قیمت دو روپے۔

میرے وطن کی کہانی

تاریخ ہند کے کئی خاص اور روشن ابواب طلباء کو اسکولوں میں نہیں پڑھائے جاتے، حالانکہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے ان کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ اس کتاب میں بعض اس قسم کے واقعات نوعمر لڑکوں اور لڑکیوں کے تفریحی مطالعہ کے لئے بیان کئے گئے ہیں بیس ہاف ٹون عکسی تصویریں قیمت ۱ر

شیخ چلی کی کہانیاں

شیخ چلی کا نام آپ نے ضرور سنا ہوگا۔ یہ وہ جاوید ہستی

ہل کے قواعد

ا۔ ہل، ہر ماہ میں ہندی اُردو دونوں زبانوں میں شائع ہوتا ہے۔

۲۔ محصول ڈاک سمیت اس کی سالانہ قیمت چار روپیہ آٹھ آنہ پیشگی ہے۔ ایک نمبر کی قیمت ۶ آنہ ہے۔ ہندوستان کے باہر سالانہ قیمت ۶ روپیہ ۱۲ آنہ ہے۔ ماہ کے شمارے روپیہ آٹھ آنہ ہے۔

۳۔ جن صاحب کو کسی ماہ میں ہل نہ ملے انھیں پہلے اپنے ڈاکخانہ میں دریافت کرنا چاہئے۔ پتہ نہ لگنے پر ڈاکخانہ کے جواب کے ساتھ ہمیں اگلے ماہ کی ۱۵ تاریخ تک لکھنا چاہئے۔

۴۔ خط لکھتے وقت نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہئے ورنہ جواب ملنا مشکل ہوگا۔

۵۔ مضمون، تصویر، تبصرہ کے لئے کتابیں اور تبادلہ کے لئے اخبارات وغیرہ بنام اڈیٹر ہل، انڈین پریس لمیٹڈ الہ آباد بھیجنا چاہئے۔

۶۔ ہل میں صرف دیہاتوں کی دلچسپی اور گاؤں سے تعلق رکھنے والی چیزیں چھپتی ہیں اور اس کی زبان ہندوستانی یعنی آسان اردو یا آسان ہندی ہے۔ ہل کے لئے مضامین بھیجنے والوں کو اس بات کا ضرور خیال رکھنا چاہئے۔

۷۔ کسی مضمون یا نظم کے شائع کرنے یا نہ کرنے اور اُسے واپس کرنے یا نہ کرنے کا اختیار بھی اڈیٹر کو ہے۔ واپس شدہ مضامین کا ڈاک خرچ اور رجسٹری خرچ مضمون نگار کے ذمہ ہوگا۔ بغیر اس کے مضامین نہ واپس ہوں گے۔

۸۔ ناکمل مضامین نہیں شائع ہوتے۔ بلکہ مطابق مضامین ایک یا زیادہ قسطوں میں شائع ہوتے ہیں۔

۹۔ جن مضامین میں تصاویر ہوں گی اُن تصاویر کے بلاک کا جب تک مضمون نگار انتظام نہ کریں گے تب تک وہ مضامین نہ شائع ہوں گے۔ اگر تصاویر حاصل کرنے میں خرچ ضروری ہوگا تو دیا جائے گا۔

ہل کی اُجرت اشتہارات

سرورق کا دوسرا صفحہ	۴۵	روپیہ ماہوار
" " تیسرا صفحہ	۴۰	" "
" " چوتھا صفحہ	۸۰	" "
مضامین کے اختتام کے سامنے کا صفحہ ..	۳۵	" "
" " " کا ایک کالم ..	۱۸	" "
سرورق کے دوسرے صفحہ کے سامنے والا صفحہ	۳۵	" "
" " " " ایک کالم ..	۱۰	" "
سرورق کے تیسرے صفحہ کے سامنے والا صفحہ ..	۳۸	" "
" " " " ایک کالم	۱۸	" "
رنگین تصویر کے سامنے والا صفحہ	۴۸	" "
" " " ایک کالم ..	۱۸	" "

عام اُجرت

ایک صفحہ یا دو کالم کی اُجرت	۳۰	روپیہ ماہوار
½ " یا ۱ کالم "	۱۶	" "
¼ " یا ½ کالم "	۹	" "
⅛ " یا ¼ کالم "	۵	" "

۱۔ ہل میں خراب مذاق اشتہارات نہیں شائع ہوتے لہٰذا گندے اور عریاں اشتہار نہ بھیجئے۔

۲۔ ایک کالم یا اس سے زیادہ اشتہار دینے والے کو ہل بلا قیمت بھیجا جاتا ہے۔

۳۔ اُجرت اشتہارات جو اوپر درج کی گئی ہے مکمل (۱۲ اشاعت) ہے۔ اس سے کم کے لئے خط و کتابت کرنی ضروری ہے۔

۴۔ پیشگی قیمت کے بغیر [illegible] اشتہار چھاپا نہ ہوگا۔ اشتہار نہ چھپا سکنے پر اصل رقم واپس کر دی جائے گی۔

[illegible]

منیجر ہل شعبہ اشتہار

انڈین پریس لمیٹڈ الہ آباد

علم قدرت کی تعلیم

رائے صاحب ڈی - این مکرجی - سکریٹری
یو - پی ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ بورڈ
قیمت ۱۲ آنہ

ادبی افسانہ

محسن محی الدین عباسی
قیمت ایک روپیہ ۴ آنہ

مختصر تاریخ اردو ادب

سید اعجاز حسین اعجاز ایم - اے لکچرر
شعبہ اردو الہ آباد یونیورسٹی مصنف
آئینہ معرفت وغیرہ قیمت دو روپیہ ۸ آنہ

نذر احباب

جناب مولوی شیخ مہدی حسین صاحب
ایم - اے ناصری لکھنوی قیمت دو روپیہ

دنیا کی سچی کہانیاں

حصہ ۱، ۲، ۳، ۴
علیم الدین نیرنگ ہاشمی قیمت ۸ آنہ

ثمرۂ تجارت

منشی پیارے لال صاحب شاکر (میرٹھی)
قیمت ۶ آنہ

یورپ کے سیارہ

مولوی سید ظفر حسن صاحب امروہوی
فاضل و منشی فاضل ہیڈ مولوی ہارکرہائی
اسکول مظفر نگر قیمت ۶ آنہ

مونگے کا جزیرہ

منشی پیارے لال صاحب شاکر (میرٹھی)
قیمت ۱۲ آنہ

بالشتیوں کی سرزمین

منشی پیارے لال صاحب شاکر (میرٹھی)
قیمت ۱۰ آنہ

آئینہ قدرت

سید وقار عظیم صاحب ایم - اے
قیمت ۶ آنہ

اچھوتی کہانیاں

سید وقار عظیم صاحب ایم - اے
قیمت ۶ آنہ

افسانۂ ادب

سید وقار عظیم صاحب ایم - اے
قیمت ۶ آنہ

انوار حیات

سید وقار عظیم صاحب ایم - اے
قیمت ۶ آنہ

ایک [illegible] ۱۲

من [illegible]

فی [illegible]

سنت رام بی - [illegible]

نصیحت بھری کہانیاں

سنت رام بی - اے قیمت ۸

منیجر بکڈپو انڈین پریس لمیٹیڈ الہ آباد

Regd. No. A-3285

بازار میں سودا بیچنے والوں کا بڑی دیر باہر جانے کا خیال کر رہا ہے

باہتمام پی - مترا پرنٹر انڈین پریس لمیٹڈ الہ آباد نے چھپوا کر شایع کیا

مئی سنہ ۱۹۳۶ء

ہل

جلد ۱ نمبر ۲ — دانشپور ماہوار رسالہ — مئی سنہ ۱۹۳۶ء

فہرست مضامین

ہل

یو پی گورنمنٹ کے محکمہ گاؤں سدھار کا خاص رسالہ

مئی ۱۹۳۹ء باتصویر ماہوار رسالہ نمبر ۶

بورڈ آف ایڈیٹرس

ایڈیٹر

شری ناتھ سنگھ

باہتمام

انڈین پریس لمیٹڈ الہ آباد

۱۹۳۹ء

سالانہ قیمت ؏ ایک پرچہ ۶ر

باتصویر ماہوار رسالہ

مئی ۱۹۳۹ء نمبر ۶ جلد ۱

کھلیان!

(از جناب سید اعظم حسین صاحب محکم)

اُمیدوں کی آشاؤں کی جان ہے — یہ کھلیان ہے میرا کھلیان ہے
کمائی ہے اک فصل بھر کی دھری — مری محنتوں کی یہ پہچان ہے
وہ جیٹھ اور بیساکھ کی گرمیاں — وہ لُو جیسے جلتا ہوا بان ہے
مرا کھیت کو گوڑنا جوتنا — پسینے میں تر جان ہلکان ہے
وہ دن بھر کی محنت پسینے کے ساتھ — میدان ہاں اک میدان ہے
ہوئی کم نہ ہمت ذرا بھی مگر — نہ دیکھا کہ جی کچھ پریشان ہے

کسانی میں لاکھوں جو دکھ تھے اُٹھائے — بھر اس کے پھل سے یہ میدان ہے
جدھر دیکھئے اس طرف ہے اناج — بہت پیٹ بھرنے کا سامان ہے
کھڑے کاروباری ہیں بیوپار کو — اُدھار اور سود ان کا بھی دھیان ہے
ہر اک پوچھتا ہے کہ کے من ہوئے — غریبوں کی بھی آج اک شان ہے
خوشی سے یہاں ملتے ہیں سب کسان — یہ کیا عید ملنے کا میدان ہے ؟
یہاں آتے رہتے ہیں درشن کو لوگ — کسی دیوتا کا یہ استھان ہے

نہ استھان ہے اور نہ ہے عید گاہ
یہ کھلیان ہے پیارا کھلیان ہے

(حقیقت)

غریب کا دِل

(از جناب پنڈت رام نریش ترپاٹھی)

آج کل کے تعلیم یافتہ لوگ دیہات والوں کو قطعی گنوار سمجھتے ہیں اور اگر ان سے نفرت نہیں کرتے تو اُن کی طرف سے لاپرواہی تو ضرور برتتے ہیں۔ وہ موجودہ طرز کی پوشاک پہننا نہیں جانتے۔ وہ شہری آداب سے بھی ناواقف ہوتے ہیں۔ چکنی چپڑی اور دوسرے دارز بان ہی میں بول سکتے اور وہ گندے، کاہل اور بھولے بھی ہوتے ہیں۔ لیکن کیا اُن میں انسانیت کا بھی فقدان ہوتا ہے ؟ کم از کم میرا تجربہ تو اس کے بالکل برعکس ہے۔ مجھے دیہاتوں میں گھومنے کا بہت موقع ملا ہے۔ میں دیہاتیوں کے ساتھ رہا بھی کافی ہوں اس لئے میں ذمّہ داری کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ دیہاتی لوگ شہری چال ڈھال آداب معاشرت میں خواہ بالکل کورے ثابت ہوں لیکن انسانیت کا جوہر اُن میں کسی بھی مہذّب کہے جانے والے شخص سے کم نہیں ہوتا۔

یہاں میں ایک سچا واقعہ ناظرین کو سناتا ہوں جس سے میرے قول کی صداقت ظاہر ہوگی۔ میری پیدائش ضلع جونپور کے ایک گاؤں میں ہوئی تھی۔ دیہاتی اسکول کی پڑھائی کے بعد میں شہر میں پڑھنے گیا اور اُس وقت سے شہر ہی کا ہو رہا۔ اس وجہ سے میرے گاؤں اور اُس کے آس پاس کے لوگوں سے میری جان پہچان بہت کم ہے۔

پندرہ سال سے زیادہ عرصہ ہوا میرے چچا زاد بھائی کی شادی تھی۔ برات ایک دوسرے گاؤں میں گئی تھی میں بھی برات میں شامل تھا۔ برہمنوں کی برات میں شور غل اور بدانتظامی کا تو کہنا ہی کیا ؟ تھوڑے سے لوگ جو دولہا کے قریبی رشتہ دار ہوتے ہیں اُن کی تو کچھ سنی جاتی ہے۔ باقی دوسرے براتیوں کو تو دوپہر کا کھانا شام کو اور شام کا کھانا رات کو ۲ بجے تک کھلایا جائے تو بھگوان کی بڑی مہربانی سمجھنی چاہئے۔

شادی کے دوسرے روز دوپہر کے ۲ بجے ہونگے میں جنوا سے اٹھ کر کسی کام کو باہر نکلا تو ایک غریب کو نیم کے درخت کے نیچے اُداس منہ بیٹھے ہوئے دیکھا۔ میں اُس کے پاس ٹھہر گیا اور چلتے چلتے یونہی بلاوجہ اُس سے پوچھ لیا "کیوں جی تم سست کیوں بیٹھے ہو؟"

اُس نے بہت گری ہوئی آواز میں کہا "صبح سے ابتک پانی نہیں پیا"۔

میں نے کہا۔ "کیا کچھ کھانے کو نہیں ملا؟"

اُس نے کہا۔ "چبینا بٹا تھا، میرے پہنچتے پہنچتے وہ ختم ہوگیا۔ بانٹنے والے مہاراج مجھے، بیٹے کے لئے گھر لے بھیتے گئے پھر لوٹے ہی نہیں۔ بھوک بہت لگی ہے مجھ سے بولا نہیں جاتا"۔

میرے ساتھ ایک نائی گیا تھا۔ وہ میری ضرورت کے لئے ستو، چبینا اور گڑ اور رسوئی کا سامان الگ باندھ کر رکھے ہوئے تھا۔ میں نے لوٹ کر نائی سے کہا کہ وہ کھانے پر کا پورا سامان اُس آدمی کو دیدے۔

نائی نے اسے ستو اور گڑ دیا جسے اُس نے جلدی جلدی سان کر کھا لیا۔ پھر شام کے لئے اُسے آٹا دال بھی میں نے دلا دیا تاکہ اُسے پھر کسی مہاراج کی راہ نہ دیکھنی پڑے۔

یہ ایک معمولی سی بات تھی۔ میں نے اچھی طرح اس آدمی کو پہچانا بھی نہیں اور اُسے گڑ، ستو اور آٹا، دال دلانے کی بات تو بھول ہی گیا۔

اس واقعے کے کئی سال بعد میرے بھائی کی لڑکی کی شادی ہوئی، برات آئی اور گھر میں شور غل شروع ہوا۔ رات بھر برات کی دھوم دھام رہی۔ کھانا، پینا، دوڑ دھوپ، یہ لاؤ، وہ لاؤ، چلتا رہا۔ ایک آدمی کو جو ۵۰ سال سے زیادہ عمر کا نہایت بدصورت، دُبلا پتلا، کالا اور لمبا تھا، شام ہی سے کنوئیں سے پانی بھر بھر کر دوڑ کر دیتے ہوئے دیکھا۔ دوسرے روز بڑے سویرے

سے پھر وہی آدمی موجود تھا اور بالٹی و گلاس بھر بھر کر پانی دے رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ جتنے آدمی کام کاج میں لگے تھے سب سے زیادہ محنت وہی کر رہا تھا۔
گیارہ بجے کے قریب پانی کا کام کچھ کم ہُوا تو میں نے دیکھا کہ وہ آدمی گھر کے باہر ایک جگہ اداس بیٹھا ہے۔ میں کسی کام سے گزرا تو یوں ہی پوچھ لیا۔ کچھ کھایا پیا ہے؟

اُس نے کہا۔ نہیں۔

میں نے پوچھا۔ کھانے میں تو ابھی کچھ دیر ہے تم نے کچھ پانی بھی نہیں پیا کیا؟

اُس نے کہا۔ نہیں۔

میری بےچینی بڑھی میں نے پھر پوچھا۔ رات میں کھانا کھایا تھا؟

اُس نے کہا۔ نہیں۔

مَیں نے پوچھا کیوں؟ سب لوگ جب کھانے اُٹھے تو تم کیوں نہیں اُٹھے؟

اُس نے کہا کسی نے کہا نہیں۔

میں نے پوچھا۔ تم کون ہو کس نے تم کو کام میں لگایا ہے؟

مَیں سمجھا تھا اُسے میرے گھر کے کسی آدمی نے کام کاج کے لئے بُلا لیا ہے۔ اور اُس کی لاپروائی سے اِسے رات میں کھانا نہیں ملا۔

اُس نے کہا۔ مجھے کسی نے کام میں نہیں لگایا۔ مَیں اپنی خوشی سے کام کر رہا ہوں۔

اب میرا اشتیاق اور بڑھا۔ کیونکہ گاؤں والوں میں اپنی خوشی سے کام میں ہاتھ بٹانے کی عادت کم ہوتی ہے اور خصوصاً مزدوروں میں کیونکہ وہ مزدوری پر آتے ہیں اور بلائے جانے ہی پر آتے ہیں۔ میرے لئے تو یہ

دیہات کا ایک باسی

پہلا ہی موقع تھا جب میں نے ایک مزدور جیسے انسان کو بلا بلائے اپنی خوشی سے پرائے گھر میں رات دن کام میں مصروف دیکھا۔ اس لئے میں اُس کی طرف اور بھی متوجہ ہوا اور دریافت کرنے لگا۔ تم اپنی خوشی سے کام کرنے لگے ہو تو اپنی خوشی سے کھانے پر بھی کیوں نہیں بیٹھ گئے؟

اُس نے کہا۔ بلا جان پہچان کا آدمی سمجھ کر کوئی اُٹھا دیتا تو؟

دیہاتوں میں کتنے ہی ایسے لوگ ملتے ہیں جنھیں دن بھر سخت محنت کرنے پر بھی پیٹ بھر کھانا نہیں ملتا

میں نے پوچھا - صبح سب کو لائی چنے اور گڑ بٹتا تم نے کیوں نہیں لیا؟

اُس نے کہا - مجھے کسی نے دیا ہی نہیں اور لحاظ کی وجہ سے میں نے مانگا نہیں۔

غریب! اور کھانا لینے و مانگنے میں لحاظ - اس معمولی سی بات تھی جس کام سے جڑا تھا وہ تو بھول گیا اور اس کی الجھن میں پھنس گیا - میں نے پوچھا - آخر تم ہو کون؟ اور اپنی خوشی سے کیوں کام میں لگے ہو؟

اب اُس نے کھل کر کہا - بھیا آپ نے کئی برس ہوئے رام رتن (میرے چچا زاد بھائی) کی برات میں جب میں بہت بھوکا بیٹھا تھا تو پوچھ کر مجھے کھانے کو دلایا تھا۔ تبھی میں نے ٹھان لیا تھا کہ آپ کے کوئی کام پڑے گا تو میں اُس میں اپنی خوشی سے آ کر کام کر دوں گا۔

میں تو حیرت زدہ ہو کر اُس غریب کا منہ دیکھنے لگا۔ اتنا بڑا دل اس غریب کے پاس ہے۔ ایک معمولی سے احسان کا عوض دینے کے لئے یہ ساری رات بلا کھائے اور دوپہر تک بغیر ایک گھونٹ پانی پئے اتنی محبت سے کام میں مشغول ہے۔ اُس کا جذبۂ تشکر سے بھرا دل کوئلے میں ہیرے کی طرح چمکتا ہوا مجھے دکھائی دیا۔

میں سوچنے لگا - یہ حیثیت میں غریب ہے۔ مگر انسانیت میں ہزاروں رئیسوں سے بڑھ کر ہے - کسی رئیس کی جی جان سے خدمت کیجئے مگر وہ خوبیوں کی تو کم مگر غلطیوں کو ہزاروں بار یاد کرے گا۔ برات کی پرانی بات آج مجھے یاد آئی۔ مگر اسے تو اس وقت تھا اور آج ہے - اس کو جتنا ستایا گیا اور اُس نے جتنی فراخ دلی اور پاروائی سے اُسے برداشت کیا کیا کوئی زمیندار یا تعلقہ دار کر سکتا ہے؟ میں متعدد ایسے رئیسوں کو جانتا ہوں جو اس وقت سب مجھے یاد آنے لگے جو کسی کی معمولی سے معمولی غلطی سے ایسا ایک خطرناک نتیجہ اخذ کر لینے میں ہی اپنا بڑاپن سمجھتے ہیں - اس غریب نے تو آج اُن سب کو جیت لیا۔

خوشی سے میری آنکھیں بھر آئیں اور مجھے اپنی قوم پر فخر بھی ہونے لگا جس میں ایک غریب دیہاتی کے پاس ایسا قیمتی دل ہے جو مہذب کہے جانے والے سماج میں ملنا مشکل ہے۔

اُس کا نام گومتی تھا اور وہ ذات کا ملّاح تھا۔

جموئے کے درخت (میرٹھ) ۔ بد جانے کے لئے چھٹی کٹائی

جنگل ہمارے لئے کیوں ضروری ہیں؟

(از جناب ایس۔ ایس۔ نیگی۔ بی۔ ایف۔ ایس، ڈیولپمنٹ آفیسر فاریسٹ یو۔ پی)

ہم پچھلے شماروں میں ایک مضمون اور ہمارے کے درخت لگانے کی ضرورت پر آپ کا مضمون ... شائع کر چکے ہیں۔ اس مضمون میں آپ نے جنگل اور انسان کا تعلق صوبہ متحدہ کے جنگلوں کی تاریخ اور ان کے نام وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔

تہذیب کے عروج کے قبل زمین کا بیشتر حصہ گھنے جنگلوں سے ڈھکا تھا۔ اس وقت انسان جنگلوں میں گھومتے اور ان میں پائی جانے والی چیزوں پر زندگی گذارتے تھے۔ اس وقت جنگل ہی ان کا گھر تھا اور جنگل درخت ہی ان کے دیوتا تھے۔ لیکن آہستہ آہستہ انسان جھنڈوں میں رہنے لگے اور رفتہ رفتہ وہ کھیتی اور چرائی بھی کرنے لگے۔ اس کے لئے انھوں نے جنگلوں کو کاٹنا اور صاف کرنا شروع کیا۔ اس طرح جنگل کاٹنے کا کام آج سے تقریباً ۱۰ ہزار سال پہلے شروع ہوا اور وہ آج تک جاری ہے

یہ کام سب جگہ ایک ساتھ نہیں شروع ہوا۔ جہاں جہاں تہذیب نے قدم رکھے وہاں سے جنگل کاٹے جانے لگے۔ اس طرح ۲ ہزار سال پہلے برطانیہ اور جرمنی کے جنگل پورے محفوظ تھے مگر روم اور یونان وغیرہ مہذب ملکوں کے جنگل کاٹ ڈالے گئے تھے اور اس جگہ کھیتی اور چرائی کے میدان نما رہے تھے۔ شام اور بیبیلن جیسے مہذب ملکوں میں بہت پہلے ہی جنگل قطعی برباد کر دئے گئے تھے اور اس کے بعد یہ ملک بھی برباد ہو گئے تھے۔

اودھ میں جلانے کے لئے ڈھاک کے درخت لگائے گئے ہیں

حالانکہ تہذیب کے ساتھ جنگلوں کے کاٹے جانے کا کام بھی جاری رہا۔ مگر آج سے تقریباً ۱۰ سال پہلے جرمنی اور فرانس نے یہ تسلیم کیا ہے کہ موجودہ تہذیب جنگلوں پر ہی منحصر ہے کیونکہ لوگ ان میں پیدا ہونے والی چیزوں کا رات دن استعمال کرتے ہیں اگر ہم غور سے مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ نیویارک، لندن اور پیرس جیسے بڑے بڑے شہروں کے باشندوں کی زندگی جنگلوں پر اسی طرح منحصر ہے جس طرح افریقہ اور بورنیوں کی جنگلی قوموں کی۔

ہم مذکورہ بالا مختصر تذکرے میں یہ بات ظاہر کر چکے ہیں کہ انسان کی آمد سے پہلے تقریباً سبھی جگہ گھنے جنگل تھے اور تہذیب کی وسعت کے ساتھ وہ کٹتے گئے۔ موجودہ تہذیب جنگل کی پیداواروں پر منحصر ہے۔ لہٰذا ہمیں ہر ایک ملک میں جنگلوں کے لئے تھوڑی سی زمین ضرور علیحدہ کر دینی چاہئے۔ اس سے بہت فائدہ ہوگا۔

اس سلسلے میں بہت کم شبہ ہو سکتا ہے کہ یو۔پی کے بیشتر حصوں میں جنگل پھیلے تھے۔ وید، رامائن، مہابھارت اور قدیم کتابوں میں گھنے اور اندھیرے جنگلوں کا ذکر آیا ہے جو گنگا کے میدانوں میں پھیلے تھے۔ اب اس میدان میں کھیتی ہوتی ہے اور ہزاروں میل تک جنگل نہیں پائے جاتے۔ اسی سے تقریباً ۰۰ ۹ سال پہلے آنے والے چینی سیاحوں نے بھی میلوں تک پھیلے ہوئے گھنے جنگلوں کا کئی بار ذکر کیا ہے۔ گذشتہ سولھویں صدی میں بابر جمنا کے کنارے کے جنگلوں میں چیتے اور دیگر جنگلی درندوں کا شکار کیا کرتا تھا۔ وہی رقبہ اب بھوڑ کی صورت میں ہے اور وہاں کٹیلی جھاڑیاں اگتی ہیں۔

ہندوستان میں مختلف نسلوں اور طاقتوں کے عروج

کوبر کی تعداد کے اُپلے بنائے گئے ہیں۔

اور زوال کے ساتھ جنگل کے رقبے کا گھٹاؤ بڑھاؤ ہوتا گیا ضرورت پڑنے پر کھیتی کرنے کے لئے جنگل کاٹ ڈالے جاتے تھے۔ جنگ، امراض متعدی اور قحط کے باعث آبادی گھٹ جانے سے جنگل بڑھنے پاتے ہیں۔ ہندوستان میں انگریزی حکومت کے قیام کے بعد سے اس ملک کی آبادی بڑھتی ہی گئی۔ کھیتی کے اوزار گھر بنانے کی لکڑی، ریلوے کے نئے کاٹھ کی پٹریاں وغیرہ چیزوں کے لئے لکڑی کی ضرورت ہونے پر جنگل کاٹے جانے لگے۔ انیسویں صدی آدھی ہی گزری تھی کہ بیشتر قدیم جنگل کاٹ ڈالے گئے۔ صرف ترائی صوبوں کے جنگل بچے رہے۔ صوبہ متحدہ کے جنگل ہمالیہ اور سوالک کے نیچے تنگ پٹی میں دہرہ دون سے شاردا ندی تک اور کھیری وگورکھپور کے میدانوں میں منتشر قطاروں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جھانسی، باندا اور مرزاپور ضلعوں کے تھوڑے سے رقبے میں بھی جنگل پائے جاتے ہیں۔ باقی رقبوں میں جنگل نہیں ہیں۔ میدانوں کے لاکھوں باشندے جنگلوں کی ہی پیداوار سے کام چلاتے ہیں۔

اس صوبہ میں جنگلوں کی حفاظت کرنے کا سہرا کمایوں کے کمشنر کرنیل ریمزے کے سر ہے۔ آپ نے اس بات پر زور دیا کہ بغیر غور وخوض کئے جنگل کے درخت نہ گرائے جائیں، جنگل لگائے جائیں اور درختوں کو گرانے کے پہلے اُن پر نشان لگا دئے جائیں آپنے ۱۸۶۷ء میں پہاڑیوں کے نیچے کے سال کے جنگلوں کی آگ سے حفاظت کرنے کا انتظام شروع کر دیا۔

ڈاکٹر بریڈیز نے ۱۸۶۴ء میں محکمہ جنگلات قائم کیا اور آپ اس کے پہلے انسپکٹر جنرل رہے۔ اس کے بعد ۱۸۷۸ء کے فاریسٹ ایکٹ نے اس محکمے کو قوت

گوبر کی کھاد کے اُپلے بنائے گئے ہیں۔

دی۔ اس محکمہ کے کارکنوں کو پہلے متعدد مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اُنھیں گھنے جنگلوں کی پیمایش کرنی پڑی، ان میں مویشیوں کی چرائی پر پابندی عائد کرنی پڑی، لوگوں کو درخت کاٹنے سے روکنا پڑا۔ مختصر یہ کہ اُنھیں صدیوں سے ہونیوالی ان ناجائز حرکتوں سے روکنے کے لئے لوگوں سے لڑائی جھگڑے بھی کرنے پڑے جن سے جنگلوں کو نقصان پہنچتا تھا۔

شروع میں کئی سال تک صرف جنگلوں کی حفاظت ہی کی گئی۔ اس کے بعد ناقص درختوں کے گرانے، بیلوں کے کاٹنے اور سڑکیں، راستے اور آگ بجھانے کی لائنیں بنانے کے کام بھی شروع کئے گئے۔ جنگلوں کی اس طرح حفاظت کرنے سے اُن سے ہونے والی آمدنی پچھلے بیس سال کی آمدنی سے بڑھ گئی ہے۔ صوبائی آمدنی کی مختلف مدوں میں جنگلوں کے ذریعے ہونے والی آمدنی کا پانچواں درجہ ہے۔ گذشتہ ۵ سال سے ہر سال سرکاری جنگلوں سے ۲۱ لاکھ روپئے کی بچت ہوئی ہے۔

جنگلوں کے فائدے

ہندوستان کے بیشتر باشندوں کا پیشہ کھیتی ہی ہے اور جنگل کھیتی پر بھروسہ رکھنے والے کی زندگی کی ضروری چیزیں دیتا ہے۔ گنگا کے میدان میں جنگل لگانے کے سلسلے میں حکومت یو۔پی نے یہ کہا کہ کسانوں کو جلانے کے لئے گوبر کی جگہ پر لکڑی، گھر اور اوزار بنانے کے لئے لکڑی اور مویشیوں کے لئے چرائی کی ضرورت پڑتی ہے۔ جنگل لگانے کا کام کھیتی کے ساتھ ساتھ چل سکتا ہے اور اس پیشے سے خاصی رقم پیدا کی جا سکتی ہے۔ یہ مختلف صوبوں میں مختلف طرز سے کیا جا سکتا ہے۔ برما کے کچھ حصے آسام اور پچھمی گھاٹ جیسی جگہوں میں جہاں آبادی گھنی نہیں ہے اور جنگلوں کی زیادتی ہے لوگ کھیتی کی ضروری چیزیں آسانی سے پا جاتے ہیں۔ وہاں کے لوگ جنگلوں کو نظرانداز نہیں کرسکتے۔ لیکن ہمالیہ کا کچھ حصہ پنجاب اور دکن اور وسط ہند کے کچھ حصے ایسے ہیں کہ وہاں کی کھیتی ہمسایہ جنگلوں پر ہی منحصر ہے۔ وہاں کی کمزور زمین باشندوں کے لئے کافی غلہ نہیں پیدا کرتی۔ اور اُنھیں مجبور ہو کر جنگلوں

کی مدد لینی پڑتی ہے۔ ایسے لوگوں کا ذریعہ معاش یا تو جنگل سے متعلق صنعت حرفت ہیں یا جنگلوں میں گائے بھینس بھیڑ بکریاں پراکر ان کی تجارت کرتے ہیں۔ صوبہ متحدہ اور پنجاب کے ان گنجان آباد میدانوں کی حالت اور بھی قابل غور ہے جہاں کی نہ تو زمین ہی زرخیز ہے اور نہ قریب میں کوئی جنگل ہی ہے۔ ایسے میدانوں کے رہنے والے بیشتر لوگوں کی مالی حالت خراب ہے۔ ان کے مویشی ناقص نسل کے اور عموماً بھوکے رہتے ہیں ایسے لوگ ایندھن کی لکڑی نہ ملنے کے باعث گوبر کے اُپلے جلاتے ہیں اور اپنے رہنے کے لئے جھونپڑے بناتے ہیں۔ اس قسم کی غریبی کی خاص وجہ ایسے مقاموں میں جنگلوں کا نہ ہونا ہی ہے۔ جنگل سے دور ہونے کے باعث لوگوں کو جنگل سے ملنے والی چیزیں بھی مہنگی ملتی ہیں۔

میں یہاں پر کچھ اعداد شمار دیکر یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ گاؤں والوں اور کھیتی کی ترقی میں جنگل کس طرح مدد دیتے ہیں ۱۹۳۰-۳۱ء میں گاؤں والوں کو ۸۰ لاکھ بانس اور ۴۰ لاکھ کیوبک فیٹ لکڑی جلانے اور دیگر کاموں کے لئے مفت دی گئی ۹ لاکھ مویشیوں کو مفت یا رعائتی محصول دینے پر جنگل میں چرنے کی اجازت دی گئی۔ اس کے علاوہ گاؤں والوں نے قریب کے جنگلوں سے اور بھی فائدے اٹھائے۔ انھیں جنگلوں سے کھانے کے لئے پھل رسی بنانے کے لئے ریشے چھپر تیار کرنے کے لئے پتیاں اور گھاس نیز کھیتوں کے لئے کھاد وغیرہ اشیاء مفت ملیں۔ اس طرح اس صوبہ میں تقریباً ۸ لاکھ روپیہ سے زیادہ کی جنگل کی چیزیں لوگوں کو مفت دی گئیں۔

ہندوستان میں بارش کی کمی کے باعث اکثر قحط پڑا کرتا ہے۔ اس وقت میدانوں میں مویشیوں کے لئے کافی گھاس یا چارہ نہیں اُگتا۔ ایسی حالت میں بھوکے مویشی اِدھر سے اُدھر پھرا کرتے ہیں مگر انھیں پیٹ بھر چارہ نہیں ملتا۔ اس وقت جنگلوں سے قحط زدہ مویشیوں کے لئے چارہ بھیجا جاتا ہے۔ یہ مبالغہ نہیں ہے ۱۹۲۹ء میں اضلاع آگرہ، ایٹہ، علی گڈھ، متھرا اور بلند شہر میں چارے کا قحط پڑا۔ وہاں کے لئے جنگلوں سے ۴ لاکھ من سوکھی گھاس دی گئی

دیہات اور شہر میں لوگوں کو گھی کی سخت ضرورت پڑتی ہے۔ گھی اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب مویشیوں کے لئے چرائی کا بہتر انتظام ہو۔ کوہ ہمالیہ کے نیچے ترائی کی پٹی میں جھنڈ کی جھنڈ بھینسیں پالی جاتی ہیں۔ انھیں چرنے کے لئے ہمیشہ گھاس ملتی ہے اسی سے یہ بھینسیں کافی مقدار میں دودھ دیتی ہیں۔ دودھ سے گھی بناکر دور دور کے اضلاع میں بھیجا جاتا ہے۔ گھی کے علاوہ بھینسوں و دیگر مویشیوں کی بھی تجارت ہوتی ہے۔

جنگلوں سے گاؤں والوں کو ایک اور فائدہ ہوتا ہے۔ جنگلوں کے قریب والے دیہاتوں کے باشندے مزدوری کرکے ان میں پیٹ پالتے ہیں۔ ہندوستان جیسے زراعتی ملک میں جہاں کسانوں کو کافی فرصت رہتی ہے کھیتی اور جنگل کے کام آسانی سے کئے جاسکتے ہیں۔ ہر سال ہزاروں آدمی درخت گرانے، لکڑی کاٹنے اور چیرنے کے لئے رکھے جاتے ہیں۔ ہزاروں آدمی جنگلوں کی لکڑی بانس اور گھاس بیل گاڑیوں کے ذریعہ ڈھوکر روزی کماتے ہیں کمایوں کے علاقہ سے جنگلوں میں کام کرنے والے مزدوروں کو ۱۹۳۰-۳۱ء میں ۲۶,۵۰۰۰۰ روپئے مزدوری دی گئی۔

جنگلوں کے برباد ہونے سے ملک کو بہت نقصان ہوتا ہے۔ پہاڑوں کے ڈھالوں سے جنگلوں کو لاپروائی کے ساتھ کاٹ دینے سے مٹی کٹنا شروع ہو جاتی ہے۔ ملک میں خوفناک طغیانیاں آتی ہیں۔ وادیوں کی زرخیز زمین برباد ہو جاتی ہے۔ ندیاں مٹی اور بالو سے پٹ جاتی ہیں۔ اور انسان ان سب باتوں کو روکنے سے عاجز ہو جاتا ہے مذکورہ بالا وجوہ سے بیبلین برباد ہوگیا اور یو پی کے مشرقی

حصہ اور بہار میں ہزاروں انسان برباد اور بے گھر ہوگئے جنگل کٹ جانے سے شمالی بنگال، آسام اور پنجاب کی شوالک پہاڑی میں مٹی کا کٹنا جاری ہے۔ جنگل میں چرائی زیادہ ہونے اور انھیں کاٹ ڈالنے سے ہی مٹی کی کٹائی شروع ہو جاتی ہے۔

گذشتہ کئی سال قبل ہمالیہ کا مشرقی حصہ اور برہمپتر ندی کی جنوبی زمین جنگلوں سے ڈھنکی تھی۔ وہاں کے باشندے کھیتی کرنے کے لئے جنگل کا کچھ حصہ چن لیتے۔ وہاں کے درخت کاٹ کر انھیں جلا دیتے اور بیج بو دیتے۔ دوسرے سال وہ اُس جگہ کو چھوڑ کر آگے بڑھتے انکا یہ سلسلہ کئی سال تک جاری رہا۔ مگر اِدھر کئی سال سے یہ سلسلہ بند ہوگیا ہے۔ اور لوگ گھنی آبادیوں میں بسنے لگے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جگہ جگہ صرف گھاس کے چکتے ہی باقی رہ گئے ہیں۔ اور بارش کا پانی جو جنگلوں کے باعث رُک رُک کر اور آہستہ آہستہ ندیوں ندیوں میں جاتا ہے اور پہاڑیاں ویران ہوجاتی ہیں۔ ان پہاڑیوں کا پانی چھوٹی چھوٹی دھاروں میں ہوکر جلد بہ جاتا ہے اس سے ندیوں میں طغیانی آجاتی ہے اور میدان کے باشندوں کو بہت نقصان پہنچتا ہے۔ ان کے مویشی بہ جاتے ہیں، مکان گر جاتے ہیں اور فصل برباد ہو جاتی ہے۔ اس قسم کی طغیانیاں گذشتہ کئی سال سے یو۔پی کے مشرقی اضلاع، بہار، آسام اور شمالی بنگال آرہی ہے۔

پنجاب اور یو۔پی کے پہاڑوں کے جنگلوں کے برباد ہونیکا باعث چرائی کی کثرت ہے۔ یو۔پی کے مغربی اضلاع اور پنجاب کے ضلع ہوشیار پور میں مٹی کی کٹائی سے بہت نقصان ہوا ہے کیونکہ ان اضلاع میں کثرت سے چرائی ہوئی ہے۔ اور مٹی کو روکنے والے قدرتی پودے بھی کاٹ ڈالے گئے ہیں۔ اضلاع متھرا، آگرہ، اٹاوہ اور میرپور کے باشندوں نے جمنا اور چمبل کے کنارے کی زمین کو کٹتے ہوئے دیکھا ہوگا۔ کچھ مدت پہلے وہیں سرسبز کھیت تھے۔

پانی پہنچانے اور اس کی حفاظت کرنے میں جنگلوں سے زیادہ ملتی ہے۔ لیورپول اور مانچسٹر جیسے بڑے بڑے شہروں میں پانی پہنچانے کے لئے ایسے مقاموں میں جنگل لگائے گئے ہیں جہاں سے پانی بہ کر ندیوں میں جاتا ہے۔

جنگلوں پر آب وہوا پر اعتدال کے ساتھ اثر پڑتا ہے پہاڑی ملکوں میں جنگلوں کا بارش پر بہت اثر پڑتا ہے۔ مدراس میں نیلگری کی پہاڑیوں پر کثیر تعداد میں یوکلپس کے درخت لگانے سے حالانکہ وہاں بہت زیادہ بارش نہیں ہونے لگی پھر بھی پہلے کے مقابلے میں کچھ زیادہ بارش ہونے لگی ہے۔ نچلی پہاڑیوں پر کے جنگلوں کا ہمسایہ میدانوں پر زیادہ اثر پڑتا ہے۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ جنگل ملک کی بہت بڑی ملکیت ہیں اور تہذیب کو ان کی سخت ضرورت پڑتی ہے ان سے ہمیں بہت آمدنی ہوتی ہے اور بہت سے فائدے ہوتے ہیں ہندوستان جیسے زراعتی ملک کے لئے جنگل بہت مفید ہیں۔ ڈاکٹر او کلکیر نے اس ملک کی زراعت میں ترقی کی تدبیریں بتلانے کے قبل اِس ملک کی سیاحت کی۔ بالآخر آپ اِس نتیجے پر پہنچے کہ جنگلوں کی حفاظت کرکے ہی زراعت میں ترقی کی جاسکتی ہے۔ آپ نے یہ بھی بتلایا کہ محکمۂ جنگلات ایسے وقت قائم کیا گیا جب اس کی سخت ضرورت تھی۔ آپ نے اوسروں میں چارے اور ایندھن کے درخت لگانے کی سفارش کی۔ جنگل صرف کھیتی ہی کو فائدہ نہیں پہنچاتے بلکہ اُن کا اثر آب وہوا پر بھی پڑتا ہے۔ وہ پانی فراہم کرتے ہیں۔ مویشیوں کو چارہ دیتے ہیں اور مٹی کا کٹنا روکتے ہیں۔

نوٹ:۔ بیکار اور اوسر زمین میں جنگل یعنی ایندھن وغیرہ کے لئے درخت کس طرح لگائے جاسکتے ہیں یہ فروری کے ہل میں بتلایا جاچکا ہے۔

گرام سدھار ٹریننگ کیمپ زمرّد گنج فیض آباد

گرام سیوک قومی جھنڈے کی سلامی میں

(از جناب اوم پرکاش سکسینہ گرام سیوا ہردوئی)

تعلیمۂ گرام سدھار کا تیسرا اجتماع یہاں پر تاریخ ۳-۲/۱ کو آ گیا تھا۔ طالب علم ۱۵ ہیں۔ ۲۷ ان میں گرام سیوک ہیں اور ۱۴ خود اپنے خرچ سے تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ آرگنائزرس ہردوئی شاہجہانپور، لکھنؤ، سیتاپور، بہرائچ، گونڈہ، بارہ بنکی و فیض آباد آٹھ اضلاع سے آئے ہیں۔

تاریخ ۳/۲ اسے روز کا کام باقاعدہ شروع ہو گیا ہے۔ روزانہ ۵ بجے صبح سب چارپائی چھوڑ دیتے ہیں۔ ساڑھے پانچ بجے قومی جھنڈے کے نیچے جمع ہو کر قومی ترانہ گاتے ہیں اور جھنڈے کی سلامی کرتے ہیں۔ ۶/۱ بجے مسودہ اگریکلچر فارم پر واقفیت زراعت کے لئے سکاؤٹ ڈریس میں گانا گاتے ہوئے جاتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوئی قومی فوج ملک کی خدمت کے لئے ہتھیلی پر جان رکھ کر جا رہی ہو۔ ۹ بجے تک سب اسی طرح واپس آتے ہیں۔

۱۰/۱ بجے تک غسل اور کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر کلاس میں داخل ہوتے ہیں۔ روزانہ شروع میں "سیوا میں تیری بھارت تن من لگائیں گے ہم" کی دعا کے بعد پڑھائی شروع ہوتی ہے۔ کلاس میں ہمیں اُن تمام موضوعوں پر تعلیم دی جاتی ہے جن کی ایک سچے گرام سیوک کو ضرورت ہو سکتی ہے۔ زراعت، پرورش مویشیان، صحت و صفائی، امداد باہمی جماعتیں، دیہاتی اقتصادیات، شہریت، گھریلو صنعت و حرفت وغیرہ خاص ہیں۔

خصوصاً چرخا کلاس تو گویا غریب ہندوستان کو قوت حیات بخشنے والا ہے۔ مشق کے لئے ۲۲ چرخے، ۳۵ تکلی اور ۱۲ دھنکی ہیں۔ سب خود اپنے ہاتھوں سے کچی روئی دھنتے ہیں، پونی بناتے ہیں اور سوت کات کر جمع کرتے ہیں۔ یہ سب کام بجلی کی طرح ایک سلسلۂ ماتحتی میں ہوتا رہتا ہے۔ کئی حضرات نے جو چرخے سے ناواقف تھے چرخا ماسٹر کی قابلیت اور مستعدی سے اچھا سوت کات کر دکھلایا ہے۔ سب ۳۰ نمبر کا سوت تو کات ہی لیتے ہیں اور بعض بعض ۴۰ نمبر کا نکال لیتے ہیں۔ چرخا کلاس کے انچارج جناب امرناتھ جی شری واستو ہیں۔

امداد باہمی، دیہاتی اقتصادیات، شہریت اور گرام سدھار کی تعلیم شری رام لگن جی پانڈے بی۔ کام۔ انچارج ٹریننگ کیمپ دیتے ہیں تعلیم شہریت کا پیریڈ بڑا ہی دلچسپ ہوتا ہے۔ دراصل اب ہم محسوس کرتے ہیں کہ اس علم کے بغیر ہم لوگ دیہات میں کتنے ادھورے تھے۔ کارِ خدمت میں کتنے ناکمل تھے۔ جب تک تمام ہندوستانی منظم صورت میں حصہ نہ لیں گے اپنی پوری امداد نہ دینگے یہ کام ناکامیاب رہے گا۔

پہلے گرام سدھار کے کارکنوں ناظموں کو یہ حقیقت دل پر نقش کر لینی چاہئے کہ زرین زمین کے لئے ۸ لاکھ دیہاتوں میں رہنے والے ۲۸ کروڑ ہندوستانیوں کی مجموعی قوت اور امداد کے

گرام سیوکوں کا ٹریننگ کلاس

کے حصول کے بغیر کامیابی کی امید ایک موہوم امید ہے۔ اور اسی لئے سرزمین بنگال کے نامور فرزند آنجہانی دیش بندھو نے پُرزور الفاظ میں کہا تھا "دیہاتوں کی تنظیم کئے بغیر سوراج حاصل نہیں ہو سکتا۔"

موقع موقع پر جنرل لکچرس بھی ہوا کرتے ہیں۔ اُس روز تشریف لانے سے پہلے ڈسٹرکٹ آفیسر کے۔ اسی بہادر شری ترلوکی ناتھ جی۔ آپ نے اپنی حقیقت افروز تقریر میں سیوکوں کے اخلاق اور کردار پر خاص زور دیا۔

ایک روز بابو سکھبیت لال جی بی۔اے۔ ایل۔ ایل۔ بی تشریف لائے تھے۔ آپ نے قانونی رکاوٹوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ گرام سدھار کا کام کتنا مشکل اور اہم ہے۔ جناب للن جی ضلع کانگریس کمیٹی فیض آباد کی تقریر بڑی موثر اور پُرزور تھی۔ آپ نے اس بات پر زور دیا تھا کہ "گاؤں سدھار کی تحریک ۷ لاکھ گاؤں میں کرنی ہی ہوگی۔" اس میں رتی بھر شبہ نہیں کہ تحریک گرام سدھار کو ملک کی پوری کامیابی اُسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب وہ بڑے شہروں کی سرحدوں میں انقلاب کر کے ملک کے گاؤں گاؤں میں پھیل جائے۔

اس پاک تحریک کا پیغام اُن کسانوں کے جھونپڑوں تک پہنچایا جائے جو شہروں کی شان و شوکت سے دور اور مفلسی و دقیانوسیت کے بیچ بُرے افعال و عادات سے پامال ہو کر اپنی دُکھ بھری زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ہمارے دیہات جسم اور ضمیر کو ہلاک کرنے والی برائیوں سے کھیل رہے ہیں اور اُن پر قدرتی غریبی کا تسلط ہے۔ ایلیٹ صاحب کا قول ہے کہ ہندوستان کے آدھے کسان یہ نہیں جانتے کہ بھوک کیسے مٹتی ہے۔

Half of our population never know from years begining to years end, what it is to havo their hnnger fully satisfied, C.A ELLIACSI

اس شدید غریبی کو مٹانا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ میرا یہ خیال ہے کہ بے غرض کوشش اور مسلسل بے لوث خدمت کے ذریعے دیہاتی غریبی ضرور کم کی جا سکتی ہے۔ اس لئے ہمیں اس بات کی کوشش کرنی ہوگی کہ ان ۷ لاکھ گاؤں میں تعلیم کی طوفانی لہر رواں ہو جائے۔

اسی مقصد سے یہ ٹریننگ کلاس شروع کرایا گیا ہے۔ ہر ایک سیوک کے ہر ایک کام کو نشان کی صورت دی جاتی ہے۔ ہر ایک سیوک نے اپنی جائے رہائش کے سامنے پھلواری لگائی ہے جس میں وہ روز گوڑائی کرتا ہے کیاری بناتا ہے اور پانی دیتا ہے۔ جائے رہائش بھی یعنی زمرد گنج ایک گاؤں فیض آباد سے ۶ میل کے فاصلے پر ہے۔

گرام سیوک فارم پر کام کر رہے ہیں

کھپریل سے بنے کمرے دیہات والوں ہی کی طرح ہیں۔ دو تین ضلعوں کے سیوک ایک ساتھ ایک گھر کے آدمی کی طرح رہتے ہیں۔ سامنے ہی کلاس روم ہے جو گاؤں کا پنچایت گھر ہے۔ اپنی

گرام سیوک، چرخا اور تکلی کلاس میں کات رہے ہیں۔

سوسائٹی کے انتظام سے اس کے چاروں طرف پھلواری لگائی ہے۔ پڑوس ہی میں کسرت گاہ ہے۔ جہاں پر والی بال، فٹ بال، کبڈی اور دیگر دیسی کھیل ہوتے ہیں۔ شہر کی نامی ٹیموں سے بھی والی بال میچ مسٹر راجکمار چترویدی کی کپتانی میں ہوا کرتے ہیں۔ کئی بار اچھی ٹیموں سے مقابلے میں فتح بھی ہوئی ہے۔ دیسی کسرت فٹ ڈرل، لاٹھی چلانا وغیرہ بھی اجتماعی طور پر ہوتے ہیں سکاؤٹنگ بھی شروع ہوگئی ہے۔ ناٹک۔ مباحثے اور مشاعرے وغیرہ بھی کیمپ کی زندگی کو دلچسپ بناتے ہیں۔ ایک بڑا ناٹک کھیلنے کی تیاری ہو رہی ہے۔

امداد باہمی انجمنوں کی توسیع واقفیت کے لئے مختلف قسم کی جماعتوں کا باہر گاؤں میں جاکر مطالعہ کیا جاتا ہے۔ سیوکوں کو ہر سنیچر کو اپنے گاؤں میں ٹولیوں میں جانا پڑتا ہے۔ جہاں وہ سدھار کا کام انچارج صاحب کی نگرانی میں کرتے ہیں۔

کام کو بہترین طور پر چلانے کے لئے گرام سیوکوں نے ایک زندگی سدھار سبھا قائم کر لی ہے۔ جس کے ماتحت کئی شاخیں ہیں جو کیمپ میں صفائی، کسرت، تفریح، زراعت، مشاعرہ اور ناٹکوں کا انتظام کرتی ہیں۔ سیوکوں کی روزانہ ضروریات بھی جماعت پوری کرتی ہے۔ راجکمار جی چترویدی سیوکوں کی معمولی بیماریوں کا علاج کرتے ہیں۔ اُن کا ہومیو پیتھک

گرام سیوکوں کی والی بال ٹیم

کا علاج اتنا ہر دلعزیز ہوگیا ہے کہ دور دور گاؤں کے مریضوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔

اس کیمپ میں ایک اعلیٰ صفت ہے کہ ہندو مسلمانوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ سب ایک میں گھل مل گئے ہیں۔ کھانے پینے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ہندو مسلم تیوہار نئی زندگی پیدا کرنے کے لئے مجموعی حیثیت سے منائے جاتے ہیں۔

گرام سیوکوں کے رہنے کے کمرے

اسکولی لڑکوں کے لئے دودھ

(از جناب میجر ڈبلیو - ایچ - کرائیٹن - آئی - ایم - ایس - ہیلتھ آفیسر نئی دہلی)

یورپ وامریکہ میں یہ بات بہت عرصے سے تسلیم کیجانے لگی ہے کہ اسکول کے لڑکوں کے لئے جن کی ٹھیک سے پرورش نہیں ہوئی ہے دودھ بڑے کام کی چیز ہے۔ پچھلے دنوں شملے میں جو تجربے ہوئے اُن سے ہندوستان کے اسکولی لڑکوں کے لئے بھی دودھ کے متعلق کوئی شک نہیں رہ گیا ہے۔ عام پبلک کو شاید یہ نہیں معلوم کہ کسی سائنٹفک تجربہ میں جب میں کسی خاص چیز کا استعمال دکھانا ہوتا ہے کسی یقینی فیصلہ پر تب تک نہیں پہنچا جاسکتا جب تک کہ ایک ہی قسم کی اور ایک سی حالت میں رہنے والی دو جماعتوں کا ایک ساتھ معائنہ نہ کیا جائے یعنی مان لیجئے کہ لڑکوں کی کسی ایک جماعت کو دودھ دیا جانے لگا اور اس سے اُن کا وزن اور قد بڑھ گیا تو یہ دودھ کے استعمال کا صحیح نتیجہ تب تک نہیں معلوم ہوسکتا جب تک کہ اسی عمر کے اور اسی قد کے ایک دوسری جماعت کے لڑکوں کے وزن اور قد پر غور نہ کیا جائے جنھیں دودھ نہیں دیا گیا۔

شملے کا تجربہ صرف غریبوں کے بچوں کو گائے کا خالص دودھ دینے تک محدود تھا۔ اس کے لئے پہلے سب عمر کے بچوں کی اوسط درجے کی بلندی اور وزن کا حساب لگایا گیا۔ یہ حساب شملہ کے اسکولوں میں پڑھنے والے ہزاروں لڑکوں لڑکیوں کے ڈاکٹری معائنہ کی بنا پر لگایا گیا۔ اُن سب لڑکوں کے نام جن کا وزن اور قد اس اوسط تک نہیں پہنچتا تھا، لکھے گئے اور تب وہ دو حصوں میں تقسیم کئے گئے پہلی جماعت ان لڑکوں کی بنائی گئی جن کے ماں باپ غریب تھے اور اپنے لڑکوں کو دودھ نہیں دے سکتے تھے۔ دوسری جماعت اُن لڑکوں کی بنائی گئی جن کے ماں باپ اُنھیں معمولی غذا کے علاوہ تھوڑا دودھ بھی دے سکتے تھے۔ پہلی جماعت کے لڑکوں کو اسکول میں دودھ پینے کو دیا گیا۔ لیکن دوسری جماعت والوں کو نہیں دیا گیا۔ مطلب یہ کہ لڑکوں کی اس طرح کی جو دو جماعتیں بنائی گئیں ان میں پہلی جماعت ایسے لڑکوں کی تھی جن کو اسکول کی طرف سے کافی دودھ دیا جاتا تھا اور دوسری جماعت ایسے لڑکوں کی تھی جنھیں اسکول کی طرف سے بالکل دودھ نہیں دیا جاتا تھا۔ مگر انکے ماں باپ اُنھیں تھوڑا بہت دودھ دیتے تھے۔ یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ ان کے قد اور وزن میں جو فرق ہوا وہ اور زیادہ ہوتا ہے اگر دوسری جماعت کے کے لڑکوں کو دودھ سے قطعی محروم کر دیا جاتا۔ لڑکوں کا انتخاب کر لینے کے بعد تجربہ کی کامیابی کے لئے یہ ضروری سمجھا گیا کہ تین باتوں پر خاص طور سے توجہ کی جائے وہ یہ تھیں :- (۱) یہ کہ منتخب لڑکوں کو مقررہ مقدار میں اور باقاعدہ دودھ پینے کو دیا جائے (۲) یہ کہ دونوں جماعتوں کے لڑکوں کا باقاعدہ معائنہ کیا جائے اور ان کے قد اور وزن کا حساب رکھا جائے (۳) یہ کہ دودھ خالص اور عمدہ قسم کا دیا جائے۔

پہلی شرط اسکول کے ماسٹروں کی مدد سے پوری ہوئی۔ یہ قاعدہ بنا دیا گیا کہ لڑکے اپنے اسکول کے ماسٹروں کے سامنے ہی دودھ پئیں اور ہر ایک لڑکا اپنے دودھ کی بوتل کی مہر اپنے ہاتھ سے خود کھولے۔ دوسری شرط اسکول کے ڈاکٹروں کی امداد پر منحصر تھی۔ جنھوں نے ہر مہینے میں ایک بار باقاعدہ دونوں جماعت کے لڑکوں کی بلندی ناپی، ان کو تولا اور ایک رجسٹر میں درج کیا۔

اس بات کا خاص خیال رکھا گیا کہ دودھ خالص

ہو اور اس میں کسی قسم کی ملاوٹ نہ ہو ۔ اس کے لئے دودھ مہر بند بوتلوں میں لیا جاتا تھا اور اس بات کا بھی انتظام کر دیا گیا تھا کہ وہ دودھ براہ راست لڑکوں کوٹ اور وہی اس کی مہر توڑیں ۔ اور اس بات کا بھی انتظام کر دیا گیا کہ وہ سینکوں کے ذریعے سیدھے بوتل سے دودھ پی جائیں تاکہ پیالے اور گلاس کا جھگڑا نہ رہے اور دودھ میں کسی قسم کی گندگی پہنچنے کا اندیشہ بھی نہ رہے اس طرح سینکوں کے ساتھ ہر اسکول کے ہیڈ ماسٹروں کو دودھ کی بوتلیں دے دی جاتی تھیں ۔ ہر ایک لڑکے کو روز ایک پونڈ دودھ دیا جاتا تھا مگر وہ آدھے آدھے پونڈ کی بوتلوں میں دیا جاتا تھا دودھ کو دو حصّوں میں کر کے اس لئے دیا جاتا تھا کہ ایک ہی بار میں سب دودھ پلانا ضروری نہیں سمجھا گیا اور اس لئے بھی کہ اکٹھا کھا لینے کے مقابلے میں تھوڑا تھوڑا کئی بار کھانا اچھا ہوتا ہے ۔ دودھ کی پہلی بوتل اس وقت دی جاتی تھی جب وہ اسکول میں داخل ہوتے تھے اور دوسری بوتل اُس وقت دی جاتی تھی جب وہ ۲½ بجے اسکول سے گھر جانے لگتے تھے ۔ کچھ لڑکوں کو دوسری بوتل ایک بجے والی چھٹی میں دی جاتی تھی ۔ ان دونوں وقتوں کے فرق کا نتیجہ پر کوئی اثر نہیں پڑا ۔ ہر ایک جماعت کو اسی طرح ۳ ماہ تک دودھ دیا گیا اور پھر اس کے لئے دوسری جماعت کا انتخاب کیا گیا ۔ اس طرح دودھ کے اس استعمال سے زیادہ فائدہ بھی پہنچایا گیا اور مختلف جماعتوں پر دودھ کے اثر کا پتہ بھی چلا ۔ کل ملا کر ۱۱۲ لڑکوں کو دودھ دیا گیا ۔ اس کا نتیجہ ذیل کے خانوں میں ملاحظہ فرمائیے ۔

جماعت	دودھ پینے والے — تین ماہ کا اوسط — لڑکے — وزن پونڈوں میں	درازی انچوں میں	لڑکیاں — وزن پونڈوں میں	درازی انچوں میں	دودھ نہ پینے والے — تین ماہ کا اوسط — لڑکے — وزن پونڈوں میں	درازی انچوں میں	لڑکیاں — وزن پونڈوں میں	درازی انچوں میں
جماعت ۱	۳٫۹۲	۰٫۱۸	۵٫۳۵	۰٫۷۸	۱٫۶	۰٫۶	۱٫۱	۰٫۱۸
جماعت ۲	۳٫۹	۰٫۷	۴٫۳۳	۰٫۳۸	۱٫۵۶	۰٫۴۶	۱٫۱	۰٫
جماعت ۳	۳٫۷	۰٫۵۳	۳٫۰	۰٫۱۹	۱٫۱	۰٫۴۲	۱٫۰	۰٫۰۷
جماعت ۴	...	...	۵٫۵	۰٫۳۹	...	...	۰٫۶۵	۰
اوسط	۳٫۸۴	۰٫۶۷	۴٫۵۴	۰٫۴۱	۱٫۶	۰٫۴۹	۰٫۹۲	۰٫۰۶

تول اور ناپ میں فائدہ کا اوسط صاف ظاہر ہے اور ایک عجیب بات یہ دیکھی گئی ہے کہ لڑکوں کے مقابلے میں لڑکیوں کو دودھ سے زیادہ فائدہ پہنچا اسکی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ دودھ پینے کے لئے لڑکیوں کی جو عمر منتخب کی گئی تھی وہ لڑکوں کے مقابلے میں کم تھی جس میں ایک مقررہ وقت میں بڑھنے کی ترقی بہت صاف معلوم ہو سکتی تھی ۔ اس تین ماہ کے دودھ پینے سے جو فائدہ دیکھا گیا اُس کا مقابلہ اُس فائدہ سے کیا جا سکتا ہے جو برطانیہ عظمیٰ اور امریکہ کی ایک

سال کی جانچ میں دیکھا گیا تھا۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ اس ملک میں گھروں میں بچوں کو قریب قریب اتنا کھانا مل جاتا ہے جتنے کی اُن کو ضرورت ہوتی ہے مگر اس ملک میں گھروں میں بچوں کو بہت کم مقوی غذا ملتی ہے۔ اس لئے ایک ایسے ملک میں جہاں کے بچوں کی خوراک بہت معمولی ہے۔ انھیں یکایک ایک پونڈ دودھ ملنے لگے تو ان کی تندرستی میں جو تبدیلی ہوگی وہ صاف نظر آنے گی۔ دودھ کا اثر اس طرح زیادہ وقت تک دیکھنا اور بھی دلچسپ ہو سکتا ہے اُس حالت میں یہ بھی تحقیق کرنا دلچسپ ہوگا کہ اُسی رپٹ سے کب تک فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ بڑھنے والے بچوں نے فائدے کا یہ کام وسیع پیمانے پر کیوں نہ کیا جائے۔ اس میں سب سے بڑی رکاوٹ دولت کی ہے۔ اچھا دودھ جیسا کہ شملے میں دیا گیا دو آنہ فی پونڈ سے کم میں نہیں مل سکتا۔ اور ایسے افسران بہت کم ہیں جو اپنے اسکول کے لڑکوں کو اس درسے دودھ پلا سکیں۔ اس مشکل کا ایک حل یہ معلوم ہوتا ہے کہ مکھن نکالا ہوا دودھ یا اُس کا سفوف تازے دودھ کے بدلے میں دیا جائے حال میں ڈاکٹر ایکوئیڈ نے اس سلسلے میں جو تجربے کئے ہیں ان کی بنا پر ان کا کہنا یہ ہے کہ اس ملک میں اسکول لڑکوں کے لئے مکھن نکالے دودھ کا ایک اونس سفوف جس میں ۲۰ اونس پانی ملا کر آدھ پونڈ بنا لیا جاتا ہے خالص دودھ کے برابر ہی مفید ثابت ہوا ہے۔

دونوں کی قیمت میں بڑا فرق ہے۔ تازہ اور خالص دودھ ایک لڑکا چار روپئے میں مہینے بھر پی سکتا ہے مگر مکھن نکالا ہوا دودھ اُسے صرف ۱۲ آنے میں پڑ جائے گا۔ اس لئے اس میں شک نہیں کہ اس اصول کو وسیع پیمانے پر چلانے کی اگر کوئی صورت ہے تو وہ مکھن نکالے ہوئے دودھ کا سفوف ہی ہے۔ مگر یہ بھی ایک طے شدہ امر ہے کہ تازے و خالص دودھ کا مقابلہ جس میں ملائی، مکھن اور وٹمن ہے۔ مکھن نکالا ہوا دودھ نہیں کر سکتا مالی نقطۂ نظر سے مکھن نکالے ہوئے دودھ کا انتخاب کیا جا سکتا ہے لیکن ہمارا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ اس ملک میں دودھ کی پیداوار اتنی زیادہ ہونے لگے۔ کہ اس سے سب کی مانگ پوری ہو جائے یعنی وہ آج کی نسبت بہت کم دام میں ملنے لگے۔ ڈاکٹر ایکروئیڈ کا قول غور طلب ہے لیکن ابھی اس کی جانچ نہیں ہوئی ہے کہ مکھن نکالا ہوا دودھ اور خالص دودھ کا صحت پر علیحدہ علیحدہ کیا اثر پڑتا ہے جلد ہی میں دہلی میں اس کا عمل کرنے والا ہوں مگر جب تک اس سلسلے میں ٹھیک ٹھیک اعداد سامنے نہ آجائیں تب تک میں ہندوستان کے اسکولوں کے لڑکوں کو صرف تازہ دودھ پلانے کی سفارش کرتا ہوں۔

(ریڈ کراس جرنل، جنوری فروری ۱۹۳۷ء سے)

دودھ پیو اور تندرست بنو

غلّے کی مشترکہ فروختگی

(از شری یت بابو رام کرشن لال ایم۔ اے۔ انسپکٹر کوآپریٹو سوسائٹیز پرتاب گڑھ)

ہمارے کسان بھائیوں کی غریبی کے یوں تو کئی وجوہ بتائے جاتے ہیں مگر سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ کسان کی آمدنی کا ایک بڑا حصّہ دوسروں کی جیب میں چلا جاتا ہے۔ مہاجنوں کے سود، اہلکاروں کی رشوت اور بنیوں کا منافع وغیرہ کئی مدوں میں اُس کی آمدنی تقسیم ہو جاتی ہے۔ اور اُس کے پاس خود اُس کی ضروریات کی تکمیل کے لئے ایک ناکافی حصّہ بچتا ہے۔

کسان کی پیداوار عموماً دیہات کے چھوٹے چھوٹے تاجروں کے ذریعہ سے شہروں اور بڑی منڈیوں میں پہنچتی ہے۔ ہر ایک گاؤں میں یا اُس کے پاس پڑوس میں چھوٹے چھوٹے تاجر موجود رہتے ہیں اور وہ لوگ فصل آتے ہی اپنے ٹٹوؤں یا اونٹوں کو لے کر اپنے اور قریب کے دوسرے موضعوں میں غلّہ خریدنے نکلتے ہیں۔ یہ لوگ قصبے کی اور قریب کی بڑی بڑی منڈیوں سے بھی واقفیت رکھتے ہیں۔ لہٰذا جب کسانوں کو ضرورت محسوس ہوتی ہے تو یہ لوگ اپنی زیادہ واقفیت اور چالاکی کے باعث کسان سے ہمیشہ بازی مار لے جاتے ہیں۔ فصل تیار ہوتے ہی کاشتکار پر ہر طرف سے تقاضوں اور مانگوں کی بوچھار ہوتی ہے۔ مہاجن اپنا قرض، زمیندار اپنا لگان، دوکاندار اپنے دام وصول کرنا چاہتے ہیں۔ اور وہ بیچارہ فصل کاٹ کر کسی طرح غلّہ تیار کر کے اُلٹے سیدھے داموں پر جو بنیا دیتا ہے غلّہ فروخت کر دیتا ہے۔ ہر ایک کاشتکار اپنے اپنے غلّہ کو الگ الگ بیچتا ہے۔ اُس کا غلّہ عوام کے کام کے لئے کئی منزلیں طے کر کے پہنچتا ہے۔ ہر ایک منزل کا چوکیدار اپنا پیٹ بھرنا چاہتا ہے۔ اور یہ سب کاشتکار ہی کی کمائی سے نکلتا ہے۔ کاش یہ ہو سکتا کہ درمیان کے کھانے والوں کی تعداد اور منافع میں اُن کا حصّہ کم کیا جا سکتا اور اگر وہ بچت کا حصّہ کاشتکار کی جیب میں پہنچتا تو کتنا ہوتا؟

جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے کہ کاشتکار کا غلّہ گاؤں کے چھوٹے چھوٹے تاجروں کے ذریعہ قصبوں اور شہروں کی منڈیوں میں پہنچتا ہے۔ اگر کاشتکار خود آپس میں اتحاد کر کے اور اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر اپنے غلّے کو جمع کر کے منڈیوں میں پہنچا سکیں تو سمجھ لیجئے کہ درمیان کے کھانے والوں کی پہلی منزل آسان ہو جاتی ہے۔ اور جو منافع بنیوں کی جیب میں جاتا تھا وہ کاشتکاروں کے لئے بچ جائیگا۔ گو کہ اس طرح یکجا طریقے سے غلّہ فروخت کرنے کا انتظام کرنے میں کوئی خاص دقت نہیں معلوم ہوتی۔ مگر اس طرف بہت کم توجّہ کی گئی ہے۔

ہمارے کاشتکار بھائی شہروں اور قصبوں کی منڈیوں کے نرخ کے اُتار چڑھاؤ سے اکثر واقفیت نہیں رکھتے۔ دوسرے بنیا اُن سے ایسے موقع پر آکر سودا کرتا ہے جب کہ اُن کو روپئے کی زیادہ سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ اُن کی ناواقفیت اور روپئے کی ضرورت اُن کو مجبور کرتی ہے کہ جو اُلٹے سیدھے دام بنیا دے اُسی دام میں اپنا غلّہ فروخت کر ڈالیں۔ عموماً بنیا شہر کی منڈیوں کے نرخ سے ۲ سے ۳ سیر فی روپیہ زیادہ غلّہ مانگتا ہے۔ کسانوں میں سودا کرتے وقت مول تول کرنے کی قابلیت اُن کے ناخواندہ ہونے کے باعث صرف نام کو ہوتی ہے۔ لیکن بنیا جو کہ بہت چالاک اور سمجھدار ہوتا ہے اپنی حسب مرضی داموں پر اُن کا مال لے جاتا ہے۔ کاشتکار بھی اُتنے دام پا کر خاموش بیٹھ رہتا ہے۔ کیونکہ شہر کی منڈی تک مال پہنچانے کی زحمت اُسے پہاڑ جیسی معلوم ہوتی ہے۔ وہ پیدائشی شرم اور جھجک کا مبتلا ہوتا ہے

بٹنے سے اُسے گھر بیٹھے دام مل جاتے ہیں اور اسی میں وہ بہت مطمئن رہتا ہے۔ حالانکہ وہ جانتا ہے کہ بنیا اُسے اچھی طرح ٹھگ رہا ہے۔ مگر اُس سے چھٹکارا حاصل کرنے کی وہ خود کوشش نہیں کرتا۔

دراصل دیہاتی تاجروں سے کاشتکار آسانی سے چھٹکارا پاسکتے ہیں اگر یہ لوگ آپس میں اتفاق کرکے اپنا انتظام خود کریں ایسی اشتراکی کمیٹی بنے ممبروں کا غلہ ایک ساتھ فروخت کرنے کا انتظام کرے گی۔ کمیٹی کا اُس کی صفائی یا ملاوٹ کو نظر میں رکھتے ہوئے الگ الگ درجوں میں چھانٹے گی اور پھر غلے کو مرکز پہنچنے کا انتظام کرے گی۔ مرکزی پنچایت جس کا ذکر آگے آئیگا منڈی میں غلے کی فروختگی کا انتظام کرے گی۔

یہ مانی ہوئی بات ہے کہ ہر ایک کاشتکار کے پاس گاڑی نہیں ہوتی اور نہ سب کے پاس پوری گاڑی بھر غلہ۔

اس لئے سب سے بہتر یہی ہوگا کہ مشترکہ کمیٹی ایک (یا جتنے کی ضرورت ہو) کرایہ کی گاڑی کرلے۔ اس طرح کرایہ کم صرف ہوگا۔ اور وہ لوگ جن کے پاس گاڑیاں ہوں گی اُن کو بھی وہ کرایہ مل جائے گا۔ ۴ - ۶ یا ۱۰ تک ممبروں کے لئے ایک گاڑی کام دے سکتی ہے۔ یا ۴۰ - ۵۰ کے لئے کئی گاڑیوں کا انتظام کیا جا سکتا ہے۔ ایسا حساب لگانے سے معلوم ہوا ہے کہ اس طرح کی مشترکہ کوشش سے منڈی تک مال لے جانے میں کرایہ کم صرف ہوگا۔ دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ یکجائی مال بازار میں فروخت ہونے سے آڑھت کے خرچ میں بھی کفایت ہوگی۔ تیسرے یہ کہ چنگی کا ٹیکس بھی کم لگے گا۔ یہ ایک بہت ہی آسان اور ابتدائی کوشش ہے جو گاؤں میں کامیاب ہو سکتا ہے۔

یہ کوشش ہو رہی ہے کہ گاؤں کی مشترکہ کمیٹی کی طرف سے اب عوام اور حکومت کا بھی فرض ہے کہ غلے کے مشترکہ طریقے سے فروخت کرنے کی اسکیم میں امداد دیں۔ ایک تو چنگی کا ٹیکس ہٹا دینا مناسب ہوگا۔ گو کہ شہر کے عوام اسے پسند نہ کریں گے کیونکہ اس مد سے میونسپل بورڈ کی کافی آمدنی ہوتی ہے۔ لیکن کاشتکاروں کی آسانی اور بھلائی کے لئے شہر کے باشندوں کو یہ نقصان برداشت کرنا چاہئے۔ یہ ٹیکس اُٹھ جانے سے تجارت میں ترقی ہوگی اور اس طرح میونسپل بورڈ اپنا خسارہ دوسرے ذرائع سے پورا کر سکتی ہے۔

دوسرے سڑکوں کا معقول انتظام ہونا چاہئے۔ اکثر ضلع کے اندر سڑکوں کی بڑی خراب حالت رہا کرتی ہے۔ سب سے اچھا طریقہ یہ ہوگا کہ سڑکوں کو بنوانا اور اُن کی مرمت و دیکھ بھال ٹھیکیداروں کے سپرد کر دی جائے۔ حکومت ٹھیکیدار ٹیکس وصول کریں گے اور سڑکوں کی دل لگا کر حفاظت و نگرانی کریں گے۔ اس سے تجارت کو فروغ ہوگا۔ اور آمد و رفت کے ذرائع بھی بڑھیں گے نیز خراب سڑکوں کے مقابلے میں اچھی سڑکوں پر گاڑی والوں کو ۲ آنہ فی میل بچت ہو سکتی ہے اور بیلوں کو بھی آرام ہو سکتا ہے۔

(۲)

شہر کی بڑی بڑی منڈیوں میں مال کی فروختگی آڑھتیوں اور دلالوں کے ذریعے ہوتی ہے۔ بیچنے والے اپنا مال آڑھتیوں کی معرفت بیچتے ہیں اور خریدنے والے دوکاندار دلالوں کی معرفت مال خریدتے ہیں۔ آڑھتئے اور دلال دونوں بازار کی حالت سے، نرخ سے، دیساور کی مانگ مال کی آمد وغیرہ سے بخوبی واقفیت رکھتے ہیں۔ اُن کی مدد کے بغیر مول بھاؤ کرنا ناممکن سا ہو جاتا ہے منڈی میں مندرجہ ذیل اخراجات کی خاص خاص مدیں ہیں۔

(۱) مزدوروں کی مزدوری۔ جیسے پلے دار، تولائی وغیرہ۔

(۲) خیرات کی مدیں۔ جیسے گوشالا، مذہبی انجمنوں کے لئے وغیرہ۔

(۳) آڑھت اور دلالی کمیشن۔

ان مدوں میں کام کرنے والے لوگ بازار کی خرید فروخت کے سلسلے میں بطور بکوائی فائدہ اُٹھا کر اپنی روزی پیدا کرتے ہیں

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا ان درمیانی کھانے والوں سے چھٹکارا مل سکتا ہے یا نہیں؟

غور کرنے سے یہ بات ناممکن معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے کہ یہ لوگ خرید و فروخت میں اس قسم کی آسانیاں فراہم کرتے ہیں جو کہ مول بھاؤ یا سودا کرنے والے خود نہیں کر سکتے اس لئے ان کا رکھنا ضروری ہے۔ لیکن یہ مناسب ہوگا کہ انکی تعداد کم کی جائے۔ ان کے کام کو ایک ٹھیک ڈھرے پر ڈالا جائے اور اس پر کڑی نظر رکھی جائے۔ اکثر آڑھتیوں اور دلالوں کی تعداد ضرورت سے بہت زیادہ ہوتی ہے۔ جو خرید و فروخت کرنے والوں کی پریشانی کا باعث ہوتی ہے۔ اگر ان لوگوں کو حکومت سے لائیسنس ملا کرے اور قاعدہ یہ ہو کہ بغیر لائیسنس کے کوئی شخص منڈی کے اندر کام نہ کر سکے تو بہت اچھا ہو جائے۔ اس قسم کی نگرانی سے مال فروخت کرنے والوں کو کافی آسانی ہوگی اور بازار میں صرف قابل اعتبار اور ایماندار آڑھتیے کام کر سکیں گے۔

(۳)

جس قسم کی مشترکہ غلہ فروخت کرنے والی جماعتوں کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اس قسم کی جماعتیں ہر ایک گاؤں میں الگ الگ بن سکتی ہیں۔ انکی الگ الگ پنچائتیں ہوں گی جو اپنی اپنی جماعت کا انتظام کرینگی۔ ان جماعتوں کے ذریعے سے ہمارے کاشتکار مقامی اور گشتی تاجروں سے آزاد ہو جائیں گے۔

آگے چلکر ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ ان جماعتوں کی مرکزی مشترکہ کمیٹی یعنی یونین قائم کی جائے۔ یہ یونین ایک رقبے کی تمام جماعتوں کی کوشش اور اتحاد سے قائم ہوئی یونین ۲۰ جماعتوں تک کا انتظام کر سکے گی۔ اس کی مجلس انتظامیہ سبھی جماعتیں متحد ہو کر منتخب کریں گی۔ یہ یونین بڑی منڈی میں کسی ایک خاص اور معتبر آڑھتیا سے تعلق پیدا کرکے مستقل انتظام کر سکتی ہے۔ جو کاشتکار الگ الگ جاکر اِدھر اُدھر بھٹکتے اور بری طرح ٹھگے جاتے ہیں۔ اشتراک کی بدولت نہایت آسانی سے شہر کی منڈی میں مناسب طور سے سودا کر سکیں۔

یونین کا اعتبار اور اسکی ساکھ بازار میں اچھا اثر دکھا سکتی ہے۔ اس کے لئے ہر قسم کی آسانیاں فراہم ہو سکتی ہیں۔ وہ تمام ماتحت جماعتوں کی نمائندہ اور مختار کی حیثیت سے بات چیت مول تول اور سودا کرے گی۔ ایسی حالت میں کوئی وجہ نہیں کہ اچھے دام نہ ملیں اور مختلف صورتوں والے ٹھگوں کی بے ایمانیوں سے ہمارے کاشتکار نہ بچ جائیں۔

یونین کی معرفت جبکہ کئی سوسائٹیوں کا غلہ فروخت ہوگا تو یونین غلے کو مناسب درجوں میں ترتیب دے سکیگی۔ ابھی تک کاشتکار اپنا اچھا برا سبھی قسم کا غلہ ایک ہی میں فروخت کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے اُسے مول بھاؤ کرنے میں اچھے دام نہیں ملتے۔ یونین کی امداد سے جب کمیٹیاں ہر ایک کاشتکار کا غلہ مناسب درجے میں جیسے ا۔ ب۔ ج۔ وغیرہ میں ترتیب دیدینگی تو ہر ایک پیدا کرنے والے کو اپنے مال کے مطابق مناسب قیمت مل جائے گی۔ اس سے ایک اور فائدہ یہ ہوگا کہ ہر ایک کسان اچھا بیج (یعنی صاف اور بے ملاوٹ) بوئے گا اور بیچے گا۔ کیوں کہ اس طرح دام اچھے ملیں گے

اس سلسلے میں یہ بھی بتلا دینا مناسب ہوگا کہ اس کوشش میں کہ کاشت کار کا مال اچھا ہو عمدہ بیج بوانے کا پرچار جلدی ہو جائے گا۔ کیونکہ ہر ایک کسان اچھے بیج کا خواستگار ہوگا۔ ہماری مشترکہ یونین اچھے بیج کا بھی انتظام کر سکتی ہے۔ اپنے مرکزی مقام پر ایک پختہ اور محفوظ بیج گودام بنا کر یا کرائے پر لیکر اس میں بیج کے غلہ رکھ سکتی ہے۔ اچھا بیج محکمہ زراعت کی مدد سے مل سکتا ہے۔ اور پھر چند سالوں میں ہی اُسے ماتحت جماعتوں میں پھیلا کر اُسکی مقدار بڑھائی جا سکتی ہے۔

لہذا غلے کی فروخت اور بازار کی حالتوں میں سدھار

کے ساتھ ساتھ کھیتی کے طریقوں میں بھی ترقی ہوتی جائیگی ان دونوں مدوں کا یعنی مال کی پیداوار اور فروخت میں بہت گہرا تعلق ہے۔ اور ایک کی ترقی کے بغیر دوسرے میں پوری ترقی ممکن نہیں

اب مذکورہ بالا باتوں پر پوری طرح غور کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ غلے کی فروخت اور بازار کے متعلق مشترکہ کوشش تین حصوں میں تقسیم کی جاسکتی ہے۔

(۱) اپنے اور اپنے گاؤں کے دوسرے بھائیوں کے فائدے اور ترقی کے لئے کاشتکاران مشترکہ کام کے لئے سب متحد ہوکر اپنے پیروں پر کھڑے ہو جائیں بلکہ ہوشیاری کے ساتھ مول تول کر سکیں۔ عملی صورت میں مشترکہ فروختگی کمیٹی اس کام کو کرے گی۔

(۲) تاجروں کی مدد سے آزاد ہوکر نزدیک کے شہر یا قصبے کی منڈی میں مال کی فروختگی کا انتظام کرنا یہ کام مشترکہ کمیٹی اپنی یونین کے ذریعے کرے گی۔

(۳) چھوٹے چھوٹے رقبوں میں مشترکہ کمیٹیوں کی مرکزی یونین قائم کرنا جو اپنی جماعتوں کے لئے اپنی پوری کوشش تجربہ اور مفید تدبیروں سے وہ آسانیاں پیدا کرے گی جو اُن جماعتوں یا کاشتکاروں کے امکان سے الگ الگ رہ کر باہر ہیں۔ جیسے کفایت کے ساتھ آڑھت کا انتظام غلے کو مختلف اور مناسب درجوں میں ترتیب دیکر اچھے دام حاصل کرنا اور اچھی کھیتی کرنے کے لئے کسانوں کی حوصلہ افزائی کرنا وغیرہ وغیرہ

کسانوں کی آہ

(از جناب احقر ریاض الدین صاحب عمار قریشی)

ہم بے زباں کساں ہیں کھیتی ہماری جاں ہے
اس جان کے ہماری پیچھے پڑا جہاں ہے

دنیا مٹا چکی ہے کیا لے گا آسماں تو
اب ہند میں ہمارا دھندلا سا اک نشاں ہے

اک وہ بھی دور تھا جب دنیا پکارتی تھی
سب جگ کا اَن داتا بھارت کا ہی کساں ہے

سہتے ہیں رنج و غم ہم کہتے نہیں ہیں کچھ بھی
جیسے قفس کی چڑیا بے دانہ بے زباں ہے

سنتے ہیں مٹنے والے اس طرح کوئی دیکھے
ہے دل میں آہ لیکن لب پر نہیں فغاں ہے

خوگر ہیں غم کے چاہے جتنا کوئی ستا لے
جب وقت آئے کہنا شاید تو آسماں ہے

دنیا سمجھ رہی ہے جس شئے کو لاجوردی
آہوں کا آسماں بھی پھیلا ہوا دھواں ہے

کھیتی سے ہم نے یارو سیکھا ہے اک سبق یہ
سرسبز ہوگا دانہ جو خاک میں نہاں ہے

رنج و محن کی دنیا کچھ کچھ بدل رہی ہے
آزاد ہوگا بھارت سب کا یہی گماں ہے
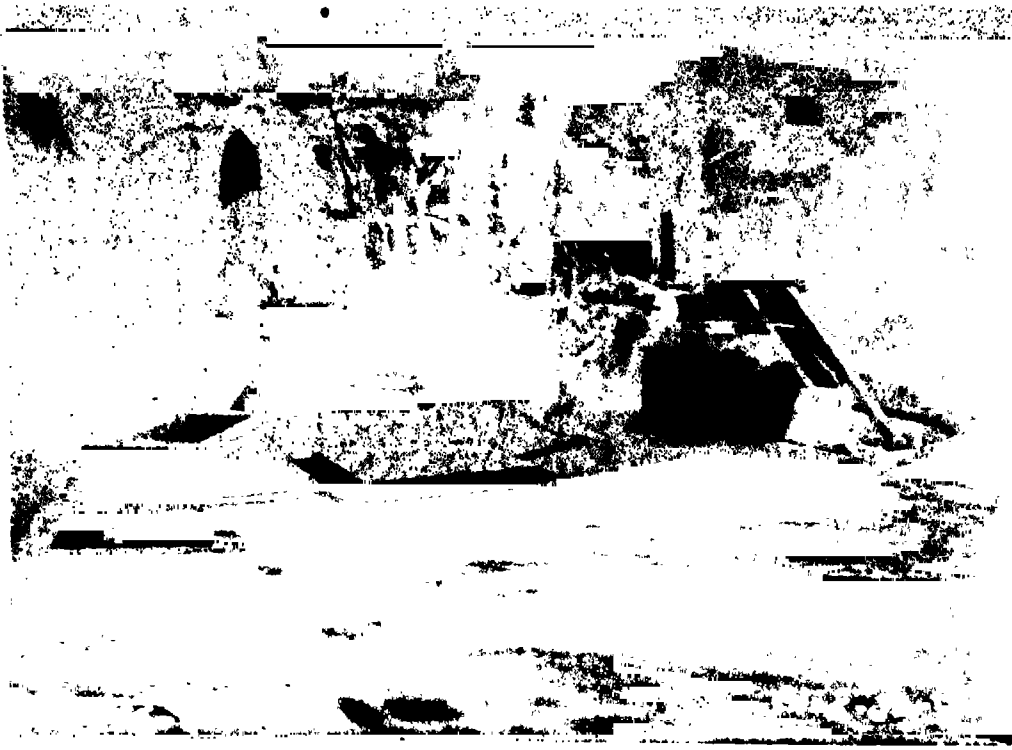
گرام سدھار کنواں ہردوئی

اچّھا کنواں بنوائیے

(از جناب شیام لال آئی - ایس - ای - ایگزیکیٹو انجینیر ہردوئی)

دیہاتوں میں صاف پانی مشکل سے ملتا ہے۔ گاؤں والوں کی یہ مشکل جس قدر جلد ہو سکے دور ہونی چاہئے۔ حال میں صاحبِ مضمون کی نگرانی میں ضلع ہردوئی کے گرام سدھار مرکزوں میں کچھ بہترین کنوئیں بنوائے گئے ہیں۔
دوسری جگہوں کے لوگ بھی تھوڑے خرچ میں ایسے کنوئیں بنوا سکتے ہیں۔ اُن کی واقفیت
کے لئے اِس مضمون میں صاحبِ مضمون نے ایسے کنوئیں کی مکمل واقفیت
بنانے میں خرچ کی مفصّل تشریح کی گئی ہے۔

اس مضمون کے ساتھ گاؤں کے لئے ایک عمدہ کنوئیں کا خاکہ دیا جا رہا ہے۔ اِس میں کنوئیں کے اندر ایک لوہے کا پائپ لگا رہتا ہے جو ۴۰ فیٹ گہرائی تک جاتا ہے اور جو موٹا کا پو کے نیچے کی چکنی مٹی کی دوسری سطح سے صاف اور عمدہ پانی دیتا ہے۔ کنوئیں کے پیندے میں پائپ کے سرے پر دو فیٹ تک سیمنٹ کنکریٹ کی ڈاٹ لگی رہتی ہے تاکہ اُس میں اوپر والی چکنی مٹی کی سطح سے پانی نہ پہنچ سکے۔

۳ فیٹ پختہ اونچا چبوترہ کنوئیں کے گرد بنایا جاتا ہے جس سے اوپر کا پانی ایک نالی کے ذریعے بہکر گڑھے میں چلا جائے جو پاس ہی بنا رہتا ہے۔ کنوئیں کا مُنہ جو اینٹ کا بنا ہوتا ہے ۵، ڈگری کے زاویہ سے ڈھلواں کیا جاتا ہے۔ تاکہ جو لوگ پانی بھریں وہ نہ تو کنوئیں کے اوپر کھڑے ہو سکیں اور نہ اپنے گھڑے ہی رکھ سکیں۔ پانی سوکھنے کے لئے گڑھے کے پاس ہی ۳ فیٹ لانبا

کنوئیں کا نقشہ

ناپ ۱" — ۵ فٹ

اور ۳ فیٹ چوڑا ایک چبوترہ بھی بنایا جاتا ہے تاکہ لوگ اُسی پر بیٹھ کر نہا دھو سکیں۔ کنوئیں کے پاس ایسا کوئی بھی درخت نہ ہونا چاہئے جو کنوئیں کو ڈھک لے۔ اور نہ اُس کے اوپر مویشی ہی باندھنے چاہئیں۔

کنواں بنانے کے لئے جو جگہ چنی جائے وہ گاؤں کے تالاب سے جس میں گندا پانی رہتا ہے دور ہونی چاہئے۔ اور جہاں تک ممکن ہو کنوئیں کے ارد گرد بھی کافی فاصلے تک درخت نہ ہونے چاہئیں۔

کنوئیں کو اچھے کنکر کے گارے سے بنانا چاہئے اور اُس کا چبوترہ بھی کنکر اور چونے سے بنانا چاہئے۔ اور زمین کی سطح تک اندر اور باہر چونے کا پلستر لگانا چاہئے نیز سیمنٹ کا پلستر زمین کی سطح تک کے اوپر چاروں طرف لگانا چاہئے۔ بُنیاد دس انچ یعنی ایک اینٹ جتنی موٹائی کی کنکر کے گارے کی ہونی چاہئے اور وہ گولر کی لکڑی کی پتواڑ کے اوپر ہونی چاہئے۔ لوہے کا ایک ۳ انچ پھیلاؤ کا پائپ کنوئیں میں ۳۰ فیٹ گہرائی تک بور کرنا چاہئے ۔یعنی

یہاں تک بور کرنا چاہئے کہ وہ موٹا کاہو کی ایک سطح نیچے تک نکل جائے۔ کنوئیں کی تینیشی میں اس پائپ کے گرد دو فیت سیمنٹ کنکریٹ کی ڈاٹ ۱ ـ ۲ ـ ۴ کے حساب سے لگانی چاہئے۔ اوپر بتائے گئے حساب سے سیمنٹ کنکریٹ کو ملانے کے بعد اُس کو آہستہ سے بور کے چاروں کونوں پر رسّی باندھ کر لٹکانا چاہئے ۔کنوئیں کے گرد ۳ فیٹ کا ایسا چبوترہ ہونا چاہئے جو باہر کی طرف ڈھلواں ہو۔ پانی سوکھنے کے گڑھے کی دیوار ۳-۴ فیٹ موٹی اور ۵ فیٹ اونچی ہونی چاہئے اور اُس میں روڑا بھرا رہنا چاہئے۔ یہ دیوار جنرل لیول سے ۶ انچ اونچی ہونی چاہئے تاکہ بارش کا پانی گڑھے کو ڈھک نہ لے۔ نہانے دھونے کے لئے ۳ فیٹ لانبا اور ۳ فیٹ چوڑا چبوترہ اینٹ کا بنا ہونا چاہئے ۔اُس میں چونے کی جُڑائی ہونی چاہئے اور اُس کی سطح پر چاروں طرف چونے کا پلاستر ہونا چاہئے۔

سطح زمین

پانی کی سطح

سیمنٹ کنکریٹ

چبوترا

کنواں بنانیکا تخمینہ

دوروں کی تفصیل

تفصیل	روپیہ	آنہ	پائی	میزان
لائم کنکریٹ				
۱۲۰ مکعب فیٹ روڑا ۶ روپیہ سینکڑہ	۷	۲	۰	
اینٹ کی گٹی ۱۱۰ مکعب فیٹ ڈیڑھ روپیہ سینکڑہ	۱	۷	۰	
کنکر کا چونا ۴۰ مکعب فیٹ ۱۶ روپیہ سینکڑہ	۶	۴	۰	
مزدوری	۳	۶	۰	۱۸-۳ یعنی ۱۸ روپیہ
سیمنٹ کا پلستر ۳ : ۱				
۱-۴ بورہ ۲ روپیہ فی بوری	۲	۸	۰	
بالو ۳-۳ دس سینکڑہ	۰	۴	۰	
مزدوری	۳	۵	۰	۶-۸-۰ یعنی ۶ روپیہ
سیمنٹ کنکریٹ (کنوئیں میں) ۴ : ۲ : ۱				
روڑا ۸۸ ۶ روپیہ سینکڑہ	۵	۴	۰	
اینٹ کی گٹی ۸۰ ڈھائی روپیہ سینکڑہ	۲	۰	۰	
سیمنٹ ۱۶ بورہ ۲ روپیہ فی بورہ	۳۲	۰	۰	
بالو ۴۰ مکعب فیٹ ۱۰ روپیہ سینکڑہ	۴		۰	۴۷-۴-۰ یعنی ۴۸ روپیہ
دوسرے درجے کی اینٹ کی جوڑائی				
دوسرے درجے کی اینٹیں ۱۰۰ مکعب فیٹ کے لئے ۱۲۰۰ اینٹیں ۸ روپیہ فی درجہ	۱۰	۸		
۳۲ مکعب فیٹ چونا ۱۶ روپیہ کے درجے	۵	۳	۰	
مزدوری	۶	۰		۲۲-۱-۰ یعنی ۲۳ روپیہ

لاگت کی عام تفصیل

تفصیل	روپیہ	آنہ	پائی
۱ - ۶۰۰۰ مکعب فیٹ مٹی کھدائی ۴ روپیہ کی درجے	۲۴	۰	۰
۲ - ۵۳ مکعب فیٹ لائم کنکریٹ ۱۸ روپیہ فیصدی	۹	۹	۰
۳ - دوسرے درجے کی اینٹ جڑائی ۳۵۲ ۲۳ روپیہ فیصدی	۸۱		۰
۴ - چونے کا پلستر ۶۰۰ سواتین روپیہ فیصدی	۱۹	۸	۰
۵ - سیمنٹ کا پلستر ۲۶۳ " "	۱۸	۹	۰
۶ - تہ کی کھدائی ۷۰ مکعب فیٹ ۸ آنے فی فیٹ	۳۵	۰	۰
۷ - لوہے کا کام	۵	۰	۰
۸ - ۳ پائپ بور کرنا - پائپوں کے دام سمیت ۳۰ فیٹ تک ۲ فی فیٹ	۶۰	۰	۰
۹ - کنوئیں کا نیچ	۱۲	۰	۰
۱۰ - سیمنٹ کنکریٹ کی ڈاٹ ۲ - ۱۴ ۴۸ روپیہ کی درجے	۶	۱۳	۰
۱۱ - چلی نمبرا ۱۰ روپیہ فی	۱۰	۵	۰
کل	۲۸۱	۴	۰

یعنی ۲۸۱ روپیہ

اس میں مندرجہ ذیل سامان کے پہنچانے کا گاڑی کا کرایہ بھی جوڑئیے

اینٹیں = ۴۲۲۴ روڑا = ۹۳ مکعب فیٹ چونا = ۱۶۷ مکعب فیٹ سیمنٹ = ۱۱ بوری

میل ۱۰۰۰ اینٹیں یا ۱۰۰ مکعب فیٹ چونا یا کنکر یا اینٹ کا روڑا پکی سڑک سے کچی سڑک سے

۱ - پہلی میل　　عہ　　"　　عہ/

۲ - دوسری میل	״	۱۴ر	۱۶ر
۳ - تیسری میل	״	۱۲ر	۱۴ر
۴ - چوتھی میل	״	۱۰ر	۱۴ر
۵ - پانچویں میل	״	۸ر	۱۲ر
۶ - چھٹی میل	״	۸ر	۱۲ر
۷ - ساتویں میل	״	۸ر	۱۰ر
۸ - آٹھویں میل	״	۶ر	۸ر
۹ - نویں میل	״	۶ر	۸ر
۱۰ - دسویں میل	״	۶ر	۸ر
دس میل سے زیادہ پر		۶ر	۸ر

کنوؤں کا تخمینہ

	نمبر	لمبائی	چوڑائی	گہرائی	رقبہ	میزان
۱ - کھدائی						
۲ - لائم کنکریٹ پلیٹ فارم کے اندر	۱	۲۷،۵	۳،۹۲	،۵	۵۶	۶۰۰ کعب فیٹ
۳ - دوسرے درجے کی اینٹوں کی چونے سے جڑائی						
چبوترہ	۱	۲۵،۴	،۴۲	،۴۲	۳۶	
دولہ	۱	۳۴،۸	،۴۲	،۴۲	۶	
مینڈ جنرل بول کے اوپر	۱	۱۲،۰	،۸۳	۳½	۳۲	
مینڈ غلیپ کے نیچے	۱	۱۲،۲	،۸۳	۲۵	۲۴۹	
پانی سوکھنے والے گڑھے کی دیواریں	۲	۴،۶۶	،۸۳	۱½	۱۲	
	۲	۳	،۸۳	۱½	۷	
چبوترہ	۱	۳	۳	۱½	۵	
نالی کی بغل کی دیواریں	۲	۸½	،۴۲	۱½	۴	
تلی	۱	۸½	،۴۲	¼	۱	= ۳۵۲
۴ - چونے کا پلستر						
اندرونی دیوار	۱	۹،۴		۲۵	۲۳۵	
باہری دیوار	۱	۱۴،۶		۲۵	۳۶۵	۶۰۰ =
۵ - سیمنٹ کا پلستر						
اندرونی دیوار	۱	۹،۴		۳¼	۳۱	
بیرونی دیوار	۱	۱۴،۶		۲½	۳۳	
نیو کی چھت	۱	۱۲		۱½	۱۲	
کنوئیں کے گرد چبوترہ	۱	۲۴		۳	۷۲	
دولہ	۱	۳۴،۸		۱،۶۷	۵۸	
نالی	۱	۸½		۳	۲۶	
چبوترہ	۱	۴		۴	۱۶	
پانی سوکھنے کے گڑھے	۴	۳،۸۳		۱	۱۵	= ۲۶۳
۶ - تہ کی کھدائی		۱۰			۱۰ فیٹ	
۷ - لوہے کا کام						
۸ - پائپ لگانا		۳۰			۳۰ فیٹ	
۹ - نیواڑ		۱			۱	
۱۰ - سیمنٹ کنکریٹ کی ڈاٹ		۷،۱		۲	۱۴	
۱۱ - پلی					نمبرا	

شیر کا شکار

(از جناب مارکنڈے واجپیئی ایم - اے ' ایل ایل - بی)

شہر کی چہل پہل سے جب جی اوب جاتا ہے تو دیہات میں دو چار دن آرام کرنے کی سوجھتی ہے ' کسی دوست یا عزیز کی گردن ناپنی پڑتی ہے - گاؤں کا رہنا تو اچھا لگتا ہے مگر آرام شہر کا سا چاہتا ہوں - وقت پر چائے ضرور ملنی چاہئے - بیٹھنے اُٹھنے کے لئے میز کرسی بھی ضروری ہے اور لیٹنے کے لئے اچھا پلنگ بھی ہونا ضروری ہے - غرضیکہ شہر نہ ہوتے ہوئے بھی شہر کے سارے ساز و سامان چاہئیں - اس بار جو شہر سے جی گھبرایا تو ایک زمیندار دوست کو لکھ دیا کہ دو تین روز تمہارے یہاں آرام کرنے آؤنگا - شہر والوں کو آرام انھیں زمینداروں ہی کے یہاں مل سکتا ہے چاہے زمینداروں کو کوئی کتنا ہی بُرا کیوں نہ کہے - زمیندار صاحب نے کہلا بھیجا کہ گھر تمہارا ہے جب جی چاہے چلے آؤ - ان دوست کی ہمیشہ مجھ پر بڑی مہربانی رہتی ہے اور اُن کے یہاں مجھے آرام بھی بہت ملتا ہے اُن کا جواب آتے ہی چلنے کی تیاری کر ڈالی - اسباب باندھ کر رات کو اسٹیشن پہنچے - جاڑے کے دن اور رات کو گیارہ بجے کے بعد گاڑی کے چلنے کا وقت - ریل والوں کو چاہئے کہ گاڑیاں موسم کے مطابق چلایا کریں - مگر اُنکے یہاں تو سب دھان بائیس پسیری ہیں - گرمی میں بھی ۱۱ بجے کے بعد گاڑی چلتی ہے اور سردی میں بھی - اور زیشتر جگہوں پر ایسے ہی بے موقع وقت پر پہنچتی بھی ہے -

اسٹیشن پر گیارہ بجے پہنچ کر ٹکٹ خریدا - پلیٹ فارم پر پہنچ کر قلی نے پوچھا کہ سامان دس بجے والی گاڑی میں رکھا جائے یا گیارہ بجے والی گاڑی میں - میں سمجھا کہ قلی مذاق کر رہا ہے - ڈانٹ کر کہا: "دس بجے والی گاڑی تو دس بجے چلی گئی ہوگی ' کچھ بھانگ پی گیا ہے"؟ مگر دیکھا تو ۱۰ بجے والی گاڑی ابھی کھڑی ہوئی تھی - اس کا انجن بگڑ گیا تھا - میں جہاں جا رہا تھا وہاں دس بجے والی گاڑی رات میں ۲ بجے پہنچتی تھی اور ۱۱ بجے والی گاڑی صبح ساڑھے پانچ بجے - رات کو ۲ بجے کوئی شریف آدمی گاڑی سے نہیں اُترا کرتا صبح ساڑھے پانچ بجے بھی سچ پوچھئے تو شریف آدمیوں کے اُترنے کا وقت نہیں ہے - وہ تو ۹ بجے کے بعد شروع ہوتا ہے - مگر مجبوری ہو تو کیا کیا جائے - میں نے پتہ لگانا چاہا کہ انجن کے بجے تک ٹھیک ہوگا تو معلوم ہوا کہ دونوں گاڑیوں کے انجنوں کو زکام ہوا ہے - سردی میں آدمی کو زکام ہو جاتا ہے پھر بیچارے انجن کو کیوں نہ ہوتا - میں نے اطمینان سے ۱۱ بجے والی گاڑی میں پیر پھیلائے - ۱۲ بجے دس بجے والی گاڑی گئی اور ۱۰ بجے کے قریب میری گاڑی چلی - گاڑی کے چلنے کا مجھے اس طرح احساس ہوا کہ سوتے سوتے یکایک میری کھوپڑی لکڑی کی دیوار سے زور آزمائی کرنے لگی - ایک بار چوٹ لگی تو اُٹھ کر بیٹھا - بیٹھتے بیٹھتے سر دوسری بار دیوار سے ٹکرایا - زکام میں مزاج بگڑ جاتا ہے - انجن کا بھی پارہ چڑھا ہوا تھا - میں نے ہاتھ میں بندھی ہوئی گھڑی پر ایک نظر ڈالی اور پھر اپنے سر اور دیوار کے درمیان اوورکوٹ ڈال کر رضائی سے میں نے کھوپڑی ڈھانک لی - نیند ٹھیک نہیں آئی - کھوپڑی درد کرنے لگی تھی - صبح سات بجے آنکھ کھلی اور یہ خیال ہوا کہ منزل مقصود پر آگئے ہیں - اتنے ہی میں انجن نے پھر ایک چھینکنے کی سی پھنکار ماری - فوراً زکام یاد آگیا - اطمینان سے بستر باندھا اور ساڑھے سات بجے گاڑی سے اُتر پڑا -

ویٹنگ روم میں بیٹھا چائے پی رہا تھا کہ زمیندار صاحب خود ہی موٹر پر تشریف لائے اور کہنے لگے کہ چلو چلیں - میرے دوست ڈیل ڈول میں اتنے چھوٹے ہیں کہ اُن کا موٹر اُن کے

بیٹھتے ہی ایک طرف جھک جاتا ہے۔ بڑی مشکل سے ہم لوگ موٹر میں گھسے۔ ڈیل ڈول میں اپنے دوست کا مقابلہ تو نہیں کر سکتا لیکن توند میری بھی کافی مشہور رہے۔ ہم دونوں کے موٹر میں بیٹھنے کے بعد موٹر چلا ہی کیسے یہی میری سمجھ میں نہیں آیا۔ مگر وہ چلا ضرور اور اچھا موٹر تھا اس لئے کافی تیز چلا۔ جب چلتے چلتے کافی دیر ہو گئی تو میں نے پوچھا "اب گھر کتنی دور رہے"۔ میرے دوست نے کہا "گھر تو شام کو چلیں گے اس وقت تو شیر کے شکار کو چل رہے ہیں۔ شیر کا نام سنتے ہی میری تو روح گویا پرواز کر گئی۔ میرے فرشتوں نے بھی کبھی شیر کا شکار نہیں کیا اور میں خود گھاس کھانے والا جانور ہوں۔ گوشت میں نے کبھی نہیں کھایا۔ اس کے علاوہ زندگی بھر شہر میں رہا مجھے شکار کا کیا پتہ؟ میرا دل دھڑکنے لگا اور سر چکرانے لگا۔ میں نے تو آرام کے لئے اپنے دوست کو لکھا تھا شکار کا تو کہیں نام بھی نہیں لیا تھا۔ اتنے ہی میں میرے دوست بولے۔ دیکھو کیسا سہاؤنا لگ رہا ہے۔ نہر کے کنارے کنارے موٹر چلی جا رہی تھی۔ دونوں طرف درختوں کا گھنا جنگل تھا۔ کچھ بادل چھائے ہوئے تھے اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ واقعی فضا بڑی خوشگوار تھی۔ ہوش ٹھیک ہوتے تو مجھے اچھا بھی بہت معلوم ہوتا۔ مگر اس وقت تو شیر کے شکار کا نام سن کر میرے ہوش اڑے ہوئے تھے۔ پوچھا تو معلوم ہوا کہ پچیس میل جانا ہے۔

میرے دوست صبح کے اٹھے ہوئے تھے اور اسی لئے اونگھ رہے تھے۔ یکایک موٹر کے سامنے ایک پھاٹک تھا اور وہ بند تھا۔ موٹر کو رکنا ہی پڑا۔ میرے دوست کے سر نے موٹر کی چھت سے اتنی زور سے لڑائی کی کہ ذرا دیر کے لئے ایسا معلوم ہوا کہ چھت کیا پھٹ پڑا لیکن چھت کی خیریت رہی بات بچ گئی مگر میرے دوست کی نیند اچھی طرح ضرور کھل گئی۔ موٹر کے پھر سے چلتے ہی انھوں نے کہنا شروع کیا۔ شیر کی خبر رات ہی کو ملی۔ شکار میں ہاتھیوں سے ہانکے ہوں گے اور اب تھوڑا ہی فاصلہ اور رہے۔ شیر کا خیال کچھ کم ہونے لگا تھا۔ راہ کے دو رویہ درختوں نے دل لبھا لیا تھا۔ تب تک نہر کی سڑک کو چھوڑ کر ہم لوگ گھنے جنگل میں پہنچ چکے تھے۔ سانبھر ادھر

اُدھر دوڑتے اور کبھی چیتل دوڑتے نظر آتے تھے۔ ایسی حالت میں پھر سے شیر کی یاد دلا کر میرے دوست نے سارا مزہ کرکرا کر دیا۔ شیر کا ہی نام کافی تھا۔ تس پر ہاتھیوں کے ذکر نے اور بھی مصیبت کر دی۔ میں جانوروں سے بہت گھبراتا ہوں ہاتھی پر بیٹھنے کا میرا قطعی ارادہ نہ تھا۔ پہاڑ جیسا جانور اس پر کون بیٹھتا۔ اور اگر وہ لے کر بھاگ جائے تو اس میں کسی طرف کہیں بریک نہیں۔ چپکے پڑے رہو جب تک اس کی مرضی کود بھی نہیں سکتے۔ کودنے میں ایک بھی دانت سلامت نہیں رہ سکتا۔ میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا کیا سب کو ہاتھی پر بیٹھنا ہوگا؟ میرے دوست بولے۔ ہاں! سبھی لوگ ہاتھیوں پر سوار ہو کر شیر کو گھیر لیں گے۔ صرف میں زمین میں کھڑا ہو کر شکار کے آنے کی راہ دیکھوں گا۔ ہاتھی پر بیٹھ کر شیر کو گھیرنا ہوگا یہ سن کر پسینہ آگیا۔ میں نے پوچھا "شیر کبھی ہاتھی پر حملہ بھی کرتا ہے کیا؟" میرے دوست نے نہایت اطمینان سے کہا "زخمی ہونے پر تو ضرور ہاتھی پر بھی حملہ کرتا ہے۔ اور یوں بھی کبھی کبھی ہاتھی پر حملہ کرتا ہے۔ پھر وہ ایک قصہ سنانے لگے جس میں شیر ہاتھی کے ماتھے پر کودا تھا اور چھتیس گولیاں اس پر چلی تھیں۔ میں نے گھبرا کر قصہ کے درمیان میں ہی کہا کہ چپ رہو شام کو پورا قصہ سنیں گے۔ یہاں سن کر ہی جان نکلی جا رہی تھی۔ اُس پر تو بیتی تھی پھر تھوڑی دیر بعد انھوں نے کہا شیر ہاتھی پر جھپٹتا ہے تو کبھی کبھی ہاتھی پر سوار شکاریوں کو بھی نوچ ڈالتا ہے۔ اب تو رہے سہے ہوش بھی غائب ہو گئے۔ مجھے شیر سے اپنی توند نچوانا پسند نہ تھی۔ اور کسی ذریعہ سے توند کم ہو جائے تو مجھے زیادہ اعتراض نہیں۔ مگر اپنی توند شیر کے پنجوں کی نذر کرنی مجھے منظور نہیں تھی۔ میں جان بچانے کا طریقہ سوچنے لگا۔ ایک بار اور ایک دوسرے دوست کے ساتھ ایک ایسے ہی جھگڑے میں پھنس گیا تھا۔ مگر پہلے دن کے بعد وہ تو شکار کھیلنے جاتے تھے اور میں ڈاک بنگلے میں بیٹھا نالوں کا شکار کیا کرتا تھا۔ پہلے روز کوئی شکار نہیں ہوا تھا۔ بڑی امید سے میں نے اپنے دوست کو یہ قصہ سنایا۔ انھوں نے فوراً کہا: "تب تو اور بھی اچھا ہے۔ پہلا شکار شیر ہی کا دیکھنا

تب تک ہم لوگ ندی کے کنارے پہنچ چکے تھے۔ وہیں پر ہاتھی تیار کھڑے تھے۔ میں نے اپنے دوست سے کہا: "میں بندوق چلانا نہیں جانتا ہوں۔ پر بیٹھکر ناول پڑھوں گا۔" میرے دوست نے جواب دیا اپنے پرانے دوست کے دھوکے میں نہ رہنا۔ لاچار ہوکر ایک ہاتھی پر بیٹھنا پڑا۔ کبھی عادت تو تھی نہیں بیٹھنے کی۔ ہاتھی اٹھنے لگا تو میں پیچھے کے بل ڈھلک گیا۔ خیر ہوئی کہ ہاتھی سے نیچے نہیں گرا۔ اتنے ہی میں ایک طرف سے چلانے کی آواز آئی۔ دیکھا تو ایک لمبی داڑھی والے صاحب ہاتھی پر چڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں اور ایک دوسرے صاحب ان کی ٹانگ نیچے سے کھینچ رہے ہیں کافی دیر تک یہ مذاق ہوتا رہا پھر کسی طرح وہ ہاتھی کی پیٹھ پر پہنچ ہی گئے۔ وہاں سے انھوں نے سینکڑوں گالیاں سنائیں۔ آخر تو ہاتھی۔ دھیرے دھیرے چل پڑے۔ ندی کے کنارے لمبی لمبی سوکھی ہوئی گھاس تھی اُسی میں سے ہوکر ہاتھی چلے جا رہے تھے۔ گھنٹہ بھر ناکہ بندی میں صرف ہوا پھر ہاتھی اپنی اپنی جگہ پر جاکر کھڑے ہوئے میرے ساتھ ایک اچھے شکاری تھے۔ مگر یہاں تو بندوق چلانی بھی نہ آتی تھی دل دھڑک رہا تھا، پسینہ جاری تھا اور شیر کے کودنے کا ڈر۔ جان نکالے لے رہا تھا۔ ہاتھی چاند کی شکل میں قطار باندھے ہوئے کھڑے تھے میرا ہاتھی ایک کنارے پر تھا۔ مجھے سب سے زیادہ شیر کے اپنے ہی ہاتھی پر کودنے کا خوف تھا۔ اتنے ہی میں ایک بندوق چلی اور ہانکا شروع ہوگیا۔ خوب ہو ہلا مچا ہوا تھا۔ بندوقیں دنادن چل رہی تھیں اور پٹاخے دھڑا دھڑ چھوٹ رہے تھے۔ دوسرے کونے پر یکایک کئی بندوقیں چلیں اور سامنے کچھ کودا۔ ایک ہاتھی بڑے زور سے چنگھاڑا۔ معلوم ہوا کہ شیر کود کر دوسرے کونے سے نکل گیا ہے۔ ہاتھی گھمائے گئے اور ہانکا دوسری طرف سے شروع ہوا۔ اتنے ہی میں میرا ہاتھی زور سے چنگھاڑا اور ایک دم آگے بھاگا۔ نہ جانے کیسے میں نیچے گرنے سے بچا۔ دونوں پیر میں نے کھٹولے کے جھولے میں پھنسا رکھے تھے۔ یہ نہ کیا ہوتا تو یقیناً نیچے پہنچا ہوتا۔ ہاتھی کی چنگھاڑ سے میرے ہوش اڑ گئے تھے اور اس کے یکایک بھاگنے سے میری نشست بگڑ گئی تھی۔ ایسی حالت میں نیچے گرنے دیر ہی کتنی لگتی مہاوت نے ہاتھی کو دو تین بار زور سے بھالے مارے۔ ہاتھی پھر زور سے چنگھاڑا اور خوف سے کانپنا شروع کیا۔ معلوم ہوا کہ اس ہاتھی کی عادت ہی ایسی ہے کہ پہلے جانور دیکھکر چنگھاڑتا ہے اور پھر زور سے بھاگتا ہے خود ہی جانور کو مارنے کے لئے۔ ابھی میں ٹھیک سے بیٹھنے بھی نہ پایا تھا کہ کان کے پاس ہی بندوق چلی اور سامنے سے سانبھر نکل کر بھاگا۔ لمبا گھیرا بنا کر ہانکا پھر لوٹا۔ شور مچاتے، بندوقیں چلاتے، پٹاخے چھڑاتے، چنگھاڑتے ہوئے ہاتھیوں پر بیٹھے ہوئے ہم لوگ جانوروں کو اس طرف ہانکتے ہوئے چلے جا رہے تھے جدھر میرے دوست زمین پر کھڑے ہوئے سامنے سے شیر کے آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ کافی دور چلنے کے بعد ہم لوگ اس جگہ کے بالکل قریب پہنچ گئے جہاں زمیندار صاحب کھڑے تھے۔ وہاں پہنچکر معلوم ہوا کہ شیر ادھر سے نہیں نکلا میں نے سمجھا کہ شکار ختم ہوگیا اور جان بچنے کی خوشی میں رومال سے پسینہ پونچھنے لگا۔ میرے دوست نے میری حالت دیکھکر ہنسکر کہا: "ابھی شکار ختم نہیں ہوا" میری ساری خوشی کافور ہوگئی۔

ہم لوگ باتیں کر ہی رہے تھے کہ ایک آدمی دوڑا ہوا آیا اور بولا کہ پیچھے کی طرف ہاتھی کے پیر کے نشان کے اوپر شیر کے پنجے کا نشان ہے۔ ہم لوگ فوراً ہی لوٹ پڑے نالے پر پہنچکر دیکھا تو واقعی شیر کے پنجے کا نشان تھا ہاتھیوں نے اُس نشان کے پاس پہنچتے ہی چنگھاڑنا اور بھاگنا شروع کیا۔ مجھے بڑی تسکین ہوئی۔ جب اتنا بڑا جسم لیکر ہاتھی گھبراتا ہے تو میں تو پھر بھی آدمی ہی ہوں ہاتھی بھی نہیں ہوں۔ نالے کے پار نکلنے کے لئے ہاتھی بڑھا تو

زمین ایسی ہلی گویا زلزلہ آگیا ہو۔ اگر ایک پیر ہاتھی آگے اور بڑھاتا دلدل میں پھنس جاتا اور نہ نکل سکتا۔ ہاتھی کو دلدل سے نکلنا سخت مشکل ہے۔ مگر اس کو پھیرنا بھی آسان نہیں۔ اس پر سوار ہونے والے کو ہاتھی کا پیچھے ہٹنا عجیب سا معلوم ہوتا ہے "دیج و پیچ" کے ساتھ ہاتھی پیچھے ہٹایا گیا اور بڑی مشکل سے ہم لوگ دوسرے راستے سے نالے کے پار ہوئے۔ اس پار پہنچکر پھر ہانکے، سے ہاتھی جمع ہوئے اس بار ہمارا ہاتھی بیچ میں پڑا۔ وہاں کھڑے کھڑے مجھے ایسا محسوس ہوا گویا کہیں قریب ہی ڈاک گاڑی اپنی پوری رفتار سے چلی جا رہی ہے۔ چاروں طرف گھوم گھام کر نظر دوڑائی مگر ریل کہیں نہ آئی۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ ہمارا ہاتھی ہی بول رہا تھا اور آواز ہاتھی ہی کے بولنے کی تھی۔ اتنے ہی میں بندوق کی آواز ہوئی اور ہانکا شروع ہوگیا۔ "بڑھے چلو" ہو ہو ہاہا" دھڑام دھڑام شروع ہوگیا۔ اس بار ہم لوگوں کے سامنے بڑی اونچی گھاس تھی۔ ہاتھی بھی اس میں چھپ جاتے تھے۔ میرے ساتھ بیٹھے ہوئے شکاری صاحب نے کہا" ہوشیار رہنا اسی گھاس میں سے شیر کودتا ہے"۔ یہاں یوں ہی پسینہ جاری تھا۔ ہوشیار رہنے کی بات سنکر چہرہ پیلا پڑگیا تین بار کوئی جانور سامنے سے کود کر بھاگا اور ہاتھی چنگھاڑ کر تین بار اس پر بے تحاشہ جھپٹا۔ یہاں گھبراہٹ میں گایتری منتر بھی آدھا بھول گیا۔

مشہور انگریز شاعر نے اپنی ایک نظم میں پوچھا ہے:۔ "اے صبا اگر سردی آتی ہے تو کیا بہار بہت دور ہو سکتی ہے؟" آخر ہانکا ختم ہو ہی گیا۔ تب تک شام کے ۴ بجے گئے تھے اور شیر نکل کر بھاگ چکا تھا۔ کمر ٹوٹ رہی تھی اور چہرہ سوکھ رہا تھا۔ یہ طے ہوا کہ اب شکار بند کرکے کھانا کھایا جائے۔ جان میں جان آئی مگر میل بھر لوٹ کر موٹر تک پہنچنا دشوار ہوگیا۔ اگر ایک ہاتھی کو ہنسی نہ سوجھی ہوتی تو آفت ہی ہوگئی ہوتی۔ لوٹنے کے پہلے ہاتھیوں کو پانی پلایا جا رہا تھا۔ ایک ہاتھی نے سونڈ میں پانی بھر کر اپنے سواروں کو نہلا دیا۔ بڑا لطف آیا طبیعت بشاش ہوگئی۔ کسی طرح شاردا ندی کے کنارے پہنچے۔ وہاں بڑا اچھا معلوم ہوتا تھا۔ گھنے جنگل ایک طرف تھے۔ بیچ میں شاردا ندی لہراتی بل کھاتی چلی جا رہی تھی۔ ایک کنارے پر بیٹھکر ہم لوگوں نے کھانا کھایا۔ پیٹ میں انتڑیاں قل ہو اللہ پڑھ رہی تھیں۔ اوّل تو دیہات کی صاف ہوا۔ دوسرے ہاتھی کی سواری تیسرے دن بھر کی تکان، خوب کھایا۔ شہر میں اتنا کھا لیا ہوتا تو ڈاکٹر جلد ہی بلانا پڑتا۔ مگر وہاں سب کھایا پیا ہضم ہوگیا۔ سُنا ہے کہ اونٹ کی سواری اور بھی بیڈھب ہوتی ہے۔ ہاتھی کی سواری تو بہت آرام دہ سواری کہی جاتی ہے یہاں اُسی میں خاتمہ ہوگیا اُونٹ کی سواری تو الگ رہی ہاتھیوں کو سامنے بندھا دیکھکر میرے دوست نے اُن ڈاڑھی والے صاحب کا ایک مزیدار قصہ سنایا جن کی ٹانگ ہاتھیوں پر چڑھتے وقت کھینچی جا رہی تھی۔ ایک بار اُن کی بے خبری میں ان کی لمبی ڈاڑھی ایک دوسرے ہاتھی پر بندھے ہو کھٹولے کے منجولے سے باندھ دی گئی اور پھر وہ ہاتھی دھیرے سے چلا دیا گیا جس پر وہ بیٹھے ہوئے تھے۔ داڑھی کھینچتے ہی وہ بڑی زور سے چلائے کہ اب ہم چل بسے ہمارا سب سے آخری سلام کہدینا۔ بڑی مشکل سے ہاتھی روکا گیا اور داڑھی چھڑائی گئی کافی دیر تک مزاق رہا۔

ہم لوگوں کے کھانے پینے تک اندھیرا ہوگیا۔ پھر موٹر پر بیٹھکر ہم لوگ زمیندار صاحب کے گھر پہنچے۔ سارا جسم پکے پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا اِتنی مصیبت تو ضرور اٹھائی مگر اب دعوے سے میں بھی کہہ سکتا ہوں کہ میں نے شیر کا شکار دیکھا ہے۔
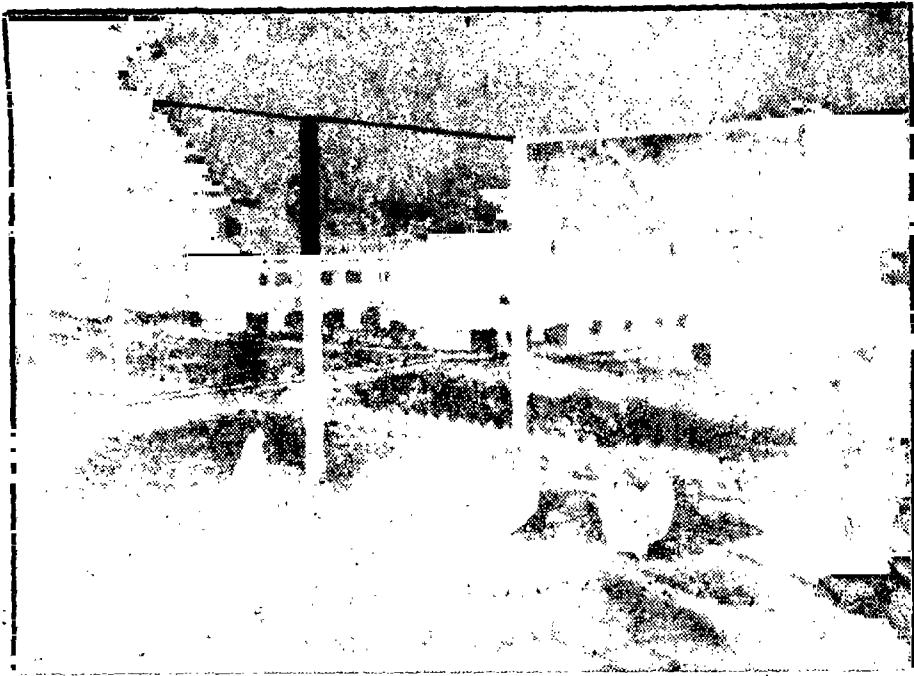
مرغی پالنا اور گاؤں سُدھار

(از جناب آر - ایل بانڈٹ پولیٹری ایکسپرٹ لکھنؤ)

آجکل ہر چہار طرف یہی پکار مچی ہوئی کہ ملک کی غریبی کس طرح دور ہو کن تدبیروں سے دیہات والوں کو فائدہ پہنچے ۔ کس طرح اچھی روزی ملے اور اُنکی زندگی سکھی ہو ۔

وجہ تلاش کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم میں کاہلی حد کو پہنچ گئی ہے خواہ اُس کی وجہ کچھ بھی ہو ہماری گھریلو صنعتیں اُجڑ گئی ہیں اور ہر طرف لاعلمی کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا ہے ۔

ہر ایک کام کرنے کے لئے ایک مقصد ہونا چاہیے جس کے حصول کے لئے عقل ، علم حوصلہ اور کوشش کا ہونا ضروری ہے ۔ انسان کو اپنا مقصد پورا کرنے کے لئے کوشاں ہونا پڑتا ہے جس کے بعد دولت حاصل ہوتی ہے ۔ جس سے دنیاوی زندگی سکھی ہوتی ہے ۔ جوش اور محنت کے بغیر کامیابی کی اُمید نہ رکھنی چاہیئے ۔

اس دنیا میں انسان آرام سے رہنا چاہتا ہے جب سخت محنت کرنے پر بھی اس کو پیٹ بھر کھانا اور تن ڈھکنے کے لئے کپڑا نہیں ملتا تو اس کی مایوسی کی انتہا نہیں رہتی - یہ ظاہر ہے کہ فکرمند آدمی محنت کرنے کے قابل نہیں رہتا ایسی حالت میں آرام کیسے حاصل ہو ؟

سرجان میو لکھتے ہیں کہ ۴۱ فیصدی ہندوستانیوں کی غذا قطعی خراب ہے - اس لئے اتنی بیوقت موتیں ہوتی ہیں اور بیشتر مریض اور کمزور ہیں ۔

ہندوستان زراعتی ملک ہے ۔ عوام کا ۷۵ فیصدی حصہ ظاہر طور پر اور ۲۵ فیصدی حصہ غیر ظاہر طور پر

کھیتی پر گزر کرتا ہے۔ اس لئے کھیتی کی ترقی کرنا ہر ہندوستانی کا فرض ہے صرف کھیت جوت کر اناج پیدا کر لینے اور چھ مویشی پال لینے ہی کو پوری کھیتی سمجھ لینا غلطی ہے۔ دودھ دہی، گھی اور مکھن کی تجارت، ساگ، سبزی، وجیلوں کی تجارت بھیڑ، بکری اور اون کا کاروبار، شہد کی مکھی پالنا اور شہد کی تجارت کرنا، مرغی، بطخ، پیرو وغیرہ کی تجارت وغیرہ ایسی صنعتیں ہیں جو کھیتی ہی کا جز ہیں۔

گھریلو پرندوں کا پالنا انسان کا غیروں کا پالنا زمانۂ قدیم سے چلا آتا ہے تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا کی تمام مرغیوں کی پیدائش کا وطن ہندوستان ہی ہے۔ رگ وید اور دیگر کتابوں میں ان کا ذکر پایا جاتا ہے ویدک مصنفوں نے مرغی کے گوشت کا ذکر کیا ہے جیسے وہ کہتے ہیں:- مرغی کا گوشت چکنا، گرم، مقوی باہ، طاقت بخش اور مسکن سودا نیز پسینہ کو نکالنے والا ہے بھاؤ پرکاش میں مرغ وغیرہ کے گوشت کو میٹھا، ٹھنڈا، کسیلا طاقت بخش مقوی باہ اور تینوں مرضوں کو تسکین دینے والا زود ہضم اور ہلکا لکھا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ قدیم میں گھریلو پرندوں کے پالنے میں ہندوستانی پورے ہوشیار تھے مگر آج ہندوستان پستی میں ہے۔ جبکہ ترقی یافتہ دوسرے ممالک انڈے و مرغیوں سے کروڑوں روپیہ کما رہے ہیں۔ ۱۹۳۶ء میں چین سے یورپ کے بازاروں میں ۴۰ لاکھ روپئے سے زیادہ کے انڈے گئے مگر اس سے ہندوستان محروم رہا۔ سائنٹفک اصولوں سے دیگر ممالک پیداوار کو زیادہ سے زیادہ بڑھا رہے ہیں جسکے باعث وہاں کے عوام آرام سے پیٹ بھرتے ہیں۔ ہندوستان کے پرندے برباد ہو رہے ہیں ان کی پیدا کرنے کی طاقت روز بروز کم ہو رہی ہے اور جسمانی طاقت بھی کم ہو رہی ہے۔

اب وقت نے کچھ پلٹا کھایا ہے ملک میں جوش کی لہر دوڑی ہے۔ ملک کی غریبی کی طرف عوام اور حکومت کی توجہ ہونے لگی ہے چاروں طرف اصلاح ہو رہی ہے اگر برابر اسی جوش سے کام ہوتا رہا تو کامیابی ضرور ہوگی۔

مرغی پالنے کے فائدے ۔ سال میں پانچ ماہ ملک کے کسان بیکار رہتے ہیں۔ اگر وہ یہ وقت مرغی پالنے میں لگائیں تو اچھی پونجی پیدا کر سکتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ وقت کا بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ اس کاروبار کو کرنے سے اگر بارش کی زیادتی یا کمی کے باعث کھیتی کا نقصان ہو جائے تو کسان اس کے ذریعے اپنی و اپنے خاندان کی پرورش کر سکتا ہے۔

مرغیوں کی تجارت کرنے کے لئے بہت زیادہ سرمایہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے غریب سے غریب کسان دس پانچ پرندے رکھ سکتا ہے۔ شہروں میں بھی تھوڑی سی زمین ہونے سے یہ تجارت بڑی آسانی سے ہو سکتی ہے۔ انکے پالنے میں خرچ بہت کم ہوتا ہے۔ تھوڑی سی مرغیاں گھر کے کوڑے اور کھیت کے بھوسے وغیرہ سے اپنا گزارہ کر لیتی ہیں۔ کھلیان کے بکھرے ہوئے دانوں و سڑک پر پڑی ہوئی چیزوں کو چگ کر اور ایسی بگڑی ہوئی چیزوں کا جو انسان کے کام نہ آسکتی ہوں استعمال کر کے انھیں خوبصورت انڈوں کی شکل میں بدلنے کی خدا نے عجیب طاقت دی ہے۔ اس کی بیٹ سے کھیتوں کو اچھی کھاد ملتی ہے اور کھیتی کو نقصان پہنچانے والے کیڑے مکوڑوں کو کھا کر کھیتی کو نقصان پہنچنے سے روکتی ہے۔

ایک اچھی مرغی سال بھر میں ۱۲ انڈے ماہوار اوسط کے حساب سے دے تو ۶/ آنے ماہوار کے حساب سے سال بھر کی آمدنی ساڑھے چار روپیہ ہوتی ہے۔ ۳/ آنے ماہوار کے حساب سے سوا دو روپیہ سال بھر کا خرچ ہوتا ہے۔ اگر دس مرغیاں بھی رکھی جائیں تو سال بھر میں ۲۰ روپئے کی صاف بچت ہوتی ہے۔ کیا یہ آمدنی زراعت کے دوسرے کاروباروں سے ہونے والی آمدنی سے کم ہے؟ ان پر غور کرتے ہوئے کھیتی کے ساتھ ساتھ مرغی پالنا بھی کسان کے

لئے مفید تجارت ثابت ہوتی ہے

سائنس دانوں نے پتہ لگایا ہے کہ انڈوں میں طاقت بخش جز کافی مقدار میں موجود ہے۔ مریض، کمزور اور بچوں کے لئے یہ بہت ہی فائدے بخش ثابت ہو ہے دودھ اور انڈا ایک ہی درجے کی غذا سمجھی جاتی ہے اس لئے مرغیوں کا رکھنا کسانوں کے لئے بہت ہی فائدہ بخش ہے

تجارت کی موجودہ حالت ۔ ہندوستان میں مرغی اور انڈوں کی تجارت جاہل لوگوں کے ہاتھ میں ہے ان لوگوں کی مالی حالت بہت پست ہے ان کے پاس نہ رہنے کو اچھی جگہ ہے نہ پیٹ بھرنے کو کافی کھانا ہے اور نہ جسم ڈھکنے کو کپڑے ہیں جب پالنے والوں کی یہ حالت ہے تو اسی سے پرندوں کی حالت کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے انھیں وجوہ سے ہمارے یہاں کے پرند بالکل کمزور کم انڈے دینے والے اور قد میں چھوٹے ہوتے جا رہے ہیں۔ مالک نہ تو ٹھیک دانا دیتے ہیں نہ پانی۔ انھیں رکھا ایسے دربوں میں جاتا ہے جہاں نہ ہوا جاسکتی ہے نہ روشنی۔ گندے ایسے ہوتے ہیں کہ انکے پاس کھڑا ہونا دشوار ہو جاتا ہے۔ ان کی بیٹ شاید ہی صاف کیجاتی ہو جہاں ۴ پرندے بمشکل ہوا و جگہ پا سکتے ہیں وہاں دس دس مرغیوں کو رکھ دیا جاتا ہے۔ اچھے برے مضبوط اور کمزور، بیمار اور تندرست سب ایک ساتھ رکھ دئے جاتے ہیں۔ پرندے پالنے کے اصولوں کا علم نہ ہونے کے باعث جیسے ہی پرند ملیں انھیں سے انڈے نکالے جاتے ہیں صبح مرغیوں کو کھول دینا اور رات کو دربے میں بند کر دینا بس صرف اتنا ہی مالک اپنا فرض سمجھتا ہے۔ اگر انڈے مل گئے تو اچھا ہے ورنہ فکر نہیں نفع نقصان کا سوال ان کی سمجھ ہی میں نہیں آتا چونکہ خرچ تو کچھ ہوتا نہیں اسلئے جو مل گیا وہ نفع ہے جب بیماری پھیلتی ہے تو مرے ہوئے پرند ادھر اُدھر پھینک دیئے جاتے ہیں ایسی حالت میں بیماری زیادہ پھیلتی ہے۔ یہاں تک کہ کبھی کبھی اُن بیماریوں کا انسان بھی شکار ہو جاتا ہے۔

اتنی خرابیوں کے باوجود ہندوستان میں انڈے اور مرغی کی سات آٹھ کروڑ کی تجارت ہوتی ہے اگر وقت کے مطابق چلکر مناسب احتیاطوں کے ساتھ یہ تجارت کی گئی تو ملک کو کافی اقتصادی فائدہ ہوسکتا ہے۔

کچھ ضروری باتیں ۔ اس تجارت کو ترقی یافتہ بنانے کے لئے چیز کا اچھا ہونا بہت ضروری ہے۔ تاکہ بازار میں قیمت اچھی مل سکے۔ ایسی مرغیاں پالنی چاہئیں جو زیادہ اور بڑے انڈے دیتی ہوں اور صحت مند دیکھنے میں سڈول اور خوبصورت ہوں۔ مرغیوں کی صحت ایسی ہو کہ ہمارے دیہاتوں کی مشکل زندگی میں بھی کامیابی سے پالی جاسکیں۔ مغربی ملکوں کی اصلاح شدہ نسل کی مرغیاں انڈے تو ضرور دیتی ہیں مگر وہ ہمارے ملک کے دیہاتوں میں کامیابی سے پالی نہیں جا سکتیں۔ اس لئے اپنے ملک ہی میں ایسی نسل منتخب کرنی چاہئے جو یہاں کی آب وہوا اور مشکلات کا مقابلہ کرسکے۔

دوسری ضرورت مناسب تعلیم کی ہے۔ اس کام کے لئے ایسے اشخاص ہوں جو مرغی پالنے اور تجارت کرنے میں ہوشیار ہوں، جو خوب محنت کرنے کے عادی ہوں جنہیں منظم شکل میں کام کرنے کی اہلیت ہو۔

تیسرا کام فائدہ مند منظم خرید وفروخت کا ہونا۔

اسلئے سب باتوں پر غور کرتے ہوئے تجارت کو کامیاب بنانے کے لئے حسب ذیل باتوں کی ضرورت ہے۔

(۱) تجارتی تعلیم

(۲) سارے صوبے میں کمزور اور نقصان دہ پرندوں کے بدلے اصلاح شدہ اور فائدہ مند پرندوں کا رکھنا۔

(۳) منظم اور فائدہ بخش خرید وفروخت

(۴) اشاعت۔

(باقی آئندہ)

دیہاتوں میں اصلاح کی خواہش

(از جناب چندر بھوشن شکل بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ گرام سدھار انسپکٹر الہ آباد)

میرے ایک دوست نے مجھ سے کہا کہ گاؤں کے لوگ تو بالکل دقیانوسی خیال کے ہوتے ہیں۔ مجھے یہ بات بہت نامناسب سی معلوم ہوئی کیونکہ انھوں نے کہا کہ آپ گاؤں والوں کو کتنا ہی سمجھائیے لیکن وہ اپنی پرانی عادتوں رسموں اور "جیسا چلا آیا ہے" اس کے سامنے کوئی بات سن نہیں سکتے اور اگر ان کے سامنے ولایت وغیرہ ملکوں کی باتیں کیجئے تو اُسے وہ اچنبھا مانتے ہیں اور اپنی قسمت کو قصوروار بتا کر ڈھیلے ہو جاتے ہیں۔ میں نے ان کی باتیں نہایت ادب کے ساتھ تسلیم کیں کیونکہ گاؤں کی جو تصویر اس وقت ہمارے سامنے ہے اس کا ایک رخ یہ بھی ضرور ہے۔

لیکن ذرا سا غور کرنے سے سبھی باتیں ہماری سمجھ میں آسکتی ہیں۔ محکمہ گرام سدھار میں آنے سے پہلے بھی میں نے دیہاتوں میں کام کیا ہے۔ شبیہ کے گشت سے شام کو چاروں طرف سے آکر جمع ہونے والے لوگوں کے عام جلسے میں تقریر کی ہے اور ہر ایک گاؤں میں ٹھہر کر رات کے ۲ بجے تک کسان سبھا بنائی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ میں اُس وقت دیہاتوں کی تنظیم کرتا تھا۔ لڑائی لڑوانے کے لئے ان کی غلامی کا ذکر کرکے ان کی بربادی کے باعثوں کو صاف الفاظ میں اُن کے سامنے پیش کرتا تھا۔ کہ ان میں یہ جوش پیدا ہو اور وہ ظالموں کے خلاف بغاوت کرنے کو تیار ہوں۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ تعمیر زیادہ مشکل ہے بہ نسبت تخریب کے۔ لیکن میں جو عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ گاؤں والوں کے لئے اب یہ کہنا کہ وہ اپنی ترقی اور بھلائی کی باتیں نہیں سنتے غلط ہے۔ یہ ہماری غلطی ہو سکتی ہے کہ ہم انھیں اچھی طرح سمجھا نہ سکیں۔

کسان اپنے فائدے کی بات بڑے غور سے سنتے ہیں۔ کسان رات کو ۲ دو بجے رات تک بیٹھ کر پنچایت بناتے تھے۔ میرے دوست کو یہ اور بھی تعجب ہوگا کہ اُس شام کی نشست میں عورتیں بھی شریک ہوتی تھیں اور وہیں سب طے کر کے یہ پاس کر لیتے تھے کہ صبح سے گاؤں بھر کی بیگار اور نذرانہ بند۔ سچ بات تو یہ ہے کہ اس میں کسانوں کا فائدہ تھا۔ اپنی کمائی کو محفوظ رکھنے کے لئے ہی وہ اس طرح تیار ہوتے تھے۔ ان میں جو جوش پیدا ہوتا تھا اور وہ ایک جماعت بنا لیتے تھے۔ وہ اس لئے نہیں تھا کہ وہ لڑنا چاہتے تھے۔ بلکہ پیسہ کی آمدنی کا سوال تھا۔ ان میں تنظیم کا مادہ فوراً پیدا ہو جاتا ہے۔ ہاں ہمارے سامنے اُس کو قائم رکھنے کی تجویز ضرور ہونی چاہئے۔

گرام سدھار ایک سولہ آنے تعمیری کام ہے۔ گاؤں کی صفائی اور کامل ترقی ہی اس کا مقصد ہے۔ میرا یہ عقیدہ ہے کہ اگر ہم دیہات والوں کے دل میں یہ بات جما دیں کہ اُنکی اُس محنت کا پھل اُن کے سامنے آیا ہے۔ اپنی غریبی، جہالت، مرض، گندگی و پستی کو دور کرنے کا جو قدم اُٹھایا تھا اُسے مضبوط رکھنے کا موقع ملا ہے۔ میرے خیال میں ہر ایک گرام سیوک کا یہ پہلا فرض ہے کہ گاؤں والوں کے دلوں میں اس طرح بہتر زندگی کی ایک خواہش پیدا کریں اور اُن میں گرام سدھار کے متعلق اپنے پن کا جذبہ پیدا کریں۔ دیہاتوں میں کتب خانے کھل رہے ہیں۔ اخبار جا رہے ہیں۔ بالغوں کی تعلیم اور صنعت و حرفت کی تعلیم ہو رہی ہے۔ کھیتی کے لئے جگہ جگہ بیج گودام کھولے جا رہے ہیں۔ اچھے بیجوں کی نمائشیں ہو رہی ہیں۔ اصلاح شدہ ہل اور کدالیں استعمال کی جا سکتی ہیں۔ آبپاشی کی بھی امداد ہو رہی ہے، کنوئیں بنائے ہیں۔ کھاد کی حفاظت کے لئے گڑھے کھودے گئے ہیں۔ زندگی سدھار جماعتیں رجسٹرڈ ہو رہی ہیں۔ پنچایت گھر قائم ہو رہے ہیں۔ دیہاتوں میں یوم حفظان صحت منائے

جاتے ہیں۔ صفائی کی جاتی ہے۔ ڈاکٹر اور دید تعینات ہوتے ہیں۔ کسرت گاہیں قائم ہو رہی ہیں۔ دیہاتوں میں راستے گلیاں چوڑی کرنے میں امداد ہوتی ہے۔ دستکاروں مثلاً بڑھئی، لوہار، جولاہوں اور گڈریوں کی جماعت بنائی جاتی ہے۔ اور انھیں روزگار کرنے کی امداد پہنچائی جاتی ہے۔ مویشیوں کی نسل کی ترقی کے لئے عمدہ سانڈ اور بکرے دیئے گئے ہیں۔ تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کون شخص اپنی آنکھوں کے سامنے یہ سب کچھ ہوتا ہوا دیکھ کر بھی اس کی طرف سے منہ موڑے گا۔ حقیقت کو سمجھ کر اگر گاؤں والے لڑائی کے خطرے کا استقبال کرنے کو تیار ہو سکتے ہیں تو جہاں اُن کے ساتھ اُن کے خوبصورت مستقبل کی تعمیر ہو رہی ہوگی اُس سے وہ کبھی بھی دُور نہیں رہیں گے۔ یہ تو قدرتی بات ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ گاؤں والے سب کی بات نہیں سُنتے۔ اسکے لئے گرام سیوکوں کو اپنی سچی خدمت اور سچائی کا ثبوت دینا ہوگا اور گاؤں والوں کا اعتماد حاصل کرنا ہوگا۔ میں سمجھتا ہوں کہ کوئی بھی شخص کسی کے کہنے پر جلدی عمل کرنے کو تیار نہ ہوگا جب تک اُسے پورا اعتبار نہ ہوگا۔ تعلیم یافتہ حضرات پہلے دونوں پہلوؤں کا مقابلہ کرتے ہیں اور پھر کوئی فیصلہ کرتے ہیں۔ پھر گاؤں والوں کے لئے یہ کمزوری نہیں کہی جا سکتی۔

دوسری بات جو ہمارے گاؤں والوں کے لئے کہی جاتی ہے وہ یہ ہے گاؤں والے اپنی پُرانی عادتوں اور رسموں کو جلدی نہیں چھوڑتے اور "جیسا چلا آیا ہے" اُسی کو چلائے جاتے ہیں۔ لیکن میں پوچھتا ہوں کہ کیا وہ خوش ہیں؟ کبھی نہیں! میں ضلع الہ آباد کے پرگنہ بارا میں گیا۔ کم از کم اُس روز دس گاؤں کو تو دیکھا ہی ہوگا۔ عجیب حالت تھی۔ گاؤں کے گاؤں میں کنوئیں نہیں تھے۔ میں نے جان بوجھ کر ایک گاؤں میں پانی پینے کو مانگا۔ ایک نوجوان دوڑ کر پانی لایا۔ میں نے پوچھا کہ پانی کہاں کا ہے اور مجھے تعجب ہوا کہ اُس نے بغیر ماتھے پر ذرا بھی شکن لائے یا کسی لحاظ کے جواب دیا "بابو تارا کا"۔ میرے ساتھی نے مجھے وہ پانی پینے سے روکا تو اُس دیہاتی نوجوان نے بڑی سادگی کے ساتھ کہا "بابو ہم نتھر کے لاوا با" (یعنی یہ پانی صاف ہے اور مٹی نیچے بیٹھ گئی ہے)۔

اسی طرح میں دوسرے ایک گاؤں میں پہنچا۔ ببول کے جنگلوں کے وسط میں دو چار نیچی نیچی جھونپڑیاں تھیں۔ اُس وقت وہاں کُل جمع ایک آدمی تھا جس نے چاول پکا کر رکھے تھے اُس کے پاس تھلی پیتل کی ضرور تھی لیکن کرچھل (چمچہ یا ڈوئی) ببول کی ایک ٹہنی ہی کا بنا رکھا تھا۔ تھالی میں پروس کر نمک اور مرچ کے ساتھ کھانے کا انتظام تھا۔ دن کے دو بجے تھے اور وہی اُس کا صبح کا ناشتہ یا رات کا کھانا تھا۔ میرا خیال ہے کہ کوئی بھی انگریز اُسے بن مانس سے کم نہ سمجھتا۔ میں نے اُس سے پانی کا ذکر کیا اُس نے بھی وہی "بابو تارا" کہا۔ اُس کی زندگی کے متعلق کچھ باتیں کیں۔ وہ ہنسنے لگا۔ کنواں کھودنے کی بات کا تو اُسے یقین ہی نہ ہوا اور اپنی زبان میں کہنے لگا کنواں کہاں بابو! جب تک تارا ماں پانی با تارا کا پیئے! پھر چوہڑا کھودیئے۔

اب فرمایئے اب انھیں روس کے کسان مزدوروں کی حکومت کے سنہرے خواب کیا بھائیں گے اُن کا سوراج تو اُن کا کنواں ہے اور اگر گید ڑ ان کے جھونپڑے میں نہ گھسنے پائیں کہیں ایسا کوئی انتظام ہو جائے تو سامراج کے داخل ہونے کا وہاں امکان نہیں ہے لیکن جب اُن سے پوچھا گیا کہ اگر کنوئیں بنوانے کے لئے انھیں روپیہ مل جائے تو وہ کچھ محنت مزدوری کریں گے تو وہ ایسی نظروں سے مجھے دیکھنے لگا گویا میں انھیں سورگ میں لئے جا رہا ہوں۔

یہ سب لکھنے کا مقصد میرا اُس فطرت کی طرف اشارہ کرنا ہے جس کے لئے لوگ کہتے ہیں کہ وہ لکیر کے فقیر ہیں۔ ضرورت یہ ہے کہ ہم اُنھیں نئی لکیر دکھائیں اور اُس پر چلنے کے فائدے سمجھائیں۔ مسٹر الفریڈ برین نے "بہتر گاؤں" نامی کتاب میں لکھا ہے کہ گاؤں سدھار والوں کے سامنے

پہلا سوال گاؤں والوں کے دلوں میں سدھار کی خواہش اور نیا جوش پیدا کرنا ہے۔ لیکن یہ جوش کوری کوری باتوں سے نہیں بلکہ حقیقی حالات بنا دینے سے پیدا ہوگا۔ گرام سیوکوں کو چاہئے کہ اُن کے سامنے بہتر زندگی کا نمونہ پیش کریں جس کو دیکھ کر دیہات والے صرف متحیر نہ ہو جائیں گے بلکہ وہ اُسے اپنانے کے فوائد بھی سمجھ جائیں اور اُسے حاصل کرنے کا مستحکم جذبہ اُن میں پیدا ہو جائے۔

لیکن گاؤں میں بھی پڑھے لکھے فقیر نہیں ہوتے گاؤں میں ایک طبقہ ایسا ہے جس کو لکیر کا فقیر کہا جائے۔ اور نہ گاؤں کے تعلیم یافتہ باشندے زمیندار، مہاجن وغیرہ شہر کی آمد و رفت یعنی عدالت کے تجربوں سے بیدار ہو گئے ہیں وہ اخبار بھی پڑھتے ہیں اور وقت کی رفتار سے واقف رہتے ہیں۔ ہاں ایک طبقہ اور بہت بڑا طبقہ ضرور تاریکی میں ہے درأصل یہی تعلیم یافتہ حضرات پر اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس نقص کو دور کرنے کے لئے خود مثال پیش کریں اور تب دوسرے بھائیوں کو اُٹھائیں۔

درحقیقت کسان کی زندگی میں اُمید کی کوئی جھلک اُٹھتی ہی نہیں۔ صدیوں سے کسان دوسروں کے ہاتھوں کا شکار رہا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ وہ اپنے کھیت کی جو ترقی کرے گا جو آمدنی بڑھائے گا وہ اس کی جیب میں نہیں جائے گی بلکہ سود، بقایا، لگان کے ذریعہ مہاجن یا زمیندار کی جیب میں چلی جائیگی۔ اس لئے ترقی کی طرف وہ کبھی مائل نہیں ہوتا اور بالکل دیوانگی کی سی زندگی گزارتا ہے چودھری مختار سنگھ جی نے اپنی کتاب میں ایک جگہ لکھا ہے۔

گاؤں کی حقیقی اصلاح تو گاؤں کے اصلی باشندے ہی کریں گے۔ تعلیم یافتہ طبقہ اور ہر گاؤں کے پڑھے لکھے لوگوں پر ملک کا یہ حق ہے۔ یہی گاؤں والوں کے دروازے پر زندگی کو بہتر بنانے کے ذریعے جمع کر دیتے ہیں اور اُنھیں سمجھا ہی نہیں بلکہ اپنا کر دکھا دینا ہے کہ یہ اُن کے بس کی ہی بات ہے مگر اس کے لئے بہت ضروری ہے گاؤں کی ایک سچی تنظیم۔ ایک زندگی سُدھار سبھا۔ ایک مستحکم پنچایت جو گاؤں والوں کو وقت کے مطابق آگے بڑھنے کی تعلیم اور حوصلہ افزائی کرے جس طرح گھر کا انتظام سلیقہ کے ساتھ کرنے کے لئے ایک سلیقہ مند عورت کی ضرورت ہے اسی طرح گاؤں کو منظم اور ترقی یافتہ بنانے کے لئے ایک ایماندار ممبروں کی دیہاتی پنچایت کی ضرورت ہے۔ پنچایتیں ہی اُن کی غریبی دور کر سکتی ہیں۔ ان کی سستی کو مٹا سکتی ہیں اور گرام سدھار اسکیم کو کامیاب بنا سکتی ہیں۔

کیا وہ واقعی خونی تھا؟

(از [illegible])

کسان کی گرہ میں جب کچھ پیسے ہو جاتے ہیں تو عموماً گیت سوجھتے ہیں اور وہ کچھ اکڑ کر بھی چلتا ہے۔ بنسی ایک اچھا پہلوان اور خاصا گویا تھا۔ اسی لئے جب وہ جسرا کی بازار سے ایک کنستر تیل بیچ کر لوٹا تو گھمنڈ سے اُسکی چھاتی کچھ پھول گئی تھی اور وہ کھلی آواز سے کچھ الاپ بھی رہا تھا۔ وہ کاندھے پر لٹھ رکھے ایک ہاتھ میں خالی کنستر لٹکائے اور پیٹھ پر نمک گڑ اور بچوں کے لئے تھوڑی سی لال مٹھائی باندھے بلند آواز سے گاتا ہوا گھر کی طرف جا رہا تھا۔

جسرا بازار سے تھوڑی دور پچھم کی طرف جانے پر ایک نالہ پڑتا ہے۔ اس نالے میں اکثر ڈاکو چھپے رہتے ہیں اس لئے بنسی دن رہتے ہی نالے کو پار کر جانا چاہتا تھا اور اسی سے اس کے پیر تیزی کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے حالانکہ بنسی ایک اچھا لٹھیت اور کسرتی جوان تھا لیکن چونکہ اس کے پاس اس وقت بیس پچیس روپئے تھے اسلئے وہ متفکر تھا۔

جب وہ نالا ڈانک گیا اور کسی قسم کا خوف نہ رہ گیا تو وہ اور بھی بلند آواز سے گاتا ہوا چلا۔ چاروں طرف کی زمین دن بھر کی تپش کے بعد ٹھنڈی ہو رہی تھی۔ ہوا میں بھی کچھ ٹھنڈک آ رہی تھی اور فضا میں نیم کے پھولوں کی ہلکی ہلکی خوشبو بس رہی تھی۔

یہ خوشبو بنسی کو اور بھی مست بنا رہی تھی۔ اب بنسی جس راستے سے چل رہا تھا وہ ایک میدان کے بیچ سے گیا تھا۔ آس پاس کوئی گاؤں نہ تھا۔ مگر میدان میں مویشیوں کے پھرنے اور انسانوں کے آنے جانے کی آہٹ بنسی کو معلوم ہو رہی تھی کھیتوں کے بیچ میں وہ راستہ صاف ستھرا اور میدان پر ایک پٹی کی طرح پڑا ہوا تھا۔

گیت ختم کر کے جب بنسی نے دوسرا گانا شروع کرنے کے لئے گہری سانس لی تو اس کی نظر سجاول شیو نانک پر پڑی۔ یہ حضرت تیغہ لگائے ایک گھوڑے پر سوار تھے۔ انکے اِدھر اُدھر دو کارندے تھے۔ دونوں کے کندھے پر بڑی بڑی لاٹھیاں تھیں اور ایک کے ہاتھ میں سجاول صاحب کی دونلی بندوق۔ سجاول شیو نانک کو دیکھکر بنسی کو یکایک وہ مصیبتیں یاد آگئیں جو اسے انکے باعث اُٹھانی پڑی تھیں۔ یہ وہی شیو نانک تھے جنکی مہربانی سے وقت پر لگان نہ دے سکنے کے باعث اس کے سب کھیت بیدخل ہو گئے تھے بنسی کی خوشامد درامد کرنے پر بھی اسکو ایک ماہ کی مہلت نہیں

دی گئی تھی اسلئے اب جنی کے دل میں انکے لئے کوئی وقعت نہ تھی اور یہ بات اس کے کاٹ اور اکڑ کر چلنے سے ظاہر ہو رہی تھی۔

جنی سوچ رہا تھا کہ جب سجاول صاحب نے اس پراتنی مہربانی نہ کی کہ اُسے ایک ماہ کی مہلت دیتے تو وہ اُن کی عزت کیوں کرے ان کی سواری آتے دیکھکر وہ کیوں راستے سے ہٹکر کنارے کھڑا ہو جانے اور ان کو کیوں سلام کرے؟

اس طرح دل میں سوچتا ہوا اور کچھ گاتا ہوا جنی آگے بڑھ رہا تھا۔ راستہ بہت تنگ تھا۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ بغیر ایک کے راستہ چھوڑے دوسرا اس پر سے

نکل جائے۔ سجاول صاحب ٹٹو پر سوار تھے ان کے اِدھر اُدھر دو کارندے چل رہے تھے وہ جنی کے لئے راستہ نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ یہ تو جنی کا فرض تھا کہ وہ راہ سے ہٹ کر کنارے کھڑا ہو جائے اور جب سجاول صاحب چلے

جائیں تو وہ اپنا راستہ لے۔ جنی اس طرح کئی بار کر بھی چکا تھا۔ لیکن اب وہ اُنکی عزت کرنے کے لئے قطعی تیار نہ تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جنی اور سجاول صاحب ایک دوسرے کے بہت قریب آکر آمنے سامنے کھڑے ہو گئے۔

سجاول صاحب نے لاپروائی سے جنی کو دیکھتے ہوئے کہا "رسی جل گئی مگر اینٹھن نہ گئی۔ کیوں بے! جنی تو اتنا گستاخ ہو گیا ہے کہ میرا راستہ روک کر کھڑا ہوتا ہے"۔

(۳)

جنی نے کہا "آپ ۳ ہیں میں اکیلا ہوں۔ راستہ آپ روکے ہوئے ہیں کہ میں۔

موہن چپ چاپ
چارپائی پر لیٹا ہوا ہے

میں خون بہانے کو تیار رہتا تھا۔ ان کے قدموں کی خاک اپنی پیشانی میں لگانے کو تیار رہتا تھا مگر انھوں نے ہی میرا ستیاناس کر دیا۔ جب میں ان کی زمین میں بسا تھا تب انھوں نے مجھے مٹی میں ملانے کی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔

اب تو میرے اوپر ان کا کوئی احسان بھی نہیں ہے۔ اور اب میں ان کی عزت بھی نہیں کرنی چاہتا میں انکے لئے راستہ نہیں چھوڑوں گا۔ آپ دونوں بھائیوں کیلئے راستہ چھوڑ سکتا ہوں، اس ٹٹو کے لئے راستہ چھوڑ سکتا ہوں بشرطیکہ یہ اس پر سے اتر جائیں اور الگ کھڑے ہو جائیں مگر ان کی میں قطعی عزت نہیں کرنی چاہتا۔"

ایک کارندے نے کہا: "جنسی اس طرح اکڑو گے تو بڑی مشکل سے ہو گا۔"

دوسرے نے کہا: "جنسی اگر تم اپنی خیر چاہتے ہو تو راستہ چھوڑ کر الگ کھڑے ہو جاؤ اور چپ چاپ اپنے گھر جاؤ۔"

جنسی نے دونوں کارندوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "ایک دن تھا کہ جہاں سجاول صاحب کا پسینہ گرتا تھا وہاں

بنسی نے اپنے لٹھ کو کندھے سے زمین تک اتر آنے دیا اور جیب سے مرچ اور چونا نکال کر دونوں ہاتھوں سے پھانکنے لگا۔ اس کی یہ حرکت دیکھ کر سجاول شیو ونائک کے غصہ کی حد نہ رہی۔ انھوں نے کارندوں کے ہاتھ سے اپنی بندوق لے لی اور کہا "بدمعاش! ہوشیار ہو جا۔ میں ابھی تیرے اوپر فائر کرتا ہوں"

بنسی نے سجاول شیو ونائک کی اس بات کی ذرا پروا نہ کی۔ اس نے پیٹ پیٹ کر ملی ہوئی مرچ کی گرد اڑائی اور دونوں کارندوں کی طرف ادب کے ساتھ بڑھائی۔

ایک کارندے نے کہا "بنسی! راستہ چھوڑ دو۔ تمھاری سب سے بڑی خاطر اس وقت یہی ہے۔"

دوسرے کارندے نے کہا "بنسی غضب ہو جائیگا۔ پاگل نہ ہو۔"

بنسی نے اپنے منہ کے اندر مرچ کی ایک چٹکی ڈالتے ہوئے کہا "بھائی راستہ تو نہ چھوڑوں گا۔ سجاول صاحب جانا چاہیں تو بغل سے جا سکتے ہیں۔"

"بیوقوف میں تیری لاش پر سے جاؤنگا۔" یہ کہتے ہی سجاول صاحب نے بندوق کا گھوڑا دبا دیا۔

دھڑام سے آواز ہوئی۔ پاس کے آم کے درختوں پر بیٹھی ہوئی چڑیاں چیخ اٹھیں اور اڑ گئیں۔ کارندے غضب ہوا کہکر چلا اٹھے۔ انجام کے خیال سے سجاول شیو ونائک کچھ گھبرا سے گئے اور ان کے سامنے پل بھر کے لئے اندھیرا سا چھا گیا انھیں خیال ہوا بنسی دنیا سے رخصت ہو گیا۔ مگر یہ غلط تھا بنسی کھڑا مسکرا رہا تھا۔ اور گولی اس کی بغل سے نکل گئی تھی یہ نہیں تھا کہ شیو ونائک نشانہ ٹھیک نہ لگا سکے تھے۔ وہ بڑے نشانہ باز تھے دوڑتے ہوئے ہرن کو مار گراتے تھے مگر بنسی کچھ ایسا پھرتیلا تھا کہ جب انھوں نے اپنی بندوق کا گھوڑا دبایا تو وہ اچھلکر ایک طرف ہو گیا اور بندوق چھوٹتے ہی اچھلکر پھر اپنی جگہ پر آگیا۔

بنسی بال بال بچ گیا تھا اس سے سجاول شیو ونائک خفیف تو بہت ہوئے تھے مگر دل میں خوش بھی تھے ایک غضب ہوتے ہوتے بچ گیا تھا اور اب انھیں اتنا غصہ نہ تھا جتنا پہلے تھا۔

بنسی نے کہا "سجاول صاحب دوسری گولی بھی آزما لیجئے"

سجاول صاحب نے کہا نہیں اب تو اپنی لاٹھی کی آزمائش کر

بنسی نے کہا "اچھا سنبھل جائیے"

دونوں کارندے چلا اٹھے "خبردار! بنسی بے خبردار!!"

سجاول صاحب نے پھر اپنی بندوق اٹھائی اور نشانہ ٹھیک کرنے لگے۔ بنسی پیچھے ہٹا اور دوڑ کر ایک ہی چھلانگ میں ٹٹو پر بیٹھے ہوئے سجاول صاحب کے سر پر سے اوچھل گیا اور ان کے پیچھے جا کر کھڑا ہو گیا۔

بنسی نے کہا "سجاول صاحب چاہئے میں نے آپکی بہادری دیکھ لی" اور وہ گاتا ہوا اپنے گھر کی طرف چلا گیا۔

(۲)

اس واقعہ کے دس روز بعد جبکہ بنسی اپنے گھر میں بیٹھا ہوا کھانا کھا رہا تھا، اس کے دونوں بیٹے موہن اور رادھا جنگل میں کھیل رہے تھے اور اس کی بیوی رام کلیا جسے رام کلی زیادہ کہتے ہوں گے اسکے پاس بیٹھی پنکھا جھل رہی تھی۔ بارہ کے تھانیدار نے چار پانچ پولیس کانسٹبلوں اور دس بارہ چوکیداروں کے ساتھ اسکا گھر گھیر لیا۔ آس پاس کے گھروں کی عورتوں نے بنسی کے گھر جا کر اسے یہ خبر دی۔

اس درمیان میں بنسی نے کوئی جرم نہ کیا تھا۔ اسلئے یکایک پولیس کے آنیکی خبر سنکر وہ چونکا اور گھر سے باہر جانے لگا۔ رام کلی نے کہا "اب تو جو ہونا ہوگا ہی۔ تم کھاؤ میں باہر جا کر دیکھتی ہوں کہ کیا قصہ ہے۔"

رام کلی باہر آئی داروغہ جی کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہو گئی اور بولی "حضور کیا قصور ہوا ہے" داروغہ صاحب نے اسکے اوپر گالیوں کی بوچھار کرتے ہوئے کہا "تو ڈاکو کی عورت! یہ پوچھنے آئی ہے کہ کیا قصور ہوا ہے۔ اسکی کمائی کھاتی ہے اور پتہ نہیں۔"

جنسی نے اپنی پوٹلی کھولی اور اُس میں سے رادھا کو نکال کر ایک ساری دی۔ اس کے بعد اُس نے پوچھا۔ "موہن کہاں ہے؟ میں انداز سے اُس کی ناپ کا بھی ایک کُرتا لایا ہوں"۔

رام کلی نے جنسی کو سارے واقعات سُنا دیئے اور اُسے اُس کوٹھری میں لے گئی جس میں موہن چُپ چاپ کھاٹ پر لیٹا ہوا تھا۔ جنسی نے جھک کر اپنے بیٹے کی پیشانی کو چوما اور اُس کی بغل سے اپنی لاٹھی لے کر اُسے بھی چوما اور جو نیا کُرتا لایا تھا وہ اُسے پہنا دیا۔ پھر جیب سے ایک ڈبیہ نکالی اور اُس میں سے مرہم نکال کر اُس کی چوٹ پر لگا دیا اُسکے بعد ایک گلاس میں اپنے تھیلے سے نکال کر کوئی چیز موہن کو پلا دی جس سے اُس کے جسم میں پھر سے طاقت اور ہوش آ گیا۔

جنسی نے موہن کے خون سے سنے ہوئے کپڑوں کو خود پہن لیا اور صاف ستھرے کپڑے موہن کو پہنا دیئے۔

اُس نے موہن سے کہا "بیٹا اب تم رات ہی رات جسرا بازار چلے جاؤ۔ جو دوا میں نے تمھیں پلائی ہے اُس میں اتنی طاقت ہے کہ تم جسرا بازار تک چلے جاؤ گے۔ وہاں تم سیٹھ چرنداس کے یہاں چلے جانا اور میرا نام لیکر کہنا کہ جنسی نے بھیجا ہے۔ وہ تمھیں اپنے گھر میں چھپا لیں گے اور تب تک چھپائے رہیں گے جب تک یہ معاملہ ختم نہ ہو جائیگا۔

لڑکے نے کہا "نہیں ایسا نہیں ہوگا"۔

جنسی نے اُسے ڈانٹ کر کہا "ہوگا کیوں نہیں۔ پاگل ہوا ہے۔ باپ بیٹے دونوں گرفتار ہوں اس سے تو یہی بہتر ہے کہ صرف باپ گرفتار ہو جس کو ہر حال میں گرفتار ہونا ہی ہے۔ میں اپنے بیان میں کہدوں گا کہ میں نے اُنھیں مارا ہے میری اُن کی پُرانی دشمنی ہے۔ تم فوراً گھر کے باہر نکل جاؤ۔ تم کو ماں اور بہن کی پرورش بھی تو کرنی ہے میں نے زندگی میں بہت کچھ دیکھ لیا ہے۔ تمھیں تو دیکھنا ہے۔

جنسی نے ڈھکیل کر بیٹے کو گھر سے باہر کر دیا اور اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ رام کلی نے چولھا سُلگایا۔ بھینس کا کچا دودھ رکھا تھا۔ اُس میں تھوڑا چاول ڈال کر چولھے پر چڑھا دیا اور تھوڑی دیر بعد جنسی کو کھانے کے لئے بلایا۔

جنسی کھانا کھاتا جاتا تھا اور اپنے جیل کے تجربات بیان کرتا جاتا تھا۔ لیکن رام کلی کا دل کہیں اور تھا۔ وہ اپنے لڑکے کو کھو چکی تھی اور صبح ہوتے ہی شوہر کے چلے جانے کا بھی خوف تھا۔

کھانا کھا چکنے کے بعد جنسی نے کہا "پیاری! میں تجھ سے خوش ہوں کہ تو سچ مچ ایک کسان کی بیوی اور ایک نوزائیدہ کسان کی ماں ہونے کے لائق ہے ہم کسانوں کی تندرستی ہی ہماری دولت ہے۔ اگر ہم تندرست ہیں تو بہت کچھ کما سکتے ہیں۔ اگر تندرست نہیں ہیں تو کچھ نہیں کر سکتے۔ کسان کو چاہئے کہ وہ جو کچھ بھی دولت پیدا کر سکتا ہے وہ اپنے اور اپنے بچوں کی جسمانی تندرستی میں لگائے۔ تم نے یہ فرض بخوبی انجام دیا ہے۔ یہ میں اپنے بچوں کو دیکھ کر کہہ سکتا ہوں۔ تم اب گھر کو اچھی طرح چلا سکتی ہو اس کا مجھے یقین ہو گیا ہے۔

یہ کہتے کہتے جنسی نے اپنی حلق میں ہاتھ ڈالا اور معلوم ہوا کہ وہ قے کرنا چاہتا ہے۔ رام کلی کچھ چونکی لیکن اُس نے دیکھا کہ اُس کا شوہر گنّیاں اُگل رہا ہے۔ ۱ - ۲ - ۳ - ۴ پوری ۲۵ گنّیاں جنسی نے اپنی حلق سے نکالیں اور پانی سے دھو کر اُنھیں رام کلی کو دیکر پوچھا "رادھا کی شادی ہوئی ہے کہ نہیں"

"نہیں" رام کلی نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ اتنے روپئے میں میرے جیسے کسان کی لڑکی کی شادی کے لئے کافی ہیں"۔

رام کلی نے کہا "اس کے لئے تمھیں اتنا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے بھی کچھ روپئے جمع کر لئے ہیں"۔

یہ کہکر رام کلی جنسی کو ایک کوٹھری میں لے گئی اور سارے ایک گڑھا کھود کر روپیوں سے بھری ہوئی ایک مٹیا نکالی۔

بیوی کی یہ حرکت دیکھ کر جنسی اور خوش ہوا۔

اس نے کہا "اچھا میری گٹھریاں بھی اسی میں گاڑ دو اور دیکھو اس بار مقدمے میں ایک پیسہ بھی خرچ نہ کرنا میں جیل کی زندگی کا خوب عادی ہو چکا ہوں صرف ایک ہی خواہش باقی رہ گئی ہے۔ اگر میں جیل نہ جاتا تو اپنے لڑکے کو تھوڑا پڑھا دیتا لیکن آدمی کی ہر ایک خواہش نہیں پوری ہوتی کوئی نہ کوئی حسرت باقی ہی رہ جاتی ہے۔

میاں بیوی میں اسی قسم کی بات ہوتے ہوتے سویرا ہو گیا۔ رہنسی ۱۵ سال بعد جب اپنے گھر سے پھر باہر نکلا تو اس نے اپنے گھر کو سپاہیوں سے گھرا ہوا پایا۔ وہ سب لوگ موہن کو گرفتار کرنے آئے تھے لیکن موہن سے تنگ ہونے والے لوگ رہنسی کو دیکھ کر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ ایک گواہ نے کہا: "مجھے اسی وقت خیال آیا تھا کہ وہ رہنسی ہی ہے۔ رہنسی کے سوا دوسرا کون اس بہادری سے لاٹھی چلا سکتا تھا۔"

اس بار رہنسی اپنی لاٹھی کے ساتھ گرفتار ہوا۔ پولیس والے اسے پھر اسی طرح گرفتار کر کے بارا کے تھانے کی طرف لے چلے۔ اس بار اسے رخصت کرنے کے لئے ایک کے بجائے دو عورتیں آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے کھڑی تھیں۔

سارے گاؤں میں شور مچ گیا کہ رہنسی آیا ہے۔ آس پاس کے سب لوگ اسے دیکھنے نکلے اور اس کی بہادری کی تعریف کرتے ہوئے بہت دور تک اسے پہنچانے گئے۔

قدرت کا اٹل قانون

(از جناب محمد نبی اللہ صاحب مجوّدل ارگنائزر حلقہ بھدرسہ ضلع فیض آباد)

کسانو! تم مصیبت جھیلتے ہو اک زمانے سے
زمانہ آگیا ہے اب مصیبت سے نکلنے کا

زمانے میں تمھیں سب سے گری حالت میں پاتے ہو
گرے لوگوں کو موقعہ مل رہا ہے اب سنبھلنے کا

چمن والوں کے دل میں آج یہ احساس پیدا ہے
تمھیں بھی حق ہے حاصل پھولنے کا اور پھلنے کا

تمھاری بہتری کی سوچتے ہیں گر یہ تدبیریں
جنھیں ہے زور حاصل ملک کا نقشہ بدلنے کا

مٹے جس سے غریبی تم بھی کچھ خوشحال ہو جاؤ
دیا جائیگا موقعہ تم کو ایسی چال چلنے کا

دل و جاں سے تمھارے رہنما تیار ہیں ہر دم
سہارا دیں تمھیں ڈر ہو جو قدموں کے پھسلنے کا

مگر محزوں یہ نکتہ دل نشیں رکھنا ضروری ہے
اٹل قانون قدرت کا نہیں ہرگز یہ ٹلنے کا

"خدا نے آجتک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا"

(از جناب رائے بہادر سید یوبہاری مصر لکھنؤ)

گزشتہ مضمون ۳ مارچ کو حوالۂ قلم کیا گیا تھا۔ اس دوران میں دنیا نے بہت بڑے بڑے واقعات دیکھے۔ اسپین میں جنرل فرینکو کی کامل فتح ہو چکی ہے۔ امید تھی کہ کیڈالینو والی فتح کے بعد سو بہ میڈرڈ بغیر جنگ کئے مل جائے گا اور وہی ہوا۔ اب اسپین کی پوری سلطنت پر اس کا اقتدار ہے۔ اس ملک میں چار متفرد جماعتیں تھیں یعنی کمیونسٹ، فلنگائیٹ کارلسٹ اور چرچ۔ آخری تینوں جماعتوں نے مل کر اٹلی اور جرمنی کی خفیہ امداد سے طاقتور کیونسٹ جماعت کو شکست دیدی۔ اب جنرل فرینکو کے سامنے یہ سوال ہے کہ نظام سلطنت کس طرح چلایا جائے تاکہ ان تینوں میں جھگڑے کی نوبت نہ آنے اور جرمنی و اٹلی کا بیجا دباؤ ملک پر نہ پڑے۔ کمیونسٹ انھیں کہتے ہیں جو ملک کی ساری دولت برابر تقسیم کرنا چاہتے ہیں کسی کی خواہ کتنی ہی آمدنی ہو یا نہ ہو یہ لوگ سب آمدنی ملا کر سب میں برابر تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے خیالات سے کچھ اور نرم خیالات والے سوشلسٹ کہلاتے ہیں۔ ان کا خیال آمدنی کو برابر تقسیم کرنے کا تو نہیں ہے لیکن یہ سرکاری اخراجات کا بار امیروں پر زیادہ ڈالنا چاہتے ہیں اور غریبوں پر بہت کم۔

اسپین کی تینوں دیگر جماعتیں سرمایہ پرست ہیں جن کا عقیدہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنی آمدنی اور جائداد سے پورا فائدہ اٹھائے۔ اس ملک میں کمیونسٹوں کا اتنا زور تھا کہ تینوں بقیہ جماعتیں مل کر بھی ان کے سامنے ٹھیر نہیں سکتی تھیں چنانچہ جرمنی اور اٹلی کی مدد پا کر بھی سرمایہ دار دو سال سے زیادہ عرصہ میں فتح حاصل کر سکے۔ کمیونسٹوں کی مدد روس کر رہا تھا مگر یہ دور کا سودا تھا اس لئے اس مدد سے زیادہ فائدہ نہ ہوا۔ فرانس میں بھی کمیونسٹوں اور سوشلسٹوں کا کافی زور ہے۔ حال ہی کی بلم صاحب کی حکومت سوشلسٹ تھی اور موجودہ دلادیر گورنمنٹ سرمایہ پرست ہے۔ فرانس والے اسپین میں نہ تو سوشلسٹوں کی فتح چاہتے تھے نہ جرمنی و اٹلی کی۔ اسی لئے وہ اس جنگ کے دوران میں بڑے مخمصے میں تھے۔ حکومت برطانیہ بھی سرمایہ پرست ہونے کے باعث ایسے ہی خیالات رکھتی تھی اگر یہ دونوں اسپین میں کمیونسٹوں کی مدد کرتے تو اٹلی اور جرمنی کی مدد کے باوجود سرمایہ پرستوں کی فتح نہ ہو سکتی۔ کچھ لوگوں کے ایسے ہی خیالات ہیں۔

اب ان دونوں کی خواہش ہے کہ جنرل فرینکو اٹلی و جرمنی کے اثر سے آزاد رہے۔ فرینکو فلنگائیٹ جماعت کا ہے جو جمہوری حکومت چاہتا تھا۔ اس کی بیوی کارلسٹ جماعت کی ہے یہ لوگ کسی بادشاہ کا ہونا ضروری مانتے ہیں فرینکو خود دونوں طرف رجوع ہے۔ چرچ والے گرجا گھروں کا اقتدار چاہتے ہیں۔ خوف ہے کہ کہیں ان تینوں میں خانہ جنگی نہ ہو جائے۔ فرینکو با امن فیصلہ چاہتا ہے۔ ملک میں سرمایہ پرست کمزور ہیں اور کمیونسٹوں کا اب بھی کافی زور ہے۔ پھر سرمایہ پرستوں میں جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے آپس میں کامل اتفاق نہیں ہے۔ کمیونسٹوں کے مقابلے میں تو وہ متحدہ محاذ بنا کر لڑتے رہے لیکن حکومت کی صورت کے فیصلے میں بھی ملے رہیں گے۔

اسپین: بلمو۔ پنتیا ب جنرل فرینکو اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ وار سلونا میں۔

یہ بظاہر آسان نہیں ہے پھر ملک کے مفاد کے لحاظ سے کوئی بات اچھی ہوتی ہے مگر اٹلی اور جرمنی کے لئے اسکے برعکس ان حالت میں دیکھنا ہے کہ فرینکو کیا کر سکتا ہے۔ دولت کی کمی اٹلی اور جرمنی سے پوری نہیں ہو سکتی اور برطانیہ و فرانس بغیر اپنی مرضی کے مطابق شرط کئے قرض دینگے نہیں اور بلا دولت کے بھی کام چلتا نہیں نظر آتا۔ لہذا اسپین میں اب بھی خانگی اختلاف ہے اور بیرونی اثرات کے تحت ملک کی نجات دور نظر آتی ہے۔ دو تین ماہ میں معلوم ہو گا کہ معاملہ کا رُخ کدھر ہے۔ امریکہ نے بھی حال ہی میں فرینکو کی حکومت تسلیم کر لی ہے۔ اسپین میں اٹلی اور جرمنی کے اثر سے بحر روم میں برطانیہ اور فرانس کی بحری قوت کچھ نہ کچھ نقصان اُٹھاتی ہے۔ یہ سرگوشی بھی سُنی جا رہی ہے کہ فرینکو کو برطانیہ کے جبرالٹر کے متعلق کچھ گڑبڑ کرنے کے لئے مجبور کیا جائیگا۔ لیکن جنگ کے بغیر یہ کوشش بار آور نہ ہوگی اس لئے یہ ہوتا نظر نہیں آتا۔

چین میں اب بھی جنگ جاری ہے کہیں جاپان کی فتح ہوتی ہے تو کہیں کہیں چین جیت رہا ہے۔ آجکل جاپان برطانیہ سے بہت ناخوش ہے۔ ہیپن پر اسکے قبضے سے سنگاپور کی اہمیت کم ہو جائیگی اور انڈو چائنا پر بھی فرانس کو خطرہ ہے اُدھر معاملہ نے کچھ اور طول نہیں پکڑا۔

اٹلی نے ٹیونس، سویز اور جیبوتی کے متعلق بہت کچھ کہا ہے لیکن فرانس نے صاف کہدیا ہے کہ جنگ کے بغیر ایک سوئی برابر بھی زمین نہ دی جائیگی۔ اس پر اٹلی کچھ خاموش ہے لیکن مستقبل قریب میں کوئی گڑبڑی ہو سکتی ہے۔ جرمنی نے ان دنوں خوب کام کئے۔ گذشتہ ستمبر میں فیصلہ میونک میں اُسے سوڈیٹن مل گیا تھا۔ سلوویکیا تقریباً آزاد ہو گیا تھا۔ کارپتھو یوکرین (روتھینیا) کا کچھ حصہ ہنگری کو مل گیا تھا اور باقی آزاد تھا۔ زیک لینڈ دو صوبوں میں منقسم ہو گیا تھا اور آدس کا قبضہ مذکورہ بالا صوبوں پر برائے نام رہ گیا تھا۔ روتھینیا کے لئے ہنگری ہمیشہ سے مشتاق تھا کیونکہ جنگ عظیم کے پہلے یہ صوبہ اُسی کا تھا۔ پولینڈ بھی

پریسیڈنٹ روزویلٹ یورپ کی سیاست پر ایک اتفاقی سے باتیں کر رہے ہیں۔

سرحد سے زناری کا ملنا پسند کرتا تھا۔ ان دنوں مارچ ۱۹۳۹ء میں سلوونیہ پہلے زیکس سے آزاد ہوگیا اور پھر جب خود پورا زیکٹ لینڈ اندرونی آزادی کا وعدہ پاکر جرمنی کے سامراج میں چلا گیا تو سلووکیا نے بھی یہی کیا اور روتھینیا کو جرمنی نے بخوشی ہنگری کو دیدیا۔ اس طرح تقریباً پورا زیکوسلاوکیا جرمنی کا عضو بن گیا۔ جس سے اس کی قوت میں خاصا اضافہ ہوا۔

ضلع میمل تقریباً ۱۰۰۰ مربع میل کا تھا جس میں سارے کے سارے جرمن آباد ہیں۔ جنگ عظیم کے بعد متحدہ طاقتوں نے اُسے جرمنی سے علیحدہ کرکے اپنے قبضہ میں رکھ کر اس پر حکومت لیتھونیا کو کئی آسانیاں یا حق دیئے جن سے مطمئن نہ ہوکر اس نے ۱۹۲۳ء میں میمل پر زبردستی قبضہ کرلیا۔ اور دوسرے سال متحدہ قوتوں نے یہ قبضہ تسلیم کرلیا۔ ووٹوں کے بوتہ پر اس کی مجلس قانون ساز میں جرمن ہمیشہ منتخب ہوتے تھے مگر حکومت لیتھونیا ادھر اُدھر کی رکاوٹیں

ڈال کر اُن کا قبضہ اُس پر جمنے نہیں دیتی تھی۔ وہ ایک چھوٹی سی ریاست ہے جو گذشتہ جنگ عظیم کے بعد روس کے ایک صوبے سے بنائی گئی تھی۔ اسی مارچ میں جرمنی نے اُسے چار روز کی مہلت دی کہ یا تو میمل دیکر باقی ملک پر آزادی کی جرمنی سے گارنٹی لو یا سارے ملک پر جرمنی حملہ کا مقابلہ کرو۔ اس چھوٹی سی ریاست نے میمل چھوڑ کر اپنی جان بچائی۔ اس طرح بغیر لڑائی کئے جرمنی کو میمل اور زیکوسلاوکیہ مل گئے۔ اس کے بعد اُس نے اسی طرح رومانیہ کو بھی دھمکایا کہ یا تو ہم سے تجارتی معاہدہ کرکے آزادی کی گارنٹی لو یا جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ رومانیہ نے برطانیہ و فرانس سے کہا کہ ایسے وقت میں سہارا دیجئے تو روس، ترکی اور زیکوسلاویہ بھی ساتھ ہیں۔

رومانیہ کے پیچھے جرمنی نے پولینڈ سے بھی ڈینزگ اور پرشیا کے رستے کا سوال اٹھایا ہے۔ یہ بھی دھمکی دی ہے کہ اور یورپ سے تعلقات بڑھانے میں پولینڈ کے لئے اچھا نہ ہوگا۔ اس پر پولینڈ بھی اپنی آزادی کے لئے متفکر ہے۔ ڈنمارک سوئزرلینڈ یوگوسلاویہ وغیرہ میں بھی کافی دولت خرچ کرکے اسی قسم کی سازشیں جرمنی کر رہا ہے۔ ڈنمارک پر چند خاص وجوہ کی بنا پر خاص نظر ہے۔ اسلئے یورپ میں ان دنوں بہت بڑا تہلکہ مچ رہا ہے اور سبھی چھوٹی حکومتیں سمجھتی ہیں کہ ان کا مستقبل خطرے میں ہے۔ کیونکہ پہلے ایسی زبردستی یورپ میں نہیں ہوتی تھی۔

برطانیہ اور فرانس نے اسپین اور زیکوسلاویہ کو جو امداد نہیں دی اس کے متعلق کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ کمزوری کے باعث ایسا نہیں ہوا بلکہ یہ دونوں سرمایہ پرست ملک روسی کمیونزم کا اثر بڑھانا نہیں چاہتے تھے۔ ان کا خیال ہے کہ اگر سرمایہ پرست اٹلی اور جرمنی مضبوط رہے تو روس کا اثر یورپ میں بڑھ نہیں سکتا اس لئے اسپین اور زیکوسلاویہ کے لئے جرمنی سے لڑکر انھوں نے اس کی طاقت کم نہ کرنی چاہی۔

ایسے خیال تقریباً سبھی تاج اور سرمایہ پرستوں کے ہیں۔ پھر بھی آج کل آسٹریا، زیکوسلاویکیہ اور میمل پاکر جرمنی کی قوت بڑھ گئی ہے گذشتہ جنگ عظیم سے قبل اس کا رقبہ ۲۰۸۸۳۰ مربع میل اور آبادی ۶۰،۰۰۰،۰۰۰ تھی۔ نوآبادیات اسکے علاوہ تھیں۔ جنگ میں جرمنی کے کئی صوبے یا ضلعے نکل گئے جس سے رقبہ صرف ۱۸۶۰۰۰ مربع میل رہگیا اور آبادی ۶۰،۵۰۰،۰۰۰ رہ گئی جو ۲۲۰۰۰ مربع میل جرمنی کے گئے اس میں سے ۵۶۰۰ مربع میل فرانس نے پائے ۱۰۸۱۶ پولینڈ نے ۱۲۲ زیکوسلاویکیا نے اور کچھ ڈنمارک بلجیم اور لیتھونیا نے۔ اب جرمنی کا پھیلاؤ ۲۲۴۵۹۴ مربع میل ہے اور آبادی تقریباً ۹ کروڑ آسٹریا سے اسے ۳۲۳۵۲ مربع میل رقبہ ملا اور ۶۷،۵۰۰،۰۰۰ آبادی زیکوسلاویکیا سے

ہٹلر اپنے نازی کارکنوں کے ساتھ

اس پر وزیر اعظم برطانیہ مسٹر چیمبرلین نے امداد کا وعدہ تو کیا مگر فوری امداد کا وعدہ نہیں کیا۔ اس پر نتیجہ یہ ہوا کہ رومانیہ نے تجارتی معاہدہ کر لیا۔ اس سے جرمنی کا کافی فائدہ ہے سب سے زیادہ ضرورت سے پیداوار کی ہے جو معاہدہ کے ذریعے حاصل ہو گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ رومانیہ کی آزادی ادھوری ہو رہی ہے لیکن اس نے کہا ہے کہ وہ اب بھی دیگر ملکوں سے تجارتی معاہدہ کرنے کو آزاد ہے چنانچہ فرانس سے معاہدہ کر بھی لیا ہے۔ معاملہ ایسا ہے کہ اگر جرمنی والا معاہدہ پوری طرح چلا تو رومانیہ کسی جنگ کے وقت جرمنی کے خلاف نہ جا سکے گا اور اس کی سیاسی آزادی بھی برائے نام رہجائے گی۔ پھر بھی مستقبل کے حالات دیکھکر اندازہ کیا جائے گا۔

۴۸۰۰۰ مربع میل رقبہ اور ۱۵۲۳۹۰۰۰ آبادی ـ جرمنی نے جو ۲۲ ہزار میل زمین اور ۶۵ لاکھ آبادی کھوئی تھی اُس سے زیادہ صرف آسٹریا میں پالی آجکل اسکے جتنا طاقتور کوئی ملک یورپ یا دنیا میں نہیں ہے زیکوسلاوکیہ سے اُسے سامان جنگ اور فوج بہت جیتی ملی ـ اٹلی کی بھی مدد ملنے سے اسکا مقابلہ کوئی بھی ۲ قومیں غالباً نہ کر سکیں اور ایک تو کرہی نہیں سکتی اگر پولینڈ دب جاتا تو اور بھی غضب ہوتا ـ اِن وجوہ سے چھوٹی حکومتوں کے علاوہ پولینڈ روس فرانس اور حال ہی میں برطانیہ و فرانس نے اعلان کر دیا ہے کہ پولینڈ کو اگر کسی سے لڑنا پڑا تو یہ دونوں بھی اُس کے ساتھ ہوکر جنگ کریں گے ـ اِس وجہ سے پولینڈ پر دباؤ کچھ کم ہوگیا ہے اور ہٹلر کی تقریر گو کہ غصہ سے بھری تھی لیکن جنگ کی دھمکی چھوڑ سی دی ہے پھر بھی عام خیال ہے کہ ابھی وہ دنیا

دہلی سے راجکوٹ کے لئے مہاتما گاندھی کی روانگی

کو امن کے دھوکے میں رکھکر وقت پر مطلب نکال لے گا ـ برطانیہ اور فرانس کے کھڑے ہو جانے سے رومانیہ بھی پولینڈ کے ساتھ کھڑا ہوکر تجارتی معاہدہ سے بچنے اور آزادی بچانے کی کوشش کرتا نظر آتا ہے ـ برطانیہ نے اتنا ضرور کہا ہے کہ ضلع ڈینزگ اور راستے کے باعث اگر جرمنی کچھ طے کرنا چاہے تو جنگ کی دھمکی چھوڑ کر سکون کے ساتھ بحث کیجا سکتی ہے ان وجوہ سے روس کو شبہ ہے کہ برطانیہ اور فرانس ابھی تو کھڑے ہیں لیکن بعد میں کہیں میونک کی سی صورت حال یہاں بھی نہ پیش آئے ادھر یہ دونوں دیگر ممالک سے گفتگو کرکے آخری فیصلہ سنانے کی فکر میں ہے ـ دیکھنا چاہیئے کہ کیا طے ہوتا ہے یورپ میں آجکل بڑی ہلچل مچی ہوئی ہے ـ جرمنی کا نو آبادیات کا سوال بھی وقت پر ضرور پیش ہوگا ـ پھر کچھ ماہ کے لئے امن کی امید ہے ـ

ہندوستان میں تری پوری کانگریس بخیریت تمام ختم ہوگئی ـ مہاتما جی اس میں شریک نہیں ہوئے ـ صدر کانگریس سوبھاش بابو کے موافق ووٹ آجانے سے انھوں نے کہہ دیا تھا کہ یہ میری ہار ہے ـ بظاہر یہ صحیح بھی ہے کیونکہ جن لوگوں نے ڈاکٹر سیتا رمیاّ کے خلاف ووٹ دیئے

ان خیالات سے دُنیا میں امن کہاں

وہ جانتے ضرور تھے کہ مہاتما جی کی مرضی کے خلاف ہا۔ ہے مگر پھر بھی اُنھیں شاید ایسی امید تھی کہ گذشتہ راستے کے آگے سر جھکا کر مہاتما جی بھی گرم خیال دوستوں کو بڑھانے میں لگیں یا کانگریس سے اپنا تعلق قائم رکھیں۔ جب انھوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ یہ امید موہوم ہے تو لوگوں کے کان کھڑے ہوگئے۔ یہ ظاہر تھا کہ اُن کے مقابلے میں کانگریس کا ٹھہرا رہنا مشکل ہے مہاتما جی نے جب کہہ دیا کہ بایاں بازو پورا کام کرے اور دایاں بازو والے جو اس سے اختلاف رکھتے ہوں وہ دوسرا کام کریں تو سوشلسٹوں نے محسوس کیا کہ اب کانگریس کی قوت ختم ہوتی ہے ورکنگ کمیٹی کے ۱۵ ممبروں میں سے ۱۲ ممبروں نے استعفے دیدئے اور سوشلسٹ پنڈت جواہر لال نہرو نے بھی سوبھاش بابو سے اختلاف ظاہر کرکے انھیں بارہ ممبروں کا ساتھ دیا۔ مہاتما جی کانگریس میں تشریف نہ لے گئے لیکن سوبھاش بابو بہت زیادہ بیمار ہوتے ہوئے بھی گئے۔ کانگریس میں پنڈت گووند ولبھ پنت کی تجویز پاس کی جسکے ذریعے ورکنگ کمیٹی کے ۱۲ ممبروں پر اعتماد ظاہر کرکے صدر کانگریس کو حکم دیا کہ گاندھی جی کی مرضی سے ورکنگ کمیٹی بنائیں۔ سوشلسٹوں نے اپنی ہار سمجھکر اور دوسری باتوں پر غور کرکے غیر جانب دارانہ رویہ اختیار کیا۔ بنگالیوں نے بہت کچھ شور مچایا۔ اُنھیں اب بھی کچھ ناراضگی ہے لیکن دوسرے صوبوں کے سوشلسٹوں کا پارہ گرمی پر نہیں ہے اُمید ہے کہ کچھ دنوں میں میل ہو جائے گا سوشلسٹوں کی یہ شکست بہت بڑی ہوئی اور دو تین سال کے لئے اُن کا زور کچھ دب سا گیا ہے۔ اب وہ ورکنگ کمیٹی میں کام نہیں کرنا چاہتے لیکن ابھی تک وہ بنی نہیں ہے امید ہے کہ مہاتما جی اور سوبھاش بابو کی رائے سے جلد ہی بن جائے گی۔ اس بار کانگریس میں سندھ سے بھی وفد بار۔ ٹی کے کچھ رکن آئے تھے جس سے ضرور ہندوستان کے تعلقات پر اچھا اثر پڑے گا۔

صوبہ سندھ میں عورتوں کی ایک ادبی منڈلی قائم ہوئی ہے جس سے ہندو ناراض ہیں۔ وزارت میں بھی کچھ کشیدگی پیدا ہوئی تھی مگر پھر میل ہوگیا۔ کیا طے ہوا یہ نہیں معلوم ہوا۔ ہندوستان کا برطانیہ سے تجارتی معاہدہ جو اٹاوہ میں طے ہوا تھا وہ ہم لوگوں کو نقصان دہ نظر آیا۔ کچھ دن ہوئے کہ مرکزی اسمبلی نے اسے قابل ملامت بتلایا جب پر دو سال ان دونوں ملک تاجروں نے یہ کوشش کی کہ معاہدہ ہو جائے لیکن فیصلہ نہ ہوسکا لنکاشائر نے اپنی ضد نہ چھوڑی کیونکہ اُسے امید تھی کہ ہندوستان کو دبا کر اپنی مرضی کے مطابق معاہدہ کرسکے گا۔ وہی ہوا جب تاجر معاہدہ نہ کرسکے تو برطانیہ اور حکومت ہند نے معاہدہ کیا۔ وہ معاہدہ یہاں نقصان دہ سمجھا گیا اور اسمبلی نے اُسے نامنظور کر دیا۔ اب حکومت نے اُسے کونسل کے ذریعے پاس کروا کے اس کا مسودہ اسمبلی میں پیش کیا ہے۔ اگر

اس میں ایسی ترمیم ہوگئی جس سے ملک نے اسے مان لیا تو بہتر ہے ورنہ ہندوستان بھر میں برطانوی مصنوعات کا بائیکاٹ ہوگا جس کے باعث آج کانگریسی حکومتوں پر بھی اثر پڑے۔ اُدھر وائسرائے مہاتما گاندھی سے سمجھوتے کی باتیں بھی کر رہے ہیں۔ ولایت میں وزیر ہند نے جماعتوں کو بلا کر ہندوستان کے متعلق تقریر کی۔ انھوں نے کیا کہا ہے یہ نہیں لکھا گیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان سے سمجھوتا کرنے کی بات شاید ہو۔

ادھر چیمبر آف پرنسز میں وائسرائے نے ایک سخت تقریر کی اور رئیس حکمرانوں کو سمجھایا کہ پرانے ڈھنگ نہیں چل سکتے اور ترقی کرنی ہی ہوگی۔ حکمرانوں میں کافی گھبراہٹ نظر آتی ہے کچھ لوگ کانوں اور اندور میں ریذیڈنٹ نے اطمینان کے حکمرانوں کو سمجھایا ہے کہ ہائیکورٹ اور پولیس کے اختیارات دے دیئے جائیں جیسے بعض والیان ریاست یہ سمجھتے ہیں کہ گویا ان کے اختیارات نکالے جا رہے ہیں۔ ابھی انھوں نے غور کرنے کیلئے مہلت مانگی ہے اُدھر راجہ راجکوٹ نے مہاتما جی سے طے معاملات کا تصفیہ کرلیا ہے اور اپنی ریاست میں خوشی سے عوام کو وہ اختیارات دے دیئے جو مہاتما جی پسند کرتے ہیں۔ بھاؤنگر کی ریاست بھی اسی طرح چلنے پر تیار بتائی جاتی ہے۔ کشمیر، حیدرآباد، جے پور، ٹراونکور وغیرہ میں بھی ذمہ دار حکومت کا مطالبہ کیا جا رہا ہے کچھ دنوں میں دیسی ریاستوں کے مسئلے کے حل ہو جانے کی امید ہے۔ یو پی اور بہار میں ہندو مسلمانوں کا جھگڑا بڑھ رہا ہے مگر اب دبتا نظر آتا ہے۔ یو پی اسمبلی میں زرعی قانون بن رہا ہے اور سود کے متعلق بل پیش ہونے والے ہیں۔ کانگریس کے اثر سے سماج میں سوشیلزم کا پرچار ہو رہا ہے اور شراب پینے کے خلاف کوششیں کی جا رہی ہیں۔ کسانوں کی امیدیں بڑھ رہی ہیں اور وہ [illegible] ہیں۔

خیال کیا جاتا ہے کہ مخالفوں کی قوت بڑھنے سے برطانیہ ہندوستان سے اتحاد کرنا چاہتا ہے مہاتما جی سے وائسرائے گفت و شنید کر رہے ہیں اور والیان کو اصلاحات کے لئے مجبور کر رہے ہیں۔ ان آثار سے مذکورہ بالا خیالات کو تقویت پہنچتی ہے راجکوٹ کے ٹھاکر صاحب نے پہلے تو سردار پٹیل سے اصلاحات کا وعدہ کیا مگر بعد کو وعدہ شکنی کی جس کے باعث مہاتما جی کو برت رکھنا پڑا۔ وہ معاملے بھی وائسرائے کی وساطت سے ہو رہا ہے اور چیف جسٹس آف انڈیا نے ٹھاکر صاحب کے خلاف فیصلہ دیا ہے مذکورہ بالا باتوں سے سمجھوتے کی امید ہے لیکن ہندوستان اور برطانیہ کا تجارتی معاہدہ خلاف امید ہے جب حکومت اتنے چھوٹے معاملے پر نہیں دبتی تو آزادی کیا دیگی۔ چنانچہ مجموعی طور پر معاملہ کھٹائی میں پڑا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ برطانیہ مہاتما جی کو تھوڑا ہی بہت دیکر راضی کرنا چاہتی ہے جو موہوم امید ہے۔

آجکل اٹلی نے البانیہ پر حملہ کر دیا ہے۔ اس سے پہلے بھی اسکا اس چھوٹے سے ملک پر کچھ اثر تھا یہ اثر گذشتہ ۲۰ سال سے کچھ گھٹتا بڑھتا آیا ہے۔ یہ حکومت بالکل نئی ہے اور ۱۹۱۳ء میں قائم ہوئی تھی کئی روپ بدلکر آخر کار شاہ احمد زوغو کے قبضے میں آئی۔ انھیں اب شاہ زوگ کہتے ہیں اور انھیں دنوں ان کے یہاں ولی عہد کا تولد ہوا۔ یہ پہاڑی ملک ہے اور زرخیز زمین کی کمی ہے آبادی کی تعداد دس لاکھ سے کم ہے جن میں بیشتر مسلمان ہیں ملک میں کوئی مذہبی سوال نہیں ہے نہ اسکے حصول سے اٹلی کو زیادہ مالی فائدہ ہے۔ ہاں دو خاص باتیں ہیں ایک غیر کے ہاتھ میں ہونے سے کسی بحری فوج کے ذریعے اٹلی کو نقصان کا اندیشہ تھا اور اپنے ہاتھ میں ہونے سے بحر ایڈریاٹک اٹلی کے پورے قبضے میں آسکتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اسکی سرحد یوگوسلاویہ سے ملتی ہے وہ ملک شمال میں جرمنی سے ملتا ہے چنانچہ البانیہ پر قابض ہونے سے وہ جرمنی سے ملکر یوگوسلاویہ پر بھاری اثر ڈال سکتا ہے اسکے دبنے سے شمالی اور شمال مشرقی یورپ پر ان دونوں کا اقتدار ہو سکتا ہے اور جرمنی فوج کیلئے بحر روم بھی جگہ ہو سکتی ہے۔ یہ دونوں سوال بہت بڑے ہیں۔ یوگوسلاویہ کے بچانے میں فرانس اور برطانیہ فوراً لڑ جائینگے کیونکہ بحر روم میں جرمنی بحری فوج کے استحکام اور شمال مشرقی یورپ کے زوال سے ان دونوں کی طاقتوں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ لہذا البانیہ کا سوال خود بہت چھوٹا ہے لیکن بحر ایڈریاٹک اور یوگوسلاویہ (قدیم سرویہ) میں گڑبڑ پڑنے سے بڑا بھی ہو سکتا ہے۔ البانیہ سے صلح کی بھی گفت و شنید ہو رہی ہے۔

نئے دستور کا عوام پر اثر

(از جناب نرسنگھ پرساد شری واستو۔ ایم۔ اے۔ بی۔ اے۔ (آنرز) ڈسٹرکٹ رورل ڈیولپمنٹ انسپکٹر لکھنؤ)

انگلستان اور ویلس میں آبادی کا ⅘ حصہ قصبوں میں رہتا ہے۔ ہندوستان میں متعدد قدیم اور تاریخی شہر ہیں۔ لیکن سب ملاکر اُن میں اس کی زیادہ آبادی کا بہت کم حصہ رہتا ہے۔ برطانوی ہند کے بیشتر باشندے دیہاتی زندگی ہی بسر کر رہے ہیں اور ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہے جو اپنے گاؤں کی سرحد کے باہر کی باتوں پر توجہ کرتے ہوں۔ ہندوستان ہر سَو آدمیوں میں سے ۷۱ آدمی کھیتی یا چرائی کے لئے، ۱۹ صنعت و حرفت کے لئے، ۵ تجارت کے لئے، ۲ گھریلو ملازمت کے لئے ۱½ غیر پیشہ کے لئے اور ½۱ سرکاری ملازمت یا فوج کے لئے دیتا ہے۔

لوگ جن باتوں سے زیادہ تر تعلق رکھتے ہیں وہ یہ ہیں:۔ بارش، کنوؤں یا نہروں سے کھیتوں کی آبپاشی غلّے اور کپڑے کی قیمت، زمیندار اور سرکار کو دیا جانے والا لگان یا مالگذاری۔ گاؤں کے مہاجن سے لئے ہوئے قرض کی ادائیگی، مذہبی تیوہاروں کو منانا، لڑکیوں کی شادی، اپنی اور اپنے مویشیوں کی تندرستی بازار کے دن لوگ اپنے قصبوں میں جاتے ہیں اور کبھی کبھی مقدمے یا کاروبار کے سلسلے میں تحصیل یا صدر جاتے ہیں۔ وہ ڈسٹرکٹ بورڈوں یا میونسپل بورڈوں سے تعلق نہیں رکھتے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ ایک صوبے کے ۹۴ فی صدی باشندے اُسی جگہ کام کرتے اور مرتے ہیں جہاں وہ پیدا ہوئے تھے۔

حکومت ہند کے ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کے مطابق ترمیم شدہ دستور ہندوستان کے بیشتر حصوں میں نافذ ہے۔ مگر اس سے گاؤں والوں کے نقطۂ نظر میں زیادہ ترقی نہیں ہوئی۔ بات یہ ہے کہ گاؤں والوں کی حالت سدھارنے میں کافی وقت صرف ہوگا۔ پھر بھی سدھاروں کا مستقبل بہت روشن ہے۔ اسی وجہ سے اُمید کی جاتی ہے کہ بیشتر مقامات پر ہندوستانی صنعت و حرفت کو رواج دیا جائے گا۔ ایسی آسانیاں بڑھ رہی ہیں اور بڑھائی جا رہی ہیں جس سے گاؤں والے قریب کے قصبے یا ریلوے تک آسانی سے جاسکیں۔ لارڈ لوتھین کی سفارشیں اپنی کامیابی کا خود اعلان کرتی ہیں۔

دھیرے دھیرے عوام میں سیاسی خیالات زور پکڑیں گے اور اوسط طریقے پر گاؤں والوں کے موسم، پانی فصل، مویشی، تیوہار، میلے، گھریلو تقریبیں دوسرے گھروں یا سیلاب کا خوف وغیرہ باتوں میں ڈوبے رہنے کی عادت میں ضرور تبدیلی ہوگی اور اُن کا نقطۂ نظر بھی وسیع ہو جائے گا۔

انگلستان اور ہندوستان کے انتخابی حلقوں کا بہت دور تک مقابلہ کرنا ٹھیک نہ ہوگا۔ ہندوستان کے خاص حالات کی بنا پر حلقہ انتخاب کے استعمال میں خواہ کچھ آسانی ہو جائے لیکن آمد و رفت کے راستوں کی کمی جہالت کا دَور دورہ، اور کثیر تعداد میں دیہاتوں میں رہنے کے باعث سیاسی تعلیم کا انتظام ڈھیلا ہو جاتا ہے۔ ہندوستان کے ایسے حالات ہیں کہ عوام کے کاموں کی طرف توجہ کرنے والے کچھ تھوڑے سے لوگ دور تک خواہ جان لئے جائیں

بلکہ رائے دہندگان کے لئے پالیسی کے موضوع پر خیالات قائم
نہیں کئے جا سکتے۔

اگرچہ ہندوستان میں صنعت و حرفت کے لئے وسیع
میدان ہے جس کی وجہ سے جمعیتہ الاقوام نے دنیا کے ۸ خاص
خاص صنعتی ملکوں میں اس کا بھی شمار کیا ہے پھر بھی یہاں
کے ۷۰ فی صدی باشندے کھیتی ہی پر گزارہ کر رہے ہیں۔
موٹروں کی آمد و رفت سے گاؤں کا نرالا پن بہت کچھ کم
ہو رہا ہے۔ اس سے گذشتہ کئی سال سے ہندوستان کی
سڑک کے مسئلہ پر کافی اثر پڑا ہے اور اس مسئلے کو حل کرنے
کے لئے ایک سنٹرل اسٹینڈنگ کمیٹی بنی ہے۔ مالی نقطۂ نظر
سے بیشتر گاؤں اپنا کام آپ کرنے والے ہیں اور گاؤں
والے ایسی ہی چیزیں اپنے کام میں لاتے ہیں جو اُن کے
گاؤں کے قرب و جوار میں پیدا ہوتی ہیں۔

ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ تعلیم نے دیہاتیوں میں کس حد تک
شہری اور سیاسی موضوعوں پر اچھی طرح غور کرنے کی قابلیت
پیدا کر دی ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہمیں خاص طور سے
اس بات کا اندازہ لگانا ہے کہ عوام کو دی جانے والی تعلیم
اور اعلیٰ تعلیم کا، سیاسی ترقی کے نقطۂ نظر سے برطانوی
ہند کے باشندوں کی زندگی، قابلیت اور کیریکٹر پر کہاں
تک اثر پڑ چکا ہے اور کہاں تک اثر ہونے کی امید کی جا
سکتی ہے۔

ہم محسوس کرتے ہیں کہ ہوشیار رائے دینے والے
کے لئے تعلیم ضروری نہیں ہے۔ بہت سے جاہل لوگ اپنے
تھوڑے سے تجربہ کی مدد سے اپنے گاؤں کے تعلیم یافتہ
لوگوں کی طرح نمائندہ کا اچھا انتخاب کر لیتے ہیں۔ موجودہ
دستور۔ یہ نہیں جانتا کہ صرف خواندہ ہو جانا ہی سیاسی
قابلیت کی پوری واقفیت رکھنا ہے۔ مگر کم از کم پڑھ لینے
سے یہ امید ہو جاتی ہے کہ سیاسی موضوعوں پر کی جانے
والی بحث رائے دہندوں کی جماعت تک پہنچ جائے گی۔
اس سے رائے لینے میں آسانی ہوگی کیونکہ ایسا ہونے
پر رائے دہندہ بلا کسی رنگ کے اشارے یا پوچھ تاچھ کئے ہوئے
ٹھیک بیلیٹ بکس میں اپنا پرچہ ڈال دیگا۔

پرائمری اسکولوں کے قیام کی تجویزیں ٹھیک ہیں۔
کیونکہ ان سے دیہات کی ترقی ہو سکے گی اور ساتھ ہی لوگوں
کی مالی، سماجی اور دماغی ترقی بھی ہو سکے گی۔ جبری تعلیم
اور حاضری کی باقاعدگی کے ذریعے جس پر بہت زور دیا
جا رہا ہے، بہت زیادہ فائدہ ہوگا۔ ہمیں ان پُر جوش
تجویزوں کے نتیجے کا انتظار کرنا ہوگا۔

خواندگی بڑھ رہی ہے۔ مگر ابھی وہ دن دور ہے جب
سارا ہندوستان خواندہ ہو جائے گا جب تک سبھی ذریعے
پوری ہوشیاری کے ساتھ استعمال میں لائے جائیں اس
وقت تک سارے ہندوستان کا خواندہ ہو جانا بہت دور
کی بات ہے۔ ادھر ناخواندگی کے باعث ہونے والے خطروں
کی تعداد نہیں گھٹ رہی ہے۔ ہندوستان میں اچھی حکومت
حقیقی حالت کے مطابق کام کرنے اور جوش کو مفید راہوں
کی طرف موڑنے میں ہی عوام کی تعلیم میں ترقی ہو سکتی ہے۔

ہندوستان میں شہروں کے باشندے اور تعلیم یافتہ
لوگوں کا قلیل طبقہ ہی سیاست میں دلچسپی لیتا ہے۔ یہ بات
ایک ایسے ملک کے لئے مفید ہی ہے جس کے خاص باشندے
کسان ہیں۔ جو بیشتر ناخواندہ ہیں۔ یہ سماجی نظام کا ہی نتیجہ
ہے۔ اس لئے ایسے سدھار جو دوسری جگہ نمائندہ طبقہ کے ذریعے
چلنے والی انجمنوں اور مناسب حالات کے ہوتے ہوئے بھی کچھ
اثر نہ ڈال سکے اگر ہندوستان میں کچھ اثر ڈالیں تو یہ بالکل عجب
انگیز بات ہوگی۔

مشرق کے ایک ایسے ملک میں جس کے پیچھے شخصی حکومت کی
ایک طویل تاریخ ہو آزاد حکومت کے اُن اصولوں پر عمل کرنا جنکو
ایک مغربی ملک نے اپنے ملک اور سماج کی حالت کو پیش نظر رکھتے
ہوئے صدیوں کے استعمال کے بعد ترقی دی ہو بلاشبہ ضروری
تھا اور ساتھ ہی بڑی ہمت کا بھی تھا لہذا اسکے مطالعے کے لئے
ہمدردی اور سمجھداری کی ضرورت ہے۔ جو ملک جتنا ہی بڑا ہو گا

وہ اتنا ہی زیادہ تحریری صورت میں اظہار خیال کریگا۔

حتی الامکان دستور اس طرح ہونا چاہئے کہ اس میں مستقبل کی اصلاحات کی بھی گنجائش ہو۔ دستور سے متعلق ترقی عملی طور سے ہونی چاہئے۔ نیا دستور یہ ثابت کرتا ہے کہ ملک تعمیری کاموں میں زیادہ خرچ کرنے ہندوستان کی اقتصادی اور سماجی حالات میں اصلاحوں کا پیدا کیا جانا ممکن ہے۔ اس کام کے لئے بالائی ٹیکس لگایا جا سکتا ہے بشرطیکہ ٹیکس دہندوں پر مستقبل میں ملنے والے ٹیکس کا مناسب بار رکھا جائے۔

اندرونی مالی رکاوٹیں نہ ہونے سے ہندوستان میں اقتصادی اتحاد ہے اور اس سارے ملک کی اقتصادی زندگی کے باعث ہی اس کے کلکتہ اور بمبئی جیسے مرکزوں میں کئے جانے والے کاموں کے لئے ٹیکس ملتا ہے۔

انتخاب کرنے کے اختیارات بہت وسیع کر دئے گئے ہیں اس سے رائے دہندوں کا طبقہ تگنا بڑھ گیا ہے اور کافی تعداد میں عورتیں بھی داخل ہوئی ہیں سیٹیں محفوظ ہو جانے کے باعث پست اقوام کو بھی نمائندگی حاصل ہو گئی ہے صوبوں سے دوہرا انتظام اٹھ جانے اور مرکزی و صوبائی اسمبلیوں کے وسیع ہو جانے کا عوام پر کافی اثر ہوا ہے۔

نئے دستور کے مطابق جاہل عوام کے لئے ہر جگہ ابتدائی تعلیم کا انتظام کیا جائے گا۔ ریڈیو کے ذریعے پیغام بھیجنے کا کام عام طور پر جاری ہے۔

انتخاب کے مسئلے کو حل کرنا ہی ہوگا۔ اگرچہ جہالت کچھ رکاوٹ ڈالے گی۔ جماعتوں کی تنظیم جو ابھی ہندوستان میں شروع ہی ہوئی ہے مضبوط کرنی چاہئے گاؤں کو انتخاب کا حلقہ بنا دینے سے وہاں قوتیں بکھیر دے اور دوسرے جھگڑے شروع ہوں گے اور اتفاق و اتحاد کی جگہ پھوٹ پیدا ہوگی۔ اس لئے دیہاتوں کو رائے دہندگی کا اختیار دینے کا ایک ہی طریقہ مناسب معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ افراد کی طرح انتخاب کا موقع دیا جائے۔

رائے دہندوں کا طبقہ بڑھا دیا گیا ہے جس سے وہ اب عوام کی نمائندگی ظاہر کرتا ہے اور اب اس ملک کے کسی بھی طبقے کے پاس اپنی ضروریات اور اظہار خیال کے ذریعوں کی کمی نہیں ہے۔

تجویز گڑ سدھار کی ترقی

۱۵ مارچ کو ختم ہونے والی پندرہ روزہ رپورٹ

تقریباً ۴۵۰۰ دیہاتوں میں گڑ سدھار اسکیم پر عمل کیا گیا۔ جس کے ماتحت گنا پیدا کرنے والے سبھی ۴۶ اضلاع آ گئے ہیں۔ اس سال گڑ کا نرخ عام طور پر چڑھا ہوا تھا اور دھیرے دھیرے بڑھتا ہی گیا جو کم سے کم ۵½ روپئے من اور زیادہ سے زیادہ ۸ روپئے من تک رہا۔ اصلاح شدہ طریقے پر بنائے گڑ کا عموماً ۸ آنے سے ڈیڑھ روپیہ من تک زیادہ دام ملا۔ اگر اصلاح شدہ طریقے سے بنائے ہوئے گڑ کے لئے اوسطاً ایک روپیہ فی من زیادہ دام ملا تو اس سال اصلاح شدہ طریقے سے جو ۱۰ لاکھ من سے بھی زیادہ گڑ تیار کیا گیا اس سے گنا پیدا کرنے والوں کو کم سے کم اسی مد سے ۱۰ لاکھ روپئے کا فائدہ ہوا۔

(آج)

تحقیق علم پرورش مویشیان

(ہز ایکسلنسی وائسرائے کی تقریر)

گذشتہ ۱۱ مارچ کو عزت نگر میں ہز ایکسلنسی وائسرائے نے امپیریل ویٹرینری ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے ماتحت دو عمارتوں کا افتتاح فرمایا۔ یہ عمارتیں سال ہی میں پرورش مویشیان سے متعلق تحقیقات اور مرغی بطخ وغیرہ کی پرورش سے متعلق تحقیقات کے لئے تعمیر ہوئی ہیں ان کی تیاری میں تقریباً ۸ لاکھ روپئے صرف ہوئے ہیں اور اس سے ہندوستانی پرورش مویشیان کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا ہے۔ اس موقعہ پر ہز ایکسلنسی وائسرائے نے جو تقریر فرمائی اُس کا اقتباس درج ذیل ہے۔

"زراعت اور ویٹرینری میں میری زیادہ دلچسپی دیکھ کر آپ لوگ اس بات کو محسوس کریں گے کہ آج اس سب سے ضروری موقع پر حاضر ہو کر میں کتنا خوش ہوں۔"

سر جگدیش! آپ کی تقریر کے ذریعے اس انجمن کی ترقی اور اس کے کارناموں کی وسعت دیکھ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے۔ یہ دونوں عمارتیں جن کا افتتاح کرنے میں آیا ہوں یہاں کی پوری جاندار رنگا یوں کی پہاڑیوں پر بنی ہوئی عمارتیں جو سب مل کر امپیریل ویٹرینری ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی تعمیر کرتی ہیں، ایک طے شدہ پروگرام کا اُتنا اظہار نہیں کرتیں جتنا اپنی مسلسل وسعت کا۔ یہ بات عام طور پر دیکھی جاتی ہے کہ دواؤں سے متعلق پیشے میں اس بات پر توجہ دی جا رہی ہے کہ مرضوں کو اچھا کرنے کے بجائے اُن کا ہونا ہی بند کر دیا جائے اور پھر صحت قائم رکھی جائے۔ اس ترقی کے یہ معنی نہیں ہیں کہ علاج سے متعلق دلچسپی پہلے مقصد کی جگہ پر دوسرے مقصد ہی کی طرف بڑھائی جا رہی ہے۔ اس سے صرف اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ انسان کا علم، تجربہ اور سائنٹفک تحقیقات کی مکمل واقفیت اور اُس کا استعمال بڑھ جانے کے ساتھ ساتھ وہ توجہ جو پہلے صرف واقعات تک محدود تھی اب وجہ تک بڑھ رہی ہے۔

ویٹرینری کارروائیوں کا رجحان اُس عام اصول کی ترقی کا ایک اچھا نمونہ ہے جس کا میں ابھی ذکر کر چکا ہوں۔ پہلا موضوع جس میں زور دون گا وہ ہے ہندوستان میں مویشیوں کی حد سے زیادہ آبادی۔ جو اس موضوع کے طالب علموں کے لئے اس ملک کے ویٹرینری مسائل کی اہم ترین خصوصیت ہے۔

دنیا کے پالتو مویشیوں کا بہت بڑا حصہ ہندوستان میں رہتا ہے۔ درحصل دنیا کے ۲۱۵۰ لاکھ مویشیوں میں سے ہندوستان میں اُس کے ⅓ حصہ سے زیادہ گائے بیل اور ⅔ بھینسیں پائی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ اس ملک میں ۹۷۰ لاکھ بھیڑ اور بکریاں پالی جاتی ہیں۔

عام طور پر یہ لوگ اس بات سے متفق ہیں کہ گھریلو جانوروں

ہندوستان میں صرف بیلوں کے ذریعے ہی بہت سے کام لئے جاتے ہیں اور جانوروں کی متعدی بیماریوں سے کسانوں کے کام کرنے والے اپنے بیلوں کی قیمت اور فصل کے بہت بڑے حصّے کا نقصان ہو سکتا ہے۔

اس لئے جب تک مرض زیادہ یا کم صورت میں جاری رہا، کسان اور دوسرے سبھی لوگ جن کی زندگی کا انحصار ہی مویشیوں پر تھا' مویشیوں کو زیادہ تعداد میں پالتے تھے' کیونکہ تجربے نے اُنھیں سکھا دیا تھا کہ بیماری شروع ہونے پر کھیتی کرنے کے لئے کم سے کم کچھ مویشیوں کے بچ رہنے کا موقع رہے گا۔ اس لئے ایسی حالتوں میں جہاں آزادانہ طور پر ان بیماریوں کا دورا ہوتا تھا لوگ اچھی قسم کے مویشیوں کے مقابلے میں اُن کی تعداد کو ہی زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ اور مویشیوں کی تعداد بڑھ جانے اور چارے کی کمی ہو جانے سے اوسط درجے کسان کے لئے زیادہ قیمتی مویشی رکھنا دشوار ہو جاتا تھا۔

اس لئے مویشیوں کی قسم کی ترقی کے لئے پہلی اور ضروری بات اُن کی بیماریوں کو روکنا ہے اور ضرورت پوری کرنے کے لئے یہ انجمن قائم کی گئی ہے۔ گذرے ہوئے سال اِس اہم مقصد کی کامیابی کی مظہر ہیں۔ اس انجمن نے شہرت حاصل کر لی ہے اور اگر اس وقت ہندوستان میں مویشیوں کی بیماری کا اُتنا خوف نہیں رہ گیا ہے جتنا آج سے ۵۰ سال پہلے تھا تو اس کا سہرا اس انجمن اور اسی قسم کی دوسری انجمنوں کے سر رہنا چاہئے جنھوں نے مویشیوں کی بیماریوں کی طرف توجّہ کی ہے اور اُن کے لئے دوائیں نیز بیماریوں کے روکنے کی تدبیریں ڈھونڈھ نکالی ہیں۔

بیماری روکنے کا کام کی اہمیت پہلے ہی تسلیم کی گئی تھی اور اِس انجمن کے کارکنان نے ویٹرینری کے اس پہلو کو منظم کرنا شروع کر دیا تھا۔ سیرم سے متعلق جو دوائیں اس انجمن نے تیار کی ہیں اور جنھیں یہ انجمن بڑی مقدار میں باہر بھیجتی ہے اِس بات کا ثبوت ہیں کہ وہاں یہ کام کتنی خوش سلیقگی سے کیا گیا ہے

ہز ایکسلنسی لارڈ لنلتھگو وائسرائے

کی یہ تعداد کفایت شعاری کے خیال سے زیادہ ہے اور اتنے مویشیوں کے لئے چارے اور کھانے کی چیزوں کی سخت ضرورت پڑتی ہے۔ اس سلسلے میں بہت کم شبہہ کیا جا سکتا ہے کہ ہندوستان میں مویشیوں کی بیماری کی زیادتی اس بات کا اشارہ کرتی ہے کہ اس مُلک میں بہت سے مویشی پالے جاتے ہیں۔

پہلے مویشیوں کو رنڈر پیسٹ' انیتھرکیس (پھوڑے کی بیماری) مُنہ وغیرہ متعدی بیماریاں ہو جانے سے بہت نقصان ہوتا تھا۔ اِن نقصانات کے باعث اکثر کھیتی کے کاموں کے رُک جانے کا اندیشہ رہتا تھا کیونکہ فصل وغیرہ کا وقت موسموں کے ذریعہ مقرر ہونے کے باعث اُنھیں باقاعدہ صورت میں شروع کرنا پڑتا ہے اور اس کے لئے دراصل کسی بھی شخص کا انتظار نہیں کیا جا سکتا۔

ہزایکسلنسی وائسرائے ایک گائے کو اپنے ہاتھ سے چارا کھلا رہے ہیں۔ یہ ایک ہریانا گائے تھی جسے اُنھوں نے دلّی کی ایک گؤشالہ کو دیا تھا۔

پیدا شدہ موثر نتیجہ

ہرسال اینٹی رینڈر پسٹ سیرم ہی ۰۰۰۰و۰۰ ، خوراک سے زائد تیار ہوتا ہے دوسری قسم کے سیرم بھی کافی مقدار میں تیار ہوتے ہیں۔ رینڈر پسٹ کا ٹیکہ جس کی ترقی کے لئے اس انجمن نے اہم کام کئے ہیں "مسلسل مستعدی سے تحقیق کئے جانے" والی کوشش کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ رینڈر پسٹ روکنے کا یہ ایک آسان اور سستا طریقہ ہے۔ اب صوبائی لیبوریٹری میں بھی جہاں ہر قسم کے بہتر ذرائع موجود ہیں ٹیکہ تیار کرنے کا کام کیا جا سکتا ہے۔ کفایت شعاری، سادگی اور حفاظت وغیرہ سبھی باتیں تحقیق کی اس کوشش میں پائی جاتی ہیں۔

آپ سب حضرات یہ تسلیم کرینگے کہ ہندوستان کی آب وہوا سیرم تیار کرنے اور ان نازک چیزوں کی حفاظت کرنے میں مشکلات پیش کرتی ہیں اور مستقبل قریب میں عزت نگر میں سردگودام بن جانے سے جمع کرنے کا مسئلہ آسان اور سستا ہو جائے گا۔

تیسری بات جس کا میں ذکر کر چکا ہوں وہ ہے صحت کا قائم رکھنا۔ ویٹرینری کے نقطۂ نظر سے اس کے معنی ہیں جانوروں کی نجات اور اُن کی عام حالت کی اصلاح جو اُن میں محفوظ رہنے کی طاقت بڑھائے گا اور اُن کی قسم میں اصلاح کریگا۔ پرورش مویشیان کی یہ عمارت جو ہم لوگوں کے سامنے ہے اینٹ اور گارے کی شکل میں ویٹرینری کی اس اہم شاخ کو تبدیل کر رہی ہے۔ ہمارے لئے یہاں سائنٹفک پرورش کی اہمیت کا مفصّل ذکر کرنا مناسب نہیں ہے۔ اب عام طور پر اس سلسلے

میں لوگوں کی دلچسپی بڑھ گئی ہے اور آپ سبھی حضرات اس بات سے آگاہ ہیں کہ جسم کے ٹھیک طور پر کام کرنے کے لئے اسے اچھی غذا کی ضرورت پڑتی ہے۔

قسم بنام مقدار

جو بات انسانوں کے لئے لاگو ہوتی ہے وہی اسی شکل میں مویشیوں کے لئے بھی لاگو ہوتی ہے اور غالباً ہندوستان میں زیادہ صورت میں۔ جتنی ہی زیادہ میں ہندوستان کی سیاحت کرتا ہوں اتنی ہی زیادہ میں اس ملک کی دیہاتی کفایت شعاری اور یہاں کی لاکھوں رعایا کی نجات کے گہرے اور اتنا مسائل پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرتا ہوں اور اتنا ہی زیادہ میں یہاں کے مویشیوں کی قسم کو بلند کرنے کی اہمیت محسوس کرتا ہوں۔

بیشتر عوام کے لئے اچھے مویشیوں کے معنی ہیں اچھی اور فائدہ مند کھیتی اور زیادہ مقوی غذا۔

ہندوستانی کفایت شعاری میں مویشیوں کی ایسی اہم اور ضروری جگہ ہے کہ یہ بات ہمیشہ دیکھنی چاہئے کہ مویشیوں کی پرورش اور اصلاح کی تحقیقات کے لئے سائنس کے ذرائع اور دیگر قسم کی قابلیت کام میں لائی جا رہی ہے اور اس سلسلے میں جو واقفیت حاصل کی جا رہی ہے وہ حکومت اور کسانوں تک پہنچائی جا رہی ہے۔

امپیریل ویٹرینری ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی یہ پرورش مویشیان کی شاخ ایک بہت بڑی کمی کو پورا کرے گی۔ اس لئے آج یہاں پر جمع ہونے والے سبھی حضرات کی طرف سے میں کامیابی کا خواہاں ہوں۔

دوسری نئی عمارت جس کا افتتاح کرنے کے لئے میں مدعو کیا گیا ہوں اس کوشش کی مظہر ہے جو ہندوستان کی زراعت اور اس سے متعلق دیگر کاموں کے ایسے بہت بڑے حصے کے لئے کیا جا رہا ہے۔ جس کو ابھی تک بری طرح نظر انداز کیا گیا ہے مجھے یقین ہے کہ یہ ان مسائل کو حل کرنے میں بہت مدد دے گا جو آج ہندوستان میں گھریلو پرند پالنے والوں کے رستے میں ہے۔ مرض پیداوار کے لئے نقصان دہ ہیں۔ یہ بات جانوروں کی طرح ہندوستان کی گھریلو چڑیوں کو فروخت کرنے میں بھی صادق آتی ہے۔ جب تک مرض باقاعدہ پرندوں کو زیادہ تعداد میں مارتا رہے گا تب تک عام پالنے والوں کو تعداد کے مقابلے میں قسم کی طرف رجوع ہونے کے لئے پوری جرأت نہ ہوگی۔

میرا عقیدہ ہے کہ پالتو پرندوں کی تقریباً سبھی بیماریاں جو ہندوستان میں دکھلائی دیتی ہیں فوراً بند کی جا سکتی ہیں اور اگر ایسی ہی بات ہے تو اس انجمن اور دیگر لوگوں کے لئے اس علم کو کسانوں اور گھریلو پرند پالنے والوں کے سامنے رکھنے کا موقعہ ہے جو ان دیواروں کے اندر حاصل کیا جائے گا۔

دنیا کے اعداد شمار کے مقابلے میں ہندوستان کے پرندوں کی تعداد اتنی نہیں ہے جتنی مویشیوں کی ہے۔ موٹے طور پر تخمینہ لگایا گیا ہے کہ ہندوستان میں گھریلو پرندوں کی تعداد تقریباً ۱۷۳۰ لاکھ ہے اس تعداد سے مسئلے اور موقعہ کا اندازہ مقرر کیا جا سکتا ہے مزید دلچسپی کی بات یہ ہے کہ اس خاص کام کو شروع کرنے میں یہ انجمن اس صنعت کے تجارتی پہلو کو اپنا رہی ہے۔ میں اس بات کو پوری طرح مانتا ہوں کہ ہندوستان میں گھریلو پرندوں کو پالنے کی صنعت کی توسیع کے لئے وسیع رقبہ ہے۔ اس کے لئے سب سے پہلے علم کی ضرورت ہے اس کا حصول ہی اس انجمن کا مقصد ہے۔ مجھے یقین ہے کہ افسر انچارج اور ان کے ماتحت کارکنان جلد ہی اس ملک میں گھریلو پرند پالنے کی تجارت کو اور بھی فائدہ مند بنائیں گے۔

بچوں کی بیماریاں، اور انکا علاج

(از شری متی تارا پانڈے)

ہر ایک انسان کے لئے تندرستی نہایت ضروری ہے۔ بچپن سے ہی تندرستی کا خیال رکھنے سے بڑے ہونے پر اس کی قدر معلوم ہوتی ہے۔ بچوں کی تندرستی کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے کیونکہ تندرستی ایک قیمتی چیز ہے

ہل کی گذشتہ دو اشاعتوں میں بچوں کی تعلیم پر کچھ روشنی ڈالی گئی تھی۔ آج انکی تندرستی کے متعلق کچھ لکھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ یوں تو اصول کے ساتھ رہنے سے بیمار ہونے کا بہت کم اندیشہ رہتا ہے لیکن اصول صحت سے نا واقف ہونے کے باعث بیمار ہو جانا قدرتی ہے۔ لہٰذا اس مضمون میں بچوں کی بیماریاں اور ان کے معمولی علاج بتانے کی کوشش کی گئی ہے۔

جب بچہ سات آٹھ ماہ کا ہوتا ہے تو اس کے نیچے کے دانت نکلتے ہیں۔ ان دنوں کوئی بھی بیماری ہونے سے لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ سب دانت ہی نکلنے کے باعث ہے۔ لیکن ایسا ہوتا نہیں بلکہ دانت نکلنا ایک عام قاعدہ ہے۔ لاپروائی سے ضرور نقصان پہنچتا ہے۔ ذرا سی ہوشیاری سے دانت آسانی سے نکل آتے ہیں۔ یہ بھی ایک غلط فہمی ہے کہ دانت نکلتے وقت دست ضرور ہوتے ہیں۔ دستوں کا ہونا ایک بہت بڑی نشانی ہے۔ پیٹ کی خرابی سے صرف قبض ہی نہیں ہوتا بلکہ دست بھی ہو جاتے ہیں۔ ہرے پیلے، سفید اور آنو ملے

دست عموماً پیٹ کی خرابی سے ہوتے ہیں۔ اندی کا تیل یا ہڑ اور سہاگا کا چھانا ہوا مہین پسا ہوا بچے کو دینے سے پیٹ صاف ہو جاتا ہے۔

بچے کا چڑچڑانا، اور مسوڑھوں کا پھولنا اور ان کا ہر ایک چیز کو کاٹنا دانت نکلنے کی شروعات ہے ان دنوں پیٹ صاف رکھنے کی خاص ضرورت ہے۔ ٹھنڈ یا بہت گرمی سے بچانا چاہئے۔ بچے کو خوب سونے دینا اچھا ہے۔ انگلی میں شہد لگا کر دھیرے دھیرے مسوڑھوں پر ملنا چاہئے۔ اس سے دانت جلد اور آسانی سے نکل آتے ہیں۔ جب دانت کچھ نکل آئیں تو انھیں چبانے والی چیزیں دینی چاہئیں۔ ملائم غذا کو چبانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ بچے اسے نگل جاتے ہیں۔ یہ بڑی عادت بعد تک قائم رہتی ہے جس سے ہاضمے کی خرابی کا خوف ہے، چبا کر کھانا ہاضمہ ٹھیک رکھنے کے لئے ضروری ہے۔ دو یا ڈھائی سال میں بچے کے ۲۰ دانت نکل آتے ہیں۔

نو ماہ کے بعد یا سال بھر کے اندر ماں کا دودھ ضرور چھڑا دینا چاہئے۔ بہت سی ماؤں کا خیال ہے کہ بچہ جتنے دن دودھ پئے گا۔ اتنا ہی موٹا تازہ ہوگا۔ لیکن یہ محض خیال ہے۔ دانت نکلنے کے بعد تھوڑی تھوڑی سبھی چیزیں کھانے کو دینی چاہئیں کھانا کھلانے کے بعد

کچھ دیر آرام کرنا مفید ہے۔

بچوں کو چیچک کا ٹیکہ ضرور لگنا چاہئے۔ ۶ ماہ کے اندر ہی ٹیکہ لگوانا ضروری ہے۔ اگر گاؤں میں یا پڑوس میں کہیں بھی چیچک نکلی ہو تو ہر ایک بچے کو خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو ٹیکہ لگوا دینا چاہئے۔

بخار ہونا کسی مرض کا پیش خیمہ ہے۔ لیکن اس سے گھبرانا نہیں چاہئے۔ بخار میں حرارت بڑھ جاتی ہے اور چہرہ سرخ ہو جاتا ہے۔ نبض کی حرکت تیز ہو جاتی ہے۔ پیاس زیادہ لگتی ہے۔ بخار کو تھرمامیٹر سے ناپ لینا چاہئے۔ اگر ۱۰۲ ڈگری سے زیادہ ہو تو ماتھے پر برف یا ٹھنڈے پانی کی پٹی رکھنی چاہئے جب تک کہ بخار ۱۰۲ ڈگری کے قریب نہ اتر آئے اس وقت تک برابر پٹی رکھنی چاہئے۔ بخار میں پیاس زیادہ لگنے سے بچہ برابر پانی مانگتا ہے۔ پانی ابال کر ٹھنڈا کر کے رکھ لینا چاہئے اور وہی دینا چاہئے۔ کھانے کے لئے دودھ، پانی، پھلوں کا رس اور شہد دینا چاہئے۔ اگر بخار کم ہو اور بھوک زیادہ ہو تو ساگو دانہ اور جو کا پانی بھی اچھا ہوتا ہے۔ معدہ کی خرابی سے اکثر بخار ہو جاتا ہے اسلئے معدہ صاف رکھنا نہایت ضروری ہے۔

سوکھا کی بیماری بھی عموماً دیکھی جاتی ہے۔ اس میں بچے بالکل لیٹے رہتے ہیں۔ اور کمزور ہونے میں چڑچڑانے لگتے ہیں۔ جسم میں صرف ہڈیاں ہی دکھائی دیتی ہیں پیٹ آگے کو نکل آتا ہے کبھی پتلے دست اور کبھی قبض ہوتا ہے۔

دھوپ اور صاف ہوا نہ ملنے سے یا اچھا کھانا نہ ملنے سے یہ بیماری ہوتی ہے اسلئے دھوپ اور تازی نیز صاف ہوا اچھا کھانا دیں۔ اس بیماری کا خاص علاج ہے مچھلی کا تیل پلانا اور ملنا چاہئے۔ تازے پھل، ہری سبزی خوب دینی چاہئے۔ بکری کا تازہ دودھ آسانی سے مل بھی سکتا ہے اور مفید بھی ہے۔

کبھی کبھی بچے کو مرگی سے دورے آنے لگتے ہیں۔ منہ میں جھاگ آتے ہیں، مٹھیاں بند ہو جاتی ہیں، انگوٹھا ہتھیلی

کے اندر چلا جاتا ہے۔ اسی طرح پیر کی انگلیاں بھی مڑ جاتی ہیں۔ سانس ٹھیک نہیں چلتی اور منہ سے جھاگ بھی نکلتا ہے۔ اکثر اسکی وجہ کان یا دانت کی تکلیف یا ملیریا وغیرہ بخار آنے کی شروعات ہوتی ہے۔ بڑی عمر میں جیسے جاڑا او کپکپی سے بخار آتا ہے ویسے ہی بچوں کو دورہ سا آجاتا ہے۔ اس میں بچے کو سلانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ گلیسرین کی بتی یا پچکاری سے پیٹ صاف کر دینا چاہئے۔ جب بچہ ہوش میں آجائے تو بالکل آرام سے لٹا دینا چاہئے اور دورہ آنے کی وجہ معلوم کر کے علاج کرنا چاہئے۔

کبھی کبھی بچوں کو منہ آجاتا ہے۔ منہ کے اندر زبان میں گالوں میں یا اندر کی طرف ہونٹوں میں سرخ یا سفید چھالے پڑ جاتے ہیں دودھ کی خرابی سے یا جو بوتل سے دودھ پلاتے ہیں، بوتل یا ربر کے میلے رہنے سے یا معدے کی خرابی سے بھی ایسا ہوتا ہے۔ کبھی کبھی ایک بچے سے دوسرے بچے کو بھی ہو جاتا ہے۔ اس میں صفائی کی زیادہ ضرورت ہے۔ دودھ اچھا ہو دودھ پلانے کی بوتل اور ربر ہمیشہ صاف رکھنی چاہئے بچے کا منہ صاف رکھنا چاہئے۔ ارنڈی کا تیل ملا کر معدہ صاف کر دینا چاہئے۔ میٹھی چیزیں دینا بالکل کم کر دینا چاہئے۔ تھوڑا سا سہاگہ کھیلا شہد یا گلیسرین میں ملا کر چھالوں میں لگا دینے سے فائدہ ہوتا ہے۔

کھانسی کی شکایت بچوں کو اکثر ہو جاتی ہے ٹونسل بڑھ جانے سے یا سردی زکام سے عموماً کھانسی ہو جاتی ہے۔ بچوں کو ٹھنڈ سے بچانا چاہئے۔ چھاتی میں کڑوے تیل میں کافور ملا کر مالش کرنی چاہئے۔ یا تارپین کا تیل اور کڑوا تیل ملا کر مالش کرنا چاہئے

جب کبھی بچوں کو دستوں کی شکایت ہو اس وقت فوراً کھانا بند کر دینا چاہئے۔ میٹھا قطعی نہ دینا چاہئے۔ پیٹ صاف کر دینا چاہئے۔ جب دست بند ہو جائے تو ہلکی غذا دینی چاہئے۔ بعد میں دھیرے دھیرے کھانا دینا شروع کرنا چاہئے۔

پانی کے صاف نہ ہونے سے موتی جھالا ہیضہ اور میعادی وغیرہ پھیلتا ہے اس لئے جب کبھی یہ بیماریاں کہیں پڑوس

یا شہر میں ہوں تو پانی اُبال کر پینا چاہیئے ۔ اور دودھ بھی بچوں کو اُبال کر دینا چاہیئے

یوں تو بیماریاں بہت ہیں اور اُن کا علاج ماہروں ہی کے ذریعہ ہونا چاہیئے ۔ لہٰذا بچے کی بیماری میں کسی وید حکیم یا ڈاکٹر کی مدد لینی ضرور ہے ۔ پھر بھی اگر صحت کے عام اصولوں پر عمل کیا جائے گا تو بچوں کی تندرستی اچھی رہیگی اور ان میں وہ قدرتی طاقت موجود رہیگی جس سے کہ وہ بیماریوں سے لڑ کر اپنی صحت قائم رکھ سکیں ۔

عجیب کھلونا

جو لکڑی یا دفتی سے آسانی سے بنایا جاسکتا ہے

(از جناب ڈاکٹر گورکھ پرشاد)

ایک نیا چھوٹا سا کھلونا جسکی تصویر یہاں دی جارہی ہے ساتھ کے نقشے کی مدد سے بنایا جاسکتا ہے ۔ اس کھلونے کو قینچی کی طرح چلایا جاتا ہے مگر اسکے بازو سادے ہونے کے بدلے کئی دوسری قینچیوں سے بنتے ہیں ۔ اس آدمی کے بازو کھلونے کے کلوں سے اس طرح بندھے رہتے ہیں کہ کھلونے کو کھولنے اور بند کرنے سے وہ اوپر نیچے چلتے ہیں ۔
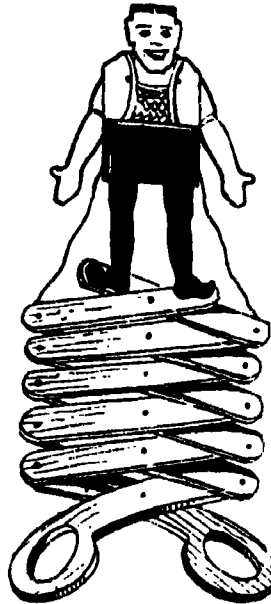
جتنے حصے دکھائے گئے ہیں اُن کو دفتی یا پتلے پلائی ووڈ سے کاٹ لینا چاہیئے اور انکو تصویر میں دئے گئے طریقوں سے جمع کرنا چاہیئے ۔ ۱/۸ انچ موٹا پلائی ووڈ اس کھلونے کے لئے بہت اچھا ہے اور اگر تیز فرنیسال سے کاٹا جائے تو اچھا اور صاف کام بنے گا۔

اسکے حصے

اگرچہ نقشے میں قینچیوں کے صرف دو ہی سادے ٹکڑے دئے گئے ہیں مگر ایسے آٹھ ٹکڑوں کی ضرورت پڑے گی ۔ باقی حصوں میں سے ایک عدد کافی ہے ۔ انکو ہوشیاری سے کاٹنا چاہیئے ۔ نقشے میں نظر آنے والی پن لگانے کی جگہوں کو بھی ہوشیاری سے اتار لینا چاہیئے اور تب لکڑیوں پر چپکائے ہوئے نقشے کو چھوڑ دینا چاہیئے ۔ صرف لڑکے پر سے کاغذ کو نہیں چھڑانا چاہیئے (پلائی ووڈ کو ٹھیک ناپ کا کاٹنے کے لئے یہاں دئے گئے ۔ نقشے کو پہلے پلائی ووڈ پر چپکا لینا چاہیئے ۔)

سب ٹکڑوں کو اب ہوشیاری سے اُس حالت میں رکھنا چاہیئے جس میں وہ کھلونے کے بند ہونے پر پڑینگے ۔ جیسا ایک تصویر میں ظاہر کیا گیا اب بہت باریک برمی سے سب سوراخ کرنے چاہئیں اور ان سوراخوں میں بہت باریک کیلیں پین یا تار جڑنا چاہئیں اور اس کے سروں کو موڑ دینا چاہیئے تاکہ وہ نکل نہ سکیں ۔ بیچ میں کیلوں کی ایک قطار ہے اور ہر طرف ایک ایک قطار ہے ۔

سب سے اوپر کی قینچی کے ٹکڑے دوسرے ٹکڑوں سے چھوٹے ہیں اور انھیں پر لڑکے کے پیر جڑے جاتے ہیں ۔ لڑکے کے پیر اس طرح جڑے جاتے ہیں کہ وہ کافی ڈھیلے چلیں ۔

تاگا لگانا

ہر ایک ہاتھ میں ۲ نقطے دئے گئے ہیں ۔ ان میں سے اس نقطے میں کیل ٹھونکی جاتی ہے جو سرے سے دور ہیں جو نقطے سرے پر ہیں اُن میں سوراخ کرکے تاگا پہنانا ہوگا۔

سوال جواب

چوہوں سے بیج گودام کی حفاظت

سوال - براہِ مہربانی کوئی ایسی تدبیر بتلائیے کہ بیج گودام میں چوہے نہ گھس سکیں۔

جواب - اسکے لئے گودام اس طرح بنایا جائے کہ اسکی کرسی زمین سے ۳ فٹ اونچی ہو۔ اس میں زینہ نہ لگایا جائے اور ۹ انچ چوڑی کرسی سے باہر کو نکلی ہوئی منڈیر بنائی جائے۔ ایسے گودام میں چوہے نہ گھس سکینگے

کھاج یا کھورا

سوال - میرے کتے کو کھورا ہو گیا ہے۔ کیا آپ دور کرنے کے لئے کوئی تدبیر بتائیں گے۔

جواب - کتے کو کاربولیک صابن یا نیم کے صابن سے بار بار نہلانا چاہئے۔ کاربولیک تیل کھاج کی جگہ لگانے سے کھاج کے کیڑے مر جائینگے مردہ سنگ کا فور اور گندھک ان چیزوں کو خوب باریک پیسکر کپڑے سے چھان لینا چاہئے۔ اسکے بعد اسے ناریل کے تیل یا ویسلین میں ملاکر مرہم تیار کر لینا چاہئے اور پھر زخم پر دو تین بار لگانا چاہئے۔ نیم کے پانی سے دھوتے رہنا بھی مفید ہے

نتھنوں کا کٹ جانا

سوال - میری گائے کا نتھن کٹ گیا ہے۔ کیا آپ اسکا کوئی معقول علاج بتلا سکتے ہیں۔

جواب - بہت دیر تک بچھڑے یا بچھیوں کو تھن کھینچنے دینے سے دانت لگ جاتا ہے۔ اس سے تھن میں زخم ہو جاتا ہے۔ اسکا علاج فوراً شروع کر دینا چاہئے ورنہ نقصان کا اندیشہ رہتا ہے۔ دودھ دوہنے کے بعد تھوڑا گھی یا مکھن لیکر پسی ہوئی ہلدی اور تھوڑا سا نمک اسمیں ڈالکر زخم پر دن میں ۲ تین بار لیپ کرنا چاہئے۔

ڈہر کا سدھار

سوال - کیا آپ ڈہر کے ٹھیک کرنے کے طریقے تبلائینگے؟

جواب - ڈہر میں پانی بھرے رہنے سے اچھی طرح کھیتی نہیں ہوتی۔ اگر ان کھیتوں کا پانی کم کر دیا جائے تو ان میں سینکھاڑا، کسیرو، اور چٹائیاں بنانیکی گھاسیں لگائی جا سکتی ہیں۔ کھیتوں سے پانی نکالنے کے لئے ہمیں سے ایک نالا نکالنا چاہئے اور پانی کو کسی ندی میں ڈال دینا چاہئے۔ اگر نالا نہ نکالا جا سکے تو کھیت میں چار چار گز کے فاصلے پر سوا گز گہری نالیاں کھود دینی چاہئیں۔ ان سب نالیوں کو آپس میں ملا کر ان کا پانی ایک بڑی نالی میں ڈال دینا چاہئے جو کھیت سے باہر ہو۔ ان سب نالیوں میں پھوس بھر کر مٹی سے ڈھنک دینا چاہئے ایسا کر دینے پر ڈہر کا پانی رس رس کر باہر نکل جائیگا۔ پھوس کی جگہ مٹی کے نل بھی لگائے جا سکتے ہیں۔

ان کھیتوں کی مٹی بھُربھُری بنانے کی کوشش کرنی چاہئے اس کے لئے ان کھیتوں کو گرمی میں گہرا کھود دینا چاہئے۔ یا بڑے بڑے ہلوں سے جوت دینا چاہئے تاکہ گرمی کا اثر ان پر پڑے اور بارش ہونے پر کھیتوں کے ڈلے آسانی سے چور چور ہو جائیں۔ ان کھیتوں میں فصل بونے پر زمین کو بھُربھُری بنائے رکھنے کے لئے سینچائی کم کرنی چاہئے اور گڑائی اور نلائی زیادہ کرنی چاہئے۔ ان کھیتوں میں مویشیوں کو چرنے نہ دینا چاہئے کیونکہ ان کے چرنے سے مٹی بھربھری نہ رہ سکے گی۔ مٹی کو بھُربھُری کرنے کے لئے کھیت میں گوبر کی کھاد یا ہری کھاد ڈالنی چاہئے۔

مکھیوں سے بچو

تیواری جی کا خبط

پنڈت موہن لال نہرو نے ایک تیواری جی کی کہانی لکھی ہے۔ تیواری جی مکھیوں سے بہت ڈرا کرتے تھے۔ یعنی وہ شیر چیتے وغیرہ سے اتنا نہیں ڈرتے تھے جتنا کہ مکھیوں سے ڈرتے تھے ایک روز کی بات ہے کہ تیواری جی کے یہاں انکے ۲ دوست اور آگئے۔ تیواری جی اُن دونوں کو لیکر کھانا کھانے بیٹھے۔ جب تینوں دوست کھانے پر بیٹھ گئے تو ایک گڑگڑاہٹ کی آواز ہوئی اور اوپر سے تین جھابے تینوں کے اوپر اُترتے ہوئے نظر آئے۔ تیواری جی کے دونوں دوست ڈر کر بھاگنے ہی والے تھے کہ تیواری جی نے کہا۔ ڈرو مت! یہ سب انتظام مکھیوں سے بچنے کے لئے ہے تینوں دوستوں نے جھابے کے اندر بند ہو کر کھانا کھایا۔

تیواری جی خوش حال آدمی تھے اور خبطی بھی۔ وہ اس قسم کا خبط کر سکتے تھے۔ غریب آدمی اس قسم کا خبط نہیں کر سکتے۔ لیکن جہاں تک مکھیوں سے بچنے کا سوال ہے تیواری جی کی یہ حرکت عقلمندی پر ہی مبنی تھی۔ کیونکہ بہت سی ایسی بیماریاں ہیں جو مکھیوں سے پیدا ہو جاتی ہیں مثلاً ہیضے کی بیماری

مکھی بیماری کیسے پھیلاتی ہے؟

جب مکھیاں کسی غلیظ جگہ پر بیٹھتی ہیں اور وہاں سے اُڑ کر آدمیوں کے کھانے پر بیٹھتی ہیں تو کھانے میں گندگی چھوڑ جاتی ہیں۔ اس طرح بیماری کا زہر انسان کے پیٹ میں پہنچتا ہے اور وہ بیمار ہو جاتا ہے۔ جس چیز پر مکھیاں بیٹھتی ہیں اس پر مکھیوں کا پیر لگنے سے میل جم جاتا ہے۔
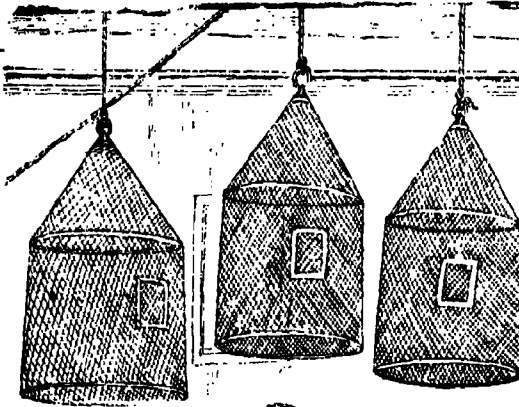
تیواری جی کا مکھیوں سے بچنے کا طریقہ

کھیوں کے پیر میں کس قدر میل لگا رہتا ہے یہ خوردبین سے
صاف نظر آتا ہے اس مضمون کے ساتھ ایک مکھی کی تصویر
ہم چھاپ رہے ہیں اس میں مکھی کا پیر اور اس میں لگا ہوا

مکھی کی ایک بڑی تصویر

میل بڑھا کر دکھایا گیا ہے۔ ناظرین ملاحظہ فرما سکتے ہیں کہ
اس کے پیر میں کس قدر میل لگا ہوا ہے
ایک دوسری تصویر ہم اور چھاپتے ہیں۔ اس طرح
ایک نشان میں لاکھوں زہریلے جراثیم بھرے ہوتے ہیں

مکھی کی ایک بڑی تصویر اس کی ٹانگوں میں لگی غلاظت دیکھئے

مکھی کی ٹانگیں اور سونڈ کی بڑی تصویر

جو بغیر خوردبین کے نہیں دیکھے جا سکتے اور کسی چیز میں پہنچتے ہی
یہ جراثیم کس طرح بڑھتے ہیں یہ آپ چوتھی تصویر میں دیکھ
سکتے ہیں۔

اسلئے مکھیوں سے بچنے کی واقعی ضرورت ہے۔ انسانوں
کے کھانے پر مکھیوں کا بیٹھنا اتنا ہی بڑا ہے جتنا کہ کتے یا بیل
کا منہ ڈال دینا۔

مکھیوں کے بارے میں یو۔ پی کی ہائی جین پبلسٹی بیورو
کی طرف سے ایک چھوٹا سا پرچہ شائع ہوا ہے۔ ناظرین کی
واقفیت کے لئے اسے ہم یہاں نقل کر رہے ہیں۔ اس
طرح ناظرین کو معلوم ہو جائیگا کہ مکھیوں سے کس طرح بیماری
پھیلتی ہے اور کس طرح گندگی دور کرکے بیماری روکی
جا سکتی ہے۔

چودھری صاحب اور ڈاکٹر صاحب

چودھری دیوی پرشاد موضع رانی کٹرہ میں رہتے تھے۔
ان کا گھر بہت گندہ رہتا تھا اُن پر مصیبت پڑی تو
انھوں نے گاؤں کے ڈاکٹر صاحب کو بلوا بھیجا اور کہا کہ
انکے لڑکے کی طبیعت بہت خراب ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے
آکر لڑکے کو دیکھا۔

دیوی پرشاد۔ ڈاکٹر صاحب! کہئے میرے لڑکے کی طبیعت
کیا خراب ہو گئی؟

ڈاکٹر۔ آپکے لڑکے کو پیچش ہو گئی ہے۔

دیوی پرشاد۔ اسکو یہ بیماری کہاں سے ہو گئی۔

ڈاکٹر۔ یہ بیماری عموماً کھانے میں گندگی پیدا ہو جانے
سے ہو جایا کرتی ہے۔

دیوی پرشاد۔ لیکن میں تو اپنے بچوں کو ہمیشہ اچھا
کھانا دیتا ہوں۔

ڈاکٹر۔ یہ تو آپ ٹھیک کہتے ہیں لیکن مجھے معلوم ہوتا
ہے کہ کھانا اچھی طرح ڈھنک کر نہیں رکھا جاتا۔ دیکھئے
وہاں پر کیسا عمدہ کھانا رکھا ہے لیکن کیا آپ دیکھتے ہیں
کہ اُس پر کس قدر مکھیاں بیٹھی ہیں۔

دیوی پرشاد۔ مکھیاں نقصان نہیں کرتیں اور وہ
کھانے کو کس طرح خراب کر سکتی ہیں؟

ڈاکٹر۔ آپ غلطی پر ہیں، کیا آپ کو نہیں معلوم کہ مکھیاں

جس چیز پر مکھی بیٹھتی ہے وہ اس پر غلاظت کے اس قسم کے نشان چھوڑ دیتی ہے

پانچ منٹ میں اس غلاظت کے جراثیم سطح پر جھک کر پھیل جاتے ہیں

ہماری دشمن ہیں، یہ بیماری پھیلاتی ہیں۔

دیوی پرشاد۔ ڈاکٹر صاحب مکھیاں کس طرح گندگی پھیلاتی ہیں۔

ڈاکٹر۔ اگر آپ اس مکھی کا جو آپ کے کھانے پر بیٹھی ہے پیچھا کریں تو آپ دیکھیں گے کہ وہ یہاں سے اُڑ کر گھور سے کی طرف جاتی ہے اور وہاں غلاظت پر بیٹھکر انڈے دیتی ہے۔ آپ خیال کرتے ہیں کہ اس میں کچھ نقصان ہی نہیں لیکن کیا آپ کو معلوم ہے کہ مکھی نے کیا کیا؟ جب مکھی یہاں سے جاکر غلاظت پر بیٹھی تھی تو غلاظت کا کچھ حصّہ مکھی کے پیروں میں لگ گیا تھا اور وہ جب وہاں سے اُڑ کر کھانے پر بیٹھی تو اس نے اُس غلاظت کو آپکے کھانے میں لگا دیا۔

اب آپ ہی بتلائیے کہ اگر کوئی آدمی باہر سے میلا لاکر آپ کے صاف کھانے پر ڈال دے تو آپ کیا کریں گے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اُسے مار ڈالنا پسند کریں گے۔

دیوی پرشاد۔ ہاں ڈاکٹر صاحب! یہ تو بتلائیے کہ مکھیاں پیدا کہاں سے ہوتی ہیں؟

ڈاکٹر۔ وہ گندگی پر پرورش پاتی ہیں جو یہاں پڑی ہوتی ہے۔ وہ گندگی پر انڈے دیتی ہیں جو ۲۴ گھنٹے میں بڑھکر کیڑے ہو جاتے ہیں اور دس دن میں پوری مکھیاں بن جاتے ہیں۔

دیوی پرشاد۔ تو مکھیوں کی پیدائش روکنے کے لئے ہمیں کیا کرنا چاہئے؟

ڈاکٹر۔ مکھیوں کی پیدائش روکنے کے لئے آپ کو چاہئے کہ آپ انکی پرورش کرنے والی جگہوں کو دور کریں۔ وہ ہر قسم کی گندگی میں پیدا ہوتی ہیں جیسے پاخانہ، کھاد، لید، کوڑا وغیرہ میں۔ آپ کو یہ خیال رکھنا چاہئے کہ آپکے مکان کے قریب کوڑا یا گندگی نہ پڑی رہے۔

دیوی پرشاد۔ تو پھر گندگی کو کیا کرنا چاہئے؟

ڈاکٹر۔ آپ کو چاہئے کہ گندگی کو یا تو اپنے کھیتوں میں گڑوا دیا کریں یا جلوا دیا کریں۔

دیوی پرشاد۔ اگر ایسا کرنے پر بھی مکھیاں ہم کو تکلیف پہنچایا کریں تو ہم کیا کریں؟

ڈاکٹر۔ تو آپ کو چاہئے کہ مکھی مارنے والے کاغذ یا جال میں پکڑ کر ان کو مار ڈالیں اور اگر آپ ایسا نہیں کرسکتے تو آپ کو اپنا دودھ کھانا وغیرہ ڈھانک کر رکھنا چاہئے۔ دروازہ اور کھڑکیوں پر چک لگانی چاہئے مکھیوں کی وجہ سے بہت سی بیماریاں پھیلتی ہیں۔ ہیضہ، پیچش اور دست وغیرہ کی بیماری خاص طور پر مکھیوں ہی کی وجہ سے ہوتی ہے۔

دیوی پرشاد۔ بچا کھچا کھانا کیا کرنا چاہئے؟

ڈکرا کھانے کو ادھر اُدھر نہ پڑا رہنے
دینا چاہئے ۔ اور نہ کبھی اسکو مکان کے باہر
زمین پر پھینکنا چاہئے ۔
بلکہ یا تو اُسے کوڑا گھر میں ڈالدینا
چاہئے یا کھیت میں گڑھوں میں گاڑ دینا
چاہئے اسی طرح جانوروں کا گوبر اور لید
وغیرہ بھی ڈالدینا چاہئے ۔ یہ کبھی نہ بھولئے
کہ گندگی میں مکھیاں پیدا ہوتی ہیں اور
مکھیوں سے بیماری پھیلتی ہے ۔ دیوی پرشاد نے اپنی بیوی
سے کہا کہ ڈاکٹر صاحب کے کہنے پر عمل کرو اور اس عمل کرنے سے اسکا لڑکا
اچھا ہوگیا اور وہ اب بہت خوش ہیں ۔

اندازہ اس زہر کا اندازہ کیجئے جو لڑکے کے پیٹ میں پہنچ سکتا ہے ۔

پانچ باتیں یاد رکھئے

(۱) مکھیوں کو مار ڈالئے ۔
(۲) کھانے پینے کی چیزیں مکھیوں سے چھپا کر رکھئے ۔
(۳) جس مٹھائی میں گرد پڑی ہو اور مکھیاں بیٹھی ہوں
اسے نہ خریدو ۔
(۴) کوڑے کو جلا دو اور میلے کو گاڑ دو ۔
(۵) اپنے دروازوں اور کھڑکیوں پر پردہ لگاؤ

گاؤں سدھار کے دو مناظر

مرسلہ جناب ایس ۔ بی ۔ نائیڈو

فیض اللہ پور میں گاؤں کے لڑکے صبح کی دعا میں مشغول ہیں
یہ ایک کھلا ہوا اسکول ہے جسے گاؤں
کے زمیندار صاحب چلاتے ہیں ۔

بریلی مرکز میں رضاکار زندگی سدھار سبھا کی
تائید میں بھجن گاتے ہوئے گاؤں
کا چکر لگا رہے ہیں ۔

اخبار و رسائل

خوش وقت (اردو)

یہ پندرہ روزہ اخبار احسان الحق صاحب کی ادارت میں شاہدرہ دہلی سے عرصہ ۷ ماہ سے شائع ہو رہا ہے۔

احسان الحق صاحب ایک تجربہ کار اخبار نویس ہیں اور اس سے پہلے بھی کامیابی کے ساتھ اخبار نکال چکے ہیں۔ خوش وقت میں یوں تو بہت سی خوبیاں ہیں جن کا اندازہ اخبار کو دیکھ کر ہی کیا جا سکتا ہے لیکن اسکی خاص خوبی ہے اسکی آزاد پالیسی۔ آج جہاں ہندوستان کے سبھی اخبار اپنے سیاسی اختلافات کی بنا پر دوسرے اخباروں کو برا بھلا کہنا اپنا فرض سمجھتے ہیں وہاں 'خوش وقت' کی یہ پالیسی قابل قدر ہے کہ وہ ہندوستان کی ہر سیاسی جماعت کی غلطیوں پر انھیں ٹوکتا ہے اور اچھائیوں کی تعریف کرتا ہے۔

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں جلیبیائی (کراس ورڈ) معموں کو خاص اہمیت دی گئی ہے چنانچہ السٹریٹیڈ ویکلی کے انگریزی معموں کے حل بھی پیش کئے جاتے ہیں اور خود 'خوش وقت' کی طرف سے اردو میں بڑوں اور بچوں کے لئے معمے چھپتے ہیں۔ جن کے حل کرنے والوں کو انعام دیا جاتا ہے۔

مضامین کا معیار بھی بہت بلند ہے اور مضامین کے انتخاب میں بھی ہر خیال کے لوگوں کا خاص خیال رکھا جاتا ہے ہم اسکی کامیابی کے متمنی ہیں۔ اسکی سالانہ قیمت ۳ روپیہ اور ایک پرچہ کا دام ۲ آنہ۔

نیرنگ خیال - سالنامہ۔ لاہور کے پرانے اور مشہور رسالہ نیرنگ خیال نے جنوری ۱۹۳۹ء میں اپنا سالنامہ شائع کیا ہے۔ اس نمبر میں بڑے سائز کے ۲۵۰ صفحات ہیں اور اس میں مشہور ادیبوں اور رہنماؤں کے متعدد مضامین شائع ہوئے ہیں۔ اس نمبر میں بہت سی اچھی اچھی نظمیں اور ۲ تین ڈرامے بھی ہیں۔ سہ رنگی اور یک رنگی تصاویر کی تو بھرمار ہے۔ ہم اتنا خوبصورت اور کامیاب نمبر نکالنے کے لئے اس کے اڈیٹر جناب حکیم یوسف حسن صاحب کو مبارکباد دیتے ہیں۔ نیرنگ خیال کا سالانہ چندہ ۵ روپے ہے۔ اور سالنامہ کی قیمت عیمر۔ یہ رسالہ مینجر صاحب رسالہ نیرنگ خیال بیڈن روڈ لاہور کے پتہ سے منگایا جا سکتا ہے۔

باتصویر دربار (ہفتہ وار) ہندی

۱- اڈیٹر شری چندر شیکھر۔ قیمت سالانہ عہ

یہ اخبار دہلی سے گذشتہ ۲ سال سے جاری ہے۔ اس میں ریاستوں کے علاوہ دیگر مسائل حاضرہ پر بھی اچھے مضامین شائع ہوتے ہیں اسکے علاوہ نظمیں، افسانے اور ملکی و غیر ملکی خبریں بھی بڑی خوش اسلوبی سے جمع کی جاتی ہیں۔ اسکے مضامین مفید اور اچھے ہوتے ہیں اکثر باتصویر افسانے بھی شائع ہوتے ہیں۔ اسکے علاوہ درجنوں تصاویر بھی شائع ہوتی ہیں۔ سرورق رنگین اور دیدہ زیب ہوتا ہے۔ ہم اسکی کامیابی کے خواہاں ہیں۔

۲- لیلا۔ (باتصویر ماہوار رسالہ) ہندی۔ شری وجے ورما کی ادارت میں یہ رسالہ اسی سال سے "سنت کاریالیہ" الہ آباد سے شائع ہونے لگا ہے۔ سالانہ قیمت ﷲ ر اور ضخامت ۴۰ صفحات ہے۔ یہ کہانیوں کا ماہوار رسالہ ہے۔ اسکی چھوٹی اور بڑی سبھی کہانیاں دلچسپ اور وقت کی ضرورت کے مطابق ہوتی ہیں۔ کہانیوں کے علاوہ ڈرامے بھی چھپتے ہیں۔ رسالہ ہونہار ہے اور چھپائی صفائی بھی اچھی ہے ہم اسکی کامیابی کے خواہاں ہیں۔

پپیتہ اور اُس کا سَت نکالنا

حالانکہ پپیتے کا درخت ہندوستانی نہیں ہے تاہم اِس ملک کے بیشتر حصوں میں آسانی سے اُگایا جاسکتا ہے۔ یہ درخت تیزی سے بڑھتا ہے۔ بیج بونے کے بعد دو ہی سال میں اس کے درخت ۱۵ فیٹ تک بلند اُگ آتے ہیں درخت لگانے کے بعد سال بھر کے اندر ہی پھل آنے لگتے ہیں۔ یہ پھل تنے میں تقریباً اُسی جگہ لگتے ہیں جہاں سے پتّیاں یا شاخیں نکلتی ہیں پھل کئی سائز کے ہوتے ہیں۔ مگر بڑے ہونے پر یہ پھل ایک سے تین پونڈ تک وزن کے ہوتے ہیں۔

پھل کے اچھی طرح پک جانے کے پہلے اُس کے بیرونی چھلکے کو کاٹ دینے سے دودھ کی طرح ایک عرق نکلنے لگتا ہے۔ جسے اکٹھا کرکے اور خشک کرکے سفوف بنایا جاسکتا ہے اس عرق کو عموماً پپین کہتے ہیں۔ اس میں بہت سے خمیر جراثیم جز ہوتے ہیں اور وہ ہاضمہ کے لئے مفید ہوتے ہیں اور ایسڈ کے مرکب میں اُن کا اثر بہت بڑھ جاتا ہے۔

درخت لگانے اور اُنھیں کھاد دینے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ایسے درخت لگائے جائیں جن کے پودے پہلے سے ہی اچھی طرح سے کھاد دئے گئے گڑھوں میں لگائے گئے ہوں اور چار سال سے زیادہ پُرانے نہ ہوں۔ پپیتے کے درخت ۳ قسم کے پائے جاتے ہیں۔ بمبیا، کانپوری اور کلکتیا۔ ان تینوں میں بمبیا پپیتے میں پپین زیادہ نکلتا ہے۔ یہ بات فہرست نمبر۱ میں دکھائی گئی ہے جس میں اچھے حالات میں لگاتار ۷ روز تک ہر قسم کے درخت کے پھلوں کو کاٹنے سے جمع ہونے والے پپین کی مقدار دی گئی ہے جہاں کہیں پپیتے کے ساتھ اور کوئی ذکر نہ آیا ہو وہاں کانپور کی آب و ہوا میں لگایا ہوا بمبیا پپیتا ہی سمجھنا چاہئے۔

فہرست نمبر۱

درخت کی قسم اور مٹی	پھلوں کی تعداد	پپین کی مقدار (دیہات میں)	۱۰۰ پھلوں سے ملنے والا پپین (دیہات میں) اوسط
۱ - کانپوری پپیتا - سایہ - اچھی مٹی	۱۴۸	۴۲۹۱۱	۲۰۰٫۵
۲ - " " - دھوپ - کمزور مٹی	۸۶	۱۴۱٫۱۴	۱۴۸٫۸
۳ - " " " - نمبر۲ کی قسم مٹی	۳۶	۴۴٫۹	۹۷٫۰۳
۴ - " " " - نمبر۲ " "	۹۶	۱۵۶٫۹	۱۳۴٫۱۶
۵ - بمبیا پپیتا - نمبر۲ " "	۲۱۴	۲۴۸٫۶	۱۳۹٫۶
۶ - " " - نمبر۲ " "	۶۹	۱۱۹٫۸	۱۷۶٫۶
۷ - کلکتیا پپیتا - نمبر۲ " "	۲۸	۴۰٫۸	۵۵٫۴

پپیتہ میں کھروچ لگانے کے نمونے

درخت لگانے کا طریقہ

درخت لگانے کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ پہلے زمین سات انچ گہرائی تک جوت لینی چاہئے۔ پھر دو فیٹ مربع گہرے گڑھے ۷ فیٹ کے فاصلے پر کھود لینے چاہئیں۔ ان گڑھوں میں بھربھری مٹی بھرنی چاہئے اور جب سطح ۶ انچ رہ جائے تو پھر اسے بند کر دینا چاہئے۔ اس مٹی میں اچھی طرح سڑی ہوئی فارم یارڈ کی کھاد جس میں مٹی یا بالو ملی ہوا ملا دینی چاہئے۔ نمولی کی کھلی ملا دینے سے فائدہ ہوتا ہے۔ یہ پپین کے لئے مفید ہے، کیڑوں سے درخت کی حفاظت کرتا ہے اور اسے سڑنے سے روکتا ہے۔ پہلے چھچھلی طشتریوں میں بیج لگا دئے جاتے ہیں اور جب انکوے ۲ یا ۳ انچ بڑے ہو جاتے ہیں تو وہ گملوں میں لگا دئے جاتے ہیں۔ جب پودے اچھی طرح بڑے ہو جاتے ہیں اور تقریباً ایک فیٹ اونچے ہو جاتے ہیں تو وہ تیار کئے جانے والے گڑھوں میں جن کا ذکر ہو چکا ہے۔ لگا دیئے جاتے ہیں۔ بیج بونے کے بعد اسے گڑھوں میں لگانے میں ۲ ماہ کا عرصہ لگ جاتا ہے۔ شروع برسات ہی میں بیج لگانے کا سب سے اچھا وقت ہے۔ ایک سال کے بعد درخت میں پھل آنے لگتے ہیں اور پپین پیدا کرنے کے لحاظ سے ۴ سال تک پھلنے کا سلسلہ جاری رکھنا چاہئے۔

درخت لگاتے وقت اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ پہلے والے درخت ایک دوسرے سے ۷ فیٹ کے فاصلے پر رہیں۔ اور ہر سال ہر ایک پانچویں گڑھے میں ایک نیا درخت لگا یا جائے۔ ابتدا میں بہت سے پودے سوکھ جاتے ہیں اور بہت سے درختوں میں صرف نر پھول لگتے ہیں اور وہ بالکل نہیں پھلتے۔ یقینی طور پر یہ بتانا ممکن نہیں ہے کہ کتنے درخت نر ہوں گے اس لئے ہر ایک گڑھے میں ۲ پودے لگانے چاہئیں اور ان میں سے مضبوط اور ٹھیک پودے کو رکھ کر دوسرے کو ہٹا دینا چاہئے۔ جب درخت بڑھ رہے ہوں تو بیچ بیچ میں انھیں پانی دینا ضروری ہے۔ پھلوں کے پکنے کے موسم (مارچ۔ اپریل) کے پہلے

درختوں کو ضرور سینچنا چاہئے۔ اکتوبر کے قریب جب بارش ختم ہونے کو ہوتی ہے اور پپین بڑی تعداد میں بنتا ہے۔ اس وقت درختوں کو بالکل پانی نہ دینا چاہئے۔ اس بات کی طرف خاص طور سے توجہ کرنی چاہئے کہ درختوں کو زیادہ پانی دینے سے اُن کی جڑوں میں پانی جمع ہونے لگتا ہے اور وہ سڑ جاتے ہیں۔

رس نکالنے کا طریقہ

پپیتے کے پھل کو کھرونچنے کے لئے ہڈی یا آبنوس کا چاقو سب سے اچھا مانا جاتا ہے۔ اس کے لئے شیشے کا ٹکڑا یا فولاد جس پر داغ نہ لگا ہو کام میں لایا جا سکتا ہے۔ لوہے یا معمولی فولاد کو کام میں نہ لانا چاہئے۔ کیونکہ اس سے رس گندہ ہو جاتا ہے اور سوکھ جانے پر اُس کا رنگ بھی خراب ہو جاتا ہے سب سے اچھا کھرونچ تصویر نمبر ۱ میں دکھایا گیا ہے۔ اُس میں پھل پر اوپر سے نیچے تک سیدھے کھرونچ بنائے گئے ہیں۔ کھرونچ کرنے کے دنوں میں روزانہ ایک پھل پر ۴ بار سے زیادہ کھرونچ نہ کرنا چاہئے۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ اس سے زیادہ کھرچنے کی تعداد بڑھا دینے سے باہر نکلنے والے رس کی مقدار کم ہو گئی مگر اس کا اثر پپین کے فوائد پر کچھ بھی نہیں ہوا۔

پھل کھرونچنے کا طریقہ

فہرست نمبر ۲

کھرچنے کا پپین کی مقدار پر اثر

ہر ایک پھل جتنی بار کھرونچا گیا	۴	۸	۱۰
ہر ایک پھل سے ملنے والا پپین (گراموں میں)	۲٫۸	۱٫۱	۱٫۲۳
سوکھی ہوئی چیز کا فی صدی	۹٫۹	۶٫۳۶	۶٫۵۳

رس جمع کرنے کے لئے مٹی کا برتن یا قلعی دار طشتریاں اچھی ہوتی ہیں۔ اُنھیں پھل کے نیچے فوراً لگا دینا چاہئے پھلوں سے رس جمع کر لینے کے بعد اُن پر کچھ رس جمع ہو جاتا ہے اُسے دوسرے روز پھر کھرچتے وقت ہٹا لینا چاہئے۔ اور اُس روز کے رس کے ساتھ اُسے بھی سُکھا لینا چاہئے ہر سال تقریباً اکتوبر میں پھلوں میں پپین سب سے زیادہ مقدار میں رہتا ہے پھلوں کو پوری طرح پک جانے کے پہلے ہی اُنھیں کھرچنا چاہئے اِس لئے زیادہ تعداد میں لگائے جانے والے درختوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ جب تک پھلوں میں پپین ہو تب تک اُنھیں لگاتار کھرچنے کا انتظام کرنا چاہئے۔ لوگ ہر تین مہینے کے بعد یعنی سال میں چار مہینے۔ اکتوبر، فروری، اپریل اور اگست میں پپیتے کے درختوں کے پاس جاتے ہیں۔ ہر ایک درخت میں سال بھر میں ۱۰۰ پھل لگتے ہیں اور ہر بار تقریباً ۲۵ پھل اُس وقت تک کھرچے جاتے ہیں جب تک رس دینا بالکل بند نہیں کر دیتے۔

رس جمع کر لینے پر اُسے گندہ ہونے سے بچانے کے لئے تیزی سے فوراً سُکھا لینا چاہئے۔

رس سکھانے کا طریقہ

رس کو سکھانے کا بہترین طریقہ اُسے ۴۵ ڈگری کی ہلکی آنچ میں دباؤ کو گھٹا کر سکھانا ہے۔ مگر درختوں کے قریب چھوٹے پیمانے پر رس سکھانے کے لئے مسٹر ڈیوک کا بنایا ہوا آلہ جو تصویر نمبر ۳ میں دکھایا گیا ہے بہترین مانا گیا ہے یہ دھات کی ایک چادر کا بنا ہوتا ہے جس میں سکھانے کے لئے ایک شیشے کا پلیٹ۔ اور شیشے کا ڈھکن اور ہوا دان کا بھی انتظام رہتا ہے۔ پپین کا رس شیشے کے ڈھکن کے نیچے شیشے کے ایک موٹے پلیٹ پر پھیلا دیا جاتا ہے اور دھوپ میں رکھ دیا جاتا ہے۔ سوکھنے کے بعد اُسے پیس کر سفوف بنا لینا چاہئے یہ کام چینی کے کھرل اور دستہ چلانے سے آسانی سے ہو سکتا ہے۔

پپین کی تحقیق

پپین کی جانچ یہ ہے کہ وہ انڈے کی سفیدی کو گھلا سکتا ہے۔ اس کے لئے انڈے کی سفیدی کے مرکب کی ضرورت

دھوپ میں پیپین سکھانے کا آلہ کا نقشہ

پڑتی ہے۔ چار چھ تازے انڈے مرکب بنانے کے لئے کافی ہوتے ہیں۔ ایک کچے انڈے کی سفیدی میں سوڈیم کلورائیڈ کے مرکب کی دونی مقدار۔ جس میں وزن میں ۱ فی صدی سوڈیم کلورائیڈ ملا ہو، ملا دینے سے انڈے کی سفیدی ہلکی ہو جاتی ہے۔ یہ مرکب تب تک چھانا جاتا ہے اور حل کیا جاتا ہے جب تک ہر ایک ۱۵ کیوبک سینٹی میٹر میں ۴ء۰ گرام گاڑھی سفیدی نہ رہ جائے۔ پیپین کی جانچ کے لئے ایک گرام پیپین کے سفوف کو ایک فیصدی نمک کے مرکب کی ۱۰۰ کیوبک سینٹی میٹر مقدار میں ملا دینا چاہئے اسے آدھ گھنٹے تک رکھ دینا چاہئے۔ اس مرکب کا ایک کیوبک سینٹی میٹر جانچ کرنے کے لئے لینا چاہئے اور اسے ۱۵ کیوبک سینٹی میٹر کے ساتھ جس کا ذکر ہو چکا ہے ملا دینا چاہئے ۱ فیصدی سوڈیم کلورائیڈ مرکب کی ۹ کیوبک سینٹی میٹر کے ساتھ ملانے سے کل مرکب کی مقدار ۲۵ کیوبک سینٹی میٹر ہو جائیگی۔ یہ ۲۵ کیوبک سینٹی میٹر مرکب ۱۵ منٹ تک ۸۰ ڈگری 'سی' پر رکھ دیا جاتا ہے اور تب ایک کیوبک سینٹی میٹر $\frac{1}{2}$ این ایسوٹک ایسڈ ملا دیا جاتا ہے اس کے بعد مرکب ۱۰ منٹ کے لئے ۱۰۰ ڈگری 'سی' پر رکھدیا جاتا ہے اور پہلے سے ہی تولے ہوئے فیلٹر پیپر پر انڈے کی سفیدی جمع کر لی جاتی ہے تہ نشین سفیدی سوڈیم سے بچا کر پانی سے دھو لی جاتی ہے اور پھر وہ ۹۵ فی صدی الکوہل کے مرکب کی ۱۰۰ کیوبک سینٹی میٹر مقدار میں اور بعد کو ۱۰ کیوبک سینٹی میٹر دیگر قسم کے مرکب میں دھوئی جاتی ہے تہ نشین سفیدی ایک ہوائی تندور میں تقریباً ۱۰۵ سی تک تب تک سکھائی جاتی ہے جب تک اس کا وزن مقرر نہیں ہوتا۔ پیپین ڈالنے پر سفیدی کا جو حصہ تہ نشین ہوتا ہے اور پیپین نہ ڈالنے پر اس کا جتنا حصہ

تہ نشین ہوتا ہے اِن دونوں کا فرق ہی وہ حصّہ ہے جسے پپین گھلا دیتا ہے۔ ہم پپین کی صفائی فی صدی کی شکل میں علیحدہ کر سکتے ہیں۔ مثال کے لئے یہ اندازہ کیجئے۔ $\frac{\text{الف} - \text{ب}}{\text{الف}} \times 100$ الف سفیدی کے اُس حصّہ کو ظاہر کرتا ہے جو ۱۵ کیوبک سینٹی میٹر مرکب میں سے بغیر پپین ڈالے ہوئے تہ نشین ہو جاتی ہے۔ اور ب سفیدی کے اُس حصّے کو ظاہر کرتا ہے جو ۱۵ کیوبک سینٹی میٹر مرکب میں پپین ڈالنے پر تہ نشین ہو جاتی ہے اسے اکثر سفوف کا 'اڈیولیٹک ایکٹیویٹی' کہتے ہیں۔

پپین کے سفوف کا اثر سکھانے کی حرارت اور دیگر حالات کے باعث مختلف قسم کا ہوتا ہے غیر جراثیم جز ۸۰ ڈگری 'سی' پر بہت کام کرتے ہیں اور اگر رس کو سُکھاتے وقت حرارت ۸۰ ڈگری 'سی' سے بڑھ جائیگی تو پپین کا بہت سا حصہ برباد ہو جائیگا تجربے سے ثابت ہو چکا ہے کہ ۵۰ سے ۶۰ 'سی' تک کی حرارت اچھی ہوتی ہے اور اُس وقت رس سُکھایا جا سکتا ہے۔

["جرنل آف اگریکلچر اینڈ لائیو اسٹاک اِن انڈیا" نمبر ۲ حصّہ ۵ ستمبر ۱۹۳۲ء سے ماخوذ]

پپین نکالنے کے لئے ۵ ایکڑ زمین میں پپیتے کے درخت لگانے کی اِسکیم۔

پہلا سال

خرچ		آمدنی	
مجتائی، بیج کی قیمت گڑھے، پلاٹ اور نالیاں بنانے کی مزدوری	۱۲۵-۰-۰		
کھاد	۲۰۰-۰-۰		
ایک مالی ۱۶ روپیہ ماہوار	۱۹۲-۰-۰		
ایک قلی ۱۰ روپیہ "	۱۲۰-۰-۰		
آبپاشی کا خرچ ۳۲ روپیہ فی ایکڑ (جیسا کانپور کے ایکسپیریمنٹل پلاٹ میں دیا جاتا ہے)	۱۶۰-۰-۰		
زمین کا لگان ۱۰ روپیہ فی ایکڑ	۵۰-۰-۰		
میزان	۸۴۷-۰-۰	کچھ نہیں	

دوسرا سال

خرچ		آمدنی	
۵ قلی کھروچنے کے لئے ۱۰ روپیہ ماہوار کے حساب سے ۶ ماہ کے لئے	۳۰۰-۰-۰	پھل بکے ۱۲۵ روپیہ فی ایکڑ	۶۲۵-۰-۰
۲ سُکھانے کے آلات ہر ایک آلہ ۱۰۰ روپیہ	۲۰۰-۰-۰	۲۰۰ پونڈ پپین فروخت ہوا در ۶ روپیہ فی ایکڑ	۱۲۰-۰-۰
کھروچنے کے چاقو اور رس جمع کرنے کی طشتریاں	۱۵-۰-۰		

خرچ		آمدنی
۲ کھرل اور دستے	۲۵ ــ۰ــ۰	
۳ رس جمع کرنے کے لئے لکڑی کی سیڑھیاں	۶۰ ــ۰ــ۰	
آبپاشی کا خرچ ۳۲ روپیہ فی ایکڑ	۱۶۰ ــ۰ــ۰	
زمین کا لگان	۵۰ ــ۰ــ۰	
۱ مالی ۱۶ روپیہ ماہوار	۱۹۲ ــ۰ــ۰	
۱ قلی ۱۰ " "	۱۲۰ ــ۰ــ۰	
پیکنگ خرچ	۲۰ ــ۰ــ۰	
میزان	۱۱۹۲ ــ۰ــ۰	۱۸۲۵ ــ۰ــ۰

تیسرا سال

خرچ

دوسرے سال کی طرح خرچ ہوا لیکن اس میں
نکھانے کا اوزار کاٹنے کے چاقو، کھرل دستے
رس جمع کرنے کی طشتریاں اور لکڑی کی
سیڑھیوں کا خرچ شامل نہیں ۱۱۹۲ ــ۰ــ۰
۳۰۰ ــ۰ــ۰ ـــ ۸۹۲ ــ۰ــ۰

آمدنی

اُتنی ہی فروخت ہوئی جتنی دوسرے سال ہوئی تھی۔

۱۸۲۵ ــ۰ــ۰

۳ سال کے خرچ اور آمدنی کی مختصر تفصیل

	خرچ	آمدنی
پہلا سال	۸۴۷ ــ۰ــ۰	کچھ نہیں
دوسرا سال	۱۱۹۲ ــ۰ــ۰	۱۸۲۵ ــ۰ــ۰
تیسرا سال	۸۹۲ ــ۰ــ۰	۱۸۲۵ ــ۰ــ۰
	۳۶۵۰ ــ۰ــ۰	۲۹۳۱ ــ۰ــ۰

۳ سال کے فائدے کا میزان ۷۱۹ روپیہ یعنی ۴۸ روپیہ فی ایکڑ سالانہ۔

گھاگھ کی ڈائری

جناب ایڈیٹر صاحب

اس بار مجھے سب سے پہلے مرتیج بہادر سپرو کی کچھ تعریف کرنے دیجئے۔ ان کا نام تو میں بہت دنوں سے سنتا چلا آیا ہوں لیکن ان کی قابلیت کا علم مجھے اب ہوا جب نے ان کی قیصر باغ بارہ دری والی تقریر ابھی پڑھی ہے۔ پچھلی بار جب ان کی تقریر ہونے والی تھی تو لکھنؤ کے اہم جلسے میں کچھ کانگریس والوں نے خلل ڈالدیا اس کا مجھے برابر افسوس رہا لیکن جب میں نے اخباروں میں پڑھا کہ یہ جلسہ پھر ہوگا تب سے میں برابر دھیان لگائے بیٹھا رہا کہ دیکھوں اب اس جلسے میں کیا ہوتا ہے مجھے خوشی ہے یہ جلسہ خیریت تمام ختم ہوگیا اور سر تیج بہادر کی پوری تقریر اخبارات کی مہربانی سے مجھے پڑھنے کو ملی۔

تقریر کیا ہے بالکل شاعری ہے جو مزہ مسلمانوں کو قرآن شریف پڑھنے میں، عیسائیوں کو بائبل پڑھنے میں یا ہندوؤں کو وید پڑھنے میں آتا ہے اس سے بھی زیادہ لطف مجھے تیج بہادر سپرو کی یہ تقریر پڑھنے میں آیا۔ انھوں نے بالکل میرے دل کی باتیں کہیں۔ میں انکی تقریر پڑھتا جاتا تھا اور مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ کوئی میرے دل کی باتیں نکال کر سلسلے وار رکھتا جاتا ہے۔ ہندی میں ایک سے ایک کوی ہیں، اردو میں بھی ایک سے ایک اچھے شاعر ہیں لیکن اتنے زور کی اور اتنے اچھے طرز سے انھیں بھی بات کہنی نہیں آتی۔ انھوں نے صوبائی آزادی کے قیام کے بعد سے جان بوجھکر خاموشی اختیار کر لی تھی کیونکہ وہ جان گئے تھے کہ کانگریس والے کسی کی نہیں سنتے۔ وہ صرف اپنی ہی کہتے ہیں اور اپنے دل کی ہی کرتے ہیں مگر سر تیج سے یہ بے انصافی نہ برداشت کی گئی۔ وہ اپنے خیالات ظاہر کرنے سے باز نہ رہ سکے اور آخر کار وہ بول ہی۔ اور خوب بولے آپ نے کہا کہ میں نے انگلینڈ کے وکیلوں سے مشورہ کر لیا ہے اور میں پریوی کونسل تک اس صوبے کی حکومت سے لڑوں گا اور اسکو بغیر ہرائے نہ مانوں گا۔ اب میں ہاتھ جوڑ کر بھگوان سے یہ دعا کرتا ہوں کہ جلد سے جلد سر سپرو اس حکومت پر مقدمہ چلا دیں اور اس کو ہرا دیں تاکہ ہم لوگوں کی جان بچے۔

× × × × ×

میں سوچتا تھا کہ کانگریسی حکومت جو نشہ بندی کرنے جا رہی ہے اس میں کیا تک ہے لیکن اب تو میں بھی کہتا تھا کہ نشہ بڑی چیز ہے کیونکہ کانگریس والوں نے کچھ ایسا پرچار کر دیا ہے کہ جو نشہ کھاتے پیتے ہیں یا ان کا نام لیتے ہیں وہ برے سمجھے جاتے ہیں۔ میں نے سوچا تھا کہ جو کچھ بھی نشہ پینا ہوگا چپ چاپ چھپا کر پی لیں گے لیکن وہ جو سر تیج بہادر سپرو آپ نے جو قیصر باغ کی بارہ دری میں تقریر کی ہے اسے پڑھکر مجھ میں اتنا جوش آگیا ہے کہ میں اب تو کھلکر اور کھلم کھلا پیونگا

× × × × ×

اب فرما رہے ہیں — وہی الفاظ سنئے جو افضل سے فرمائے تھے۔ ہندو قوم کبھی بھی پرہیزگار نہیں رہی ہے تاریخ بھی یہ بتاتی ہے اور قانون بھی یہی کہتا ہے میں نے ہندو شاستروں کا مطالعہ کیا ہے۔ ہندو شاستروں میں شراب پینے کے متعلق باب کے باب بھرے پڑے ہیں اور اشلوک پر اشلوک لکھے پڑے ہیں ہندو شاستروں کا بیان ہے کہ جو شراب نہیں پیتا وہ بھلا آدمی نہیں ہے سپرو صاحب نے اشلوک پر اشلوک سنائے اور فرمایا کہ جب ہندوستانی شراب پیتے تھے تو یہ ملک آزاد تھا اور وہ ادبی زمانہ تھا

× × × × ×

اسلئے اب تو میں نے یہ طے کر لیا ہے کہ اب میں کھلا کھلا شراب پیونگا اور کانگریس والوں سے خصوصاً مہاتما جی سے درخواست کرونگا کہ اگر بجائے نشہ بندی کے نشہ کا پرچار کریں تو ملک بہت جلد آزاد ہو سکتا ہے۔ اور ہندوستان کو سوراج بھی فوراً مل سکتا ہے۔ پنڈت مہابیر تیاگی کو دہرہ دون والے جلسے کی بات بھول نہ ہوگی۔ تقریباً تمام ہزار آدمیوں کے جلسے میں جب انھوں نے پوچھا کہ کتنے آدمی شراب پیکر آئے ہیں تو تقریباً دو ہزار لوگوں نے ہاتھ اٹھاکر شراب پیکر آنیکا اقرار کیا اور ان دو ہزار نے کہا کہ لائیے ہمیں اور شراب پلائیے مجھے افسوس ہے کہ میں اس جلسے میں شریک نہ تھا لیکن میں نے اخبار میں پڑھا کہ تیاگی جی ان شرابیوں کو کوئی معقول جواب نہ دے سکے۔ دہرہ دون کے ان شرابیوں سے میں خاص طور پر درخواست کرونگا کہ وہ سر سپرو کو اپنا وکیل بنائیں اور اس صوبے کی حکومت پر دعویٰ کریں۔ میرا خیال ہے کہ سپرو صاحب یہ مقدمہ لڑینگے اور جو وہ کہا کرتے ہیں کہ میں اس ملک میں بغیر فالوور کے لیڈر ہوں سو انھیں اچھے فالوورس بھی مل جائینگے۔ میری یہ بھی درخواست ہے کہ صوبے کے سارے شرابی اپنا ایک الگ ترنگا جھنڈا بنائیں اور اس کے درمیان میں شراب کی بوتل کا نشان رکھیں۔ اس جھنڈے کو لیکر سر سپرو جس روز آگے چلینگے اور صوبے بھر کے شرابی یکجا ہوکر اپنے حقوق کا مطالبہ کرینگے اسوقت مدح صحابہ اور تبرا کی تحریکیں بھی پھیکی پڑ جائینگی۔

× × × × ×

ہندو شاستروں میں جو باب کے بعد باب اور اشلوک کے بعد اشلوک شرابیوں کی تعریف میں لکھے ہیں انکو جمع کرکے کتابی صورت میں چھپوانا چاہئے۔ میرا خیال ہے کہ الہ آباد کا لیڈر پریس اس کتاب کو شایع کرنے کیلئے فوراً تیار ہو جائیگا۔ یہ کتاب سر تیج اور انکے معتقدین کی بائبل بن جائیگی اور اس سے ان میں اور بھی جوش بڑھیگا۔ مجھے اس بات کا افسوس رہیگا کہ 'بھارت' کے ایڈیٹر نے سر سپرو کی تقریر کے ان اشلوکوں کو نکال دیا جو انھوں نے بارہ دری کے جلسے میں پڑھے تھے۔ کیا اچھا ہو کہ ان میں سے کچھ اشلوک شایع کر دئے جائیں تاکہ ہم لوگ روز صبح شام اکا ورد کریں

× × × × ×

آج میں نے اخباروں میں پڑھا ہے کہ مہاتما گاندھی جب اپنی دعا میں مصروف ہوئے تو کچھ لوگ ایک مجمع کی شکل میں انکے خلاف نعرے لگانے گئے۔ اس خبر سے بھی مجھے بیحد خوشی ہوئی گاندھی جی کا کہنا ہے انکو مظاہرے کیلئے یہ وقت نہ چننا چاہئے تھا۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ اس سے اچھا اور کوئی وقت ہو ہی نہیں سکتا تھا کیونکہ انکو اپنی شکایت اس خدا کو بھی سنانی تھی جسے گاندھی جی اپنی دعا سنا رہے تھے۔ سر تیج بہادر کو مہاتما جی کے خلاف مظاہرہ کرنے والے ان سچے محبان وطن کو اپنی فوج میں شامل کر لینا چاہئے تاکہ دوبارہ جب کبھی موقع آئے تو وہ جوش کیساتھ اپنی بات کہہ سکیں۔

× × × × ×

پچھلے دنوں میں نام نہاد سدھار کرنیوالوں سے تنگ آکر ہردوار چلا گیا تھا سوچا تھا کہ گنگا اشنان کرینگے، بابا وشوناتھ کا درشن کرینگے اور آرام سے دن کاٹیں گے لیکن وہاں میں دھرم شالے سے جیسے ہی گنگا اشنان کرنے نکلا تھا کہ ایک پولیس کے سپاہی نے آکر کہا۔ جناب گھر کے اندر جائیے ورنہ گرفتار کر لینگے" میں نے پوچھا "بھائی کیوں؟" وہ بولا "کرفیو آرڈر ہے" رات دن جیلخانے میں بند رہنے کے مقابلے میں میں نے مسافر خانے میں واپس جانا اچھا سمجھا اور

رات دن اسی میں پڑا رہا۔ میرے ساتھ میرے گھر کی کچھ عورتیں بھی تھیں انھیں یہ قید قطعی نہ اکھری۔ اتنا ہی نہیں انھوں نے میری مصیبت میں خوشی کا اظہار کیا اور کہا۔ "بابا! آپ لوگ ہم پر ہمیشہ کرفیو آرڈر لگائے رہتے ہیں کبھی ایک دن بھی گھر سے نہ نکلنے دیتے تھے اور خود ایک دن کے کرفیو آرڈر سے اوب گئے" مجھے بیحد غصہ آیا لیکن میں نے سوچا کہ اسے برداشت کرنا ہی زیادہ اچھا ہوگا۔ اس شدھا کے زمانہ میں جو کچھ نہ ہو جائے سو تھوڑا ہے اور ان عورتوں کی عقل کو میں کیا کہوں جو اپنی زندگی کا مقابلہ بنارس کے روز کے کرفیو آرڈر سے کرتی ہیں۔

×　　×　　×　　×

کسی طرح بنارس سے بھاگ کر میں اپنے گاؤں لوٹ آیا اور کان پکڑا کہ کانگریسی حکومت کے دور میں شہروں کی بنسبت گاؤں کیا غنیمت میں۔ شہر میں سدھار کا زور مجھے اور زیادہ محسوس ہوا۔ اب ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ سدھار سے اور جرم سے کیا تعلق میرے کہنے کا مطلب ہے کہ یو پی کی کانگریسی حکومت کے دور میں جرایم کی تعداد اور بھی بڑھ گئی ہے۔ یہ میں اپنے دل سے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ خود کانگریسی حکومت کی پولیس کی رپورٹ میں بھی یہی کہا گیا ہے۔ میں نے رپورٹ کا وہ حصہ جب بہوؤں کو دکھایا تو میرا خیال تھا کہ اس سے وہ میرے موافق ہو جائینگی اور کانگریسی حکومت کی برائی کرنے میں میرا ساتھ دینگی لیکن ان پر اسکا بھی برعکس اثر ہوا انھوں نے کہا۔ "کانگریسی حکومت کے عہد میں جرایم کے تعداد زیادہ ہونیکی وجہ یہ ہے کہ کانگریسی گورنمنٹ کے پہلے جو لوگ تھانوں میں رپورٹ کرتے وقت ڈرتے تھے اب وہ بھی ڈرتے۔ اِسلئے جو رپوٹیں پہلے نہیں لکھائی جاتی تھیں وہ بھی اب لکھائی جاتی ہیں۔ اسی لئے جرایم کی تعداد زیادہ معلوم ہوتی ہے۔" میں نے کہا "کوئی ایسی دلیل تو رپورٹ میں درج نہیں ہے"۔ لیکن میری بات کو کون سنتا ہے کیا اچھا ہو کہ راجہ بی۔ ڈی سینٹھ، نواب چھتاری اور دوسرے لوگ جو پرانے خیالات کے حامل ہیں کیرتن منڈلیاں قائم کریں اور کم از کم عورتوں کو تو گمراہ ہونے سے روکیں۔ یا پھر یہ لوگ ان پنڈتوں کو اپنائیں جنکی وجہ سے صدر کانگریس سوبھاش چندر بوس اچھے نہیں پلٹے۔ اور انکے ذریعے مخالفین کو بس میں کریں میری بہوؤں کو عمل اور تعویذوں پر اعتقاد نہیں ہے جب میں نے ان سے کہا کہ خود صدر کانگریس بھی ان باتوں پر یقین کرتے ہیں اور وہ اس سے بچنے کے لئے کتنی ہی تعویزیں اور انگوٹھیاں پہنکر تب پوری کئے تھے تو وہ ہنسنے لگیں اور بولیں۔ "انکا دماغ کمزور ہو گیا ہے اسی سے وہ ایسی باتیں کرتے ہیں اس زمانے میں ایسی باتیں ممکن نہیں اور نہ ہو سکیں" یو پی کے بڑے بڑے زمینداروں سے میں درخواست کروں گا کہ وہ ان رسموں کو پھر سے جاری کرنے پر غور کریں۔

×　　×　　×　　×　　×

اپنی پچھلی چٹھی میں کانپور کے ہندو مسلمانوں کی تعریف کر چکا ہوں کہ اگر لڑنا ہی ہے تو مذہب کے نام پر کیوں لڑا جائے۔ مجھے خوشی ہے کہ الہ آباد اور بنارس کے ہندو مسلم بھائیوں نے کانپور والوں کی تقلید کی اور لکھنؤ کے شیعہ سنیوں نے تو آپس میں لڑکر ایک قدم اور آگے بڑھایا۔ اس وقت ہندو مسلم سوال ایک خونخوار شیر بنکر ہمارے درمیان میں کود پڑا ہے اور کیا ہندو کیا مسلمان کسی کی ہمت نہیں پڑتی کہ اس شیر کو پال تو بنا لے۔ میں سوچتا ہوں کہ سدھارکوں کو نیچا دکھانیکا یہ بھی ایک اچھا طریقہ ہے اور اسی ایک بات میں ہم دقیانوسوں کی بھلائی ہے۔

آپ کا

گھاگھ

ہمارے صوبے میں گرام سدھار

(فروری ۱۹۳۹ء کے کام کی تفصیل)

صوبائی گرام سدھار بورڈ کی دوسری بیٹھک اس ماہ کے دوسرے ہفتہ میں ہوئی اور بورڈ نے ان صوبوں میں ہونے والی تحریک گرام سدھار کی سرکاری رپورٹ پر غور کیا۔ اس کے علاوہ اس تحریک کی تنظیم کے متعلق بہاؤ اور عمل کے لئے بورڈ کے ممبران کی جانب سے پیش کئے جانے والی تجویزوں پر بحث ہوئی۔ ضروری کارروائیوں کے لئے فیصلوں کی اطلاع حکومت کو دیدی گئی۔

ضلع گرام سدھار کمیٹیوں کے پریذیڈنٹوں کی ایک خاص کانفرنس کا لکھنؤ میں کمیٹی کے چیرمین کی طرف سے ۱۱ اور ۱۲ فروری کو اہتمام ہوا۔ اس کانفرنس نے چیرمینوں کو تحریک کے مسائل پر تبادلۂ خیالات کرنے اور اسی قسم کے دیگر سوالات پر غیر سرکاری خیالات ظاہر کرنے کا موقع دیا۔ کئی تجویزیں منظور کی گئیں اور یہ طے ہوا کہ کانفرنس کے کاموں کو جاری رکھنے کے لئے ایک سب کمیٹی منتخب کی جائے اور اسے کانفرنس کے روزانہ کاموں کی نگہداشت رکھنے اور صوبے بھر میں مسلک ترقی کے لئے تحریک گرام سدھار کے غیر سرکاری لیڈروں میں مرکزی تعلق قائم کرنے کا کام سونپا جائے۔

ٹریننگ یافتہ گرام سیوکوں کا دوسرا جتھا خالی حلقوں میں تعینات کر دیا گیا اور اس ماہ کے شروع میں تیسرے جتھے کو ٹریننگ دینے کا کام شروع کر دیا گیا۔

نوجوانوں کو شہد کی مکھیاں پالنے کی تعلیم دینے کے لئے ۲۵ فروری ۱۹۳۹ء کو جیلی کوٹ اپیری میں ایک کلاس کھولا گیا۔ ضلعوں سے منتخب شدہ ۲۰ طالب علم شہد کی مکھیاں پالنے کی ترقی یافتہ صنعت کے لئے بہت کم خرچ پر تعلیم پا رہے ہیں۔

حکومت نے گرام سدھار کے کارکنوں اور دیہاتی کارکنوں کو اسکاؤٹنگ کی تعلیم دینے کے لئے ۳۰۰۰ کی رقم منظور کی ہے۔ یہ رقم ہندوستان اسکاؤٹنگ ایسوسی ایشن الہ آباد کو دی گئی ہے جس نے اضلاع گونڈہ، ۱۱ موڑ، سلطانپور، پرتاب گڑھ، جھانسی، نینی تال اور ہردوئی میں دیہاتی اسکاؤٹوں کو تعلیم دینے کے لئے اسکاؤٹ ماسٹر بھیجے ہیں۔ ہر ایک اسکاؤٹ ماسٹر باری باری گاؤں کے آرگنائزروں کے ٹریننگ کیمپوں میں جا کر ٹریننگ پانے والے آرگنائزروں کو اسکاؤٹنگ کی تعلیم دیگا۔ یہ امید کی جاتی ہے کہ کچھ ہی سالوں میں تقریباً ہر ایک ضلع میں دیہاتی اسکاؤٹوں کی ایک بہت بڑی فوج تیار ہو جائے گی جو تحریک گرام سدھار کو آگے بڑھانے میں کارکنان گرام سدھار کو مدد دے گی۔

دیہات میں لوگوں کی صحت سدھارنے کے لئے دیہاتوں میں اکھاڑوں کی تجویزوں پر بہت زور ڈالا گیا ہے۔ گرام سیوکوں کو اپنے حلقے کے مناسب مقامات پر اکھاڑے کھولنے کی اجازت دیدی گئی ہے۔

گرام سدھار کی موٹروں میں دیہاتوں میں دکھائی جانے والی چیزیں گراموفون اور ریڈیو اچھی طرح لگا دئے گئے اور تینوں موٹریں صوبہ بھر میں پروپیگنڈہ کرنے کے لئے اس ماہ کے وسط میں روانہ ہوگئیں۔ دوسرے دو ہفتوں میں یہ موٹریں ایک درجن سے زیادہ ضلعوں میں گئیں اور گاؤں والوں کے سینکڑوں جلسوں میں تقریریں کی گئیں۔ تقریباً ہر جگہ گراموفون کے ریکارڈ بجائے گئے اور میجک لینٹرن کے ذریعے سنیما دکھائے گئے جن سے گاؤں والوں کو مفید باتیں معلوم ہوئیں اور تفریح بھی ہوئی۔ ڈیویژنل سپرنٹنڈنٹ اور محکمۂ گرام سدھار کے دیگر مقامی افیسر موٹروں کے ساتھ گئے اور ہر ایک موقعہ پر زندگی سدھار

اچھی کھیتی اور اچھے کاروبار سے تعلق رکھنے والے موضوعوں پر گاؤں والوں کے سامنے تقریریں کیں۔ اطلاع ملی ہے کہ جن مقامات پر موٹر بن گئیں وہاں کے لوگوں میں اُنھوں نے کافی جوش اور ولولہ پیدا کردیا ہے اور ہر دلعزیز ثابت ہوئی ہیں۔

مفصلات کے لئے کئے جانے والے کاموں میں ڈاکٹر جے۔ این ولیش کے ذریعے میرٹھ میں کھلنے والا بلائینڈ ریلیف کیمپ قابل ذکر ہے اس ماہ ضلع سیتاپور میں شیرکھ نگر خیرآباد اور مسرکھ۔ کمایوں میں کوٹ دوار، ضلع حمیرپور میں سمیرپور، ضلع بنارس میں بلوا اور ضلع بلیا میں ملکی میں گرام سدھار کے میلے لگے اور نمائشیں ہوئیں۔ ضلع لکھنؤ میں بھینیا نامی جگہ میں کھیتی سے متعلق ایک بازار لگانے کا کام شروع کیا گیا۔ ضلع آناؤ کے گوریا کلاں نامی گاؤں میں مشترکہ کھیتی شروع کی گئی۔ ڈاکٹری امداد کی تجویز کے مطابق کئی مستقل دو سفری دوا خانے کھولے گئے۔ تعلیم بالغان کے لئے تعلیم بالغان کے ماہر مسٹر بینڈلے کی صدارت میں لوگوں کو تعلیم دی گئی۔

نقشۂ ذیل میں اس صوبے میں کئے جانے والے گرام سدھار کے دیگر کاموں کی تفصیل درج ہے۔

صوبۂ متحدہ کی مختلف کمشنریوں میں فروری ۱۹۳۹ء میں گرام سدھار کے کام کی تفصیل

آرگنائزیشن	میرٹھ	آگرہ	روہیلکھنڈ	الہ آباد	بنارس	گورکھپور	جھانسی	کمایوں	لکھنؤ	فیض آباد	میزان
زندگی سدھار سبھائیں											
(ا) قائم ہوئیں	۴۱	۰	۱۰۵	۸۹	۷۱	۰	۲۰	۴	۵۴	۰	۲۱۹
(ب) رجسٹرڈ ہوئیں	۶	۷	۴۰	۱۳	۲۲	۱۵	۱	۰	۳۴	۳۰	۱۶۸
زندگی سدھار یونین	۰	۰	۱	۰	۰	۰	۰	۰	۲۲	۰	۲۳
فروختگی کی سوسائٹیاں	۰	۰	۱	۰	۰	۰	۰	۰	۱	۰	۲
فراہمی ,, ,,	۰	۰	۶	۰	۰	۱	۰	۰	۱۲	۲	۲۱
قرضہ سوسائٹیاں رجسٹرڈ	۰	۰	۰	۰	۳	۰	۰	۰	۰	۰	۳
۲۔ زراعت											
کھاد کے گڑھے کھودے گئے	۴۵۷	۲۱۷	۳۵۸	۷۵۳	۱۳۲۴	۲۷۰	۵۸۳۰	۴۴	۷۵۷	۶۸۷	۱۰,۵۹۷
پیشاب جمع کرنے کے گڑھے	۱۵۰	۶۳	۱۵۷	۲۲۹	۹۷۹	۱۸۵	۵۱	۱۱۵	۲۲۰	۱,۰۱۰	۳,۱۵۹
آبپاشی کے کنوئیں بور یا مرمت کئے گئے	۳	۰	۲۷	۵۱	۶۴	۱۲	۳	۰	۱	۲۸	۱۸۹
آبپاشی کے نئے کنوئیں	۱۱	۱	۸	۲۱	۹۸	۵	۷	۱	۰	۲	۱۵۵
بنے ہوئے تالاب یا باندھ	۰	۰	۰	۲	۴	۰	۲۳	۰	۱	۰	۶۶
نئے جاری کئے جانے والے آلات	۷۰	۲۷	۶۸	۳۹	۸۷	۲۷	۳۲	۰	۲۵	۲۸	۲۹۶
اصلاح شدہ نسل کے مویشی جو دئے گئے	۱۲	۰	۲	۲	۲۴	۰	۱۲	۰	۱۴	۶	۷۲
عمدہ نسل کے مویشی جو دئے گئے	۲۱۰	۴۱	۲۸	۸۲	۹۱	۲۳	۶۳	۰	۰	۱۳۶	۵۴۴

	میرٹھ	آگرہ	روہیلکھنڈ	الہ آباد	بنارس	گورکھپور	جھانسی	کمایوں	لکھنؤ	فیض آباد	میزان
اختہ کئے جانے والے بیل	۱۳۰	۲۰	۱۴	۳۱۹	۳۰	۹۷	۳۰۶	۰	۲۱۱	۷۰	۱٬۲۱۰
بیمار مویشیوں کا علاج ہوا	۲۲۶	۹۱	۶۱۲	۳۰	۴۷	۱۰۹	۳۰۶	۰	۳۲۵	۲۴۷	۲٬۰۴۹
مظاہرے ہوئے	۰	۰	۳۴	۱۲	۰	۱	۰	۰	۰	۸	۵۵
نرسریاں کھلیں	۲۰	۰	۹	۰	۱۶۵	۰	۲۰	۰	۱۰۶	۰	۳۲۰
پھلوں کے پودے لگے	۸۸	۲۶	۳۲	۱۱۳	۱٬۵۸۸	۱۰۷	۰	۳۶۱	۲۷	۱۳۱	۲٬۴۷۳
جس زمین میں پھلوں کی کاشت کی گئی (ایکڑوں میں)	۰	۲	۲	۲	۴	۰	۷	۰	۱	۲۴۰	۲۵۸
ایندھن کے لئے درخت لگے (ایکڑوں میں)	۰	۲۶	۰	۰	۲۲	۰	۰	۰	۰	۰	۴۸
اصلاح شدہ ایکھ دی گئی	۰	۸٬۴۵۷	۱۰٬۲۸۱	۲٬۹۸۹	۱۰۷	۰	۰	۰	۳۲٬۴۰۰	۱٬۲۱۰	۵۵٬۴۴۴
۳۔ صحت عامہ											
سوکھنے والے گڑھے بنے	۱۳۴	۱۶۹	۹۹	۴۴۹	۳۱۹	۱۷۱	۴۵۰	۱۳	۵۵۵	۵۰۸	۲٬۸۴۱
روشن دان بنے	۲۲۸	۱۷۶	۱۴۰	۲۸	۸۷۷	۲۷۸	۱۵۲	۱۱	۱۷۷	۳۱۶	۲٬۶۸۹
کنوئیں صاف کئے گئے	۱۳	۱۱	۹۵	۵۲	۴۷	۶۶	۳	۹	۴۱	۶۳	۳۹۱
عام غسل خانے یا گھیرے	۱۳	۳	۷	۱۴	۴۱	۹	۷	۲	۳۰	۲۱	۱۴۷
نالیوں کی لمبائی (گزوں میں)	۷۷۹	۸۴	۲۸۱	۱۴۰	۳۲۱	۱۵۷	۱	۲۳	۱۰۴	۳۰۳	۲٬۲۸۲
گھور باڑے آبادی سے ہٹائے گئے	۱۵	۰	۱۱	۱۶	۸۳	۴	۲۴	۰	۴۲	۱۳	۲۱۶
گھور صاف ہوئے	۱٬۳۱۸	۳۸۱	۹۶۳	۱٬۲۹۹	۲٬۱۳۳	۹۵۸	۵۰۱	۲۹۸	۱٬۹۹۰	۱٬۰۲۴	۱۰٬۷۸۵
پاخانے بنائے گئے	۹	۳	۰	۰	۸۱	۱	۲۱	۲۱۰	۱۱	۲۱	۳۵۷
پیشاب خانے بنے	۶	۴	۳	۱	۲۹	۳	۱۲	۵	۹	۸	۸۰
کھنڈر ہموار کئے گئے	۰	۰	۶	۰	۰	۵	۰	۰	۳۱	۰	۴۲
گڑھے پاٹے گئے	۱۰۷	۳۸	۵۸	۴۴	۳۳۶	۳۰	۲۵۸	۰	۱۲۷	۶۵	۱٬۰۶۳
راستے صاف ہوئے	۱۳۸	۵۵	۳۴	۱۷۴	۳۵۸	۵۰	۲۸۵	۰	۴۳	۶۰	۱٬۱۹۷
گاؤں " "	۶۱	۱۳۰	۵۱	۱۲۳	۰	۷۶	۲۳۳	۱۰	۴۳۱	۲۸۹	۱٬۴۱۲
دوا کے بکس رکھے گئے	۳۵	۵۴	۱۳۱	۸۳۱	۱۲۹	۴۳	۳	۰	۱۳۱	۲۹	۱٬۴۳۶
ٹیکے لگے	۱٬۳۳۸	۹۹۳	۱٬۹۹۱	۲٬۲۴۸	۲٬۵۳۳	۸۰۱	۶۸۲	۲۷۹	۹۹۳	۱٬۲۵۷	۱۳۰۰۸۵
مریضوں کا علاج ہوا	۵٬۳۹۳	۹٬۳۵۴	۷٬۸۴۱	۴٬۴۴۹	۵٬۱۹۳	۳٬۱۴۹	۲٬۴۵۵	۳۲۰	۹٬۷۱۳	۷٬۷۷۴	۴۹٬[illegible]

	میرٹھ	آگرہ	روہیلکھنڈ	الہ آباد	بنارس	گورکھپور	جھانسی	کمایوں	لکھنؤ	فیض آباد	میزان
دائیوں کو ٹریننگ دی گئی	۳	۳۰	۲۶	۴۰	۵۸	۵	۲	۰	۲۳	۲۵	۲۲۹
فرسٹ ایڈ " "	۴۴	۴۵	۷۶	۵۲	۹۵	۸۶	۰	۰	۱۳۶	۲۵	۷۰۰
زچہ بچہ گھر کھلے		۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰
۴۔ اشاعت اور تعلیم											
جلسے ہوئے	۲۶۳	۲۲۸	۳۸۷	۲۷۴۰	۹۹۹	۲۲۲	۱۳۵	۲۳۹	۵۸۳	۴۲۹	۳،۷۳۱
نمائشیں ہوئیں	۲	۸	۰	۳	۷	۲	۲	۱	۴	۰	۲۹
ڈرامے ہوئے	۳	۹	۳	۳	۳	۲	۴۵	۴	۵	۳	۱۰۷
مجلس منڈلیاں بنیں	۸	۳۰	۵	۲۱	۹۶	۲	۰	۳	۲۲	۱۵	۲۱۶
کتاب گھر قائم ہوئے	۰	۱۵	۱۲	۱۰	۳۲	۵	۰	۱۳	۱۰	۱۲	۱۱۱
کلب قائم ہوئے	۱۰۰	۷۰	۲۰	۰	۰	۳		۰	۲	۰	۱۷۸
(ا) اسکول بالغ لڑکوں کے لئے	۶۳	۱۰۴	۹۹	۸۳	۲۱۲	۵۲	۰	۵	۱۴۷	۹۳	۸۵۲
(ب) لڑکیوں کے لئے	۲۰	۱۱	۲	۲۱	۱۵	۳	۰	۱	۲۷	۱۴	۱۱۴
سیوا دل بنے	۱۲	۱۹	۲	۱۶	۹۸	۷	۴	۰	۴۵	۱۳۳	۳۳۱
اسکاؤٹ اور گرام سیوکوں کو تعلیم دی گئی	۱۱۰	۲۵۹	۱۰۰	۸۹	۱۹۸	۲۰	۱۳۵	۶	۲۱۳	۹۹	۱،۱۹۶
ریڈیو لگے	۱	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۲	۱	۴
کھیل اور ٹورنامنٹ	۰	۰	۰	۰	۸۴	۳	۰	۰	۲	۱۶	۱۰۵
متفرق کام											
پنچایت گھر بنے	۰	۰	۰	۴	۲	۰	۰	۰	۸	۷	۲۱
[illegible] گھر بنے	۲	۰	۰	۱	۵۱	۰	۵	۰	۰	۱۷	۷۶
صنعت و حرفت کی تعلیم دی گئی	۲	۷۹	۲۳۴	۸	۱۴۹	۶۲	۳۳	۲۹	۹۰	۳۵۷	۱،۰۴۹
آلات دستکاری جو جاری کئے گئے	۰	۱۷	۱۲	۱	۹۶	۵۴	۰	۰	۱۰	۴۸	۲۴۰

کیا میں نے غلطی کی؟

مہاتما گاندھی ہریجن میں لکھتے ہیں :-

کچھ دوست میرے راجکوٹ کے معاملے میں پھنسنے کے بارے میں بحث کر رہے ہیں ۔ ذیل میں انکی دلیلیں پیش کرتا ہوں :-

"اور سب باتوں کو چھوڑ کر آپ نے راجکوٹ کے مسئلے پر جو اتنی زیادہ توجہ فرمائی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے سمجھداری سے کام نہیں لیا ۔ یہ تو صاف بات ہے کہ تریپوری جانا آپکا فرض تھا ۔ اگر آپ وہاں ہوتے تو حالات مختلف ہوتے ۔ لیکن آپ نے تو تادمِ مرگ فاقہ کرنیکا فیصلہ کرلیا ۔ آپکو اسطرح بغیر اطلاع دیئے ملک کی زندگی میں یوں اضطراب برپا کرنیکا کوئی حق نہیں تھا ۔ آپ ایک راجہ سے وعدہ کرانے کیلئے فاقہ کیوں کریں ۔ راجکوٹ کی رعایا پرامن سول نافرمانی کر رہی تھی اگر آپ نے اچانک ہی تحریک بند نہ کردی ہوتی تو وہ اور زیادہ مضبوط ہوئی ہوتی ۔ یہ طے شدہ امر ہے کہ جمہوریت ہمارے طریقے سے قائم نہیں ہوسکتی ۔ تب تو آپ نے ہندوستان کے وائسرائے اور گورنر سے نفرت کرنا اور ایسی تقریبوں سے دور رہنا سکھایا تھا مگر اب خود وائسرائے سے ملاقات کر رہے ہیں جبکہ آپ کو کہیں اور واقعات پر بہت زیادہ توجہ دینی چاہیئے ۔

یقین کیا جاتا ہے کہ آپ مخالف فیڈریشن ہیں لیکن آپ فیڈرل کورٹ کے چیف جسٹس کی حیثیت تسلیم کرتے ہیں اور اس وقت تک دہلی سے روانہ نہ ہونگے جب تک کہ فیڈرل کورٹ کا چیف جسٹس اپنا فیصلہ نہیں دے دیتا ۔ سچ ہے کہ مہاتماؤں کے طریقے عجیب غریب ہوتے ہیں ۔

ایک جلد باز ناظر کو یہ دلیل بڑی پختہ معلوم ہوگی لیکن ایک وہ شخص جو زیادہ سنجیدگی سے غور کرتا اور مسئلہ کو سمجھتا ہے

مہاتما گاندھی

اُسے اس دلیل کا کھوکھلا پن دیکھنے میں ذرا بھی دقت نہ ہوگی ۔ اور راجکوٹ میں میں نے جو کچھ کیا وہ کوئی نئی بات نہیں تھی جغرافیائی لحاظ سے ہندوستان کے نقشہ پر راجکوٹ ایک چھوٹی سی جگہ ہے لیکن جس شورش کا مجھے مقابلہ کرنا پڑا اُسکے متعلق ایشور کی طرف سے ہدایت ملی تھی ۔ راجکوٹ میں میں نے جو کچھ کیا اُسکا مقصد برائی کا فوراً گلا گھونٹ دینا تھا ۔ میری رائے ہے کہ میری کوشش سے سارے ہندوستان کو فائدہ پہنچا ہے میں نے ایک ہوشیار سپہ سالار جیسا کام کیا ہے جو اپنی فوج میں پیدا ہوئی ذرا سی بھی کمزوری برداشت نہیں کرتا ۔ ریور اور جیپارن اسکی دو مثالیں ہیں جب تک کہ وہ رہے تب تک سارے ملک کی توجہ

اس طرف مرکوز رہی اور مجھے اپنا سارا وقت اور توجہ اُسکی طرف صرف کرنی پڑی۔

ایسی باتیں کبھی کبھی ہوتی ہیں جبکہ سارے مورچے پر ایک ساتھ غور کرنا پڑے ہمیں ایک لڑائی کی تیاری اور ایک لڑائی کے شروع ہوجانیکا فرق سمجھنا چاہئے۔ تری پوری کی تیاری تھی اور راجکوٹ کی لڑائی تھی۔ عدم تشدد کے اسلحوں میں فاقہ ایک بہترین حربہ ہے اور اُس کا جائز استعمال کچھ لوگ ہی کرسکتے ہیں۔ یہ بیوقوفی ہوگی کہ میں اُس چیز کا جائز استعمال نہ کروں جو ایشور نے مجھے دی ہے۔ اور استعمال نہ کرنے کیلئے دلیل دوں کہ سب لوگوں کے پاس وہ چیز نہیں یا کچھ کے پاس ہے۔ میں نے یہ کبھی نہیں سُنا کہ جمہوریت کیلئے خاص خوبیوں کا استعمال اُسکی توسیع کے لئے مضر ہوتا ہے میں مانتا ہوں کہ راجکوٹ جیسا فاقہ تو اسے لانے میں اور کامیاب ہوتا۔ اگر ملک کو گذشتہ فاقوں سے کوئی فائدہ پہنچا تو پھر راجکوٹ کے فاقے کو کیوں بُرا کہا جائے؟ نکتہ چینیوں کو یہ کہنے کا استحاق ہے کہ گذشتہ فاقوں کی بھی بُرائی کی گئی تھی۔

میرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ملک کو ہر فاقہ سے فائدہ پہنچا ہے تشدد کا پیدا ہونا ہی جمہوریت کے لئے مضر ہے جب میں عوام سے کہتا ہوں کہ فاقہ نے کم از کم یہ تو کیا کہ تشدد کو روکا تو اس پر انھیں اعتبار کرنا چاہئے۔

وائسرائے کے پاس جانیکے لئے مجھے ذرا شرمندگی نہیں ہے، میں نے انھیں شاہی نمائندہ کی شکل میں دست اندازی کرنے کے لئے مدعو کیا تھا۔ میں وائسرائے کے پاس درخواست دہندہ یا رحم کے خواستگار کی شکل میں نہیں گیا تھا۔ یہ میری خودغرضی ہوتی کہ وائسرائے سے دست اندازی تو کرا لیتا مگر ان سے ملاقات اور تبادلۂ خیال کی دعوت کو ٹھکرا دیتا۔ میں نے پہلے ہی وائسرائے کے ذریعے دست اندازی کی تعریف کی ہے انھیں یہ بھی حق تھا کہ وہ اس طرف متوجہ نہ ہوتے اور یہ طے کرنے کے لئے کچھ وقت لیتے کہ کب اور کیسے انھیں دست اندازی کرنی چاہئے لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ انھوں نے ملک کے اضطراب کو محسوس کیا اور مجھے اس میں قطعی شبہ نہیں ہے کہ راجکوٹ کا دورہ بیچ میں چھوڑ دینے سے انھوں نے بہت قابل تعریف کام کیا۔ وائسرائے سے ملاقات کرنے کیلئے مجھے معافی نہیں مانگنی ہے۔ اپنے مخالف کے ساتھ باعزت تصفیہ کا موقع نہ کھونا اور اُسے اپنا ہم خیال بنانا بھی ستیہ گرہ کا ایک جزو ہے۔ جب لارڈ ہیلی فاکس ہندوستان کے وائسرائے تھے اُس موقع پر میں نے جو کچھ کیا اُسکی لارڈ لنلتھگو کے ساتھ ایک چھوٹی شکل میں تجویز کہی چاہئے۔

آخر میں سر مارس کے ذریعہ ٹھاکر صاحب کے خط کے معنی اخذ کرنیکی بات ملنے کے متعلق میں کچھ کہہ دینا چاہتا ہوں۔ ٹھاکر صاحب اسکے جو معنی اخذ کرتے تھے اور سردار پٹیل کچھ اور۔ وائسرائے نے معنی جاننے کے لئے چیف جسٹس سر مارس کا نام تجویز کیا۔ مجھے کیا کرنا تھا؟ مجھے یہ کہنا تھا کہ وہ نہیں ہونے چاہئیں۔ کیونکہ وہ ایک عدالت کے چیف جسٹس ہیں اور وہ عدالت انڈیا ایکٹ کے ذریعہ قائم ہوئی ہے؟ میری عقل اس قسم کے اعتراض کی طرف سے بغاوت کرتی ہے۔ سر مارس کا جج کی شکل میں تقرر ہونے سے میں نہیں سمجھتا کہ فیڈریشن نزدیک آگیا ہے اگر اُس کو زبردستی لادا جاتا ہے تو ایسا ہماری کمزوری، ملک میں بڑھتا ہوا جذبۂ تشدد کانگریس میں انتظام کی کمی اور گندگی نیز عدم تشدد کی پوری پابندی نہ کرنے کی وجہ سے ہوگا۔ میں گذشتہ سال سے برابر اسکے خلاف آواز اُٹھا رہا ہوں۔ قارئین کو یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ سر مارس نے راجکوٹ کی خط کتابت کے معنی چیف جسٹس ہونیکی حیثیت سے نہیں بلکہ اپنی ذاتی حیثیت سے منصف کی صورت میں اخذ کئے ہیں۔ جو کوئی اس فیصلے کو پڑھتا ہے وہ سر مارس کے ذریعے اُٹھائی تکالیف کو محسوس کئے بغیر نہ رہے گا۔

کسان کانفرنس میں آچاریہ نریندر دیو کی تقریر

گذشتہ ۹-۱۰ اپریل کو گیا میں آل انڈیا کسان کانفرنس کا اجلاس ہوا اس میں صدر کی حیثیت سے آچاریہ نریندر دیو جی نے جو تقریر کی اس کا اقتباس ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

کسانوں کے خیالات میں آج ایک انقلابی تبدیلی ہوگئی ہے۔ کسان اپنے اُن حالات کی تنقید کرنے لگا ہے جنھیں وہ

بدمعاشی یا بغیر کسی بحث کے قبول کر لیتا تھا۔ پہلے وہ قسمت پر بھروسہ کر کے بیٹھ جاتا تھا لیکن اب اس میں امید اور حوصلہ آگیا ہے۔ گاؤں میں اب ایک نیا جذبہ پرورش پا رہا ہے اور ہم اگر ان مناسب حالات سے فائدہ اٹھائیں اور کسان تحریک کو اچھی صورت میں چلائیں تو ہم ملک میں ایک عظیم قوت پیدا کر سکتے ہیں۔ کسان طبقہ دنیا بھر میں امن پسندی کیلئے مشہور ہے اس سے یہ امید کی جا سکتی ہے کہ وہ ظلم کی مخالفت کرے گا۔ وہ تشدد کے استعمال کے بغیر منظم صورت میں اپنے حقوق اور اغراض کی حفاظت کرے گا۔

اس وقت کسانوں کی سب سے بڑی ضرورت تعلیم ہے اس لئے کہ کسان سدھار میں پہلا درجہ جہالت دشمن علم کو دینا چاہئے۔ گاؤں والوں کو اشتراک کار کا بھی سبق دینا چاہئے اگر ان میں باہمی امداد اور اشتراک کا جذبہ جگایا جا سکے تو وہ سڑکوں اور آبپاشی میں اصلاح کر سکیں گے نیز ماشی کی بیماریوں سے بھی اپنی حفاظت کا انتظام کر سکیں گے۔ دیہاتی پنچایتوں کو حکومت کرنے کا بھی اختیار ہونا چاہئے تاکہ وہ دیہاتوں میں امن قائم رکھ سکیں۔

مختلف صوبجاتی حکومتیں کسانوں کی حالت سدھارنے کے لئے قانون بنا رہی ہیں حالات کی فوری ضروریات پوری کرنے کے لئے یہ قانون کافی نہیں ہیں۔ موجودہ آئین کے تحت ابھی اور زیادہ اصلاح کی ضرورت ہے اور غالباً وہ حسب ضرورت کئے جائیں گے۔ یہ افسوس ناک بات ہے کہ زراعت کے متعلق اصلاحوں میں بلاوجہ تاخیر کی جا رہی ہے اصلاح کی رفتار بہت سست ہے۔ اور گو کہ کانگریس حکومتوں کو عوام کی تائید حاصل ہے تاہم کچھ صوبوں میں سمجھوتہ کر لینے کی عادت نظر آ رہی ہے اور مستقل اغراض کی مخالفت کے خوف سے تیزی سے آگے بڑھنے میں ہچکچاہٹ ہے۔ حالانکہ اب تک جو قانون بنائے گئے ہیں ان سے کسانوں کا تھوڑا بوجھ کم ہوا ہے لیکن انکے ذریعے زمینداری سماجی نظام میں کوئی انقلابی تبدیلی ہونے کی اطلاع نہیں ملتی پھر بھی زمیندار طبقہ نے ایسا شور و غل مچا رکھا ہے جیسے قانون میں کوئی انقلابی تبدیلی ہو رہی ہے۔ مالی حالت اتنی مایوس کن ہے کہ عوام کو مدد دینے کے لئے سخت تبدیلی کی ضرورت ہے۔ کانگریسی حکومت آج جو کچھ کر رہی ہے وہ صرف اتنا ہی کہ کسانوں پر جو بار لادے گئے ہیں ان میں سے کچھ ہلکے کر دئے جائیں لیکن کسانوں کی حالت اتنی تشویشناک ہے کہ تھوڑے عرصے کے بعد اسے وہ بار بھی ناگوار معلوم ہوگا اور اس سے بھی آزاد ہونے کا مطالبہ کرے گا۔

یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ کانگریسی حکومتیں بہت سی پابندیوں کے اندر کام کر رہی ہیں۔ کیونکہ موجودہ دستور کے اندر انقلابی قانون بنانے کی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن کانگریسی حکومتوں سے یہ امید کی جا سکتی ہے کہ وہ عوام کو آسانیاں فراہم کرنے کے لئے آئین کے سب امکان ختم کر دینگی۔ موجودہ حالت میں ایک بے اطمینانی کی بات یہ ہے کہ ہمارے وزرا کسان سبھاؤں اور انکے کارکنوں کو شبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ عام طور سے کسان کارکن کی بات پر یقین نہیں کیا جاتا۔ اسے اجنبی سمجھا جاتا ہے اور اس کا استقبال نہیں کیا جاتا۔ اُسے تب تک راہ نہیں دیکھنی چاہئے جب مطالبات اتنے سخت ہو جائیں کہ انھیں پورا کرنے کے لئے خاص کارروائی کی دھمکی دی جانے لگے۔ کسان تحریک پر مشکوک نظر نہ رکھنی چاہئے، اگر ان برائیوں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے انھیں دور کر دیا جائے تو کسانوں کو کسی کارروائی کی ضرورت نہ پڑے گی۔ گاؤں کے مہاجنوں اور بنیوں کی حفاظت کرنے کے لئے قانونی انتظام ہونا چاہئے۔ گاؤں کے قرض پر بھی توجہ کرنی چاہئے اور قرضوں کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔ تب کسانوں کا بوجھ بہت ہلکا ہو جائے گا۔ اس کے ساتھ ہی کسانوں کو سستے در میں روپیہ اُدھار دینے کا انتظام بھی ہونا چاہئے۔ زراعت کی فروخت کا بھی معقول انتظام ہونا چاہئے تاکہ درمیانی لوگوں کا منافع ختم کیا جا سکے۔ امدادی صنعت و حرفت کی امداد کی طرف بھی توجہ دینی چاہئے اور ان صنعتوں کی اصلاح

کا وسیع انتظام ہونا چاہئے۔

یہ سوال بار بار کیا جاتا ہے کہ جب کانگریس کے ممبروں میں بیشتر تعداد کسانوں کی ہے اور کانگریس کے پروگرام میں کسانوں کے مطالبات اور انکے مالی حقوق شامل ہیں تب کسان تنظیم کی کیا ضرورت۔ اسکا بہت سیدھا جواب یہ ہے کہ کانگریس سبھی طبقوں کی جماعت ہے اور اس لئے اس قومی جماعت میں کسان اپنے کو پوری طرح ظاہر نہیں کر پاتا۔ لہٰذا دیگر طبقوں کی طرف سے اپنی ہچکچاہٹ دور کر کے صاف الفاظ میں اپنی خواہش ظاہر کرنے کے لئے اسے اپنے طبقہ کی تنظیم کی ضرورت ہے۔ اسکے علاوہ کانگریس ایک قومی جماعت ہے اور وہ کسانوں کے بنیادی یا دیگر مطالبات تب تک قبول نہیں کر سکتی جب تک حالات اُسے مجبور نہ کریں۔

کسانوں کی تنظیم اس لحاظ سے بھی ضروری ہے کہ کانگریس پر زبردست دباؤ ڈالیں کہ وہ کسانوں کے مطالبات منظور کرے۔ گذشتہ زمانہ میں کانگریس پر ایسا دباؤ ڈالا گیا ہے اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ آج کسانوں کے اغراض کے لئے جد وجہد کرنے کے لئے وہ وعدہ کر چکی ہے اور اسکی پابند ہے۔

جب علٰحدہ کسانوں کی تنظیم کی ضرورت ثابت ہو جاتی ہے تو اس پر بھی زور دینا ضروری ہے کہ کسان سبھاؤں کا فرض ہے کہ وہ کانگریس جماعتوں سے دوستانہ تعلقات قائم کریں۔ اور مناسب موقعوں پر انکے اشتراک سے اپنا کام چلائیں کانگریس سے مقابلہ کا جذبہ نہ ہونا چاہئے۔ کانگریس پر قابض ہونے کی خواہش پر قابو رکھنا چاہئے ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ دونوں جماعتیں ایک دوسرے کی معاون ہیں ایک کے تعاون سے دوسری کی طاقت بڑھتی ہے

پنت جی کا پیغام

اضلاع بجنور، بدایوں، فرخ آباد اور جونپور میں نشہ بندی جاری ہونے کے موقع پر یو پی کے وزیر اعظم آنریبل پنڈت گووند وبھ پنت نے یہ پیغام دیا ہے۔

پارسال ضلع مین پوری اور ایٹہ میں نشہ بندی شروع ہونے کے موقع پر ان اضلاع کے باشندوں کو پیغام دیا تھا اس میں اس بات کیلئے انکو مبارکباد دی تھی کہ آپکے ضلعے اس اسکیم کی ابتدا کیلئے منتخب کئے گئے اس وقت سے بارہ ماہ گذر گئے ہیں اور مجھے یہ کہنے کا مسرت بخش موقع حاصل ہوا ہے کہ جو کوشش اس وقت کی گئی وہ کامیاب ہوئی۔ ان دونوں اضلاع کو اس بات کا فخر حاصل ہوا ہے کہ وہ لوگوں کو اخلاقی اور دنیاوی ترقی کیلئے راہ دکھانے میں آگے آئے انکی کامیابی سے کم ہمتوں میں ہمت آئیگی بد اعتقادوں میں اعتماد آئیگا اور شبہ کرنے والوں کا شبہ مٹے گا۔ یہ دکھا دیا گیا کہ نشہ بندی بالکل عملی بات ہے اور اگر سرکاری ملازمین اور غیر سرکاری لوگ باہمی محبت اور امداد سے کام کریں اور اس بات کا عہد کر لیں کہ اسکی کامیابی کیلئے کچھ بھی اٹھا نہ رکھیں گے تو یہ بغیر کسی بڑی دقت کے عملی جامہ پہن سکتی ہے ہمارا مذہب تہذیب عمل اور قدیم رواج سبھی شراب اور نشیلی اشیاء کے خلاف ہیں۔

نشہ بندی سے اضلاع ایٹہ اور مین پوری کے دیہاتیوں کی معاشرتی اور مالی حالت سدھر رہی ہے میں بڑی دلچسپی اور خوشی سے دیکھ رہا ہوں کہ کتنے ہی دیہاتوں میں لوگوں نے اپنا قرض ادا کر دیا ہے اور کھانے کپڑے بچے پیدا دینے بچا کر اپنی زندگی خوشگوار بنالی ہے اور کھوبا زیادہ آسانی سے گذر بسر کرنے لگے ہیں۔ مین پوری اور ایٹہ میں جو حاصل ہوئے ان [illegible] سے متاثر ہو کر حکومت نے اس سلسلے میں وعدہ کیا [illegible] عہد کیا ہے اور وہ ہے چار اضلاع بدایوں فرخ آباد بجنور اور جونپور میں نشہ بندی کا حکم جاری کیا ہے اب ان اضلاع کیلئے یہ موقع ہے کہ وہ اس تجویز کو کامیاب بنائیں۔ امید ہے کہ آپ لوگوں کے اضلاع میں نشہ بندی جاری ہونے سے زندگی نہ صرف زیادہ پاک اور بہتر ہوگی بلکہ زیادہ روشن اور خوشگوار ہوگی۔ آپکے لئے یہ اچھا موقع ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ آپ اس موقع پر کمر کس کر اپنی پوری طاقت سے اس مہم کو کامیاب بنائیں گے۔
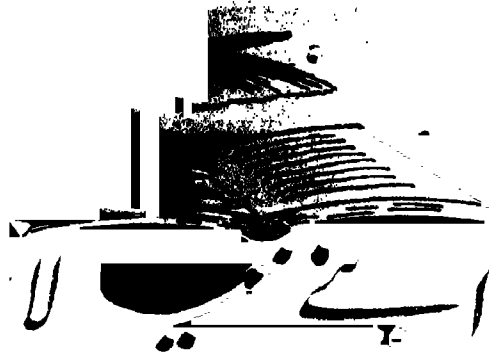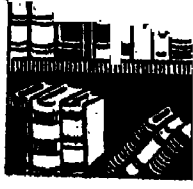
صوبائی گرام سدھار اسکیم کی کامیابی

صوبہ متحدہ آگرہ و اودھ کی گورنمنٹ نے گرام سدھار کے کام کو اس خوبی سے ایک مکمل پروگرام سامنے رکھ کر شروع کیا ہے کہ اگر ایک طرف دیہات میں بسنے والی آبادی میں ہلچل پیدا ہوگئی ہے اور ہر بوڑھا، جوان کمر کس کے اپنی سدھار اور ملک کی ترقی کے لئے کوشاں نظر آتا ہے تو دوسری طرف ہندوستان کے دوسرے صوبوں کی حکومتیں ہمارے کامیاب پروگرام کو دیکھ کر ہمارے ہی اصولوں پر کام کرنے کی کوششیں کر رہی ہیں۔

سال گزشتہ صوبہ آسام کے منسٹر صاحب لکھنؤ تشریف لائے اور ہماری اسکیم کو پورے طور پر سمجھ کر واپس تشریف لے گئے اور کام کا آغاز کیا۔ صوبہ پنجاب کے پارلیمنٹری سکریٹری صاحب آئے اور گھنٹوں مسٹر چترویدی رورل ڈولپمنٹ سے گرام سدھار کے مسئلہ پر تبادلۂ خیال فرماتے رہے اور آخر کار یہ کہہ اُٹھے کہ گو کہ پنجاب میں اصلاح دیہات کا کام عرصہ سے ہو رہا ہے مگر پبلک میں کوئی دلچسپی اور ذوق نہیں پیدا ہوا کیونکہ ہمارے پاس کوئی مکمل پروگرام کام کرنے کا نہیں ہے۔ حال ہی میں آنرایبل ڈاکٹر سید محمود صاحب وزیر ترقی دیہات صوبہ بہار لکھنؤ تشریف لائے اور آنرایبل ڈاکٹر کاٹجو صاحب منسٹر اور مسٹر چترویدی رورل ڈولپمنٹ افسر سے اصلاح دیہات کے مسائل پر تفصیلی گفتگو فرمائی اور ہمارے پروگرام کی ہمہ گیری (Comprehensive) اور کام کرنے کے طریقہ کے معترف رہے۔ صورت حال یہ ہے کہ صوبہ بہار میں لفظ لفظ ہمارا پروگرام اختیار کر لیا گیا ہے۔

صوبہ بمبئی کی گورنمنٹ نے بھی اس راہ میں قدم رکھا ہے اور کام کی ابتداء بتا رہی ہے کہ ہمارے ہی طریقہ پر عمل ہوگا۔ شہر میں ٹریننگ سنٹر قائم کئے جا رہے ہیں جہاں دیہات میں کام کرنے والوں کو زراعت، صحت عامہ، حیوانات کے علاج، کوآپریٹیو کے متعلق تعلیم دیجائے گی اور یہی عمل ہمارا شروع سے ہے۔

مارچ ۱۹۳۹ء کے پہلے ہفتہ میں مسٹر چودھری آئی سی ایس ڈائرکٹر رورل ڈولپمنٹ صوبہ بنگال لکھنؤ تشریف لائے اور کئی روز مقیم رہ کر آپ نے ہماری اصلاح و ترقی دیہات کی یو۔ پی اسکیم کو سمجھا، دفاتر کو دیکھا اور ۹؍ مارچ کو مسٹر عبدالحئی عباسی ڈویژنل سپرنٹنڈنٹ کے ہمراہ گرام سدھار کی عملی کارگزاریوں کے دیکھنے کے لئے فیض آباد تشریف لے گئے۔ فیض آباد میں مسٹر چودھری نے آرگنائزروں کے ٹریننگ کیمپ کا معائنہ کیا۔ اور ضلع گرام سدھار کے دفتر میں کئی گھنٹہ رہ کر کاغذات۔ رجسٹر اور آرگنائزروں کی ماہوار ڈائری اور رپورٹ بغور دیکھتے اور نوٹ لیتے رہے۔ مسٹر رندھاوا آئی سی ایس سکریٹری گرام سدھار نے مختلف نقشے اور چارٹ دکھائے جو انھوں نے خاص طور پر گرام سدھار کے لئے بنائے تھے۔ مادھو پور گاؤں میں جاکر مسٹر چودھری نے دیہات والوں کے مکانات، جانوروں کی سیر یا گلی کوچے دیکھے اور پسندیدگی کا اظہار کیا۔

یہ حقیقت ہے کہ صرف ایک سال کی کوشش کا یہ نتیجہ ہے کہ ہمارے دیہاتوں کا نقشہ بدل گیا ہے۔ نو سو تین ۹۰۳ جیون سدھار سبھائیں (Better Living) بن چکی ہیں جن کے ذریعہ دیہات والے اپنی ضروریات کو پیش کرتے ہیں۔ ۳۷۹ غلہ کے گودام قائم ہو چکے ہیں جہاں سے دو لاکھ پچھتر ہزار من غلہ سوائی کے اصولوں پر گزشتہ ربیع میں دیا گیا اور چار سو گاؤں میں ترقی شدہ

[illegible] تقریباً نو ہزار کھیتی کے نئے آلات استعمال میں لائے گئے ہیں۔ گزشتہ ستمبر میں پھلوں کے درخت لگانے کا ہفتہ منایا گیا اور ایک لاکھ بائیس ہزار پودے لگائے گئے تقریباً پچاس نرسری پودوں کے فیض آباد اور بنارس کمشنری میں قائم کئے گئے ہیں۔

صحت عامہ اور صفائی کی طرف خاص توجہ کی گئی ہے۔ [illegible] دواؤں کے نئے تقسیم کئے گئے ہیں اور ۳۱۴ پہلے سے موجود ہیں جن کے ذریعہ دیہات والوں کو فوری طبی امداد پہنچائی جاتی ہے۔ ۴۴ ڈاکٹر اور ۱۶ گشتی ڈاکٹروں کا تقرر ہو گیا ہے۔ حکیم اور وید کا تقرر جلد ہونے والا ہے۔ سوت کی کتائی بنائی کا کام بہت سے مواضعات میں جاری کیا گیا ہے۔ چمڑے کی سجائی اور رنگائی کا کام آگرہ کانپور۔ مرزا پور۔ ایٹہ اور مین پوری کے دیہاتوں میں جاری کیا گیا ہے (۳۶۰۰) کنوئیں پختہ بنائے جا چکے ہیں اور بہت سے زیر تعمیر ہیں۔ (۲۵۰) کتب خانے قائم ہو گئے ہیں جنکے لئے اُردو ہندی کتابیں اور اخبارات و رسائل محکمہ نے فراہم کئے ہیں۔ ۴۵ پنچائت گھر تعمیر ہو چکے ہیں اور سینکڑوں برسات سے قبل مکمل ہو جائیں گے۔ تقریباً سترہ سو ایسے اسکول محکمہ کی طرف سے دیہاتوں میں قائم کئے گئے ہیں جہاں بڑے لوگوں کو رات میں فرصت کے وقت تعلیم دیجاتی ہے۔ ۲۳۱ لڑکیوں کے مکتب گرام سدھار کی طرف سے جاری کئے گئے ہیں۔ ہمارے کام کرنے والوں کا ہاتھ بٹانے اور گاؤں والوں میں اپنی امداد خود کرنے کا جذبہ پیدا کرانے کے لئے اب تک دس ہزار والنٹیر (گرام سیوک) بھرتی ہو چکے ہیں جنکی ٹریننگ کا محکمہ نے انتظام کیا ہے۔

ہمارے کام کرنے والوں کی محنت اور خلوص کا یہ نتیجہ ہے کہ ایک سال کی مدت میں اتنا کام ہو گیا ہے۔ ہماری اس کامیابی کے دو راز ہیں اول یہ کہ ہمارے محکمہ کا ہر چھوٹا بڑا پبلک خدمت کا خیال لیکر آیا ہے نوکری کے خیال سے بہت کم لوگ محکمہ میں داخل ہوئے ہیں۔ دوسرے یہ کہ کام کو ہاتھ میں لینے سے قبل محکمہ کے افسر اعلیٰ مسٹر منوہر داس چترویدی نے ایک مکمل پروگرام کام کا بنا لیا جس پر سختی سے عمل کیا جا رہا ہے۔

ہماری عمل جد و جہد کا نتیجہ ہے کہ تمام صوبہ والے ہماری طرف دوڑے چلے آتے ہیں۔

(ع)

رڑکی میں آنریبل ڈاکٹر کاٹجو

پچھلے دنوں جب ضلع سہارنپور کے دورے کے سلسلے میں وزیر گرام سدھار آنریبل کیلاش ناتھ کاٹجو رڑکی بھی گئے تو وہاں کے سنٹرل کوآپریٹو بینکنگ یونین کے ڈائرکٹروں نے آپ کا استقبال کیا۔ یونین کی عمارت کے سامنے ایک بڑا شامیانہ تانا گیا تھا اور یونین کے تقریباً ۵۰۰ ممبر شریک ہوئے ڈاکٹر صاحب نے

یونین کی تعریف کی اور اس بات پر بہت زور دیا کہ گاؤں میں ایک زندگی سدھار سبھا قائم ہونی چاہئے۔ موصوف نے وہاں پر جمع زمینداروں سے یہ اپیل کی کہ وہ ایک پنچایت گھر بنانے کے لئے تھوڑی سی زمین دیدیں۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ پنچایت گھر ایسا ہونا چاہئے کہ جہاں گاؤں کے سب لوگ ذات پات کا خیال دور کرکے آپس میں ملیں اور گاؤں کے مسئلوں پر غور کریں۔ باہمی امداد سے گاؤں والوں کے دل میں آزادی کا جذبہ پیدا ہو سکتا ہے اور وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہو سکتے ہیں اس خیال سے انھوں نے تحریک امداد باہمی کی تعریف کی اور فرمایا کہ یہ تحریک

صداقت کے ساتھ چلائی جائے تو گاؤں کی کایا پلٹ ہونے میں دیر نہ لگے گی۔ وہاں کے حاضر ممبران ڈاکٹر صاحب کے برتاؤ سے بہت متاثر ہوئے۔ موصوف اُن ممبروں میں اس طرح مل گئے جیسے اس اجتماع کے خود بھی ایک رکن ہوں۔ ہمیں خوشی ہے کہ وزیر گرام سدھار جہاں کہیں بھی تشریف لیجاتے ہیں وہاں گرام سدھار کا پیغام پھیلا جاتے ہیں اور اپنے برتاؤ سے تحریک میں بڑی طاقت پیدا کر دیتے ہیں۔

ایندھن اور کھاد کا سوال

ہل کی گذشتہ اشاعتوں میں ہم ایندھن اور کھاد کے متعلق کئی مضمون شائع کر چکے ہیں۔ اس اشاعت میں بھی دوسری جگہ ہم جناب ایس۔ ایس۔ نیگی کا "جنگل ہمارے لئے کیوں ضروری ہیں" کے عنوان سے ایک مضمون شائع کر رہے ہیں۔ بیشتر دیہاتوں میں لوگ گوبر کے اپلے بنا کر ایندھن کی جگہ پر جلاتے ہیں کیونکہ ایندھن کی صورت میں جلانے کی لکڑی انھیں حاصل نہیں ہوتی۔ اس طرح جو گوبر اچھی کھاد کے کام آ سکتا تھا وہ جلا دیا جاتا ہے اور اپنی کھاد کی کمی بنی رہتی ہے۔ ایس نیگی کی صلاح کے مطابق اگر دیہات کے لوگ بیکار زمینوں میں ایسے درخت لگا لیں جو آسانی سے لگ سکتے ہیں اور ایندھن کے کام میں آ سکتے ہیں تو ایسے درختوں سے ایندھن کے لئے لکڑی بھی ملنے لگے گی اور جنگل سے [illegible] جو فائدے ہو سکتے ہیں وہ بھی ہونے لگیں اور گوبر کھاد کے لئے بچ جائیگا۔ گرمی کا موسم شروع ہو گیا ہے۔ اس سلسلے میں دلچسپی رکھنے والے کسان بھائیوں سے ہم درخواست کرتے ہیں کہ وہ ابھی سے گوبر کی کھاد جمع کرنا شروع کر دیں۔ کھاد کس طرح جمع کرنی چاہئے یہ ہل کی گذشتہ اشاعتوں میں بتایا جا چکا ہے۔ اس کھاد کو کسان برسات شروع ہونے پر اپنے کھیتوں میں ڈالیں اور انھیں دنوں سے بیکار زمینوں میں جلانے کی لکڑی کے درخت بھی لگائیں۔ ایسے درختوں کے بیج وہ مقامی بیج گوداموں سے حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر کوئی مشکل ہو تو اسکے متعلق ہم سے دریافت کر سکتے ہیں ہم انھیں ماہرین سے دریافت کر کے پوری صلاح دینے کی کوشش کرینگے۔

دیہاتوں میں صاف پانی کا مسئلہ

دیہاتوں میں پینے کے لئے صاف پانی بہت مشکل سے دستیاب ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ گاؤں میں جو کنوئیں ہیں ان کے آس پاس اکثر درخت رہتے ہیں اور ان کی پتیاں اڑ کر کنوئیں میں جاتی ہیں اور پانی کے اندر سڑتی ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی طریقوں سے پانی گندہ ہوتا ہے۔ بہت سے گاؤں ایسے ہیں جو ندیوں کے کنارے ہیں۔ ان میں کنوئیں نہیں ہیں۔ ان دیہاتوں کے لوگ ندیوں کا پانی پیتے ہیں۔ گرمیوں میں ندیاں سوکھ جاتی ہیں اور برسات میں ان میں گندہ پانی آنے سے گاؤں والوں کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔ ہل کی اس اشاعت میں "اچھا کنواں بنوانا" کے عنوان سے ایک مضمون ہم دوسری جگہ شائع کر رہے ہیں۔ ایسے کنوئیں بنوانے میں قریب ۱۸۰ روپیہ کا خرچ ہوتا ہے۔ اور اتنی رقم میں ایسا کنواں بن سکتا ہے جس سے صاف صاف پانی پینے کو مل سکے۔ جن دیہاتوں میں باحیثیت لوگ ہیں وہ خود اور جہاں نہیں ہیں وہاں کے سب لوگ مل کر ایسے کنوئیں بنوا سکتے ہیں اور پینے کے لئے صاف پانی حاصل کر سکتے ہیں۔ گاؤں میں بہت بیماریاں صرف صاف پانی نہ ملنے سے ہوتی ہیں۔ اگر گاؤں میں کوئی بھائی صاف کنواں بنوالیں یا جو کنوئیں گاؤں میں ہیں انکو گندہ ہونے سے بچائیں تو ان کا پانی کا مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔

ہندو مسلم فساد

شہر کے مقابلے میں گاؤں کے رہنے والے بھائی اس سلسلے میں خوش قسمت کہے جا سکتے ہیں کہ گاؤں میں ہندو مسلم فساد نہیں ہے لیکن شہروں سے گاؤں والوں کا تعلق تو رہتا ہی ہے۔ شہر میں وہ آتے جاتے ہیں اور شہری زندگی کا ان پر اثر بھی ہوتا ہے۔ پچھلے دنوں الہ آباد۔ کانپور اور بنارس وغیرہ

مقامات پر جو فسادات ہوئے ہیں اُن میں زیادہ تر جن لوگوں کی جانیں گئیں ان میں بیشتر گاؤں کے لوگ تھے۔ کوئی کسان اپنے گاؤں سے شہر میں بھوسا دہی یا اناج بیچنے کے لئے آیا اور وہ شہر کے بلوائیوں کا ناحق شکار ہوگیا۔ اتنا ہوتے ہوئے بھی اس کے ہمدرد اس تلخی کو لیکر گاؤں کو نہیں لوٹے جس نے شہر میں اپنی آفت ڈھائی۔ یہ آثار اچھے ہیں۔ یوں تو ہندو مسلم سوال کہیں بھی نہیں ہے۔ گاؤں میں تو سبھی کسان ہیں اور سبھی کے سوال ایک سے ہیں۔ اس وقت ہندوستان کے سامنے اگر اُمید کی کوئی کرن ہے کہ گاؤں کے رہنے والے کسان بھائی شہر کی اس چھوت سے ہمیشہ بچے رہیں گے۔ اور گاؤں کے رہنے والے ہندو مسلمانوں کے باہمی اتحاد کا اثر ایک نہ ایک روز اتنا بڑھ جائیگا کہ وہ دیہاتوں پر بھی چھا جائے گا۔

اسکاؤٹنگ کی تعلیم

ہل کی گذشتہ اشاعت میں گرام سیوکوں کو اسکاؤٹنگ کی تعلیم دینے کے متعلق ہم ایک نوٹ شائع کر چکے ہیں۔ ناظرین کو معلوم ہوگا کہ اسکے لئے صوبائی حکومت نے ۳۲۰۰ روپئے کی رقم دی ہے۔ اس سلسلے میں جناب ایم۔ ڈی۔ چترویدی افسر گرام سدھار نے ایک نیا سرکلر نکالا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انتظام کے مطابق ہندوستان اسکاؤٹ ایسوسی ایشن الہ آباد نے گرام سدھار سیوکوں کو اسکاؤٹنگ کی تعلیم دینے کے لئے حسب ذیل مقامات پر ماسٹر بھیجے ہیں (۱) سلطانپور (۲) پرتاب گڑھ (۳) الموڑہ (۴) گونڈہ (۵) آرگنائزروں کے کیمپوں میں۔ یہ ماسٹر یکم اپریل سے اپنے اپنے ضلعوں میں پہنچ گئے ہیں اور چھ ماہ تک کام کرینگے۔ تین آرگنائزروں کو بھی ماسٹر مقرر کیا گیا ہے اور وہ نینی تال، جھانسی اور ہردوئی میں کام کرنے کے لئے بھیجے گئے ہیں ان سب ماسٹروں کو ہندوستان اسکاؤٹنگ ایسوسی ایشن الہ آباد سے ۴۰ روپئے ماہوار تنخواہ اور ۲۰ روپئے ماہوار الاؤنس ملے گا اور جو گرام سیوک اس عہدہ پر تعینات ہیں ان کو بھی یہ تنخواہ ایسوسی ایشن ہی کی طرف سے ملے گی۔ ہمیں اُمید ہے کہ اس ٹریننگ سے گرام سیوک اور بھی قابلیت کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے سکیں گے۔

لڑکوں کے لئے دودھ

ہل کی اسی اشاعت میں دوسری جگہ ہم مسٹر کرانٹین کا ایک ایک مضمون شائع کر رہے ہیں اس سے ناظرین کو معلوم ہوگا کہ لڑکوں کیلئے دودھ کتنا ضروری ہے۔ بیشتر کسان گائے اور بھینس پالتے ہیں۔ مگر وہ فائدے کے خیال سے سارا دودھ یا اسکا گھی بنا کر فروخت کر دیتے ہیں خود کم استعمال کرتے ہیں اور اپنے بچوں کو بھی بہت کم دودھ دیتے ہیں۔ ایسے سبھی کسانوں سے ہماری درخواست ہے کہ وہ اس مضمون کو پڑھیں اور یہ کوشش کریں کہ وہ اپنے گھر میں تیار ہونیوالے دودھ کا کچھ حصہ اپنے بچوں کو ضرور دینگے اگر دودھ دینے والے مویشی اچھی طرح کھلائے جائیں تو وہ دودھ بڑھا سکتے ہیں۔ اس طرح انکا کھانا پلانا بیکار نہیں ہوتا اور زیادہ دودھ ملنے لگتا ہے جس سے اپنی اور اپنے بچوں کی تندرستی درست ہو سکتی ہے۔ ہر ایک ہندوستانی کو چاہیئے کہ وہ اپنے بچوں کے دودھ کے لئے کچھ نہ کچھ انتظام ضرور کرے۔

گرام سدھار ٹریننگ کیمپ نینی الہ آباد

شری جگن ناتھ پرشاد مصر ایمپریس کی اسکاؤٹنگ کی تعلیم ۹ اپریل سے بابو سیتا رام سکسینہ اسکاؤٹ ماسٹر کی نگرانی میں شروع ہوئی۔ ۱۲ روز کی ٹریننگ کے بعد کانوکیشن تقریب تاریخ ۲۱ اپریل شام کو پنڈت شری رام واجپئی کی صدارت میں بڑی دھوم سے منائی گئی۔ گرام سدھار سے متعلق گانے اور ڈرامے ہوئے جنھیں حاضرین نے بہت پسند کیا۔

حاضرین کی تعداد تقریباً ۴۰۰ تھی جنھیں مسٹر ہیز پرنسپل اگریکلچر کالج نینی الہ آباد کے شری جانکی شرن ورما کے نام قابل ذکر ہیں۔ سارٹیفکٹ دینے کے بعد پنڈت شری رام واجپئی نے آرگنائزروں کو انکے فرائض کا دھیان دلاتے ہوئے ایک مختصر اور موثر تقریر کی۔

نینی ٹریننگ کیمپ کے انچارج صاحب نے جس دلچسپی اور جوش سے گرام سیوکوں کی طرف سے اپنے فرائض انجام دئے علی جتنی تعریف کیجائے کم ہے۔

گرام سُدھار کتاب گھروں میں اخبار

جناب ایم ڈی چترویدی افیسر گرام سُدھار نے گرام سُدھار کتاب گھروں کے لئے اخباروں کے متعلق ایک گشتی مراسلہ بھیجا ہے۔ اس مراسلہ کے مطابق گرام سُدھار کتاب گھروں کے جو اخبار و رسالے منظور ہوئے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

ہندی (ہفتہ وار)

۱۔ دلیش دوت ۔ انڈین پریس الہ آباد
۲۔ پرتاپ ۔ پرتاپ پریس، کانپور
۳۔ آج ۔ آج پریس بنارس
۴۔ سینک ۔ سینک پریس، آگرہ
۵۔ ہریجن سیوک ۔ کنگس وے دہلی
۶۔ سنگھرش ۔ ہیوٹ روڈ لکھنو۔

(ماہوار)

۱۔ سرسوتی ۔ انڈین پریس، الہ آباد
۲۔ مادھری ۔ نول کشور پریس لکھنو
۳۔ سدھا ۔ گنگا پستک مالا لکھنو
۴۔ وشال بھارت ۔ پرواسی پریس ۲/۱۲۰ اپر سرکلر روڈ کلکتہ
۵۔ روپابھ ۔ پرکاش گرہ، کالا کانکر، پرتاب گڑھ
۶۔ ہل ۔ انڈین پریس، الہ آباد

اُردو (ہفتہ وار)

۱۔ مدینہ (ہفتہ میں دوبار) مدینہ بجنور
۲۔ کانگریس ۔ کانگریس، مراد آباد
۳۔ ایشیا ۔ ایشیا ہینگ منڈی آگرہ
۴۔ ہندوستان ۔ ہندوستان، وشیشر ناتھ روڈ، لکھنو۔
۵۔ اودھ اخبار (ہفتہ وار) نول کشور پریس لکھنو۔

(ماہوار)

۱۔ پیام تعلیم ۔ جامعہ ملیہ نئی دہلی
۲۔ زمانہ ۔ زمانہ کانپور
۳۔ پیام نسواں ۔ زمبور خانہ لکھنؤ۔
۴۔ انیس ۔ معرفت مولانا فخر الاسلام دائرہ شاہ اجمل الہ آباد
۵۔ نئی تعلیم ۔ جامعہ ملیہ نئی دہلی۔
۶۔ ہل ۔ انڈین پریس الہ آباد

ہر ایک ضلع میں ۵ کتاب گھر کھلیں گے۔ انکے علاوہ مندرجہ ذیل اضلاع میں اور کتاب گھر بھی قائم ہونگے۔

۱۔ مرزا پور ۱ زیادہ
۲۔ گورکھپور ۲ ″
۳۔ اعظم گڈھ ۳ ″
۴۔ نینی تال ۱ ″
۵۔ الموڑہ ۱ ″
۶۔ سیتاپور ۱ ″
۷۔ فیض آباد ۱ ″

میزان ۱۰

جن ضلعوں میں پانچ کتاب گھر وہاں ہر ایک کتاب گھر میں ہفتہ واروں میں ایک 'ہریجن سیوک' اور دیئے جانے والے ہندی ہفتہ واروں میں سے کوئی ایک دیا جائیگا اور ماہوار رسالوں میں ایک 'ہل' اور دیجانے والے رسالوں میں سے کوئی ایک دیا جائیگا۔ اسی طرح اُردو ہفتہ وار میں دئے جانے والے ہفتہ واروں میں کوئی ایک دیا جائیگا اور اُردو ماہوار رسالوں میں سے ایک ہل اور دوسرے رسالوں میں سے کوئی ایک رسالہ دیا جائیگا زائد کتاب گھروں میں ہندی ہفتہ واروں میں 'ہریجن سیوک'، 'دلیش دوت'، ہندی ماہوار رسالوں میں 'ہل' اور 'مادھری' اور اُردو ہفتہ وار میں 'ہندوستان' اور اُردو ماہوار میں 'ہل' اور 'پیام تعلیم' دیا جائے گا۔

اسکے علاوہ ۱۴ ضلعوں میں سے ہر ایک ضلع میں ایک نمبر ماہوار 'دیپو' نامی ہندی ماہوار کا بھیجا جائیگا اور باقی سات ضلعوں میں دیپو کے نمبر اس طرح بھیجے جائینگے۔

مرزا پور	۲ کاپیاں	الموڑہ	۲ کاپیاں
گورکھپور	۴ ″	سیتاپور	۲ ″
اعظم گڑھ	۳ ″	فیض آباد	۲ ″
نینی تال	۲ ″		

باگیشور میں گرام سُدھار نمائش

شری آر۔ ڈی بھٹ الموڑہ سے تحریر فرماتے ہیں۔

سرجو و گومتی پہاڑی ندیوں کے ساحل پر الموڑا سے ۱۴ میل شمال کی طرف سربفلک پہاڑوں کی چوٹیوں پر باگیشور زمانۂ ماضی سے کمایوں کا ایک خاص تجارتی مرکز اور ہندوں کا تیرتھ رہا ہے۔ سرجو و گومتی کے سنگم کے کنارے پر مشہور

پنڈت بدری دت پانڈے کے ذریعہ نمائش کا افتتاح

چند۔ رنبشی راجہ لچھمی چند کے ذریعہ سولہویں صدی میں بنوایا ہوا شری واگناتھ جی کا ایک بہت بڑا مشہور پتھر کا مندر ہے اور اسی وجہ سے یہ قصبہ باگیشور کے نام سے مشہور ہے۔ الموڑہ سے شمال کیجانب جو مقام بھوٹ کہلاتا ہے وہاں کے باشندے عہد ماضی سے ہندوستان کے ساتھ نیپال و تبت کو سلسلۂ تجارت میں منسلک کئے ہوئے ہیں بھوٹ میں جوہار، تلّا دیش جوہار گوری بھاٹ، ویانس، دارما و چونداسی کی پٹیاں

خاص حلقے ہیں۔ ہر سال جوہار، تلّا دیش جوہار و گوری فاٹ کے تاجر اونٹ دھورا کی گھاٹی سے تبت کی منڈی گیانما کو اور ویانس چنداس و دارما کے تاجر لیپو جھیل کی گھاٹی سے تاکلاکوٹ کی منڈی کو جاکر ہندوستان سے مال لیجاکر تبت کے مال سے خاصکر نمک سہاگہ۔ اُون۔ کھالوں وغیرہ سے تبادلہ کرتے ہیں تبت سے لوٹکر وہاں کے مال کی پہلی نمائش

نمائش کا دروازہ

وہ باگیشور میں کرتے ہیں لہذا باگیشور ایک خاص تجارتی مرکز رہتا چلا آیا ہے ہندوؤں کی تیرتھ ہونیکی وجہ سے ہر سال وہاں مکر سنکرانت کو بڑا میلا لگتا ہے جہاں الموڑہ کے گوشہ گوشہ سے عورت مرد گنگا اشنان کو ہزاروں کی تعداد میں آتے ہیں۔ دان پور کے بنے ہوئے کمبل و نگالے کی چٹائیاں و پٹاریاں وغیرہ اٹھی گاؤں کی بنی ہوئی بھانگے کی بوریاں اور ہر قسم کی گھریلو چیزیں

تماشائیوں کی بھیڑ

اسٹالوں کی قطار

نمائش گاہ کے اندر چوڑا راستہ

جھیل کا نظارہ

مختلف مقامات سے یہاں فروخت ہونے کو آتیں ہیں۔ اسی جگہ اس سال ۱۳ جنوری سے ۱۶ جنوری تک الموڑہ گرام سدھار کمیٹی نے ایک بڑی زراعتی، صنعتی، مویشیوں کی نمائش کرنے کا اہتمام کیا۔ ایک بڑے میدان میں تقریباً ۵۰ پختہ اسٹال بنائے گئے نمائش کا افتتاح کمایوں کے مشہور قومی کارکن پنڈت بدری دت پانڈے ایم۔ ایل۔ اے (مرکزی) نے فرمایا نمائش کے دروازے پر ایک بڑا پھاٹک بنایا گیا۔ پھاٹک سے اندر جانے کو ایک خوش نما چوڑا راستہ نکالا گیا ہے جس کے کناروں میں ندی کے سفید پتھر رکھے گئے۔ ایک طرف ایک بڑا شامیانہ تانا گیا جہاں حاضرین آرام کریں۔ مختلف اسٹالوں میں دستکاریوں کے اعلیٰ نمونوں کا مجموعہ رکھا ہوا تھا اور اُون کاتنا، رنگنا، بُننا، چرخا بنانا۔ ال دھانگا بنانا، نمدا بنانا، لکڑی کے خوبصورت سامان بنانا۔ ہاتھ سے کاغذ بنانا۔ پوال سے چٹائیاں بنانا، چمڑے کا کام وغیرہ وغیرہ بھی مختلف اسٹالوں میں دکھلایا گیا۔ چار روز تک ہزاروں عورتوں و مردوں کا مجمع لگا رہا۔ اسٹالوں کی دوسری طرف شامیانے تانے گئے جن میں دفتر نمائش گرام سدھار سیوادل کیمپ وغیرہ رکھے گئے۔ صوبائی حکومت کے پبلسٹی ڈپارٹمنٹ نے لاؤڈ اسپیکر بھیج کر نمائش کی جاذبیت دوبالا کر دی۔ گرام سدھار کمیٹی کے سکریٹری نے گھوڑ دوڑ کا مظاہرہ کیا اور لوگوں کو عمدہ گھوڑوں کو پہچاننے کے طریقے بتائے کیونکہ میلے میں کافی تعداد میں پہاڑی گھوڑے فروخت ہونے کو آتے ہیں۔ روزانہ زراعت، صنعت، حرفت اور صحت کے موضوعوں پر جلسے کئے گئے۔ یوم خواندگی بڑی دھوم دھام سے منایا گیا۔ اس طرح چار روز تک یہ عظیم الشان نمائش رہی۔ آخر میں شری متی دیا میرا کے ذریعے اچھے اچھے صنّاعوں کو چاندی کے تمغے، برتن اور سارٹیفکٹ دیئے گئے۔ محکمۂ جنگلات، محکمۂ زراعت، محکمۂ صنعت و حرفت کے افسران نے نمائش کو کامیاب بنانے میں بڑی مدد دی۔ سب سے زیادہ جاذب نظر چیز نمائش میں ڈپٹی کمشنر صوبیدار میجر گووند لال ساہ جی کے ذریعے پرانی اور نئی بستیوں کا ماڈل تھا جس میں گرام سدھار کا خاص مقصد خوبصورتی کے ساتھ دکھایا گیا تھا ضلع الموڑہ میں اتنی بڑی و سبق آموز نمائش پہلی ہی بار ہوئی ہے۔

نتیجہ امتحان

شری ایم۔ ڈی۔ چترویدی آئی۔ ایف۔ سی۔ افسر گرام سدھار نے ہمارے پاس اُن کامیاب امیدواروں کی فہرست بھیجی ہے جنھوں نے آرگنائزروں کے دوسرے جتھے کے ساتھ اپنے خرچ سے ٹریننگ حاصل کی ہے۔ یہاں ہم وہ فہرست شائع کر رہے ہیں اُن لوگوں کو چاہئے کہ وہ اپنے تقرر کے لئے اپنے ضلع کی گرام سدھار کمیٹی کے سکریٹری کو درخواست دیں۔ ضلع گرام سدھار کمیٹی کے چیرمین صاحبان سے گزارش ہے کہ وہ اپنے ضلعوں میں خالی جگہوں کے لئے ان کامیاب امیدواروں میں سے اُن کی قابلیت کے لحاظ سے انتخاب کریں اور تقرری کے لئے ڈیویژنل سپرنٹنڈنٹ کے پاس نام بھیجیں۔ کوئی ضروری نہیں کہ ضلع کے لوگوں کا تقرر اسی ضلع میں کیا جائے۔

نام	قابلیت	پتہ

میرٹھ کمشنری

نام	قابلیت	پتہ
۱- یوراج سنگھ	ہائی اسکول	معرفت نائب تحصیلدار، صدر تحصیل، میرٹھ ۔
۲- منشی لال	؟	کالیتہ گنواری، پوسٹ محی الدین پور ضلع میرٹھ ۔
۱- صدیق محمود	ہائی اسکول	معرفت مولانا مخدوم بخش ریڈر ایس۔ڈی۔او۔ کورٹ منصوری دہرہ دون ۔
۲- سدانند	"	معرفت رورل ڈیولپمنٹ انسپکٹر، دہرہ دون ۔
۱- حشمت علی	"	معرفت مولانا محمد علی۔ سینا قصبہ، پوسٹ گلوٹھی، بلند شہر
۲- بابورام یادو	"	معرفت پنڈت مراری لال شرما۔ اسسٹنٹ ماسٹر۔ ڈی۔اے۔وی بلند شہر۔

آگرہ کمشنری

نام	قابلیت	پتہ
۱- گنگا سنگھ	ورناکیولر فائنل	موضع کماری، پوسٹ کھنڈیل وال۔ کلاس ورکس ضلع علی گڑھ ۔
۱- خطیب اللہ خاں	ہائی اسکول	معرفت حکیم ۔ اے۔ ایس۔ خاں ملا فاضل کھٹیا اعظم خاں۔ آگرہ ۔
۲- رام دیال یاگنک	"	موضع بربہرو، پوسٹ گگراں ضلع آگرہ ۔
۱- دین دیال گپت	"	موضع پیپل کھیریا، پوسٹ راجو ئی ضلع ایٹہ ۔
۲- سونے لال پانڈے	"	محلہ پٹیالی، ایٹہ سٹی ۔
۳- ریاض الاسلام	"	محلہ کارنہ ڈونڈوارہ، ایٹہ سٹی ۔
۱- شری رام دھوبی	؟	موضع گڈھی اسیر، پوسٹ جینتی ضلع مین پوری ۔

روہیلکھنڈ کمشنری

نام	قابلیت	پتہ
۱- رام پال سنگھ	ورناکیولر فائنل	بجنور ۔
۲- بدرالحق	ہائی اسکول	پوسٹ وموضع شیوہارا بجنور۔
۱- پیارے لال بھنڈاری	درجہ ہتک ہندی	معرفت سکریٹری رورل ڈیولپمنٹ ایسوسی ایشن بدایوں ۔
۱- سعید اللہ خاں	ہائی اسکول	مراد آباد ۔
۲- سید رفیق حسین	"	معرفت ۔ ایس ۔ ایم ظفر حسین ایم ۔ اے ۔ ایل ۔ ایل ۔ بی ۱۱۳/۱ سول لائنس مراد آباد ۔
۳- گجراج سنگھ	ورناکیولر فائنل	مراد آباد ۔
۱- جگت نرائن سکسینہ	ہائی اسکول	معرفت ڈاکٹر گرو سہائے ایم ۔ اے ۔ ایل ۔ ایل ۔ بی ایڈوکیٹ شاہجہاں پور ۔
۲- شانتی سروپ	ورناکیولر فائنل	" "
۳- چھوٹے لال مصرا	"	"
۱- محمد عمر	ہائی اسکول	موضع بھکاری پور ۔ پوسٹ و ضلع پیلی بھیت ۔
۱- بلبیر سنگھ	ہائی اسکول فیل	معرفت رائے چھدامی لال پوسٹ گینی ۔ بریلی ۔
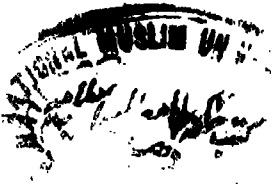
نام	قابلیت	پتہ
		الہ آباد کمشنری
۱۔ درین بندھو پاٹھک	ورناکیولر فائنل	موضع بسرا، پوسٹ جسرا، ضلع الہ آباد
۲۔ بھگوت پرشاد شکل	ہائی اسکول	موضع برندہ پوسٹ کرچھنا "
۳۔ وشوناتھ سنگھ	"	سرائے کسکوریا۔ پوسٹ بروت "
۴۔ راج نرائن سنگھ	"	کوتوال، پوسٹ ہنومان گنج "
۵۔ چھیدی سنگھ	"	موضع نان پورہ پوسٹ بارا "
۶۔ ابرار احمد	"	موضع و پوسٹ ہنگاون
۱۔ گیان چند شکل	"	" جلال آباد ضلع فرخ آباد
۲۔ آنند دھن بنرجی	"	معرفت سکریٹری رورل ڈیولپمنٹ ایسوایشن فرخ آباد
۳۔ رام غلام	ورناکیولر فائنل	موضع ننگا پتھر، پوسٹ فتح گڈھ ضلع فرخ آباد
۱۔ ہرنرائن مصرا	ہائی اسکول	موضع ٹیک پور۔ پوسٹ بسریر ضلع اٹاوہ
۲۔ اجاگر سنگھ	ورناکیولر فائنل	" چانگر " بھسو " "
۳۔ دیریندر واجپئی	ہائی اسکول	اٹاوہ
۱۔ چمن لال دکشت	ورناکیولر فائنل	موضع شیام پور پوسٹ جعفر گنج ضلع فتح پور
۲۔ ٹھاکر پرشاد دکشت	"	" دھرا گنج " کھاگا "
		جھانسی کمشنری
۱۔ عبدالعزیز	"	معرفت سید اختر حسین ٹھیکیدار پروا تالاب کے قریب اورئی ضلع جالون
۲۔ شیودیال	"	موضع گڑبار پوسٹ راٹھ ضلع حمیرپور
		بنارس کمشنری
۱۔ صغیر احمد	ورناکیولر فائنل	معرفت سکریٹری رورل ڈیولپمنٹ ایسوسی ایشن بنارس
۲۔ بندباسنی پرشاد	ہائی اسکول	" " " " " " "
۱۔ محمد رضا قریشی	"	معرفت سکریٹری رورل ڈیولپمنٹ ایسوسی ایشن مرزاپور
۲۔ رام سورت سنگھ	انٹرمیڈیٹ	" " " " " " "
۳۔ جگت سنگھ	ورناکیولر فائنل	" " " " " " "
۱۔ جگدمبا پرشاد	ہائی اسکول	معرفت سکریٹری رورل ڈیولپمنٹ ایسوسی ایشن جونپور
۲۔ سیتارام یادو	"	معرفت موہن رام یادو۔ موضع بھادی پوسٹ شاہ گنج جونپور
۱۔ من بودھ رام یادو	ورناکیولر فائنل	معرفت سکریٹری رورل ڈیولپمنٹ ایسوسی ایشن غازیپور
۲۔ گندھپتی رام	"	" " " " " "
۱۔ شیام لال گپت	"	موضع و پوسٹ بینار ضلع بلیا
		گورکھپور کمشنری
۱۔ رام لکھن شکل	ہائی اسکول	معرفت سکریٹری رورل ڈیولپمنٹ ایسوسی ایشن گورکھپور
۲۔ عبدالمجید	"	" " " " " " "
۳۔ سراج الحق	"	" " " " " " "
۱۔ غلام حسین	"	موضع جنتا ڈیہہ، پوسٹ دودھارا ضلع بستی
۲۔ مول چند	"	" دشنوپور " کلواری "
۱۔ گردھر رام	ورناکیولر فائنل	" دیاسی چریا کوٹ ضلع اعظم گڈھ

ہدایت نامہ خاوند
ہدایت نامہ خاوند
میرے سسر نے میرے خاوند کو بیاہ سے پہلے یہ کتاب مجھ کو دی
تھی ہماری زندگی جو اس قدر پرسکھ اور پرمزہ ہے اس کی وجہ وہ کہتے ہیں کہ
یہی کتاب ہے جس میں شادی شدہ زندگی کے متعلق تمام عملی ہدایات اور راز کی باتیں
کھول کر لکھی ہیں وہ تو ایک طرح سے اس کتاب کو پوجتے ہی ہیں (پریم ودیا)
کوی راج ہرنام داس بی اے لاہور

سستی
مال ڈھوائی کے لئے
اپنے مال ڈھوائی کے خرچ میں بچت کیجئے
سڑکوں کی لاگت میں بچت کیجئے

اُردو مطبوعات انڈین پریس لیمیٹڈ ۔ الہ آباد

ضروری ہدایات (۱) صاحب فرمائش کو اپنا نام اور پتہ خوش خط اور مفصل لکھنا چاہئے (۲) جو کتابیں کسی فرمائش کی بنا پر روانہ ہوں گی وہ کسی صورت میں واپس نہ ہوسکیں گی۔ (۳) بعض کتابیں بہت کم تعداد میں باقی رہ گئی ہیں۔ اسلئے اگر فرمائش میں دیر کی گئی اور وہ کتابیں ختم ہوگئیں تو اُنکا مہیا کرنا مشکل ہوگا۔ (۴) کتابیں منگاکر ان کو بہ انکاری واپس کردینا ایک قسم کا دھوکا دہی کا جرم ہے۔ اگر کسی وجہ سے مجبوراً ایسا کرنا پڑے تو صرفہ روانگی بھیجدینا چاہئے۔ (۵) معمولی قیمت کی فرمائشوں کی تعمیل کرنے میں ہمیں کچھ عذر نہیں مگر مناسب یہ ہے کہ اگر فرمائش ایک روپیہ سے کم کی ہے تو قیمت نقد بھیجدیجائے (۶) اگر آٹھ روز تک آپ کی فرمائش کا جواب نہ ملے تو خیال کرلینا چاہئے کہ ہمیں آپ کا آرڈر نہیں ملا۔ (۷) صرفہ روانگی (پیکنگ ومحصول ڈاک وغیرہ) ذمہ خریداران ہوگا (۸) جملہ فرمائشات پتہ ذیل پر روانہ کی جائیں

منیجر صاحب بکڈپو، انڈین پریس لمیٹڈ ۔ الہ آباد

رُوح انیس مرحوم

فردوسی ہند میر انیس اعلی اللہ مقامہ کے بہترین مرثیوں، سلاموں اور رباعیوں کا مجموعہ۔ ملک کو سید مسعود حسن صاحب رضوی ادیب ایم اے (صدر شعبۂ فارسی واُردو، لکھنؤ یونیورسٹی) کا شکرگزار ہونا چاہئے کہ انھوں نے متعدد قلمی نسخوں کے مقابلہ کے بعد اس مجموعہ کو مرتب فرمایا ہے۔ شروع میں ۴۰ صفحات کا مقدمہ ہے جس میں میر انیس مرحوم کے حالات زندگی اور کلام پر مختصر تبصرہ کے علاوہ حضرت امام حسین علیہ الصلاۃ والسلام کی شہادت کا مختصر بیان، مرثیہ اور اشخاص مرثیہ کے تحت میں نہایت ضروری اور قابل قدر معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں۔ آخر میں ۷۰ صفحات میں ضروری فرہنگ اور توضیحی حواشی ہیں۔ کتاب کا یہ حصہ اور بھی زیادہ ضروری ہے۔ شروع میں میر انیس مرحوم کی سہ رنگی تصویر ہے علاوہ ازیں جناب انیس مرحوم کی تحریر، مکان، مدفن اور ایک مجلس کی تصویر دی گئی ہے۔ جلد پر کربلائے معلی کا سبز نقشہ ہے۔ دیدہ زیب طباعت، خوبصورت جلد ۴۰۸ صفحات تقطیع کلاں قیمت تین روپئے۔

جذبات بسمل

منشی سکھ دیو پرشاد صاحب سنہا بسمل (الہ آبادی) کا مجموعہ کلام، کتاب کا نام جذبات بسمل بہت موزوں ہے کیونکہ جذبات ہی مصنف کے کلام کا بہترین امتیاز ہیں۔ زبان کی سادگی اور سلاست ان کے کلام کی دوسری خصوصیت ہے اور کیوں نہ ہو فن شاعری میں آپ ناخدائے سخن حضرت نوح ناروی مدظلہ کے شاگرد ہیں جو فصیح الملک حضرت داغ دہلوی مرحوم کے بلند پایہ تلامذہ میں ہیں۔

جناب بسمل زمانہ حال کے مقبول شعرا میں شمار کئے جاتے ہیں۔ زبان کی سادگی کیوجہ سے اُن کا کلام بہت پسند کیا جاتا ہے۔ آجکل جتنے اچھے اُردو رسالے چھپتے ہیں وقتاً فوقتاً بسمل صاحب کے کلام سے مزین ہوتے ہیں۔ شروع کتاب میں آنریبل جسٹس سر عبدالقادر جج ہائی کورٹ لاہور نے مقدمہ تحریر فرمایا ہے۔ ۲۱ تصویروں سے "جذبات بسمل" مزین ہے جس میں زیادہ سہ رنگی تصاویر ہیں اور بعض ہندوستانی فن تصویر کا بہترین نمونہ ہیں۔ لکھائی چھپائی کے متعلق صرف اتنا بتا دینا کافی ہے کہ ایسی نفاست وخوشنمائی سے کوئی کتاب اُردو زبان کی آج تک شایع نہیں ہوئی کوئی کتب خانہ اس کتاب سے خالی نہ ہونا چاہئے۔ قیمت ساڑھے چار روپیہ۔

پیام رُوح

یعنی مجموعہ کلام مسٹر حامد اللہ افسر۔ بی اے مع تقریب

از آنریبل سر شاہ محمد سلیمان صاحب ایم۔ اے ایل ایل۔ ڈی چیف جسٹس الہ آباد ہائی کورٹ و "مقدمہ" از میاں بشیر احمد صاحب بی۔ اے (آکسن) بیرسٹر ایڈیٹر رسالہ "ہمایوں" لاہور۔

میرے خیال میں ظاہری صورت اور باطنی خوبیوں کے لحاظ سے یہ مجموعہ اس قابل ہے کہ اُسے زبان اُردو کی بہترین اور پائدار تصنیفات کے ساتھ جگہ دی جائے اس ظاہری و معنوی محاسن پر میں لایق شاعر کو ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں۔ اور اُمید کرتا ہوں کہ پبلک انھیں وہ داد دے گی جس کے وہ مستحق ہیں"۔ (میاں بشیر احمد بی۔ اے (آکسن) بیرسٹر، ایڈیٹر "ہمایوں" لاہور۔)

"افسر کا نام اور کلام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ اُن کی شہرت خود ان کی مقبولیت کا ثبوت ہے۔ پیامِ رُوح ان کی تمام نظموں اور غزلوں کا مجموعہ ہے اس کی اشاعت سے شاعری میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوگا"۔

(آنریبل سر شاہ محمد سلیمان صاحب ایم۔ اے ایل ایل ڈی چیف جسٹس ہائی کورٹ الہ آباد۔)

کاغذ دبیز لکھائی چھپائی دیدہ زیب۔ چھ ہاف ٹون تصویریں جن میں تین سہ رنگی ہیں اس مجموعہ سے کتب خانہ خالی نہ رہنا چاہئے۔ قیمت صرف تین روپیہ۔

صبح وطن و مضامین چک بست

صبح وطن۔ یعنی مجموعۂ نظم پنڈت برج نرائن چکبست لکھنوی (مرحوم) "چک بست کی شاعری کی تحریک کا باعث کبھی تو حب وطن کا جوش ہوتا ہے۔ اور کبھی کوئی گزشتہ یا حال کا تاریخی واقعہ اُن کے طائر خیال کو پرواز میں لاتا ہے۔ کبھی قدرت کے نظاروں یا مذہبی رازوں کے انکشافات سے وہ اپنی نظموں کو آراستہ کرنے میں مدد لیتے ہیں اور کبھی انسانی جذبات اور احساس کی سچی تصویریں کھینچ کر عبرت کا سبق دیتے ہیں۔ قومیت کا خیال ان کی شاعری کی ساخت کا جزو اعظم ہے۔

برج نرائن چکبست دور جدید کے صرف ترجمان ہی نہیں بلکہ اس دور کے نمائندوں میں ان کا پایہ بہت بلند ہے جس قدر زمانہ گذرتا جائے گا اور اُردو شاعری مصنوعی قیود سے آزاد ہوتی جائیگی نیز آزادی کی ہوا میں اس کو نشو و نما پانے کا موقع ملے گا اسی قدر برج نرائن چکبست کی شہرت بتدریج بڑھتی جائے گی اور آیندہ نسلیں اس امر کو تسلیم کریں گی کہ وہ دور جدید کے رہنماؤں میں سے ہیں۔

(سر تیج بہادر سپرو)

مضامین چکبست۔ پنڈت برج نرائن چکبست مرحوم بلند پایہ شاعر ہونے کے علاوہ بہترین مضمون نگار بھی تھے۔ انکی وفات کے بعد ان کے مضامین نثر کا مجموعہ بھی شائع کیا گیا ہے۔ اس مجموعہ میں سوانحی، تنقیدی، تاریخی، قومی وغیرہ مضامین ہیں، اور بہت خوب ہیں۔

صبح وطن۔ مجلد۔ قیمت دو روپئے۔

مضامین چکبست۔ حجم ۳۵ صفحات قیمت صرف عمہ

یادگار نسیم

یعنی منشی دیاشنکر نسیم کی مشہور و معروف مثنوی گلزارِ نسیم و انتخاب "دیوان نسیم" مع حواشی و تبصرہ کلام مرتبہ مولوی اصغر حسین صاحب اصغر گونڈوی۔ آنریبل ڈاکٹر سر شاہ محمد سلیمان ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ ڈی، چیف جسٹس الہ آباد ہائی کورٹ تحریر فرماتے ہیں:۔

"یادگار نسیم جو مولوی اصغر صاحب نے تصحیح کے بعد شایع کی ہے مشہور و معروف شاعر نسیم کی مثنوی جسے انھوں نے مصلحتاً نامناسب اشعار، کو حذف کرنے کے بعد شایع کیا ہے۔ غزلیات میں سے جن غزلوں کا انتخاب کیا ہے وہ شاعر موصوف کی بہترین غزلیں ہیں۔۔۔۔۔ حواشی کا بھی اضافہ کیا گیا ہے۔ ۔۔۔۔ اس کتاب کا مقدمہ بجائے خود ایک عالمانہ تصنیف ہے مجھے یقین کامل ہے کہ اس کتاب کی قدر کما حقہ ہوگی جو اسکے

"شایانِ شان ہے" طباعت دیدہ زیب، خوشنما جلد قیمت دو روپیہ۔

کلام الملوک

یعنی شہزادگانِ دہلی کے کلام کا مجموعہ۔ ایک زمانہ میں قلعہ دہلی زبان اُردو کا مرکز تھا۔ یہاں وہ لوگ جمع تھے جو الفاظ کو بہت ہی صحت کے ساتھ بولتے اور بہت ہی اچھے اور زور دار معنی میں استعمال کرتے تھے اور انھیں کی زبان آج صحیح اور مستند سمجھی جاتی ہے۔ شہزادگانِ دہلی کا کلام بھی اسی لحاظ سے قابلِ قدر ہے۔ محاورات و اصطلاحات، روانی، صحت وزن، سلسلۂ خیالات، بلند آوازی، نازک خیالی، جوشِ بیان، نشستِ الفاظ اور عمدہ بندش کے علاوہ زبان صاف اور فصیح تکلف اور ابتذال نام کو نہیں۔ اگر زبان کا خاص رنگ اور شاعری کی اصلی حقیقت معلوم کرنا چاہتے ہیں تو اس مجموعہ کو ضرور ملاحظہ فرمائیے قیمت دس آنہ

معراجِ سخن

جناب سید خورشید حسن صاحب عروج مرحوم متخلص بہ "دولہا صاحب" نبیرۂ ناصرائے سخن میر انیس علی اللہ مقامہ کے تین مرثیوں کا نادر مجموعہ میں حسب ذیل مراثی ہیں:-

۱۔ ہے زیورِ عروسِ فصاحت سخن مرا - ۱۱۹ بند
۲۔ خلق میں خلقت آدم کا سبب کون ہوا - ۱۴۰ بند
۳۔ صبح عاشورِ محرم ہے قیامت کی سحر ۹۵ بند

اس کتاب پر ہندوستانی اکیڈیمی صوبجات متحدہ قابل مصنف کو پانسو روپیہ انعام عطا فرمایا ہے۔ زبان کے فدائیوں کے لئے نادر تحفہ ہے۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ۔

کہانی کیسے لکھنا چاہیئے؟

(مرتبہ و مؤلفہ منشی کنھیا لال صاحب ایم اے آر اے ایس)

کہانی کیسے لکھنا چاہئے؟ اس کتاب کا موضوع اس کے نام ہی سے ظاہر ہے مختصر فسانوں کے باب میں ساری باتیں بہت اچھی طرح سمجھائی گئی ہیں۔ مختصر ہونے کے باوجود جامع ہے۔ ایڈیٹروں، مضمون نگاروں، اور مبتدیوں کو ضرور مطالعہ کرنا چاہیئے۔ قیمت آٹھ آنہ۔

بہترین ناول و افسانے

فردوسِ خیال

منشی پریم چند کے گیارہ افسانوں کا مجموعہ۔ منشی پریم چند کے افسانے ہمیشہ اصلاحِ اخلاق و معاشرت پر مبنی ہوتے ہیں، اور ان کا مقصد شریفانہ جذبات مثلاً غیرت، حیا، خوفِ خدا، شجاعت اور آزادیِ ضمیر وغیرہ کا برانگیختہ کرنا ہوتا ہے۔ غیر ممکن ہے کہ کوئی سمجھدار منشی صاحب موصوف کی تصنیف پڑھے اور آپ کی جادو بیانی اور سحر نگاری کا قائل نہ ہو جائے اگر آپ نے اب تک اس مجموعہ کو ملاحظہ نہیں فرمایا تو آج ہی طلب فرمائیے۔ سرورق پر تین رنگ کی نہایت خوبصورت تصویر ہے۔ ۲۷۳ صفحہ کی کتاب ہے اور قیمت صرف ایک روپیہ۔

جلوۂ ایثار

بالاجی کے قومی کارناموں سے ہندوستان کا بچہ بچہ واقف ہے۔ "جلوۂ ایثار" میں اُن حالات اور واقعات کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جو اس کارنامے کے محرک ہوئے تھے۔ حالات اور واقعات دلچسپ و دلکش ہونے کے علاوہ حبِ قومی و جودت روحانی سے معمور ہیں۔ اس پر منشی پریم چند صاحب کی جادو نگاری سونے پر سہاگا ہے واقعی قابلِ مطالعہ ناول ہے۔ ۲۳۲ صفحات کی کتاب اور قیمت صرف بارہ آنہ۔

منیجر بکڈپو انڈین پریس لمیٹڈ الہ آباد

ڈالی کا جوگ

(اور دوسرے افسانے) مسٹر حامد اللہ افسر (میرٹھی)
کے گیارہ فسانوں کا مجموعہ ۔ یہ تمام فسانے مختلف اوقات میں بعض اُردو جرائد میں شایع ہو کر غلغلۂ قبولیت حاصل کر چکے ہیں ۔ ان میں سے بعض اس قدر مقبول ہو گئے ہیں کہ انگریزی، ہندی، اور گجراتی میں بھی ترجمے ہوئے فوٹو بلاک کی چند تصویریں بھی شامل ہیں ۔ قیمت ایک روپیہ ۔

شاما

مصنفہ پنڈت کشن پرشاد صاحب کول، ممبر سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی لکھنؤ)

یہ ایک دکھیاری کی درد بھری داستان ہے ۔ اقبال کا یہ شعر اس پر صادق ہے ۔

محبت کے شرر سے دل سراپا نور ہوتا ہے
ذرا سے بیج سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے

سرورق پر سہ رنگی تصویر اور کتاب کے شروع میں بھی ایک تصویر (فوٹو بلاک) لگائی گئی ہے ۔

قیمت ڈیڑھ روپیہ

سادھو اور بیسوا

یعنی دو حرماں نصیبوں کی کایا پلٹ ۔ ایک جگ بیتی کہانی
مصنفہ پنڈت کشن پرشاد صاحب کول، ممبر سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی لکھنؤ ۔ فرانسیسی اناطول فرانس کے ایک تاریخی ناول "تائیس" کو پڑھنے کے بعد اس کی تصنیف کا خیال پیدا ہوا ۔ "سادھو اور بیسوا" میں اُسی خیال کی پیروی اور اسی تصور کی تائید کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو "تائیس" کا امتیازی جوہر ہے ۔ اس کے باوجود نہ یہ اُس کا ترجمہ ہے نہ خلاصہ ۔ نہایت دلچسپ ناول ہے ۔ سرورق پر سہ رنگی تصویر ہے ۔ قیمت بارہ آنے ۔

"انور"

"شمیم" کے مشہور و معروف مصنف مسٹر فیاض علی ایڈوکیٹ فیض آباد کا دوسرا بے نظیر، دلپذیر، انقلاب انگیز شاہکار ۔ اور .... زبان اُردو کا بہترین ناول ......
۵۰۰ صفحے ۔ کاغذ ۔ کتابت ۔ طباعت نہایت عمدہ ۔ جلد بہت نفیس ۔ ۶ عدد تصویریں بہت ہی دلکش اور خوبصورت ...... قیمت عہ/

گھر بیٹھے دنیا کی سیر

کرنے والوں کو "تحفہ سیریز" کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے ! اس سلسلہ کی ایک ایک کتاب ایک ایک ملک کے متعلق ہے ملک کی مفید اور کارآمد معلومات ہر کتاب میں بہم پہنچائی گئی ہیں ۔ کوئی ضروری بات نظر انداز نہیں کی گئی ۔ کتابوں کو زیادہ مفید اور دلچسپ بنانے کے لئے مکالمہ کا طرز اختیار کیا گیا ہے جسکے باعث نوعمر لڑکوں اور لڑکیوں کو ان کے مضامین پر بہت جلد عبور ہو جاتا ہے ۔

مندرجہ ذیل کتابیں تیار ہیں ۔

(۱) تحفہ جاپان (۲) تحفہ چین
(۳) تحفۂ مصر و حبش (۴) تحفۂ لندن
(۵) تحفۂ فرانس (۶) تحفۂ جرمنی
(۷) تحفۂ آسٹریلیا (۸) تحفۂ فلسطین
(۹) تحفۂ امریکہ (۱۰) تحفۂ روس

ہر کتاب میں متعدد تصاویریں ہیں اور سرورق نہایت خوبصورت ۔ قیمت ہر کتاب کی چھ آنے ۔

آئی ۔ سی ۔ ایس

اُردو کے بہترین فسانہ نگار پروفیسر علی عباس حسینی ایم ۔ اے مصنف رفیق تنہائی، سرسید احمد پاشا، وغیرہ کے چودہ انقلاب انگیز افسانوں کا تازہ ترین مجلد دیدہ زیب مجموعہ

قیمت صرف عہ/

خدمتِ خلق

(مرتبہ مولوی نیاز محمد خاں صاحب معلم نارمل اسکول۔ الہ آباد) اس کتاب میں خدمت خلق کے عملی طریقے بتائے گئے ہیں جس سے دل پر پورا اثر ہوتا ہے۔ کتاب بہت اچھی، اور عجیب و غریب اخلاقی نکات و روحانی لطائف پر مشتمل ہے۔ حکومت صوبجات متحدہ نے اس کتاب پر مؤلف کو انعام بھی عطا فرمایا تھا۔ قیمت صرف بارہ آنہ

بچّوں کی دلچسپی

بہت لوگ بہت کم خیال کرتے ہیں، اور شاید یہی وجہ ہے کہ اردو زبان میں ایسی کتابیں بھی بہت کم ہیں جنھیں بچے دلچسپی اور شوق سے پڑھیں تاہم انڈین پریس لمیٹڈ الہ آباد نے چند کتب خاص طور پر بچوں کے لئے چھاپی ہیں۔ جن کو بچوں کی دلچسپی کا سامان کہا جا سکتا ہے۔

الف بے کا کھلونا

یہ پیاری کتاب ننھے منے بھائی بہنوں کے لئے ہے۔ کھیل ہی کھیل میں وہ حروف تہجی سے آشنا ہو جاتے ہیں۔ ہر حرف کے لئے ایک رنگین تصویر اور ایک شعر ہے۔ زیر، زبر، اور پیش وغیرہ کا بھی خیال رکھا گیا ہے چھپائی رنگین اور بہت صاف۔ ۳۲ عکسی تصویریں۔ اگر آپ کے یہاں کئی بچے ہوں تو متعدد نسخے طلب فرمائیے ورنہ بچے آپس میں لڑیں جھگڑیں گے
قیمت صرف تین آنے

انوکھی کہانیاں

یہ کتاب بہت پسند کی گئی ہے گیارہ نصیحت آموز کہانیاں اس میں درج ہیں۔ زبان بہت آسان۔ ممکن نہیں کہ کوئی بچہ اسکو ختم کئے بغیر چھوڑ دے۔ ہر کہانی کے ساتھ ایک تصویر ہے۔ خوبصورت کتاب ہے، بچے اس کو دیکھتے ہی مچل جاتے ہیں۔ سرورق پر تین رنگ کی تصویر ہے۔ قیمت ۴ آنہ

مفید ایجادات کی کہانی

"یہ منشی پیارے لال صاحب شاکر (میرٹھی) کی قابل قدر تصنیف ہے۔ یہ کتاب اردو میں اپنی وضع کی بالکل انوکھی تصنیف ہے اور مفید معلومات کے لحاظ سے اس قابل ہے کہ ہر شخص کے مطالعہ میں آئے۔ کاغذ، کتابت، طباعت اور سرورق بے انتہا نفیس ہے۔ اس قدر اچھے اہتمام سے بہت کم کتابیں اردو میں چھپی ہیں۔ تشریح مطالب کے لئے جا بجا بے شمار تصاویر دی گئی ہیں"

قیمت علاوہ محصول ڈاک ۱۰/

ایسپ کی کہانیاں

ایسپ ایک مشہور حکیم گزرا ہے جو مورخین کے بیان کے مطابق حضرت مسیح سے ۶۲۰ برس قبل پیدا ہوا تھا۔ حکیم ایسپ انسان کی پند و نصیحت کے لئے مختلف قسم کی فرضی حکایات اور کہانیاں بیان کیا کرتا تھا۔ انھیں کہانیوں کی وجہ سے دنیا میں اس کا نام اب تک زندہ ہے۔ اس مجموعہ میں ایسپ کی تین سو کہانیاں یکجا شائع کی گئی ہیں۔ چھیاسی تصویریں بھی شامل کتاب ہیں جن کے باعث یہ مفید کتاب اور زیادہ دلچسپ ہو گئی ہے۔ لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے یہ ایک اچھا تحفہ ہے۔ کتاب مجلد ہے۔ قیمت دو روپے،

میرے وطن کی کہانی

تاریخ ہند کے کئی خاص اور روشن ابواب طلباء کو اسکولوں میں نہیں پڑھائے جاتے، حالانکہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے ان کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ اس کتاب میں بعض اسی قسم کے واقعات نوعمر لڑکوں اور لڑکیوں کے تفریحی مطالعہ کے لئے بیان کئے گئے ہیں بیس ہاف ٹون عکسی تصویریں بھی

شیخ چلی کی کہانیاں

شیخ چلی کا نام آپ نے ضرور سنا ہوگا۔ یہ وہ جاونہیں تھا

ہے جو ہر ملک اور ہر زمانہ میں ہمیشہ موجود رہی ہے۔ اس کتاب میں آپ ہی کے کارنامے درج ہیں جو گیارہ کہانیوں میں بیان کئے گئے ہیں۔ یہ کہانی اس قدر پر لطف ہے کہ انسان بھوک پیاس بھول جاتا ہے۔ پڑھتے جائیے اور ہنستے جائیے۔ لکھائی چھپائی ایسی عمدہ ہے کہ بچوں کو بطور انعام دی جاسکتی ہے۔ ۱۰۰ صفحات کی کتاب کی قیمت صرف دس آنے۔

داستانِ عجم

بچے بادشاہوں کے قصے بہت شوق سے پڑھتے ہیں لیکن جھوٹے اور بے اصل قصوں سے یہ بہتر ہے کہ انھیں بادشاہوں کے تاریخی قصے پڑھنے کو دئے جائیں۔ اس مقصد کے لئے داستانِ عجم بہت اچھی کتاب ہے۔ خلاق سخن فردوسی کے "شاہ نامہ" میں جن بادشاہوں اور بہادروں کے کارنامے بیان کئے گئے ہیں انھیں کو اس کتاب میں بچوں کے لئے بہت سلیس اور عام فہم عبارت میں لکھا گیا ہے۔ ضرور منگائیے۔ قیمت حصہ اول دس آنے حصہ دوم دس آنے۔

رابنسن کروسو

ایک نو عمر لڑکا گھر سے فرار ہو کر بحری سفر اختیار کرتا اور طرح طرح کی مصائب اٹھاتا ایک غیر آباد جزیرہ میں پہنچتا ہے اور بیس پچیس برس تک مجبوراً وہیں رہتا ہے اتنی مدت اس نے کیونکر بسر کی؟ اور پھر یہاں سے کیسے نکلا؟ وغیرہ واقعات نہایت دلچسپ ہیں۔ اس کتاب کو نو عمر بچے بہت شوق اور دلچسپی سے پڑھتے ہیں۔ ہاف ٹون بلاک کی چھ تصویریں شامل کتاب ہیں جن میں ایک سہ رنگی ہے حجم ڈھائی سو صفحات سے زیادہ اور قیمت صرف بارہ آنے۔

لال کٹھور

اس کتاب میں "بہرام" کو بالکل نئے لباس میں پیش کیا گیا ہے۔ اس کے جدید کارنامے اس قدر دلچسپ ہیں کہ کتاب شروع کرکے ختم کئے بغیر ہاتھ سے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے۔

کھیل تماشا

یہ کتاب کچھ نظم میں ہے اور کچھ نثر میں۔ اس میں چھوٹی چھوٹی نصیحت آموز حکایتیں اور چٹکلے ہیں۔ بچے اس کو بہت شوق سے پڑھتے ہیں کیونکہ یہ انھیں کی زبان میں اور اُن کے مذاق کے موافق لکھی گئی ہے۔ مضمون کی وضاحت کے لئے تصویریں بھی دی گئی ہیں۔ چھپائی رنگین اور صاف۔ قیمت ۳ آنہ۔

ہونہار لڑکا

(مؤلفہ شاکر میرٹھی)

یہ کتاب ایک غریب لڑکے کی سچی داستان پر مشتمل ہے جس نے اپنی بلند ہمتی اور نیک طبعی کے باعث بڑی عزت و شہرت حاصل کی۔ عبارت سلیس اور عام فہم۔ قصہ اتنا دلچسپ کہ بچے نہایت شوق سے پڑھتے ہیں۔ بچوں کی دلچسپی کے لئے کتاب کو تصاویر سے مزین کیا گیا ہے، اور سرورق پر تین رنگ کی تصویر ہے۔ قیمت صرف پانچ آنے۔

تالیفات مولوی ظفر عمر

بہرام کی گرفتاری

"نیلی چھتری" کے نامور مؤلف ظفر عمر صاحب بی، اے نے اس کتاب کے ہیرو "بہرام" کو اس عمدگی سے اردو پبلک سے روشناس کرایا ہے کہ لوگوں نے اپنے فسانوں میں اس کا چربہ اتارنے کی خوب خوب کوشش کی۔ مگر وہ بات کہاں!؟ اصل ہے "بہرام کی گرفتاری" نہایت دلچسپ اور پسندیدہ ناول ہے۔ ضرور منگائیے۔ قیمت ایک روپیہ۔

چوروں کا کلب

اس کلب کے ممبر دنیا بھر کے لہو و لعب سے سیر ہو گئے ہیں اور معمولی مشاغل میں چنداں تفریح حاصل نہیں ہوتی۔ اور محض دل بہلانے اور چوری کے خطرات سے لطف اٹھانے کے لئے یہ کلب قائم کیا گیا ہے۔ یہ کتاب اس قدر دلچسپ ہے کہ تیسری بار شایع ہوئی ہے۔ قیمت ۹ آنے۔

منیجر بک ڈپو۔ انڈین پریس لمیٹڈ الہ آباد

ہل کے قواعد

۱۔ ہل ہر ماہ میں ہندی اُردو دونوں زبانوں میں شائع ہوتا ہے۔

۲۔ محصول ڈاک سمیت اس کی سالانہ قیمت چار روپیہ آٹھ آنہ پیشگی ہے۔ ایک نمبر کی قیمت ۶ آنہ ہے۔ ہندوستان کے باہر سالانہ قیمت ۶ روپیہ ۱۲ آنہ ہے۔ برما کے لئے ۵ روپیہ آٹھ آنہ ہے۔

۳۔ جن صاحب کو کسی ماہ میں ہل نہ ملے انھیں پہلے اپنے ڈاکخانہ میں دریافت کرنا چاہئے۔ پتہ نہ لگنے پر ڈاکخانہ کے جواب کے ساتھ ہمیں اگلے ماہ کی ۱۵ تاریخ تک لکھنا چاہئے۔

۴۔ خط لکھتے وقت نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہئے۔ ورنہ جواب ملنا مشکل ہوگا۔

۵۔ مضمون، تصویر، تبصرہ کے لئے کتابیں اور تبادلے کیلئے اخبارات وغیرہ بنام اڈیٹر ہل، انڈین پریس لمیٹڈ الہ آباد بھیجنا چاہئے۔

۶۔ ہل میں صرف دیہاتوں کی دلچسپی اور گاؤں سے تعلق رکھنے والی چیزیں چھپتی ہیں اور اس کی زبان ہندوستانی یعنی آسان اُردو یا آسان ہندی ہے۔ ہل کے لئے مضامین بھیجنے والوں کو اس بات کا ضرور خیال رکھنا چاہئے۔

۷۔ کسی مضمون یا نظم کے شائع کرنے یا نہ کرنے اور اسے واپس کرنے یا نہ کرنے کا اختیار بھی اڈیٹر کو ہے۔ واپس شدہ مضامین کا ڈاک خرچ اور رجسٹری خرچ مضمون نگار کے ذمہ ہوگا۔ بغیر اس کے مضامین نہ واپس ہوں گے۔

۸۔ نامکمل مضامین نہیں شائع ہوتے۔ جگہ کے مطابق مضامین ایک یا زیادہ تعداد میں شائع ہوتے ہیں۔

۹۔ جن مضامین میں تصاویر ہوں گی اُن تصاویر کے ملنے کا جب تک مضمون نگار انتظام نہ کر دینگے تب تک وہ مضامین نہ شائع ہوں گے۔ اگر تصاویر حاصل کرنے میں خرچ ضروری ہوگا تو دیا جائے گا۔

ہل کی اُجرت اشتہارات

سرورق کا دوسرا صفحہ	۵۴	روپیہ ماہوار
" " تیسرا صفحہ	۴۵	"
" " چوتھا صفحہ	۸۰	" "
مضامین کے اختتام کے سامنے کا صفحہ ..	۳۵	" "
" " " " کا ایک کالم ..	۱۸	" "
سرورق کے دوسرے صفحہ کے سامنے والا صفحہ	۳۵	" "
" " " " ایک کالم ..	۱۸	" "
سرورق کے تیسرے صفحہ کے سامنے والا صفحہ ..	۳۵	" "
" " " " ایک کالم	۱۸	" "
رنگین تصویر کے سامنے والا صفحہ	۳۵	" "
" " " ایک کالم ..	۱۸	" "

عام اُجرت

ایک صفحہ یا دو کالم کی اُجرت	۳۰	روپیہ ماہوار
½ " یا ۱ کالم " "	۱۶	" "
¼ " یا ½ کالم "	۹	" "
⅛ " یا ¼ کالم " "	۵	" "

۱۔ ہل میں مخرب اخلاق اشتہارات نہیں شائع ہوتے لہٰذا گندے اور عریاں اشتہار نہ بھیجئے۔

۲۔ ایک کالم یا اس سے زیادہ اشتہار دینے والے کو ہل بلاقیمت بھیجا جاتا ہے۔

۳۔ اُجرت اشتہارات جو اوپر درج کی گئی ہے مکمل (Final) ہے۔ اس کے لئے خط و کتابت کرنی بیکار ہے۔

۴۔ جتنے وقت کیلئے کنٹرکٹ کیا جائیگا اُس وقت تک اشتہار چھپانا ہوگا۔ اشتہار نہ چھپانے پر اُسکی قیمت ادا کرنی ہوگی۔

خط کتابت کا پتہ۔

منیجر ہل، شعبہ اشتہار
انڈین پریس لیمیٹڈ۔ الہ آباد

Regd. No. A-3285

آبپاشی کا ایک منظر

باہتمام کے - مترا سپرنٹنڈنٹ انڈین پریس لمیٹڈ الہ آباد نے چھپوا کر شائع کیا